سیپ

بلقیس کنول

پیش گوئی

"نقشِ قدم" "مہندی رچے ہاتھ" "وفا" اور "گرداب" کے بعد "سیپ" میرا پانچواں ناول ہے جسے عبدالغفار صاحب' علی میاں پبلی کیشنز کے تحت بڑے اہتمام سے پیش کر رہے ہیں۔ اس سے پیشتر لاہور کے دو ادارے میرے ناول "دھند" اور "تشنہ لب" بھی شائع کر چکے ہیں۔

میں نے شروع میں ایک موقع پر عبدالغفار صاحب سے کہا تھا کہ اگر ان کا خلوص اور میری کاوشیں شاملِ حال رہیں تو خواتین ناول نگاروں کا دور پھر واپس آئے گا۔ شاید وہ قبولیت کی گھڑی تھی جو قدرت نے میری پیش گوئی کی لاج رکھ لی۔ چنانچہ رُت بدل رہی ہے۔ ہولناک اور پُراسرار ناولوں کے علاوہ اب بیشتر ناشران نے خواتین کے ناولوں کی اشاعت کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ حالات کی یہ کروٹ مہذب' معاشرتی اور سماجی ناول پڑھنے والی بہنوں اور خواتین ناول نگاروں کے لئے یقیناً بڑی خوش آئند ہے کہ لائبریری کے علاوہ اب بڑے بڑے بک اسٹالوں پر بھی معیاری ناولیں نمایاں جگہ حاصل کرنے لگی ہیں۔

"سیپ" کے سلسلے میں پہلی بار میں ایک بات بڑے یقین اور اعتماد سے کہہ رہی ہوں کہ یہ ہر اعتبار سے ایک مکمل معاشرتی اور اصلاحی ناول ہے جسے آپ ادبی فن پاروں کے شیلف (Shelf) میں نمایاں جگہ دے سکتے ہیں۔ اس کی کہانی کا ہر کردار ہمارے ماحول اور معاشی حالات کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔

فراز اور ناہید کے مرکزی کرداروں کے گرد گھومتی ہوئی "سیپ" کی کہانی کے تانے بانے بُنتے وقت مجھ پر مختلف کیفیتیں طاری ہوئیں۔ کبھی ناہید کی مجبوری اور بے بسی محسوس کر کے میری آنکھوں سے ساون کی جھڑی لگ گئی۔ کبھی فراز کی پاکیزہ محبت کو پامال ہوتا دیکھ کر میں دل مسوس کر رہ گئی۔ کبھی منصور کے روپ میں ایک مرد کا تصور میرے

ذہن میں کلبلاتا تو میرا چہرہ غصے سے سرخ ہو جاتا۔ نازلی کے کردار میں مجھے ایک زخمی ناگن نظر آتی تو میں جھنجلا اٹھی۔ فرزین کے ناپختہ ذہن میں شکوک اور شبہات ابھرتے دکھائی دیتے تو میرا سر شرم سے جھک جاتا۔ کبھی کبھی دولت کی فراوانی اور بزرگوں کی تربیت کا فقدان بھی ایک بسے بسائے گھر کی بربادی کا سبب بن جاتا ہے۔ مغربی تہذیب کا قاتل زہر خون میں شامل ہو جائے تو راہیں کھوٹی ہو جاتی ہیں اور ..... "سیپ" کے خاکے کے دھنک رنگ آپ کو بھی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنے پر مجبور کر دیں گے۔ زیر نظر ناول کے بارے میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتی ہوں کہ کم و بیش چوبیس سال پہلے یہ ماہنامہ "پاکیزہ" کراچی میں قسط وار شائع ہوتا رہا ہے۔

"سیپ" وہ واحد ناول ہے جسے میں نے بھی ایک عام قاری کی حیثیت سے متعدد بار بڑے ذوق و شوق سے پڑھا اور ہر بار یہ مجھے پہلے سے زیادہ خوبصورت لگا۔ مجھے قوی امید ہے کہ "سیپ" کو ہر طبقۂ فکر اور مکتبۂ خیال کے قارئین میں یکساں طور پر پسند کیا جائے گا۔ آپ کا کیا خیال ہے.....!

بلقیس کنول

شاہراہ خسرو پر لبِ سڑک بنی آسمانی رنگ کی ایک منزلہ عمارت اپنی ظاہری حالت میں اس بات کا منہ بولتا ثبوت معلوم ہوتی ہے کہ اس کے مکین متوسط درجے کے لوگ ہیں' عمارت کا بیرونی حسن نمائشی شان و شوکت سے یکسر عاری ہے لیکن چھوٹے سے لان میں اُگی ہوئی سرسبز گھاس اور چاردیواری کے ساتھ ساتھ بنی ہوئی کیاریوں میں چمپا' چنبیلی' رات کی رانی اور گلاب کے مہکتے پودے جس سلیقے سے لگے ہیں اُس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ عمارت میں رہنے والے افراد باذوق اور سادگی پسند ہیں۔ پھاٹک کے ایک ستون پر شیخ الطاف حسین کے نام کی تختی آویزاں ہے جس کے حروف دھندلے ہونے کے باوجود بہ آسانی پڑھے جا سکتے ہیں۔

اندر سے عمارت کُل چھوٹے بڑے تین کمروں پر مشتمل ہے۔ دو کمروں کو بطور خواب گاہ استعمال کیا جاتا ہے اور تیسرا کمرہ جو نسبتاً بڑا ہے' اُسے بیٹھک کے طور پر آنے جانے والوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے۔ رہائشی کمروں میں سے ایک شیخ الطاف حسین اور اُن کی بیگم شاکرہ خاتون کے استعمال میں ہے اور دوسرا اُن کی بیٹی ناہید اور چھوٹے بیٹے راشد کے لئے وقف ہے۔ کمروں کے آگے جو ورانڈا ہے اس پر چلمن ڈال دی گئی ہے اور اُسے موسم کے سرد و گرم سے محفوظ کرنے کی غرض سے چلمن کی ایک جانب گہرے نیلے رنگ کا پردہ بھی پڑا نظر آتا ہے۔ جگہ کی قلت کی وجہ سے گھر کا کچھ ساز و سامان ورانڈے میں بھی بڑے سلیقے اور ہنرمندی سے رکھا گیا ہے۔ شیخ صاحب کے کمرے کے آگے ورانڈے میں نماز کی چوکی موجود ہے اور اُس چوکی کے ساتھ آبنوسی لکڑی کی ایک الماری بھی رکھی ہے۔ کمروں اور بیٹھک کا ساز و سامان درمیانہ درجہ کا ہے لیکن اُس کی سجاوٹ اور رکھ رکھاؤ کو دیکھ کر گھر والوں کی سادگی میں بھی پُرکاری کا گمان ہوتا ہے۔

شیخ صاحب کی لڑکی ناہید کی عمر اس وقت انیس سال ہے۔ پچھلے سال اُس نے بی اے کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کر کے تعلیم سے فراغت حاصل کر لی ہے اور اب مشرقی سگھڑ لڑکیوں کی طرح گھر کے کام کاج میں ماں کا ہاتھ بٹانے میں مصروف رہتی

ہے۔ شکل و صورت میں وہ لاکھوں میں نہ سہی لیکن ہزاروں میں ایک کہلانے کی ضرور مستحق تھی۔ قدرت نے اُسے ماں باپ کے حُسن کا امتزاجی پیکر بنا دیا ہے۔ دراز قد، حسین خد و خال اور دلکش معصوم باتوں کی وجہ سے وہ جس محفل میں بھی ہو مرکز نگاہ بن جاتی ہے۔ مشرقی تہذیب اور والدین کی تربیت نے اُسے حُسن سیرت میں بھی اپنی مثال آپ بنا دیا ہے۔ اگر باپ کی طرف سے اُسے حُسن گفتار، سنجیدگی اور متانت عطا ہوئی ہے تو ماں نے اُسے سادگی، سینے پرونے، کھانے پکانے اور شرم و حیا کے زیور سے آراستہ کیا ہے۔ خاندان کے سب چھوٹے بڑے اُسے پسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہیں۔ محلے کے گھرانے اپنی لڑکیوں کو ناہید کے مثالی کردار کی روشنی میں پروان چڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔

شاکر کی عمر چودہ سال ہے۔ گزشتہ سال اُس نے نویں جماعت میں کامیابی حاصل کی تھی اور اب میٹرک میں زیرِ تعلیم ہے۔ بڑی بہن کے مقابلے میں اُس کی عادتیں قدرے مختلف ہیں، بزرگوں کے سامنے کبھی اُس نے نظریں اُٹھا کر گفتگو نہیں کی لیکن اپنے ہم عمروں میں اُس کی شوخیاں اور شرارتیں مشہور ہیں۔ اسکول میں اساتذہ کی تعظیم و تکریم نے اُسے مقبول کر رکھا ہے مگر ہم جماعتوں میں اُسے بلا کا ذہین اور حاضر جواب کہا جاتا ہے۔ باپ کی طرف سے اُسے جو ذہانت ورثے میں ملی ہے اُس نے کبھی کسی امتحان میں اسے مایوسی سے ہمکنار نہیں ہونے دیا۔ امتحان کا کمرہ ہو یا کھیل کا میدان، اُسے ہمیشہ اپنے ہم جماعتوں پر سبقت حاصل رہتی ہے۔ ناہید کے مقابلے میں اُس کا رنگ و روپ ذرا دبتا نظر آتا ہے لیکن وہ ابھی سے مردانہ حُسن و وقار کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔

شیخ الطاف حسین کا تعلق الہ آباد کے ایک متوسط گھرانے سے تھا۔ اُن کے والد شیخ اقبال حسین بے حد نمازی پرہیزگار اور صوم و صلوٰۃ کے پابند تھے۔ جب تک زندگی نے وفا کی وہ اپنے دونوں بیٹوں الطاف حسین اور حامد حسین کو ایک ہی چھت تلے سمیٹے بیٹھے رہے۔ بیٹوں کو ہمیشہ نماز و روزہ کی تلقین کرتے رہے اور یہی نصیحت کرتے رہے کہ اچھا انسان وہ ہے جو دوسروں کی دل شکنی نہ کرے، جھوٹ نہ بولے اور حرام کی روزی اور مکرو فریب سے کمائی ہوئی دولت سے زندگی کی جھوٹی مسرتیں اور عارضی نام و نمود حاصل کرنے سے پرہیز کرے اور فقر و فاقہ میں بھی کبھی یادِ الٰہی سے غافل نہ ہو۔ الطاف حسین عمر میں بڑے ہونے کے علاوہ والدین کی خدمت کرنے کے بھی عادی تھے اس لئے والدین کی شب و روز کی نصیحت اُن کے ذہن میں پختہ ہو گئی لیکن چھوٹے بھائی حامد حسین کو ماں باپ کی نصیحتوں سے ہمیشہ بس اسی حد تک سروکار رہا کہ ایک کان سے سب کچھ سنتے اور

دوسرے سے اُڑا دیا کرتے۔

تعلیمی میدان میں بھی بڑے بھائی کے مقابلے میں حامد حسین بالکل کورے تھے۔ دو سال متواتر میٹرک میں فیل ہوئے تو والدین نے انہیں ایک قریبی ملنے والے مرزا شرافت علی کے پاس لکھنؤ بھیج دیا۔ مرزا شرافت علی شیخ اقبال حسین کے پرانے دوستوں میں سے تھے لیکن حامد حسین کے معاملے میں وہ اپنے نام کی ضد ثابت ہوئے اور اس کی بنیادی وجہ اُن کی لڑکی نجمہ تھی جسے ماں باپ کے لاڈ پیار نے خاصا خودسر اور آزاد خیال بنا دیا تھا۔

حامد حسین کے دل میں اوّل تو پختگی نہیں تھی پھر جب والدین سے دور ہوئے تو زمانے کی ہوا نے اُن کی تربیت کے رنگ پر بھی اثر ڈالا۔ مرزا شرافت علی کے پاس جا کر انہوں نے کسی نہ کسی طرح لشتم پشم میٹرک تو پاس کر لیا لیکن نجمہ کی زلفوں کا شکار بھی ہو گئے۔ دو سال متواتر نجمہ کا قرب حاصل رہا تو ماحول کے رنگ ڈھنگ نے حامد حسین کو بھی خاصا آزاد خیال بنا دیا۔ ایف اے پاس کر کے الہ آباد واپس آئے تو باپ سے مطالبہ کر بیٹھے کہ اُن کی شادی نجمہ سے کر دی جائے۔ باپ کو حامد حسین کی فرمائش پوری کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا لیکن وہ چاہتے تھے کہ پہلے بی اے تک تعلیم مکمل کر لی جائے پھر شادی بیاہ کا معاملہ طے کیا جائے مگر حامد حسین نے جنہیں نجمہ کی دوری پل پل ڈس رہی تھی، باپ کی آرزو پوری کرنے سے دبے لفظوں میں انکار کر دیا۔ شیخ اقبال حسین، صاحبِ ثروت ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اصولوں پر بڑی سختی سے چلنے کے عادی تھے۔ انہیں بیٹے کی خودسری سے جو دلی صدمہ پہنچا وہ ناقابلِ برداشت تھا۔ انہوں نے جوان بیٹے کے منہ لگنے کے بجائے یہ مناسب خیال کیا کہ مرزا شرافت علی کو خط تحریر کر کے بگڑی ہوئی بات کو سنوارنے کی کوشش کی جائے لیکن ماں کی ممتا آڑے آ گئی اور مجبوراً انہیں اولاد کی خوشی کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑا۔

نجمہ نے نجمہ بیگم بن کر گھر میں قدم رکھا تو بگڑے ہوئے حالات میں جو کسر باقی رہ گئی تھی وہ بھی پوری ہو گئی۔ حامد حسین پہلے ہی بیوی کی مٹھی میں تھے نجمہ بیگم نے ساس و سسر کو بھی اپنے ہاتھوں میں لینا چاہا، کچھ دنوں تک دونوں کی خدمت کرتی رہیں لیکن جب یہ محسوس کر لیا کہ ساس و سسر کی زمانہ ساز اور تجربہ کار نظروں کے سامنے اُن کی ایک بھی نہ چلے گی تو نجمہ بیگم نے دوسرا حربہ استعمال کیا اور شوہر کو علیحدہ گھر لے کر رہنے کی ضد شروع کر دی۔ حامد حسین نے والد کی بیماری اور ماں کے بڑھاپے کے خیال سے نجمہ بیگم کو بہتیرا سمجھانے کی کوشش کی مگر آخرکار بیوی کے پیہم اصرار کے آگے مجبور ہو

گئے اور الگ گھر لے لیا۔ نجمہ بیگم کو نئے گھر میں آ کر کھل کھیلنے کا موقع میسر آ گیا۔ ساس سسر کی بیماری سے تو اُن کو کوئی سروکار نہیں تھا۔ البتہ یہ فکر ضرور لاحق تھی' اگر اُن کی آنکھ بند ہو گئی تو جائیداد کے بٹوارے کا مسئلہ ضرور کھٹائی میں پڑ جائے گا۔ یہی فکر اُن کو دن رات پریشان رکھتی تھی کہ کسی طرح جائیداد کا بٹوارہ ہو جائے۔ چنانچہ ایک روز جب حامد حسین نے واپس آ کر یہ بتایا کہ شیخ اقبال حسین کی حالت دن بدن گرتی جا رہی ہے تو نجمہ بیگم نے شوہر کا دل رکھنے کی خاطر دو چار مگرمچھ کے آنسو بھی بہا ڈالے۔ پھر اسی رات جب حامد حسین سونے کے ارادے سے لیٹے تو نجمہ بیگم نے اپنے دل کی بات چھیڑنے کی خاطر کہا۔

"آپ اِدھر کچھ دنوں سے بہت زیادہ پریشان نظر آ رہے ہیں۔ کیا مجھ سے کوئی شکایت پیدا ہو گئی ہے؟"

"کیسی باتیں کرتی ہو نجمہ!" حامد حسین نے بیوی کے اُترے ہوئے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "بھلا مجھے تم سے کیا شکایت ہو سکتی ہے؟"

"پھر..... آپ ہر وقت چپ چپ کیوں رہتے ہیں؟" نجمہ بیگم نے بڑے پیار سے شوہر کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

"امی اور ابو کی طرف سے دل پریشان رہتا ہے۔" حامد حسین نے جواب دیا۔ "ڈاکٹر بھی تسلی بخش باتیں نہیں کر رہے۔"

"ایسی بدشگونی کی بات کیوں کرتے ہیں آپ' خدا نے چاہا تو امی اور ابو بہت جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو لیکن نہ جانے کیوں میرا دل ہر وقت بُری طرح دھڑکتا رہتا ہے۔"

"دھڑکنا بھی چاہئے' آخر کو آپ اولاد جو ہیں۔" نجمہ بیگم نے کہا پھر کچھ سوچ کر شوہر کی دلجوئی کی خاطر بولیں۔ "میں تو کہتی ہوں آپ کو رات کو بھی وہیں رہنا چاہئے۔"

"اور تم جو یہاں اکیلی رہو گی؟" حامد حسین نے خالی نگاہوں سے بیوی کو تکتے ہوئے کہا۔

"آپ کو مجھ سے زیادہ والدین کی فکر لاحق ہونی چاہئے۔ پھر میں اکیلی کب ہوں' ملازم اور خانساماں بھی تو ہیں۔" نجمہ بیگم نے جلدی سے بات بناتے ہوئے کہا۔ "گھر اکیلا نہیں چھوڑا جا سکتا ورنہ میرا دل بھی چاہتا ہے کہ امی اور ابو کے پاس جا کر رہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ ابو کو اس بات کا صدمہ بھی ہے کہ ہم اُن سے علیحدہ ہو گئے۔" حامد حسین دبی زبان میں بولے۔

"میں تو کبھی علیحدہ نہ ہوتی لیکن....." نجمہ بیگم کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئیں۔

"لیکن کیا؟" حامد حسین نے بیوی کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا تو نجمہ بیگم کو موقع مل گیا۔ آنکھوں میں نمی لا کر بولیں۔

"مجھے خدشہ تھا کہ کہیں میری خدمت گزاری کو غلط رنگ نہ دیا جائے۔ لوگ یہ نہ کہیں کہ بہو بیگم جائیداد کے بٹوارے کے لئے ساس سسر کی خدمت میں لگی رہتی ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں۔" حامد حسین نے بیوی کو غور سے دیکھتے ہوئے قدرے تیزی سے سوال کیا۔ "کیا کسی نے ایسی کوئی بات کی تھی؟"

"کی تو خیر نہیں تھی لیکن کہنے والوں کی زبان پر تالے بھی تو نہیں ڈالے جا سکتے ..... خیر چھوڑیئے اس قصے کو۔ یہ بتایئے کہ ڈاکٹروں نے کیا تشخیص کی ہے؟"

"یہی تو فکر ہے' ڈاکٹر کھل کر کچھ نہیں بتا رہے۔"

"ممکن ہے بھائی جان کو کچھ علم ہو؟" نجمہ بیگم نے ڈاکٹر کی شخصیت کو درمیان میں ملوث کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں' ایسا نہیں ہو سکتا ..... بھائی صاحب کو علم ہوتا تو وہ مجھ سے ضرور تذکرہ کرتے۔"

"وہ آپ سے بڑے ہیں' ہو سکتا ہے انہوں نے آپ کو پریشان نہ کرنا چاہا ہو یا پھر کسی مصلحت کے پیش نظر خاموشی اختیار کر لی ہو۔"

"کیسی حماقت کی باتیں کرتی ہو!" حامد حسین نے چڑ کر جواب دیا۔ "بھلا ابو جان کی بیماری کی اصلیت چھپانے میں کیا مصلحت ہو سکتی ہے؟"

"یہی تو افسوس ہے کہ آپ ضرورت سے زیادہ بھولے اور سیدھے واقع ہوئے ہیں۔" نجمہ بیگم نے شوہر کو قاتل نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "جائیداد کے بٹوارے کے معاملے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اپنوں کا خون بھی سفید ہو جاتا ہے۔"

"کیا مطلب؟" حامد حسین چونکے۔ "کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ بھائی صاحب نے جائیداد کے لالچ میں ابو جان کی بیماری کی اصل وجہ پوشیدہ کر رکھی ہے۔"

"میں بھائی جان کو خیر ایسا نہیں سمجھتی لیکن بُرا مت مانئے گا' کچھ لوگ ایسے بھی ضرور ہوں گے جو اس سلسلے میں امی اور ابو کے کان ضرور بھریں گے۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ جائیداد کے سلسلے میں میرے ساتھ حق تلفی ہو گی۔" حامد حسین نے بیوی کی باتوں پر اُلجھتے ہوئے کہا تو نجمہ بیگم نے بھی بڑے نخرے سے جواب دیا۔

"حق تلفی بھی ہو تو میری جوتی کو کیا غرض پڑی ہے کہ میں آپ کو کوئی مشورہ دوں ..... خدا سلامت رکھے میرے ابو جان کو' میرے جہیز میں نخاس والی حویلی دینے پر بضد تھے لیکن میں نے منع کر دیا۔ اس خیال سے کہ دنیا والے آپ پر انگلیاں نہ اُٹھائیں' کسی کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ سسر کی جائیداد پر مونچھوں کو تاؤ دے رہے ہیں ..... میں نے تو آپ کی جائیداد کے بٹوارے کے سلسلے میں یونہی ذکر چھیڑا تھا ..... اگر بھائی جان کو زیادہ حصہ بھی مل جائے تو میری صحت پر کیا اثر پڑے گا' آپ ہی کو بعد میں ملال ہو گا اس حق تلفی پر۔"

"وہ تو خیر سب ٹھیک ہے نجمہ! ..... لیکن اس وقت بھلا ان باتوں کا کیا موقع محل ہے؟" حامد حسین نے بیوی کو تیز ہوتے دیکھا تو نرم پڑ گئے۔

"یہ موقع محل نہیں ہے تو کیا آپ خدا نخواستہ والدین کے بعد بھائی جان کے آگے ہاتھ پھیلا کر کھڑے ہوں گے۔" نجمہ بیگم نے تیوری چڑھا کر کہا۔ "میں تو کہتی ہوں کہ ابو جان کو اپنی زندگی میں ہی یہ نیک کام انجام دے دینا چاہئے تاکہ بعد میں عزیز رشتے دار بھائیوں کے دِلوں میں میل نہ ڈال سکیں۔"

"کہتی تو تم ٹھیک ہو بیگم! لیکن اس وقت اپنی زبان سے بات نکالنے کی ہمت نہیں پڑے گی۔"

"آپ کیوں اپنی زبان سے بات نکالیں۔" نجمہ بیگم نے شوہر کو نرم پڑتے دیکھا تو بڑے لاڈ سے اُن کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔ "بھائی جان کو اللہ سلامت رکھے' یوں بھی بڑا بھائی بجائے باپ کے ہوتا ہے۔ آپ بھائی جان سے کسی وقت موقع نکال کر علیحدگی میں بات کریں' انہیں سمجھائیے کہ بعد میں رشتہ داروں کو زبانیں کھولنے اور سگے بھائیوں کے درمیان نفرت کی خلیج پیدا کرنے کا موقع دینے سے تو یہی بہتر ہے کہ جو کچھ ہونا ہے' ابو اور امی کی زندگی ہی میں طے ہو جائے۔ آخر کو تو ایک نہ ایک دن ایسا ہونا ہی ہے' پھر انتظار کیوں کیا جائے۔"

اور نجمہ بیگم نے جیٹھ کی شان میں جھوٹے قصیدے پڑھ کر کچھ اتنے مؤثر انداز میں شوہر کو جائیداد کے بٹوارے کے سلسلے میں ہموار کیا کہ یہ بات حامد حسین کے دل میں بھی گھر کر گئی۔ دو تین روز تک وہ خاموش رہے۔ پھر باپ کی طبیعت ذرا سنبھلی تو انہوں نے

موقع غنیمت جان کر بڑے بھائی کے سامنے جائیداد کا مسئلہ پیش کر دیا۔ شیخ الطاف حسین کو اُمید نہیں تھی کہ حامد حسین باپ کی زندگی ہی میں جائیداد کے بٹوارے کا مسئلہ کھڑا کر دیں گے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں چھوٹے بھائی سے بے پناہ محبت بھی تھی۔ اس خیال سے کہ کہیں چھوٹے بھائی کی دل شکنی نہ ہو اور اُس کے دل میں کوئی میل نہ آنے پائے' انہوں نے باپ سے گفتگو کرنے کی ہامی بھر لی۔

شیخ اقبال حسین چھوٹے بیٹے اور بہو کی نگاہیں پہچان رہے تھے۔ اولاد کی بے رخی اور بہو کے طور طریق نے اُن کی بیماری کو جو طول دیا تھا' ابھی وہ پوری طرح اس سے سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ بڑے بیٹے نے جائیداد کے بٹوارے کا سوال اٹھا کر اُن کی رہی سہی امیدوں پر بھی پانی پھیر دیا۔ انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے اُن کے دونوں بازو ٹوٹ گئے ہوں۔ الطاف حسین باپ کے بے حد فرمانبردار اور خدمت گزار تھے۔ انہوں نے باپ کی نگاہوں میں اپنے سوال کے جواب میں نمی دیکھی تو تڑپ اٹھے۔ انہیں اپنی غلطی کا احساس بھی ہوا لیکن تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ پھر بھی انہوں نے باپ کا ہاتھ تھام کر بڑی عقیدت سے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"ابو جان! مجھے علم ہے کہ میری بات سے آپ کو دکھ پہنچا ہے لیکن جائیداد کا بٹوارہ اگر آپ کی زندگی میں ہو جائے تو مناسب ہو گا۔"

"تم نے جو کچھ کہا ہے' ٹھیک ہی کہا ہے الطاف!" شیخ اقبال حسین ایک سرد آہ بھر کر بولے۔ "چراغِ سحر کا کیا بھروسا' کسی وقت بھی بجھ سکتا ہے۔"

"خدا کے لئے ابو جان! مجھے غلط نہ سمجھئے۔" الطاف حسین نے آبدیدہ ہو کر کہا۔ "مجھے اپنے لئے پھوٹی کوڑی بھی نہیں چاہئے' میرے لئے آپ کی اور امی جان کی دعائیں ہی زندگی کا بہترین سرمایہ ہیں ..... اگر مجھ سے کوئی گستاخی سرزد ہوئی ہے تو میں معافی کا خواستگار ہوں۔"

"اپنے حق کے لئے آواز بلند کرنا گستاخی نہیں ہوتی الطاف میاں! ..... مجھے خوشی ہے کہ تم نے آخری وقت میں مجھے میری ذمہ داری کا احساس دلا دیا۔ میں کل ہی وکیل صاحب کو بلوا کر جائیداد کا وصیت نامہ لکھوائے دیتا ہوں۔"

"میری ایک درخواست اور بھی ہے ابو جان!" الطاف حسین نے دبی زبان میں کہا۔ "آپ میرے مقابلے میں حامد کا زیادہ خیال رکھیں تو مجھے خوشی ہو گی۔"

"گویا میرا شبہ درست ہی ثابت ہوا۔" شیخ اقبال حسین نے بڑے کرب کے عالم میں

اپنا سینہ پکڑ کر ملتے ہوئے کہا۔ "اس نانجار نے تمہاری بزرگی کا بھی خیال نہ کیا۔"

"وہ ابھی ناسمجھ ہے ابو جان! اسی لئے....."

"وہ ناسمجھ ہے؟" اقبال حسین چیخ اٹھے۔ "تم بھی اپنی ماں کی طرح اسی ناخلف نانجار کی حمایت کرتے رہو گے۔"

"آپ نے تو مجھے غیروں کے سلسلے میں بھی عیب پوشی کا درس دیا ہے ابو جان!" الطاف حسین نے سر جھکاتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ "حامد تو ہمارا اپنا خون ہے۔"

"وہ ہمارا خون ضرور ہے لیکن اب اس میں گندے خون کی آمیزش ہو گئی ہے اور وہی گندا خون اپنا رنگ دکھا رہا ہے۔"

"اُس کی خطاؤں کو معاف کر دیجئے ابو جان! میری طرح اُسے بھی آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے۔"

"اُسے میری دعاؤں کی نہیں ..... اپنی رنگ ریلیوں کے لئے محض میری دولت کی ضرورت ہے۔ وہ ننگِ خاندان ہے الطاف میاں!" شیخ اقبال حسین چھوٹے بیٹے کے لئے کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے لیکن اُن پر کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ الطاف حسین نے باپ کی حالت بگڑتی دیکھی تو پریشان ہو گئے۔ اسی وقت فون کر کے ڈاکٹر کو طلب کیا۔ ڈاکٹر نے آ کر نبض دیکھی تو وہ بھی پریشان ہو گیا۔ مریض کی حالت دگرگوں تھی۔ ڈاکٹر نے آرام کی خاطر اقبال حسین کو نیند کا انجکشن لگایا اور الطاف حسین کو الگ کمرے میں لے جا کر کہا۔

"الطاف صاحب! آپ کے والد کو کوئی شدید دلی صدمہ پہنچا ہے ..... میرا مشورہ ہے کہ آپ لوگ مریض کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کریں جس کا مزید اثر اُن کے دل پر ہو۔"

ڈاکٹر مشورہ دے کر چلا گیا تو الطاف حسین کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ بہت دیر تک وہ دوسرے کمرے میں بیٹھے آنسو بہاتے رہے پھر اٹھ کر دوبارہ باپ کے پاس آ گئے جہاں اُن کی کمزور اور ضعیف ماں بھی موجود تھیں اور شوہر کے سرہانے چپ بیٹھی انہیں حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ جب سے اقبال حسین کی طبیعت خراب ہوئی تھی انہیں چپ سی لگ گئی تھی۔ یا تو اپنے کمرے میں جائے نماز بچھا کر بیٹھی شوہر کے لئے دعائیں مانگا کرتی تھیں یا پھر اُن کے قریب بیٹھی اُن کو حسرت سے تکتی رہتی تھیں۔ حامد حسین کی بے رخی اور جدائی کا غم جیسے گھن کی طرح اُن کو اندر ہی اندر کھا رہا تھا۔ الطاف حسین بھی ماں کی حالت کو دیکھ رہے تھے' اُن کا بس چلتا تو ماں باپ کی

خوشیوں کی خاطر اپنی جان تک نچھاور کرنے سے دریغ نہ کرتے لیکن وہ جانتے تھے کہ والدین کی خوشیوں کا علاج اُن کے بس میں نہیں تھا۔ اس وقت بھی انہوں نے ماں کے چہرے پر حسرت و یاس کی پرچھائیاں دیکھیں تو تڑپ کر رہ گئے۔ اقبال حسین انجکشن کی وجہ سے گہری نیند سو رہے تھے۔

"امی جان!" الطاف حسین نے کچھ دیر بعد ماں کو دبی زبان میں مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "آپ اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں' ابو جان کی تیمارداری کے لئے میں موجود ہوں۔"

"الطاف بیٹا!" ماں کے کپکپاتے ہونٹ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے۔ اُن کی بوڑھی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تو الطاف حسین رقت بھری آواز میں بولے۔

"امی جان! ..... خدا کے واسطے اپنی حالت سنبھالئے' میں بھی آپ کی اولاد ہوں' ..... مجھے بھی آپ کی اور ابو جان کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی حامد کو ہے۔"

"ہم خوفزدہ ہو گئے ہیں میرے بچے!" ماں کی ممتا بھری آواز ابھری۔ "تمہارے ابو تمہاری شادی شاکرہ سے کرنا چاہتے تھے لیکن حامد ..... اور اُس کی خودسری نے ہماری خوشیوں کو پامال کر دیا' ہم نجمہ بیگم کی خوبصورتی سے سہم گئے ہیں۔"

"امی جان!" الطاف حسین نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے تڑپ کر کہا۔ "میں آپ کا اشارہ نہ سمجھ سکا۔ آپ کھل کر کہیں ..... امی جان کہ نجمہ بیگم کی خوبصورتی سے آپ کی خوشیاں کیونکر پامال ہو گئیں؟"

"شاکرہ اتنی خوبصورت نہیں ہے جتنی نجمہ بیگم ہیں۔" ماں نے بھرائی آواز میں کہا۔ "تمہارے ابو نے تمہاری پھوپھی کو زبان دے رکھی ہے لیکن وہ ڈرتے ہیں کہ کہیں تم بھی....."

"مجھے اور زیادہ گنہگار مت کیجئے امی جان!" الطاف حسین ماں کا مفہوم سمجھ کر تیزی سے بولے۔ "خدا کی قسم آپ لوگوں کی خوشیوں کی خاطر تو میں جان بھی قربان کر سکتا ہوں۔ آپ نے یا ابو جان نے ایک بار بھی تو مجھے حکم دے کر دیکھا ہوتا۔"

"اب بھی کچھ نہیں بگڑا میرے بچے!" ماں کی آنکھوں میں خوشیوں کے آنسو چھلک اٹھے۔ "ہماری یہی خوشی ہے کہ مرنے سے پہلے تمہارے سر پر سہرا دیکھ لیں پھر ہمیں کوئی تمنا نہ رہے گی۔"

"آپ کا حکم میرے لئے ایمان کا درجہ رکھتا ہے امی جان لیکن خدا کے واسطے ایسی

باتیں نہ کریں کہ میرا کلیجہ پھٹ جائے۔" اور پھر الطاف حسین نے اٹھ کر ماں کے قدم چوم لئے اور بڑی دیر تک ماں کی آغوش میں سر رکھے بیٹھے رہے۔

شیخ اقبال حسین تین روز تک خواب آور دواؤں کے زیر اثر رہے' چوتھے روز قدرے ہوش آیا تو اُن کی طبیعت سنبھلی ہوئی تھی۔ حامد حسین اور الطاف حسین دونوں موجود تھے۔ اقبال حسین نے اسی وقت وکیل کو بلوانے کا حکم دیا۔ بڑے بیٹے نے باپ کی حالت کے پیش نظر بات ٹالنے کی کوشش کی لیکن باپ کا فیصلہ اٹل تھا۔ اسی وقت وکیل کو بلا کر جائیداد دونوں بیٹوں کے نام منتقل کرا دی۔ حامد حسین کو اندازہ تھا کہ باپ کی حالت خراب ہونے میں اس مسئلے کا بڑا دخل ہے لیکن بڑے بھائی نے تاکید کی کہ اس وقت اس مسئلے پر کوئی بات نہ کی جائے مبادا کہ باپ کے ذہن پر مزید بوجھ پڑے۔ حامد حسین اپنے کئے پر شرمندہ تھے۔ اس لئے زبان سے تو کچھ نہ بولے البتہ رات گئے تک باپ کے پاس بیٹھے رہے۔ باپ نے اُن سے کچھ زیادہ بات نہیں کی دوسری طرف منہ کئے خاموش لیٹے رہے۔ پھر جب حامد حسین چلے گئے تو باپ نے الطاف حسین کو قریب بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور بڑی شفقت سے بولے۔

"بیٹے! میں اس وقت تم سے چند ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

"ابو جان! ..... میں ہاتھ جوڑ کر عرض کروں گا کہ اس وقت آپ آرام کریں' ڈاکٹر نے آپ کو آرام کا مشورہ دیا ہے۔"

"میں اپنی حالت ڈاکٹر سے زیادہ بہتر سمجھ رہا ہوں الطاف میاں!" اقبال حسین نے نقاہت بھرے لہجے میں کہا۔ "جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا' اب میرے دل پر کوئی بوجھ نہیں ہے۔"

"پھر بھی ..... آپ کو آرام کی شدید ضرورت ہے۔" الطاف حسین نے بڑے پیار سے باپ کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "آپ صحت یاب ہو جائیں تو جی بھر کر باتیں کر لیجئے گا۔"

"الطاف میاں! ..... تمہاری ماں نے غالباً تم سے میری ایک دیرینہ خواہش کا تذکرہ کر دیا ہے۔" اقبال حسین نے بیٹے کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہاری پھوپھی کو زبان دے رکھی ہے ..... شاکرہ اتنی خوبصورت تو نہیں جتنی نجمہ بیگم ہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ تمہارے لئے زندگی کی بہترین رفیق ثابت ہو گی۔"

"ابو جان!" الطاف حسین نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ "کیا آپ کو میرے اوپر

اعتماد نہیں ہے؟"

"اعتماد کی بات مت کرو بیٹے!" اقبال حسین درد بھرے لہجے میں بولے۔ "انسان کا ایک بازو ٹوٹ جائے تو اسے دوسرے بازو کو سوچ سمجھ کر بڑی احتیاط سے استعمال کرنا پڑتا ہے۔"

"آپ مجھے حکم دیں' ابو جان! ..... میں انکار کی جرأت نہیں کروں گا۔"

"یہ تمہاری لیاقت ہے الطاف میاں لیکن میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔" اقبال حسین نے سرد آہ بھر کر کہا۔ "زندگی بھر کا ساتھ تمہیں نبھانا ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تم خوب غور و خوض کے بعد کوئی فیصلہ کرو۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ اگر تم نے اس شادی سے انکار بھی کیا تو مجھے کوئی ملال نہ ہو گا۔"

"اس میں غور و خوض کی کیا بات ہے ابو جان!" الطاف حسین نے بڑی فرمانبرداری سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔ "پھوپھی جان کوئی غیر تو نہیں ہیں' پھر اُن کا گھرانہ دیکھا بھالا ہے' اگر پھوپھی جان مجھے اپنی فرزندی میں لینا قبول کر لیں تو یہ میرے لئے باعثِ فخر ہو گا۔"

"الطاف میاں....." اقبال حسین کے چہرے پر مسرتوں کے دیے جل اٹھے۔ "کہیں تم میرا دل رکھنے کی خاطر تو اقرار نہیں کر رہے ہو؟"

"نہیں ابو جان! ..... میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میں نے جو کچھ کہا ہے وہ میرے دل کی آواز ہے۔"

"اگر تم تیار ہو تو پھر اس نیک کام میں دیر نہیں ہونی چاہئے۔ میں کل ہی تمہاری پھوپھی کو بلا کر شادی کی کوئی قریبی تاریخ طے کئے لیتا ہوں۔"

"میں ہر طرح سے تیار ہوں ابو جان! لیکن ابھی آپ کو مکمل آرام اور سکون کی ضرورت ہے۔"

"والدین جب بوڑھے ہو جائیں تو اُن کا آرام اور سکون اُن کے بچے ہوتے ہیں الطاف میاں!" اقبال حسین نے بیٹے کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارا سہرا دیکھ کر تمہارے والدین کو جو روحانی خوشی ہو گی شاید تم اُس کا اندازہ نہیں لگا سکو گے۔"

"آپ کی خوشیوں کی خاطر میری جان بھی حاضر ہے ابو جان!"

اور بیٹے کی سعادت مندی محسوس کر کے شیخ اقبال حسین کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ جو زخم چھوٹے بیٹے کی نافرمانیوں نے لگائے تھے وہ بڑے بیٹے کی فرمانبرداری نے وقتی

طور پر مندمل کر دیئے چنانچہ دوسرے ہی دن اقبال حسین نے اپنی ہمشیرہ ہاجرہ خاتون کو بلا کر بات چھیڑ دی۔ ہاجرہ خاتون ایک تو عمر میں اقبال حسین سے چھوٹی تھیں اس لئے بڑے بھائی کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتی تھیں' دوسرے انہیں الطاف حسین شروع ہی سے بے حد پسند تھے۔ وہ تو خدا سے چاہتی تھیں کہ بیٹی اگر بھائی کے گھر چلی جائے تو اس کی زندگی سنور جائے گی لہٰذا انہیں بھلا کیا انکار ہو سکتا تھا۔ بھائی کی بات پوری ہوتے ہی انہوں نے ہامی بھرتے ہوئے کہا۔

"شاکرہ کے سلسلے میں بھلا آپ کو مجھ سے بات کرنے کی کیا ضرورت تھی ..... آپ ہی کی بچی ہے' جو آپ کا فیصلہ ہو گا وہ سب کو منظور ہو گا۔"

"کیوں نہیں۔" اقبال حسین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے شاکرہ کو کبھی اپنی اولاد سے کم نہیں سمجھا ..... تم سے یونہی ذرا مشورہ لینا تھا۔"

"مشورے کی بھی ایک ہی کہی بھائی جان آپ نے' بھلا آپ کے ہوتے میں کون ہوتی ہوں مشورہ دینے والی۔ آپ اور بھابی جان کو خدا سلامت رکھے' آپ لوگ جو دن تاریخ چاہیں طے کرلیں۔ میں بھی مہمانوں میں شریک ہو جاؤں گی۔"

"یہ مہمانوں کی طرح شریک ہونے کی بھی خوب کہی تم نے۔" بیگم اقبال حسین نے نند کو محبت سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "تم نہ شریک ہو گی تو شاکرہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر اُسے گھر سے رخصت کون کرے گا؟"

"آپ سچ کہتی ہیں بھابی جان!" ہاجرہ بیگم' مرحوم شوہر کو یاد کر کے آبدیدہ ہو گئیں۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولیں۔ "اب تو یہ فرض بھی مجھی کو پورا کرنا ہو گا۔"

"قدرت کے فیصلوں میں انسان بھلا کیا دخل دے سکتا ہے ہاجرہ! ..... لیکن تم کو میری زندگی میں ملول نہیں ہونا چاہئے' میں جو زندہ ہوں شاکرہ کے سر پر ہاتھ رکھنے کے لئے۔"

"خدا آپ کو ہمیشہ زندہ و سلامت رکھے بھائی جان!" ہاجرہ بیگم دوپٹے سے آنسو پونچھتے ہوئے بولیں۔ "آپ کے سوا اور ہے بھی کون جسے میں اپنا کہہ سکوں۔"

"خدا کی رحمتوں سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہئے ہاجرہ!" بیگم اقبال حسین نے نند سے کہا۔ "اپنی مصلحتوں کو وہی بہتر جانتا ہے۔ ہمارا کام تو صبر و شکر کرنا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اگر یہ نیک کام اگلے جمعہ کو کر لیا جائے تو زیادہ مناسب رہے گا۔" اقبال حسین نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔

"جمعہ میں اب دن ہی کتنے باقی رہ گئے ہیں بھائی جان!" ہاجرہ خاتون نے کہا۔ "تین روز میں اتنے سارے انتظامات کس طرح پورے ہوں گے۔"

"انتظامات کی کوئی ضرورت نہیں ..... میں چاہتا ہوں یہ شادی انتہائی سادگی سے کی جائے' بعد میں تم اگر چاہو تو اپنے ارمان بھی پورے کر لینا۔"

"پھر بھی بھائی جان! ..... کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔"

"اگر تم کچھ کرنا ہی چاہتی ہو تو الطاف حاضر ہے' اُسے بلا کر فہرست دے دینا۔ وہ ایک دو روز میں سب کام مکمل کر لے گا لیکن جمعہ کا دن طے رہا۔"

"جیسا آپ کا حکم بھائی جان!" ہاجرہ خاتون نے اقرار کرتے ہوئے کہا۔ اسی وقت الطاف حسین باپ کی دوائیں لئے کمرے میں داخل ہوئے' پھوپھی کو دیکھ کر ذرا رُکے پھر بڑے ادب سے سلام کر کے دوائیں رکھیں اور واپس جانے کے لئے مڑے تو باپ نے آواز دے کر روکتے ہوئے کہا۔

"الطاف میاں! ..... تمہاری پھوپھی کو تم سے کچھ ضروری کام ہے' آج ہی کسی وقت تفصیل دریافت کر لینا۔"

"آپ حکم دیں پھوپھی جان! میں اس وقت بھی حاضر ہوں۔" الطاف حسین نے پھوپھی کے قریب بیٹھتے ہوئے بڑی سعادت مندی سے کہا۔

"اس وقت تو فہرست میرے پاس نہیں ہے۔" ہاجرہ خاتون نے الطاف حسین کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر تمہیں زحمت نہ ہو تو شام کو آ جانا۔"

"جو حکم پھوپھی جان! ..... لیکن آپ کے ہاں کیا کوئی خاص تقریب ہونے والی ہے؟" الطاف حسین نے بڑی معصومیت سے انجان بنتے ہوئے پوچھا تو ہاجرہ خاتون مسکرا کے رہ گئیں۔

"شاکرہ بیٹی کی شادی اس جمعہ کو ہونا قرار پائی ہے۔" اقبال حسین نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہاری پھوپھی کو اسی سلسلے میں بازار سے کچھ سامان منگانا ہے۔"

"مبارک ہو پھوپھی جان!" الطاف حسین نے بڑی شوخی سے ہاجرہ خاتون کو مبارکباد دیتے ہوئے دریافت کیا۔ "کون ہے وہ خوش نصیب ..... کیا کرتا ہے؟"

"تمہارے ابو نے بات کی ہے ..... انہی سے پوچھو۔" ہاجرہ خاتون نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اگر ابو جان نے یہ رشتہ طے کیا ہے تو لڑکا یقیناً ہونہار اور شریف ہی ہو گا۔"

الطاف حسین بڑی سادگی سے بولے۔

"کیوں نہیں۔" ہاجرہ خاتون نے ہونے والے داماد کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

"چندے آفتاب چندے ماہتاب بھی ہے۔"

"ابھی اس کی اتنی تعریف مت کرو ہاجرہ! ورنہ بعد میں اِتراتا پھرے گا۔" بیگم اقبال نے بیٹے کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ہاجرہ خاتون کو ٹوکا تو اقبال حسین اور ہاجرہ خاتون دونوں ہی ہنس دیئے اور الطاف حسین گردن جھکا کر مسکراتے ہوئے تیزی سے کمرے سے نکل گئے۔

جمعہ کے دن طے شدہ پروگرام کے تحت انتہائی سادگی کے ساتھ الطاف حسین اور شاکرہ خاتون کا عقد کر دیا گیا۔ قریب کے عزیز رشتہ دار اور اقبال حسین کے چند خاص دوستوں کے علاوہ حامد حسین بھی مع بیگم کے موجود تھے۔ نکاح کے بعد رخصتی کا وقت قریب آیا تو ہاجرہ خاتون کو مرحوم شوہر کی یاد نے تڑپا دیا۔ انہوں نے لاکھ ضبط کرنا چاہا لیکن آنسو تھے کہ امڈے چلے آتے تھے۔ اسی حالت میں انہوں نے بیٹی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور قرآن کے سائے تلے دہلیز پار کرا کے دولہا کی گاڑی میں بٹھا دیا۔ الطاف حسین نے گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے پھوپھی کے قریب جا کر اجازت کی خاطر سر جھکایا تو ہاجرہ خاتون کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ انہوں نے دولہا کے سہرے کی بلائیں لیں اور ہزاروں دعاؤں کے ساتھ انہیں جانے کی اجازت دی۔

دولہا دلہن کی سجی ہوئی گاڑی جس وقت شیخ اقبال حسین کے دروازے پر آ کر رکی تو اقبال حسین نے آگے بڑھ کر خود سرخ جوڑے میں مہکتی ہوئی دلہن کو نیچے اتارا اور اُسے سہارا دے کر اندر لے آئے۔ الطاف حسین باپ کے پیچھے پیچھے چھوٹے بھائی کے ساتھ تھے' ملازموں نے برات واپس آتے ہی مہمانوں کی خاطر تواضع شروع کر دی۔ الطاف حسین باہر مردانے ہی میں رک گئے تھے۔

اندر زنان خانے میں مہمان خواتین نے دلہن کو گھیر رکھا تھا۔ نجمہ بیگم یوں تو دوسروں کے ساتھ پیش پیش تھیں لیکن جب دلہن کی منہ دکھائی کی رسم شروع ہوئی تو جیسے اُن کے سینے پر سانپ لوٹ گیا۔ اُن کی نگاہیں بار بار دلہن کے گلے میں پڑے ہوئے جڑاؤ گلوبند' ماتھے پر چمکتے ہوئے ٹیکے' کانوں میں سجے ہوئے کرن پھول اور ہاتھوں میں پڑے ہوئے جڑاؤ کڑوں پر جا کر رک جاتی تھیں۔ نجمہ بیگم یہ سارے زیورات اپنی ساس کے پاس پہلے بھی دیکھ چکی تھیں۔ انہیں اس بات پر غصہ آ رہا تھا کہ ساس نے انہیں تو

چڑھاوے میں بازاری زیورات پر ٹال دیا اور اپنے جہیز کے تمام قیمتی زیورات بڑی بہو کو چڑھا دیئے۔ اُن کے بس میں ہوتا تو شاید وہ اسی وقت ساس سے طعن و تشنیع شروع کر دیتیں لیکن شوہر اور مہمان خواتین کی موجودگی میں انہوں نے زبان کھولنی مناسب نہیں سمجھی' البتہ منہ دکھائی کی رسم کے وقت انہوں نے جٹھانی کی گود میں صرف ایک سو روپے ڈال دیئے جبکہ وہ اس مقصد کے لئے شوہر سے ایک ہزار روپے لے کر آئی تھیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے گھر جانے میں بھی جلدی کی اور سر درد کا بہانہ کر کے شوہر کے ساتھ چلی گئیں۔

راستے میں شوفر کی موجودگی میں انہیں شوہر سے بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا لیکن گھر پہنچتے ہی انہوں نے دل کی ساری بھڑاس نکال ڈالی اور اُس وقت تک اُن کا غصہ سرد نہیں ہوا جب تک شوہر نے انہیں ویسے ہی نئے زیورات بنوا کر دینے کا وعدہ نہیں کر لیا۔

شیخ اقبال حسین جب سے اپنی بھانجی کو بہو بنا کر لائے تھے اُن کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا' الطاف حسین کو اس بات کی خوشی تھی کہ باپ کی صحت روز بروز بہتر ہوتی جا رہی ہے۔ شاکرہ خاتون بھی شوہر کے ساتھ ساتھ ہر وقت ماموں ممانی کی خدمت میں لگی رہتی تھیں لیکن فلک کج رفتار کو کچھ اور ہی منظور تھا' ابھی الطاف حسین کی شادی کو صرف تین ماہ ہوئے تھے کہ شیخ اقبال حسین کو دل کا اتنا شدید دورہ پڑا کہ ڈاکٹروں کی مسیحائی کسی کام نہ آ سکی اور خوشیوں کا گہوارہ پل بھر میں ماتم کدہ بن گیا۔ الطاف حسین پر تو جیسے باپ کی موت سے پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ ایک طرف انہیں باپ کے انتقال کا صدمہ تھا تو دوسری جانب بوڑھی ماں کی فکر لاحق تھی جو شوہر کی جدائی کے غم میں اندر ہی اندر گھلی جا رہی تھیں۔

حامد حسین باپ کی موت کے بعد ایک ہفتہ تک مع نجمہ بیگم کے ماں کے پاس رہے پھر اپنے گھر واپس چلے گئے اور اب وہ روزانہ تنہا ماں کی خیریت دریافت کرنے آ جاتے تھے۔ یوں بھی انہیں اپنے ٹھیکیداری کے کاموں اور بیوی کے آئے دن کے پروگراموں سے بہت کم فرصت ملتی تھی لیکن ماں کی خیریت پوچھنے آنا ان کا روزمرہ کا معمول تھا۔ ایک روز رات کو وہ دیر گئے پہنچے تو بڑے بھائی اور بھاوج کو ماں کے قریب دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ اس روز ماں کی طبیعت کچھ زیادہ خراب تھی یا شاید بجھتے ہوئے چراغ کی لو کپکپا کر خاموش ہونے والی تھی جو ماں کی ممتا کو جلال آ گیا۔ حامد حسین نے قریب جا کر خیریت

دریافت کی تو بیمار ماں کی بوڑھی آنکھیں کھل گئیں۔ انہوں نے بیٹے کو غور سے دیکھا ہونٹ دانتوں تلے دبا کر آنکھیں بند کرلیں۔ یہ گویا ماں کے اندرونی کرب کا خاموش اظہار تھا۔

"امی جان!" حامد حسین نے ماں کے کرب کو محسوس کرتے ہوئے شرمندہ لہجے میں آواز دی۔ "مجھے علم ہے کہ آپ مجھ سے خفا ہیں لیکن میں وعدہ کرتا ہوں کہ کل سے جلد آجایا کروں گا۔"

"آنے جانے کی بھی کیا ضرورت ہے تجھے۔" ماں نے دوبارہ آنکھیں کھول کر کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کیوں ماں کی خاطر اپنی جان ہلکان کر رہا ہے۔"

"امی جان!" حامد حسین کے دل کو ماں کی باتوں سے شدید جھٹکا لگا۔ "اگر مجھ سے کوئی گستاخی سرزد ہو گئی ہو تو معاف کر دیجئے۔"

"آج تجھے ماں سے معافی مانگنے کا خیال کس طرح آ گیا ..... جا' چلا جا میرے سامنے سے' جو باپ کا نہ ہوا وہ بھلا میرا کیا ہو گا۔"

"خدارا امی جان! مجھے معاف کر دیجئے۔" حامد حسین ماں کے پیر تھامتے ہوئے رندھی آواز میں بولے۔ "مجھے اپنی کوتاہیوں کا احساس ہے۔ میں آپ سے دست بستہ معافی کا خواستگار ہوں' مجھے اپنی دعاؤں سے محروم نہ کیجئے امی جان! میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔" اور یہ کہتے ہوئے حامد حسین نے ماں کے پیر چھوڑ کر اُن کے سامنے ہاتھ جوڑ لئے۔

"امی جان!" الطاف حسین نے بھائی کی سفارش کرتے ہوئے کہا۔ "میں بھی آپ سے یہی گزارش کروں گا کہ جو کچھ ہو چکا ہے اُسے بھول جائیں اور حامد کی خطاؤں کو درگزر کر کے سینے سے لگالیں۔"

"اب ان باتوں سے کیا حاصل ہو گا بیٹے!" ماں نے بھرائی ہوئی آواز میں الطاف حسین سے کہا۔ "حامد سے پوچھو کہ اب میرے پاس کیا باقی رہ گیا ہے جو اسے دے سکوں۔"

"امی جان!" حامد حسین بے اختیار ماں کے کشادہ سینے سے لگ کر بلکتے ہوئے بولے۔ "خدا کے واسطے مجھے معاف کر دیجئے' مجھے آپ کی دعاؤں کے سوا کسی چیز کی ضرورت نہیں' میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے اپنی نادانی کے سبب ابو جان کو بہت دکھ دیئے تھے لیکن اب اگر آپ نے بھی مجھے اپنی شفقت سے محروم کر دیا تو میرے اوپر توبہ

کے دروازے بھی بند ہو جائیں گے ..... اپنے ہاتھوں سے میرا گلا گھونٹ دیجئے امی حضور! لیکن اتنی بڑی سزا مت دیجئے کہ میں تمام زندگی اپنی محرومیوں پر آنسو بہاتا رہوں' مجھے اپنے قدموں سے علیحدہ مت کیجئے امی جان! ورنہ میں اپنی جان دے دوں گا۔"

حامد حسین سسک سسک کر اور بلک بلک کر ماں سے فریاد کرتے رہے۔ الطاف حسین اور شاکرہ خاتون خاموش کھڑے تھے۔ بوڑھی ماں کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ رہی تھیں۔ ماں کی بدلی ہوئی ایک نظر نے جہاں بیٹے کو تڑپنے پر مجبور کر دیا تھا وہاں بیٹے کی آہ و زاری نے ماں کے دل کو بھی موم کر دیا تھا۔ حامد حسین کی التجائیں ختم ہوئیں تو ماں نے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے اولاد کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے رقت بھری آواز میں کہا۔

"میں نے تجھے معاف کر دیا میرے بچے! چل اب آنسو پونچھ لے۔"

"امی حضور ..... آپ کتنی بلند' کتنی عظیم ہیں۔" حامد حسین نے چہرہ اٹھا کر ماں کے مقدس چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "خدا آپ کا سایہ ہم لوگوں کے سروں پر ہمیشہ سلامت رکھے۔"

"ایک بات کہوں حامد! ..... مانے گا؟" ماں کے لہجے میں حسرت تھی۔

"حکم دیجئے امی جان! ..... میں سرتابی کی جرأت نہیں کروں گا۔"

"بہت دنوں سے دلہن کو نہیں دیکھا۔"

"میں ابھی جا کر نجمہ کو لئے آتا ہوں امی جان! اور جب تک آپ مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہو جاتیں' ہم دونوں یہیں آپ کے پاس رہیں گے۔" حامد حسین نے اٹھتے ہوئے کہا۔ پھر بیوی کو لینے چلے گئے تو ماں نے محبت بھری نظروں سے الطاف حسین کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "حامد اور اُس کی بیوی آ جائیں گے تو اس گھر کی چہل پہل دوگنی ہو جائے گی۔"

"جی ہاں امی جان!" الطاف حسین نے ماں کے قریب بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔ "میری بھی یہی آرزو تھی کہ حامد اور نجمہ یہاں آ جائیں اس طرح آپ کا دل بہل جائے گا۔"

"شاکرہ بیٹی!" بیگم اقبال حسین نے بڑی بہو کو قریب بلا کر بڑے پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "نجمہ زبان کی تیز ہے لیکن دل کی بُری نہیں ہے' اگر کبھی تمہیں کچھ کہہ دے تو اُس کا بُرا مت ماننا۔ آزاد ماحول کی پرورش نے اُسے خود سر بنا دیا ہے۔"

"آپ فکر نہ کریں ممانی جان! میں نجمہ کی دلجوئی کا پورا خیال رکھوں گی' آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"

"خدا تمہیں ہمیشہ سرخرو رکھے بیٹی! دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو ..... تم نے اور الطاف نے میری بڑی خدمت کی ہے۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہیں امی جان!" الطاف حسین بولے۔ "آپ کی خدمت کرنا تو ہم دونوں کا فرض ہے۔"

"میں تمہیں ایک اور فرض بھی سونپنا چاہتی ہوں' الطاف میاں! میرے بعد حامد کو ماں باپ کی جدائی کا احساس نہ ہونے دینا۔"

"آپ کا ہر حکم میرے لئے فرض و واجب کی حیثیت رکھتا ہے امی جان! لیکن خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کریں کہ میرا کلیجہ پھٹ جائے۔"

"شاکرہ بیٹی! بڑی بھاوج بجائے ماں کے ہوتی ہے' مجھ سے وعدہ کرو کہ تم حامد اور نجمہ کا ہر طرح خیال رکھو گی۔"

"میں وعدہ کرتی ہوں ممانی جان! مگر آپ خدا کے لئے ایسی مایوسی کی باتیں نہ کریں' آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔"

الطاف حسین ماں کی صورت تکے جا رہے تھے' ماں کی باتوں سے اُن کا دل گھبرا رہا تھا۔ آج سے پہلے ماں نے کبھی ایسی باتیں نہیں کی تھیں۔ انہوں نے فوراً ڈاکٹر کو بلانا چاہا' جانے کے ارادے سے اٹھے تو ماں نے روک کر پوچھ لیا۔

"کہاں جا رہے ہو الطاف میاں!"

"ڈاکٹر کو فون کرنے جا رہا ہوں امی جان!"

"میرے سامنے بیٹھے رہو۔" ماں نے نحیف آواز میں کہا پھر چاروں طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ "حامد کو گئے دیر ہو گئی' ابھی تک واپس نہیں آیا۔"

"بس کچھ دیر میں آ جائے گا امی جان! آنے جانے میں کچھ وقت تو درکار ہو گا۔"

"مجھے نجمہ بیگم سے بھی بہت سی شکایتیں تھیں الطاف میاں ..... لیکن ..... اب میں اُسے بھی معاف کرتی ہوں۔ اسے بتا دینا۔"

"آپ کی حالت شاید بگڑ رہی ہے امی جان! میں ڈاکٹر کو فون کر کے بلوائے لیتا ہوں۔" الطاف حسین نے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔ نہ جانے کیوں ماں کی باتوں سے آج اُن کا دل بہلنے کے بجائے بیٹھا جا رہا تھا۔ جیسے کچھ ہونے والا تھا۔

"نہیں بیٹے میری نظروں سے دُور مت ہونا' میرے اور قریب آ جاؤ ..... اور تم بھی شاکرہ بیٹی ..... مجھے افسوس ہے کہ تم دونوں کو میری وجہ سے بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑیں لیکن اب ..... اب وقت پورا ہو رہا ہے۔"

"امی جان!" الطاف حسین سہمی ہوئی آواز میں چیخ اٹھے۔

"حا ..... مد ..... ابھی تک ..... نہیں آیا۔" ماں نے گھٹی گھٹی آواز میں باری باری بیٹے اور بہو کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس کا خیال ..... رکھنا۔"

اور پھر ماں کی گردن ایک جانب ڈھلک گئی' کھلی ہوئی بے نور اور ویران آنکھیں اس طرح دروازے پر جم گئیں جیسے انہیں اب بھی حامد حسین اور نجمہ بیگم کا انتظار تھا۔ الطاف حسین نے لپک کر ماں کی نبضیں ٹٹولیں' ایک دو بار دھڑکتے ہوئے دل سے "امی جان ..... امی حضور!" کہہ کر پکارا لیکن دوسری جانب سے کوئی جواب نہ ملا تو دھاڑیں مار مار کر ماں کو آوازیں دینے لگے' شاکرہ خاتون نے ممانی کی پتھرائی ہوئی آنکھوں کا مفہوم سمجھا تو وہ بھی ہائے ممانی جان کہہ کر پچھاڑیں کھانے لگیں۔ اسی وقت حامد حسین نجمہ بیگم کے ساتھ اندر داخل ہوئے' بھائی اور بھاوج کو پچھاڑیں کھاتا دیکھ کر انہیں حالات کی سمت ظریفی کا اندازہ ہوا تو وہ "امی جان" کہہ کر لپکے اور ماں کی لاش سے لپٹ کر آہ و بکا کرنے لگے۔

نجمہ بیگم کو جیسے سکتہ ہو گیا۔ وہ جہاں کھڑی تھیں وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئیں۔ گھر سے یہ سوچ کر چلی تھیں کہ موقع ملے گا تو ساس سے زیورات کے چڑھاوے کے سلسلے میں شکوہ' شکایت ضرور کریں گی لیکن ساس نے دنیا سے منہ موڑ کر جیسے بہو کی یہ حسرت بھی پوری نہ ہونے دی۔

☆======☆======☆

شیخ اقبال حسین اور اُن کی بیگم کو انتقال کئے بیس سال کا عرصہ گزر چکا ہے' الطاف حسین پھوپھی کی موت کے بعد شاہراہ خسرو والی آسمانی رنگ کی ایک منزلہ عمارت میں منتقل ہو چکے ہیں اور یہیں اپنی بیٹی ناہید اور چھوٹے بیٹے شاکر کے ساتھ مقیم ہیں۔ باپ کی وصیت کے مطابق جائیداد کا بٹوارہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ حامد حسین کے حصے میں باپ والا مکان آیا تھا جسے انہوں نے فروخت کر کے سول لائنز کے علاقے میں ایک نیا بنگلہ تعمیر کرا لیا ہے جہاں وہ اپنی بیوی نجمہ بیگم بڑے بیٹے سلیم اور چھوٹی بیٹی نرجس کے ساتھ نہایت آرام دہ اور پُر تکلف زندگی گزار رہے ہیں۔

سلیم کی عمر اس وقت اکیس سال ہے۔ بی اے پاس کرنے کے بعد اُس نے باپ کی ٹھیکیداری اور دوسرے کاموں کا بوجھ سنبھال رکھا ہے' ماں کے بے جا لاڈ پیار نے اُس کی عادتیں بگاڑ رکھی ہیں اس لئے انتہائی عیاش اور فضول خرچ ہو گیا ہے۔ البتہ ابھی تک باپ کا کچھ رعب باقی ہے جس نے اُس کو کھل کھیلنے کا موقع نہیں دیا۔ اُس کے پاس اپنی ایک علیحدہ گاڑی ہے۔

نرجس کی عمر اٹھارہ سال ہے۔ بی اے کے آخری سال میں زیر تعلیم ہے۔ ماں کے مقابلے میں اُس نے باپ کا اثر زیادہ لیا ہے اس لئے طبعاً نہایت شریف اور سلیقہ مند واقع ہوئی ہے۔ ذہانت اُسے دودھیال سے ورثے میں ملی ہے اس لئے ہر کام میں بہت سوجھ بوجھ سے کام لیتی ہے۔ تعلیم کے معاملے میں بھی اُس کا ریکارڈ ہمیشہ معیاری ثابت ہوتا رہا ہے۔ ماں کا ادب اور باپ کا احترام اپنے اوپر فرض سمجھتی ہے لیکن ماں کے مقابلے میں باپ کو زیادہ ترجیح دیتی ہے۔ گھر کا آزاد ماحول اُسے سخت ناپسند ہے لیکن اُس نے کبھی بزرگوں کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کی۔ خود اپنے لئے اُس نے باپ کے اصولوں کے پیش نظر ایک علیحدہ راہ متعین کر لی ہے۔

شیخ حامد حسین کو کسی بات کی کمی نہیں ہے' ٹھیکیداری کے کام کے علاوہ انہوں نے امپورٹ ایکسپورٹ کا کام بھی خاصا پھیلا رکھا ہے۔ اُس کے ساتھ ساتھ ایک کپڑے کی مل میں بھی اُن کا حصہ ہے چنانچہ آئے دن "قصر حامد" کے وسیع لان پر متعلقہ افسروں اور بیگمات کی دعوتیں ہوتی رہتی ہیں جس میں نجمہ بیگم اور سلیم پیش پیش رہتے ہیں۔ افسران کی مٹھی گرم کرنے میں حامد حسین کبھی بخل سے کام نہیں لیتے اس لئے گورنمنٹ کے اکثر ٹھیکے انہی کو ملتے ہیں۔ دولت کی فراوانی اور ریل پیل نے گھر کے ماحول کو مغربی طرز کے انتہائی ماڈرن سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ ہر شخص کے پاس علیحدہ علیحدہ گاڑیاں موجود ہیں۔ غرض کہ شیخ حامد حسین کی زندگی نہایت شاندار گزر رہی ہے۔

چھوٹے بھائی کے برعکس شیخ الطاف حسین کا گھرانہ انتہائی سادگی پسند اور مشرقی تہذیب و تمدن کا گہوارہ نظر آتا ہے۔ وہ چونکہ آخری وقت ماں باپ کے زیر سایہ رہتے تھے اس لئے باپ کی نصیحتیں اور ماں کے مفید مشورے اُن کے لئے مشعل راہ بن گئے راست گوئی اور ایمانداری چونکہ اُن کا شیوہ تھا اس لئے ملازمت کے میدان میں بھی ترقی نہ کر سکے اور ابھی تک سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر فائز ہیں جبکہ اُن کے ساتھی افسران بالا کی خوشنودی حاصل کر کے بڑی بڑی کرسیاں اور ترقیاں حاصل کر چکے ہیں مگر الطاف

حسین کو کبھی اس بات پر ملال نہیں ہوا' جو کچھ ایمانداری سے مل رہا ہے اسی پر قناعت کئے ہوئے ہیں اور روکھی سوکھی ملنے کے باوجود نہایت پُرسکون زندگی بسر کر رہے ہیں۔ حامد حسین نے بارہا اپنے تجربوں کی روشنی میں بڑے بھائی کی رہنمائی کرنی چاہی۔ اپنے ساتھ شامل کر کے بزنس کرنے کی تلقین بھی کی لیکن الطاف حسین نے اُن کی پیشکش ہمیشہ بڑی خوبصورتی سے ٹال دی' وہ جانتے تھے کہ چھوٹے بھائی کے کاروبار کی نوعیت اور ترقی کا اصل راز کیا ہے لیکن اس کے باوجود وہ باپ اور ماں کی نصیحت کے پیش نظر حامد حسین سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ حامد حسین بھی بڑے بھائی کا بے حد احترام کرتے ہیں اور ہفتے میں ایک بار بھائی اور بھاوج کے ہاں ضرور جاتے ہیں۔ سلیم اور نرجس بھی اکثر آتے جاتے رہتے ہیں البتہ نجمہ بیگم کو جیٹھ اور جٹھانی کے گھریلو ماحول میں جا کر ہمیشہ گھٹن کا احساس ہوتا ہے اس لئے وہ شوہر کے بار بار اصرار پر بھی کبھار کچھ دیر کے لئے شاکرہ خاتون سے ملنے آ جاتی ہیں لیکن جب بھی آتی ہیں کوئی نہ کوئی بات ایسی ضرور کہہ بیٹھتی ہیں جس سے اُن کی اپنی امارت کا اظہار ہوتا ہے۔ ناہید اور شاکرہ کو وہ پسندیدہ نظروں سے دیکھتی ہیں لیکن یہ کہنے سے بھی نہیں چوکتیں کہ الطاف حسین نے بچوں کو ایسی تربیت دی ہے جس سے وہ مستقبل میں کبھی ترقی نہیں کر سکتے۔

شاکرہ خاتون اور نجمہ بیگم کی طبیعتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے لیکن انہوں نے کبھی دیورانی کی کسی بات پر اعتراض نہیں کیا بلکہ ہر بات میں ہمیشہ اُن کی حمایت اور طرفداری ہی سے کام لیا۔ سلیم اور نرجس کو بھی وہ ناہید اور شاکر سے کم نہیں سمجھتیں۔ البتہ سلیم کے مقابلے میں انہیں نرجس کی عادتیں اور رکھ رکھاؤ زیادہ پسند ہے۔ اپنے گھر کے ماحول کو شاکرہ خاتون نے جنت نظیر بنا رکھا ہے۔ شوہر کی خدمت کو اپنا ایمان سمجھتی ہیں' ناہید اور شاکر کی تربیت سے کبھی غافل نہیں ہوتیں۔ گھر کی صفائی اور رکھ رکھاؤ میں بھی اُن کی سلیقہ مندی جھلکتی ہے۔ خود بھی نماز روزے کی پابند ہیں اور بچوں کو بھی سختی سے مذہب کا پابند بنا رکھا ہے۔ شوہر کو جو تنخواہ ملتی ہے اسی میں صبر و شکر کے ساتھ اس طرح بسر کرتی ہیں کہ شوہر کو کبھی کسی دشواری یا قلیل آمدنی کا احساس نہیں ہونے دیتیں۔ اپنے گھر کے افراد کے علاوہ محلے والوں سے بھی اُن کا میل جول مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسروں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتی ہیں اسی لئے محلے کے گھرانوں میں شیخ الطاف حسین کے گھر کو ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے اور سبھی الطاف حسین کی عزت دل سے کرتے ہیں اور اُن کے بچوں کی اعلیٰ تربیت کی مثالیں دیتے ہیں۔

☆------☆------☆

اس وقت رات کے نو بجے کا عمل تھا' شاکرہ خاتون نے مغرب کے بعد ہی بچوں کو کھانا کھلا دیا تھا لیکن خود شوہر کی منتظر تھیں۔ شادی کو بیس سال سے زیادہ عرصہ گزر جانے کے بعد بھی انہوں نے شوہر کی عدم موجودگی میں کبھی اکیلے کھانا نہیں کھایا تھا۔ آج شیخ الطاف حسین دفتر جاتے وقت بتا گئے تھے کہ چھوٹے بھائی نے کسی اہم کام کے سلسلے میں بلایا ہے' اس لئے وہ دفتر سے سیدھے اُدھر ہی چلے جائیں گے۔

شاکرہ خاتون نے عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر بچوں کے کمرے میں جھانکا' شاکر سو چکا تھا لیکن ناہید جاگ رہی تھی اور بھائی کے تکیے کا غلاف کاڑھنے میں مصروف تھی۔ ماں کو دیکھ کر اُس نے بڑے ادب سے دوپٹہ سر پر ڈالتے ہوئے سلام کیا۔ شاکرہ خاتون نے بیٹی کو دعائیں دیں پھر شاکر کا لحاف ٹھیک کر کے اسی کے بستر پر بیٹھ گئیں۔

"ابا جان نے بڑی دیر کر دی۔" ناہید نے ماں سے دریافت کیا۔

"تمہارے چچا جان کی طرف جانے کو کہہ گئے تھے۔ اب آتے ہی ہوں گے۔"

"آپ جا کر سو رہیں امی جان! میں جاگ رہی ہوں' ابا جان آئیں گے تو میں دروازہ کھول دوں گی۔"

"مجھے ابھی نیند نہیں آ رہی بیٹی!" شاکرہ خاتون نے کہا۔

"کیا چچا جان کو خاص کام تھا؟" ناہید نے دبی زبان میں دریافت کیا۔

"ہاں ..... تمہارے ابا جان یہی کہہ رہے تھے کہ کوئی ضروری کام ہے۔"

"بہت دِنوں سے چچی جان تشریف نہیں لائیں۔"

"گھر کے بکھیڑوں سے اتنی فرصت کہاں ملتی ہے کہ لوگ ایک دوسرے سے ملیں جلیں۔" شاکرہ خاتون نے بات بناتے ہوئے کہا۔ "تمہارا دل ملنے کو چاہ رہا ہو تو مل آنا کسی وقت جا کر۔"

"نرجس آج کل امتحان کی تیاریوں میں مصروف ہو گی' اُس کا امتحان ختم ہو جا پھر جاؤں گی۔"

"نرجس بڑی نیک اور سعادت مند بچی ہے' ذہین بھی ہے۔ خدا نے چاہا تو امتیاز نمبروں سے کامیاب ہو گی۔"

ماں بیٹی ابھی باتوں میں مصروف تھے کہ باہر دروازے پر دستک ہوئی' ناہید اور شاکر خاتون ایک ساتھ ہی اٹھیں' ناہید نے جا کر دروازہ کھولا اور باپ کو سلام کر کے ایک طرف

کو ہو گئی۔ شاکرہ خاتون نے شوہر کے چہرے کو غور سے دیکھا پھر بولیں۔

"بڑی دیر کر دی آپ نے' کیا کوئی خاص مسئلہ درپیش تھا؟"

"ہاں' آں' کچھ ایسی ہی بات تھی۔" الطاف حسین نے بیوی سے کہا پھر بیٹی سے بولے۔ "کیا ہماری بیٹی آج کھانے کے لئے نہیں پوچھے گی؟"

"آپ اپنے کمرے میں تشریف لے چلیں ابا جان! میں منٹوں میں کھانا گرم کر کے لگاتی ہوں۔"

"دیکھا بیگم آپ نے ہماری بیٹی کو اور ایک آپ ہیں کہ کھانے کا ذکر تک نہیں کیا۔" الطاف حسین نے بیوی کو چھیڑنے کی خاطر بیٹی کی تعریف کی تو شاکرہ خاتون مسکرا کر بولیں۔

"اور آپ نے میری تعریف نہیں کی جو آپ کے انتظار میں ابھی تک بھوکی بیٹھی ہوں۔"

ناہید نے والدین کی باتوں کے درمیان رکنا مناسب نہیں سمجھا اور باورچی خانے میں جا کر باپ کے لئے کھانا گرم کرنے لگی۔ الطاف حسین بیگم کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گئے اور کپڑے تبدیل کر کے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ ناہید نے آ کر اطلاع دی' کھانا لگ چکا ہے چنانچہ الطاف حسین بیگم کے ساتھ ورانڈے کے اس حصے میں آ گئے جسے پردہ ڈال کر کھانے کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ ناہید نے باپ اور ماں کے لئے پلیٹوں میں کھانا نکالا پھر وہ بھی ایک کرسی پر بیٹھی تو الطاف حسین نے تعجب سے پوچھا۔

"کیا آج ہماری بیٹی نے ہمارے انتظار میں بھوک ہڑتال کر رکھی تھی؟"

"جی نہیں ابا جان! میں نے تو مغرب کے بعد ہی شاکر کے ساتھ کھا لیا تھا۔" ناہید نے باپ کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"جیتی رہو بیٹی! خدا تمہیں ہمیشہ شاد آباد رکھے لیکن تمہاری ماں تو موجود ہیں' تم جا کر آرام کرو۔"

"ہاں ناہید! تم جا کر سو رہو' برتن وغیرہ میں سمیٹ کر رکھ دوں گی۔" شاکرہ خاتون نے بیٹی کو جانے کے لئے کہا تو ناہید آہستہ سے اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ شیخ الطاف حسین برابر بیٹی کو دیکھے جا رہے تھے۔ شاکرہ خاتون نے شوہر کو متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے' آج بیٹی کو اس قدر توجہ سے کیوں دیکھا جا رہا ہے؟"

"پہلے آرام سے کھانا کھا لو پھر اطمینان سے گفتگو ہو گی۔" الطاف حسین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا پھر کھانے میں مصروف ہو گئے۔

جتنی دیر الطاف حسین کھانے میں مصروف رہے شاکرہ خاتون نے انہیں کریدنے کی کوشش نہیں کی لیکن وہ محسوس کر رہی تھیں کہ آج اُن کے شوہر اور حامد حسین کے درمیان ضرور کوئی خاص بات ہوئی ہے۔ کھانا ختم ہوا تو شاکرہ خاتون نے برتن سمیٹ کر رکھے۔ پھر باہر کی بتیاں بند کر کے شوہر کے پاس آ گئیں جو مسہری کے سرہانے تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھے خلال کرنے میں مصروف تھے۔

"خیریت تو ہے؟" شاکرہ خاتون نے شوہر کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کچھ کھوئے کھوئے سے لگ رہے ہیں۔"

"سوچ رہا ہوں بیگم جب ناہید چلی جائے گی تو ہمارے گھر کی رونق ختم ہو جائے گی۔"

"کہاں بھیج رہے ہو ناہید کو؟" شاکرہ خاتون نے حیرت سے پوچھا تو الطاف حسین نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"حامد نے آج مجھے ناہید ہی کے سلسلے میں بلایا تھا..... رشتے کی بات تھی۔"

"تعجب ہے!" شاکرہ خاتون نے چونکتے ہوئے کہا۔ "حامد بھائی کی تو خیر اور بات ہے لیکن آخر ہماری نجمہ بیگم کو ناہید کا خیال کس طرح آ گیا؟"

"آپ غلط اندازہ لگا رہی ہیں بیگم!" الطاف حسین نے تیزی سے جواب دیا۔ "بات سلیم کی نہیں کسی اور لڑکے کی ہے۔ رہا نجمہ بیگم کا سوال تو حامد کہہ رہے تھے کہ انہوں نے بیوی کو اس سلسلے میں ابھی کچھ نہیں بتایا' صرف مجھ سے گفتگو کی ہے۔"

"وہی تو میں بھی سوچ رہی تھی کہ آخر نجمہ بیگم کو ہمارا خیال کیسے آ گیا۔ جہاں تک حامد بھائی کا سوال ہے تو خدا گواہ ہے کہ وہ ناہید کو بہت چاہتے ہیں لیکن ایک بات اب بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔" شاکرہ خاتون نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔ "اگر رشتہ کسی اچھے لڑکے کا ہے تو حامد بھائی کو پہلے نرجس کے لئے سوچنا چاہئے تھا' وہ بھی ماشاء اللہ اب سیانی ہو گئی ہے اور امتحان سے فارغ ہو کر آخر اُسے بھی تو کسی نہ کسی کے گھر بیاہ کر جانا ہے۔"

"یہی سوال میں نے بھی حامد سے کیا تھا لیکن وہ کہتے تھے کہ نجمہ بیگم ابھی نرجس کے بارے میں کچھ سوچنا پسند نہیں کرتیں اُن کا خیال ہے کہ نرجس کو بی اے پاس کرنے

کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے باہر بھیج دیا جائے پھر واپسی کے بعد شادی کے سلسلے میں غور ہو گا۔" الطاف حسین نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "رشتہ چونکہ بہت اچھا ہے اور لڑکا حامد کو بے حد پسند ہے اس لئے انہوں نے مجھے بلایا تھا کہ اگر میں مناسب سمجھوں تو ناہید کی بات چلائی جائے۔"

"خیر' جس گھر میں بیری ہو وہاں پتھر تو آتے ہی رہتے ہیں۔ اب آپ نے کیا سوچا ہے؟"

"میں نے فی الحال حامد سے یہی کہا ہے کہ تم سے مشورہ کر کے دو چار روز میں جواب دوں گا' ویسے حامد یہی کہہ رہے تھے کہ ایسے اچھے رشتے بار بار نہیں ملا کرتے۔"

"اچھا۔" شاکرہ خاتون نے دلچسپی لیتے ہوئے دریافت کیا۔ "لڑکا کون ہے' کیا کرتا ہے' خاندان کیسا ہے؟"

"یہی باتیں تو ایسی غور طلب ہیں بیگم جو مجھے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر رہی ہیں۔"

"کیا مطلب؟" شاکرہ خاتون نے جلدی سے پوچھا۔ "کیا آپ لڑکے اور اُس کے خاندان سے واقف ہیں۔"

"میں کیا..... سارا الہ آباد لڑکے کے خاندان سے واقف ہے۔" الطاف حسین نے گہری سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے' آپ نے بھی بیرسٹر سجاد کا نام سنا ہو' بے حد شریف اور نہایت اعلیٰ خاندان ہے۔"

"یہ وہی سجاد علی تو نہیں ہیں جو دو سال قبل جہاز کے کسی حادثے میں ہلاک ہو گئے تھے۔"

"جی ہاں' ٹھیک پہچانا تم نے۔" الطاف حسین نے بیوی کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "بے حد امیر کبیر گھرانہ ہے۔ دولت کی ریل پیل کا یہ عالم ہے کہ اگر چاہیں تو ایک چوتھائی شہر کو خرید سکتے ہیں۔ کئی گاڑیاں ہیں' ہزاروں نوکر چاکر ہیں' کاروبار کی جڑیں بیرونی ممالک تک پھیلی ہوئی ہیں لیکن اس کے باوجود بیگم سجاد علی نہایت شریف اور سادگی پسند خاتون واقع ہوئی ہیں۔ حامد بتا رہے تھے کہ اُن کے دو لڑکے ہیں۔ بڑے لڑکے کا نام منصور ہے جو بڑی کامیابی کے ساتھ باپ کی تمام جائیداد اور کاروبار سنبھالے ہوئے ہے اور چھوٹا لڑکا فراز ان دنوں انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے امریکہ گیا ہوا ہے۔ بیگم سجاد اپنے بڑے بیٹے منصور کے لئے کسی مناسب رشتے کی تلاش میں ہیں۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر سوچنا کس بات کا ہے' اللہ کا نام لے کر بات شروع کیجئے۔ ہو

سکتا ہے کہ ہماری بیٹی کے نصیب سے یہ رشتہ طے ہی ہو جائے۔"

"باقی باتیں تو خیر میری حسب منشاء ہیں بیگم! لیکن میں اپنی حیثیت پر غور کرتا ہوں یہ رشتہ مناسب نظر نہیں آتا۔"

"یہ بھی ایک ہی کہی آپ نے۔" شاکرہ خاتون جو لڑکے کے جملہ کوائف سننے کے بعد اپنی بیٹی کا مستقبل تابناک محسوس کر رہی تھیں' شوہر کو سمجھاتے ہوئے بولیں "نامناسب تو اُس وقت ہو جب ہم اپنی حیثیت بڑھا چڑھا کر لڑکے والوں کے سامنے پیش کریں۔ ہمارے پاس جو کچھ ہے وہ خود آ کر دیکھ لیں' دولت اور موٹر گاڑیاں نہ سہی لیکن خدا سلامت رکھے ہماری ناہید کو' لاکھوں میں ایک ہے' جس محفل میں چلی جاتی ہے مرکزِ نگاہ بن جاتی ہے۔ حامد بھائی نے ٹھیک ہی کہا ہے کہ ایسے رشتے بار بار نہیں ملا کرتے آپ خدا کا نام لے کر بات آگے بڑھائیں' ہونا تو وہی ہے جو خدا کو منظور ہو گا۔"

"ظاہر ہے کہ خدا کے حکم کے بغیر ایک پتا بھی اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا مگر مخمل کے کپڑے میں ٹاٹ کا پیوند زیب بھی دے گا؟"

"کیوں ایسی باتیں زبان سے نکالتے ہیں' خدا کا شکر ادا کیجئے کہ ہم اب بھی ہزاروں سے بہتر ہیں۔" شاکرہ خاتون نے شوہر کو ٹوکتے ہوئے کہا۔ "رہا مخمل کا سوال تو ہم زبردستی تو کر نہیں رہے' آپ اپنا دل چھوٹا نہ کیجئے' اگر آپ کا دل نہیں ٹھکتا اس رشتے پر تو جا دیجئے۔"

"دل تو خیر ٹھک رہا ہے بیگم لیکن اس بات سے دل ڈرتا ہے کہ کہیں شادی کے بعد ہماری ناہید کو غربت کے طعنے نہ سننا پڑیں۔"

"آپ تو ابھی سے ہاتھ پاؤں ڈالے دے رہے ہیں' ناہید کی رخصتی کا وقت آئے گا تو اُسے اپنے ہاتھوں رخصت کس طرح کریں گے؟"

"سچ کہتا ہوں بیگم! ناہید کے جانے کے بعد ہمارا گھر سُونا ہو جائے گا۔"

"یہ تو ہے لیکن لڑکی بہرحال پرایا دھن ہوتی ہے' ایک نہ ایک دن تو اسے اپنے گھر جانا ہی ہے۔" شاکرہ خاتون نے قدرے درد بھری آواز میں جواب دیا پھر دوبارہ رشتے کی بات چیت چھیڑتے ہوئے پوچھا۔ "لڑکے کی عمر کیا بتائی ہے حامد بھائی نے؟"

"پچیس چھبیس سال بتا رہے تھے۔" الطاف حسین نے بیوی کی شکل کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں سمجھتا ہوں بیگم یہ رشتہ تم کو کچھ زیادہ ہی پسند آ رہا ہے۔"

"میں اس حقیقت سے انکار نہیں کروں گی' فطری بات ہے۔ دنیا کا کون سا ایسا

یا کون ماں ہو گی جو اپنی اولاد کے لئے اچھے سے اچھا رشتہ تلاش کرنے کی حسرت دل میں نہ رکھتی ہو۔ باقی جس کا جو نصیب۔"

"اگر آپ کی مرضی یہی ہے تو میں ایک دو روز میں حامد سے کہہ دوں گا کہ وہ بیگم سجاد علی کو ہمارے ہاں چائے پر مدعو کر لے' اس طرح وہ ہماری حیثیت اور لڑکی کی صورت و سیرت دونوں کا اندازہ بھی لگا لیں گی۔"

"اب کی ہے نا آپ نے عقلمندی کی بات۔" شاکرہ خاتون نے خوش ہو کر کہا۔

"بات تو میں ہمیشہ عقلمندی کی کیا کرتا تھا لیکن آپ نے جب سے دُوری اختیار کی ہے عقل پہلے کے مقابلے میں کُھل ہو چلی ہے۔"

"رات بہت زیادہ ہو گئی ہے' اب آرام کریں' صبح دفتر بھی جانا ہے۔" شاکرہ خاتون نے زیر لب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ پھر اٹھ کر بتی بجھائی اور خود بھی سونے کے ارادے سے لیٹ گئیں۔

دوسری صبح شیخ الطاف حسین دفتر چلے گئے تو شاکرہ خاتون مصلی بچھا کر بیٹھ گئیں اور بارگاہ خداوندی میں گڑگڑا کر ناہید کے رشتے کی بات پکی ہو جانے کے لئے دعائیں مانگنے لگیں' انہوں نے خود اپنے لئے کبھی خدا سے سوائے شرافت کی زندگی اور عزت کی موت کے اور کچھ نہیں مانگا لیکن آج ماں کی ممتا بیٹی کے شاندار مستقبل کے لئے بہت کچھ طلب کر رہی تھی۔ رات سے اب تک شاکرہ خاتون کو ایک پل بھی چین نصیب نہیں ہوا تھا۔ جب سے شیخ الطاف حسین نے اُن سے منصور کے رشتے کا ذکر کیا تھا ان پر بس یہی فکر سوار تھی کہ کسی طرح ناہید کا رشتہ بیگم سجاد علی کے گھرانے میں ہو جائے' اپنی ساری زندگی انہوں نے بڑی سادگی اور نہایت صبر و شکر کے ساتھ گزاری' کبھی شوہر سے کسی بات کی فرمائش نہیں کی' قناعت پسندی اُن کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی لیکن آج جب پیٹ کی اولاد کا سوال آیا تو وہ بے اختیار بارگاہِ الٰہی میں سربسجود ہو گئیں' اُن کے جسم کا ایک ایک رواں ناہید کے مستقبل کی تابناکی کے لئے خدا کے حضور دستِ سوال بن گیا۔

ناہید نے ایک بار آ کر ماں کو جھانکا' خلاف توقع ماں کو بے وقت جانماز پر دیکھا تو اُس کے معصوم سے دل میں طرح طرح کے وسوسے جاگ اُٹھے' وہ ماں کی بھیگی ہوئی پلکوں اور کپکپاتے ہونٹ کی جنبش دیکھ کر سہم سی گئی۔ آج سے پیشتر کبھی اُس نے اپنی ماں کی آنکھوں میں آنسوؤں کی ذرا سی نمی بھی نہیں دیکھی تھی' اُسے ہمیشہ اپنی ماں کی عظمت پر

فخر ہوتا تھا لیکن آج نہ جانے کیوں ماں کی پلکوں کے بھیگے ہوئے گوشے دیکھ کر اُسے خوف سا لگ رہا تھا' اُسے صرف اتنا معلوم تھا کہ کل اُس کے والد اپنے چھوٹے بھائی سے ملنے گئے تھے۔ رات اُن کی واپسی دیر سے ہوئی تھی۔ کھانے کی میز تک اُس نے ماں اور باپ دونوں کو ہشاش بشاش دیکھا تھا۔ پھر..... پھر رات ہی رات میں ایسی کیا بات ہو گئی جس نے اُس کی ماں کو جانماز پر بیٹھ کر آنسو بہانے پر مجبور کر دیا۔ ابھی وہ ان ہی معصوم خیالات میں الجھی کھڑی تھی کہ باہر سے شاکر نے اُسے آواز دی اور وہ الٹے قدموں بھاگتی ہوئی بھائی کے کمرے میں آ گئی۔ شاکر ناشتہ کر چکا تھا اور اب کتابیں ہاتھ میں لئے اسکول جانے کو تیار کھڑا تھا۔

"دروازہ بند کر لو آپی! میں اسکول جا رہا ہوں۔"

"میں امی جان سے تمہارے لئے پیسے لینے گئی تھی لیکن امی جان ..... نماز پڑھ رہی ہیں۔" ناہید نے آخری جملہ بڑے دھڑکتے ہوئے دل سے کہا۔ گھر میں صرف شاکر ہی تو ایک ایسا تھا جس سے وہ دل کی باتیں بے دھڑک کر لیا کرتی تھی' اس وقت بھی اُس نے یہی سوچا تھا کہ بھائی سے امی کی کیفیت بتا کر اس کا سبب دریافت کر لے لیکن پھر اُسے خود ہی اپنے اوپر غصہ آ گیا۔ شاکر عمر میں اُس سے پانچ سال چھوٹا تھا' میٹرک میں پڑھ رہا تھا' اس میں ابھی اتنی سوجھ بوجھ کہاں تھی کہ وہ ماں کی بھیگی ہوئی پلکوں کا مفہوم سمجھ سکتا۔ لہٰذا اُس نے جلدی سے بات بناتے ہوئے کہا۔ "ایک منٹ ٹھہرو شاکر! میں تمہیں اپنے پاس سے پیسے دیتی ہوں۔"

"پیسے تو میرے پاس بھی ہیں آپی! لیکن آپ اس وقت پریشان کیوں ہیں؟" شاکر نے بہن کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے پوچھا۔

"سر میں درد سا محسوس ہو رہا ہے۔" اُس نے بھائی کو پیار بھری معصوم نگاہوں سے گھورتے ہوئے بات بنائی۔ "ایک کپ گرما گرم چائے پی لوں گی تو طبیعت ٹھیک ہو جائے گی اور اب آپ براہ کرم تشریف لے جایئے' اسکول لگنے کا وقت ہو رہا ہے۔"

شاکر کو واقعی اسکول کو دیر ہو رہی تھی اس لئے اُس نے حسب معمول بہن کو خدا حافظ کہا اور مسکراتا ہوا چلا گیا۔ ناہید باہر کا دروازہ بند کر کے پلٹی تو شاکرہ خاتون اپنی دعاؤں سے فارغ ہو کر کمرے سے باہر نکل رہی تھیں۔ اُن کی آنکھیں ابھی تک بھیگی بھیگی لگ رہی تھیں۔ ناہید لپک کر ماں کے قریب گئی اور بڑے ادب سے بولی۔

"امی جان! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

"ہاں بیٹی! میں بالکل ٹھیک ہوں تمہیں یہ خیال کیسے ہوا کہ میری طبیعت ناساز ہے۔"

"آپ بے وقت نماز جو پڑھ رہی تھیں اور ..... اور آپ کی آنکھیں....."

ناہید اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکی' اُس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"دیوانی کہیں کی۔" شاکرہ خاتون نے اُسے گلے لگاتے ہوئے اُس کی پیشانی چوم کر کہا۔ "یہ تو نیازمندی کے آنسو ہیں بیٹی! شاکر کا امتحان قریب ہے نا' اُسی کے لئے خدا سے کامیابی کی دعائیں مانگ رہی تھی۔"

"اور تو کوئی بات نہیں ہے نا امی جان!" ناہید نے انتہائی بھولپن سے ماں سے آنکھیں چار کرتے ہوئے دریافت کیا تو شاکرہ خاتون مسکرا کر بولیں۔

"اور بھلا کیا بات ہو سکتی ہے۔"

"مجھے کیا معلوم۔" ناہید نے بڑی سادگی سے کہا پھر صحن میں آ کر چاول چننے لگی۔ ماں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھ کر جیسے اُسے اطمینان ہو گیا تھا۔

دوپہر کو وہ کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کرنے کے ارادے سے لیٹی ہی تھی کہ شازیہ آ ٹپکی۔ شازیہ ناہید کے کالج کی سب سے عزیز سہیلی تھی۔ ایف اے سے بی اے تک دونوں نے ساتھ ہی تعلیم حاصل کی تھی اس کے علاوہ شازیہ کا مکان بھی ناہید کے گھر سے قریب تھا اس لئے دونوں کا ملنا جلنا ابھی تک قائم تھا۔ شازیہ کے والد ڈاکٹر ابرار احمد اور شیخ الطاف حسین میں بھی اچھی خاصی صاحب سلامت تھی اس لئے والدین کی طرف سے بھی دونوں کے ملنے جلنے میں کوئی روک ٹوک مانع نہ تھی۔ شاکرہ خاتون بھی شازیہ کو پسند کرتی تھیں' وہ جب بھی آتی تھی اپنی شوخ باتوں سے سبھی کو ہنساتی تھی لیکن اس وقت ناہید نے خلاف توقع اُسے سنجیدگی کی کیفیت سے دوچار پایا تو مسکرا کر بولی۔

"خیریت؟ یہ آج خلاف معمول تمہارے چہرے پر سنجیدگی کیسی نظر آ رہی ہے۔"

"بڑے دن قریب ہوں تو تباہی کی علامتیں قبل از وقت نمودار ہونے لگتی ہیں۔" شازیہ نے سرد آہ بھر کر جواب دیا۔

"کیا کوئی نئی شرارت ذہن میں کلبلا رہی ہے۔" ناہید نے شازیہ کو گھورتے ہوئے شوخ لہجے میں دریافت کیا۔

"مجھے یقین نہیں تھا ناہید کہ تم بھی میری پریشانیوں کو مذاق ہی سے تعبیر کرو گی۔" شازیہ کچھ اور سنجیدہ ہوئی۔

"بد اچھا بدنام بُرا والی مثل صادق آ رہی ہے۔" ناہید نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہاری کالج والی شوخیاں اور شرارتیں ابھی تک یاد ہیں اس لئے دل نہیں مانتا کہ تمہاری باتوں پر یقین کیا جائے۔"

"بزرگوں نے ٹھیک ہی کہا ہے ناہید! بُرا وقت آتا ہے تو انسان کا سایہ بھی اُس سے کترانے لگتا ہے۔" شازیہ کا لہجہ گلوگیر ہوا تو ناہید کو بھی سنجیدگی اختیار کرنا پڑی۔ شازیہ اُس کی عزیز ترین سہیلی تھی' کالج میں اُس کی شرارتیں زبان زد خاص و عام تھیں' مذاق میں بھی سنجیدگی کا رنگ اتنی خوبصورتی سے بھرتی تھی کہ لڑکے اور لڑکیاں دنگ رہ جاتے' جس کے پیچھے پڑ جاتی اُس کا اٹھنا بیٹھنا اجیرن کر دیتی تھی۔ کالج کے اکثر دل پھینک قسم کے طالب علم اُس کے قریب آنے کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ شازیہ ایسے لڑکوں کو اُلو بنانا اپنا فرض سمجھتی تھی۔ ایک خاص حد تک وہ ایسے منچلے لڑکوں کو دل کھول کر بے وقوف بناتی تھی لیکن بات آگے بڑھنے سے پہلے ہی کینچلی بدل کر ایسے خونخوار انداز میں پھنکارتی تھی کہ آہیں بھرنے والے پورے کالج میں نکو بن کر رہ جاتے تھے۔ ایک بار تو ایک لڑکے نے شازیہ کے ہاتھوں ذلت اٹھانے کے بعد کالج ہی چھوڑ دیا تھا اور اس کے بعد سے لڑکوں میں یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ شازیہ محض لڑکوں کو بے وقوف بنانے کی خاطر اپنے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹیں بکھیرنے کی عادی ہے۔ حقیقتاً وہ بے حد بلند اور ٹھوس کردار کی مالک تھی۔ پڑھائی میں بھی خاصی ذہین واقع ہوئی تھی لیکن ظرافت اور شوخی تو جیسے اُس کے انگ انگ میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اسی وجہ سے ناہید نے اس وقت بھی اس کی سنجیدہ باتوں کو کسی شرارت کا پیش خیمہ سمجھا تھا لیکن جب اُس نے اپنی سہیلی کی آنکھوں کے گوشے نم ہوتے دیکھے تو پریشان ہو گئی اور سنجیدگی سے بولی۔

"بات کیا ہے شازیہ! کچھ پتہ تو چلے؟"

"چھوڑو ناہید! کوئی اور بات کرو۔" شازیہ نے پلکیں جھپکاتے ہوئے کہا۔ "دل پریشان ہو تو اپنا گھر بھی کاٹنے کو دوڑتا ہے' تمہارے پاس اس لئے چلی آئی تھی کہ تم میری عزیز سہیلی ہو' تم سے باتیں کر کے دل بہل جاتا ہے۔"

"پھر بھی' بات کیا ہے آخر؟" ناہید نے شازیہ کو کریدنے کی کوشش کی۔ جواب میں شازیہ کے چہرے کی اداسی اور سوا ہو گئی۔ چند لمحے تک وہ خالی نظروں سے ناہید کو تکتی رہی پھر نظریں جھکا کر بے حد اداس اور پژمردہ سے لہجے میں بولی۔

"ڈیڈی اور ممی نے میری شادی طے کر دی ہے۔"

"اوہ.....!" ناہید نے اطمینان کا سانس لے کر شازیہ کو گھورتے ہوئے کہا۔ "شازیہ! کی بچی' تُو اپنی شرارتوں سے کبھی باز بھی آئے گی' میں تو سچ مچ پریشان ہو گئی تھی۔"

"میں مذاق نہیں کر رہی ناہید! بات حقیقتاً پریشان کُن ہے۔"

"کیوں؟" ناہید نے پوچھا۔ "کیا لڑکا تجھے پسند نہیں ہے؟"

"یہی تو پریشانی ہے کہ میں نے اُسے ابھی تک دیکھا بھی نہیں' خدا جانے اندھا ہو' کانا ہو' لنگڑا لولا ہو۔"

"کالا کلوٹا ہوا تو کیا کرے گی؟" ناہید نے شوخی سے اُسے چھیڑتے ہوئے دریافت کیا۔

"صحت ٹھیک ہو تو کالا کلوٹا بھی برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن شادی کے بعد اگر کسی جسمانی ٹوٹ پھوٹ کا سراغ ملا تو مشکل ہو جائے گی۔"

"تجھے اس سلسلے میں پریشانی نہیں ہونی چاہئے۔" ناہید مسکرا کر بولی۔ "چچا جان ڈاکٹر ہیں خود ہی ٹھیک ٹھاک کر لیں گے۔"

"ہاں۔" شازیہ نے ٹھنڈی آہ بھر کر کہا۔ "اب تو جو کچھ قسمت میں لکھا ہے اُسے بھگتنا ہی پڑے گا۔"

"اچھا اب مذاق ختم شازیہ کی بچی اور یہ بتا کہ لڑکا کون ہے' کیا کرتا ہے ..... تصویر تو ضرور دیکھی ہو گی تم نے۔"

"نام محسن علی ہے' کام پولیس کے محکمے میں کرتے ہیں' سنا ہے انسپکٹر کے عہدے پر فائز ہیں موصوف۔ رہا تصویر کا مسئلہ تو وہ بس واجبی سی ہے' صورت شکل تو شریفوں جیسی ہے البتہ ناک ذرا درمیان سے جھول کھائی ہوئی لگتی ہے۔ تصویر میں ایک کان سرے سے غائب نظر آتا ہے' اصلیت کیا ہے یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے لیکن پولیس والوں سے ذرا ڈر لگتا ہے۔ معمولی معمولی باتوں پر تھانہ کچہری کون کرتا پھرے گا۔"

"پھر کیا ارادہ ہے تیرا؟" ناہید نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"یہی سوچ رہی ہوں کہ اگر کوئی چھوٹی موٹی رشوت دے دلا کر جان چھوٹ جائے تو اچھا ہے۔" شازیہ نے کچھ ایسی سنجیدگی سے یہ جملہ ادا کیا کہ ناہید بے اختیار لوٹ پوٹ ہو گئی' کچھ دیر تک دونوں بے تکلیف سہیلیوں میں ہنسی مذاق ہوتا رہا پھر شازیہ نے پوچھا۔

"اور سنا تیرا کیا حال ہے' کہیں رشتے وشتے کی بات چل رہی ہے یا ابھی تک سنہرے

میٹھے خوابوں پر ہی گزر اوقات ہو رہی ہے؟"

"خدا سمجھے تجھ سے۔" ناہید مسکرا کر بولی۔ "جو بات کرے گی لاجواب کرے گی۔"

"اس میں بھلا انوکھی کون سی بات کہہ دی میں نے ..... ظاہر ہے کہ ہم لڑکیاں شادی بیاہ کے معاملے میں بے زبان ہوتی ہیں۔ تعلیم سے فراغت نصیب ہوتی ہے تو باورچی خانے کے چولہے ہانڈیوں میں جھونک دیا جاتا ہے۔ اپنے بارے میں' ہمیں زبان کھولنے کا اختیار بھی نہیں دیا جاتا۔ ماں باپ جہاں رشتہ طے کر دیں' ہمیں اُن کے فیصلے پر لبیک کہنا پڑتا ہے اور قربانی کی معصوم بکریوں کی طرح قصائیوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے۔"

"خدا کے غضب سے ڈر شازیہ کی بچی!" ناہید نے بڑی شوخی سے کہا۔ "شوہر کا رتبہ تو خداوند کریم نے مجازی خدا کا رکھا ہے اور تُو اُسے قصائی سے تشبیہہ دے رہی ہے۔"

"سبحان اللہ' ماشاء اللہ۔" شازیہ نے ناہید کے ایک زوردار چٹکی لیتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو تیرے رشتے کا کہیں اتہ پتہ بھی نہیں ہے اور ابھی سے تُو نے اپنے ہونے والے مجازی خدا کی پرستش بھی شروع کر دی۔ شادی کے بعد کہیں ایسی غلطی بھی مت کر بیٹھنا ورنہ شوہر کو اگر تیری پرستش کا علم ہو گیا تو تیری ذرہ برابر پرواہ نہیں کرے گا۔ مونچھوں پر تاؤ دیتا پھرے گا اور تجھ پر حکم الگ چلاتا رہے گا۔"

"پہلے تُو اپنی فکر کر۔" ناہید نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔ "فی الحال تیری پرچی کٹ رہی ہے' اپنی ضمانت کا بندوبست کر۔"

"سچ بتا' کیا خالہ جان کو تیری فکر بالکل نہیں ہے۔" شازیہ نے ناہید کی بات کو بالکل نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "کہیں رشتہ کی بات بھی شروع ہوئی یا نہیں؟"

"تجھے میری شادی کی اتنی فکر کیوں پڑ گئی ہے۔" ناہید نے سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا۔

"فکر کیوں نہ ہو۔" شازیہ نے بڑی بوڑھیوں کے انداز میں ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔ "جوان جہان لڑکیوں کا کنواری بیٹھے رہنا بھی ٹھیک نہیں۔ تم تو خیر سے خوبصورت اور حسین بھی ہو' دشمنوں کے کان بہرے' اگر کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گی۔ دنیا تو یہی کہے گی کہ دیکھو ایک تو اپنے ہاتھوں میں مہندی رچا کر اپنے گھر کی ہو کر بیٹھ گئی اور دوسری کی خبر تک نہ لی۔ نا بابا' میں تو دنیا کی باتیں برداشت

نہیں کر سکتی اس لئے یا تو تُو خالہ جان سے بات کر کے چٹ منگنی پٹ بیاہ کی کوئی سبیل نکال یا پھر مجھ سے کہہ' میں تلاش کرتی ہوں کوئی بانکا سجیلا نوجوان۔"

"بھئی واہ ..... اب تو تم نے دادی اماؤں جیسے انداز میں باتیں کرنی بھی سیکھ لی ہیں۔" ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا ناہید!" شازیہ نے اچانک کچھ یاد کرتے ہوئے کہا۔ "تجھے وہ خوابوں کا شہزادہ بھی کبھی یاد آتا ہے جو ایف اے کے بعد پٹہ ترڑا کے کالج سے بھاگ گیا تھا۔"

"خدا جانے تُو کس کی بات کر رہی ہے' مجھے تو کچھ یاد نہیں۔" ناہید نے خوابوں کے شہزادے والے حوالے پر بڑی معصومیت سے بات بناتے ہوئے جواب دیا۔

"اری' اب اتنی بھولی بھی نہ بن۔" شازیہ بولی۔ "تمہی نے تو اُسے یہ لقب دیا تھا' کلاس میں بیٹھی اسے کنکھیوں سے تاکتی جھانکتی رہتی تھی اور آج کس قدر معصومیت سے کہہ رہی ہے کہ ..... مجھے تو کچھ یاد نہیں۔"

اور ناہید شازیہ کے آخری جملے پر بے اختیار ہنس دی' اُس کی آنکھوں کے سامنے ایک لمحے کو یادوں کے دوش پر وہی بھولا بھالا چہرہ ابھر آیا جس نے ایف اے کا امتحان دینے کے بعد نہ جانے کیوں کالج چھوڑ دیا تھا' بے حد ذہین' حاضر جواب اور سادہ طبیعت کا مالک تھا۔ اُس کے چہرے پر ہر وقت ایک معصوم مگر شوخ سی مسکراہٹ کھیلا کرتی تھی۔ کلاس کے سارے ہی لڑکے اُس کی دوستی کے خواہشمند رہتے تھے لیکن وہ کسی سے زیادہ بے تکلف ہونے کا عادی نہیں تھا۔ سب سے بڑی ملنساری سے پیش آتا مگر کبھی کسی سے زیادہ قریب ہونے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ لڑکیوں میں تو نہ جانے اُسے کیا کیا خوبصورت نام دیئے جاتے تھے۔ وہ تھا بھی چاہے جانے کے قابل' انتہائی جامہ زیب ہونے کے ساتھ ساتھ مردانہ وجاہت بھی اُس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی' بڑا پُروقار لگتا تھا۔ شازیہ نے اُسے ایک بار بے وقوف بنانے کی کوشش کی تھی لیکن خود ہی نکو بن گئی تھی۔ ناہید نے دوسری لڑکیوں کی طرح اُسے خوابوں کے شہزادہ کا لقب دیا تھا۔ ویسے وہ لگتا بھی تھا بالکل شہزادوں ہی جیسا' کلاس روم میں بس یونہی ایک دو بار ناہید اور اُس کی آنکھوں کا تصادم ہو گیا تھا جسے شازیہ نے تاڑ لیا تھا اور پھر وہ پنجے جھاڑ کر ناہید کے پیچھے پڑ گئی تھی اور اس وقت جب شازیہ نے اس کا ذکر چھیڑا تو نہ جانے کیوں ناہید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے پانی کی خاموش سطح پر کنکری پھینک کر اُس میں ہلچل مچا دی ہو' ایک لمحے کو وہ انجانے خیالات میں گم سی ہو گئی پھر اُس نے اُلٹا شازیہ کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

"دو ڈھائی سال ہو گئے مگر تُو نے ابھی تک اُس کی یاد کو سینے میں بسا رکھا ہے ..... بڑی گہری نکلی۔"

"میں اس طرح کے روگوں کو پالنے کی عادی نہیں ہوں ناہید! لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ تھا چاہے جانے کے قابل۔" شازیہ بڑی بے باکی سے بولی۔ "تیرا کیا خیال ہے' وہ تھا محبت کرنے کے قابل یا نہیں؟"

"بھئی میں نے تو اُسے اس خیال سے کبھی نہیں دیکھا تھا۔"

"اب اگر کہیں مل جائے تو غور کرے گی۔" شازیہ نے اس قدر برجستہ کہا کہ ناہید شرم سے گلابی ہو گئی۔ پھر شانوں پر کھلی زلفوں کو پیچھے جھٹکتے ہوئے بولی۔

"مجھے کیا پڑی ہے اُس کے بارے میں غور کرنے کی۔"

"اور اگر وہ خود ہی عرضی دے بیٹھے ..... پھر؟" شازیہ نے بڑے رومانٹک انداز میں ناہید کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"خدا سمجھے تجھ سے۔" ناہید کانوں کو ہاتھ لگا کر بولی۔ "پہلے تُو اتنی بے شرم کبھی نہیں تھی۔"

اور ابھی دونوں بے تکلف سہیلیوں میں چھیڑ چھاڑ جاری تھی کہ شاکرہ خاتون کمرے میں داخل ہوئیں' ناہید نے جلدی سے دوپٹہ سر پر ڈالتے ہوئے بڑے ادب سے ماں کو سلام کیا' شازیہ بھی احتراماً اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"تسلیم خالہ جان!" اُس نے شاکرہ خاتون کو سلام کیا۔

"جیتی رہو شازیہ بیٹی! اللہ تمہیں سلامت رکھے۔" شاکرہ خاتون نے شازیہ کو ڈھیر ساری دعائیں دیتے ہوئے پوچھا۔ "کب آئی تم؟"

"ابھی کچھ دیر پہلے آئی ہوں خالہ جان!" شازیہ بولی۔ "ناہید نے تو آنا جانا ہی ترک کر دیا ہے' اس لئے بار بار مجھے ہی آنا پڑتا ہے۔"

"یہ بھی تمہارا اپنا گھر ہے بیٹی!" شاکرہ خاتون مسکرا کر بولیں۔ "اور سناؤ' تمہارے ابو امی تو خیریت سے ہیں۔"

"آپ کی دعا سے سب خیریت سے ہیں۔" شازیہ نے سنجیدہ لہجے سے جواب دیا پھر ناہید نے ماں سے کہا۔

"امی جان! شازیہ ہم لوگوں کو ایک بہت ہی اہم خوشخبری سنانے آئی ہے۔"

"وہ کیا؟" شاکرہ خاتون نے شازیہ سے دریافت کیا۔

"کچھ نہیں خالہ جان! بس ..... یونہی ذرا آج کل....." شازیہ ابھی اپنا جملہ ادھورا ہی ادا کر پائی تھی کہ ناہید بول پڑی۔

"آج کل شازیہ کے ہاں کھچڑی پک رہی ہے۔"

"اوہ ..... خدا مبارک کرے۔" شاکرہ خاتون نے بیٹی کے جملے کا مفہوم سمجھتے ہوئے مبارکباد دی پھر مسکراتے ہوئے کمرے سے باہر نکلی ہی تھیں کہ شازیہ نے جھپٹ کر اس زور سے ناہید کے چٹکی بھری کہ وہ تلملا کر رہ گئی۔

☆------☆------☆

اتوار کا دن تھا۔

شیخ الطاف ورانڈے میں آرام کرسی پر بیٹھے اخبار کے مطالعہ میں مصروف تھے۔ شاکرہ خاتون اُن کے قریب ہی بیٹھی شاکر کا سوئٹر بُن رہی تھی۔ ناہید اپنے کمرے میں بیٹھی شاکر کو پڑھا رہی تھی۔ صبح ہی سے آسمان پر اُودے اُودے بادل گھرے ہوئے تھے' موسم نہایت خوشگوار نظر آ رہا تھا۔ الطاف حسین نے اخبار سے نظر اٹھا کر ایک بار شاکرہ خاتون کی طرف دیکھا لیکن وہ اون کی سلائی میں اس قدر منہمک تھیں کہ شوہر سے اُن کی نگاہیں چار نہ ہو سکیں۔

"کیا آج ہی سوئٹر پورا کر ڈالنے کا ارادہ ہے۔" الطاف حسین نے بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

"کئی دِنوں بعد تو آج لے کر بیٹھی ہوں' سردی بھی بڑھتی جا رہی ہے۔" شاکرہ خاتون نے شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کوئی کام ہے؟"

"ذرا ناہید سے کہئے کہ ایک کپ چائے بنا دے۔"

"ناہید شاکر کو پڑھا رہی ہے' دو سلائیاں پوری کر لوں تو میں اٹھ کر بناتی ہوں' میرا دل بھی چاہ رہا ہے۔"

اُسی وقت باہر سے گاڑی کا ہارن بجنے کی آواز آئی' شاکر اٹھ کر باہر گیا پھر واپس لوٹا تو شیخ حامد حسین بھی اُس کے ہمراہ تھے۔ چچا کی آواز سن کر ناہید بھی باہر آ گئی۔ شاکر نے دوسری کرسی باپ کے قریب لا کر رکھی تو حامد حسین اُس پر بیٹھ گئے۔ شاکرہ خاتون نے دیور کو دیکھ کر اون سلائی رکھی تو الطاف حسین بولے۔

"میرا خیال ہے کہ اب چائے جلدی مل جائے گی۔"

"آپ بیٹھئے امی جان! میں ابھی دو منٹ میں چچا جان کے لئے چائے بنا کر لاتی

ہوں۔" ناہید یہ کہتی ہوئی باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔ شاکر دوبارہ اپنے کمرے میں جا کر پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ صحن میں ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔ شاکرہ خاتون نے دیور سے کہا۔

"آج تو چھٹی کا دن ہے حامد بھائی! بچوں کو ساتھ لے آتے' بہت دنوں سے نجمہ بھی اِدھر نہیں آئیں۔"

"نرجس ضد تو کر رہی تھی لیکن اُس کے امتحان ہونے والے ہیں' اس لئے ساتھ نہیں لایا۔"

"سنا ہے آپ اُسے بی اے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر بھیجنے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

"آپ نے درست سنا ہے بھابی! لیکن نرجس کو باہر بھیجنے میں بیگم صاحبہ کی ضد کو زیادہ دخل ہے' میری بھلا اُن کے سامنے کیا چلتی ہے۔" حامد حسین نے صاف گوئی سے کہا۔

"خیر اب ایسا بھی نہیں۔" شاکرہ خاتون نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو ہمیشہ نجمہ کو آپ کی تعریف ہی کرتے سنا ہے۔"

"ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔" حامد حسین نے بھی بھاوج سے مذاق کرتے ہوئے کہا۔ "اکیلے میں جو برتاؤ میرے ساتھ ہوتا ہے وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔"

"بھئی میں تو کہتا ہوں کہ نرجس بی اے کر لے تو کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر اُسے بھی اپنے گھر کا کر دو۔" الطاف حسین' بھائی کو سمجھاتے ہوئے بولے۔ "مغربی تہذیب کے اثرات یہاں کیا کم ہیں کہ بچی کو باہر بھیجا جائے۔"

"میری ذاتی رائے تو یہی ہے بھائی صاحب! کوشش کروں گا کہ بیگم صاحبہ کی عقل میں بھی یہ بات بیٹھ جائے۔"

"بہرحال' فی الحال یہ مسئلہ نہ چھیڑیئے گا۔" شاکرہ خاتون نے لقمہ دیا۔ "خیر سے نرجس کے امتحان ختم ہو جائیں تو پھر کسی وقت آرام سے بیٹھ کر نجمہ کو سمجھایئے گا۔"

"میں سمجھ رہا ہوں بھابی! اس وقت اگر بارود کو ذرا بھی چنگاری دکھائی تو امتحان کا بھی ستیاناس ہو جائے گا۔"

"رہنے دیجئے بس۔" شاکرہ خاتون ہنس کر بولیں۔ "اب ہماری نجمہ ایسی بھی نہیں

ہیں کہ بات بات پر آپ سے لڑنے بیٹھ جائیں۔"

"ڈور کے ڈھول سہانے ایسے ہی موقع کے لئے کہا گیا ہے۔" حامد حسین بھی مسکرا دیئے۔

ناہید چائے بنا کر لے آئی تو حامد حسین اُس سے محبت بھری باتیں کرنے لگے۔ الطاف حسین خاموش بیٹھے چائے پیتے رہے۔ شاکرہ خاتون' چچا بھتیجی کی باتیں سن رہی تھیں۔ چائے ختم ہوئی تو ناہید برتن سمیٹ کر اندر چلی گئی۔ جاتے جاتے شاکرہ خاتون نے یہ بھی کہہ دیا کہ شاکر کے ساتھ بیٹھ کر اسے توجہ سے پڑھا دو۔ حامد حسین سے وہ اس وقت منصور کے سلسلے میں باتیں کرنا چاہتی تھیں۔ الطاف حسین انہیں پہلے ہی بتا چکے تھے کہ انہوں نے بھائی سے اپنی رضامندی اور بات بڑھانے کا اظہار کر دیا ہے' لہٰذا جب ناہید اپنے کمرے میں چلی گئی تو شاکرہ خاتون نے دیور کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

"حامد بھائی! ناہید کے بارے میں کچھ کیا آپ نے؟"

"اس وقت مَیں اسی سلسلے میں حاضر ہوا تھا۔" حامد حسین نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "منصور کی والدہ پہلے لڑکی کو دیکھنا چاہ رہی ہیں۔"

"میں خود بھی یہی چاہتا ہوں کہ وہ یہاں آ کر لڑکی کو دیکھ لیں اور جو کچھ ہماری حیثیت ہے اُس کا اندازہ بھی لگا لیں۔" الطاف حسین بولے۔

"میں نے بیگم سجاد کو تمام تفصیل بتا دی ہے۔ دولت یا جہیز وغیرہ کی تو خیر اُن کو ضرورت بھی نہیں ہے' البتہ ناہید اگر ان کو پسند آ گئی تو ان شاء اللہ رشتہ ضرور ہو جائے گا۔"

"آمین!" شاکرہ خاتون نے جلدی سے کہا۔

"یہ سوچنا اُن کا کام ہے حامد میاں! لیکن بہرحال ہم اپنی بیٹی کو خالی ہاتھ رخصت نہیں کریں گے۔" الطاف حسین بولے۔ "یہ اور بات ہے کہ جہیز اُن کی توقع پر پورا نہ اُترے۔"

"میرا تو خیال ہے کہ بھابی صاحبہ نے بہت کچھ جہیز تو تیار کر لیا ہو گا' کیوں بھابی؟"

"ہاں' کچھ تھوڑا بہت تیار کر لیا ہے' باقی جو کچھ ہو گا وہ رشتے کی بات پکی ہونے کے بعد پورا کر لیا جائے گا۔" شاکرہ خاتون نے کہا۔ پھر پوچھا۔ "بیگم سجاد نے کچھ آنے کے بارے میں بھی بتایا ہے؟"

"وہ تو آج ہی آنے کو تیار تھیں لیکن میں نے منگل کے لئے کہہ دیا ہے۔ اس وقت

یہی بتانے کے لئے حاضر ہوا تھا۔"

"ٹھیک ہے۔" شاکرہ خاتون نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "آپ نجمہ کو بھی لے آیئے گا تاکہ وہ بھی بیگم سجاد سے بات چیت کر لیں۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن میں ناہید کا دشمن نہیں ہوں کہ ایسی کسی حماقت کا ثبوت دوں۔"

"کیوں' اس میں بھلا ناہید سے دشمنی کا کون سا پہلو نکل آیا؟" شاکرہ خاتون نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"یہ میں بہتر سمجھتا ہوں بھابی صاحبہ!" حامد حسین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"آپ کو بھی میں یہی مشورہ دوں گا کہ جب تک دن تاریخ طے نہ ہو جائے نجمہ سے اس رشتے کے سلسلے میں کوئی ذکر نہ کریں۔"

"جیسی تمہاری مرضی۔" الطاف حسین نے موقع کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے گفتگو کا رخ بدل کر پوچھا۔ "سلیم کے بارے میں بھی کچھ سوچا تم نے؟"

"سلیم کے بارے میں سوچنے سمجھنے کے جملہ حقوق صرف اس کی ماں کے پاس محفوظ ہیں۔" حامد حسین نے یہ بات قدرے تاسف سے کہی۔

"کیا مطلب ..... کیا نجمہ ابھی سلیم کی شادی کا ارادہ نہیں رکھتیں؟"

"ارادے تو خیر بیٹے کے معاملے میں اُن کے ضرورت سے زیادہ ہی نیک ہیں لیکن سوال لڑکی پسند کرنے کا ہے۔"

"تو اس میں حرج کی کون سی بات ہے۔" شاکرہ خاتون نے دیورانی کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔ "لڑکیوں کا ایسا کال بھی نہیں کہ جو نظر آ جائے اُسی سے مجبوراً بات پکی کر لی جائے۔"

"آپ کا کہنا بجا ہے بھابی صاحبہ لیکن نجمہ بیگم ایک ہی لڑکی میں بیک وقت جتنی خوبیاں چاہتی ہیں وہ ذرا مشکل ہی سے تلاش کی جا سکے گی۔"

"تعجب ہے حامد بھائی!" شاکرہ خاتون نے دیور پر فقرہ چست کرتے ہوئے جواب دیا۔ "جب اپنے سلسلے میں نجمہ نے صرف ایک ہی خوبی پسند کر لی تھی تو بہو کے لئے بہت ساری خوبیاں تلاش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"آپ دیکھ رہے ہیں بھائی صاحب!" حامد حسین نے بڑے بھائی کو مخاطب کرتے ہوئے بڑی شوخی سے شکایت کی۔ "بوندا باندی تیز ہونے لگی ہے۔"

"مجھے درمیان میں کیوں گھسیٹ رہے ہو حامد میاں!" الطاف حسین مسکرا کر بولے۔ "یہ تم دیور بھاوج کا معاملہ ہے' آپس ہی میں فیصلہ کرتے رہو۔"

"گویا آپ میری حمایت میں بالکل خاموشی کا اعلان کر رہے ہیں۔"

"اسی میں عافیت کی گنجائش زیادہ ہے' اگر تمہاری طرف داری میں بولا تو تمہارے جانے کے بعد میری حمایت میں کون آواز بلند کرے گا؟"

"کیا مطلب؟" حامد حسین نے بھاوج کو چھیڑنے کی خاطر کہا۔ "کیا دیورانی کی دیکھا دیکھی جٹھانی نے بھی رنگ پکڑنا شروع کر دیا ہے؟"

شاکرہ خاتون جواب میں صرف مسکرا کر چُپ ہو رہیں۔ بارش چونکہ تیزی اختیار کرنے لگی تھی اس لئے حامد حسین زیادہ دیر نہیں بیٹھے اور دوبارہ کسی وقت آنے کا کہہ کر چلے گئے۔

دیور کی زبانی بیگم سجاد علی کی آمد کی اطلاع پا کر شاکرہ خاتون کی خوشیوں کی کوئی انتہا باقی نہ رہی تھی۔ جب سے ناہید نے بی اے پاس کیا تھا انہیں بس یہی فکر لاحق رہتی تھی کہ کوئی مناسب رشتہ ملے تو اس کے ہاتھ پیلے کر دیئے جائیں۔ ہر نماز میں وہ اپنے معبود حقیقی سے بیٹی کے مستقبل کے لئے یہی دعا مانگتی تھیں کہ اس کا مستقبل تابناک ہو اور مستقبل کی بہاروں میں منحوس خزاں کا کبھی گزر نہ ہو۔ انہیں دولت کی ہوس نہیں تھی۔ کار' کوٹھی اور نوکر چاکر کا تصور خود اپنے لئے اُن کے ذہن میں کبھی بھول کر بھی نہیں ابھرا تھا۔ شیخ الطاف حسین کی لازوال محبت نے انہیں ہر دوسری بات سے بے نیاز کر دیا تھا۔ وہ شوہر کی محبت ہی کو دنیا کی تمام دولت سے بڑھ کر سمجھتی تھیں' شوہر کے پیار نے انہیں کبھی کسی دکھ کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔

شاکرہ خاتون ایک بیوی کی حیثیت سے خود کو دنیا کی لاکھوں دوسری بیویوں سے زیادہ خوش قسمت سمجھتی تھیں۔ انہوں نے ایسے ہزاروں گھرانوں کی مثال سن رکھی تھی اور بہت سارے خاندانوں کو اپنی نگاہوں سے دیکھ رکھا تھا جہاں خدا کا دیا سب کچھ تھا۔ دولت' عزت' موٹر گاڑیاں' نوکر چاکر اور بڑی بڑی عالیشان کوٹھیاں' سب ہی کچھ تو تھا ان خاندانوں کے پاس لیکن میاں بیوی کے درمیان محبت نہیں تھی اور اسی ایک خلیج نے ان خاندانوں کے گھریلو سکون کو تہس نہس کر رکھا تھا۔ اُن کے گھروں میں آئے دن ذرا ذرا سی بات پر لڑائی جھگڑے اور جوتم پیزار ہوا کرتی تھی جس کا اثر بچوں کی پرورش پر بھی ہوتا تھا' ایسے لوگوں کی زندگی باہر سے بڑی حسین اور نمائش نظر آتی تھی لیکن اندر سے بڑی

کھوکھلی اور ناپائیدار تھی۔

ماں باپ کی اعلیٰ تربیت نے یوں بھی شاکرہ خاتون کو صبر و شکر کی لذتوں سے آشنا کیا تھا۔ اُن کی تربیت نہایت مناسب ماحول میں ہوئی تھی۔ انہیں یاد نہیں تھا کہ کبھی انہوں نے ماں باپ کے درمیان کوئی رنجش' تلخ کلامی یا آپس کا کھنچاؤ دیکھا ہو۔ جب تک ماں باپ کا سایہ سر پر قائم رہا شاکرہ خاتون کو کسی غم' کسی دکھ کا احساس نہیں ہوا۔ باپ کے انتقال پر پہلی بار انہیں درد و غم کی جراحت اور خلش کا اندازہ ہوا تھا۔ خدا کی مرضی میں ان کی مجبور ماں کو بھلا کیا دخل ہو سکتا تھا۔ ایک مشرقی عورت ہونے کے ناطے ان کی ماں کو بھی شوہر کی جدائی پر مستقبل کی بھیانک اور پُر پیچ راہوں پر گھپ اندھیروں کے ہولناک احساس نے سما دیا تھا' پہاڑ جیسی زندگی پر کسی سہارے کے بغیر قدم آگے بڑھانے کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں قدرت کی ستم ظریفیوں سے سابقہ پڑ چکا ہو۔ دنیا کی ہر عورت کی طرح اُن کی ماں نے بھی شوہر کی موت پر پچھاڑیں کھا کھا کر بین کئے تھے' خون کے آنسو بہائے تھے' گھر کے سوگوار در و دیوار سے سر ٹکرا کر مر جانے کی خواہش کی تھی لیکن وقت نے اُن کے زخموں پر بھی مرہم کا کام کیا۔ وہ بہت جلد حالات اور مجبوریوں سے سمجھوتہ کرنے میں کامیاب ہو گئیں۔ شاکرہ خاتون کی پرورش اور تربیت کا مسئلہ اُن کے سامنے تھا۔ انہوں نے اس مسئلے میں خود کو اتنا غرق کر لیا کہ تمام غم بھول گئیں۔ جب تک زندہ رہیں شاکرہ خاتون کو ہمیشہ یہی نصیحت کرتی رہیں کہ محبت دنیا کی تمام دولت اور تمام جھوٹی خوشیوں اور نمائشی مسرتوں سے افضل ہے۔

شاکرہ خاتون نے ماں کی نصیحتوں کو گرہ سے باندھ لیا تھا' شیخ الطاف حسین اُن کے لئے ایک مثالی شوہر ثابت ہوئے تھے' جو کچھ کماتے خاموشی سے لا کر بیوی کے ہاتھ پر رکھ دیتے' کبھی پلٹ کر بیوی سے حساب نہیں لیتے' بیوی اور بچوں کو ذرا ملول دیکھتے تو تڑپ اٹھتے اور جب تک اُن کے معصوم ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ نہ اُبھر آتی وہ پریشان ہی رہتے۔ شاکرہ خاتون نے کبھی شوہر کے مقابلے میں اپنی آواز بلند نہیں کی۔ کبھی اُن سے بے جا چیز کی فرمائش نہیں کی' ہمیشہ اپنی چادر کو دیکھ کر پاؤں پھیلایا بلکہ تھوڑا بہت بیٹی کے لئے جوڑ کر جمع بھی کرتی رہیں۔ اپنی ذات پر کبھی ایک پائی بھی خرچ نہیں کی' بچوں کو کبھی کم مائیگی کا احساس نہیں ہونے دیا۔ غرض یہ کہ وہ خود کو اس اعتبار سے انتہائی صاحب ثروت سمجھتی تھیں کہ انہیں شوہر کے پیار کی لازوال دولت حاصل تھی اور یہ دولت تھی جو ایک بیوی کے لئے دنیا کے تمام خزانوں' قیمتی ہیرے اور جواہرات اور مال

زر سے زیادہ افضل ہوتی ہے لیکن.....

شاکرہ خاتون محض ایک بیوی نہیں تھیں' ایک نوجوان بیٹی کی ماں بھی تھیں اور ماں کی حیثیت سے انہوں نے ناہید کی آئندہ زندگی کے لئے بہت خوبصورت اور حسین خواب اپنے ذہن میں سجا رکھے تھے اور خوابوں کی تکمیل اور شرمندۂ تعبیر ہونے کے لئے وہ اپنے معبود کے حضور ہمیشہ سجدہ ریز رہتیں اور اب ..... اب ان خوابوں کی تکمیل کا وقت بہت قریب آ گیا تھا۔

بیگم سجاد علی کے گھرانے کے بارے میں انہوں نے پہلے بھی بہت کچھ سن رکھا تھا۔ الٰہ آباد میں اس خاندان کو جاننے والوں میں مثالی کردار کا گھرانہ کہا جاتا تھا۔ جسے نہایت عزت اور تکریم کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا اب اسی گھرانے سے ناہید کا مستقبل وابستہ ہونے والا تھا اور شاکرہ خاتون کے جسم کا ایک ایک رواں زبان بن کر خدا سے یہی دعائیں مانگ رہا تھا کہ یہ رشتہ پایۂ تکمیل تک پہنچے۔

ناہید کا مستقبل تابناک اور درخشندہ ہو۔

ناہید کے مستقبل پر کبھی خزاں کا منحوس سایہ نہ پڑے۔

ناہید کو زندگی کی ہزاروں خوشیاں نصیب ہوں۔

ناہید کو شوہر کی لازوال محبت اور پیار حاصل ہو۔

ناہید سدا سہاگن رہے۔

دودھوں نہائے پوتوں پھلے۔

اور.....

جب منگل کا دمکتا سورج نمودار ہوا تو شاکرہ خاتون کی حالت قابلِ دید تھی۔ فجر کی نماز ادا کرتے ہوئے بہت دیر تک بارگاہِ الٰہی میں سربسجود ہو کر بیٹی کی خوشیوں کے لئے خداوند کریم کے حضور گڑگڑاتی رہی تھیں۔ پھر انہوں نے شیخ الطاف کو مسکراتے ہوئے دفتر روانہ کیا اور شام کو جلدی آنے کی تاکید کی اور باورچی خانے کا چارج ناہید پر چھوڑ کر خود گھر کی صفائی اور جھاڑ پونچھ میں مصروف ہو گئیں۔ دونوں کمروں اور باہر بیٹھک کی ایک ایک چیز کو صاف کیا۔ پلنگ کی چادریں اور تکیوں کے غلاف تبدیل کئے۔ صوفوں کے کشن اور کور جو وہ خاص خاص موقعوں پر استعمال کرتی تھیں' نکال کر بڑے سلیقے سے تبدیل کئے' میزوں پر کٹ ورک کے پلاسٹک کور بچھائے۔ مہمانوں کے لئے اندر سے نئے برتن نکالے گئے۔ غرضیکہ آنے والے مہمانوں کے لئے وہ جو کچھ کر سکتی تھیں سب کچھ کیا پھر

دوپہر کا کھانا کھا کر کچھ دیر کمر سیدھی کرنے کے ارادے سے لیٹ گئیں۔

ناہید صبح ہی سے ماں کو گھر کی صفائی کرتے دیکھ رہی تھی لیکن اسے ابھی تک ا حالات کا علم نہیں ہوا تھا وہ تو یہی سمجھی تھی کہ ماں پر ہمیشہ کی طرح آج پھر صفائی کا پڑا ہے اس لئے اُس نے ماں سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا لیکن جب اُس نے با جلدی گھر آتے دیکھا اور اُن کے ہاتھوں میں مٹھائی کا ڈبہ اور پھل وغیرہ کے تھیلے دیکھے اُسے تعجب ہوا تھا۔ "شاید ابو کے کوئی دوست آ رہے ہوں گے۔" اُس نے یہی سو لیکن جب وہ شام کی چائے بنانے کے لئے باورچی خانے میں گئی تو شاکرہ خاتون نے د کر بڑے پیار سے اُس سے کہا۔

"بیٹی! چائے مَیں تیار کئے لیتی ہوں تم ذرا منہ ہاتھ دھو کر کپڑے تبدیل کر لو نے تمہارا پیازی رنگ والا شلوار سوٹ نکال دیا ہے' اُسے پہن لینا اور گلے میں موتیو وہ ہار بھی ضرور ڈال لینا جو تمہارے چچا نے تحفے میں دیا تھا۔"

"کون آ رہا ہے امی جان!" ناہید نے بڑی سادگی سے دریافت کیا۔

"کچھ خاص مہمان خواتین آ رہی ہیں۔" شاکرہ خاتون نے معنی خیز انداز میں زیر مسکراتے ہوئے جواب دیا تو ناہید نے ماں کا مفہوم بھانپ لیا' نظریں جھکا کر خاموشی باورچی خانے سے باہر آ گئی' وہ سمجھ رہی تھی کہ مائیں اپنی جوان بیٹیوں سے ایسی کس موقع پر اور کیوں کہتی ہیں۔

صحن کے چبوترے پر آ کر اُس نے منہ ہاتھ دھویا پھر ماں کا بتایا ہوا جوڑا پہن آدم آئینے کے سامنے آ کر بیٹھی تو خود اپنی نگاہوں سے نگاہیں چار ہوتے ہی شرما گئی میں نہ جانے کیسے کیسے خیال ابھرنے لگے۔ چھوٹی چھوٹی سینکڑوں باتیں اُس کے ذہن میں ابھر کر آپس میں گڈمڈ ہونے لگیں۔ ایسی باتیں جو اُس نے بارہا اپنی سہیلیوں سے سنی تھیں' وہ آپ ہی آپ اپنے وجود میں سمٹنے اور شرمانے لگی۔ پ نظریں جھکائے بیٹھی اپنے ہی حسین خیالات کے تانے بانے میں الجھی رہی۔ پھر اُس جلدی سے بالوں کو سنوارا' گلے میں موتیوں کا ہار ڈالا' پھر دوپٹہ کا آنچل سر پر ڈال کر تنقیدی نظروں سے آئینے میں دیکھا تو شفق کی ساری دل آویز سرخیاں جیسے اُس کے میں سرایت کر گئیں۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ کمرے سے باہر آئی تو چھوٹے سے مڈبھیڑ ہو گئی۔

"کیا بات ہے آپی!" شاکر نے بہن کو تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے سوال

"آج تو گھر کا سارا نقشہ بدلا بدلا نظر آ رہا ہے اور آپ نے بھی نئے کپڑے پہن رکھے ہیں' کوئی خاص لوگ آ رہے ہیں کیا؟"

"مجھے کیا معلوم۔" ناہید نے دھڑکتے ہوئے دل سے جواب دیا۔ "امی سے جا کر معلوم کرو۔"

"ایک بات کہوں آپی!" شاکر نے بہن کے سراپا کو بغور گھورتے ہوئے کہا۔ "آج آپ تمام دنوں سے زیادہ پیاری لگ رہی ہیں' جا کر مہمانوں کے آنے سے پہلے امی جان سے اپنی نظر اتروا لیجئے یا پھر توے کی تھوڑی سی کالک لے کر....."

"شاکر کے بچے! بہت زبان چل گئی ہے۔" ناہید نے بھائی کو پیار بھرے غصے سے ڈانٹا تو شاکر ہنستا ہوا چلا گیا۔

یہ حقیقت تھی کہ ناہید آج پیازی رنگ کے جوڑے میں بہت جچ رہی تھی۔ قدرت نے اُسے یوں بھی حُسن کے سانچے میں ڈھالا تھا اور آج تو ایک نئے احساس نے اُس کے وجود کو گنگنا دیا تھا۔ حیا کی سرخی نے چہرے پر اُبھر کر اُس کی خوبصورتی میں چار چاند لگا دیئے تھے۔ شاکر سے نپٹ کر وہ باورچی خانے میں داخل ہوئی تو ماں سے نظریں چار کرتے ہوئے بھی اُسے آج نہ جانے کیوں شرم سی محسوس ہو رہی تھی۔ شاکرہ خاتون نے بیٹی کو دیکھا تو وہ بھی اُسے نظر بد سے بچنے کی دعائیں دیتی ہوئی مٹھائی اور پھلوں کو برتن میں سجانے کی تاکید کر کے اپنے کمرے میں آ گئیں۔ دیوار گیر گھڑی میں اس وقت شام کے ساڑھے چار بج رہے تھے' مہمانوں کی آمد کا وقت پانچ بجے کا طے تھا اس لئے شاکرہ خاتون نے بھی جلدی جلدی اپنا آسمانی رنگ کا غرارہ سوٹ نکال کر زیب تن کیا اور کنگھی چوٹی سے فارغ ہو کر دوبارہ باورچی خانے میں جا کر بیٹی کا ہاتھ بٹانے لگیں۔ شیخ الطاف حسین باہر بیٹھک میں بیٹھے بیٹی کے مستقبل کے بارے میں سوچ رہے تھے۔

ٹھیک پانچ بجے باہر سے کسی گاڑی کے ہارن کی تیز آواز سنائی دی۔ شاکر نے اندر آ کر ماں کو مہمانوں کی آمد کی اطلاع دی تو شاکرہ خاتون بیٹی کو جلدی جلدی دو ایک ضروری باتیں سمجھاتی ہوئی تیزی سے قدم اٹھاتی بیٹھک میں آ گئیں۔ شیخ الطاف حسین بیٹھک سے نکل کر باہر ڈیوڑھی میں آ گئے تھے۔ شاکرہ خاتون دروازہ کھول کر باہر نکلیں اور بیگم سجاد علی کو بڑے تپاک سے گاڑی سے اتروا کر اندر لے آئیں۔ وہ تنہا اپنے بوڑھے ڈرائیور کے ساتھ تشریف لائی تھیں اور سفید کامدانی کے ہلکے کام کی ساڑھی میں نہایت سادہ مگر پُروقار سی خاتون نظر آ رہی تھیں۔ شاکرہ خاتون نے انہیں اندر لا کر بڑے احترام سے ایک

صوفے پر بٹھایا اور خود بھی اُن کے برابر بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر تک دونوں کے درمیان رسمی باتیں ہوتی رہیں پھر بیگم سجاد علی نے اصل مقصد کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"حامد حسین صاحب نے بتایا تھا کہ آپ کے' خدا رکھے صرف دو ہی بچے ہیں۔"

"جی ہاں۔" شاکرہ خاتون سنبھل کر بولیں۔ "بیٹی نے تو خیر سے اپنی تعلیم مکمل کر لی ہے اور چھوٹا بیٹا اس سال خدا کے فضل و کرم سے میٹرک میں ہے۔"

"میرے بھی صرف دو ہی بیٹے ہیں۔" بیگم سجاد علی نے نہایت سادہ لہجے میں کہا۔ "بڑا بیٹا اپنے والد کا کاروبار سنبھالے ہوئے ہے اور چھوٹا بیٹا انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنے باہر گیا ہوا ہے۔"

"پھر تو اکیلے گھر میں آپ کا دل بہت گھبراتا ہو گا۔"

"ظاہر ہے۔" بیگم سجاد علی کو بات نکالنے کا موقع مل گیا' مسکرا کر بولیں۔ "گھر کی اس ویرانی کو دور کرنے کی خاطر تو آج آپ کے دولت خانے پر حاضری دی ہے۔"

جواب میں شاکرہ خاتون بھی مسکرا دیں پھر انہوں نے اندر جا کر ناہید کو کچھ دیر بعد چائے لانے کی ہدایت کی اور دوبارہ بیٹھک میں واپس آئیں تو بیگم سجاد نے کہا۔

"میرا اندازہ ہے کہ آپ کچھ تکلفات کا اہتمام کر رہی ہیں۔"

"آج آپ پہلی بار تشریف لائی ہیں غریب خانے پر' ایک پیالی چائے بھی نہ پلائی تو بداخلاقی ہو گی۔" شاکرہ خاتون نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

"آپ کے شوہر کیا کام کرتے ہیں؟" بیگم سجاد نے یونہی بر سبیل تذکرہ دریافت کیا تو شاکرہ خاتون ایک پل کے لئے گھبرا سی گئیں لیکن فوراً ہی بڑے اعتماد سے بولیں۔

"ایک مقامی دفتر میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر فائز ہیں' آٹھ سو روپے تنخواہ ملتی ہے' اسی میں گزر بسر ہو جاتی ہے۔"

"تعجب ہے۔" بیگم سجاد نے کچھ سوچ کر کہا۔ "حامد حسین صاحب نے تو اپنا کاروبار اچھا خاصا پھیلا رکھا ہے۔"

"جی ہاں!" شاکرہ خاتون نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔ "حامد بھائی شروع ہی سے کاروبار میں دلچسپی رکھتے تھے لیکن شاکر کے والد بے حد سادہ اور قناعت پسند طبیعت کے مالک ہیں' اپنے اصولوں کی وجہ سے ابھی تک زیادہ ترقی بھی نہیں کر سکے۔"

"شرافت اور ایمانداری بڑی چیز ہے بہن!" بیگم سجاد نے شاکرہ خاتون کی باتوں سے متاثر ہو کر کہا۔ "اگر انسان میں سادگی اور قناعت پسندی نہ ہو تو پھر قارون کا خزانہ بھی کم

پڑ جاتا ہے۔"

اسی وقت ناہید چائے کی ٹرالی کھینچتی ہوئی اندر داخل ہوئی' اس نے بیگم سجاد علی کو نہایت ادب سے سلام کی پھر ماں کے اشارے پر چائے بنانے لگی' پیالیوں میں دودھ اور چائے ڈالنے کے بعد اُس نے بڑی مشکل سے بیگم سجاد علی کی سمت دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"شکر کتنی لیں گی آپ؟"

"صرف ایک چمچہ۔" بیگم سجاد نے ناہید کو بڑی محبت بھری نگاہوں سے دیکھ کر جواب دیا۔

"کچھ مٹھائی وغیرہ بھی لیجئے بہن!" شاکرہ خاتون نے بیگم سجاد سے کہا۔ ناہید نے چائے کی پیالیاں بڑے سلیقے سے تیار کر کے ماں اور بیگم سجاد علی کے سامنے میز پر رکھ دیں۔ پھر وہ جانے کے ارادے سے اٹھی تو بیگم سجاد نے اُسے روکتے ہوئے کہا۔

"بیٹی!..... کیا تم ہمارے ساتھ چائے میں شریک نہیں ہو گی؟"

اور ناہید نے ایک بار ماں کی طرف دیکھا پھر آہستہ سے بیگم سجاد علی کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"کیا نام ہے بیٹی تمہارا؟" بیگم سجاد نے براہ راست ناہید سے سوال کیا۔

"ناہید۔" ناہید نے آہستگی سے کہا پھر جلدی سے نظریں جھکا لیں۔

"خوبصورت نام ہے۔"

"آپ کچھ تکلف سے کام لے رہی ہیں بہن!" شاکرہ خاتون نے مٹھائی کی پلیٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔ "کچھ تو لیجئے۔"

"ڈاکٹر نے مجھے میٹھے سے پرہیز بتایا ہے لیکن آج آپ کا حکم اس لئے نہ ٹالوں گی کہ کل شاید مجھے بھی آپ کے سامنے کوئی درخواست پیش کرنی پڑے۔" بیگم سجاد نے بڑی خوبصورتی سے ایک اشارہ دیتے ہوئے کہا پھر ایک لڈو اٹھا کر آدھا خود کھایا اور آدھا ناہید کی طرف بڑھاتے ہوئے بولیں۔ "بیٹی..... ذرا منہ تو کھولو۔"

ناہید کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں۔ اُس نے ایک بار پھر ماں کی طرف وضاحت طلب نظروں سے دیکھا تو بیگم سجاد نے جلدی سے کہا۔

"میں بھی تمہاری امی کے برابر ہوں ناہید بیٹی! کیا تم میری خوشی پر میرے ہاتھ سے لڈو کھانا پسند نہیں کرو گی؟"

موقع کی نزاکت نے ناہید کو بُری طرح نروس کر دیا تھا لیکن بیگم سجاد نے کچھ اس

قدر محبت اور اپنائیت سے فرمائش کی کہ وہ انکار نہ کر سکی۔ بیگم سجاد نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے لڈو اُس کے منہ میں رکھ کر درازی عمر کی دعا دی تو ناہید اُن کا عندیہ سمجھ کر بُری طرح شرما گئی۔ جلدی سے منہ پر ہاتھ رکھ کر لجاتی ہوئی اٹھی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ بیگم سجاد اُسے جاتے ہوئے بھی بڑی والہانہ نظروں سے دیکھتی رہیں' وہ چلی گئی تو انہوں نے شاکرہ خاتون سے مخاطب ہو کر کہا۔

"بڑی پیاری بچی ہے' بڑا خوش نصیب ہو گا وہ گھر جہاں ناہید بیاہ کر جائے گی۔"

اور شاکرہ خاتون کو ایسا محسوس ہوا جیسے بیگم سجاد کے ایک ہی جملے نے اُن کی تمام دعاؤں کو جو انہوں نے ناہید کے لئے اپنے خدا سے مانگی تھیں' شرفِ قبولیت بخش دیا ہو۔

☆------☆------☆

بیگم سجاد علی کے پاس سے اٹھ کر ناہید اپنے کمرے میں آ گئی۔ اچھا ہوا جو شاکر موجود نہیں تھا ورنہ اس کے چہرے پر پھوٹنے والی شفق کے نہ جانے کیا مطلب نکال بیٹھتا۔ اُسے تو خود بھی اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ حیران تھی کہ اچانک اُس کے اندر ایک ہلچل سی کیوں پیدا ہو رہی ہے' پہلے تو کبھی مہمان خاتون کے سامنے وہ اس انداز میں نہیں شرمائی تھی' اُس کے قدم اس طرح تو کبھی نہیں لڑکھڑائے تھے' پھر آج ..... آج اچانک اُسے کیا ہو گیا؟

اپنے بستر پر بیٹھی وہ اپنے دل کی معصوم دھڑکنوں کو گنتی رہی' آپ ہی آپ اپنے خوبصورت وجود میں سمٹتی رہی' اُس کے معصوم ذہن میں حسین خوابوں کی ایک نئی دنیا اُبھر رہی تھی۔ تصورات کی خوابناک دنیا جس کا تخیل اُسے گدگدانے لگتا تو اُس کی گھنیری دراز پلکیں حیا کے بوجھ سے جھک کر اُس کی آنکھوں پر چلمن بن جاتی تھیں۔

شاکرہ خاتون نے اُسے آنے والی مہمان خاتون کے بارے میں کچھ بھی تو نہیں بتایا تھا لیکن وہ اتنی کند ذہن بھی نہیں تھی کہ ماں کی باتوں کا مطلب نہ سمجھ سکتی۔ جب ماں نے اُسے قاعدے کے کپڑے پہننے کا حکم دیا اور تاکید کی کہ بغیر بلائے مہمانوں کے سامنے نہ آئے تو وہ جان گئی تھی کہ مہمانوں کی آمد کا مقصد اُس کی اپنی ہی ذات سے وابستہ ہے۔ اُس وقت بھی اُس کے معصوم ذہن میں ایک بے نام سی ہلچل پیدا ہوئی تھی۔ وہ آنے والے لمحات کے بارے میں خود اپنے ہی خیالات سے اُلجھتی رہی' اُس نے سوچا تھا..... نہ جانے آنے والی مہمان خاتون کیسی ہوں؟ اُسے کس انداز میں دیکھا اور پرکھا جائے گا؟ کیا فیصلہ ہو؟

چھوٹے چھوٹے وسوسے اور انجانے اندیشے اُسے تمام دن پریشان کئے رہے لیکن جب اُس نے بیگم سجاد ی کو دیکھا تو پہلی ہی نگاہ میں اُن کی گرویدہ ہو گئی' نہ جانے کیوں اُسے بڑی اپنائیت کا احساس ہوا تھا' جیسے وہ انہیں برسوں سے جانتی ہو ..... کتنی سادہ مگر کس قدر پُروقار خاتون تھیں ..... کتنے پیار بھرے لہجے میں انہوں نے ناہید کے سلام کے جواب میں اُسے ڈھیر ساری دعائیں دے ڈالی تھیں اور کس قدر بھرپور محبت سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا تھا' کتنا خلوص' کتنا پیار اور کتنی اپنائیت تھی اُن کے ایک ایک جملے میں' ذرا بھی تو کسی بات سے تصنع یا بناوٹ کا احساس نہیں ہوتا تھا اور پھر ..... انہوں نے ناہید کے سلسلے میں اپنی پسندیدگی کے اظہار کا کیسا انوکھا اور خوبصورت انداز اختیار کیا تھا اور ناہید' بیگم سجاد علی کا عندیہ پا کر چھوئی موئی کے معصوم پودے کی طرح اپنے وجود میں سمٹ کر رہ گئی تھی پھر وہ شرماتی ہوئی اٹھی اور لڑکھڑاتے قدموں سے اپنے کمرے میں آ گئی۔

اس کے کانوں میں ابھی تک بیگم سجاد علی کی پیار بھری باتیں رس گھول رہی تھیں۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اُس کے چلے آنے کے بعد بیگم سجاد علی اور اُس کی ماں کے درمیان کس قسم کی گفتگو ہو رہی ہو گی۔ دل کی لطیف دھڑکنیں اُسے خوابوں کی حسین وادیوں کی سیر کرا رہی تھیں' وہ اس انقلاب پر آپ ہی آپ شرم سے پسینے پسینے ہو رہی تھی۔ بچپن میں اُس نے بھی تو کئی بار اپنی ہم عمر سہیلیوں کے ساتھ گڑیا گڈے کا بیاہ رچایا تھا۔ چھوٹے چھوٹے گھروندے بنائے تھے۔ پھر اکتا کر توڑ بھی دیئے تھے لیکن اس وقت اُس کے ذہن میں ایک عالیشان گھروندا تشکیل پا رہا تھا' اس کا اپنا گھروندا' اس کا اپنا گھر' بڑی دیر تک وہ اس گھر کے ایک ایک کمرے میں گھومتی رہی' کسی روک ٹوک کے بغیر' نہایت آزادی سے ایک ایک چیز پر تنقیدی نگاہ ڈالتی رہی پھر اُس نے اکتا کر اپنی آنکھیں بند کر لیں ..... گھر کے اجنبی ماحول کے بارے میں اُسے کچھ بھی تو نہیں معلوم تھا' بس اتنا جانتی تھی کہ ہر جوان لڑکی کی طرح ایک دن اُسے بھی مہکتا ہوا سرخ جوڑا پہنا کر دلہن بنایا جائے گا۔ اُس کی مانگ بھی افشاں سے بھری جائے گی' اُسے بھی ڈھولک کی تھاپ پر ابھرنے والے سہاگنوں کے گیت سننے پڑیں گے لیکن وہ سہیلیوں کے ساتھ مل کر ان گیتوں میں شامل نہ ہو سکے گی۔ گھونگھٹ کی اوٹ میں سمٹی شرمائی بیٹھی رہے گی' اُس کی ہمجولیاں اُسے اپنے جھرمٹ میں لئے چھیڑیں گی' گدگدائیں گی اور ایسی ایسی باتیں کریں گی کہ اس کا پنڈا سرخ ہو جائے گا مگر وہ اُن کی باتوں کا کوئی جواب نہ دے سکے گی۔ شرما

شرما کر اور مسکرا مسکرا کر پھولوں سے لدی شاخ کی طرح گردن جھکا لینے پر مجبور ہو گی اور پھر والدین کی دعاؤں کے ساتھ قرآن کے سائے تلے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی' اپنی دہلیز عبور کر کے ڈولی میں بیٹھ کر ایک نیا گھر آباد کرنے کے لئے اپنا گھر چھوڑ کر' اپنے رشتوں سے ناطہ توڑ کر وداع ہو جائے گی ..... لیکن ..... وہ نیا گھر کیسا ہو گا؟ ..... جانے وہاں کے لوگ کیسے ہوں گے؟ اس بارے میں اُسے کچھ بھی تو نہیں معلوم تھا۔

بہت دیر تک وہ کمرے میں تنہا بیٹھی اپنے ہی خیالوں سے کھیلتی رہی' الجھتی رہی' پھر باہر کسی کے قدموں کی آہٹ سنی تو جلدی سے دل کی دھڑکنیں سمیٹنے لگی' سر سے ڈھلکے ہوئے دوپٹے کو دوبارہ سلیقے سے اوڑھ کر دزدیدہ نظروں سے دروازے کی جانب دیکھنے لگی پھر جب شاکر اندر داخل ہوا تو اُس نے یوں اطمینان کا سانس لیا جیسے کوئی بڑا خطرہ ٹل گیا ہو۔ بڑے پیار سے بھائی کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"چائے پی تم نے۔"

"ابھی کہاں' امی جان تو ابھی تک مہمان خاتون کے پاس ہیں۔" شاکر نے کہا۔ "میں تو سمجھ رہا تھا کہ آپ بھی وہیں ہوں گی۔"

"تم بیٹھو' مَیں چائے لے کر آتی ہوں۔" وہ شاکر کو محبت سے تکتی ہوئی کمرے سے باہر آئی' باورچی خانے میں جا کر جلدی جلدی چائے گرم کی' مٹھائی اور بسکٹ پلیٹ میں رکھے اور ٹرے اٹھا کر دوبارہ کمرے میں آ گئی۔ پھر کچھ سوچ کر بولی۔ "ابو کہاں ہیں' انہوں نے بھی تو چائے نہیں پی ہو گی۔"

"ابو سامنے والے مرزا صاحب کی بیٹھک میں ہیں۔" شاکر نے ایک بسکٹ اٹھاتے ہوئے کہا پھر بہن کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آپی! یہ خاتون کون ہیں' پہلے تو کبھی نہیں آئیں۔"

"امی کی کوئی واقف کار ہوں گی' میں نے بھی آج پہلی بار دیکھا ہے۔" اُس نے انجان بن کر جواب دیا۔

"بڑی شاندار گاڑی میں آئی ہیں' ڈرائیور کی وردی دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ کسی امیر کبیر خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔" شاکر نے اپنے تاثرات ظاہر کئے۔

"ہو گا' ہمیں کیا۔"

"ایک بات پوچھوں آپی! ..... امی نے آپ کو وہاں سے کیوں ہٹا دیا؟" اس بار شاکر کے لہجے میں شوخی بھی شامل تھی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں' میں خود ہی چائے دے کر آ گئی تھی۔" اُس نے جلدی سے بات بناتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ نے مہمان خاتون سے کوئی بات نہیں کی؟"

"جی نہیں ..... بزرگوں کی باتوں میں خواہ مخواہ ٹانگ پھنسانا بے ادبی کہلاتی ہے۔" اُس نے بڑے پیار سے بھائی کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

"اور اگر بزرگ چھوٹوں سے کوئی بات پوشیدہ رکھنے کی کوشش کریں تو اسے آپ کیا کہیں گی؟" شاکر کے لہجے سے شرارت ٹپک رہی تھی۔

"مصلحت۔" اُس نے مختصراً کہا۔

"ٹھیک ہے۔" شاکر نے چائے کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "آپ نہیں بتانا چاہتیں تو نہ بتائیں' میں امی جان سے پوچھ لوں گا۔"

"کیا پوچھو گے؟" ناہید نے بھائی کو شوخی سے گھورا۔

"راز کی بات ہے آپی! ..... آپ کو کیا بتاؤں۔" شاکر نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ پھر مسکراتا ہوا باہر چلا گیا تو ناہید چائے کے برتن سمیٹ کر باورچی خانے میں آ گئی۔ شاکر کی معصوم اور شوخ باتوں نے ایک بار پھر اُسے خوابوں کی دنیا میں کھو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ بیگم سجاد کے جانے کے بعد شاکرہ خاتون اندر آئیں تو اُن کے چہرے سے بھی مسرت کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں۔ خوشیاں دمک رہی تھیں' ناہید نے ماں کے دل کی کیفیت کا اندازہ لگایا تو نظریں جھکا کر دوبارہ روزمرہ کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔ ماں سے اس خیال سے نگاہیں ملانے کی ہمت نہ کر سکی کہ کہیں اُس کے اپنے دل کا راز بھی عیاں نہ ہو جائے۔

☆------☆------☆

شاکرہ خاتون نے بیگم سجاد کے جانے کے بعد سب سے پہلے وضو کر کے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی اور بڑی دیر تک بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہو کر ناہید کے مستقبل کے لئے دعائیں مانگتی رہیں۔ بیگم سجاد علی کے آنے سے پہلے ان کو بھی اسی بات کا خدشہ لاحق تھا کہ بڑے گھر کی صاحب جائیداد خاتون ہونے کی حیثیت سے کہیں وہ شاکرہ خاتون کے مختصر گھر کو دیکھ کر رشتے کا خیال دل سے نکال نہ دیں لیکن بیگم سجاد سے ملنے کے بعد اُن کے سارے خدشات یکسر دور ہو گئے تھے اور پھر جو دعائیں انہوں نے اپنے خدا سے مانگی تھیں وہ بھی ایک ایک کر کے قبول ہو گئیں۔ بیگم سجاد کی سادہ طبیعت نے اُن کا دل موہ لیا

تھا۔ بڑائی کا ایک ذرہ بھی احساس نہیں ہونے دیا' اتنے دلکش اور بزرگانہ انداز میں گفتگو کی کہ بیٹی کی طرح شاکرہ خاتون بھی اُن کی گرویدہ ہو گئیں۔

البتہ اس وقت شاکرہ خاتون کے دل کی حالت دگرگوں ہو رہی تھی جب انہوں نے ناہید کو مہمان کے لئے چائے لانے کو کہا تھا۔ انہیں اپنے خدا اور اپنی اولاد کی تربیت پر پورا اعتماد تھا لیکن دل کو یہ دھڑکا بھی لاحق تھا کہ کہیں زمانے کی رفتار اور مغربی تہذیب کے رنگ و ڈھنگ کے آگے ناہید کو دی ہوئی مشرقی تعلیم ماند نہ پڑ جائے لیکن جب بیگم سجاد نے ناہید کو اپنے ہاتھوں سے لڈو کھانے پر مجبور کیا تو شاکرہ خاتون کی پلکیں بھیگ گئیں' ماں کی ممتا میں ابال آ گیا تھا' دل کا خون خوشیوں کی شدت سے چھلک کر پلکوں تک آ گیا تھا۔ اُن کی دوررس نگاہوں نے بیگم سجاد کی پسندیدگی کو بھانپ لیا تھا' پھر جب ناہید شرما کر کمرے سے نکلی تھی تو بیگم سجاد نے اُسے بڑی والہانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"بڑی پیاری بچی ہے' بڑا خوش نصیب ہو گا وہ گھر جہاں یہ بیاہ کر جائے گی۔"

"ہر ماں کی یہی آرزو ہوتی ہے بہن کہ بیٹی کا نصیب اچھا ہو لیکن قسمت میں کیا لکھا ہے یہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" شاکرہ خاتون نے بڑے محتاط لہجے میں کہا تھا۔ وہ لڑکی کی ماں تھیں' یکدم کوئی ایسی بات زبان پر لانے سے گریز کر رہی تھیں جو اُن کی سبکی کا سبب بن جاتی۔

"آپ نے سچ کہا بہن! ماں کی ممتا ہمیشہ اولاد کے حق میں بہترین مستقبل کی دعائیں مانگتی ہے مگر ہوتا وہی ہے جو قدرت کو منظور ہو۔" بیگم سجاد نے نہایت بزرگانہ انداز میں کہا پھر چائے کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے بولیں۔ "خدا نظرِ بد سے محفوظ رکھے ناہید بیٹی کو' بڑی شرمیلی اور باادب بچی ہے ورنہ آج کل کی لڑکیوں سے تو خدا بچائے' نہ بڑوں کا ادب نہ چھوٹوں کا لحاظ فیشن نے تو اور ستیاناس کر رکھا ہے ہماری اپنی تہذیب کا۔"

"آپ کا کہنا بھی ٹھیک ہے بہن! لیکن میں سمجھتی ہوں کہ اس میں بیچاری لڑکیوں کا قصور نہیں' یہ تو والدین کا فرض ہے کہ وہ شروع سے اولاد کو اپنی تہذیب کی روشنی میں پروان چڑھائیں لیکن جب بزرگ ہی اپنی قدریں بھولتے جا رہے ہیں تو بچے کیسے موردِ الزام ٹھہرائے جا سکتے ہیں' اُن کی مثال تو بندروں جیسی ہے' جیسا دوسروں کو کرتے دیکھتے ہیں خود بھی ویسا ہی انداز اختیار کر لیتے ہیں۔"

"میں آپ کے خیال سے متفق ہوں۔ زمانہ اتنی تیزی سے کروٹیں بدل رہا ہے کہ ہماری اپنی تہذیب اُس کے سامنے دم توڑتی نظر آتی ہے۔"

"لیکن اب بھی کچھ لوگ ہیں جو اپنی تہذیب کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔" شاکرہ خاتون نے سنجیدگی سے کہا۔

"اس میں کیا شک ہے۔" بیگم سجاد بولیں۔ "اگر تہذیب کے نام لیوا ..... باقی نہ رہیں تو قدیم اور جدید کا فرق بھی مٹ جائے گا۔"

کچھ دیر تک دونوں کے درمیان تہذیب کے متعلق سنجیدہ گفتگو ہوتی رہی پھر بیگم سجاد نے دبی زبان میں اپنا عندیہ زبان تک لاتے ہوئے پوچھا۔ "ناہید بیٹی کے مستقبل کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے' کیا آگے تعلیم دلانے کا ارادہ ہے؟"

"میں تو بی اے کرانے کے بھی خلاف تھی بہن! لیکن ناہید کے والد کا خیال تھا کہ کسی بُرے وقت کے لئے ایک ڈگری کا ہونا بھی ضروری ہے اس لئے میں مجبور ہو گئی۔ ورنہ لڑکیوں کی اصل تعلیم تو گھریلو کام کاج' سینے پرونے اور سلیقے تک محدود رہنی چاہئے۔ البتہ عربی کی تعلیم اس لئے ضروری ہے کہ قرآن اور حدیث کا مطالعہ کر سکیں اور اپنے مذہب کو سمجھ سکیں۔ لکھنے پڑھنے کی حد تک واجبی اردو بھی ضروری ہے۔ اس سے کیا حاصل کہ ڈگریاں تو عالم فاضل کی پاس ہوں لیکن آنکھوں میں شرم و حیا نام کو نہ ہو۔ ایسی قابلیت سے تو جاہل رہنا بہتر ہے۔"

"بڑے پاکیزہ خیالات ہیں آپ کے۔" بیگم سجاد نہایت سادگی سے بولیں۔ "یہی وجہ ہے جو ناہید بیٹی بھی مشرقی تہذیب کا جیتا جاگتا نمونہ نظر آتی ہے۔ خدا اُس کی عمر دراز کرے اور نصیب اچھا ہو۔"

"ہاں بہن! بیٹیاں تو پرایا دھن ہوتی ہیں' ہم سوائے نیک دعاؤں کے اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔"

"ہم مل جل کر ایک دوسرے کا بوجھ بھی تو بانٹ سکتے ہیں۔" بیگم سجاد نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں۔" شاکرہ خاتون نے جلدی سے جواب دیا۔ "انسان ہی ایک دوسرے کے کام آتے ہیں' ورنہ پھر انسان اور جانور میں فرق کیا رہے۔"

"مجھے آپ کی سادگی اور شرافت بے حد پسند آئی' یہاں آ کر مجھے دلی مسرت ہوئی ہے' اگر آپ سے ملاقات نہ ہوتی تو ضرور ملال ہوتا۔"

"یہ آپ کا حُسنِ نظر ہے بہن! جو آپ مجھے اس قابل سمجھ رہی ہیں۔" شاکرہ خاتون نے انکساری کا اظہار کیا۔

"بہن!" بیگم سجاد نے قدرے سنبھل کر محتاط لہجے میں کہا۔ "میں بے جا تکلفات اور جھوٹے رسم و رواج کو پسند نہیں کرتی اس لئے اگر آپ اجازت دیں تو کچھ عرض کروں۔"

"بڑے شوق سے کہئے۔" شاکرہ خاتون بولیں۔ "جہاں اپنائیت ہو وہاں تکلف کیسا' آپ اسے اپنا ہی گھر سمجھیں۔"

"پہلے آپ وعدہ کیجئے کہ آپ میری جسارت کو کسی گستاخی پر محمول نہیں کریں گی۔"

"آپ شرمندہ کر رہی ہیں بہن!" شاکرہ خاتون نے نہایت ادب سے جواب دیا۔ "یوں بھی بزرگ ہونے کی حیثیت سے آپ کو اختیار ہے۔"

"میں دراصل آپ سے ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں۔" بیگم سجاد نے بڑے سادہ انداز میں کہا۔ "اگر آپ نے میری درخواست قبول کر لی تو میں اُسے اپنی عزت افزائی سمجھوں گی۔"

"آپ حکم دیجئے بہن! اگر بات میرے اختیار کی ہوئی تو میں آپ کو مایوس نہیں ہونے دوں گی۔" شاکرہ خاتون کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں' وہ سمجھ رہی تھیں کہ بیگم سجاد اُن سے کیا درخواست کر ۔ گی اور شاکرہ خاتون اس بات کو سننے کے لئے بے چین تھیں لیکن انہوں نے اپنے چہرے سے اپنے اضطراب کا اظہار نہیں ہونے دیا۔

"میں ناہید کو اپنی بیٹی بنانا چاہتی ہوں۔" بیگم سجاد نے بڑے خلوص سے کہا۔ "اس کے عوض اگر آپ چاہیں تو منصور میاں کو اپنا بیٹا بنالیں۔"

"میں آپ کا اشارہ سمجھ رہی ہوں بہن!" شاکرہ خاتون نے قدرے توقف سے جواب دیا۔ "یہ ناہید کی خوش قسمتی ہے کہ آپ اس کو ماں کا پیار دے رہی ہیں لیکن میں ناہید کے والد سے مشورہ کرنے کے بعد ہی آپ کو کوئی آخری جواب دے سکوں گی۔"

"میرا خیال ہے کہ اگر آپ نے میری سفارش کی تو ناہید کے والد بھی میری درخواست ضرور قبول فرمالیں گے۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر بہن! لیکن والدین کو لڑکیوں کے بارے میں کوئی قدم اٹھانے سے پیشتر بہت کچھ سوچنا اور سمجھنا پڑتا ہے۔" شاکرہ خاتون نے آہستگی سے کہا۔ "اپنی حیثیت اور دوسرے کے مرتبے کا خیال بھی رکھنا پڑتا ہے اور بھی بہت ساری باتیں ہوتی ہیں۔"

"آپ بجا فرماتی ہیں بہن! لیکن جہاں اپنائیت ہو' خلوص ہو وہاں ہر فرق ختم ہو جاتا

ہے اور پھر جب میں سوالی بن کر آپ کے سامنے دستِ سوال دراز کر رہی ہوں تو آپ کو نہایت ٹھنڈے دل سے میری درخواست پر غور کرنا چاہئے' یقین جانیئے میں ناہید بیٹی کو ہمیشہ اپنی پیٹ کی اولاد سے زیادہ عزیز رکھوں گی۔"

"مجھے آپ کی شرافت اور زبان پر اعتماد ہے بہن! لیکن کچھ مہلت چاہتی ہوں۔"

"سوچ لیجئے۔" بیگم سجاد نے پہلی بار شوخی سے کہا۔ "میں اپنا تقاضہ جاری رکھوں گی' بار بار آپ کو مہمان نوازی کی زحمت سے دوچار ہونا پڑے گا۔"

"آپ سر آنکھوں پر تشریف لایئے بہن! مہمان تو خدا کی رحمت ہوتا ہے۔"

"اچھا ..... اب میں اجازت چاہتی ہوں۔" بیگم سجاد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے امید ہے کہ آپ میری درخواست کے سلسلے میں مجھے مایوس نہیں کریں گی۔"

"خدا پر بھروسہ رکھئے بہن! وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔"

پھر بیگم سجاد کے جانے کے بعد خوشی سے شاکرہ خاتون کی آنکھیں بھر آئیں۔ خدا نے اُن کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخش دیا تھا اور اسی لئے وہ اس وقت خدا کے حضور سجدہ ریز ہو کر اُس کا شکر ادا کر رہی تھیں۔

نماز سے فارغ ہو کر شاکرہ خاتون نے شاکر کو بھیجا کہ وہ جا کر شیخ الطاف حسین کو بلا لائے' وہ جلد از جلد اپنے شوہر کو بھی یہ خوشخبری سنانے کے لئے بے چین تھیں کہ خدا نے اُن کی سن لی ہے لیکن جب شاکر نے واپس آ کر بتایا "ابو جان' مرزا جی کے ساتھ شطرنج کھیلنے میں مصروف ہیں' تو وہ گھر کے کام کاج میں الجھ گئیں پھر انہیں رات کے کھانے کے بعد ہی شوہر سے تنہائی میں گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ بیگم سجاد سے اُن کی جو باتیں ہوئیں وہ انہوں نے ایک ہی سانس میں شوہر کو سنا ڈالیں' شیخ الطاف حسین نہایت سنجیدگی سے بیوی کی باتیں سنتے رہے' وہ شاکرہ خاتون کے لب و لہجے سے چھلکنے والی بے پناہ مسرتوں کا اندازہ لگا رہے تھے' پھر جب شاکرہ خاتون اپنی کہہ چکیں تو شیخ الطاف حسین نے بیوی کی خوشیوں میں شریک ہوتے ہوئے کہا۔

"کبھی ہمارے حق میں بھی دعا کے لئے اپنے ہاتھ اٹھالیا کیجئے' میں محسوس کر رہا ہوں کہ آج کل آپ کی زبان مبارک سے جو دعا نکلتی ہے وہ قبول ہو جاتی ہے۔"

"یہ سب اسی کی دین ہے ورنہ بندہ عاجزی کے سوا اور کیا کر سکتا ہے۔"

"گویا آج آپ کو اپنی عاجزی کا انعام مل گیا۔"

"جی ہاں۔" شاکرہ خاتون نے بڑی انکساری سے کہا۔ "اُس کی رحمتوں نے آج جو

خوشی بخشی ہے میں تو اُس کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔"

"اُس کی شان نرالی ہے بیگم' جسے چاہے نواز دے۔" شیخ الطاف نے جواب دیا پھر بیوی سے بولے۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ بیگم سجاد نے ہماری ناہید کو پسند کر لیا ہے۔"

"یقین کی بھی خوب کہی آپ نے' وہ تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی سوچ رہی ہیں۔"

"دیکھ لیا آپ نے ہماری بیٹی کو..... آخر ہے کس باپ کی اولاد۔"

"میں تو باپ بیٹی دونوں کو دیکھ رہی ہوں لیکن اب آپ کو یہ دیکھنا ہے کہ باقی معاملات کس طرح طے ہوں گے۔"

"میں سمجھا نہیں بیگم! باقی معاملات سے آپ کی کیا مراد ہے۔ کیا بیگم سجاد نے کھل کر اپنی پسندیدگی کا اظہار نہیں کیا؟" الطاف حسین نے وضاحت طلب نظروں سے بیوی کو دیکھا تو شاکرہ خاتون نے پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"توبہ ہے ..... یہ آج آپ غیر حاضر کہاں ہیں۔ کیا ابھی تک موئے شطرنج کے مہرے دماغ میں گھسے ہوئے ہیں۔"

"آپ ان باتوں کو ابھی نہیں سمجھیں گی بیگم!" الطاف حسین ایک سرد آہ بھر کر اداس لہجے میں بولے۔ "ناہید اپنے گھر رخصت ہو جائے گی تو ہمارے گھر کی رونقیں ماند نظر آئیں گی۔"

"یہ سوچ کر تو کبھی کبھی میرا دل بھی بیٹھنے لگتا ہے لیکن فرض کی ادائیگی اور خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے منہ بھی تو نہیں موڑا جا سکتا۔"

"آپ باقی معاملات کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں۔" الطاف حسین نے بیوی کی پلکوں کے گوشے بھیگتے دیکھے تو اپنا درد بھول کر بیوی کو سہارا دینے لگے۔

"میرا مقصد شادی کے انتظامات سے ہے۔" شاکرہ خاتون نے آنچل میں آنسوؤں کے شبنمی قطرے جذب کرتے ہوئے جواب دیا۔ "بیگم سجاد تو آج ہی مجھ سے 'ہاں' کہلوانے پر بضد تھیں' جلد ہی دوبارہ آ کر تقاضہ کرنے کو کہہ گئی ہیں۔"

"بیگم آپ نے انہیں اپنے حالات سے تو آگاہ کر دیا ہے نا..... کہیں یہ نہ ہو کہ بعد میں اُن کی توقعات کو دھچکا پہنچے۔"

"میں نے انہیں اپنے گھریلو حالات اور حیثیت دونوں کا احساس دلا کر بڑی خوبصورتی سے کچھ مہلت بھی چاہی تھی مگر اللہ کے کرم سے ہماری ناہید ان کو کچھ ایسی بھا گئی ہے کہ اگر اُن کے اختیار کی بات ہو تو کل ہی نکاح کے دو بول پڑھوا کر اسے بیاہ لے جائیں۔"

"یہ اُن کی سوچ ہے' لیکن خدانخواستہ ہماری بیٹی ہم پر اتنی بھاری بھی نہیں کہ ہم چٹ منگنی پٹ بیاہ کر کے اسے وداع کر دیں۔ حسبِ خواہش نہ سہی' حسبِ حیثیت ہی سہی لیکن ہم بھی اپنے ارمان ضرور پورے کریں گے۔"

"آرزوئیں اور تمنائیں تو ہر ماں باپ کے دل میں ہوتی ہیں لیکن ہمیں اپنی چادر کی وسعت کا خیال بھی تو رکھنا ہے' ابھی شاکر کی تعلیم کے اخراجات بھی سامنے ہیں' شادی کے بعد بھی بیٹی اور داماد کو کچھ دینا ہے اور بھی سینکڑوں باتیں ہیں' ہمیں ہر پہلو پر غور کر کے کوئی قدم اٹھانا ہو گا۔"

"آپ اس کی مطلق فکر نہ کریں بیگم! میں کوشش کروں گا کہ دفتر سے کچھ ایڈوانس لے لوں' کچھ رقم بیمہ کے حساب سے بھی قرض لی جا سکتی ہے۔" الطاف حسین نے بیوی کا دل رکھنے کی خاطر کہا۔ "خدا بڑا کارساز ہے اُس نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"ہاں ..... ہمیں اُس کی رحمتوں سے مایوس نہیں ہونا چاہئے۔"

"آپ نے بیگم سجاد کو کیا جواب دیا؟" الطاف حسین نے گفتگو کا رخ موڑتے ہوئے پوچھا۔ "کہیں پہلی ہی ملاقات میں اقرار تو نہیں کر بیٹھیں۔"

"اب میں اتنی نادان بھی نہیں ہوں کہ اُن کے سوال کرتے ہی ہامی بھر لیتی لیکن ایک بات ضرور ہے ..... بیگم سجاد حسین نے جس خوبصورت اور سادہ انداز میں ناہید کو اپنی بیٹی بنانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا اُسے دیکھ کر دل تو یہی چاہتا تھا کہ ہاں کر دوں۔"

"کیا ناہید کو معلوم ہے کہ بیگم سجاد ہمارے ہاں کسی مقصد سے آئی تھیں۔"

"ظاہر ہے ..... ماشاء اللہ ذہین اور سمجھدار بچی ہے اور پھر ایسے موقعوں پر تو رازداری بھی نامناسب ہوتی ہے۔"

"آپ نے کچھ اندازہ لگایا کہ ہماری بیٹی کے کیا تاثرات ہیں بیگم سجاد کے بارے میں۔"

"وہ غریب تو لڈو منہ میں لیتے ہی شرما کر اٹھ گئی تھی۔"

"گویا آپ کو یہ رشتہ پسند آ گیا ہے۔"

"جہاں تک بیگم سجاد کا تعلق ہے تو میں نہایت یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ بے حد نیک دل' سادہ اور مہذب خاتون ہیں' رہا لڑکے کا معاملہ تو اُس کے لئے آپ اور حامد بھائی ہی چھان بین کر سکتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ بات آگے بڑھانے سے پہلے منصور کی تصویر کسی طرح حاصل کر

کے ناہید کو دکھا دی جائے۔ اُس کی مرضی تو معلوم کرنا ہمارا فرض ہے۔"

"کیوں نہیں۔" شاکرہ خاتون نے شوہر کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "آپ حامد بھائی سے کہہ کر تصویر منگوا لیجئے۔ رہا ناہید کی مرضی معلوم کرنے کا مسئلہ تو اُس کے لئے شازیہ بے حد مناسب رہے گی' ناہید کی سہیلیوں میں وہی ایک ایسی ہے جس پر ہر طرح سے اعتماد کیا جا سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے' میں کل ہی فون پر حامد سے گفتگو کئے لیتا ہوں۔"

"میں چاہتی ہوں کہ آپ بھی ایک نظر منصور کو دیکھ لیں اور تھوڑی بہت اُس کے بارے میں چھان بین کر لیں تو دل کو مزید تقویت ہو جائے گی کہ باقی تو جو لڑکیوں کے نصیب میں ہوتا ہے پورا ہو کر رہتا ہے لیکن ہمیں اپنی سی کوشش میں کوتاہی نہیں کرنا چاہئے۔"

"آپ مطمئن رہیں بیگم' جب تک ہم پورے طور پر اپنا اطمینان نہیں کر لیتے ہامی بھرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوگا' ویسے میرا مشورہ ہے کہ اگر آپ اس ضمن میں حامد کو بلا کر بات کر لیں تو زیادہ مناسب رہے گا' اُن کا حلقہ احباب خاصا وسیع ہے' ہزاروں ملنے جلنے والے اسی شہر میں موجود ہیں' وہ زیادہ بہتر طور پر منصور کے بارے میں ہر قسم کی معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔"

"یہ مشورہ نہایت مناسب ہے۔ آپ کل ہی فون پر حامد بھائی سے تاکید کر دیں کہ وہ شام کو کسی وقت میرے پاس آ جائیں' میں اُن سے ساری باتیں تفصیل سے کر لوں گی۔"

"جو حکم آپ کا۔" الطاف حسین نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔ "اب اگر اجازت ہو تو تھوڑی نیند بھی پوری کر لوں' صبح ذرا جلدی دفتر جانا ہے' چند ضروری کام نپٹانے ہیں۔"

"آپ کو یہ بات بات پر اجازت حاصل کرنے کی عادت کب سے پڑ گئی؟" شاکرہ خاتون نے شوہر کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھا۔

"جب سے آپ نے میرے مقابلے میں میری بیٹی میں زیادہ دلچسپی لینی شروع کر دی ہے۔" الطاف حسین نے معنی خیز انداز میں جواب دیا تو شاکرہ خاتون مسکراتی ہوئی اٹھ کر باہر گئیں اور تیل کی بوتل لا کر دوبارہ شوہر کے سرہانے بیٹھ کر اُن کا سر دبانے لگیں۔ سر میں تیل لگانے کے ساتھ ساتھ وہ باتیں بھی کرتی جا رہی تھیں' شیخ الطاف حسین تھکے ہوئے تھے اس لئے کچھ دیر تک تو 'ہوں' 'ہاں' میں جواب دیتے رہے پھر نیند میں ڈوب کر

بے نیاز ہو گئے۔

☆------☆------☆

شام کا پچھلا پہر تھا' بیگم سجاد علی اپنی عالیشان کوٹھی کے وسیع و عریض لان میں آرام کرسی پر بیٹھی کسی گہری سوچ میں غرق تھیں' اُن کے قریب ہی سبزے پر ایک غالیچہ بچھا تھا جس پر اُن کی پرانی اور قابلِ اعتماد ملازمہ بوا سروری بیٹھی پیتل کی تھالی میں چھالیہ کترنے میں مصروف تھیں' اُن کے پاس ہی مراد آباد کا نقشین پاندان رکھا ہوا تھا' ہوا میں ہلکی ہلکی خنکی بڑھتی جا رہی تھی۔ بیگم سجاد علی کے چہرے سے گہری سنجیدگی ٹپک رہی تھی' اس وقت بھی انہوں نے سفید ساڑھی پہن رکھی تھی' اُن کی نظریں رہ رہ کر بوا سروری کی جانب اٹھتی تھیں' شاید انہیں اپنی یکسوئی میں چھالیہ کترنے کی آواز گراں گزر رہی تھی لیکن بوا سروری نظریں جھکائے اپنے عمل میں یوں مصروف تھیں جیسے انہیں سبزے پر اپنے سوا کسی اور کی موجودگی کا مطلق احساس نہ ہو۔

"بوا سروری!" بیگم سجاد نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنی پرانی خادمہ کو مخاطب کیا۔ "دیکھو' منصور دفتر سے آئے کہ نہیں۔"

"ابھی دیکھ کر آتی ہوں بیگم صاحبہ!" بوا سروری نے نہایت ادب سے جواب دیا پھر سروتہ تھالی میں رکھ کر اٹھیں اور زنان خانے کی طرف چلی گئیں۔

بیگم سجاد نے آرام کرسی پر پڑی ہوئی سفید شال جس پر ہلکے فیروزی رنگ کے چھوٹے چھوٹے گل و بوٹے بنے ہوئے تھے اٹھا کر اپنے شانوں پر ڈالی پھر اٹھ کر سبزے پر چہل قدمی شروع کر دی' آج رہ رہ کر انہیں اپنے مرحوم شوہر کی یاد ستا رہی تھی' انہیں بیوگی کا صدمہ برداشت کئے پورے دو سال بیت گئے تھے اور ان دو سالوں میں غموں کی شدت کے باوجود اُن کے ہونٹوں پر کبھی تقدیر سے کوئی شکوہ کوئی گلہ نہیں ابھرا تھا۔ شاید اس لئے کہ وہ مشیت ایزدی کے سامنے لاچار و بے بس تھیں یا پھر اس لئے کہ شوہر کی موت کے بعد اُن کی ذمہ داریاں دوچند ہو گئیں' حالات کی گردش نے انہیں وقت سے پہلے ضرورت سے زیادہ بوڑھا کر دیا تھا لیکن اُن کی ہمت اب بھی جوان تھی' انہیں ابھی اپنے کچھ فرائض پورے کرنے تھے' دو جوان لڑکوں کی نگہداشت کی ذمہ داری سنبھالنی تھی اور اس عزت اور وقار کو برقرار رکھنا تھا جو انہیں اپنے مرحوم شوہر کے نام سے حاصل ہوئی تھی۔

بیرسٹر سجاد علی کا شمار الہ آباد کے ان چند خاندانوں میں ہوتا تھا جن کی شرافت کی

لوگ قسمیں کھایا کرتے تھے' ان کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں تھی' کوٹھیاں تھیں' بنگلے تھے' کاروبار کی شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں' سینکڑوں ملازم ہاتھ باندھے آگے پیچھے گھوما کرتے تھے لیکن بیرسٹر سجاد علی نہایت فرشتہ خصلت اور ملنسار واقع ہوئے تھے دولت کی فراوانی اور کاروبار کی وسعت کے باوجود انہوں نے اس پیشے سے منہ نہیں موڑا تھا جس نے اُن کی عزت اور شہرت میں اضافہ کیا تھا اور اُن کی شخصیت کو بامِ عروج تک پہنچایا تھا۔ وہ جس کیس میں ہاتھ ڈالتے وہ کامیابی کی ضمانت سمجھا جاتا تھا مگر اس کے باوجو اپنے دوسرے ہم پیشہ بیرسٹروں کی طرح اپنے موکلوں سے منہ مانگی فیس طلب نہیں کرتے تھے۔ خدا کا دیا سب کچھ تھا اُن کے پاس' البتہ اس بات کا خیال ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے کہ کوئی ایسا کیس ہاتھ میں نہ لیں جس میں اُن کی ذہانت' اُن کے تجربے اور سوجھ بوجھ کے سبب کسی بے گناہ کو سزا ملنے کا اندیشہ ہو۔ یہی وجہ تھی کہ جج حضرات بھی بیرسٹر سجاد علی کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور دل سے اُن کی عزت کرتے تھے' اُن کے گھر کے دروازے ضرورت مندوں کے لئے ہمیشہ کھلے رہتے تھے' اپنی ذاتی آمدنی کا بیشتر حصہ ا غریبوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے تھے' بیواؤں اور یتیموں کی امداد دل کھول کر کرتے۔ ملازموں کو ملازم نہیں بلکہ اپنا دوست سمجھتے اور نہایت شرافت سے پیش آتے تھے۔ دوسروں کی دل شکنی نہ ہو' اس خیال سے کبھی کسی سے اونچی آواز میں گفتگو نہیں کرتے تھے اور یہی وہ خصوصیات تھیں جنہوں نے اہل شہر کی نگاہوں میں بیرسٹر سجاد علی اور اُن کے گھرانے کے تمام افراد کو سرفراز کر رکھا تھا۔

کورٹ کچہری اور عدالتوں کی حاضری کے ساتھ ساتھ وہ پھیلے ہوئے کاروبار میں بھی گہری دلچسپی لیتے' وقت کی پابندی اور ایفائے عہد کا بطور خاص خیال رکھتے تھے' دیگر فرائض کو بھی خوش اسلوبی سے پورا کرتے کہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملتا' گھریلو زندگی کی مصروفیات ہوں یا کاروباری ذمہ داریاں' وہ زندگی کے ہر شعبے کو اہم سمجھتے اور پوری توجہ سے ہر کام نہایت دوراندیشی اور سوجھ بوجھ سے پورا کرتے تھے۔

قدرت نے بیرسٹر سجاد علی کو اپنے خزانوں سے بڑھ چڑھ کر نوازا تھا۔ انہیں ایک خوبصورت اور نیک بیوی عطا کی تھی۔ دو بیٹے دیئے تھے' عزت دی تھی' شہرت دی تھی دولت دی تھی غرضیکہ ہر طور پر نوازا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ بیرسٹر سجاد علی اپنے گوناگوں مصروفیتوں اور شب و روز کی مشقتوں کے باوجود کبھی یادِ الٰہی سے غافل نہیں ہوتے تھے' نہایت پابندی سے پانچوں وقت کی نماز ادا کرتے اور بلاناغہ ہر صبح کا آغاز کلام

الٰہی کی تلاوت سے کرتے تھے۔

اُن کے گھر کو جنت نگاہ بنانے میں اُن کی بیگم کو بھی بڑا دخل تھا' وہ بھی شوہر کی طرح صوم و صلوٰۃ کی پابند تھیں' ان دونوں نے زندگی کے ہر دور میں اپنی مشرقی تہذیب کو سینے سے لگائے رکھا تھا اور اسلامی روایات کو کبھی فراموش نہیں کیا تھا' اولاد کی تعلیم و تربیت بھی انہوں نے بالکل مشرقی انداز میں کی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اُن کے دونوں بیٹے' منصور اور فراز ماں باپ کی شرافت اور ذہانت کی منہ بولتی تصویر نظر آتے تھے۔

منصور کی عمر اس وقت پچیس سال تھی' دو سال قبل انہوں نے ایم اے کیا تھا۔ پھر ماں کے مشورے پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے باہر جانے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن حالات راستے میں دیوار بن کر حائل ہو گئے۔ جہاز میں نشست محفوظ کرا لی گئی تھی' رختِ سفر بندھ چکا تھا' اُن کی روانگی میں صرف دو روز باقی تھے کہ قدرت نے والد کا سایہ اُن کے سر سے اٹھا لیا' بیرسٹر سجاد علی ایک اہم کیس کی پیشی کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز الہ آباد سے مدراس جا رہے تھے کہ راستے میں اُن کا طیارہ حادثے کا شکار ہو گیا اور سجاد منزل جو کبھی خوشیوں کا گہوارہ تھی' لمحوں میں ماتم کدہ بن گئی اور منصور کی روانگی بھی اسی حادثے کی نذر ہو گئی۔

بیگم سجاد نے شوہر کی موت کو زندگی کا عطیہ سمجھ کر اپنے دل کے نہاں خانوں میں محفوظ کر لیا' اس خوش اسلوبی سے حالات کا مقابلہ کیا کہ فلک کج رفتار بھی اُن کی قوت برداشت اور اولوالعزمی پر عش عش کر اٹھا۔ سب کچھ بھول کر وہ اولاد کا مستقبل سنوارنے اور کاروبار کی ساکھ برقرار رکھنے میں مصروف ہو گئیں۔ منصور نے باہر جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اُن کے اندر باپ کی شبیہہ ہی نہیں بلکہ وہی شان' وہی رکھ رکھاؤ اور وہی لیاقت بھی تھی' انہوں نے بھی اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کیا اور تن من دھن سے باپ کی تمام تر ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کاندھوں پر سنبھال لیا۔ البتہ چھوٹے بھائی فراز کو انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرونِ ملک روانہ کر دیا۔

بیگم سجاد کو آج بیتی باتیں رہ رہ کر یاد آ رہی تھیں' شوہر کی کمی کے احساس نے آج اُن کو خاصا ملول کر دیا تھا۔ انہوں نے جب سے ناہید کو دیکھا تھا شوہر کی یاد ستانے لگی تھی۔ منصور کا گھر آباد کرنے کے لئے اب تک وہ سینکڑوں اعلیٰ اور متوسط طبقے کی لڑکیاں دیکھ چکی تھیں لیکن کوئی ایک لڑکی بھی اُن کے معیار پر پوری نہیں اُتری تھی' وہ منصور کے لئے کسی ایسی لڑکی کی تلاش میں تھیں جو ہر اعتبار سے اُن کے اپنے ماحول میں کھپ

جائے اور ناہید میں انہیں وہ تمام خوبیاں بیک وقت نظر آ گئی تھیں' وہ خوبصورت بھی تھی اور خوب سیرت بھی' اُس کے گھر کا رکھ رکھاؤ اور سلیقہ بھی بیگم سجاد کو ازحد پسند آیا تھا' ناہید انہیں مشرقی تہذیب کا تراشا ہوا ایک انمول نگینہ نظر آئی تھی اگر اُن کے بس کی بات ہوتی تو وہ اُسے بہو بنا کر اپنے گھر کی زینت بڑھانے میں ذرا دیر نہ کرتیں اور انہیں قوی امید تھی کہ ناہید کے سلسلے میں انہیں مایوسی کا سامنا نہیں ہو گا۔ شاکرہ خاتون کی باتوں سے انہیں اتنا اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ناہید کے لئے منصور کے رشتے کو پسند کر رہی ہیں لیکن پہلی ہی ملاقات میں کھل کر دل کا بھید عیاں کرنے سے گریز کر رہی تھیں۔ دبی زبان میں انہوں نے یہ بھی اظہار کیا تھا کہ دولت کے اعتبار سے وہ کمزور ہیں لیکن بیگم سجاد نے طے کر لیا تھا کہ کسی دوسری ملاقات میں وہ نہ صرف شاکرہ خاتون کے دل سے اس احساس کو مٹا دیں گی بلکہ اگر خدا کو منظور ہوا تو ناہید اور منصور کے رشتے کی بات بھی پکی کر لیں گی۔

منصور کی شادی کے سلسلے میں بیگم سجاد کی یہ پریشانیاں اور جلد بازی ممتا کے جذبے کے عین مطابق تھیں' انہیں منصور کی لیاقت اور شرافت پر اعتماد تھا' منصور نے آج تک کبھی ماں کے حکم سے سرتابی نہیں کی تھی' ہمیشہ ماں سے نظریں جھکا کر بات کرتے تھے اور ماں کے احترام کو دنیا کے تمام فرائض پر مقدم سمجھتے تھے لیکن بیگم سجاد کی دوررس نگاہیں زمانے کے بدلتے رنگ ڈھنگ دیکھ رہی تھیں' وہ جانتی تھیں کہ نوجوانی میں لڑکے اور لڑکیوں کی مثال کچی شاخ کی مانند ہوتی ہے جو ایک ذرا سے دباؤ اور ہوا کے جھونکے سے لچک بھی سکتی ہے۔ اس خیال سے کہ منصور بھی ناتجربہ کاری کی بنا پر کہیں اپنے بھولپن میں غلط روش کا شکار نہ ہو جائیں' انہوں نے اپنے کاروبار کے نہایت قابل اعتماد اور دیرینہ ملازموں کو منصور کی درپردہ نگرانی پر مامور کر دیا تھا' وہ نہیں چاہتی تھیں کہ شوہر کے قائم کئے ہوئے وقار کو دھچکہ پہنچے یا زمانے کو کسی طور اُن کے خاندان اور گھرانے کی جانب انگلی اٹھانے کا موقع ملے۔ وہ اپنے مرحوم شوہر کی چھوڑی ہوئی روایتوں اور اُن کے نام کا پرچم اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک بلند رکھنا چاہتی تھیں اور.....

پھر وہی ہوا جس کا خدشہ انہیں زمانے کی بدلتی رفتار سے لاحق تھا' اُن کے کاروباری مینجر خواجہ رشیدالدین' جو اپنی عمر کے ساٹھ سال پورے کر چکے تھے اور بیرسٹر سجاد علی کے کاروبار سے گزشتہ پچیس سال سے وابستہ تھے' نہایت دیانتدار اور قابل اعتماد شخصیت کے مالک تھے۔ ایک روز انہوں نے بیگم سجاد سے دفتری اوقات میں ذاتی ملاقات کی اجازت چاہی' بیگم سجاد اُن کا بے حد احترام کرتی تھیں' انہوں نے خواجہ صاحب کو اسی وقت گھر

آنے کی اجازت دے دی۔ دورانِ گفتگو خواجہ صاحب نے کچھ دیر تک کاروباری نوعیت کی ضروری باتوں کا سلسلہ جاری رکھا پھر ادب سے نظریں جھکا کر بولے۔

"بیگم صاحبہ! میں پچیس سالوں سے آپ کا نمک کھا رہا ہوں اس لئے اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ آپ کو حالات کی اونچ نیچ سے بھی آگاہ کرتا رہوں۔"

"آپ میرے بزرگ ہیں خواجہ صاحب! آپ نے میرے بچوں کو بھی اپنی گودوں میں کھلایا ہے اس لئے خدا گواہ ہے کہ میں نے آپ کو ہمیشہ اپنے کنبے کے ایک فرد کی حیثیت سے ہی دیکھا ہے۔"

"یہ آپ کی شرافت اور ذرّہ نوازی ہے بیگم صاحبہ لیکن اس وقت جو بات میں کہنا چاہتا ہوں وہ ذرا مختلف نوعیت کی ہے' ڈرتا ہوں کہ کہیں میری جسارت آپ کی خفگی کا سبب نہ بن جائے۔" خواجہ رشیدالدین نے بدستور دبی زبان میں کہا۔ "شیشے میں اگر بال آ جائے تو اُس کا نکلنا دشوار ہوتا ہے اور یہ بات مجھے منظور نہیں کہ اس بڑھاپے میں کسی صدمے سے دوچار ہونا پڑے۔"

"خواجہ صاحب!" بیگم سجاد نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "کیا میں یہ سمجھوں کہ مجھ سے نادانستگی میں کوئی ایسی غلطی سرزد ہو گئی ہے جس سے آپ کا اعتماد ہم سے اٹھ گیا ہے۔"

"نعوذ باللہ' ایسی کوئی بات نہیں ہے بیگم صاحبہ!" خواجہ صاحب نے جلدی سے وضاحت کی۔ "آپ کی نوازشیں ہمیشہ مجھ پر بے حساب رہی ہیں' خدا گواہ ہے کہ آپ کے گھرانے نے مجھ پر جو احسانات کئے ہیں اُن کا شکریہ ادا کرنے سے بھی معذور ہوں لیکن....."

"دیکھئے خواجہ صاحب! اب اگر آپ نے کسی تکلف سے کام لیا تو مجھے دکھ ہو گا ..... مجھے خوب اندازہ ہے کہ اس گھرانے کی عزت جتنی مجھے عزیز ہے اتنی ہی آپ کو بھی پیاری ہے اس لئے میں درخواست کرتی ہوں کہ آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں بلاتامل کہہ ڈالیں' میں یقین دلاتی ہوں کہ آپ کی کسی بات سے مجھے کوئی ملال نہیں ہو گا۔"

"بیگم صاحبہ! میں' دراصل منصور میاں کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"منصور کے بارے میں۔" بیگم سجاد چونک اٹھیں' دل کی دھڑکنیں یکلخت تیز ہو گئیں' خود کو سنبھالتے ہوئے بولیں۔ "کہئے خواجہ صاحب! کیا کہنا ہے آپ کو منصور کے بارے میں؟"

"آپ نے بیرسٹر افتخار احمد صاحب کا نام ضرور سنا ہو گا۔"

"جی ہاں ..... میرے شوہر نے کئی بار افتخار احمد صاحب کا تذکرہ کیا تھا۔ قانون کے میدان میں وہ ہمارے حریف بھی رہ چکے ہیں' اُن کی شہرت کے بارے میں بھی میرے مرحوم شوہر کوئی اچھی رائے نہیں رکھتے تھے لیکن ..... آپ منصور کے بارے میں کچھ کہنا چاہتے تھے۔"

"افتخار احمد صاحب کی بڑی صاحبزادی نازلی خاتون ادھر کچھ دنوں سے ہمارے دفتر میں نظر آ رہی ہیں۔" خواجہ صاحب نے دبی زبان میں کہا لیکن بیگم سجاد کو یوں محسوس ہوا جیسے زمین اُن کے قدموں تلے تیزی سے کھسک رہی ہو۔

"خواجہ صاحب!" بیگم سجاد نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ منصور بھی نازلی میں دلچسپی لے رہے ہیں؟"

"مجھے منصور میاں کی شرافت پر پورا اعتماد ہے بیگم صاحبہ لیکن میں یہ کہنے کی معافی چاہوں گا کہ نازلی خاتون انتہائی مغرب زدہ ہیں' جس شرافت اور حیا کو لڑکیوں کا زیور کہا جاتا ہے وہ اُن میں برائے نام بھی موجود نہیں اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ کہیں نئی تہذیب کی چمک دمک اپنے منصور میاں کی آنکھوں میں چکاچوند نہ پیدا کر دے' ابھی ابتدا ہے بیگم صاحبہ! اگر ابھی سے آپ نے اس سلسلے میں نہ سوچا تو آئندہ جڑیں مضبوط ہو جانے کے بعد حالات پر قابو پانا دشوار ہو جائے گا۔"

بیگم سجاد نے کوئی جواب نہ دیا' خواجہ رشیدالدین نے جو کچھ کہا تھا وہ اُس کی گہرائیوں میں غوطہ زن تھیں۔ بیرسٹر افتخار احمد اور ان کے گھرانے کے بارے میں ان کو علم تھا کہ وہ کس قماش کے لوگ ہیں اور دولت کے لالچ میں اپنی عزت بھی فروخت کر سکتے ہیں۔ اُن کے دل میں اس وقت طوفان اٹھ رہے تھے' جس شرافت اور عزت کو انہوں نے ہمیشہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھا تھا وہ ختم ہوتی نظر آئی تو بیگم سجاد تڑپ اٹھیں' معاملہ جوان بیٹے کا تھا اس لئے انہوں نے جلدبازی کو خلاف مصلحت سمجھا۔ خواجہ رشیدالدین پرانے نمک خوار اور قابل اعتماد تھے مگر وہ ان کی موجودگی میں بھی کسی تشویش' کسی پریشانی کا مظاہرہ کرنے سے گریز کر رہی تھیں۔ بات زبان سے نکلتی ہے تو پرائی ہو جاتی ہے' وہ موقع کی نزاکت اور حالات کا اندازہ لگاتی رہیں اور پھر اس نتیجے پر پہنچیں کہ منصور کی شادی جس قدر جلد ممکن ہو کر دی جائے' یہی ایک واحد اور مؤثر طریقہ تھا جو ڈگمگاتی ہوئی عزت اور متزلزل شرافت کی بنیادوں کو دوبارہ مستحکم رکھ سکتا تھا۔

خواجہ رشیدالدین اپنی نشست پر خاموش بیٹھے بیگم سجاد کے چہرے پر ابھرنے والے کسی متوقع تاثر کو تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن بیگم سجاد کے چہرے پر اس وقت بھی وہی تمکنت' وہی وقار اور ٹھہراؤ موجود تھا جسے وہ گزشتہ پچیس سالوں سے دیکھتے چلے آ رہے تھے' خاموشی اور سکوت طویل ہونے لگا تو خواجہ صاحب نے اپنی جگہ پر قدرے کسمساتے ہوئے دبی زبان میں پوچھا۔

"میرے لئے اب کیا حکم ہے بیگم صاحبہ!"

"جی۔" بیگم سجاد ایک لمحے کو چونکیں' اُن کے خیالات کا شیرازہ منتشر ہو گیا' ایک نظر خواجہ صاحب کے چہرے پر ڈالی پھر ٹھوس لہجے میں کہا۔ "خواجہ صاحب! میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس گھر کی عزت کو اپنی عزت سمجھا اور قبل از وقت مجھے حالات سے آگاہ کر دیا۔ میں امید کرتی ہوں کہ آپ نے جو باتیں دیکھی اور محسوس کی ہیں وہ صرف اپنی ذات تک محدود رکھیں گے۔ رہا منصور کا مسئلہ تو مجھے اپنے خون پر مکمل اعتماد ہے' میں اس مسئلے کا بہت جلد کوئی مناسب حل تلاش کر لوں گی۔"

"میری ذاتی رائے ہے کہ اگر منصور میاں کی شادی کر دی جائے تو زیادہ مناسب رہے گا۔"

"آپ کا مشورہ نہایت مناسب ہے' میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔" بیگم سجاد نے بڑے پُروقار انداز میں جواب دیا۔

"ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہوں۔ منصور میاں سے اگر اس معاملے میں بازپرس نہ کی جائے تو بہتر ہے۔"

"میں آپ کا مقصد سمجھ رہی ہوں خواجہ صاحب! اولاد جب بڑی ہو جائے تو والدین کو احتیاط اور مصلحتوں کی بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔" اس بار بیگم سجاد اپنے دل کی حالت اپنے لہجے سے جدا نہ رکھ سکیں' اُن کے جملے میں درد کی کسک بھی شامل تھی۔

اسی دن سے بیگم سجاد نے منصور کے لئے لڑکیاں دیکھنی شروع کر دیں۔ منصور سے انہوں نے نازلی کے سلسلے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ البتہ دوسرے تیسرے روز وہ اچانک کسی ضروری کام کا بہانہ نکال کر دفتر بھی پہنچنے لگی تھیں اور اُن کے اس طرز عمل سے بڑے خوشگوار نتائج برآمد ہوئے تھے' خواجہ رشیدالدین کے بیان کے مطابق نازلی نے دفتر میں منصور کے پاس چکر لگانا بند کر دیئے تھے مگر بیگم سجاد نے دنیا کا ہر رنگ دیکھ رکھا تھا' وہ جانتی تھیں کہ منصور نے اُن کی آمدورفت کے پیش نظر نازلی کو دفتر آنے سے منع کر دیا ہو

گا اور یہ ایک ایسی علامت تھی جس سے مستقبل کے ہزاروں طوفان بھی وابستہ ہو سکتے تھے' محبت کی جڑیں ایک بار دل کے اندر گھر کر جائیں تو اُن کو نکال پھینکنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ مگر وہ اگر چاہتیں تو کھل کر بھی منصور سے اس مسئلے پر صاف صاف گفتگو کر سکتی تھیں لیکن انہوں نے جذبات کو مصلحتوں پر ترجیح نہیں دی مگر آج.....

آج وہ منصور سے ان کی شادی کے بارے میں دو ٹوک فیصلہ کرنا چاہتی تھیں۔ آج سے پہلے ان کے ترکش میں کوئی ایسا تیر نہیں تھا جو ٹھیک ٹھیک نشانے پر لگایا جا سکتا مگر آج ..... آج ناہید اُن کے ترکش کا سب سے خوبصورت اور مؤثر تیر بن گئی تھی' وہ منصور سے ناہید کے سلسلے میں' اپنی پسند کے سلسلے میں اور خود منصور کے مستقبل کے بارے میں ایک آخری فیصلہ کرنا چاہتی تھیں' وہ دیکھنا چاہتی تھیں کہ کیا نازلی کی محبت نے بیٹے کو گستاخ تو نہیں بنا دیا۔ انہیں اس بات کا خدشہ بھی لاحق تھا کہ کہیں اُن کا حکم بیٹے کو اُن کی پسند کی شادی پر مجبور نہ کر دے اور یہی مجبوری کسی معصوم اور بے گناہ کی زندگی میں زہر نہ گھول دے' چھوٹی چھوٹی بہت سی باتیں اُن کے دل میں آ رہی تھیں اور شاید یہی وجہ تھی کہ آج رہ رہ کر انہیں اپنے مرحوم شوہر کی یاد ستا رہی تھی۔ وہ ہوتے تو کوئی نہ کوئی مناسب حل ضرور تلاش کر لیتے' کوئی ایسا مؤثر حل جو ہر اعتبار سے مفید ثابت ہوتا' ان کے لئے حلوں کی تلاش ہی تو زندگی تھی' کیسے کیسے پیچیدہ مقدمات ان کے پاس آتے تھے' کیسے کیسے الجھے ہوئے کیس ہوتے تھے لیکن وہ کبھی ان مقدمات سے الجھتے نہیں تھے' نہایت دوراندیشی سے ایک ایک کیس کا مطالعہ کرتے' حالات کی باریکیوں کو سمجھتے' ہر ہر پہلو پر غور کرتے اور پھر کوئی نہ کوئی نکتہ ایسا ضرور تلاش کر لیتے جو ان کی جیت بن جاتا تھا' جس روز بھی ان کے کسی مقدمے کا فیصلہ ان کے موکل کے حق میں سنایا جاتا اس روز وہ بے حد خوش ہوتے' کچہری یا کورٹ سے سیدھے گھر واپس آتے اور غریبوں مسکینوں میں خیرات بانٹتے' سونے سے پہلے بڑے پیار سے بیوی کو سامنے بٹھا کر مقدمے کی روداد اور اپنی کامیابی کی تفصیل سناتے تھے لیکن آج.....

آج بیگم سجاد خود کو بڑا تنہا اور بے حد کمزور سمجھ رہی تھیں' قدرت نے اُن کا مونس و غم خوار اُن سے چھین لیا تھا' وہ قدرت سے شاکی نہیں تھیں' انہوں نے بڑے صبر و استقلال سے بیوگی کے غم کو برداشت کیا تھا لیکن آج یہ زخم پھر رسنے لگے تھے' اُن میں ہلکی ہلکی ٹیس اٹھ رہی تھی اور وہ ناہید کو اپنے زخموں کا مرہم اور درد کا درماں سمجھ رہی تھیں۔ بہت دیر تک وہ لان کے سبزہ زار پر چہل قدمی کرتی رہیں پھر جب بوا سروری نے آ

کر بتایا کہ منصور دفتر سے گھر آ چکے ہیں اور اپنے کمرے میں موجود ہیں تو وہ کچھ کہے بغیر قدم اٹھاتی منصور کے کمرے کی جانب بڑھنے لگیں۔

منصور اپنے کمرے میں بستر پر نیم دراز کسی فائل کا مطالعہ کر رہے تھے' قدموں کی آہٹ سنی تو نظر اٹھا کر دیکھا' ماں کا پُروقار چہرہ نظر آیا تو وہ جلدی سے فائل رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے' نہایت ادب سے ماں کو سلام کیا' بیگم سجاد نے بیٹے کو ڈھیر ساری دعائیں دیں اور بڑے پیار سے بولیں۔

"بیٹھو منصور! کھڑے کیوں ہو۔" اور پھر جب منصور ماں کو آرام کرسی پر بٹھانے کے بعد خود بھی بیٹھ گئے تو بیگم سجاد نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "آج میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں' تم نے چائے پی کہ نہیں؟"

"میں فارغ ہوں امی حضور!" منصور نے ماں کے مقدس ہونٹوں پر کھیلتے ہوئے تبسم کو غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "کیا کوئی خاص بات ہے جو آپ نے یہاں آنے کی زحمت گوارا کی' بوا سروری کو بھیج کر مجھے بلوا لیا ہوتا۔"

"بوا سروری بیچاری اب بوڑھی ہو چلی ہیں' دو قدم چلتی ہیں تو کراہنے لگتی ہیں لیکن پھر بھی اپنے تئیں دن بھر کسی نہ کسی کام میں لگی ہی رہتی ہیں۔"

"آپ اپنے لئے کسی اور ملازمہ کا بندوبست کر لیں امی حضور!" منصور نے کہا۔ "میں کل ہی خواجہ صاحب سے بھی تذکرہ کر دوں گا۔"

"خادمائیں پھر خادمائیں ہوتی ہیں بیٹے! میں چاہتی ہوں کہ کوئی ایسا مستقل بندوبست ہو جائے کہ میں بھی کچھ دن سکون سے آرام کر سکوں' اب کام کاج سے میرا جی بھی اکتانے لگا ہے۔"

"آپ کو آرام اور سکون کی شدید ضرورت ہے امی حضور!" منصور جلدی سے بولے۔ "اگر میری مانیں تو آپ کچھ دنوں کے لئے عبدل اور بوا سروری کو ساتھ لے کر نینی تال تشریف لے جائیں' کچھ دن پُرفضا مقام پر گزارنے سے آپ کی صحت پر بڑا خوشگوار اثر پڑے گا۔"

"مجھے اپنی صحت سے زیادہ تمہاری فکر دامنگیر رہتی ہے منصور میاں! تمہارا گھر آباد ہو جائے تو اس گھر کی رونقیں بھی بڑھ جائیں گی اور میرا دل بھی بہل جائے گا۔" بیگم سجاد نے بیٹے کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔ "میں نے دو چار مناسب رشتے بھی دیکھ رکھے ہیں لیکن ابھی بات آگے نہیں بڑھائی' تم سے مشورہ لینا ضروری تھا۔"

"اتنی جلدی کیا ہے امی حضور!" منصور اپنے ہونٹوں پر شرمیلی مسکراہٹیں بکھیر کر بولے۔ "ابھی تو میں پوری طرح ابا جان کے پھیلے ہوئے کاروبار کو بھی نہیں سمجھ سکا ہوں' فراز کی تعلیم بھی ابھی ادھوری ہے اور پھر..... آپ کے دم کو خدا سلامت رکھے' اس گھر کی رونقیں جو آپ کے دم سے قائم ہیں کوئی اور ان میں کیا اضافہ کر سکے گا۔"

"یہ تمہاری لیاقت اور تمہاری سوچ ہے بیٹے لیکن والدین کے بھی کچھ فرائض اور خواہشات ہوتی ہیں۔" بیگم سجاد نے قدرے سنجیدگی اختیار کر لی۔ "میری نگاہوں سے کبھی اس گھر کا جائزہ لو تو تمہیں ہر چیز سُونی نظر آئے گی' ہر سمت سکوت اور جمود طاری نظر آئے گا' میں اس تنہائی میں اکثر دم گھٹتا محسوس کرتی ہوں' بہو آ جائے گی تو میرا دل بھی بہل جائے گا اور گھر میں دوبارہ قہقہے گونجنے لگیں گے۔"

"اگر آپ کی یہی خواہش ہے امی حضور تو مجھے اپنی خوشیوں میں برابر کا شریک سمجھئے' میں آپ کے کسی حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

"خدا تمہیں ہمیشہ شاد و آباد رکھے بیٹے! مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی۔" بیگم سجاد نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ منصور کے جواب نے پل بھر میں اُن کے سارے وسوسے دور کر دیئے تھے' اُن کی پریشانیاں یکسر ختم ہو گئی تھیں پھر بھی اس خیال سے کہ کہیں نازلی کا کانٹا بیٹے کے دل میں چبھ نہ رہا ہو' انہوں نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "منصور بیٹے! اولاد کے سر پر سہرا دیکھنے کی آرزو ہر ماں کے دل میں ہوتی ہے لیکن خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکے اور لڑکیوں کو بھی اپنا شریک سفر پسند کرنے کا اختیار دیا ہے اس لئے میں چاہتی ہوں کہ تم بھی مجھے اپنی پسند کے بارے میں بتا دو' مجھے یقین ہے کہ اگر تمہارا کوئی اپنا انتخاب بھی ہوا تو اس میں بھی میری پسند اور معیار کو کوئی نہ کوئی دخل ضرور ہو گا۔"

منصور ایک لمحے کو چونکے' ایک ثانئے کو انہیں شبہ ہوا کہ کہیں ماں کو اُن کی اور نازلی کی ملاقاتوں کا بھید تو نہیں معلوم ہو گیا لیکن دوسرے ہی لمحے انہوں نے نہایت سادگی سے کہا۔

"امی حضور! جب آپ جیسی شفیق ماں کا سایہ میرے سر پر موجود ہے تو بھلا مجھے اپنے لئے کسی شریک سفر کے انتخاب کی کیا ضرورت ہے۔"

"یہ تمہاری سعادت مندی اور شرافت کی دلیل ہے منصور میاں!" بیگم سجاد نے بیٹے کو دعائیں دیتے ہوئے کہا۔ "تم نے شیخ حامد حسین صاحب کا نام تو سنا ہو گا۔"

"خوب اچھی طرح جانتا ہوں امی حضور! کاروباری سلسلے میں ایک دو بار ملاقات بھی ہو چکی ہے' بڑے بھلے لوگ ہیں۔"

"میں نے اُن کی بھتیجی ناہید کو تمہارے لئے پسند کیا ہے۔"

منصور نے ماں کا فیصلہ سنا تو اندر ہی اندر دل مسوس کر رہ گئے' ان کا خیال تھا کہ ماں نے ابھی صرف رشتے کی بات چھیڑی ہو گی کسی کا انتخاب نہیں کیا ہو گا' ان کا خیال تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ وہ کسی مناسب ذریعے سے ماں کی خدمت میں اپنے انتخاب کی بات پہنچوا دیں گے' خود اُن میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ ماں کے سامنے نازلی کے سلسلے میں زبان کھول سکتے۔ انہیں اس بات کی قوی امید تھی کہ ایک ماں کی ممتا بیٹے کی پسند کا احترام ضرور کرے گی مگر جب ماں نے ایک آخری فیصلہ سنا دیا تو وہ کچھ بھی نہ کہہ سکے شاید اس لئے کہ ماں کے مقدس رشتے کو دنیا کے تمام رشتوں سے مقدم سمجھتے تھے' شروع سے اُن کو یہی تعلیم دی گئی تھی' بزرگوں کا ادب اور بڑوں کا احترام کرنا کھایا گیا تھا' چنانچہ اس وقت بھی وہ ماں کے سامنے سر جھکائے خاموش بیٹھے رہے۔

"شیخ الطاف حسین' حامد حسین کے بڑے بھائی ہیں۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "نہایت شریف اور وضعدار لوگ ہیں اور اپنی بیٹی کو تو انہوں نے مشرقی تہذیب کا ایسا نادر نمونہ بنا دیا ہے کہ جس گھر میں بہو بن کر جائے گی اُس کی قسمت جاگ اٹھے گی' بڑی ہی پیاری لڑکی ہے' خدا نے اُسے حسن صورت اور حسن سیرت دونوں سے دل کھول کر نوازا ہے۔"

"آپ کا انتخاب یقیناً معیاری ہی ہو گا امی حضور!" منصور نے دبی زبان میں جواب دیا۔

"مجھے صرف تمہاری مرضی معلوم کرنی تھی منصور میاں' دو ایک روز میں موقع نکال کر حامد حسین صاحب کو بلا کر اُن سے بات کروں گی۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔"

"شیخ الطاف حسین صاحب بذاتِ خود بھی بے حد شریف آدمی ہیں' اُن کی بیگم بھی بڑی نیک دل اور ملنسار خاتون ہیں' مجھ سے بھی بے حد اخلاق سے پیش آئی تھیں لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ اس رشتے کا ایک پہلو اُن کو 'ہاں' کرنے سے روک رہا ہے۔"

"وہ کیا' امی حضور!" منصور کو تاریکی میں روشنی کی ایک کرن نظر آنے لگی۔

"دراصل شیخ الطاف حسین صاحب نہایت دیانتدار واقع ہوئے ہیں اس لئے زیادہ

ترقی نہ کر سکے' ایک مقامی دفتر میں سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر فائز ہیں۔" بیگم سجاد نے بیٹے کو تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "ہمارے بارے میں اُن کو تمام حالات کا علم اپنے چھوٹے بھائی کے ذریعے ہو چکا ہے اس لئے مالی اعتبار سے وہ ہمارے ساتھ رشتہ جوڑنے سے کترا رہے ہیں مگر مجھے خدا کی ذات پر بھروسہ ہے' ناہید جیسی لڑکی کے لئے اگر مجھے دس بار بھی اُن کے دروازے پر جانا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں' ایسی لڑکیاں تو اس زمانے میں ڈھونڈے نہیں ملتیں' بڑا مبارک ہو گا وہ دن جس دن ناہید اس گھر میں بہو بن کر آئے گی۔"

منصور ماں کے چہرے پر چمکنے والی خوشیوں کا اندازہ لگا رہے تھے۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ ناہید کے سلسلے میں اُن کی ماں ایک آخری اور اٹل فیصلہ کر چکی ہیں' پھر بھی انہوں نے ایک موہوم امید کا سہارا لے کر دبی زبان میں کہا۔

"امی حضور! آپ کی خوشیوں کا احترام میرے اوپر فرض ہے لیکن کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ فراز اپنی تعلیم مکمل کر کے واپس آ جائے اُس کے بعد یہ بات آگے بڑھائی جائے۔"

"تمہارا خیال مناسب ہے لیکن رشتے کی بات پکی کر لینے میں کیا حرج ہے۔"

"جو آپ کی خوشی امی حضور!" منصور نے ماں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا تو بیگم سجاد نے اٹھ کر ان کی بلائیں لیں اور دعائیں دیتی ہوئی اپنی خوابگاہ میں آ گئیں' اُن کے چہرے سے جھلکنے والے پُرسکون تاثرات اس بات کی غمازی کر رہے تھے کہ منصور کی باتوں نے اُن کے دل کا سارا غبار دھو ڈالا ہے۔ اُن کے سر سے جیسے ایک بھاری بوجھ اتر گیا تھا۔

☆------☆------☆

شیخ حامد حسین کو کاروباری مصروفیات نے کچھ ایسا گھیر رکھا تھا کہ وہ بڑے بھائی سے وعدہ کرنے کے باوجود تین روز تک اُن کے گھر نہ جا سکے لیکن اس میں بھی خدا کی مصلحت شامل تھی' جس روز بڑے بھائی نے انہیں فون کیا تھا اُس کے دوسرے روز انہیں بیگم سجاد کا فون بھی موصول ہوا۔ بیگم سجاد نے اُن سے کچھ وقت نکال کر ملنے کی درخواست کی تھی' حامد حسین اس درخواست کو رد نہ کر سکے اور اسی شام' وقت نکال کر اُن کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔ اُن کا خیال تھا کہ کوئی کاروباری مسئلہ درپیش ہو گا لیکن بیگم سجاد سے گفتگو کے بعد ہی انہیں اصل بات کا اندازہ ہوا' یہ جان کر انہیں دلی مسرت ہوئی کہ

بیگم سجاد نے ناہید کو اپنی بہو بنانے کا فیصلہ کر لیا ہے' حامد حسین' ناہید کو اپنی بیٹی نرجس سے کسی طرح کم نہیں چاہتے تھے اس لئے انہوں نے بیگم سجاد سے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ درمیان میں پڑ کر اس رشتے کو جتنی جلدی ممکن ہو اطے کرا دیں گے' بیگم سجاد سے انہوں نے بڑے بھائی کے حکم کے بموجب منصور کی ایک تازہ تصویر بھی حاصل کر لی تھی۔

غرضیکہ چوتھے روز جب وہ بھائی کے پاس گئے تو سب سے پہلے شاکرہ خاتون نے رشتے کے اعتبار سے آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے کہا۔

"یہ آج اتنی جلدی سر شام چاند کیسے نکل آیا۔"

"کاروباری الجھنوں میں گرفتار تھا بھابی! ورنہ آپ بلائیں اور میں نہ آؤں۔" حامد حسین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خیر یہ تو مجھے خبر ہے کہ آپ گرفتار ہیں لیکن ایسا بھی کیا کبھی ضمانت پر بھی رہائی ممکن نہ ہو۔" شاکرہ خاتون نے دوبارہ دیور پر چوٹ کی۔

"جب سزا عمر قید کی ہو تو ضمانت کیا ہو سکے گی۔" حامد حسین نے برجستہ جواب دیا۔

"یہ بھی خدا کا شکر ہے کہ آپ عادی مجرم نہیں ہیں ورنہ اخبارات میں آئے دن جیل توڑ کر قیدیوں کے فرار کی اطلاعیں بھی شائع ہوتی رہتی ہیں۔" شاکرہ خاتون نے پھر چوٹ کی۔

"خیریت تو ہے بھابی!" حامد حسین لاجواب ہو کر بولے۔ "آج صبح صبح کس کی شکل دیکھی تھی آپ نے' بہت حاضر نظر آ رہی ہیں۔"

"اپنی خیر منایئے حامد بھائی! کہیں ایسا نہ ہو کہ واپسی پر غیر حاضری کے سلسلے میں جواب طلب کر لیا جائے۔"

"سن رہے ہیں بھائی صاحب آپ۔" حامد حسین نے بڑے بھائی کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔ "آج تو سر منڈاتے ہی اولے پڑنے لگے۔"

الطاف حسین جواب دینے کے بجائے صرف مسکرا کر چپ ہو گئے' شاکرہ خاتون نے دیور کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اچھا یہ بتایئے حامد بھائی! آپ کھانا کھائیں گے؟"

"اب اتنی گنجائش کہاں چھوڑی ہے آپ نے جو مزید کچھ کھا سکوں' البتہ ایک پیالی گرما گرم چائے مل جائے تو مناسب ہو گا۔"

شاکرہ خاتون اٹھ کر باورچی خانے میں دیور کے لئے چائے بنانے چلی گئیں۔ ناہید'

شاکر کو پڑھانے میں مصروف تھی' شاکر کے امتحان میں چند دن باقی رہ گئے تھے لیکن جب چچا کی آواز اُن کے کانوں میں پڑی تو وہ کچھ دیر کے لئے اٹھ کر باپ کے کمرے میں آ گئے۔ حامد حسین نے دونوں کی خیریت دریافت کی' بڑی اپنائیت سے ناہید کے سلام کے جواب میں اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے دعا دی۔ شاکر سے امتحان کی تیاری کے سلسلے میں پوچھتے رہے پھر شاکرہ خاتون کمرے میں واپس آئیں تو ناہید' شاکر کو لے کر دوبارہ کمرے میں آ گئی۔ اُسے معلوم تھا کہ چچا جان کسی خاص مقصد کے لئے آئے ہیں اس لئے اس نے وہاں دیر تک رکنا مناسب نہیں سمجھا۔ حامد حسین چائے پی چکے تو شیخ الطاف حسین بولے۔

"بھئی تمہاری بھابی کو تو بیگم سجاد ضرورت سے کچھ زیادہ ہی پسند آ گئی ہیں۔ اس وقت تمہیں اسی سلسلے میں یاد کیا گیا ہے۔"

"گویا اپنی آمدنی کا بھی ایک معقول موقع ہاتھ آ رہا ہے۔ کیوں بھائی؟" حامد حسین نے بھاوج کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تو شاکرہ خاتون مسکرا کر بولیں۔

"چچا اور بھتیجی کا معاملہ ہے' بھلا میں کون ہوتی ہوں دخل دینے والی' آپ جانیں اور آپ کی بھتیجی۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر میں بھی آپ کو کیوں بتاؤں کہ بیگم سجاد نے بھی مجھے بلوایا تھا اور اُدھر بھی یہ کیفیت ہے کہ وہ ہر قیمت پر ناہید کو اپنی بہو بنانے کا ارادہ کر چکی ہیں۔"

"سچ حامد بھائی!" شاکرہ خاتون نے نہال ہو کر دریافت کیا تو حامد حسین نے پوری تفصیل دہرا دی پھر منصور کی تصویر نکال کر بھائی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔ "آپ کے حکم پر منصور کی یہ تصویر بھی لے آیا ہوں۔"

شیخ الطاف حسین ابھی پوری طرح تصویر کو نظر بھر کر دیکھ بھی نہ سکے تھے کہ شاکرہ خاتون بڑی دلچسپی سے تصویر جھپٹ کر دیکھنے لگیں۔ حامد حسین نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"ایسی بھی کیا بے چینی بھابی! اور پھر یہ تصویر تو میں اپنی بھتیجی کے لئے لایا ہوں۔"

"ہٹئے بھی حامد بھائی!" شاکرہ خاتون نے جھینپتے ہوئے جواب دیا۔ "کیسی کیسی باتیں سوجھتی ہیں آپ لوگوں کو۔"

"چور کی داڑھی میں تنکا شاید ایسے ہی موقعوں کے لئے کہا گیا ہے۔"

کچھ دیر تک دیور بھاوج میں چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی پھر حامد حسین نے سنجیدگی اختیار

کرتے ہوئے کہا۔

"میرا تو مشورہ یہی ہے کہ خدا کا نام لے کر آپ شادی کی تیاریاں شروع کر دیجئے' منصور کا رشتہ ناہید کے لئے ہر اعتبار سے انتہائی موزوں اور مناسب ہے۔"

"تمہاری بھابی کا خیال ہے کہ اگر لڑکے کے بارے میں تھوڑی بہت چھان بین کر لی جائے تو بہتر رہے گا۔" الطاف حسین بولے۔

"اوّل تو اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے' لڑکا میرا دیکھا بھالا ہے پھر بھی میں ضروری باتیں اپنے طور پر معلوم کر لوں گا۔ آپ لوگ اس کی ذمہ داری مجھ پر چھوڑ دیں۔"

"ذمہ داریاں تو خیر چچا ہونے کے ناطے سے ساری ہی آپ پر ہوں گی لیکن بیگم سجاد جو ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی کوشش کر رہی ہیں' اُس نے مجھے الجھن میں ڈال دیا ہے۔"

"اس میں الجھن کا بھلا کون سا پہلو نظر آ رہا ہے آپ کو۔" حامد حسین نے چونکتے ہوئے دریافت کیا۔

"حامد بھائی! ہمارے حالات آپ سے کچھ پوشیدہ تو نہیں۔" شاکرہ خاتون قدرے تاسف سے بولیں۔ "بات جہاں طے ہو رہی ہے ہمیں اُن کی حیثیت کا بھی تو خیال کرنا پڑے گا' ورنہ دینا والے کیا کہیں گے' لوگوں کی زبان کون روکے گا' اس لئے میں چاہتی ہوں کہ اگر آپ بیگم سجاد سے کچھ مہلت مانگ لیں تو ہم اپنے انتظامات بھی مکمل کر لیں گے۔"

"بھابی صاحبہ!" حامد حسین نے یکلخت گہری سنجیدگی سے بھاوج کے چہرے کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ نے مجھے صرف یہی کہنے کے لئے بلایا تھا۔"

"حامد بھائی! آپ نے غالباً ہماری بات کا غلط نتیجہ اخذ کر لیا ہے۔" شاکرہ خاتون نے جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "آخر ہماری ایک ہی تو بچی ہے' زیادہ نہ سہی' کم ہی سہی لیکن دنیا دکھاوے کو کچھ نہ کچھ بندوبست تو کرنا ہی ہو گا۔"

"آپ کا کیا خیال ہے بھائی صاحب!" حامد حسین نے بڑے بھائی کی جانب دیکھا' ان کے چہرے پر بدستور گہری سنجیدگی مسلط تھی۔

"جیسی تم دونوں کی رائے ہو۔" الطاف حسین نے بڑی خوبصورتی سے اپنا پہلو بچانے کی کوشش کی تھی لیکن حامد حسین ضبط نہ کر سکے' ہونٹ کاٹتے ہوئے زخمی آواز میں بولے۔

"بھائی صاحب! کیا میرا ناہید پر کوئی حق نہیں ہے؟"

"یہ کس نے کہہ دیا حامد بھائی!" شاکرہ خاتون پریشان ہو کر بولیں۔ "ناہید جیسے ہماری بچی ویسے ہی آپ کی' خدا گواہ ہے کہ ہم نے ناہید اور نرجس میں کبھی کوئی فرق نہیں سمجھا۔"

"پھر شاید مجھے میرے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔" حامد حسین بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ "حالات نے مجھے والدین کی شفقت سے بھی محروم کر دیا تھا' میں آخری وقت میں اُن کی بھی کوئی خدمت نہ کر سکا اور آج ..... آج آپ لوگوں نے بھی مجھے میری نگاہوں میں گرا دیا۔ حالانکہ میں نے والدین کا سایہ سر سے اٹھنے کے بعد آپ ہی لوگوں کو ..... ماں اور باپ سمجھا تھا مگر..... آج مجھے یہاں بھی اپنی حیثیت کا اندازہ ہو گیا۔"

"ارے' ارے حامد بھائی! یہ آپ کو کیا ہو گیا؟" شاکرہ خاتون جلدی سے دیور کے قریب جاتے ہوئے بولیں۔ "آپ کو یہ اندازہ کس طرح ہوا کہ ہم لوگوں نے آپ کو اپنے سے الگ سمجھا ہے۔ ممانی جان نے مرتے وقت کہا تھا کہ میں آپ کو اور نجمہ کو کبھی ماں کی جدائی کا احساس نہ ہونے دوں اور خدا گواہ ہے کہ میں نے ہمیشہ یہی کوشش کی ہے کہ آپ دونوں کو کبھی بزرگوں کی کمی کا احساس نہ ہو۔"

"اگر یہ بات ہوتی بھابی جان! تو آپ میرے سامنے ناہید کے سلسلے میں مہلت کا ذکر کر کے مجھے غیر ہونے کا احساس کبھی نہ دلاتیں۔ بتایئے بھائی صاحب! کیا میرا ناہید پر کوئی حق نہیں ہے' کیا مجھے یہ بھی اختیار نہیں رہا کہ میں اپنی بھتیجی کی شادی اپنی مرضی اور اپنی خواہشات کے مطابق کر سکوں' کیا آپ لوگوں کی دعاؤں سے جو کچھ مجھے حاصل ہوا ہے اُس میں ناہید کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ جواب دیجئے نا بھائی صاحب! آپ خاموش کیوں ہیں کیا آپ بھی مجھے اپنی شفقت سے محروم کر دیں گے؟" اور پھر اس سے پہلے کہ الطاف حسین چھوٹے بھائی کی دلجوئی کے لئے کچھ کہتے' حامد حسین جذباتی انداز میں اٹھے اور بڑے بھائی سے لپٹ کر بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ الطاف حسین کی آنکھیں بھی بھ آئیں' بڑی محبت سے بھائی کو لپٹا کر اُن کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگے' شاکرہ خاتون بھی دیو کے احساسات مجروح ہونے کے خیال سے آبدیدہ ہو گئیں پھر ماحول کا رنگ بدلنے کی خاط بولیں۔

"یہ بھی ایک ہی رہی حامد بھائی! کھودا پہاڑ اور نکلا کیا' فقط چوہا۔ چلئے اٹھ کر منہ ہا دھوئیے ..... یہ بھلا کس نے کہا تھا کہ آپ کو ناہید پر اختیار نہیں ہے یا اُسے آپ کوئی حق نہیں ہے' آپ شوق سے اپنے دل کے ارمان پورے کیجئے۔ ہم کون ہوتے

آپ ..... دونوں کے معاملے میں بولنے والے۔"

پھر شاکرہ خاتون بڑے لاڈ سے حامد حسین کا ہاتھ تھام کر باہر لے گئیں' منہ ہاتھ دھو کر حامد حسین دوبارہ کمرے میں آئے تو الطاف حسین نے بھی بھائی کی خوشنودی کی خاطر بیوی کو پیار سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"اس وقت حامد کے دل کو جو صدمہ پہنچا ہے اُس کی ذمہ داری صد فی صد آپ پر عائد ہوتی ہے' نہ آپ نے حماقت کی بات کی ہوتی نہ میرے بھائی کو تکلیف ہوتی۔"

"جی نہیں' میں اس الزام کو اپنے سر لینے کو قطعی تیار نہیں ہوں۔" شاکرہ خاتون نے مسکرا کر کہا۔ "فساد کی اصل جڑ خود اُن کی اپنی بھتیجی ہے' نہ بیگم سجاد نے ناہید کو پسند کیا ہوتا' نہ یہ بات اس وقت نکلتی اور نہ حامد بھائی کو صدمہ ہوتا۔"

حامد حسین کے دل کا غبار دھل چکا تھا اس لئے وہ بھی بھائی اور بھاوج کے ساتھ مسکراتے رہے پھر انہوں نے جیب سے چیک بک نکال کر بیس ہزار کا ایک چیک کاٹا اور بھاوج کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔

"بھابی جان! اگر آپ واقعی مجھے اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتی ہیں تو ہماری ناہید کے لئے یہ حقیر رقم قبول کر لیجئے ورنہ میں پھر رونا شروع کر دوں گا۔"

شاکرہ خاتون نے ایک لمحے کو توقف کیا پھر دیور کے خلوص سے مجبور ہو کر چیک قبول کر لیا۔ حامد حسین کچھ دیر تک بیٹھے شادی کا پروگرام طے کرتے رہے پھر اٹھے اور جلد ہی دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔

☆======☆======☆

منصور دو تین دن سے شدید ذہنی الجھن کا شکار تھے اور اس وقت بھی اپنے دفتر میں بیٹھے اسی بات پر غور کر رہے تھے کہ ماں کو نازلی کے سلسلے میں کس طرح اپنے خیالات سے آگاہ کیا جائے۔ ماں کی گفتگو سے انہیں اس بات کا تو مطلق شبہ نہ ہوا تھا کہ نازلی اور اُن کے میل جول کی بھنک ماں کے کانوں تک پہنچ گئی ہے لیکن انہیں اس بات کا خطرہ ضرور لاحق تھا کہ اگر نازلی کے سلسلے میں انہوں نے ماں کی رضامندی نہ حاصل کی تو پھر اُن کی حسرتیں دل کی دل میں ہی رہ جائیں گی۔ وہ نازلی سے شادی کا وعدہ کر چکے تھے اور اُسے پسند بھی کرتے تھے لیکن وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ نازلی کے سلسلے میں ماں کی رائے ہموار کرنا جُوئے شیر لانے سے کم دشوار نہ ہو گا۔ اس لئے کہ نازلی جس ماحول کی پروردہ تھی اس ماحول سے ماں سخت متنفر تھیں۔

بیرسٹر افتخار احمد کا گھرانہ بے حد مغربی اور آزاد خیال واقع ہوا تھا' نازلی اُن کی ایک اکلوتی لڑکی تھی اس لئے اُسے بے حد لاڈ پیار سے پروان چڑھایا گیا تھا۔ کونونٹ کی تعلیم نے اُسے کچھ زیادہ ہی آزاد خیال اور بے باک بنا دیا تھا' مردوں کی محفلوں میں اٹھنا بیٹھنا اور لڑکوں کے ساتھ سیر و تفریح کرنا اُس کے لئے کوئی معیوب بات نہیں تھی۔ افتخار احمد نے نازلی کے لئے دو چار اچھے گھرانے کے لڑکے بھی پسند کئے تھے لیکن نازلی نے ان میں کوئی نہ کوئی خامی نکال کر بیک جنبش پلک ماں باپ سے اپنی ناپسندیدگی کا کھلے الفاظ میں اظہار کر دیا تھا۔ وہ کسی ایسے لڑکے سے شادی کی خواہشمند تھی جو دولت مند ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورت اور آزاد خیال بھی ہو تاکہ شادی کے بعد اُسے پردے کی بوبو بن کر بیٹھنے کے بجائے آزادی سے گھومنے پھرنے کا موقع مل سکے اور شوہر اُس کی ہر خواہش کی تکمیل بلا تکلف کر سکے۔

منصور سے نازلی کی پہلی ملاقات ایک ایسی محفل میں ہوئی تھی جہاں شہر کے بہت سارے معززین مدعو تھے' بیرسٹر افتخار احمد بھی بیٹی کے ساتھ اس محفل میں شریک تھے اور اتفاق سے نازلی کو منصور کے برابر ہی ایک نشست ملی تھی' افتخار احمد کی نظر منصور پر پڑی تو انہیں مرحوم سجاد علی یاد آ گئے جو قانونی معاملات میں نہ صرف اُن کے حریف رہ چکے تھے بلکہ بیشتر مقدمات میں انہیں افتخار احمد کے مقابلے میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی تھی انہیں اس بات کا بھی علم تھا کہ سجاد علی مشرقی تہذیب کے دلدادہ ہیں اور یہ کہ افتخار احمد کو ناپسند کرتے ہیں۔ افتخار احمد نے مرحوم سجاد علی کی زندگی میں بھی متعدد بار ان کو زک دینے اور نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی لیکن ہر بار انہیں مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا تھا چنانچہ اس وقت بھی جب انہوں نے منصور کو نہایت شان سے محفل میں اعلیٰ طبقہ کے لوگوں کے درمیان بیٹھے دیکھا تو اُن کے دل میں سوئی ہوئی رقابت ایک بار پھر جاگ اٹھی۔ انہیں اس بات کا علم بھی تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد منصور ہی اُن کے وسیع کاروبار کے بلاشرکت غیرے مالک ہیں اور لاکھوں کی جائیداد سے نہایت ٹھاٹ کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ انہوں نے سوچا کہ اگر کسی طرح سے منصور کو نازلی کے لئے حاصل کر لیا جائے تو نہ صرف یہ اُن کے حریف کی دولت اُن کی اکلوتی بیٹی کے لئے عیش و آرام کی زندگی فراہم کر سکے بلکہ اس طرح وہ بیگم سجاد کے غرور کو توڑ کر اپنا انتقام بھی پورا کر سکیں گے اور یہی سوچ کر انہوں نے بیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"نازلی بیٹی!..... کیا تم اس نوجوان کو جانتی ہو؟"

"بہت انوسنٹ (معصوم) اور ہینڈسم (خوبصورت) نوجوان ہے۔ کون ہے پاپا؟" نازلی نے باپ سے سوال کیا۔

"بیرسٹر سجاد علی مرحوم کا بڑا لڑکا منصور ہے۔" افتخار احمد دبی زبان میں بولے۔ "باپ کی تمام جائیداد اور کاروبار کی دیکھ بھال آج کل یہی کر رہے ہیں۔"

"آئی سی....." نازلی نے پُرشوق نگاہوں سے منصور کو گھورتے ہوئے باپ سے کہا۔ "میں یہی سوچ رہی تھی کہ اس کی شکل دیکھی بھالی معلوم ہوتی ہے' بالکل باپ کی صورت و شکل پائی ہے۔ کتنا شاندار اور سویٹ لگ رہا ہے۔"

منصور اس وقت اپنے ایک دوست سے باتوں میں مصروف تھے اس لئے نازلی کی طرف کوئی توجہ نہ دے سکے' یوں بھی جس ماحول میں انہوں نے آنکھ کھولی تھی اور والدین سے جو تربیت پائی تھی اُس کے پیش نظر وہ لڑکیوں سے دور دور اور الگ تھلگ رہنے کے عادی تھے' انہیں اس وقت اس بات کا مطلق کوئی علم نہیں تھا کہ کوئی کافر ان کے قریب بیٹھا ان کی ذات میں دلچسپی لے رہا ہے' صرف ایک بار اتفاقاً اُن کی نظر نازلی پر پڑی تھی لیکن اس وقت نازلی اپنے باپ سے گفتگو کرنے میں مصروف تھی اس لئے منصور نے اسے کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ وہ اس بات سے بھی قطعی لاعلم تھے کہ بیرسٹر افتخار احمد ان کے مرحوم باپ کے حریفوں میں سے تھے۔ شاید اس لئے کہ سجاد علی نے اپنی اولاد کو اپنے ذاتی اور نجی معاملات سے ہمیشہ دور رکھا تھا۔

مشروبات کے بعد کھانے کا دور شروع ہوا تو ڈائننگ ہال میں بیرسٹر افتخار احمد نے دیدہ و دانستہ ایسی نشست کا انتخاب کیا جو منصور سے ایک کرسی چھوڑ کر تھی' درمیان کی نشست پر نازلی کو بیٹھنے کا موقع مل گیا۔ منصور نے کھانے کی میز پر بھی نازلی کو اپنے برابر دیکھا تو ایک لمحے کو انہیں حیرت ہوئی لیکن انہوں نے اس کو اتفاقیہ امر جان کر کوئی اہمیت نہ دی اور کھانے میں مصروف ہو گئے۔ نازلی کی نگاہیں بار بار منصور کی جانب اٹھ رہی تھیں' منصور کا معصوم اور پُروقار چہرہ اور مردانہ وجاہت نازلی کی آنکھوں میں کھب رہی تھی' وہ دولت مند بھی تھا اور خوبصورت بھی' صورت شکل سے بھی بھولا بھالا نظر آ رہا تھا۔ نازلی اپنے لئے کوئی ایسا ہی شریک زندگی چاہتی تھی چنانچہ کچھ دیر تک وہ نگاہوں ہی نگاہوں میں منصور کو پرکھتی رہی پھر اُس نے نہایت شوخی سے منصور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"آپ غالباً دعوتِ طعام میں بھی تکلف برتنے کے عادی معلوم ہوتے ہیں۔"

"جی....." منصور نے چونک کر نازلی کے چہرے پر نظر ڈالی' انہیں کسی اجنبی لڑکی سے شاید اس بے باکی کی توقع نہیں تھی اس لئے خود ہی گڑبڑا گئے۔

"یہ میری بیٹی نازلی ہے منصور میاں!" افتخار احمد نے مسکرا کر اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "تمہارے والد سے میرے بڑے دوستانہ مراسم تھے لیکن ہم دونوں کی مصروفیات نے اس بات کا موقع ہی نہ دیا کہ ہم اپنے گھر والوں کو بھی ایک دوسرے سے ملنے جلنے کا موقع فراہم کر سکتے' خدا جنت نصیب کرے' تمہارے والد بہت بھلے اور شریف آدمی تھے۔"

"آپ سے مل کر مسرت ہوئی۔" منصور نے نہایت ادب سے کہا۔ "کبھی غریب خانے پر بھی تشریف لائیے۔"

"وعدہ نہیں کرتا منصور میاں! ہاں اگر وقت ملا تو ضرور آؤں گا۔"

"اوہ' پاپا!" نازلی نے باپ کو ٹوکتے ہوئے بڑے انداز سے کہا۔ "ایک تو یہ پہلے ہی کھانے کے ساتھ انصاف نہیں کر رہے۔ آپ نے اور باتوں میں لگا لیا۔" نازلی نے یہ کہہ کر بڑی بے تکلفی سے منصور کی پلیٹ میں شامی کباب اور نرگسی کوفتہ ڈال دیا۔

"نوازش!" منصور نے اخلاقاً نازلی کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا۔ "آپ نے ناحق تکلیف کی..... میں بسیار خوری کا عادی نہیں ہوں۔"

"بہرحال' اب تو آپ کو میری خاطر پلیٹ صاف ہی کرنی پڑے گی۔" نازلی نے بڑی معصومیت سے منصور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا اور منصور نے نازلی کی آنکھوں کے سحر کی تاب نہ لاتے ہوئے جلدی سے آنکھیں جھکا لیں اور کھانے میں مصروف ہو گئے۔

کھانے کے دوران نازلی منصور سے باتیں کرتی رہی' منصور جنہیں کسی لڑکی سے بھری محفل میں اس طرح آزادانہ گفتگو کرنے کا پہلے کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا' بُری طرح گھبرائے گھبرائے نظر آ رہے تھے۔ پھر کھانا ختم ہوا تو ہاتھ دھونے کے بہانے جلدی سے اٹھے اور بالا ہی بالا صاحب خانہ سے اجازت حاصل کر کے گھر چلے گئے لیکن نازلی کی صورت اور اُس کی باتیں تمام راستے اُن کا تعاقب کرتی رہیں۔ نازلی کے جوان اور مہکتے قرب نے پہلی بار اُن کے جذبات کو گدگدایا تھا اس لئے منصور بہت دیر تک اُس کے تصور سے چھٹکارا نہ حاصل کر سکے۔

بات اگر صرف اسی محفل پر ختم ہو جاتی تو شاید منصور نازلی کے سحر میں نہ پھنستے

لیکن نازلی کو منصور کچھ ایسے بھا گئے تھے کہ اُس نے اُن کا تعاقب جاری رکھا' کسی نہ کسی حیلے بہانے سے وہ منصور سے ملتی رہی' کبھی سرِراہے' کبھی کسی محفل میں اور کبھی اس کلب میں جہاں منصور ٹینس کھیلنے جایا کرتے تھے اور پھر رفتہ رفتہ نازلی نے اس قدر حسین انداز میں دبے دبے قدموں منصور کے دل میں گھر کیا کہ منصور اس کی جادوگری پر ششدر رہ گئے اور پوری طرح اُس کے جال میں پھنس کر بے دست و پا ہو گئے۔ نازلی نے اس حد تک منصور سے بے تکلفی بڑھا لی تھی کہ ان کے دفتر بھی آنا جانا شروع کر دیا تھا۔ گھنٹوں وہ منصور کے ساتھ اُن کے دفتر میں بیٹھی باتیں کرتی رہتی۔ منصور کا دل صاف تھا اس لئے وہ نازلی سے ملنے جلنے اور اُس کے دفتر آنے جانے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے لیکن ایک دن جب اچانک اُن کے کاروباری مینیجر خواجہ رشیدالدین نازلی کی موجودگی میں اُن کے کمرے میں آ گئے اور آتے ہی انہوں نے نازلی کو تنقیدی نظروں سے دیکھا تو منصور کو بڑی شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

خواجہ رشیدالدین نے منصور کو اپنی گودوں میں کھلایا تھا اس لئے وہ اُن کا بے حد احترام کرتے تھے' انہیں یہ بھی علم تھا کہ خواجہ صاحب کی پہنچ اُن کی ماں تک بھی ہے اس لئے منصور نے جلدی جلدی ان فائلوں پر دستخط کئے جو خواجہ صاحب لائے تھے۔ پھر اُن کے جانے کے بعد انہوں نے بڑے پیار سے نازلی کو سمجھا دیا کہ وہ دفتر آنے سے پرہیز کرے۔ نازلی اس قسم کی بندشوں کی عادی نہیں تھی' اُسے منصور کی بات ناگوار گزری لیکن اُس نے ضبط سے کام لیا۔ منصور نازلی کے ساتھ محبت کا عہد و پیمان اور شادی کا وعدہ کر چکے تھے اس لئے نازلی نے منصور سے فی الحال الجھنا مناسب نہیں سمجھا اور کچھ دیر بیٹھ کر چلی گئی۔ یہ اور بات تھی کہ اس نے طے کر لیا تھا کہ شادی کے بعد وہ سب سے پہلے خواجہ رشیدالدین کو ملازمت سے برطرف کروائے گی پھر منصور سے اس بے عزتی کا بدلہ بھی ضرور لے گی کہ اُسے ایک ملازم کے مقابلے میں کمتر سمجھا گیا۔ وہ ہر قیمت پر منصور کو اپنانے کا تہیہ کر چکی تھی اس لئے نہیں کہ منصور کی محبت میں گرفتار ہو کر اُس کی راتوں کی نیند حرام ہو گئی تھی یا وہ منصور کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی تھی بلکہ صرف اس لئے کہ منصور بے پناہ دولت کا مالک تھا اور نازلی اُس کی دولت حاصل کر کے اپنے ان خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرنا چاہتی تھی جو اُسے دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز تھے۔

منصور نازلی کو دفتر آنے جانے سے منع کرنے کے لئے مجبور تھے' وہ جانتے تھے کہ ماں مشرقی تہذیب کی پرستار ہے' اس بات کو کسی قیمت پر پسند نہیں کرے گی کہ اُس کی

بہو آزاد خیال اور مغربی تہذیب کی پرستار ہو۔ وہ نازلی کو حاصل کرنے کے لئے کوئی ایسی راہ اختیار کرنا چاہتے تھے کہ ماں کی رضامندی بھی اس میں شامل ہو اور اُن کی محبت پایۂ تکمیل تک بھی پہنچ جائے لیکن ابھی وہ اپنے لئے کسی ایسی راہ کا تعین بھی نہ کر پائے تھے کہ ماں نے اچانک شادی کا تذکرہ چھیڑ دیا اور دبے الفاظ میں یہ بھی کہہ دیا کہ وہ اُن کے لئے شیخ الطاف حسین کی بیٹی ناہید کو پسند کر چکی ہیں۔ منصور نے ماں کا فیصلہ انتہائی صبر و تحمل سے سنا' ان کے دل کو اچانک فیصلے سے دھچکہ بھی لگا تھا لیکن وہ ماں کے سامنے زبان نہ کھول سکے شاید اس لئے کہ وہ ماں کو دنیا کی ہر نعمت سے زیادہ قیمتی اور انمول سمجھتے تھے اور اس لئے بھی کہ وہ جانتے تھے کہ اگر انہوں نے ماں کی خواہشات کی تکمیل سے پہلو تہی کا انداز اختیار کیا تو ماں کا دل ٹوٹ جائے گا ..... ان کے خواب ٹوٹ کر بکھر جائیں گے' حسرتیں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور ..... اور وہ ماں کی خوشیوں کی خاطر اپنی محبت کا گلا گھونٹنے پر مجبور ہو گئے اور اس وقت بھی وہ اپنے دفتر میں بیٹھے ان ہی باتوں پر غور کر رہے تھے کہ فون کی گھنٹی زور سے بجی اور ان کے اپنے خیالات کا شیرازہ بھی منتشر ہو گیا' انہوں نے جھلا کر رسیور اٹھایا' دوسری طرف سے نازلی کی آواز سنائی دی تو اُن کے دل پر ایک چوٹ سی لگی' اداس آواز میں بولے۔

"کیسی گزر رہی ہے نازلی!"

"تم اپنی سناؤ منصور! تین روز سے کہاں گم ہو' نہ ملاقات' نہ فون' کیا بہت زیادہ مصروف رہنے لگے ہو؟"

"ہاں ..... شاید۔" منصور نے شکستہ لہجے میں کہا۔

"خیریت تو ہے منصور! تمہارے لہجے سے تھکن کا اظہار ہو رہا ہے۔"

"نازلی!" منصور نے دل کڑا کر کے کہا۔ "میں تم سے ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں لیکن سوچتا ہوں' کس دل سے کہوں۔"

"اسی دل سے کہو منصور جس میں تم نے میری ..... اپنی نازلی کی تصویر سجا رکھی ہے۔" نازلی نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

"تمہاری تصویر کو کوئی گزند نہیں پہنچا نازلی لیکن ..... وہ دل ٹوٹ چکا ہے جہاں تمہاری تصویر سجی تھی۔" منصور دل شکستہ آواز میں بولے۔

"منصور!" دوسری طرف سے نازلی کی سنجیدہ آواز اُبھری۔ "ہوش میں تو ہو تم ..... کیا کہہ رہے ہو؟"

"ہاں نازلی! میں سچ کہہ رہا ہوں۔" منصور ٹوٹی ہوئی آواز میں بولے۔ "ماں نے میرا رشتہ اپنی مرضی سے کہیں اور طے کر دیا ہے۔"

"اور تم نے ماں کے فیصلے کے خلاف کوئی احتجاج نہیں کیا۔"

"ہاں ..... میں ماں کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ ماں کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر دیا۔"

"اور تم ..... تم اپنے آپ کو مرد بھی کہتے ہو۔" نازلی نے بپھری ہوئی آواز میں سوال کیا۔ "میرا کیا بنے گا؟"

"ہم دونوں کو ماں کے فیصلے کا احترام کرنا ہو گا نازلی!" منصور ہونٹ کاٹتے ہوئے بولے۔ "ماں ..... ماں ہوتی ہے۔"

"جہنم میں گئی ایسی ماں جو اولاد کی خوشیوں کو پامال کر دے۔"

"نازلی!" منصور تڑپ کر چیخ اٹھے' کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے لیکن کہہ نہ سکے۔ غصے سے رسیور رکھ دیا اور اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگے۔

فون کی گھنٹی دوبارہ بجی ..... بجتی رہی' منصور جانتے تھے کہ نازلی کا فون ہو گا لیکن انہوں نے فون نہیں اٹھایا' اُسے حقارت اور غصے سے تکتے رہے۔ پھر آگے بڑھ کر کرسی سے اپنا کوٹ اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور جھلائے ہوئے انداز میں دفتر سے نکل کر سیدھے گھر گئے اور اپنے کمرے میں جا کر بے سدھ ہو کر کپڑے تبدیل کئے بغیر اپنے بستر پر لیٹ گئے۔

☆------☆------☆

آج شاکر کا پہلا پرچہ تھا اس لئے ناہید فجر سے ذرا پہلے ہی جاگ گئی' نماز سے فارغ ہو کر اُس نے شاکر کو جگایا۔ پھر جتنی دیر میں بھائی منہ ہاتھ دھو کر غسل خانے سے باہر نکلا وہ اُس کے لئے ناشتہ تیار کرلائی' اپنے ہی کمرے میں بیٹھ کر اُس نے ماں اور باپ کے لئے بھی دو کپ چائے تیار کی پھر والدین کو پہنچا کر دوبارہ اپنے کمرے میں آ کر شاکر کو پڑھانے میں مصروف ہو گئی۔ شاکر نے امتحان کی تمام تیاری کر رکھی تھی لیکن ذہن تازہ کرنے کی خاطر ناہید اسے اہم سوالات نئے سرے سے سمجھاتی رہی پھر اُس نے بھائی کو گھر سے رخصت کرتے ہوئے کہا تھا۔

"پہلے بسم اللہ کر کے پرچہ لینا' اُسے غور سے پڑھنا' جو سوالات نسبتاً زیادہ آسان ہوں انہیں پہلے کر لینا اور گھبرانے کی کوشش مت کرنا' خدا نے چاہا تو تمہارا پرچہ بہت

شاندار ہو گا۔"

"آپ کی اور امی ابو کی دعائیں شامل حال رہیں تو دیکھ لیجئے گا کہ امتحان میں اوّل درجے کی کامیابی حاصل کروں گا۔"

"انشاء اللہ۔" ناہید نے بڑے پیار سے کہا۔ پھر بھائی کو دعائیں دے کر رخصت کر اور دوبارہ باورچی خانے میں آ گئی' تھوڑی دیر بعد اُس نے باپ کو ناشتہ کرایا پھر اُن کے جانے کے بعد خود بھی ماں کے ساتھ بیٹھ کر ناشتہ کرنے لگی۔

گیارہ بجے تک اُس نے کھانا پکانے سے فراغت حاصل کی اور کچھ دیر کمر سیدھی کرنے کی غرض سے اپنے بستر پر آ کر لیٹ گئی' اُسے شاکر کی واپس کا انتظار تھا اس لئے سونے کے بجائے اُس نے ایک رسالہ اٹھا کر اُس کا مطالعہ شروع کر دیا اور پھر کچھ ایسی محو ہوئی کہ اُسے اس بات کی مطلق خبر نہ ہوئی کہ شازیہ کب دبے قدموں اس کے کمرے میں داخل ہوئی اور کتنی دیر سے کھڑی اُس کی محویت کو معنی خیز نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ مضمون ختم ہوا تو اُس کی نظر اچانک ہی شازیہ پر پڑی' چونک کر بولی۔

"اوہ ..... شازیہ! تم کب آئیں۔"

"تُو اپنی سنا' کہاں گم تھی؟" شازیہ نے ناہید کو چھیڑتے ہوئے کہا۔ "کیا کوئی حسب حال افسانہ پڑھ رہی تھی؟"

"شاکر کا انتظار تھا' آنکھ نہ لگ جائے اس لئے رسالہ اٹھا کر ورق گردانی شروع کر دی۔"

"ہوش کے ناخن لے ناہید! اگر ابھی سے آنکھ نہ لگنے کی پریکٹس کرے گی تو شادی کے بعد کیا بنے گا تیرا؟"

"اتر آئی اپنی اوقات پر۔" ناہید نے مسکرا کر جواب دیا پھر پوچھا۔ "اور سنا' تیرے اس پولیس انسپکٹر کا کیا بنا' بات کچھ آگے بڑھی۔"

"بات آگے نہ بڑھی ہوتی تو اس وقت تم سے مشورہ کرنے کیوں آتی۔" شازیہ نے اس بار قدرے سنجیدگی سے کہا پھر منصور کی تصویر جو اُسے شاکرہ خاتون نے ناہید کو دکھا کر اُس کا عندیہ لینے کی فرمائش کی تھی' پرس سے نکال کر کچھ عجیب نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔ "تصویر بھیجی گئی ہے فی الحال' پسند کرنے کے لئے۔"

"سچ ..... لا' میں بھی دیکھوں۔" ناہید نے خوشی سے اٹھتے ہوئے شازیہ کے ہاتھ سے تصویر لینی چاہی تو شازیہ نے تصویر والا ہاتھ جلدی سے پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

"پہلے تجھے ایک وعدہ کرنا ہو گا۔"

"کیا؟"

"یہ کہ تصویر کے معاملے میں تُو کھل کر اپنی رائے کا اظہار کرے گی۔"

"اچھا بابا! وعدہ' لا اب دکھا تصویر۔"

شازیہ نے بُرا سا منہ بنا کر تصویر ناہید کے حوالے کر دی اور خود بستر پر بیٹھ کر ناہید کے چہرے کا جائزہ لینے لگی۔ ناہید نے تصویر لے کر اُسے غور سے دیکھا' بڑی خوبصورت تصویر تھی' خوبصورت چہرہ' بھرے بھرے خدوخال' بڑی بڑی خوابناک آنکھیں' کھلتی ہوئی رنگت جس میں مردانہ وجاہت کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور کشادہ پیشانی پر جھکے ہوئے گھونگھر والے بال تو انتہائی پیارے لگ رہے تھے' ناہید نے نظر ہٹا کر شازیہ کو دیکھا پھر خوشی سے بولی۔

"پہلے کچھ فیس طے ہو جائے پھر میں اپنی ایماندارانہ رائے دے سکوں گی۔"

"مذاق چھوڑ ناہید!" شازیہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "سچ سچ بتا' تجھے کیسی لگی یہ تصویر۔"

"وہ تو میں بعد میں بتاؤں گی لیکن یہ تیرے چہرے پر اس قدر گھمبیر سنجیدگی کیوں مسلط ہے؟"

"تصویر کے سلسلے میں آج ہی جواب مانگا گیا ہے اس لئے سنجیدگی سے غور کر رہی ہوں۔" شازیہ نے ایک سرد آہ بھری۔ "ایک دو روز کی مہلت مل جاتی تو ذرا تفصیل سے جائزہ لیا جاتا۔ کمپاس سے ہر چیز ناپ تول کر دیکھ جاتی' بعد میں اگر ایک آنکھ چھوٹی ایک بڑی نکلی تو کس سے فریاد کرتی پھروں گی۔"

"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے؟" ناہید نے شازیہ کی بات سے لطف لیتے ہوئے کہا۔ "اسی تھانے میں جا کر رپٹ لکھوا دینا دھوکہ دہی کی جہاں دولہا میاں کی تعیناتی ہو۔"

"وہ تو بعد کی بات ہو گی' فی الحال تم مجھے نہایت ایمانداری اور سنجیدگی سے یہ بتاؤ کہ تمہیں یہ تصویر کیسی لگی؟"

"سچ سچ بتا دوں؟" ناہید کے انداز میں شرارت تھی۔

"دیکھ ناہید! تجھے میری جان کی قسم جو تُو اس معاملے میں ذرا بھی جھوٹ بولے۔" شازیہ کچھ اور سنجیدہ ہو گئی۔

"اللہ رے یہ بے چینی۔" ناہید نے اپنی دانست میں شازیہ کو تنگ کرتے ہوئے کہا۔

"کیسی مری جا رہی ہے تعریف سننے کے لئے۔"

"ٹھیک ہے۔" شازیہ مصنوعی غصے سے بولی۔ "اگر تُو نہیں بتانا چاہتی تو نہ بتا' لا واپس کر دے تصویر۔"

"ارے ارے' کیا سچ مچ بُرا مان گئی۔" ناہید نے جلدی سے کہا۔ "بتاتی ہوں۔"

"جلدی بتا ورنہ میں چلی جاؤں گی۔" شازیہ روٹھے ہوئے لہجے میں بولی تو ناہید نے ایمانداری سے کہا۔

"خدا کی قسم شازیہ' بہت شاندار تصویر ہے' بھولی بھالی معصوم سی صورت اور پیارا پیارا سا انداز۔ خدا کرے سیرت بھی ایسی ہو جیسی صورت ہے۔"

"تُو مذاق تو نہیں کر رہی ہے۔" شازیہ نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ایمان سے کہہ رہی ہوں شازیہ' بڑا ہی خوبصورت اور بانکا سجیلا جوان ہے۔" ناہید نے اپنی سہیلی کو یقین دلاتے ہوئے کہا۔ "میں تجھے پیشگی مبارکباد دیتی ہوں۔"

شازیہ کو اپنی ہنسی ضبط کرنا دشوار ہو رہی تھی۔ بہرحال اُس نے اندازہ لگایا تھا کہ منصور ناہید کو پسند آ گئے ہیں' وہ یہی معلوم کرنا چاہتی تھی چنانچہ جب اُسے ناہید کی رائے کا علم ہو گیا تو مسکرا کر شوخی سے بولی۔

"بڑی ندیدی ہے تُو ..... تصویر دیکھ کر منہ میں پانی بھر آیا۔"

"تجھے کیوں جلن ہو رہی ہے۔" ناہید نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔ "صرف تعریف ہی تو کی ہے میں نے' کوئی چھینے تو نہیں لے رہی ہوں تجھ سے۔"

"ایک بات کہوں ناہید! مانے گی؟" شازیہ نے دوبارہ سنجیدگی سے پوچھا۔

"بول۔" ناہید نے کہا۔ "میں جانتی ہوں کہ تجھے پھر کچھ سوجھ رہی ہو گی۔"

"کیا واقعی تجھے یہ تصویر بہت زیادہ پسند آ گئی ہے؟"

"جی ہاں۔" ناہید نے شازیہ کو چھیڑتے ہوئے جواب دیا۔ "فرمایئے' کیا بکواس کرنا چاہتی ہیں آپ؟"

"تُو اگر سنجیدگی سے اقرار کر لے تو میں اس کا رشتہ تیرے ساتھ کرا دوں۔"

"کیوں زخموں پر نمک چھڑک رہی ہے؟" ناہید نے ایک سرد آہ بھر کر بڑے دل آویز انداز میں کہا۔ "اپنی ایسی قسمت کہاں۔"

"قسمت پلٹتے دیر بھی نہیں لگتی میری بنو۔" شازیہ نے بے اختیار ہنستے ہوئے کہا۔ "میں ابھی جا کر خالہ جان کو یہ مژدہ جان فزا سناتی ہوں کہ منصور ناہید کو ضرورت سے کچھ

زیادہ ہی پسند آ گئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" ناہید چونکی۔ اُس نے شازیہ کے چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ بکھرتے دیکھی تو یکلخت دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں' سنجیدگی سے بولی۔ "تجھے میری جان کی قسم' سچ بتا یہ کسی کی تصویر ہے۔"

"بتا تو رہی ہوں کہ یہ تصویر منصور کی ہے۔ اب تُو پوچھے گی کہ یہ جناب منصور صاحب کون ہیں تو جواباً عرض ہے میری بنو کہ یہ آپ کے ہونے والے "وہ" ہیں۔" شازیہ نے ناہید کو گھورتے ہوئے شوخی سے کہا۔ "خالہ جان کا حکم تھا کہ میں یعنی کہ شازیہ بنت ڈاکٹر ابرار احمد آپ کی خدمت میں یہ تصویر پیش کروں اور پھر جنابہ کی مرضی معلوم کر کے خالہ جان کو صورت حال سے آگاہ کروں۔ فرمایئے اور کیا دریافت کرنا چاہتی ہیں آپ؟"

"تیرا سر۔" ناہید نے شرماتے ہوئے جواب دیا پھر منصور کی تصویر شازیہ کو لوٹاتے ہوئے بولی۔ "لے پکڑ اسے اور دفع ہو جا۔"

"بڑی خودغرض ہو گئی ہے تُو۔" شازیہ غرائی۔ "ایک تو میں نے تیرے لئے اتنا خوبصورت اور بانکا سجیلا لڑکا تلاش کیا اور تُو بجائے اس کے کہ میرا شکریہ ادا کرے' نفرت سے دھتکار رہی ہے۔"

"خدا کی قسم شازیہ! تُو ہر فن مولا ہے۔" ناہید نے جھینپتے ہوئے جواب دیا۔ "میں تو سمجھ رہی تھی کہ تُو اپنے لئے مجھ سے مشورہ لے رہی ہے۔"

"میں کیوں لیتی تجھ سے مشورہ؟" شازیہ بڑی ڈھٹائی سے بولی۔ "کیا میری آنکھیں نہیں ہیں جو اپنے دولہا کو کسی اور سے پسند کراتی پھروں۔"

"خدا سمجھے تجھ سے ..... کیسی بے شرم ہو گئی ہے۔" ناہید مسکرا دی۔

"جوتیوں سمیت آنکھوں میں گھسنا اسی کو کہتے ہیں۔" شازیہ بولی۔ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے والی مثل صادق آتی ہے۔ قسمیں کھا کھا کر پرائے مردوں کی تصویر کی تعریفیں تم کرو اور بے شرم میں ٹھہرائی جاؤں' چہ خوب۔"

"مجھے کیا معلوم تھا کہ تصویر کس کی ہے۔" ناہید نے بڑے بھولپن سے کہا۔

"اب تو پتہ چل گیا ..... اب کیا خیال ہے تیرا؟" شازیہ نے پوچھا۔ "اب بھی سر پر ہاتھ رکھ کر کہہ دے کہ تجھے لڑکا پسند ہے یا نہیں؟"

"مجھے کیا معلوم۔" ناہید گنگناتے لہجے میں بولی۔

"اللہ تیری قدرت۔" شازیہ نے کہا۔ "دل میں چاہے لڈو پھوٹ رہے ہوں لیکن کس شانِ بے نیازی سے فرما رہی ہیں کہ ..... مجھے کیا معلوم ..... ابھی جا کر خالہ جان سے ایک ایک کی دس دس نہ لگاؤں تو میرا نام بھی شازیہ نہیں۔"

"دیکھ شازیہ کی بچی! اگر تُو نے امی جان سے جا کر کچھ الٹی سیدھی لگائی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔"

"میری جوتی کو کیا غرض پڑی ہے الٹی سیدھی لگانے کی۔ میں تو وہی کہوں گی جو تم نے کہا تھا۔" شازیہ نے لڑاکا عورتوں جیسے انداز میں جواب دیا۔ پھر بڑے ہی خوبصورت انداز میں ناہید کی کہی ہوئی باتوں کی نقل اتارتے ہوئے بولی۔ "خدا کی قسم شازیہ! بے حد شاندار تصویر ہے ..... بھولی بھالی معصوم سی صورت' پیارا پیارا سا انداز۔ خدا کرے سیرت بھی ایسی ہی ہو جیسی صورت ہے۔ آمین' ثم آمین۔"

ناہید خاموش کھڑی مسکراتی نظروں سے شازیہ کو دیکھتی رہی لیکن جب شازیہ نے آمین' تم آمین کہہ کر بزرگوں جیسے انداز میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر چہرے پر پھیرا تو ناہید نے لپک کر بستر سے تکیہ اٹھا لیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ تکیہ کھینچ کر شازیہ کو مارتی' شازیہ مسکراتی ہوئی جھپٹ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆======☆======☆

آج جمعہ کا دن ہے۔ شیخ الطاف حسین دوپہر کو چھٹی ہوتے ہی سیدھے گھر آ گئے۔ کھانا کھا کر کچھ دیر آرام کیا' شام کو چائے پی کر عصر کی نماز ادا کی پھر اپنے پڑوسی مرزا صاحب کی بیٹھک میں جا کر شطرنج کھیلنے لگے۔ شاکرہ خاتون شوہر کے جانے کے بعد باہر ورانڈے میں آ کر بیٹھ گئیں جہاں ناہید پہلے ہی سے بیٹھی اپنے دوپٹے کی چنائی میں مصروف تھی۔ شاکر کے امتحانات ختم ہو چکے تھے اس لئے وہ سرِشام ہی سے کھیلنے گیا ہوا تھا۔

"ناہید بیٹی!" شاکرہ خاتون نے بیٹی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "دوپٹہ چن چکو تو میرے لئے ایک پیالی جوشاندہ بنا دینا۔ کچھ نزلے کی تحریک سی محسوس ہو رہی ہے۔"

"رات کو سوتے وقت پی لیجئے گا امی جان!" ناہید نے بڑے ادب سے کہا۔ "اس وقت جوشاندہ پی کر آپ ہوا میں بیٹھیں گی تو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔"

"ٹھیک ہے' رات کو سوتے وقت پی لوں گی لیکن یاد کر کے بنا دینا۔"

"آپ لگ کر اپنا علاج کیوں نہیں کرا لیتیں امی جان! نزلے کی شکایت تو آپ کو آئے دن رہتی ہے۔" ناہید نے کہا۔ "کسی وقت جا کر شازیہ کے ابو ہی کو دکھا دیجئے۔"

"ڈاکٹروں کی دوا میں نے پہلے کب پی ہے جو اب پیوں گی۔" شاکرہ خاتون بولیں۔ "سنا ہے اُس میں الکوحل بھی ہوتی ہے' اسی لئے میرا دل نہیں ٹھکتا ڈاکٹری دواؤں پر۔"

"ڈاکٹر نہ سہی کسی حکیم کو دکھا دیجئے لیکن علاج تو بہرحال ضروری ہے۔"

"تمہارے ابو سے کہوں گی ..... اُن کو موقع ملا تو دکھا لائیں گے۔" شاکرہ خاتون نے بیٹی کا دل رکھنے کو کہا پھر پوچھا۔ "شازیہ کے بارے میں کچھ پتہ چلا۔"

"کس سلسلے میں۔" ناہید نے ماں کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"تمہارے ابو کی ملاقات ہوئی تھی ڈاکٹر ابرار احمد سے' وہ بتا رہے تھے کہ شازیہ کے رشتے کی بات پکی ہو گئی ہے' اگلے مہینے شعبان کے چاند میں شادی ہونے والی ہے۔"

"شازیہ نے تو مجھ سے کچھ نہیں بتایا۔ آئے گی تو ضرور پوچھوں گی۔"

"تم ہی کل کسی وقت ہو آنا' وہ بیچاری تو برابر آتی رہتی ہے' بڑی ہنس مکھ اور شریف بچی ہے۔"

ماں بیٹی میں ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ باہر گاڑی رکنے کی آواز سنائی دی۔

"ذرا دیکھنا تو ناہید بیٹی جا کر ..... شاید تمہارے چچا آئے ہیں۔"

ناہید دوپٹہ ادھورا چھوڑ کر ابھی اٹھی ہی تھی کہ الطاف حسین لپکتے ہوئے اندر آئے اور بیگم کو بتایا کہ بیگم سجاد آئی ہیں۔ شاکرہ خاتون نے بیگم سجاد کا نام سنا تو جلدی سے اٹھ کر باہر بیٹھک کی جانب لپکیں' جاتے جاتے ناہید کو تاکید کرتی گئیں کہ وہ جلدی سے منہ ہاتھ دھو کر کوئی قاعدے کا جوڑا پہن لے اور چائے تیار کر لے' بیٹھک میں آتے آتے انہوں نے شوہر سے بازار جا کر کچھ لانے کی فرمائش بھی کر دی تھی۔

بیگم سجاد آج تنہا نہیں تھیں' بوا سروری بھی اُن کے ساتھ آئی تھیں۔ شاکرہ خاتون نے بڑے تپاک سے بیگم سجاد کا خیر مقدم کیا۔ بوا سروری کے ہاتھ میں مٹھائی کا ایک ڈبہ بھی تھا۔ شاکرہ خاتون نے بڑی انکساری سے اُن کو بٹھایا پھر خود بھی اُن کے قریب بیٹھ گئیں' بوا سروری فرش پر بیگم سجاد کے قریب بیٹھی تھیں' شاکرہ خاتون خاتون اس وقت بیگم سجاد کے اچانک آنے پر کچھ گڑبڑا سی گئی تھیں لیکن بیگم سجاد نے خود ہی اُن کی الجھن کو رفع کرتے ہوئے کہا۔

"کئی دنوں سے آپ کی طرف آنے کی سوچ رہی تھی لیکن وقت نہیں مل رہا تھا۔ آج ایک عزیزہ سے ملنے گئی تھی' سوچا آپ سے بھی ملتی چلوں۔"

"بے حد مسرت ہوئی آپ کے آنے کی۔" شاکرہ خاتون بولیں۔ "آپ ہی کا گھر ہے

اور پھر مہمان کی آمد تو خدا کی برکت ہوتی ہے۔"

"ذرہ نوازی ہے آپ کی لیکن یہ آپ نے مہمان کا رتبہ کس لئے عطا کر دیا۔" بیگم سجاد نے مسکراتے ہوئے بڑے پُروقار انداز میں کہا۔ "کیا یہاں میں کسی اور رشتے سے نہیں آ سکتی۔"

"کیوں نہیں بہن!" شاکرہ خاتون نے بیگم سجاد کے جملے کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ جس حیثیت میں تشریف لائیں گی غریب خانے کے دروازے آپ کے لئے کھلے ملیں گے۔"

"اس عزت افزائی کے لئے میں شکر گزار ہوں۔"

"اس میں شکریے کی کیا بات ہے۔" شاکرہ خاتون نے جلدی سے کہا۔ "جب آپ نے مجھے بہن کہہ دیا تو پھر تکلف کیسا۔"

""اسی لئے تو آج میں بڑی بے تکلفی سے آپ کے پاس دوبارہ تقاضا کرنے آئی ہوں۔" بیگم سجاد نے اصل مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "آپ نے بھائی صاحب سے ہماری درخواست پر ہمدردانہ غور کرنے کی سفارش تو ضرور کی ہو گی۔"

"جب آپ ناہید کو بیٹی بنا چکی ہیں تو پھر میں کون ہوتی ہوں سفارش کرنے والی۔" شاکرہ خاتون نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اگر آپ نے میرا حق تسلیم کر لیا ہے بہن تو میں یہی کہوں گی اب آپ جتنی جلدی ممکن ہو سکے ہماری بیٹی کو ہمارے گھر رخصت کر دیں' وہ آ جائے گی تو ہمارے گھر کی رونق بڑھ جائے گی۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر مگر ہم نے بھی تو اُس کی پرورش کی ہے بہن!" شاکرہ خاتون نے بڑی خوبصورتی سے کہا۔ "ہمیں اتنی مہلت تو دیں کہ ہم اُس کی رخصتی کا خاطر خواہ انتظام کر سکیں۔"

"آپ مرضی کی مالک ہیں لیکن ہم پھر یہی درخواست کریں گے کہ ہمارے گھر کی رونق میں اضافہ کرنے کے لئے آپ جس قدر جلد ہماری درخواست قبول کر لیں گی ہم اتنا ہی آپ کے احسان مند ہوں گے۔"

"اگر آپ کو اتنی ہی جلدی ہے تو بھلا ہمیں انکار کی کیا مجال ہو سکتی ہے۔ آپ ہی کی بچی ہے' ابھی ساتھ لے جائیے۔"

بیگم سجاد اور شاکرہ خاتون میں بہت دیر تک دبی زبان میں منصور اور ناہید کے رشتے

کی باتیں ہوتی رہیں۔ بوا سروری بیگم سجاد کے اشارے پر مٹھائی کی ٹوکری اٹھا کر اندر چلی گئیں تو شاکرہ خاتون نے کہا۔

"بہن! جب آپ اسے اپنا ہی گھر سمجھتی ہیں تو پھر اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟"

"یہ تکلف نہیں' ہمارے بزرگوں کی رسمیں ہیں بہن! میں خالی ہاتھ آتی تو بدشگونی ہوتی۔" بیگم سجاد نے رسمی طور پر جواب دیا پھر کھل کر بولیں۔ "میں چاہتی ہوں کہ اگر آپ عید کے چاند میں منصور کو اپنی فرزندی میں لینا قبول کر لیں تو ذرہ نوازی ہو گی۔"

"اگر آپ کا یہی اصرار ہے تو میں ناہید کے والد سے مشورہ کر کے حامد بھائی کے ذریعے آپ کو جواب سے مطلع کر دوں گی۔"

"میں ایک درخواست اور کروں گی بہن! میں نے آپ سے صرف ناہید بیٹی مانگی ہے اس لئے آپ زیر بار ہونے کی تکلیف نہ کیجئے گا۔ ہمارے پاس خدا کا دیا بہت کچھ ہے' پھر لڑکی کی اپنی قسمت' اپنا نصیب ہوتا ہے۔"

"آپ بجا فرما رہی ہیں لیکن لڑکی کے والدین کو دنیا دکھاوے کے لئے کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی پڑتا ہے' بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بیٹی کو اُس کے گھر سے خالی ہاتھوں رخصت کر دیا جائے۔"

"میں چاہتی ہوں کہ اگر بات پکی ہو جائے تو عزیزداروں کو بھی اطلاع کر دی جائے۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "عید کے چاند میں صرف دو مہینے باقی ہیں' عین وقت پر اگر لوگوں کو دعوت نامے بھیجے جائیں تو بات کچھ عجیب سی لگتی ہے۔"

"ہم آپ کو مایوس نہیں کریں گے بہن!" شاکرہ خاتون نے اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "رہا تاریخ کا مسئلہ تو یہ بزرگوں کے مشورے کے بعد ہی طے ہو سکے گا۔"

"میری درخواست ہے کہ اگر فی الحال آپ عید کے چاند کی بات طے کر لیں تو میرے دل کو اطمینان ہو جائے گا۔" بیگم سجاد نے اصرار کیا۔ "تاریخ بعد میں طے ہوتی رہے گی۔"

"آپ اطمینان رکھیں بہن! میں پوری کوشش کروں گی کہ جو آپ چاہتی ہیں وہی ہو لیکن ناہید کے والد سے مشورہ کئے بغیر میں کوئی آخری بات زبان تک نہیں لا سکتی۔"

"نہایت مناسب بات کہی آپ نے۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "میں دو چار روز بعد آپ کا جواب سننے کے لئے حاضر ہو جاؤں گی۔"

"آپ کا اپنا گھر ہے' جب چاہیں بڑے شوق سے تشریف لائیں۔" شاکرہ خاتون نے مسکراتے ہوئے جواب دیا پھر ناہید کو آواز دے کر چائے لانے کو کہا تو بیگم سجاد نے اخلاقاً کہا۔

"آپ بلاوجہ تکلف کر رہی ہیں' اس وقت چائے وغیرہ کی کوئی خواہش بھی نہیں ہو رہی ہے۔"

"میری خاطر نہ سہی' اپنی بیٹی ہی کی خاطر اگر آپ نے ایک پیالی چائے پی لی تو اسے بھی میں عزت افزائی سمجھوں گی۔"

"آپ نے ایسی بات کہہ دی ہے کہ میں انکار کی جرأت بھی نہیں کر سکتی۔"

اسی وقت ناہید چائے کی ٹرالی لئے اندر داخل ہوئی' اُس نے بڑے ادب سے بیگم سجاد کو سلام کیا' بیگم سجاد نے اسے ڈھیر ساری دعائیں دیں پھر بڑی والہانہ نظروں سے اپنی ہونے والی بہو کو دیکھنے لگیں جو اس وقت آسمانی رنگ کے سادہ شلوار سوٹ میں آسمان ہی سے اُتری ہوئی جنت کی حور لگ رہی تھی۔ بوا سروری بھی ناہید کے پیچھے کمرے میں داخل ہوئی تھیں' ناہید چائے بنانے کے لئے جھکی تو بیگم سجاد نے بوا سروری کو چائے بنانے کا حکم دیا اور ناہید کو بڑے پیار سے بلا کر اپنے پاس بٹھا لیا۔ شاکرہ خاتون بھی بیٹی کو پیار بھری نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"خدا اس کی عمر دراز کرے۔" بیگم سجاد نے بڑی اپنائیت سے ناہید کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "بڑی پیاری اور سلیقہ مند بچی ہے۔"

"آپ اگر اپنی بیٹی کی تعریف نہ کریں گی تو پھر کون کرے گا۔" شاکرہ خاتون مسکرا کر بولیں۔ "مجھے تو اس میں تعریف کے قابل ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی۔"

"آپ نے شاید اُسے کبھی میری نگاہوں سے نہیں دیکھا۔" بیگم سجاد نے بڑی خوبصورت بات کہی تھی۔

ناہید سر جھکائے خاموش بیٹھی بیگم سجاد اور شاکرہ خاتون کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہی تھی۔ بیگم سجاد کے پاس بیٹھ کر اُسے کسی غیریت کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ کتنے خلوص اور کس قدر اپنائیت سے انہوں نے اسے اپنی بیٹی کہا تھا۔ ذرا بھی تصنع اور بناوٹ نہیں تھی اُن کے لہجے میں' کیسی پُروقار خاتون تھیں۔ ناہید کا دل چاہ رہا تھا کہ اُن کے پاس بیٹھی اُن سے گھل مل کر باتیں کرتی رہے لیکن شرم مانع تھی' رشتے کی نوعیت کے احساس نے اُس کی معصوم زبان پر تالے ڈال رکھے تھے' حیا نے اُس کے لب سی رکھے تھے۔

بوا سروری نے چائے بنا کر پیش کی تو بیگم سجاد نے اپنی پیالی ناہید کی طرف بڑھا دی' وہ انکار نہ کر سکی' پلکیں اٹھا کر تشکرانہ نگاہوں سے بیگم سجاد کو دیکھا پھر کانپتے ہوئے ہاتھوں سے پیالی تھام لی' بیگم سجاد کے پُرخلوص رویے پر اُس کی روح گنگنا اٹھی تھی۔ پیالی لیتے ہوئے اُس کی خوبصورت کلائی میں پڑی ہوئی چوڑیوں کی کھنک اُبھری تو اُس نے جلدی سے شرما کر نظریں جھکا لیں۔ بیگم سجاد دوبارہ شاکرہ خاتون سے گفتگو کرنے لگیں لیکن بوا سروری پلکیں جھپکائے بغیر ایک ٹک ناہید کو دیکھے جا رہی تھیں۔

بیگم سجاد چائے پی چکیں تو ناہید نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر خالی پیالی اُن سے لی اور ٹرالی میں رکھ دی۔

"دیکھا بہن آپ نے۔" بیگم سجاد نے شاکرہ خاتون سے کہا۔ "میری بیٹی کو میرا کتنا خیال ہے۔"

"اب اتنی تعریف بھی نہ کیجئے کہ اُس کے پیر زمین پر نہ ٹکیں۔" شاکرہ خاتون نے مسکرا کر جواب دیا۔

"چاند کی تعریف نہ کی جائے جب بھی اُس کی ٹھنڈی کرنیں گھروں کو منور کرتی رہتی ہیں۔" بیگم سجاد نے بڑی خوبصورت مثال دی پھر صوفے سے اپنا پرس اٹھا کر اُس میں سے ایک لمبا مخملی پیکٹ نکالا اور ناہید کو مخاطب کرتے ہوئے نہایت پیار سے بولیں۔

"بیٹی ذرا اپنا ہاتھ تو ادھر کرنا۔"

ناہید نے پلکیں اٹھا کر ماں کی جانب دیکھا لیکن قبل اس کے کہ شاکرہ خاتون کچھ کہتیں بیگم سجاد بولیں۔

"بیٹی کیا تم مجھے اپنی ماں تسلیم نہیں کرتیں' اگر سمجھتی ہو تو لاؤ اپنا ہاتھ۔"

ناہید نے خاموشی سے اپنا ہاتھ بیگم سجاد کے سامنے کر دیا۔ نہ جانے کیا بات تھی کہ وہ اُن کی بات سے انکار نہیں کر سکی تھی۔ بیگم سجاد نے مخملی پیکٹ کھول کر اُس سے نہایت قیمتی اور جھلملاتی ہوئی زنانی گھڑی نکالی اور اپنے ہاتھ سے ناہید کی کلائی پر باندھنے لگیں تو شاکرہ خاتون نے دبی زبان میں کہا۔

"بہن! اب آپ کچھ زیادہ ہی تکلف سے کام لے رہی ہیں۔"

"مجھے یقین تھا کہ آپ کو میری یہ جسارت ناگوار گزرے گی لیکن خدا گواہ ہے کہ میں نے یہ گھڑی کسی اور نیت سے نہیں بلکہ ناہید بیٹی کو اپنی ہی بچی سمجھ کر بطور تحفہ دی ہے۔" بیگم سجاد بڑے خلوص سے بولیں۔ "پھر بھی اگر آپ کو میری دل شکنی منظور ہو

تو اور بات ہے۔"

"میں نے کب کہا بہن! کہ یہ آپ کی بچی نہیں ہے لیکن اتنا قیمتی تحفہ دینے کی کیا ضرورت تھی؟"

"جو تحفہ خلوص اور محبت کے جذبوں سے دیا جائے اُس کی قیمت کا اندازہ نہیں لگانا چاہئے۔" بیگم سجاد نے کچھ ایسے انداز میں یہ بات کہی تھی کہ شاکرہ خاتون لاجواب ہو گئیں۔

کچھ دیر بعد بیگم سجاد جانے کے ارادے سے اٹھیں تو ناہید اور شاکرہ خاتون بھی کھڑی ہو گئیں' بیگم سجاد نے ناہید کو لپٹا کر اُس کی پیشانی چومی پھر شاکرہ خاتون سے اپنی درخواست پر غور کرنے کی تاکید کرتی ہوئی باہر جا کر گاڑی میں بیٹھ گئیں۔

☆======☆======☆

بیرسٹر سجاد علی کی موت نے افتخار احمد کے راستے کا سب سے بڑا کانٹا دور کر دیا تھا۔ سجاد علی کی زندگی میں بیرسٹر افتخار احمد کو عدالتوں میں وہ کامیابی کبھی نصیب نہ ہوئی تھی جو اُن کے مرنے کے بعد حاصل ہوئی تھی۔ سجاد علی کی موت کے بعد اب قانونی میدان میں اُن کا کوئی حریف نہیں رہا تھا اور یہی وجہ تھی کہ افتخار احمد نے اپنے حریف کی موت کے بعد اپنی فیس میں بھی اضافہ کر دیا تھا اور دونوں ہاتھوں سے اپنے مؤکلوں سے منہ مانگی رقم وصول کر رہے تھے۔

نازلی بیرسٹر افتخار احمد کی اکلوتی لڑکی تھی۔ اُس نے جس ماحول میں تربیت حاصل کی تھی وہ انتہائی آزاد اور مغرب زدہ تھا۔ والدین کی جانب سے اسے کبھی کسی معاملے میں روک ٹوک نہیں کی گئی تھی اس لئے نازلی بے حد خودسر اور بے باک ہو گئی تھی۔ کونونٹ کی تعلیم نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی۔ لڑکوں کے ساتھ آزادی سے گھومنا پھرنا اور سیر و تفریح کرنا اُس کے نزدیک کوئی معیوب بات نہیں تھی۔ قدرت نے اُسے حُسن کی دولت سے بھی نوازا تھا اس لئے اُس کے اندر غرورِ حُسن اور تکبر کا احساس بھی دوچند ہو گیا تھا۔

نازلی کا اپنا حلقۂ احباب بھی خاصا وسیع تھا اس کے ساتھ وہ والدین کے حلقۂ احباب میں بھی بڑی آزادی کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی تھی اور سب سے بے تکلفانہ گفتگو کرنے کی عادی تھی' اس کے پرستاروں کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی لیکن نازلی نے ابھی تک کسی کو اپنے شریک حیات کی حیثیت سے پسند نہیں کیا تھا۔ اُس کے نزدیک ایک اچھے شوہر کا

معیار صرف یہ تھا کہ وہ بے پناہ دولت کا مالک ہو' آزاد خیال ہو اور بیوی کی آزادی میں کبھی مخل نہ ہو بلکہ اُس کے اشاروں پر چلنے کا عادی ہو اور یہی وجہ تھی کہ وہ اب تک سارے اچھے اور مناسب رشتوں کو بیک جنبش پلک مسترد کر چکی تھی۔ شریک حیات کو پسند کرنے میں اُسے والدین کی طرف سے مکمل آزادی حاصل تھی اس لئے نازلی اپنے معاملات میں کچھ زیادہ ہی آزاد خیال ہو گئی تھی۔

منصور کے سلسلے میں بھی اُس نے اپنے باپ سے کھل کر بات کی تھی۔ پھر جب اُسے اس بات کا علم ہوا کہ منصور بیرسٹر سجاد علی مرحوم کا لڑکا ہے اور کروڑوں کی جائداد کا مالک ہے تو اُس نے منصور میں دلچسپی لینی شروع کر دی اور بہت جلد بھولے بھالے منصور کو اپنی زلف گرہ گیر کا اسیر کر لیا۔ اُس نے منصور کے اندر وہ تمام خوبیاں محسوس کی تھیں جو اپنے ہونے والے شوہر کے اندر دیکھنا چاہتی تھی۔ منصور خوبصورت بھی تھے' معصوم بھی تھے اور دولت مند بھی اور نازلی نے منصور کو اپنے مستقبل کا ساتھی سمجھ کر ہزاروں خواب دیکھ ڈالے تھے لیکن جب منصور نے اُسے فون پر بتایا کہ اس کی ماں نے اُس کا رشتہ اُس کی مرضی کے خلاف کہیں اور طے کر دیا ہے تو نازلی کو اپنے مستقبل کے سارے خواب ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہوتے نظر آنے لگے۔ اُسے منصور سے متعلق کوئی محبت اور کوئی والہانہ لگاؤ نہیں تھا اس لئے منصور کو ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر نہ تو اُس کے دل پر جدائی کے احساس سے کوئی چوٹ لگی نہ ہی اُس نے آنسو بہائے بلکہ اپنی تضحیک کے احساس سے تلملا اٹھی۔ زندگی میں یہ پہلا موڑ تھا جہاں نازلی کو اپنی شکست کا احساس ہوا تھا اور اسی احساس نے اُسے چوٹ کھائی ہوئی زہریلی ناگن کی طرح پھر اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس وقت بھی وہ اپنے خوبصورت کمرے میں بیٹھی منصور سے انتقام لینے کے منصوبے بنا رہی تھی۔ جب بیرسٹر افتخار احمد دبے قدموں وہاں داخل ہوئے تھے' نازلی نے باپ کو دیکھا بپھر کر اٹھی اور انتہائی حقارت بھرے لہجے میں منصور سے فون پر ہونے والی گفتگو دہرا دی' افتخار احمد قانون کے پرانے اور جہاندیدہ کھلاڑی تھے۔ اب تک ہزاروں گتھیاں سلجھا چکے تھے لیکن منصور کے سلسلے میں اُن کی سوچ کا انداز عام مقدمات سے مختلف تھا۔ مرحوم سجاد علی کی طرف سے اُن کے دل میں جو کینہ اور بغض موجود تھا' وہ سجاد علی کی موت کے بعد بھی ختم نہیں ہوا تھا۔ سجاد علی کی زندگی میں انہیں اُن کے مقابلے میں ہمیشہ قانونی معاملات میں شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن وہ اپنے دشمن کی اولاد کے سلسلے میں اپنی شکست قبول کرنے کو تیار نہ ہو سکے۔ نازلی کو انہوں نے از خود منصور کی

جانب راغب کیا تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ اگر کسی طرح نازلی اور منصور کا رشتہ طے ہو جائے تو نہ صرف سجاد علی مرحوم کی بے پناہ دولت اُن کی بیٹی کے حصے میں آ جائے گی بلکہ وہ بیگم سجاد علی کو بھی نیچا دکھانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

نازلی نے منصور کے سلسلے میں جو تفصیل بیان کی اُسے سن کر ایک لمحے کو بیرسٹر افتخار احمد گنگ ہو گئے لیکن انہوں نے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کیا' خاموش کھڑے بگڑے ہوئے حالات پر غور کرتے رہے' معاملے کو مختلف زاویوں سے پرکھتے رہے پھر بڑے غور و خوض کے بعد بولے۔

"نازلی بیٹی! تمہیں منصور کی والدہ کے سلسلے میں اتنی تلخ بات نہیں کہنی چاہئے تھی۔"

"کیوں نہیں کہنی چاہئے تھی۔" نازلی غصے سے بولی۔ "میں کیا اس کا دیا کھاتی ہوں جو اُس کا خیال کرتی۔"

"پھر بھی ..... منصور کو اپنانے سے پیشتر تمہیں مصلحت سے کام لینا چاہئے تھا۔" افتخار احمد نے بیٹی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ایک بار منصور تمہارے ہو جاتے تو پھر تمہیں کسی سے دبنے کی ضرورت نہیں تھی۔"

"مجھے اب بھی کسی سے دبنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" نازلی نے تیزی سے کہا۔ "منصور اگر بُرا مانتا ہے تو مانا کرے۔ میری جوتی سے۔"

"عقلمندی سے کام لو نازلی!" افتخار احمد نے کہا۔ "تمہیں اس بات کا خیال بھی رکھنا چاہئے کہ منصور ہمارے دیرینہ دشمن کا لڑکا ہے اور دشمن سے انتقام لیتے وقت ہمیں مصلحتوں کو پیش نظر رکھنا چاہئے' رہا منصور کا معاملہ تو وہ اپنی ماں کا بے حد احترام کرتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انتہائی سیدھا سادا اور احمق نوجوان بھی ہے اور تمہارے لئے ہر اعتبار سے مناسب ہے۔ میری خواہش ہے کہ تم اُسے کسی طرح سمجھا بجھا کر اپنے حق میں ہموار کر لو' اس کے بعد تمہیں اس پر پورا اختیار ہو گا۔"

"اوہ پاپا! آپ کیا چاہتے ہیں؟ کیا میں اُس کے سامنے جا کر اُس سے معافی طلب کر لوں۔" نازلی تلملا کر بولی۔

"یہ کون کہتا ہے کہ تم اس حرامزادے سے معافی مانگو۔" افتخار احمد غصے سے بولے' پھر حالات کے پیش نظر نرم آواز میں کہنے لگے۔ "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم منصور کو یہ باور کرانے کی کوشش کرو کہ تم نے اُس کی ماں کے سلسلے میں جو کچھ کہا تھا وہ محض

جذباتی بات تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر تم کوشش کرو تو منصور بآسانی تمہارا ہو سکتا ہے۔ اُس کی دولت تمہارے مستقبل کے خوابوں کو پورا کر سکتی ہے اور اُسے اپنے قبضے میں کرنے کے بعد تم اگر چاہو تو اس سے اپنی تضحیک کا انتقام بھی لے سکتی ہو۔"

"یو آر رائٹ پاپا!" نازلی نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "میں منصور سے اپنی بے عزتی کا انتقام ضرور لوں گی۔ اُسے اپنانے کے بعد ایسا تڑپاؤں گی کہ وہ تمام زندگی سکون کا سانس نہ لے سکے گا۔"

"میں بھی یہی چاہتا ہوں نازلی بیٹی کہ تم اس وقت جذبات سے کام لینے کے بجائے دوراندیشی کو ملحوظ خاطر رکھو۔"

افتخار احمد بیٹی کو سمجھا بجھا کر چلے گئے تو نازلی نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کئے اور اپنی گاڑی پر بیٹھ کر اُس کلب کی سمت روانہ ہو گئی جہاں منصور ٹینس کھیلنے جایا کرتے تھے' راستے بھر وہ منصور کو اپنے حق میں دوبارہ ہموار کرنے کے منصوبے بناتی رہی اس نے طے کر لیا تھا کہ منصور سے ایسا بھرپور انتقام لے گی کہ وہ تمام زندگی کانٹوں پر تڑپتا رہے گا' یوں بھی اُسے منصور سے زیادہ اُس کی بے پناہ دولت سے پیار تھا جسے وہ اپنے خوابوں کی تکمیل کی خاطر ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتی تھی۔

منصور اس وقت کلب کی کینٹین کے وسیع لان پر ایک میز پر بیٹھے اپنے ایک دوست سے باتوں میں مصروف تھے' جب انہوں نے نازلی کی گاڑی کو رکتے دیکھا' نازلی نے اُن کی ماں کی شان میں جو نازیبا جملہ کہا تھا اُس کا منصور کو قلق ضرور تھا لیکن اس کے باوجود نازلی کو ابھی تک یکسر فراموش نہیں کر سکے تھے' نازلی کے ساتھ گزارے ہوئے حسین لمحوں کی یادیں ابھی تک اُن کے دل و دماغ پر نقش تھیں۔ انہوں نے نازلی کے ساتھ محبت کے عہد و پیمان باندھے تھے' اُس سے شادی کا وعدہ کیا تھا اور آئندہ زندگی کے لئے منصوبے بنائے تھے لیکن ماں کے احترام نے منصور کو اپنی محبت کا گلا گھونٹنے پر مجبور کر دیا تھا' وہ ماں کے حکم سے سرتابی کی جرأت نہیں کر سکے تھے' جس ماں نے انہیں پال پوس کر جوان کیا تھا وہ اُس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتے تھے لیکن نازلی کی محبت کو فراموش کرنا بھی اُن کے بس کی بات نہیں تھی' نازلی جس انداز میں دبے قدموں اُن کی زندگی میں داخل ہو کر اُن کے دل و دماغ پر چھاتی چلی گئی وہ اتنا بھرپور تھا کہ منصور اُسے اپنی زندگی کا ایک اہم حصہ سمجھ بیٹھے تھے۔ انہیں ماں کے اچانک فیصلے پر دُکھ ہوا تھا۔ وہ اپنے غموں کو نازلی کے ساتھ مل کر بانٹنا چاہتے تھے لیکن نازلی کے تلخ جملوں نے انہیں تڑپ اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا

اور.....

اور اس وقت بھی جب نازلی اپنی گاڑی سے اتر کر اُن کی میز کی طرف آنے لگی تو منصور کے دل کی حالت دگرگوں ہونے لگی۔ وہ منصور کی محبت تھی' اُن کی تمنا تھی' ان کا ایک حسین خواب تھی جسے ماں کے فیصلے نے شرمندۂ تعبیر ہونے سے روک دیا تھا لیکن وہی حسین خواب اس وقت جیتی جاگتی صورت میں اُن کے سامنے موجود تھا اور منصور اس خواب کو دیکھ کر ایک بار پھر تڑپ اٹھے تھے۔

"منصور!" نازلی نے میز کے قریب پہنچ کر دبی زبان میں کہا۔ "مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

"آؤ نازلی! بیٹھو۔" منصور نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

نازلی نظریں جھکا کر بیٹھ گئی تو منصور کے دوست اُس کی اجازت لے کر اٹھ گئے۔ منصور کی نگاہیں نازلی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور نازلی اپنی دراز پلکیں آنکھوں پر چلمن کئے خاموش بیٹھی اپنے خیالوں میں گم تھی' بہت دیر تک دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی' پھر منصور نے پہل کی' آہستہ سے ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولے۔

"چپ چپ کیوں ہو نازلی! کچھ باتیں کرو۔"

"میں تم سے معذرت کرنے کے لئے آئی ہوں منصور!" نازلی نے منصور کو دیکھتے ہوئے شرمندہ لہجے میں کہا۔ "مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہے کہ میں جذبات کی رو میں بہہ کر فون پر کچھ نازیبا جملے کہہ گئی تھی۔"

"نازلی!" منصور نازلی کے احساس ندامت پر پھر تڑپ اٹھے۔

"ہاں منصور!" نازلی نے اپنے دل پر جبر کرتے ہوئے بڑے بھولپن سے کہا۔ "تمہارے سہارے نے مجھے بیباک کر دیا تھا لیکن میں پھر بھی شرمندہ ہوں۔ مجھے اپنی غلطی کا احساس ہے ..... کیا تم اپنی نازلی کو معاف نہیں کرو گے؟"

"نازلی!" منصور تڑپ کر بولے۔ "میں تم سے خفا نہیں ہوں البتہ تمہارے جملوں نے میرا سکون ضرور برباد کر دیا تھا۔"

"خواب اگر ٹوٹ جائیں تو انسان خود پر قابو نہیں پا سکتا۔ میں ایک بار پھر تم سے....."

"نہیں نازلی نہیں۔" منصور جلدی سے بولے۔ "مجھے اور زیادہ شرمندہ نہ کرو' خدا گواہ ہے کہ میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہو گیا ..... میں ..... میں تو تمہیں

اپنی مجبوریوں کی داستان سنا کر اپنا غم بانٹنا چاہتا تھا ..... حالات نے مجھے بے بس کر دیا ہے نازلی! میں ماں کے حکم سے انکار نہیں کر سکا۔"

"میں تمہاری کیفیت سے واقف ہوں منصور لیکن تم ہی بتاؤ کہ اس میں میرا کیا قصور ہے ..... میں اپنا دکھڑا کسے سناؤں' کس سے کہوں کہ نازلی کے معصوم خواب ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئے ہیں اور....." نازلی کی پلکوں کے گوشے بھیگے تو منصور کے دل پر چوٹ سی لگی' تڑپ کر بولے۔

"مجھے اپنی بزدلی کا احساس ہے لیکن اگر میں نے ماں کے حکم سے سرتابی کی تو ماں کا کلیجہ پھٹ جائے گا اور اگر ماں کو کچھ ہو گیا تو نازلی میں بھی زندگی میں کبھی خوش نہ رہ سکوں گا' میرا ضمیر تا زیست مجھے کچوکے لگاتا رہے گا۔ حیات کا ایک ایک لمحہ میرے لئے عذابِ جان بن جائے گا۔"

"منصور!" نازلی نے منصور کے دل پر نشتر لگانے کے لئے اپنی بھرپور اداکارانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے بڑے اداس لہجے میں کہا۔ "میں اس وقت تمہیں اپنی محرومیوں کا احساس دلا کر بغاوت پر اکسانے نہیں آئی ہوں۔ میرے لئے صرف یہ احساس ہی بہت ہے کہ تم اب بھی مجھ سے محبت کرتے ہو' میں اس احساس کے سہارے ہی اپنی زندگی گزار لوں گی لیکن تمہیں اداس اور ملول دیکھنا مجھے گوارا نہیں۔ اس لئے میرا مشورہ ہے کہ تم اپنی ماں کی مرضی کے مطابق اپنی زندگی آباد کرو' میں کوشش کروں گی کہ تمہارے راستے سے ہٹ کر کہیں دور چلی جاؤں۔"

"ایسا مت کرنا نازلی!" منصور نے جذباتی انداز میں کہا۔ "اگر تم میری نگاہوں سے دور چلی گئیں تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔"

"تم مرد ہو کر ایسا کہہ رہے ہو منصور! مجھے دیکھو' میں عورت ہو کر بھی تم سے صرف تمہاری خوشیاں مانگ رہی ہوں' اپنی بربادی کا کوئی شکوہ نہیں کر رہی۔"

"مجھے تمہاری بے بسی اور مجبوریوں کا احساس بھی ہے نازلی! لیکن حالات نے ہمارے درمیان ایک خلیج پیدا کر دی ہے۔"

"مجھے اس کا اندازہ پہلے ہی سے تھا منصور!" نازلی نے نہایت معصومیت سے کہا۔ "میں جانتی تھی کہ تمہاری امی آزادی کو ناپسند کرتی ہیں لیکن میں نے سوچا تھا کہ تمہاری خاطر میں اپنی روش' اپنی آزادی اور اپنے راستے بدل ڈالوں گی مگر افسوس کہ حالات نے مجھے اس کا موقع نہیں دیا۔"

"نازلی!" منصور نے نازلی کی باتوں سے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ ممکن نہیں کہ ہم ہمیشہ دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے ملتے رہیں۔"

"نہیں منصور! یہ نامناسب ہو گا۔" نازلی بڑی حسرت سے بولی۔ "عورت سب کچھ برداشت کر سکتی ہے لیکن یہ کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتی کہ اُس کا شوہر کسی اور عورت میں دلچسپی لے۔ میں بھی ایک عورت ہوں' دوسری عورت پر ظلم نہیں کر سکتی۔"

"صرف جسموں کا ملاپ تو محبت کی معراج نہیں ہوتا نازلی!" منصور نے تیزی سے کہا۔ "دوستی کا رشتہ تو تمام رشتوں سے مقدس اور برتر ہوتا ہے۔"

"یہ تم آج کہہ رہے ہو منصور لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کل حالات کوئی ایسا نیا رخ اختیار کر لیں کہ ہم دوست ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے دور رہنے پر مجبور ہو جائیں۔" نازلی نے ایک سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ "تمہاری امی تمہاری دوستی پر بھی پہرے بٹھا سکتی ہیں۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو نازلی!" منصور ہاتھ ملتے ہوئے بولے۔ "میں امی کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کر سکتا لیکن اس وقت کا انتظار تو ضرور کر سکتا ہوں جب ہمارے درمیان بندشوں کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہے۔"

"جذبات کی رو میں بہہ کر کوئی فیصلے مت کرو منصور! ہمارے لئے یہ احساس ہی بہت ہے کہ ہم ایک دوسرے سے روحانی طور پر وابستہ ہیں' وقت اور حالات نے تمہیں ضرور بے بس کر دیا ہے لیکن میرے اوپر ایسی کوئی بندش عائد نہیں کی جا سکتی' میں تم سے عہد کرتی ہوں منصور کہ ہمیشہ تمہاری رہوں گی اور صرف تمہاری محبت کے سہارے اپنی تمام زندگی گزار دوں گی' دنیا کی کوئی طاقت مجھے میرے ارادے سے باز نہیں رکھ سکے گی۔"

"نازلی!" منصور کی آواز کانپ رہی تھی۔ "میں کوشش کروں گا کہ بگڑے ہوئے حالات کو سنوار سکوں' امید پر دنیا قائم ہے' کیا عجب ہے کہ امی حضور کی رائے ہمارے حق میں ہموار ہو جائے۔"

"ریت کی بنیادوں پر خوشیوں کے تاج محل تعمیر نہیں کئے جاتے منصور! پھر بھی نازلی تمہارے ساتھ ہے لیکن صرف اس وقت تک جب تک تم آزاد ہو' جس روز تمہاری شادی ہو گئی' ہمارے راستے علیحدہ ہو جائیں گے۔"

"اور جس روز میری شادی ہوئی وہ دن میری خوشیوں کا آخری دن ہو گا۔" منصور بڑے کرب سے بولے۔ "تمہاری جدائی کا تصور مجھے زندہ درگور کر دے گا۔"

"مجھ سے ایک آخری وعدہ کرو منصور!" نازلی نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔ "جب تک تمہاری شادی نہیں ہو جاتی تم مجھ سے روز ملتے رہو گے' میرے لئے یہ لمحات ہی زندگی کا بہترین سرمایہ ہوں گے۔ پھر کیا ہو گا..... اس کا جواب وقت کے سوا کون دے سکتا ہے۔"

نازلی کے لہجے میں کچھ ایسا درد' ایسی کسک تھی کہ منصور تڑپ اٹھے اور نازلی سے وعدہ کر بیٹھے کہ وہ اس سے روزانہ ملتے رہیں گے' بہت دیر تک دونوں خاموش بیٹھے ایک دوسرے سے نگاہوں کی زبانی باتیں کرتے رہے پھر نازلی نے اجازت لی اور منصور کو حسرت بھری نگاہوں سے تکتی ہوئی اپنی گاڑی میں جا کر بیٹھ گئی۔ منصور اُس کے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک افسردہ رہے لیکن نازلی' اُس نے کلب کے احاطے سے باہر نکلتے ہی منصور کے خیال کو بڑی حقارت سے اپنے ذہن سے نکال پھینکا تھا۔

☆======☆======☆

شیخ حامد حسین کے ہاں آج خاصی گہما گہمی نظر آ رہی ہے۔ قصرِ حامد کے وسیع لان پر سلیقے سے سجے ہوئے صوفے اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ آج وہاں کچھ خاص مہمانوں کو مدعو کیا گیا ہے۔ نجمہ بیگم سرِشام ہی سے ملازموں کے پیچھے لگی ہوئی ہیں اور ایک ایک انتظام کا بنفس نفیس جائزہ لیتی پھر رہی ہیں' نرجس اندر زنان خانے میں مصروف کار ہے لیکن اس بات کا علم اُسے بھی نہیں ہے کہ آنے والے مہمان کون ہیں۔ ماں سے اُس نے اس سلسلے میں کوئی استفسار اس لئے مناسب نہیں سمجھا کہ قصرِ حامد میں اس قسم کی مہمان نوازیوں کا سلسلہ بڑا عام ہو چکا ہے۔

نجمہ بیگم باہر کے انتظامات کا آخری جائزہ لے کر اندر آئیں تو نرجس بوا کریمن کے ساتھ نشست گاہ کی صفائی میں مصروف تھی۔ نجمہ بیگم نے کمرے پر ایک طائرانہ نظر ڈالی پھر بیٹی سے پوچھا۔ "تمہارے ڈیڈی کا کوئی فون تو نہیں آیا۔"

"جی نہیں۔" نرجس نے کہا۔ "ابو کا فون تو نہیں آیا البتہ بھائی جان کا فون آیا تھا۔ کہہ رہے تھے کہ آج اُن کی واپسی ذرا دیر سے ہو گی۔"

"وہ دیر سے آئے گا تو کیا مہمان یہاں آ کر در و دیوار سے سر ٹکرائیں گے۔" نجمہ بیگم جھلا کر بولیں۔ "کب کیا تھا اس نے فون؟"

"دس منٹ پہلے۔" نرجس نے آہستہ سے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے کہ ابھی دفتر ہی میں ہوں گے۔"

نجمہ بیگم بیٹی کی بات سن کر تیزی سے فون کی طرف لپکیں پھر بیٹے کو فون کر کے جلدی واپس آنے کی تاکید کی اس کے بعد اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ نرجس بدستور اپنے کام میں منہمک تھی کہ باہر سے باپ کی گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی' کام چھوڑ کر وہ باہر آئی تو ناہید کو گاڑی سے اترتا دیکھ کر تیزی سے لپکی' ناہید کے ساتھ شاکرہ خاتون بھی تھیں' نرجس نے قریب جا کر بڑے ادب سے شاکرہ خاتون کو سلام کیا پھر ناہید سے بغلگیر ہوتے ہوئے کہا۔

"اللہ' ناہید باجی! میں کتنے دنوں سے آپ کو یاد کر رہی تھی۔"

"سچ۔" ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا پھر بڑے پیار سے پوچھا۔ "اور سناؤ' امتحان سے چھٹکارا مل گیا۔"

"جی ہاں۔" نرجس نے بُرا سا منہ بنا کر جواب دیا۔ "کسی نہ کسی طرح گلوخلاصی نصیب ہو گئی۔"

"پرچے کیسے ہوئے؟"

"اپنی طرف سے تو پوری کوشش ہے کہ سال ضائع نہ ہو ..... آگے جو خدا کو منظور ہو۔"

"نرجس بیٹی! کیا یہیں کھڑے کھڑے گفتگو کرنے کا ارادہ ہے۔" حامد حسین نے مسکرا کر بیٹی کو مخاطب کیا۔ پھر شاکرہ خاتون کو لے کر اندر آ گئے' نرجس بہت دنوں بعد ناہید سے ملی تھی اس لئے اُسے کمرے میں لے آئی۔

خلاف توقع آج نجمہ بیگم بھی جٹھانی سے بڑے تپاک سے ملیں' کچھ دیر تک رسمی باتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر نجمہ بیگم نے چونکتے ہوئے شوہر سے پوچھا۔

"کیا الطاف بھائی تشریف نہیں لائے۔"

"خدا کا شکر ہے کہ آپ کو خاکسار کے بھائی کا خیال آ گیا۔" حامد حسین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "بھائی صاحب کو دفتر میں کچھ ضروری کام درپیش ہے۔ بہرحال انہوں نے وعدہ کر لیا ہے کہ دفتر سے اٹھ کر سیدھے اِدھر ہی آئیں گے۔"

"حامد بھائی! اب تو بتا دیجئے کہ یہ تقریب کس سلسلے کی کڑی ہے؟" شاکرہ خاتون نے دیور سے پوچھا۔

"قطعاً نہیں۔" حامد حسین نے بڑی سنجیدگی سے بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "میری کیا مجال ہے کہ بیگم کے مشورے کے بغیر زبان کھول سکوں۔"

"بس رہنے بھی دیجئے حامد بھائی!" شاکرہ خاتون نے جلدی سے نجمہ بیگم کی حمایت لیتے ہوئے کہا۔ "آپ تو بلاوجہ ہماری نجمہ کو بدنام کرتے ہیں۔"

"بات بدنام کرنے کی نہیں ہے بھابی صاحبہ! فرمانبرداری کی ہے۔" حامد حسین مسکرا کر بولے۔ "آپ تو جانتی ہی ہیں کہ میں ذرا خاکسار قسم کا شوہر واقع ہوا ہوں اس لئے جب تک بیگم کی اجازت نہ حاصل ہو جائے زبان کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔"

"تو کیا میں نے آپ کو منع کیا تھا کہ آپ بھابی صاحبہ کو بھی کچھ نہ بتائیں۔" نجمہ بیگم نے شوہر کو گھورا۔

"منع تو خیر نہیں کیا تھا لیکن اس بات کی تاکید ضرور کی تھی کہ فی الحال اس تقریب کو صیغۂ راز میں رکھا جائے۔"

"وہ تو میں نے اوروں کے سلسلے میں ایک بات کہی تھی۔" نجمہ بیگم بولیں۔ "بھابی صاحبہ کا شمار تو بزرگوں میں ہوتا ہے' اُن کے مشورے کے بغیر تو کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔"

"اگر یہ بات ہے تو آپ یہاں بیٹھ کر بھابی صاحبہ سے ضروری مشورے کیجئے' میں ذرا باہر کے انتظامات دیکھ لوں۔" حامد حسین یہ کہتے ہوئے اٹھ کر باہر چلے گئے تو نجمہ بیگم نے جٹھانی سے پوچھا۔

"کیا واقعی انہوں نے آپ کو کچھ نہیں بتایا۔"

"ممکن ہے کوئی ایسی بات ہو جو حامد بھائی نے ناہید کی موجودگی میں بتانی مناسب نہ سمجھی ہو۔" شاکرہ خاتون نے بڑی خوبصورتی سے بات بناتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا ناہید بھی آئی ہے؟"

"جی ہاں ..... نرجس اُسے اپنے کمرے میں لے گئی ہے۔" شاکرہ خاتون بولیں۔ "خدا دونوں کا بہناپا سلامت رکھے۔ جب بھی ملتی ہیں ایسا ٹوٹ کر ملتی ہیں جیسے برسوں کی بچھڑی ملی ہوں۔ کچھ نرجس کے بارے میں بھی سوچا ہے آپ نے؟"

"نرجس کے ابا تو یہی چاہتے ہیں کہ اب اس کی بات کہیں پکی کر دی جائے لیکن میرا خیال ہے کہ پہلے وہ ایم اے کر لے پھر دیکھا جائے گا۔" نجمہ بیگم نے کہا۔ "ابھی تو مجھے سلیم کی فکر ہے' آج کی تقریب بھی اسی سلسلے کی کڑی ہے۔"

"خدا مبارک کرے۔" شاکرہ خاتون نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "کون لوگ ہیں۔"

"لوگ تو بڑے اعلیٰ خاندان کے ہیں۔" نجمہ بیگم نے حسب عادت اپنی بڑائی کا اظہار

کرتے ہوئے کہا۔ "لڑکی کے باپ ریٹائرڈ انکم ٹیکس کمشنر ہیں۔ دو لڑکے ہیں' ایک کانپور میں ڈپٹی کمشنر ہے اور دوسرا آئی سی ایس کی تیار کر رہا ہے' لڑکی البتہ ایک ہی ہے اور ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ بڑے معزز اور شریف لوگ ہیں۔"

"گویا بات طے ہو چکی ہے۔" شاکرہ خاتون نے دریافت کیا۔

"ابھی گفتگو کا سلسلہ چل رہا ہے' آج نرجس کے ابا نے ان لوگوں کو اسی لئے مدعو کیا ہے کہ وہ سلیم کو دیکھ لیں پھر بات طے ہوتی رہے گی۔"

"خدا نے چاہا تو اپنا سلیم انہیں ضرور پسند آئے گا۔" شاکرہ خاتون نے کہا۔ "ایسے لڑکے آج کل ملتے کہاں ہیں اور پھر ماشاء اللہ اپنے سلیم میں کمی کس بات کی ہے۔"

"وہ تو خیر ٹھیک ہے بھابی صاحبہ لیکن لڑکی والے بہرحال اپنا اطمینان تو کرتے ہی ہیں۔"

"تو بڑے شوق سے کرلیں اطمینان' حامد بھائی بھی کسی سے کم تو نہیں ہیں۔"

دیورانی جٹھانی میں بڑی دیر تک اسی مسئلے پر گفتگو ہوتی رہی۔ درمیان میں ایک بار نجمہ بیگم نے ناہید کے مستقبل کے بارے میں بھی تذکرہ چھیڑا تھا لیکن شاکرہ خاتون نے بڑی خوبصورتی سے گفتگو کا رخ دوبارہ سلیم کی طرف موڑ دیا۔ فی الحال وہ اس مسئلے پر دیورانی سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی تھیں' خود حامد حسین نے بھی یہی مشورہ دیا تھا کہ جب تک ناہید اور منصور کے رشتے کی بات پکی نہ ہو جائے نجمہ بیگم سے اس کا تذکرہ نہ کیا جائے۔

ساڑھے پانچ بجے شیخ الطاف حسین بھی آ گئے۔ نجمہ بیگم نے جیٹھ کا بھی خاطر خواہ استقبال کیا۔ حامد حسین بھی بھائی کے ساتھ اندر آ گئے تھے لیکن ان لوگوں کی نشست زنان خانے میں زیادہ دیر نہ رہ سکی اس لئے باہر مہمانوں کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ نجمہ بیگم چونکہ پردے کی کچھ زیادہ پابند نہیں تھیں اس لئے وہ بھی مہمانوں کے استقبال کے لئے باہر چلی گئیں تو شاکرہ خاتون اٹھ کر نرجس اور ناہید کے پاس آ گئیں۔ نرجس نے شاکرہ خاتون کو دیکھا تو اُٹھ کر بڑی محبت سے اُن سے لپٹ گئی۔ ناہید کے یاقوتی ہونٹوں پر بڑی دلآویز مسکراہٹ کھیل رہی تھی' شاکرہ خاتون سمجھ گئیں کہ ضرور کوئی مطلب کی بات ہے جو نرجس اُن سے کہنا چاہ رہی ہے' لہٰذا مسکرا کر بولیں۔

"خیریت تو ہے' کیا کوئی خاص کام آن پڑا ہے؟"

"واہ بڑی اماں!" نرجس نے اٹھلاتے ہوئے کہا۔ "کیا ہم ویسے آپ سے محبت نہیں

کرتے۔"

"میں نے کب کہا کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتیں لیکن اس وقت مجھے دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔" شاکرہ خاتون نے بڑے پیار سے نرجس کا ہاتھ تھام کر اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔ "اچھا..... چلو جلدی سے بتا دو کہ بات کیا ہے۔"

"یوں نہیں ..... پہلے آپ وعدہ کریں کہ میری درخواست رد نہیں کریں گی۔" نرجس نے لاڈ کرتے ہوئے شرط لگائی' ناہید بدستور دور بیٹھی مسکرا رہی تھی۔

"کچھ پتہ بھی تو چلے کہ آخر بات کیا ہے؟"

"نہیں بڑی اماں! پہلے وعدہ۔" نرجس نے شاکرہ خاتون کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بڑی اپنائیت سے ضد کی۔

"اچھا بھئی ..... چلو وعدہ لیکن کوئی ایسی بات نہ ہو کہ مجھے وعدہ خلافی کرنی پڑ جائے۔" شاکرہ خاتون نے محبت سے کہا۔

"آپ کچھ دنوں کے لئے ناہید باجی کو ہمارے ہاں چھوڑ دیں۔" نرجس نے دل کی بات کہہ دی۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن تم اپنے بڑے ابا سے بھی پوچھ لینا۔"

"بڑے ابا کو تو میں چٹکی بجاتے میں راضی کر لوں گی۔" نرجس خوش ہو کر بولی پھر ناہید کی طرف دیکھ کر کہا۔ "دیکھا ناہید باجی! آپ نے ..... میں نے کہا تھا نا کہ بڑی اماں میری بات کبھی نہیں ٹالیں گی۔"

ناہید نے جواب میں نرجس کے چہرے پر پھوٹتی ہوئی شفق کو دیکھا پھر مسکرا دی۔

رات کو نو بجے مہمان رخصت ہو گئے تو شیخ الطاف حسین' حامد حسین اور نجمہ بیگم دوبارہ اندر آ گئیں' شاکرہ خاتون بھی نرجس اور ناہید کے ہمراہ اٹھ کر نشست گاہ میں آ گئیں' نجمہ بیگم کے چہرے سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی اس لئے شاکرہ خاتون سمجھ گئیں کہ سلیم کے سلسلے میں اُن کی امیدیں بار آور ہوتی نظر آ رہی ہیں' پھر بھی انہوں نے حامد حسین کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھ ہی لیا۔

"کیا رہا حامد بھائی! مہمانوں نے ہمارے سلیم میاں کو پسند کر لیا۔"

"سب آپ کی دعاؤں کا نتیجہ ہے بھابی صاحبہ!" حامد حسین بولے۔ "خدا نے چاہا تو کچھ دنوں بعد شادی کی تاریخ بھی پکی ہو جائے گی۔"

"خدا آپ کو مبارک کرے۔" شاکرہ خاتون نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"سلیم کہاں ہیں ..... نظر نہیں آ رہے۔"

"اُسے کہیں ضروری کام سے جانا تھا۔" نجمہ بیگم بولیں' پھر جیٹھ کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "الطاف بھائی! آپ کا کیا خیال ہے لڑکی والوں کے سلسلے میں؟"

"نہایت شریف اور وضعدار قسم کے لوگ ہیں۔" شیخ الطاف حسین نے کہا۔ "میں تو کہتا ہوں نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔"

"اگر آپ کا مشورہ بھی یہی ہے تو ہم اپنی جانب سے کوئی دیر نہیں کریں گے۔" نجمہ بیگم نے بڑی انکساری سے جواب دیا۔

"میرا مشورہ ہے کہ اگر بھابی صاحبہ کسی طرح لڑکی کو بھی دیکھ لیتیں تو زیادہ مناسب رہتا۔" حامد حسین نے کہا۔

"جب خاندان اچھا ہے اور شریف لوگ ہیں تو لڑکی بھی یقیناً نیک صورت اور سیرت کی مالک ہو گی۔" شاکرہ خاتون نے خلوص دل سے جواب دیا پھر نجمہ بیگم سے دریافت کیا۔ "آپ نے تو ہونے والی بہو کو دیکھ لیا ہو گا۔"

"میں تو پہلے ہی دیکھ چکی ہوں۔" نجمہ بیگم نے بہو کی شان میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہوئے جواب دیا۔ "ہزاروں میں کیا بلکہ لاکھوں میں ایک ہے۔ نہایت سگھڑ اور سلیقہ شعار بچی ہے اور صورت کے اعتبار سے بھی اپنی مثال آپ نظر آتی ہے۔"

"پھر دیر کس بات کی ہے ..... خدا کا نام لے کر بسم اللہ کیجئے۔" شاکرہ خاتون نے کہا۔

"امی جان! کیا بھائی جان کی شادی کی بات طے ہو رہی ہے۔" نرجس نے بڑے بھولے انداز میں ماں سے سوال کیا۔

"اور تم اتنی دیر سے کیا سن رہی ہو۔" نجمہ بیگم بولیں۔

"پہلے تو آپ نے اس سلسلے میں کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔" نرجس نے روٹھے لہجے میں کہا۔ "اور ہماری ہونے والی بھابی جان کو بھی آپ اکیلے اکیلے جا کر دیکھ آئیں۔"

"اب کے چلوں گی تو تم کو بھی ساتھ لے چلوں گی' دیکھ لینا جی بھر کر۔"

"تمہارا امتحان تو ختم ہو چکا ہو گا نرجس بٹی!" شیخ الطاف حسین نے بھتیجی کو پیار سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کچھ دنوں کے لئے ہمارے ہاں آ جاؤ' ناہید کا دل بھی بہل جائے گا۔"

"ضرور آؤں گی بڑے ابا لیکن اس وقت تو میں بھی آپ سے کچھ کہنا چاہ رہی

تھی۔" نرجس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"بڑے شوق سے کہو ..... کیا بات ہے؟"

"میں ناہید باجی کو دو ایک روز کے لئے روکنا چاہتی ہوں ..... بڑی اماں نے تو اجازت دے دی ہے' اب صرف آپ کی اجازت درکار ہے۔"

"جب تمہاری بڑی اماں نے اجازت دے دی ہے تو پھر میری دخل اندازی کی کیا گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔" شیخ الطاف حسین نے بیوی کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "ہوم منسٹری کو ناراض کر کے تو اپنا حقہ پانی بھی بند ہو سکتا ہے۔"

"بس رہنے دیجئے الطاف بھائی!" نجمہ بیگم مسکرا کر بولیں۔ "بیویوں کو بدنام کرنا تو کوئی آپ لوگوں سے سیکھے۔"

"یہ میرا نام درمیان میں کیوں ملوث کیا جا رہا ہے۔" حامد حسین جلدی سے بولے۔ "خدا گواہ ہے کہ میں نے تو کبھی کسی ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہیں کی۔"

اور حامد حسین نے یہ جملہ اتنا برجستہ کہا کہ سب ہی مسکرا دیئے پھر الطاف حسین جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تو نجمہ بیگم نے کہا۔

"اتنی جلدی بھی کیا ہے الطاف بھائی! کچھ دیر تو اور بیٹھئے۔"

"شاکر گھر پر تنہا ہے اس لئے اب اجازت چاہوں گا۔" الطاف حسین نے معقول وجہ بتائی تھی اس لئے نجمہ بیگم نے دوبارہ اصرار نہیں کیا اور خود بھی جیٹھ اور جٹھانی کو رخصت کرنے کے لئے شوہر کے ساتھ باہر تک آ گئیں۔

☆------☆------☆

کہتے ہیں کہ اگر اولاد نیک اور سعادت مند ہو تو والدین کی ذمہ داریوں کا آدھا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے۔

شیخ حامد حسین کا بھی یہی خیال تھا کہ سلیم ان کا کاروباری بوجھ اور گھریلو ذمہ داریاں سنبھالنے میں بڑا معاون ثابت ہو رہا ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس تھی' نجمہ بیگم کے بے جا لاڈ پیار اور حمایت نے سلیم کو غلط روش پر ڈال دیا تھا' اُسے نہ خاندان کی عزت اور وقار کا خیال تھا نہ ہی باپ کے پھیلے ہوئے کاروبار سے کوئی دلچسپی تھی البتہ ابھی تک چونکہ باپ کا تھوڑا سا خوف باقی تھا اس لئے وہ حامد حسین کی موجودگی میں خود کو لئے دیئے رہتا تھا۔

کاروباری معاملات میں اس کی سوجھ بوجھ بھی بس واجبی سی تھی البتہ دفتر اوقات میں

وہ باپ کے سامنے ہمیشہ چاق و چوبند نظر آتا تھا اور ایسے معاملات میں زیادہ دلچسپی کا مظاہرہ کرتا تھا جس میں کسی بڑے افسر کی مٹھی گرم کر کے ٹھیکہ حاصل کرنے کے لئے جوڑ توڑ کرنا پڑتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اُس کے تعلقات ایسے لوگوں سے زیادہ تھے جو بظاہر معاشرے میں بڑے معزز دکھائی دیتے تھے لیکن در پردہ انتہائی اوباش اور گھناؤنی طبیعت کے مالک تھے۔ سلیم کے اپنے دوستوں کی تعداد بھی ایسے لڑکوں پر مشتمل تھی جو محض سلیم کے باپ کی دولت کی وجہ سے اُس کے گرد منڈلاتے رہتے تھے اور جھوٹی دوستی کا دم بھرنے کے عادی تھے۔

آج بھی جب نجمہ بیگم کو نرجس کی زبانی سلیم کے دیر سے گھر آنے کی اطلاع ملی اور نجمہ بیگم نے فون کر کے اُسے وقت پر گھر آنے کی تاکید کی تو سلیم نے اپنے نجی دوستوں کی محفل میں جانے کا پروگرام طے کر رکھا تھا لیکن جب ماں نے آنے والے مہمانوں کے بارے میں بتایا تو وہ فون پر اپنے دوستوں سے معذرت طلب کر کے اور دیر سے اُن کی محفل میں شرکت کا وعدہ کر کے باپ کے غصے کے خیال سے جبراً و قہراً گھر آ گیا تھا اور مہمانوں کی موجودگی میں خاموشی سے سر جھکائے بیٹھا رہا۔

حامد حسین فخر سے سینہ تانے سلیم کی سعادت مندی کے قصے مہمانوں کے سامنے بیان کرتے رہے' آنے والوں مہمانوں نے بھی بظاہر یہی اندازہ لگایا تھا کہ سلیم نہایت خاموش طبع اور شرمیلا واقع ہوا ہے لیکن سلیم کی ان نظروں کا راز کوئی نہ بھانپ سکا جو بار بار اُس کی دستی گھڑی پر اٹھ رہی تھیں۔ اس محفل میں دور و نزدیک کے اپنے رشتے دار بھی شریک تھے لیکن سلیم نے شیخ الطاف حسین کے علاوہ کسی کو نہ تو سلام ہی کیا نہ اُن سے کسی قسم کی کوئی گفتگو کی۔ جب تک موجود رہا سر جھکائے بیٹھا رہا۔ پھر محفل برخاست ہونے سے پہلے ہی اُس نے ماں کو موقع پا کر علیحدگی میں بلایا اور ضروری کام کا بہانہ کر کے اُن کی دعائیں لیتا ہوا باہر ہی باہر واپس چلا گیا۔ نجمہ بیگم نے دبی زبان میں اس سے کہا تھا کہ اندر جا کر شاکرہ خاتون سے کھڑے کھڑے مل لے لیکن سلیم سنی اَن سنی کرتا ہوا ماں کی بات کو بڑی خوبصورتی سے ٹال گیا۔ مہمانوں کی نظروں سے بچتا ہوا قصر حامد سے باہر اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر سول لائنز کی طرف ہوا ہو گیا جہاں مراد خاں کے گھر پر اُس کا اُس کے دوستوں کا آئے دن جمگھٹا رہتا تھا۔

مراد خاں اور سلیم کی ملاقات ان دنوں ہوئی تھی جب سلیم نے ایف اے پاس کے بی اے میں داخلہ لیا تھا' دو سال تک کالج میں دونوں کا ساتھ رہا۔ سلیم نے بی اے

امتحان پاس کر لیا تھا لیکن مراد خاں مزید دو سال گزر جانے کے باوجود ابھی تک برابر فیل ہو رہا تھا۔ سول لائنز کے علاقے میں مراد خاں نے دو کمروں کا ایک مختصر سا مکان کرائے پر لے رکھا تھا جہاں وہ تنہا رہتا تھا۔ سلیم کو اُس کے بارے میں صرف اتنا معلوم تھا کہ مراد خاں اپنے والدین کا اکلوتا لڑکا ہے اور الہ آباد میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آ کر مقیم ہوا ہے' اُس کے والدین کون تھے' کیا کرتے تھے اور ہر ماہ بھائی مراد کی شاہ خرچی کا بوجھ کس طرح اٹھاتے تھے اس کا علم مراد خاں کے کسی بھی دوست کو نہیں تھا لیکن ایک بات سب ہی محسوس کرتے تھے کہ مراد خاں دونوں ہاتھوں سے خرچ کرنے کے باوجود کبھی تنگدستی کا شکار نہیں ہوا تھا۔

سلیم جس وقت گھر سے روانہ ہو کر مراد خاں کے عشرت کدے پر پہنچا تو وہاں حسب معمول فلش ہو رہا تھا۔ مراد خاں کے علاوہ جاوید' ناصر علی اور وسیم مرزا بھی موجود تھے۔ سب ہی سلیم کے واقف کاروں میں سے تھے اور کھاتے پیتے گھرانے کے بگڑے ہوئے لڑکے تھے۔ مراد خاں نے سلیم کو دیکھ کر اپنی سنہری دستی گھڑی پر نظر ڈالی پھر شکایتی لہجے میں بولا۔

"اتنی دیر کہاں لگا دی شہزادے! کیا یاروں سے چھپ چھپ کر کہیں عیش کیا جا رہا ہے۔"

"گھر پر چند ایک ضروری مہمان آ گئے تھے انہیں اٹینڈ کر رہا تھا۔" سلیم نے جواب دیا پھر ایک خالی کرسی کھینچ کر خود بھی کھیل میں شریک ہو گیا۔

"کہیں شادی وادی کا چکر تو نہیں چل رہا ہے۔" مراد خاں نے تاش پھینٹتے ہوئے پوچھا۔

"کچھ ایسا ہی چکر ہے۔" سلیم نے جیب سے روپے نکال کر سامنے رکھے پھر سگریٹ جلا کر کش لینے لگا۔

"مارے جاؤ گے شہزادے!" مراد خاں نے پتے بانٹتے ہوئے کہا۔ "جو مزا آزادی میں ہے وہ غلامی میں کہاں۔ ویسے لوگ کون ہیں۔"

"ہیں کوئی ریٹائرڈ انکم ٹیکس کمشنر۔" سلیم نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

"تمہارے والد کا کیا ارادہ ہے؟"

"اُن کا بس چلے تو کل ہی میرے پیروں میں بیڑیاں ڈال دیں۔"

"ایک گُر کی بات بتاؤں شہزادے!" مراد نے اپنے پتے اٹھا کر چال چلتے ہوئے کہا۔

"اوّل تو شادی کے بکھیڑوں میں پڑنے کی حماقت ہی کبھی نہ کرنا اور اگر کبھی مجبوری آڑے آ جائے تو کسی ایسے گھرانے میں شادی کرنا' جو حیثیت میں تم سے کمتر درجے کے ہوں۔ بڑے گھرانے میں داماد اور گھر کے ملازموں میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا۔"

"میرا بھی یہی مشورہ ہے۔" وسیم مرزا نے مراد خاں کی تائید کی۔

"تم اپنی ٹانگ درمیان میں مت الجھاؤ مرزا جی!" مراد خاں مسکراتے ہوئے بولا۔ "تم تو محبوبہ کے بھی غلام بننے میں فخر محسوس کرتے ہو۔"

"تمہاری رائے سو فیصد درست ہے مراد خاں!" جاوید نے کہا۔ "اپنے مرزا جی ۔ جب سے شہناز سے یارانہ گانٹھا ہے' چھوٹی چھوٹی چالوں کے بعد پتے پھینک جاتے ہیں ساری دولت شہناز کے ناز نخروں پر خرچ ہو رہی ہے۔"

"اس معاملے میں تو صرف ناصر علی اپنا شاگرد ہے۔" مراد خاں نے ناصر علی کو تعریفی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "نخرے خود کرتا ہے اور مال محبوبہ سے خرچ کراتا ہے۔"

"تمہارے عشق کا کیا حال ہے شہزادے!" ناصر علی نے سلیم سے دریافت کیا

"بات کچھ آگے بڑھی یا ابھی تک ٹھنڈی آہوں پر گزارہ کر رہے ہو۔"

"تمہارا اشارہ غالباً انجم کی طرف ہے۔" سلیم نے اپنے کمزور پتوں کو گڈی کی طرف اچھالتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔ "وہ بات کب کی پرانی ہو چکی' آج کل تو ایک نئے پنچھی کو چارہ ڈالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔"

"کون ہے؟" مراد خاں نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"بیرسٹر افتخار احمد کی لڑکی ..... نازلی۔" سلیم نے سگریٹ کے دھوئیں کا مرغولہ بناتے ہوئے جواب دیا۔ "دیکھو گے تو غش کھا کر گر جاؤ گے۔"

"دیکھ چکا ہوں شہزادے! لڑکی بُری نہیں ہے لیکن اُس کا باپ بے حد خرانٹ قسم کا واقع ہوا ہے' اس سے ذرا بچ کر ہی رہنا۔"

چاروں دوستوں کے درمیان اسی قسم کی نامعقول اور بیہودہ باتیں ہوتی رہیں کھیل بھی جاری رہا۔ سلیم ایک گھنٹہ کے اندر اندر تقریباً گیارہ سو روپے ہار چکا تھا۔ مرزا کی بھی کچھ یہی کیفیت تھی البتہ ناصر علی اور مراد خاں برابر جیت کی رقمیں بٹور رہے تھے پھر کھیل زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکا' مراد خاں کسی کا فون رسیو کرنے کے بعد ضروری کام سے جانے کی تیاریاں کرنے لگا' اُس نے دوسرے دوستوں سے کہا تھا کہ وہ چاہیں تو کھیل جاری رکھیں لیکن وسیم مرزا کو بھی کہیں جلدی پہنچنا تھا اس لئے دو۔

کی محفل برخاست ہو گئی۔ سلیم نے مراد خاں کے ساتھ جانا چاہا لیکن مراد خاں اُسے بڑی خوبصورتی سے ٹال گیا لہٰذا سلیم بھی اپنے گھر واپس آ گیا لیکن وہ اس وقت پہنچا جب شیخ الطاف حسین اور شاکرہ خاتون واپس جا چکے تھے۔

☆======☆======☆

شازیہ کی شادی محسن علی سے ایک ہفتے قبل نہایت خیر و خوبی سے انجام پا چکی ہے اور آج کل دعوتوں کا سلسلہ جاری ہے۔

شیخ الطاف حسین اور شازیہ کے والد ڈاکٹر ابرار احمد میں پڑوسی ہونے کے ناطے سے بے حد میل جول تھا اس لئے الطاف حسین نے بھی اس شادی کی تقریب میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ناہید شادی سے دو روز قبل ہی شازیہ کے ہاں چلی گئی تھی۔ شاکرہ خاتون بھی دن میں دو ایک بار شاکر کے ہمراہ جا کر چکر لگا آتی تھیں۔ بیگم ابرار احمد نہایت نیک اور ملنسار خاتون تھیں اس لئے محلے کے تمام چھوٹے بڑے ان کی عزت کرتے تھے۔ خدا نے اُن کو داماد بھی ان کی مرضی کے عین مطابق دیا تھا۔

شروع شروع میں بیگم ابرار احمد نے دبی زبان میں اس شادی کی مخالفت کی تھی' پرانے خیال کی عورت تھیں اس لئے ڈرتی تھیں کہ شادی کے بعد آئے دن داماد سے جو پولیس انسپکٹر کے عہدے پر فائز تھا' تھانہ کچہری نہ ہوتی رہے لیکن ان کے یہ خدشات یکسر بے بنیاد ثابت ہو رہے تھے۔ محسن علی نے شادی کے فوراً ہی بعد جس پُرخلوص اور محبت بھرے انداز میں بیگم ابرار احمد کو "امی جان" کہنا شروع کیا تھا' اُس نے بیگم ابرار احمد کے سارے وسوسے دور کر دیئے تھے اور محض ایک ہی ہفتے کی مختصر مدت کے باوجود وہ داماد کے نام کا کلمہ پڑھنے لگی تھیں۔ بیگم ابرار احمد کا دل جیتنے میں شازیہ نے شوہر کی رہنمائی کی تھی' اُسے ماں کے دل کا حال معلوم تھا اس لئے اُس نے شوہر کو بھی حجاب ٹوٹتے ہی باور کرا دیا تھا کہ ماں اُن کے بارے میں کیا سوچتی رہتی ہیں۔ محسن علی نے شازیہ کی باتوں کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا تھا' یوں بھی پولیس کے محکمے میں اُن کا شمار ذہین افسروں میں ہوتا تھا۔ وہ اچھی طرح واقف تھے کہ اگر سسرال اور میکے کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو جائے تو زندگی اجیرن ہو جاتی ہے لہٰذا انہوں نے روزِ اوّل ہی بیگم ابرار احمد کا دل جیتنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ جب بھی اور جتنی دیر بھی وہ سسرال میں ہوتے ساس کے قدموں سے لگے بیٹھے رہتے اور اُن کی دعائیں لیتے رہتے۔ غرضیکہ ایک ہفتے میں محسن علی نے ساس کی سادہ طبیعت پر اپنی شرافت اور فرمانبرداری کا ایسا سکہ جمایا تھا کہ وہ بیٹی سے

زیادہ داماد کی گرویدہ ہو گئی تھیں۔

آج شازیہ اور محسن علی کو ناہید کی فرمائش پر شیخ الطاف حسین نے اپنے گھر مدعو کر رکھا تھا۔ محسن علی دوپہر کو ہی شازیہ کو لے کر سسرال آ گئے تھے۔ دوپہر کا کھانا انہوں نے سسرال ہی میں کھایا پھر شام کو تیار ہو کر شیخ الطاف حسین کے ہاں جانے سے پہلے ساس سے اجازت لینے کی خاطر اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیگم ابرار احمد عصر کی نماز سے فارغ ہو کر صحن میں تخت پر بیٹھی ہوئی تھیں۔ محسن علی نے قریب جا کر نہایت ادب سے دست بستہ اُن کو سلام کیا پھر بڑی اپنائیت سے ساس کے پہلو سے لگ کر بیٹھ گئے۔ بیگم ابرار احمد نے داماد کی بلائیں لیتے ہوئے ہزاروں دعائیں دے ڈالیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنے مطب میں تھے اور شازیہ اپنے کمرے میں تیاریوں میں مصروف تھی اس لئے باہر صحن میں محسن علی اور بیگم ابرار احمد کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔ جب تک ساس کی نیک دعاؤں کا سلسلہ جاری رہا محسن علی سر جھکائے فرمانبرداری کا ثبوت پیش کرتے رہے پھر جب دعاؤں کا سلسلہ ختم ہوا تو بڑی خاکساری سے بولے۔

"امی جان! آج شازیہ کی سہیلی نے ہمیں چائے پر مدعو کیا ہے' اگر آپ کی اجازت ہو تو چلا جاؤں۔"

"بڑے شوق سے ہو آؤ۔" بیگم ابرار احمد نے کہا۔ "شازیہ مجھے پہلے ہی بتا چکی ہے کہ آج ناہید نے اُسے بلایا ہے۔ شیخ الطاف حسین بڑے بھلے آدمی ہیں اور ناہید اور شازیہ کی دوستی اور بہناپا تو پورے محلے میں مثال ہے' بڑی ہی نیک' بھولی بھالی اور سلیقہ شعار بچی ہے۔"

"یہ شیخ الطاف حسین صاحب کیا شیخ حامد حسین کے عزیزدار بھی لگتے ہیں؟" محسن نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"حامد حسین کے سگے بڑے بھائی ہیں ..... کیوں؟ کیا تم ان لوگوں سے پہلے سے واقف ہو۔"

"جی نہیں۔" محسن بڑی سادگی سے بولے۔ "یونہی کہیں تذکرہ سنا تھا۔"

اس وقت شازیہ تیار ہو کر اپنے کمرے سے باہر آئی تو محسن علی کو اپنی ماں کے پہلو سے لگا دیکھ کر مسکرا دی' محسن علی نے شازیہ کو دیکھا تو اُن کی رگِ شرارت پھڑک اٹھی ساس کو مخاطب کر کے بڑی خاکساری سے بولے۔

"امی جان! شازیہ کا خیال ہے کہ ہم اب کی گرمیوں میں کچھ دنوں کے لئے نینی تال

چلے جائیں۔"

"بڑے شوق سے ہو آؤ۔" بیگم ابرار احمد نے کہا۔ "اسی بہانے گرمیاں بھی گزر جائیں گی اور سیر و تفریح بھی ہو جائے گی۔"

"لیکن میری گزارش ہے کہ آپ نینی تال کے پروگرام کی مخالفت کر دیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔"

"وہ کیوں؟"

"لوگوں کا یہی خیال ہے کہ نینی تال نہایت پُرسکون اور شاندار جگہ ہے لیکن امی جان! مجھے جو سکون اور آرام آپ کے قدموں میں بیٹھ کر حاصل ہوتا ہے وہ بھلا نینی تال میں کہاں میسر آ سکتا ہے۔"

"یہ تمہاری لیاقت ہے بیٹے جو ایسا سمجھتے ہو۔" بیگم ابرار احمد نے داماد کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں امی جان کہ خدا نے مجھے آپ جیسی مشفق ماں کے سائے سے نوازا ہے۔"

شازیہ شوہر کی باتیں سن کر مسکرا رہی تھی' اُس نے محسن علی سے نینی تال جانے کے متعلق کوئی فرمائش نہیں کی تھی' وہ سمجھ رہی تھی کہ محسن علی نے محض اُس کی ماں کا دل جیتنے کے لئے ایک فرضی پروگرام کا سہارا لیا ہے۔ آہستہ سے قریب جا کر اُس نے ماں کو سلام کیا پھر شوہر کو مخاطب کر کے کہا۔

"ساڑھے پانچ بج رہے ہیں' ناہید بڑی بے چینی سے ہماری راہ تک رہی ہو گی۔"

"آپ کی اجازت چاہتا ہوں امی جان!" محسن نے اٹھتے ہوئے ساس کو مخاطب کیا۔

"میری طرف سے اجازت ہے بیٹے' خدا تمہیں ہمیشہ سلامت رکھے۔"

صحن عبور کر کے دونوں راہداری میں آئے تو شازیہ نے شوخ نظروں سے شوہر کو گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ ہر وقت امی جان کی چاپلوسی کس لئے ہوتی رہتی ہے۔"

"ایک شاندار گھر بنانے کا منصوبہ پیش نظر ہے۔"

"کہاں؟" شازیہ نے چونک کر پوچھا۔

"آپ کی امی جان کے محبت بھرے دل میں۔" محسن نے پیار بھری نگاہوں سے بیوی کو گھورتے ہوئے برجستہ جواب دیا تو شازیہ کے ہونٹوں پر ایک دل آویز تبسم جاگ

اٹھا۔

شازیہ کا خیال غلط نہیں تھا' ناہید واقعی بڑی بے چینی سے اُس کی منتظر تھی' محسن علی نے اپنی گاڑی روک کر جیسے ہی ہارن بجایا ناہید بھاگتی ہوئی ڈیوڑھی میں آ گئی اور دروازے ہی سے شکوہ شکایت شروع کر دی۔ مہمانوں کی آواز سن کر شیخ الطاف حسین اور شاکرہ خاتون بھی باہر آ گئیں۔ محسن علی نے دونوں بزرگوں کو سلام کیا' الطاف حسین محسن کو لے کر بیٹھک میں آ گئے۔ شازیہ نے شاکرہ خاتون سے ناہید کی شکایت کرتے ہوئے کہا۔

"آپ دیکھ رہی ہیں خالہ جان کہ ناہید گھر بلائے مہمانوں کے ساتھ کیسا سلوک کر رہی ہے۔"

"بُری بات ہے ناہید!" شاکرہ خاتون نے شازیہ کی دلجوئی کی خاطر ناہید کو پیار سے گھورا۔ "تمہیں کم از کم اپنی سہیلی کے دولہا کا خیال کرنا چاہئے۔"

"اور آپ شازیہ کو کچھ نہیں کہیں گی' امی جان! جو دس قدم کے فاصلے پر رہنے کے باوجود پورے چالیس منٹ دیر سے تشریف لائی ہیں۔" ناہید نے بھی ماں سے گلہ کیا۔

"بھئی یہ تم دونوں بہنوں کا معاملہ ہے خود ہی نپٹتی رہنا۔" شاکرہ خاتون نے جان بچاتے ہوئے بڑے پیار سے جواب دیا پھر شازیہ اور ناہید کو لے کر بیٹھک میں آ گئیں۔

شیخ الطاف حسین لڑکیوں کے پردے کے حامی تھے لیکن ابرار احمد کے گھرانے سے اپنے دیرینہ تعلقات کی بنا پر انہوں نے ناہید پر محسن علی سے پردہ کرنے کی پابندی نہیں عائد کی تھی اور یوں بھی وہ ناہید اور شازیہ کی دوستی سے واقف تھے چنانچہ اس وقت وہ بھی بچوں کے ساتھ چائے میں شریک ہو گئے اور محسن علی سے گفتگو کرتے رہے۔ شاکر نے مہمانوں کی خاطر تواضع کا کام اپنے ذمہ لے لیا تھا اور بڑے سلیقے سے سب کو لوازمات سے نواز رہا تھا۔

"تمہارا نتیجہ کب آ رہا ہے شاکر!" شازیہ نے شاکر سے دریافت کیا۔

"ایک ہفتہ تک امید ہے نتیجہ آنے کی۔" شاکر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ارادے تو نیک ہیں نا؟"

"آپ کی دعائیں شاملِ حال رہیں تو ان شاء اللہ ضرور کامیاب ہو جاؤں گا۔"

"آمین!" شازیہ اور شاکرہ خاتون کی زبان سے ایک ساتھ "آمین" ادا ہوا۔

جتنی دیر تک الطاف حسین اور شاکرہ خاتون محفل میں شریک رہے' شازیہ اور محسن

بھی خود کو لئے دیئے رہے لیکن بزرگوں نے جیسے ہی بیٹھک سے قدم باہر نکالا شازیہ نے پہلو بدل کر اطمینان کا سانس لیا' محسن بھی' جو اب تک بندھے بیٹھے تھے' قدرے آرام سے بیٹھ گئے' شاکر برتن ٹرالی پر رکھ کر باہر لے جانے لگا تو محسن علی نے بڑی بے تکلفی سے کہا۔

"یہ آپ نے بڑی دور اندیشی کا مظاہرہ کیا ہے شاکر میاں! ورنہ واپسی پر مجھے ہاضمے کی گولیاں خریدنی پڑتیں۔"

شاکر مسکراتا ہوا کمرے سے نکل گیا تو شازیہ نے شوہر کو گھورتے ہوئے شوخی سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ کی نیت ابھی تک پلیٹوں پر لگی ہوئی ہے۔"

"مہمان ہوں اس لئے صاف گوئی کا مظاہرہ نہیں کر سکتا ورنہ حقیقت یہی ہے جو آپ نے محسوس کیا ہے۔"

"ایسی بھی کیا غیریت محسن بھائی!" ناہید نے جلدی سے کہا۔ "میں ابھی شاکر کو آواز دے کر ٹرالی واپس منگوائے لیتی ہوں۔"

"بڑی عنایت آپ کی۔" محسن نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "فی الحال رہنے دیجئے' دوبارہ آؤں گا تو آج کا حساب بھی چکتا کر دوں گا۔"

"آپ کا اپنا گھر ہے محسن بھائی! جب چاہیں بڑے شوق سے تشریف لائیں۔"

"یہ بھائی کا رشتہ تُو نے کیوں قائم کر لیا ہے؟ میں خوب سمجھتی ہوں۔" شازیہ نے ناہید کو گھورتے ہوئے کہا پھر شوہر کو مخاطب کر کے بولی۔ "آپ کو شاید علم نہ ہو لیکن میں جانتی ہوں کہ آپ کو بھائی کس مقصد سے بنایا جا رہا ہے۔"

"مقصد خواہ کچھ ہو لیکن مجھے تو اس بات کی خوشی ہو رہی ہے کہ اللہ نے ایک پلی پلائی بہن عنایت کر دی۔" محسن بڑی اپنائیت سے بولے۔

"ذرا بچ کر رہئے گا اس پلی پلائی بہن سے۔ نہایت چالاک اور حرفوں کی بنی ہوئی ہے۔" شازیہ نے شرارت سے کہا۔

"کیوں ناہید بہن! کیا شازیہ سچ کہہ رہی ہیں۔" محسن نے اس بار براہ راست ناہید کو مخاطب کیا۔

"ابھی ابتدا ہے محسن بھائی!" ناہید نے شوخی سے جواب دیا۔ "کچھ عرصے بعد آپ کو خود ہی اندازہ ہو جائے گا یہ کتنی راست گو واقع ہوئی ہیں۔"

کچھ دیر تک دونوں بے تکلف سہیلیوں کے درمیان اسی قسم کی دلچسپ چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی' محسن بھی اس نوک جھونک سے محظوظ ہوتے رہے لیکن ناہید چونکہ انہیں بھائی کہہ چکی تھی اس لئے وہ شازیہ کے مقابلے میں ناہید ہی کی طرف داری کر رہے تھے شازیہ نے جب شوہر اور ناہید کا پلڑا بھاری پڑتے محسوس کیا تو اُس نے ناہید کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اب جب تم نے بھائی بنا لیا ہے تو اُن سے اپنے مطلب کی بات بھی کہہ ڈالو ..... پولیس انسپکٹر ہونے کے ناطے سے یہ معاملے کی زیادہ بہتر طور پر چھان بین کر سکیں گے۔"

"تمہارے پیٹ میں کیوں درد ہو رہا ہے۔" ناہید بولی۔ "اوّل تو مجھے فی الحال محسن بھائی سے ایسا کوئی کام درپیش نہیں ہے اور اگر کبھی کوئی ضرورت پیش آئی تو تمہاری سفارش کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔"

"گویا تفتیش کے بغیر ہی آنکھ بند کر کے کنوئیں میں چھلانگ لگانے کا ارادہ ہے۔"

"ناہید بہن! آخر معاملہ کیا ہے۔" محسن نے بھی دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا تو ناہید نے شرماتے ہوئے کہا۔

"آ گئے نا محسن بھائی آپ اس کی باتوں میں۔"

"ابھی وقت ہے ناہید! پھر سوچ لو۔" شازیہ نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "عکس اور حقیقت میں فرق بھی ہو سکتا ہے۔ میں نے بھی اسی خیال کے پیش نظر پہلے ٹھونک بجا کر حالات کا اندازہ کر لیا تھا اس کے بعد ہاں کی تھی۔"

"خدا سمجھے تجھ سے۔" ناہید اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی' لجا کر رہ گئی۔

"میں تو ابھی تک مذاق سمجھ رہا تھا لیکن اب کچھ کچھ حقیقت بھی نظر آ رہی ہے۔" محسن نے پھر مسکرا کر شازیہ سے پوچھا۔ "آخر معاملہ کیا ہے' کچھ پتہ تو چلے۔"

"معاملہ انتہائی نازک اور سنگین ہے۔" شازیہ بولی۔ "دراصل ناہید ایک ایسے مجرم کے بارے میں چھان بین کرانا چاہتی ہے جسے عنقریب عمر قید کی سزا سنائی جانے والی ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ ناہید کو صرف مجرم کی تصویر ہی دیکھ کر اُس سے ہمدردی پیدا ہو گئی ہے۔"

"شازیہ!" ناہید نے احتجاج کیا۔ "تُو چپ نہیں رہے گی۔"

"کیا میں اس خوش نصیب مجرم کا نام اور پتہ بھی دریافت کر سکتا ہوں؟" محسن نے

معاملے کی نوعیت کو سمجھتے ہوئے دریافت کیا۔

"نام اُن کا منصور ہے ..... بیرسٹر سجاد علی مرحوم کے بڑے صاحبزادے کہلائے جاتے ہیں اور پیشہ اپنے مرحوم والد کے وسیع کاروبار کی دیکھ بھال کرنا ہے۔" شازیہ نے پتہ اور تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "تصویر سے انتہائی شریف اور معقول آدمی نظر آتے ہیں۔ اصلیت کیا ہے' یہ آپ کو معلوم کرنا ہے۔"

"میں اس خوشگوار ذمہ داری کو اپنا فرض سمجھ کر پورا کروں گا۔ ویسے بیرسٹر سجاد علی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔"

"یہ تو خیر سب ہی جانتے ہیں لیکن آپ کو صرف اس محتاج کے بارے میں تفتیش کرنی ہے جس کی حاجت اس چوکھٹ سے وابستہ ہے۔"

"سچ کہتی ہوں شازیہ! شادی کے بعد تو تیرے دیدوں کا پانی بالکل ہی مر گیا ہے۔" ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا تو شازیہ برجستہ بولی۔

"یہ بھی تمہارے بھائی صاحب کی عنایت ہے ورنہ بندی بھلا کس قابل تھی۔"

محسن علی کے علاوہ ناہید بھی شازیہ کے جملے پر بے اختیار ہنس دی پھر کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں اس کے بعد شازیہ ناہید کے ساتھ اُٹھ کر اندر شاکرہ خاتون سے واپسی کی اجازت لینے چلی گئی۔ شیخ الطاف حسین بیوی کے ساتھ دوبارہ بیرونی کمرے میں آئے تو محسن بھی احتراماً اٹھ کھڑے ہوئے' شاکرہ خاتون نے ایک سو ایک روپے محسن کو سلامی کے دیئے پھر دعائیں دیتے ہوئے رخصت کیا۔

☆------☆------☆

جب سے نازلی نے اپنے والد کی ایما پر منصور سے اپنے جذباتی جملوں کے سلسلے میں معذرت کی ہے منصور کی اضطرابی کیفیتوں میں دوچند اضافہ ہو گیا ہے' شب و روز وہ اسی خیال میں غرق نظر آتے ہیں کہ کسی طرح ماں کی رائے نازلی کے حق میں ہموار ہو جائے لیکن ابھی تک وہ کوئی ایسا طریق اختیار نہیں کر سکے جو ماں کے اٹل فیصلے میں ایک معمولی تبدیلی بھی پیدا کر سکتا۔

نازلی سے جو وعدہ منصور نے ٹینس کلب میں کیا تھا' وہ اس پر قائم ہیں' اپنی کاروباری اور دیگر مصروفیات سے تھوڑا وقت نکال کر وہ روزانہ نازلی سے ملاقات کر لیتے ہیں لیکن ملاقاتیں اُن کی وحشت کو مزید ہوا دے رہی ہیں۔ پہلے منصور کا خیال تھا کہ نازلی جو مغربی تہذیب کی دلدادہ اور آزاد ماحول کی پروردہ ہے' اپنی روش کبھی نہ بدلے گی اور منصور کی

والدہ اُسے ایک بہو کی حیثیت سے اپنی دہلیز پار کرنے کی اجازت کبھی نہ دیں گی۔ یہ ایک ایسا جواز تھا جس نے منصور کی محرومیوں کو قدرے ڈھارس دے رکھی تھی لیکن جب سے نازلی نے انہیں دوبارہ اپنی زلف گرہ گیر میں الجھا کر اس بات کا یقین دلایا تھا کہ منصور کے خاندان سے وابستگی کے بعد وہ اپنے ماضی کو یکسر فراموش کر کے مشرقی انداز فکر اپنا لے گی تو منصور کی بے چینیوں میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ دن رات اس فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے کہ کون سا ایسا راستہ اختیار کریں جو ماں کی پیشانی پر ابھرنے والی متوقع ناگوار شکنوں کو بھی دور کر دے اور نازلی کو اُن کی شریک حیات بھی بنا دے۔

نازلی پہلی عورت تھی جو منصور کی زندگی میں داخل ہوئی تھی اور اُس نے کچھ ایسے بھرپور انداز میں منصور پر اپنی محبت کا سنہری جال پھینکا تھا کہ وہ بُری طرح اس میں پھنس کر بے بس ہو گئے تھے۔ نازلی سے قبل انہوں نے کبھی زندگی کے اہم موڑ کے بارے میں کچھ سوچا بھی نہیں تھا' باپ کی موت سے قبل وہ اپنی تعلیم میں منہمک تھے' پھر جب باپ کا شفیق سایہ سر سے اٹھا تو ذمہ داریوں کے بوجھ نے انہیں محض کاروباری مصروفیات کی طرف راغب کر دیا' تمام دن وہ دفتر میں فائلوں سے سر کھپاتے اور شام کو جب تھکے ماندے گھر لوٹتے تو ماں کی کشادہ آغوش میں سمٹ کر دن بھر کی تمام الجھنیں بھول جاتے۔ زندگی میں کوئی دشواری' کوئی نشیب و فراز نہیں تھا۔ ایک ماں کی شفیق ہستی نے انہیں کبھی کسی چیز کا احساس نہیں ہونے دیا تھا لیکن نازلی نے جب دبے قدموں اُن کے دل میں نقب لگائی اور محبت کے سوئے ہوئے جذبوں کو اپنے آتشیں وجود سے حرارت دے کر بیدار کیا تو منصور کو ایک نئی دنیا' ایک نئی زندگی کا احساس تڑپانے لگا۔ محبت کا یہ نیا تجربہ اُن کے سادہ لوح دل و دماغ پر کچھ ایسے انداز میں طاری ہوا جس نے اُن کی راتوں کی نیند اور دن کا چین سب کچھ چھین لیا۔ وہ ہمہ وقت بس ایک ہی تصور میں کھوئے کھوئے رہنے لگے ..... اور

یہ تصور ایک نئی اور الگ تھلگ زندگی کا تھا۔

زندگی ..... جس میں قہقہوں کی بھرمار شامل ہوتی۔

ایک علیحدہ گھر ہوتا۔

جہاں وہ ہوتے ..... نازلی ہوتی ..... اور

اسی ایک تصور نے منصور کی زندگی میں ایسا مد و جزر پیدا کر دیا تھا جس سے نبرد آزما ہونے کے راستے میں ماں کا وجود حائل تھا' وہ چاہتے تو ماں کی خفگی مول لے کر نازلی کو اپنا

سکتے تھے' پھر شاید وقت بگڑے ہوئے حالات کے لئے تریاق ثابت ہو جاتا۔ ممکن تھا کہ ماں کی ممتا بیٹے کی گستاخیوں کو معاف کر کے اُسے دوبارہ اپنی دنیا میں قبول کر لیتی۔ نازلی کو بہو کا درجہ مل جاتا لیکن یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ماں کا دل اولاد کی نافرمانی سے ٹوٹ جاتا۔ وہ اپنی ممتا کا گلا گھونٹ لیتی اور حالات کی ستم ظریفیوں سے گھبرا کر دنیا سے منہ موڑ لیتی اور منصور اس تصور ہی سے لرز اٹھتے تھے۔ وہ ماں کی جدائی کے غم کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ ماں' جس نے انہیں پال پوس کر پروان چڑھایا تھا' عقل و دانش سے روشناس کرایا تھا' ایک کمزور پودے کو تناور درخت کا روپ دیا اور اب خود بوڑھی ہو کر اسی تناور درخت کی چھاؤں میں ستانا چاہتی تھی۔ منصور بھلا ماں سے ممتا کا حق کس طرح چھین سکتے تھے۔ وہ اپنی محبت کا خون برداشت کر سکتے تھے لیکن ماں کے ارمانوں کو اپنی ضد سے پامال نہیں کر سکتے تھے۔ اُن میں اتنی ہمت' اتنی جرأت نہیں تھی کہ ماں سے بغاوت کر سکتے ..... اور .....

اس وقت بھی منصور اپنے دفتر میں بیٹھے ان ہی باتوں کا کوئی مناسب حل تلاش کرنے میں محو تھے کہ فون کی گھنٹی بجی اور اُن کے خیالات کا شیرازہ منتشر ہو گیا' انہوں نے حقارت بھری نظروں سے فون کی طرف دیکھا' اُن کا دل چاہا کہ دفتر کے تمام فون اٹھا کر کھڑکی سے باہر اچھال دیں جو بار بار اُن کی یکسوئی میں خلل انداز ہوتے تھے لیکن اس خیال سے کہ شاید کوئی ضروری کال ہو انہوں نے تھکے ہوئے انداز میں ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھایا۔

"ہیلو ..... منصور۔" اُن کی تھکی ہوئی آواز ماؤتھ پیس سے ٹکرائی۔

"میں نازلی بول رہی ہوں۔" دوسری جانب سے نازلی کی مترنم آواز سنائی دی تو منصور ایک لمحے کو یوں کھل اٹھے جیسے کڑی دھوپ کے بعد اچانک بادل کے کسی آوارہ ٹکڑے نے سورج کی تپش کو اپنے وجود میں چھپا لیا ہو۔

"نازلی!" منصور کے ہونٹ خزاں رسیدہ پتوں کی مانند کپکپائے۔ "میں ابھی تمہارے ہی خوبصورت تصور سے دل بہلا رہا تھا۔"

"مجھے یقین ہے منصور! اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تصور صرف تصور ہوتا ہے اُس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔"

"میں ابھی مایوس نہیں ہوا ہوں نازلی!" منصور تڑپ کر بولے۔ "امید پر تو ساری کائنات کا بھرم قائم ہے۔"

"اور جس دن امیدوں کا بھرم ٹوٹ گیا....."

"اس روز روح زخمی ہو جائے گی ..... زندگی کی نبضیں ڈوب جائیں گی۔" منصور نے بڑے کرب سے کہا۔

"میں تمہاری خاطر تمہاری کامیابی کی دعا کروں گی۔"

"شکریہ نازلی!" منصور کے سوکھے لبوں پر نڈھال سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ "شام کو مل رہی ہو؟"

"میں نے اسی مقصد سے فون کیا تھا کہ شاید میں ایک ہفتے تک تم سے ملاقات نہ کر سکوں۔"

"کیوں؟" منصور دوبارہ تڑپ اٹھے۔

"پریشان مت ہو منصور!" نازلی نے انہیں جھوٹا سہارا دیتے ہوئے کہا۔ "جب تک تمہاری شادی نہیں ہو جاتی میں اپنے وعدے کے مطابق تم سے برابر ملتی رہوں گی لیکن فی الحال میں ایک ہفتے کے لئے نینی تال جا رہی ہوں۔ ایک سہیلی کے پیہم اصرار نے مجبور کر دیا ہے ..... کوشش کروں گی کہ جلدی واپس آ جاؤں۔"

"میری خاطر واپسی کی بھرپور کوشش کرنا۔" منصور نے دل گرفتہ آواز میں کہا۔ "میں بڑی شدت سے تمہارا انتظار کروں گا۔"

"میں جانتی ہوں منصور اسی لئے تم سے ایک وعدہ لینا چاہتی ہوں۔"

"کیا۔"

"میری واپسی تک تم اپنا پورا پورا خیال رکھو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں نازلی کہ تمہاری خاطر خود کو زندہ رکھنے کی کوشش کروں گا۔" منصور نے درد بھری آواز میں جواب دیا۔

"اچھا منصور ..... خدا حافظ!"

"خدا حافظ!"

منصور نے بڑے تھکے لہجے میں کہا پھر ریسیور رکھ دیا۔ نازلی سے ایک ہفتے تک دور رہنے کے خیال نے انہیں اور نڈھال کر دیا تھا' نازلی کے بغیر ایک ایک لمحہ اُن کے لئے جاں گسل تھا' آنکھیں بند کئے وہ ریوالونگ چیئر کی پشت سے ٹک گئے۔ چہرے پر گہری اداسی تھی اور ذہن پر کچھ ایسا بوجھ طاری تھا کہ انہیں اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ کب اُن کے دفتر کے دیرینہ اور بزرگ کاروباری مینجر خواجہ رشیدالدین دفتر میں داخل ہوئے اور

کتنی دیر سے میز کے قریب کھڑے حیرت بھری نظروں سے منصور کی وحشتوں کو دیکھ رہے تھے' لمحے گزرتے رہے' وقت کی رفتار مدھم ہو گئی تھی پھر کمرے کے بوجھل سکوت میں خواجہ رشیدالدین کی آواز ابھری۔

"منصور میاں!"

اور منصور نے یکدم ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں' خواجہ صاحب کو قریب کھڑا دیکھا تو جلدی سے کرسی پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ اداس مگر سپاٹ آواز میں پوچھا۔

"آپ کب تشریف لائے خواجہ صاحب!"

"زیادہ دیر نہیں ہوئی۔" خواجہ رشیدالدین نے اپنی تجربہ کار نگاہوں سے منصور کے چہرے پر پھیلی ہوئی تھکن اور اداسی کا جائزہ لیتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ "غالباً آپ کی آنکھ لگ گئی تھی۔"

"ہاں ..... شاید۔" منصور نے کہا۔ "کوئی خاص کام درپیش ہے۔"

"جی ہاں۔" خواجہ صاحب نے ہاتھ میں دبی ہوئی فائل آگے بڑھاتے ہوئے جواب دیا۔ "کچھ اہم کاغذات پر آپ کے دستخط درکار ہیں۔"

منصور نے کوئی جواب نہیں دیا' ہاتھ دراز کر کے سنہری قلمدان سے قلم نکالا اور کاغذات دیکھے بغیر جہاں خواجہ صاحب نے انگلی رکھی دستخط کرتے گئے' انہیں اس وقت خواجہ صاحب کی آمد ناگوار گزری تھی' کوئی اور کارندہ ہوتا تو شاید منصور اُسے ڈانٹ کر بھگا دیتے لیکن خواجہ رشیدالدین کی حیثیت ملازموں کی سی نہیں تھی' سب ہی اُن کو عزت و احترام کی نظروں سے دیکھتے تھے یہاں تک کہ منصور کو یہ بھی علم تھا کہ اُن کی ماں نے بھی کبھی خواجہ صاحب کی کسی بات سے انکار نہیں کیا تھا اور گھر کے بزرگ فرد کی حیثیت سے ان کا ہمیشہ خیال رکھتی تھیں۔

کاغذات پر دستخط ہو گئے تو خواجہ صاحب نے فائل اٹھا لی' ایک نظر منصور کے چہرے پر ڈالی پھر نظریں جھکا کر واپسی کے ارادے سے ایک ہی قدم اٹھایا تھا کہ منصور نے انہیں دوبارہ روک لیا۔

"تشریف رکھئے خواجہ صاحب! مجھے آپ سے چند ایک ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

خواجہ رشیدالدین نے کوئی جواب نہیں دیا' پلٹ کر منصور کی آنکھوں میں رقصاں الجھنوں کو اپنی تجربہ کار نگاہوں سے پڑھا پھر انتہائی خاموشی سے فائل میز پر رکھ کر ایک کرسی پر آہستہ سے بیٹھ گئے' منصور کی نظریں خواجہ صاحب کے چہرے پر مرکوز تھیں کچھ

دیر تک کھوئے کھوئے انداز میں دیکھتے رہے پھر محتاط انداز میں بولے۔

"خواجہ صاحب! کیا میں اپنے کسی نجی معاملے میں بھی آپ کی شخصیت پر اعتماد کر سکتا ہوں۔"

"منصور میاں! میں پچیس سال سے آپ کے گھرانے کا نمک کھا رہا ہوں' خدا گواہ ہے کہ میں نے آپ کو ہمیشہ اپنے بچوں کی طرح سمجھا ہے اور کبھی کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا جو کسی اعتبار سے بھی آپ کے گھرانے کے لئے نقصان کا باعث بن سکتا۔" خواجہ صاحب ٹھوس لہجے میں بولے۔ "آپ کے خاندان کے احسانات مجھ پر بے شمار ہیں پھر بھلا آپ نے یہ کیسے تصور کر لیا کہ میں آپ کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانے کے جرم کا ارتکاب کر سکتا ہوں۔"

"مجھے آپ کی ذات پر مکمل بھروسہ ہے خواجہ صاحب!" منصور جلدی سے بولے۔ "والد صاحب کے سائے سے محروم ہونے کے بعد میں نے آپ ہی کو ہمیشہ اپنا بزرگ سمجھا اور جانا ہے لیکن کچھ باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو زبان تک لانے سے پہلے انسان ذاتی طور پر اپنی تسلی ضرور سمجھتا ہے۔"

"میں آپ کا مفہوم سمجھ رہا ہوں منصور میاں!" خواجہ صاحب نے سلجھے انداز میں کہا۔ "آپ بلا تکلف گفتگو کریں' میں وعدہ کرتا ہوں کہ آپ کو میری ذات سے کسی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"

"خواجہ صاحب!" منصور نے تھوڑے توقف کے بعد دبی زبان میں کہا۔ "آپ کو شاید علم ہو گا کہ امی حضور میری شادی کا ارادہ رکھتی ہیں۔"

"مجھے اس کا بخوبی علم ہے۔"

"کیا یہ ممکن نہیں، کہ آپ امی حضور سے گفتگو کر کے کچھ عرصے کے لئے شادی کے پروگرام کو ملتوی کرا دیں۔"

"بیگم صاحبہ اس کی وجہ دریافت کرنا ضروری سمجھیں گی۔" خواجہ رشید الدین نے منصور کی گفتگو کا مقصد بھانپتے ہوئے کہا۔

"وجہ صرف یہ ہے کہ میں ابھی شادی کرنا نہیں چاہتا۔" منصور الجھے ہوئے لہجے میں بولے پھر بات کو گھماتے ہوئے کہا۔ "ابھی فراز کی تعلیم بھی باقی ہے اور کاروباری حالات کو بھی پوری طرح سمجھنا ہے ..... شادی کے بعد اگر میری توجہ بٹ گئی تو شاید میں پوری ذمہ داری سے اپنے فرائض پورے نہ کر سکوں گا۔"

"آپ کے خیالات نہایت پاکیزہ اور ارادے نیک ہیں منصور میاں لیکن بیگم صاحبہ اپنی عمر کے تقاضے کے پیش نظر آپ کا گھر بسانے کی جو خواہش پوری کرنا چاہتی ہیں وہ بھی اپنی جگہ حق بجانب ہیں۔ ایسے حالات میں آپ کا انکار بیگم صاحبہ کے لئے صدمہ کا سبب بھی بن سکتا ہے۔" خواجہ صاحب نے بڑی خوبصورتی سے منصور کو حالات کا روشن پہلو دکھانے کی کوشش کی لیکن منصور کو اُن کی دلیل پسند نہ آئی۔ قدرے جھلا کر بولے۔

"گویا آپ اس سلسلے میں میری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔"

"میں بغیر کسی معقول وجہ کے بیگم صاحبہ کے سامنے زبان کھولنے سے معذور ہوں۔" خواجہ صاحب نے آہستہ سے جواب دیا تو منصور کھل گئے۔

"میرا خیال ہے خواجہ صاحب کہ آپ شادی سے میرے انکار کی وجہ بخوبی جانتے ہیں۔" انہوں نے انتہائی صاف گوئی سے کہا۔ "اگر اس کے باوجود آپ میری زبان سے انکار کی وجہ سننا چاہتے ہیں تو سن لیجئے کہ میں کہیں اور شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے حالات کا تھوڑا بہت اندازہ پہلے ہی تھا منصور میاں!" خواجہ صاحب نے ایک سچے نمک خوار ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ بیگم صاحبہ نازلی بیگم کو اپنی بہو کی حیثیت سے تسلیم نہیں کریں گی۔"

"کیوں ..... آخر نازلی میں ایسی کون سی بُرائی ہے جو وہ میرے لئے مناسب نہیں سمجھی جا سکتی۔" منصور نے تیز آواز میں پوچھا۔ خواجہ رشید الدین کی بات سن کر اُن کے چہرے کی رنگت یکلخت سرخ ہو گئی تھی۔ شاید اس لئے کہ وہ نازلی کے خلاف کچھ سننا نہیں چاہتے تھے۔

"اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے منصور میاں کہ آپ کے مرحوم والد بیرسٹر افتخار احمد کو پسند نہیں کرتے تھے۔" خواجہ صاحب دبی زبان میں بولے۔

"مجھے اس کا علم نہیں ہے لیکن اگر ایسا تھا بھی تو نازلی غریب کا اس میں کیا قصور ہے ..... باپ کے کئے کی سزا اُسے کس لئے دی جائے۔"

"آپ کا فرمانا درست ہے لیکن جب میل دلوں میں بیٹھ جائے تو اُس کا کھرچ کر نکالنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ تہذیب اور ماحول کا فرق بھی کبھی کبھی راستے کی دیوار بن جاتا ہے۔"

"میں ایسی فرسودہ باتوں کو ہیٹ (HATE) کرتا ہوں۔" منصور تلملا کر بولے۔ "میں یہ بھی سمجھ رہا ہوں کہ آپ میرے معاملے میں مجھ سے زیادہ امی حضور کی حمایت کریں

گے اس لئے کہ آپ بھی اسی دَور کی پیداوار ہیں خواجہ صاحب! جس دور میں انسان اپنی عقل و دانش کے استعمال سے زیادہ اپنے آباؤاجداد کی فرسودہ باتوں اور اُن کے اصولوں کی غلامی کو ترجیح دینے کا عادی تھا۔"

خواجہ رشیدالدین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ منصور کا لب و لہجہ آج ان کے لئے پچیس سال کی ملازمت میں پہلی بار بڑا اذیتناک ثابت ہوا تھا لیکن انہوں نے صبر و تحمل سے کام لیا۔ بس ایک نظر منصور کے چہرے پر ڈالی پھر خاموشی سے گردن جھکا لی۔

"آپ تشریف لے جاسکتے ہیں خواجہ صاحب!" منصور نے اپنے غصے کی شدت پر بمشکل قابو پاتے ہوئے انتہائی خشک لہجے میں کہا۔ "میں صرف اتنی درخواست اور کرنا چاہتا ہوں کہ میرے اور آپ کے درمیان ابھی جو گفتگو ہوئی ہے اس کا علم امی حضور کو نہیں ہونا چاہئے۔"

خواجہ صاحب نے اس بار بھی مصلحت کے تقاضوں کے پیش نظر کوئی جواب نہیں دیا' خاموشی سے تھکے ہوئے انداز میں اٹھے پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے منصور کے کمرے سے سر جھکائے باہر چلے گئے۔

☆------☆------☆

شاکر کا نتیجہ آگیا تھا' ماں کی دعائیں اور شاکر کی محنت رائیگاں نہیں گئی۔ وہ فرسٹ ڈویژن میں کامیاب ہوا تھا۔

شیخ الطاف حسین نے بیٹے کو سینے سے لگا کر ڈھیر ساری دعائیں دیں اور پھر دفتر چلے گئے۔ شاکرہ خاتون نتیجہ معلوم ہوتے ہی جلدی سے وضو کر کے شکرانے کے دو نفل ادا کرنے کے لئے جائے نماز پر بیٹھ گئیں۔ خوشی کے آنسو انمول موتیوں کی مانند نماز کے دوران بھی اُن کی پلکوں پر تھرتھراتے رہے۔ ناہید بھی چھوٹے بھائی کی کامیابی سے بے انتہا مسرور تھی اور شاکر تو جیسے خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔

دن بھر مبارک سلامت کا سلسلہ جاری رہا' شاکرہ خاتون نے حسب استطاعت محلے میں مٹھائی تقسیم کی اور دوپہر کو کچھ غریبوں میں کھانا بھی تقسیم کیا۔ محلے کی تقریباً سب ہی ملنے جلنے والیاں شاکرہ خاتون کو مبارکباد دینے آتی رہیں۔ شازیہ اپنی سسرال گئی ہوئی تھی اس لئے بیگم ابرار احمد نے بنفس نفیس خود آکر شاکر کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور انعام کے طور پر اکیاون روپے دے گئیں۔

شام کو شیخ الطاف حسین دفتر سے واپس لوٹے تو وہ بھی مٹھائی ساتھ لائے تھے' اُن

کے ملنے جلنے والوں نے آکر بیٹے کی کامیابی کی مبارکباد دی۔ مغرب تک یہی سلسلہ جاری رہا پھر رات کے کھانے کے بعد حامد حسین نرجس کو لے کر آگئے۔ ناہید نرجس کے آنے سے بے حد خوش ہوئی' پھر اُسے ساتھ لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ شاکر کے دو ایک ہم جماعت آگئے تھے' اس لئے وہ باہر چلا گیا۔ شیخ الطاف حسین چھوٹے بھائی کو لے کر اپنے کمرے میں آگئے۔ شاکرہ خاتون نے دیور کی لائی ہوئی ڈھیر ساری مٹھائی لے جا کر نعمت خانے میں رکھی پھر وہ بھی شوہر کے کمرے میں آگئیں جہاں حامد حسین بڑے بھائی سے باتوں میں مصروف تھے۔

"حامد بھائی!" شاکرہ خاتون نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "آپ تو اتنی بہت ساری مٹھائی اٹھا لائے ہیں کہ ہفتوں اس کا سلسلہ ختم ہونا مشکل ہو گا' بھلا اتنے تکلف کی کیا ضرورت تھی۔"

"فکر مت کیجئے بھابی صاحبہ! نرجس کا نتیجہ بھی ہفتے عشرے میں آنے والا ہے' میں آپ سے دوگنی مٹھائی وصول کر لوں گا۔"

"کیوں نہیں' خدا اسے کامیاب کرے' میں دوگنی مٹھائی لے کر آؤں گی۔"

"نرجس بھی بے حد ذہین بچی ہے۔" الطاف حسین بولے۔ "مجھے خدا کی ذات سے قوی امید ہے کہ وہ بھی یقیناً کامیاب ہو گی۔"

"ان شاء اللہ۔" شاکرہ خاتون نے بڑے خلوص سے کہا۔

"ابھی تو مجھے آپ سے اور بھی بہت ساری مٹھائی کھانی ہے۔" حامد حسین نے شاکرہ خاتون سے کہا۔

"کیا خدا رکھے اپنے سلیم میاں کی بات بھی طے ہو گئی ہے۔" شاکرہ خاتون نے چونکتے ہوئے دریافت کیا۔

"وہ تو خیر بعد کی بات ہے' فی الحال بیگم سجاد نے میرا ناک میں دم کر رکھا ہے۔" حامد حسین بولے۔ "آج ہی میرے ساتھ آنے پر بضد تھیں لیکن میں نے بات کل پر ٹال دی' لہٰذا کل شام کی چائے پر آپ کو پھر میرے لئے اہتمام کرنا پڑے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ شاکر کے نتیجے کا علم بیگم سجاد کو بھی ہو گیا ہے۔" الطاف حسین نے کہا۔

"وہ تو خیر ہو چکا ہے بھائی صاحب لیکن وہ اس خوشی کے موقع پر ایک پنتھ دو کاج کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔" حامد حسین بولے۔ "مجھ سے فون پر بار بار یہی اصرار کر رہی

تھیں کہ کل ہی میں ناہید اور منصور کی شادی کی تاریخ بھی پکی کرا دوں۔"

"تاریخ تو خیر کسی نہ کسی دن طے ہونی ہی ہے حامد بھائی لیکن کیا نجمہ کو اس بات پر شکایت نہ ہو گی کہ انہیں بروقت اطلاع دی جا رہی ہے۔" شاکرہ خاتون نے سنجیدگی سے کہا۔

"میرا مشورہ ہے کہ اس موقع پر بھی اگر آپ ہماری بیگم صاحبہ کو نظرانداز کر دیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔"

"وہ کس لئے؟"

"اس لئے کہ میں اُن کا شوہر ہوں اور آپ لوگوں سے اُن کو زیادہ سمجھتا ہوں۔" حامد حسین بولے۔ "فی الحال آپ خاموشی سے شادی کی تاریخ طے کر لیں۔ بعد میں موقع دیکھ کر میں خود ہی اُن کو مطلع کر دوں گا۔"

"آپ سوچ لیں حامد بھائی! کہیں ایسا نہ ہو کہ اس طرح بات زیادہ بگڑ جائے۔"

"یہ میری ذمہ داری ہے کہ بات خراب نہ ہونے دوں گا' آپ تو بس اللہ کا نام لے کر تاریخ طے کر دیجئے۔" حامد حسین نے سنجیدگی سے کہا۔ "منصور جیسے لڑکوں کا ملنا ہمارے لئے خوش نصیبی کی بات ہے اور پھر میں نے ہر طرح سے اطمینان بھی کر لیا۔"

"اگر تم نے ہر طرح سے اطمینان کر لیا ہے تو پھر بھلا ہمیں کیا انکار ہو سکتا ہے۔" الطاف حسین بولے۔ "ویسے تاریخ کے سلسلے میں تم نے کیا سوچا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ عید کے چاند کی شروع کی کوئی تاریخ مناسب رہے گی۔" حامد حسین نے کہا۔ "بیگم سجاد بھی یہی چاہتی ہیں۔"

"اگر آپ کا بھی یہی خیال ہے کہ عید کا چاند مناسب رہے گا تو ہم تیار ہیں لیکن یہ سوچ لیجئے حامد بھائی کہ شاکر میں ابھی زیادہ سوجھ بوجھ نہیں ہے اس لئے شادی کی تیاریوں کی ذمہ داری بھی آپ ہی کو قبول کرنی ہو گی۔" شاکرہ خاتون نے دیور سے کہا۔

"مجھے منظور ہے لیکن اس شرط پر کہ پھر نرجس کی دفعہ سارا انتظام آپ کو کرنا ہو گا۔"

"منظور۔" شاکرہ خاتون نے اٹھتے ہوئے شوخی سے کہا۔ "اب اسی بات پر آپ کا منہ بھی میٹھا کرا دوں ورنہ آپ تقاضہ کر بیٹھیں گے۔"

شاکرہ خاتون دیور کے لئے چائے کا اہتمام کرنے چلی گئیں تو الطاف حسین نے چھوٹے بھائی کو بڑی سنجیدگی سے مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

"سلیم کے سلسلے میں کیا رہا' بات کچھ آگے بڑھی یا نہیں؟"

"سلیم فی الحال شادی کرنے کے موڈ میں نہیں ہیں اس لئے میں نے بھی انہیں اُن کے حال پر چھوڑ دیا ہے۔" حامد حسین مضطرب انداز میں بولے۔

"کیا مطلب؟" الطاف حسین نے چونکتے ہوئے کہا۔ "کیا سلیم نے تم سے بات کی تھی؟"

"ابھی اُن میں اتنی جرأت پیدا نہیں ہوئی کہ مجھ سے کھل کر بات کر سکیں لیکن میں محسوس کر رہا ہوں بھائی صاحب کہ نجمہ کے بے حد لاڈ پیار نے سلیم کی عادتیں حد درجہ بگاڑ رکھی ہیں۔" حامد حسین نے دبی زبان میں کہا۔ "اگر یہی حالت برقرار رہی تو پھر خدا ہی حافظ ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ تمہیں ضرور سلیم کی طرف سے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے ورنہ بظاہر تو وہ بڑا نیک اور سعادت مند نظر آتا ہے۔" الطاف حسین بولے۔ "کیا تم نے از خود شادی کے سلسلے میں سلیم سے بات نہیں کی۔"

"جی نہیں' مجھے ابھی اس کا موقع نہیں مل سکا۔" حامد حسین نے بجھی آواز میں جواب دیا۔ "صاحبزادے ماں سے انکار کر کے ایک ہفتے کے لئے تبدیلی آب و ہوا کی خاطر نینی تال تشریف لے گئے ہیں۔"

"وہ نینی تال سے واپس آ جائے تو میں بات کروں گا۔" الطاف حسین نے بھائی کو دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔ "سلیم کم از کم میرا بے حد احترام کرتا ہے' مجھے یقین ہے کہ وہ میرا کہا نہیں ٹالے گا۔"

"لیکن شاید نجمہ بیگم آپ کی دخل اندازی کو بھی پسند نہیں کریں گی۔" حامد حسین بولے۔ "وہ ابھی تک سلیم کو دودھ پیتا بچہ تصور کرتی ہیں اور اُس کی ہر جا اور بے جا خواہش کو پورا کرنا اپنا فرض سمجھتی ہیں۔"

"ماں بہرحال ماں ہوتی ہے۔" الطاف حسین نے بھائی کے چہرے کے مضمحل تاثرات کو بھانپتے ہوئے کہا۔ "اولاد خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو جائے' والدین کی نظروں میں بچہ ہی ہوتی ہے اور پھر ابھی سلیم کی عمر بھی کچھ زیادہ نہیں ہے۔ ذمہ داریوں کا بوجھ سر پر پڑے گا تو خود بخود حالات سدھر جائیں گے۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو بھائی صاحب! لیکن میں نے سنا ہے کہ اُس کی سوسائٹی بھی کچھ زیادہ اچھی نہیں ہے۔ اگر ابھی سے تنبیہہ نہ کی گئی تو آگے چل کر حالات پر قابو پانا

بھی مشکل ہو جائے گا ..... وہ نینی تال سے واپس آ جائے تو میں خود اس سے بات کروں گا۔"

"ضرور بات کرو لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ جوان لڑکا ہے۔" الطاف حسین نے چھوٹے بھائی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "غصے میں آ کر کوئی ایسی بات نہ کہہ بیٹھنا کہ باپ بیٹے کے درمیان جو احترام باقی ہے وہ بھی اٹھ جائے۔ محبت اور نرمی سے زمانے کی اونچ نیچ سمجھانے کی کوشش کرنا۔ مجھے امید ہے کہ حالات ٹھیک ہو جائیں گے۔"

حامد حسین خاموشی سے بیٹھے بڑے بھائی کی باتیں سنتے رہے۔ پھر شاکرہ خاتون کے آ جانے سے بات ختم ہو گئی' الطاف حسین بھی چھوٹے بھائی کی موجودگی میں سلیم کا مسئلہ بیوی کے سامنے نہیں جاری رکھنا چاہتے تھے چنانچہ بڑی خوبصورتی سے بات کا رخ موڑتے ہوئے بولے۔

"یہ نرجس اور ناہید کہاں غائب ہیں۔"

"ناہید نرجس کو لئے اپنے کمرے میں بیٹھی ہیں اور ایسی گھل مل کر باتیں کر رہی ہیں جیسے برسوں کی بچھڑی ملی ہوں۔" شاکرہ خاتون نے چائے کی ٹرے دیور کے سامنے گول میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "میں نرجس کی چائے وہیں دے آئی ہوں۔"

"خدا ان بچیوں کی محبت برقرار رکھے۔" الطاف حسین بولے۔ "بے انتہا نیک اور فرمانبردار لڑکیاں ہیں' میں تو ابھی سے سوچتا ہوں کہ جب یہ رخصت ہو کر اپنے اپنے گھر چلی جائیں گی تو ہمارا دل کیسے لگے گا۔"

"وہ تو خیر ہے لیکن والدین کو اپنا فرض تو بہرحال پورا کرنا پڑتا ہے۔" شاکرہ خاتون نے بھی ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ پھر دیور کے لئے چائے بناتے ہوئے بولیں۔ "لیجئے حامد بھائی! آپ منہ تو میٹھا کر لیں ورنہ بعد میں طعنہ دیں گے کہ بھتیجی کی بات پکی ہو گئی لیکن بھابی نے منہ بھی میٹھا نہیں کرایا۔"

حامد حسین چونکہ سلیم کے تذکرے پر کچھ آزردہ خاطر سے ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے بھاوج کی بات کا کوئی جواب تو نہ دیا مسکراتے ہوئے بالو شاہی کی ایک ڈلی اٹھا کر منہ میں رکھی اور چائے پینے لگے' چائے کے دوران ایک بار پھر ناہید اور منصور کی شادی کا ذکر چھڑ گیا۔ کافی غور و خوض کے بعد باہم مشورے سے یہ طے پایا کہ کل جب بیگم سجاد آئیں گی تو انہیں عید کے چاند کی گیارہویں تاریخ دے دی جائے گی۔

"میرا خیال ہے کہ اگر کل بیگم ابرار کو بھی مدعو کر لیا جائے تو مناسب رہے گا۔"

الطاف حسین بیوی سے بولے۔ "تاریخ طے ہونے کے مبارک موقع پر ایک دو بزرگوں کا ہونا تو بہرحال ضروری ہوتا ہے۔"

"آپ نے میرے منہ کی بات چھین لی۔" شاکرہ خاتون نے کہا۔ "میں نے بھی یہی سوچ رکھا تھا کہ اُن کو ضرور بلوالوں گی۔"

پھر شاکر کے آ جانے سے بات آگے نہ بڑھ سکی' حامد حسین شاکر سے باتوں میں مصروف ہو گئے اور آئندہ تعلیمی سلسلہ جاری رکھنے کے بارے میں بات چیت کرتے رہے' اس کے بعد رات تقریباً دس بجے انہوں نے بھائی اور بھاوج سے اجازت چاہی اور نرجس کو لے کر چلے گئے' جانے سے پہلے انہوں نے شاکر کو پارکر کا ایک قیمتی سیٹ اُس کی کامیابی کی خوشی میں بطور انعام دیا تھا۔

☆------☆------☆

ہلکے آسمانی رنگ کے غرارہ سوٹ میں آج بیگم سجاد کی پُروقار شخصیت کچھ زیادہ ہی نکھر آئی تھی۔

جس وقت وہ شاکرہ خاتون کے گھر سے رخصت ہو کر اپنی گاڑی میں بیٹھی تھیں اُس وقت اُن کے چہرے پر ممتا کا بھرپور نور دمک رہا تھا۔ آنکھوں میں جیسے دنیا جہان کی خوشیاں سمٹ آئی تھیں۔ منصور کی شادی کی تاریخ طے ہو جانے پر انہیں ایسا سکون ملا تھا جیسے اُن کے سر سے کوئی وزنی بوجھ اتر گیا ہو۔ اُن کا بس چلتا تو اُڑ کر گھر پہنچ جاتیں۔

بوڑھا ڈرائیور رحیم اگلی سیٹ پر بیٹھا بڑی مستعدی سے گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا۔ بیگم سجاد کی خوشیاں اس سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکی تھیں۔ سجاد صاحب کے انتقال کے بعد آج اُس نے پہلی بار اُن کے چہرے پر خوشیوں کی ہزاروں کرنیں چمکتی دیکھی تھیں اور وہ سمجھ گیا تھا کہ آج بیگم سجاد کس لئے خوش ہیں' بیٹے کے سہرے کی تمنا آج بار آور ثابت ہوئی تھی اور اسی لئے آرزوؤں کا ہجوم مسرتوں کا گہوارہ بن کر اُن کے وجود پر چھا گیا تھا۔ اُن کی نگاہیں بار بار عقب نما شیشے کی جانب اٹھ رہی تھیں جس میں بیگم سجاد کا پُروقار چہرہ آج گلنار نظر آ رہا تھا۔

"رحیم!" بڑے چوک کے قریب سے گزرتے ہوئے بیگم سجاد نے ڈرائیور سے کہا۔ "گاڑی کہیں قریب روک کر دس سیر مٹھائی لے لو۔"

"بہتر ہے بیگم صاحبہ!" رحیم نے دبی زبان میں کہا پھر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اُس نے پوچھ ہی لیا۔ "کیا اپنے منصور میاں کے رشتے کی بات پکی ہو گئی ہے۔"

"ہاں رحیم! عید کے چاند کی گیارہ تاریخ کو تمہارے منصور میاں اپنے گھر کے ہو جائیں گے۔"

"خدا آپ کو ایسی ہزاروں خوشیاں دیکھنی نصیب کرے بیگم صاحبہ!" بوڑھے ڈرائیور نے بڑے خلوص سے کہا پھر مٹھائی کی دُکان قریب آئی تو اُس نے گاڑی ایک طرف کر کے کھڑی کی اور انجن بند کر کے نیچے اتر گیا۔

قصر سجاد کو ملازموں نے آج بقعہ نور بنا رکھا تھا' بیگم سجاد کی گاڑی پھاٹک سے اندر داخل ہوئی تو عبدل نے لپک کر دروازہ کھولا' بیگم سجاد مسکراتی اور غرارہ سنبھالتی نیچے اتریں' بوا سروری نے بڑھ کر مٹھائی کے ڈبے گاڑی سے نکالے تو بیگم سجاد نے عبدل سے کہا۔

"اس میں سے دو ڈبے ملازموں میں تقسیم کر دو اور باقی تین ڈبے اندر پہنچوا دو۔ آج تمہارے منصور میاں کی بات پکی ہو گئی ہے۔"

"اللہ مبارک کرے۔" بوا سروری نے آگے بڑھ کر لپکتے ہوئے کہا۔ "میں اس خوشی کے موقع پر نیا جوڑا لوں گی آپ سے۔"

"فکر مت کرو بوا! تمہارے لئے تو میں گوٹے اور لچکے کا سرخ جوڑا بنواؤں گی۔" بیگم سجاد نے مسکراتے ہوئے کہا پھر قدم اٹھاتی ڈرائنگ روم میں آ گئیں جہاں خواجہ رشیدالدین پہلے سے اُن کے منتظر تھے۔ بیگم سجاد نے دوپہر ہی کو اُن سے تاکید کر دی تھی کہ مغرب بعد گھر آ جائیں۔

"آپ کو زیادہ دیر تو میرا انتظار نہیں کرنا پڑا خواجہ صاحب!"

"جی نہیں۔" خواجہ صاحب نے احتراماً اٹھتے ہوئے کہا۔ "دس پندرہ منٹ پیشتر ہی آیا ہوں۔"

"تشریف رکھئے خواجہ صاحب!" بیگم سجاد نے خود بھی ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے منصور کی شادی کی تاریخ طے ہو جانے کی خوشخبری سنائی پھر بولیں۔ "میں نے آپ کو اس وقت اس لئے زحمت دی تھی کہ سب سے پہلے تو آپ ایک ایکسپریس تار فراز کو خوشخبری کا دے دیں اور اس بات کی بطور خاص تاکید کر دیں کہ اُسے منصور کی شادی میں ہر قیمت پر شریک ہونا ہے۔ ابھی سے رخصت حاصل کرنے کی کوشش شروع کر دے۔"

"آپ مطمئن رہیں بیگم صاحبہ! میں واپسی میں بڑے تار گھر سے فراز میاں کو تار دیتا جاؤں گا۔"

"شادی میں صرف سوا مہینہ باقی ہے اور آپ کو سارے انتظامات مکمل کرنے ہیں اس لئے اگر آپ مناسب سمجھیں تو دفتری ذمہ داریاں کسی اور کے سپرد کر دیں۔" بیگم سجاد نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "سب سے بڑا کام تو مہمانوں کی فہرست تیار کرنی ہے' کارڈ چھپوا کر تقسیم کرانے ہیں' اس کے علاوہ بھی ہزاروں کام ہیں جو آپ ہی کو انجام دینے ہیں۔"

"آپ کی خوشی میری خوشی ہے بیگم صاحبہ!" خواجہ صاحب نہایت اپنائیت سے بولے۔ "آپ کسی کام کے لئے فکرمند نہ ہوں' خدا نے چاہا تو سارے کام آپ کی مرضی کے مطابق اور وقت سے پہلے مکمل ہو جائیں گے۔"

"آپ کل کسی وقت احتیاطاً بینک سے پچاس ہزار روپیہ نکلوا لیجئے گا اور منصور کی شادی کی خوشی میں دو بکرے ذبح کروا کے یتیم خانے بھی ضرور بھجوا دیجئے گا۔ غریبوں میں کھانا میں الگ سے تقسیم کروں گی۔ میرے لئے ایک طویل مدت کے بعد یہ خوشی کا موقع آیا ہے خواجہ صاحب! میں اس موقع پر بخل سے کام نہیں لوں گی۔"

"خدا آپ کو ہمیشہ سلامت رکھے بیگم صاحبہ! اور منصور میاں کے بعد فراز میاں کا سہرا بھی دیکھنا نصیب کرے۔"

"منصور میاں تو آپ کے آنے سے کچھ دیر پیشتر تیار ہو کر کہیں گئے ہیں۔" بوا سروری نے پان کی گلوری منہ میں رکھتے ہوئے جواب دیا۔ "عبدل سے کہہ رہے تھے کہ انہیں کسی پارٹی میں شرکت کرنی ہے' رات کو دیر سے واپسی ہو گی۔"

"اچھا بوا! ذرا مٹھائی پلیٹ میں سجا کر لے آؤ۔ میں خواجہ صاحب کا منہ تو میٹھا کرانا بھول ہی گئی۔" بیگم سجاد نے خواجہ صاحب کو معذرت طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا پھر جلدی سے یاد کر کے بولیں۔ "اور ہاں خواجہ صاحب خوشی کے اس موقع پر دفتر کے کارندوں کو نہ بھول جایئے گا۔ کل صبح ہی سب میں دل کھول کر مٹھائی تقسیم کرا دیجئے گا۔ میں چاہتی ہوں کہ پورے الہ آباد میں اس بات کی خبر ہو جانی چاہئے کہ منصور اب کسی اور کی ذات سے وابستہ ہو گئے ہیں۔"

"ہر کام آپ کی مرضی کے مطابق ہو گا بیگم صاحبہ!"

"خواجہ صاحب!" بیگم سجاد نے معاً سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے پوچھا۔ "اس خوبصورت اور زہریلی ناگن کے بارے میں آپ کی کیا اطلاع ہے جو ہمارے منصور کو ڈسنے کے منصوبے بنا رہی تھی' کیا اب بھی منصور کی اور اس کی ملاقاتیں ہوتی ہیں؟"

"جی ..... جی نہیں بیگم صاحبہ! جب سے آپ نے شیخ صاحب کے ہاں رشتے کی بات چھیڑی ہے منصور میاں تمام لغویات سے کنارہ کش ہو گئے ہیں۔" خواجہ رشید الدین نے نہایت صفائی سے جھوٹ بولتے ہوئے جواب دیا۔ وہ پچیس سال سے اس گھرانے سے وابستہ تھے' انہوں نے ہمیشہ اس گھرانے کی خوشیوں کو اپنی خوشیوں پر ترجیح دی تھی پھر آج یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ اس خوشی کے موقع پر منصور سے اپنی گفتگو کی تفصیل دہرا کر بیگم سجاد کی مسرتوں پر اوس ڈال دیتے۔

بیگم سجاد کی طرح خواجہ صاحب کو بھی اس بات کا یقین تھا کہ نازلی کے عشق کا بھوت اور محبت کا فصلی بخار جو ہر نوجوان کی زندگی میں ایک نہ ایک بار ہلچل ضرور مچاتا ہے' شادی کے بعد از خود اُتر جائے گا اور ذمہ داریوں کا بوجھ منصور کو راہِ راست پر لے آئے گا۔ یہ اور بات تھی کہ مستقبل میں کیا پیش آئے اور فلک کج رفتار کیا گل کھلائے' اس کا علم تو سوائے خدا کی ذات کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا تھا۔

خواجہ صاحب چلے گئے تو بیگم سجاد اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔ آج اُن کی طبیعت متضاد کیفیتوں سے دوچار ہو رہی تھی' کبھی شوہر کی کمی کا احساس اُن کی آنکھوں میں نمی بن کر ابھر آتا اور کبھی جوان اولاد کے سر پر سہرا دیکھنے کا تصور ان کے چہرے کو کندن کی طرح دمکا دیتا تھا اور کبھی وہ پھر ملول ہو کر نازلی کے بارے میں سوچنے لگتیں۔ انہیں اپنے خون پر اعتماد تھا۔ جو تربیت انہوں نے اپنی اولاد کو دی تھی وہ اُن کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتی تھی لیکن انہیں زمانے کی رفتار سے ڈر لگتا تھا۔

اگر اُن کے بس میں ہوتا تو وہ آج ہی ناہید کو بہو بنا کر اپنے گھر لے آتیں۔ انہیں اپنے انتخاب پر بھی اعتماد تھا' دونوں گھروں کے ماحول میں بھی بڑی یکسانیت تھی' ناہید کی تربیت بھی اُسی انداز میں ہوئی تھی جو تربیت بیگم سجاد نے اپنی اولاد کو دی تھی۔ اس کے علاوہ ناہید خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ خوب سیرت اور ذہین بھی تھی' انہیں نہ جانے کیوں اس بات کا بڑا یقین تھا کہ ناہید بہو بن کر آئے گی تو ان کے گھر کا نقشہ بدل جائے گا۔ منصور پہلی ہی نظر میں ناہید کے گرویدہ ہو جائیں گے اور نازلی کا منحوس تصور اس طرح اُن کے ذہن سے دور ہو جائے گا جیسے چلچلاتی دھوپ میں ابر رحمت آسمان کے کشادہ سینے پر چھا جائے تو دھوپ کی تپش ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکوں سے دم توڑ دیتی ہے۔

بیگم سجاد اپنے کمرے میں مسہری پر لیٹی انہی خیالات میں محو تھیں' بوا سروری اُن کی پائنتی بیٹھی ہولے ہولے اُن کا پاؤں دبا رہی تھیں کہ باہر سے گاڑی کے ہارن کی آواز

سنائی دی اور بیگم سجاد جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئیں' لمبے لمبے قدم اٹھاتی خواب گاہ سے نکل کر راہداری میں آئیں۔ منصور اپنے کمرے کی سمت جا رہے تھے۔ ماں پر نظر پڑی تو ٹھٹک کر رُک گئے' ایک لمحے کو ماں کے چہرے پر امید و بیم کی ملی جلی کیفیتیں دیکھ کر کچھ سوچا پھر بڑے دلآویز انداز میں مسکراتے ہوئے ماں کے قریب آ کر دست بستہ سلام کرتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال تھا کہ آپ سو چکی ہوں گی۔"

"آج نیند نہیں آ رہی ہے۔" بیگم سجاد نے اولاد کو ممتا بھری شفیق نظروں سے دیکھا۔

"خیریت تو ہے امی حضور!" منصور بے چین ہو کر بولے۔ "خدا نخواستہ کہیں آپ کی طبیعت پھر خراب تو نہیں ہو گئی۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے' میرے ساتھ آؤ۔" بیگم سجاد نے سنجیدگی سے کہا پھر منصور کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئیں۔

"امی حضور! میں ایک بار پھر آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ کچھ دنوں کے لئے تبدیلی آب و ہوا کے واسطے کسی پُرفضا مقام پر چلی جائیں۔" منصور نے ماں کی سنجیدگی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"ماں کی خوشیاں پُرفضا مقام سے نہیں اولاد کی خوشیوں سے وابستہ ہوتی ہیں منصور بیٹے!" بیگم سجاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں آج بیگم الطاف حسین کے ہاں گئی تھی۔"

"اوہ.....!" منصور نے مختصراً کہا پھر نظریں جھکا لیں۔

"خدا کی شکر ہے کہ آج میں بیگم الطاف حسین سے تمہاری شادی کی تاریخ بھی طے کر آئی ہوں۔ انہوں نے عید کے چاند کی گیارہ تاریخ دی ہے۔" بیگم سجاد نے مسرت بھرے لہجے میں کہا پھر بیٹے کی خاموشی کو بھانپتے ہوئے قدرے تذبذب سے بولیں۔

"منصور بیٹے! کیا تمہیں میرے فیصلے سے کوئی اختلاف تو نہیں ہے۔"

منصور نے جواب میں نظریں اٹھا کر ماں کو غور سے دیکھا' وہ کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن ماں کی سوالیہ نظروں میں ممتا کی تڑپ دیکھ کر خود بھی تڑپ اٹھے' آہستہ سے بولے۔

"امی حضور! کیا آج سے پہلے میں نے کبھی آپ کے فیصلے سے اختلاف کیا ہے؟"

"خدا تمہیں ہمیشہ سلامت رکھے۔" بیگم سجاد کی آواز رندھ گئی۔ اولاد کی رضامندی نے اُن کی خوشیوں کو ہوا دی تو وہ اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکیں۔ ممتا کا جوش مارتا ہوا

خون چھلک کر آنسوؤں کی شکل میں آنکھوں تک آگیا۔ رقت بھری آواز میں بولیں۔
"آج اگر تمہارے والد زندہ ہوتے تو یہ فرض انہیں پورا کرنا ہوتا لیکن تقدیر کے آگے انسان بے بس ہوتا ہے' جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔"

اور منصور ماں کو روتا دیکھ کر خود بھی اپنے جذبات پر قابو نہ پا سکے۔ "امی حضور!" کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھے اور بے اختیار ماں کے کشادہ سینے میں سر چھپا کر خود بھی رونے لگے۔ ان آنسوؤں میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ جانے کا احساس بھی شامل تھا۔

اپنی بے بسی اور لاچارگی کا غم بھی تھا۔

نازلی سے جدائی کا صدمہ بھی۔

لیکن.....

ماں کی آنکھوں سے چھلکے ہوئے آنسوؤں نے انہیں مہربلب کر دیا تھا۔

☆------☆------☆

جب سے بیگم سجاد منصور اور ناہید کی شادی کی تاریخ طے کر کے گئی ہیں' شاکرہ خاتون کی مصروفیات میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ہمہ وقت ناہید کے جہیز کی تیاریوں میں مگن نظر آتی ہیں۔ شیخ الطاف حسین بھی دفتر سے واپسی پر بیوی کا ہاتھ بٹانے بیٹھ جاتے ہیں۔ آج بھی جب وہ دفتر سے تھکے ماندے واپس لوٹے تو شاکرہ خاتون اپنے کمرے میں کھولے بیٹھی تھیں اور جہیز کے جوڑوں کا حساب لگا رہی تھیں۔ شوہر کی آمدنی قلیل ہونے کے باوجود شاکرہ خاتون ہر مہینے کچھ نہ کچھ پس انداز کر لیتی تھیں اور آہستہ آہستہ ناہید کے لئے ایک ایک دو دو جوڑے تیار کرتی رہتی تھیں اور اس طرح انہوں نے اب تک گیارہ جوڑے تیار کر لئے تھے البتہ ان جوڑوں پر ابھی کام ہونا باقی تھا۔

شیخ الطاف حسین کو ان تیاریوں کا مطلق کوئی علم نہیں تھا۔ اُن کو بیوی پر مکمل اعتماد تھا اس لئے جو کماتے خاموشی سے گھر لا کر بیوی کے ہاتھ پر رکھ دیا کرتے۔ آج تک کبھی انہوں نے پلٹ کر بیوی سے کوئی حساب نہ لیا تھا۔ باپ ہونے کے ناطے سے ناہید کے جوان ہونے کی فکر انہیں بھی تھی لیکن وہ ہمیشہ سے صبر و شکر کے عادی تھے اس لئے انہیں خدا پر بھروسہ تھا کہ جب وقت آئے گا تو خدا کی رحمت غیب سے ناہید کی قسمت کا حصہ بھی حسب مقدور ضرور دے گی۔ انہوں نے کبھی کسی کے آگے دست سوال وا نہیں کیا تھا۔ جب بھی مانگا تھا اپنے قادر مطلق ہی سے مانگا تھا۔ لیکن شاکرہ خاتون کو اسی وقت سے ناہید کی فکر لاحق ہو گئی تھی جب اس نے میٹرک کا امتحان پاس کیا تھا لہٰذا اسی وقت

سے انہوں نے آہستہ آہستہ نہایت سلیقے اور دانشمندی سے اس طرح ناہید کے جہیز کی تیاریاں چپ چپاتے شروع کر دی تھیں کہ خود شیخ الطاف حسین کو بھی کانوں کان خبر نہیں تھی چنانچہ جب انہوں نے رنگ برنگے کپڑے بکھرے دیکھے تو یہی خیال تھا کہ یہ سب کچھ اس رقم سے تیار ہوا ہے جو اُن کے چھوٹے بھائی چیک کی صورت میں دے گئے تھے۔

شاکرہ خاتون نے شوہر کی آنکھوں میں خوشی اور حیرت کے ملے جلے تاثرات دیکھے تو زیر لب مسکراتے ہوئے بولیں۔

"اس قدر غور سے کیا دیکھ رہے ہیں' اپنی ناہید ہی کے جہیز کے جوڑے ہیں۔"

"خدا کی شان دیکھ رہا ہوں بیگم!" الطاف حسین نے شیروانی اتارتے ہوئے کہا۔ "حامد کے اصرار پر میں نے بیگم سجاد کے اعلیٰ گھرانے میں ناہید کے لئے ہاں تو کر لی تھی لیکن دل میں یہ خوف بھی تھا کہ کہیں شادی کے موقع پر ہماری سکی نہ ہو۔ بہرحال میں نے اس خیال سے کہ حامد کی دل شکنی نہ ہو اُس کا دیا ہوا چیک قبول تو کر لیا ہے لیکن اس رقم کو میں اپنے اوپر قرض حسنہ سمجھ رہا ہوں اگر حالات کبھی سازگار ہوئے تو میں یہ رقم حامد کو کسی اور شکل میں ضرور واپس لوٹا دوں گا۔"

"خدا گواہ ہے کہ میں نے بھی اپنے دل میں یہی سوچ رکھا تھا۔" شاکرہ خاتون نے سنجیدگی سے جواب دیا پھر شوہر کو ٹٹولتی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ نے ان کپڑوں کے بارے میں اپنا کوئی خیال ظاہر نہیں کیا؟"

"خدا ناہید کو پہننا نصیب کرے' ماشاء اللہ نہایت خوبصورت اور قیمتی کپڑے ہیں۔"

"میرا ارادہ ناہید کو جہیز میں پورے اکیس جوڑے دینے کا ہے۔" شاکرہ خاتون نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ابھی اور دس جوڑے تیار کرنے ہیں۔"

"آپ جیسا مناسب سمجھیں۔" الطاف حسین نے بیوی کا دل رکھنے کی خاطر دبی زبان میں کہا۔ "اس بات کا خیال بھی رکھئے گا کہ ابھی ہمیں زیورات اور فرنیچر کا بھی بندوبست کرنا ہے' اُس کے علاوہ اور بھی بہت سارے متفرق خرچے ہوں گے۔"

"میں نے تمام باتیں سوچ رکھی ہیں' آپ اپنے ذہن پر کوئی بوجھ نہ ڈالیں۔" شاکرہ خاتون بولیں۔ "جہاں تک زیورات کا مسئلہ ہے تو ممانی جان کو خدا جنت نصیب کرے۔ جو کچھ انہوں نے چڑھاوے میں دیا تھا وہ بھی ناہید ہی کے کام آئے گا۔ اس کے علاوہ امی جان کے دیئے ہوئے زیورات بھی ہیں۔ البتہ میں چاہتی ہوں کہ ایک سیٹ نئے فیشن کا اور خرید لوں' اس طرح تین سیٹ پورے ہو جائیں گے۔"

"گویا آپ کے پاس سہاگ کی کوئی نشانی باقی نہیں بچے گی۔"

"شیطان کے کان بہرے' ایسی بُری فال زبان سے کیوں نکال رہے ہیں۔" شاکرہ خاتون شوہر کو ٹوکتے ہوئے بولیں۔ "خدا آپ کو تاقیامت زندہ سلامت رکھے' میرے سہاگ کی نشانی بھلا آپ کے دم سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے اور پھر آپ نے شادی کی رات جو جڑاؤ کنگن مجھے دیئے تھے اُسے تو میں نے اپنی جان سے زیادہ سنبھال کر رکھا ہے۔"

الطاف حسین نے بیوی کو چھیڑتے ہوئے کہا۔ "شاید اسی لئے آج آپ نے چائے کو بھی نہیں پوچھا۔"

"ارے ہاں' میں تو بھول ہی گئی تھی ..... آپ چل کر منہ ہاتھ دھو کر کپڑے تبدیل کیجئے' میں آپ کے لئے چائے لے کر آتی ہوں۔"

"ناہید کہاں ہے' نظر نہیں آ رہی۔"

"دوپہر کو شازیہ آئی تھی' وہ اصرار کر کے اپنے ہاں لے گئی ہے' اب آتی ہی ہو گی۔"

شیخ الطاف نے کپڑے تبدیل کئے پھر منہ ہاتھ دھو کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ شاکرہ خاتون چائے لے کر آ گئیں۔ انہوں نے ابھی تک شوہر کو یہ بات نہیں بتائی تھی کہ ناہید کے لئے جو گیارہ جوڑے تیار ہو چکے ہیں وہ ان ہی کی گاڑھی کمائی سے پس انداز کی ہوئی رقم کے تھے۔ جب الطاف حسین چائے پی کر کمر سیدھی کرنے کی خاطر لیٹے تو شاکرہ خاتون نے ایک دل آویز تبسم ہونٹوں پر سجاتے ہوئے کہا۔

"کل دفتر جاتے وقت حامد بھائی کا چیک بھی لیتے جایئے گا' بینک سے روپیہ نکل آئے تو باقی انتظامات بھی کرنے ہیں' شادی میں اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" الطاف حسین نے چونکتے ہوئے بیوی کو غور سے دیکھا۔ "اور یہ سارے کپڑے کہاں سے آ گئے؟"

"یہ سب آپ ہی کے دم کا ظہور ہے۔" شاکرہ خاتون نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں نے چار سال میں ایک ایک کر کے تیار کئے ہیں۔"

"اور مجھے خبر تک نہ ہوئی۔" الطاف حسین نے بیوی کو تعریفی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں تو یہی سمجھ رہا تھا کہ آپ نے یہ سب کچھ حامد کے پیسے سے کیا ہے۔"

"آپ تو ابھی سے سٹھیاتے جا رہے ہیں۔" شاکرہ خاتون بڑی محبت سے بولیں۔ "کہ

چیک بھنوانے کے لئے میں بینک جاتی' شاکر ابھی بچہ ہے اس لئے اتنی بڑی رقم کا چیک اُسے بھی نہیں دیا جا سکتا تھا۔"

الطاف حسین نے بیوی کی [illegible] محبت بھری نگاہوں سے دیکھا پھر دوبارہ ان کپڑوں کو دیکھنے لگے جو زمین پر بکھرے پڑے تھے۔ شاکرہ خاتون شوہر کی محبت بھری نگاہوں کا مفہوم بھانپ کر دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھیں۔ اُن کے لئے شوہر کی محبت ہی زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ تھا اس لئے وہ جتنا بھی خوش ہوتیں کم تھا' کچھ لمحے خاموشی سے گزر گئے تو انہوں نے شوہر سے کہا۔

"بیگم ابرار بھی آج آئی تھیں' اُن کا دم بھی ہمارے لئے خدا کی رحمت سے کم نہیں' بالکل اپنوں کی طرح ملتی ہیں' مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ اگر بھائی صاحب کو وقت نہ ہو تو بازار کی خرید و فروخت محسن کے سپرد کر دی جائے۔"

"یہ اُن کی عنایت ہے بیگم! ورنہ آج کل کون کسی کے کام آتا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ خود محسن نے بیگم ابرار سے یہ بات کہلوائی ہو گی۔" شاکرہ خاتون نے کہا۔ "ناہید نے تو پہلے دن سے ہی اُسے محسن بھائی کہنا شروع کر دیا ہے۔"

"نہایت نیک اور شریف لڑکا ہے۔" الطاف حسین بولے۔ "ابرار احمد بھی ہر وقت داماد کی تعریف کرتے رہتے ہیں۔"

"بیگم ابرار کی بھی یہی حالت ہے' پہلے تو وہ محسن کے پولیس کے محکمے کی ملازمت کی وجہ اس شادی ہی کی مخالف تھیں لیکن اب تو محسن کے نام کا کلمہ پڑھتی ہیں۔ ویسے قدرت نے جوڑی بھی خوب ملائی ہے' شازیہ کی طرح محسن بھی ہر وقت ہنستے بولتے رہنے کے عادی ہیں۔"

"خوش گفتار اور ملنسار ہونے کے ساتھ ساتھ بے حد لائق بھی ہے۔" الطاف حسین نے کہا۔ "پولیس کے محکمے میں بھی اُس کا شمار ذہین افسروں میں کیا جاتا ہے۔"

"میں تو دن رات اپنے خدا سے دعا کرتی ہوں کہ خدا اپنی ناہید کا نصیب بھی اچھا کرے۔" شاکرہ خاتون دبی زبان میں بولیں۔ "سچ پوچھئے تو حامد بھائی کی وجہ سے میں نے بھی منصور کے سلسلے میں ہامی بھر لی ورنہ اتنے بڑے خاندان میں بیٹی بیاہتے ہوئے دل ڈرتا ہے۔"

"لیکن آپ نے تو ہمیشہ بیگم سجاد کے حسن سلوک اور شرافت کی تعریف ہی کی ہے۔"

"جہاں تک بیگم سجاد کا تعلق ہے تو میں اب بھی یہی کہوں گی کہ وہ نہایت خاندانی' شریف اور وضعدار خاتون ہیں۔ اُن کی باتوں سے آج تک کبھی بڑائی کا احساس نہیں ہوا لیکن آج کل لڑکوں سے دل ڈرتا ہے' چار پیسے جیب میں آجائیں تو زمین پر پاؤں نہیں دھرتے۔"

"پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔" الطاف حسین نے بیوی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اوّل تو حامد نے منصور کی نیک چلنی اور شریف ہونے کی ضمانت لی ہے' پھر میں نے بھی منصور کو دیکھا ہے' بظاہر تو اس میں کوئی بُرائی مجھے نظر نہیں آئی' رہا دلوں کا حال تو وہ خدا ہی بہتر جانتا ہے۔"

"کسی وقت آپ کو فرصت ملے تو مہمانوں کی فہرست بھی تیار کر لیجئے۔" شاکرہ خاتون نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "ایسا نہ ہو کہ عین وقت پر کوئی رہ جائے اور بعد میں بلاوجہ کسی کو شکایت کا موقع ملے۔"

"جو حکم آپ کا۔" الطاف حسین بڑی سعادت مندی سے بولے۔ "اب اگر اجازت ہو تو عصر کی نماز سے پہلے کچھ دیر آرام کر لوں۔"

شاکرہ خاتون شوہر کو جواب دینے کے بجائے مسکراتی ہوئی اٹھیں اور فرش پر بکھرے ہوئے کپڑوں کو سمیٹ سمیٹ کر دوبارہ ٹرنک میں رکھنے لگیں۔

☆------☆------☆

منصور کی بے چینی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔

جب تک شادی کی تاریخ پکی نہیں ہوئی تھی منصور کو ایک موہوم سی امید تھی کہ وہ کسی نہ کسی طرح ماں کو نازلی کے سلسلے میں ہموار کر لیں گے لیکن جس دن ماں نے بیگم الطاف حسین کے ہاں سے واپسی پر تاریخ طے ہو جانے کا مژدہ سنایا تھا' اُن کی رہی سہی امیدیں بھی ٹوٹ گئی تھیں۔ وہ چاہتے تو کھلے لفظوں میں ماں کے سامنے اپنی خواہشات کا اظہار بھی کر سکتے تھے لیکن ماں کی خوشیوں کے آگے ان کی ایک نہ چلی اور وہ دل پر جبر کر کے خاموش ہو گئے۔

منصور کی خاموشی میں جہاں ماں کا احترام اور تربیت کو دخل تھا وہاں اُن کی بیماری کا خیال بھی لاحق تھا۔ چار ماہ قبل بیگم سجاد کو دل کا شدید دورہ پڑ چکا تھا اور اُن کے معالجوں نے انہیں خوش رہنے اور تبدیلی آب و ہوا کا مشورہ دیا تھا۔ منصور نے متعدد بار کوشش کی تھی کہ وہ ماں کو کچھ دنوں کے لئے کسی پُرفضا مقام پر بھیج دیں لیکن بیگم سجاد نے ہر بار یہ

کہا تھا کہ اُن کے لئے اولاد کا قرب اور اولاد کی خوشیاں ہی سب سے بڑی نعمت ہیں اور ایسی صورت میں ظاہر تھا کہ منصور نازلی سے شادی کرنے کی ضد کر کے ماں کے دل کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا سکتے تھے لیکن نازلی کو بھول جانا بھی ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

نازلی جو اُن کی محبت تھی۔

اُن کی خوشیوں اور ارمانوں کا مرکز تھی۔

سرمایۂ حیات تھی ..... اور

منصور جسے وفا کی پتلی سمجھ رہے تھے۔

نازلی سے جدائی کے تصور نے منصور کے ہونٹوں کی خوشیاں بھی چھین لی تھیں' جب تک امید باقی تھی وہ اپنے دل کو جھوٹی تسلیاں دے کر بہلا لیا کرتے لیکن جب ماں نے اپنا آخری فیصلہ سنا دیا تو منصور کے وہ حسین خواب بھی منتشر ہو گئے جنہیں انہوں نے اپنے دل کے نہاں خانوں میں نازلی کے تصور سے سجا رکھا تھا۔ نازلی سے بچھڑنے کا غم انہیں اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔ جب تک وہ دفتر میں ہوتے اداس اداس اور خاموش رہتے۔ جب ماں کا ممتا بھرا چہرہ سامنے ہوتا تو وہ دل پر جبر کر کے ماں کی خوشیوں کی خاطر اپنے ہونٹوں پر مصنوعی تبسم سجا لیتے۔ ماں کے قریب بیٹھ کر بھولی بھولی اور معصوم باتوں سے ان کا دل بہلاتے رہتے لیکن جب رات کو اپنے کمرے میں ہوتے تو نازلی سے جدائی کا احساس آنسوؤں کی شکل اختیار کر کے ان کی دراز پلکوں پر مچلنے لگتا تھا۔

اس وقت بھی منصور اپنے دفتر میں بیٹھے نازلی کے تصور میں گم تھے' نازلی کو نینی تال گئے ایک ہفتہ سے زیادہ ہو گیا تھا' اُس نے جانے سے پہلے منصور کو یقین دلایا تھا کہ وہ جلدی واپسی کی کوشش کرے گی اور اُس نے منصور سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اُس کی غیر موجودگی میں ہر طرح سے اپنا خیال رکھیں گے اور نازلی کی یہی معصوم اور دل لبھانے والی باتیں منصور کو اس وقت بھی بڑی شدت سے یاد آ رہی تھیں جب اُن کے دیرینہ ملازم خواجہ رشیدالدین ایک فائل لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ جب سے خواجہ صاحب نے منصور سے نازلی کے بارے میں گفتگو کی تھی اور ڈھکے چھپے لفظوں میں نازلی اور اُس کے گھر والوں کی ناپسندیدگی کا اظہار کیا تھا' منصور نے اُن سے بھی اپنا رابطہ کم کر لیا تھا ورنہ اس سے پہلے وہ دن میں کئی بار خواجہ صاحب کو کاروبار میں مشورے کے لئے طلب کیا کرتے تھے۔ خواجہ رشیدالدین نہایت جہاندیدہ اور تجربے کار آدمی تھے' وہ منصور کے دل کی کیفیتوں سے خوب واقف تھے اور انہوں نے منصور کی طرف سے پیدا ہونے والے

کھچاؤ کو بھی محسوس کر لیا تھا لیکن اس کے باوجود کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں لائے تھے' وہ ایک سچے اور دیانتدار نمک خوار کی حیثیت سے اپنا فرض نبھا رہے تھے۔

"فرمایئے خواجہ صاحب! کیسے زحمت کی آپ نے؟" منصور نے خواجہ صاحب کو دیکھ کر سنجیدگی سے پوچھا لیکن اس سنجیدگی میں بھی طنز پوشیدہ تھا جسے خواجہ رشیدالدین نے بھی محسوس کر لیا تھا مگر چونکہ وہ منصور کو اپنی اولادوں سے کم نہیں سمجھتے تھے اس لئے بڑی خوبصورتی سے جملے کی تلخی کو نظرانداز کرتے ہوئے فائل میز پر رکھتے ہوئے بولے۔

"اس میں آپ کی شادی کے دعوت نامے کا مضمون رکھا ہے' کسی وقت موقع ملے تو نظر ڈال لیجئے گا' بیگم صاحبہ کا حکم ہے کہ دعوت نامے ایک ہفتے کے اندر اندر چھپ کر تیار ہو جانے چاہئیں۔"

"مجھے علم ہے خواجہ صاحب کہ آپ امی جان کے احکامات کا خاص خیال رکھتے ہیں۔" منصور چبھتے ہوئے لہجے میں بولے۔

"یہ آپ لوگوں کی عنایت ہے منصور میاں! جو اس قابل سمجھتے ہیں ورنہ میں بھلا کس قابل ہوں۔" خواجہ صاحب نے انکساری سے کام لیا۔

"آپ نے تو دعوت نامے کا مضمون دیکھ لیا ہو گا؟" منصور نے تیکھے انداز سے پوچھا۔

"جی ہاں۔" خواجہ صاحب بولے۔ "بیگم صاحبہ نے بھی اپنی منظوری دے دی ہے لیکن اُن کا خیال ہے کہ اگر آپ بھی ایک نظر دیکھ لیں تو مناسب ہو گا۔"

"جب امی جان اور آپ کی مرضی شامل ہے خواجہ صاحب! تو پھر میری پسند ناپسند سے کیا فرق پڑے گا۔" اس بار منصور زہرخند سے بولے پھر فائل دیکھے بغیر خواجہ صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "آپ اسے امی جان کے حکم کے مطابق آج ہی پریس روانہ کر دیں۔"

"بہتر ہے۔" خواجہ صاحب نے دبی زبان میں جواب دیا پھر خاموشی سے فائل اٹھا کر کمرے سے باہر چلے گئے۔

دعوت نامے کے ذکر نے منصور کو ذہنی طور پر کچھ اور الجھا دیا تھا' انہیں اس وقت خواجہ رشیدالدین کا اپنے کمرے میں آنا سخت ناگوار گزرا تھا لیکن وہ خون کا گھونٹ پی کر صبر کر گئے تھے۔ بہت دیر تک کرسی کی پشت سے سر ٹکائے بیٹھے حالات کی ستم ظریفی اور اپنی بے بسی پر غور کرتے رہے۔ حالات کے بھنور نے انہیں ایک ایسے دوراہے پر لا کر

کیا تھا جہاں سے ایک راستہ نازلی کی طرف جاتا تھا اور دوسرا راستہ وہ تھا جس پر چلنے کے لئے منصور کو مجبوراً اپنی خوشیوں کا گلا گھونٹ کر اپنے ارمانوں کا خون کر کے خود کو آمادہ کرنا پڑا تھا۔ اس راستے پر قدم اٹھاتے وقت اُن کے دل و دماغ میں کشمکش بھی ہوئی تھی۔ دماغ نے نازلی کو ہر قیمت پر اپنانے کا فیصلہ دیا تھا لیکن دل' جسے ماں کی گرم آغوش نے دھڑکنا سکھایا تھا' دماغ کے فیصلے کو قبول کرنے کی نفی کرتا رہا۔ نازلی کی بھرپور جوانی اور اُس کے گداز ہونٹوں کا دلآویز تبسم ہرچند کہ بے حد دل خوش کن اور جاندار تھا لیکن ماں کا بڑھاپا اور بوڑھی آنکھوں میں ممتا کی حسرتوں نے نازلی کی توبہ شکن انگڑائیوں اور فلک شگاف قہقہوں کو ایسی شکست دی تھی کہ منصور کی روح تڑپ تڑپ اٹھی تھی۔ اُن کے ارمان دل کی اتھاہ گہرائیوں کے اندر ہی گھٹ کر رہ گئے' اُن کی حسرتیں اس طرح پامال ہوئی تھیں کہ وہ اس پر کھل کر ماتم کرنے سے بھی مجبور تھے۔ بے بسی اور بے چارگی کا احساس' طوفان کی شدتیں اختیار کر کے اٹھا تو باقی تمام احساسات کو خس و خاشاک کی طرح اڑا کر لے گیا۔ وقت کے بے رحم ہاتھوں نے منصور کو اپنے شکنجے میں جکڑ کر اس بُری طرح جھنجھوڑا تھا کہ اُن کا دم گھٹنے لگا تھا لیکن منصور کی سوچیں اب بھی آزاد تھیں اور ان سوچوں کے درمیان نازلی کا ہنستا مسکراتا چہرہ اب بھی آب و تاب سے دمک رہا تھا۔

دفتر میں کب چھٹی ہوئی اور کب دن بھر کے تھکے ماندے ملازم اپنے گھروں کو واپس لوٹ گئے' منصور کو اس کا مطلق کوئی احساس نہیں ہوا۔ وہ اب بھی کرسی کی پشت پر سر رکھے اپنی زندگی کے نشیب و فراز سے الجھ رہے تھے' اپنے گرد و پیش کے متعلق سوچ رہے تھے' اپنے ماضی میں جھانک رہے تھے۔ ماضی ..... جہاں ماں کی ممتا اور ایک محبت کرنے والے باپ کی بے انتہا شفقتیں موجود تھیں زندگی میں کوئی غم' کوئی پریشانی' کوئی الجھن نہیں تھی' ہر طرف پیار ہی پیار تھا' قہقہے تھے' مسکراہٹیں تھیں۔ زندگی اپنے محور کے گرد بڑے پُرسکون انداز میں رواں دواں تھی لیکن پھر اچانک فلک کج رفتار کی گردشوں نے منصور کو باپ کی شفقتوں سے محروم کر دیا' وہ باپ کی موت پر تڑپ تڑپ کر اور بلک بلک کر روئے تھے مگر وقت نے اُن کے زخموں پر مرہم کا کام کیا' منصور نے باپ کی موت کے بعد ذمہ داریوں کا بوجھ اپنے کاندھوں پر اٹھا لیا اور اپنے فرض کی ادائیگی میں اس درجہ خود کو گم کر دیا کہ اپنے آپ کو بھی بھول گئے اُن کے سامنے زندگی کی لاانتہا مسرتیں بکھری پڑی رہیں لیکن اُن کے قدم کسی موڑ پر نہیں ڈگمگائے' وہ ماں کا سہارا بن گئے اور چھوٹے بھائی کو اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر بھیج کر باپ کے پھیلے ہوئے کاروبار کی ساکھ کو برقرار رکھنے

کے لئے پوری توجہ اور انہماک سے شب و روز محنت کرتے رہے۔

زندگی بڑے سکون سے گزرتی رہی لیکن پھر اسی پُرسکون زندگی کے ایک موڑ پر نازلی اُن کی راہ میں آ گئی اور منصور اس کی مسکراہٹوں کے سحر میں ایسے کھوئے کہ خود کو بھی نہ پا سکے۔ انہوں نے نازلی کو اپنے دل میں بسا لیا' اُسے ٹوٹ کر چاہا اور اپنا شریک سفر بنانے کے خواب دیکھنے لگے لیکن حالات کی ستم ظریفیوں نے ایک بار پھر اُن کے معصوم دل کا ایسا چرکہ لگایا کہ وہ قفس میں قید پنچھی کی طرح پھڑپھڑا کر نڈھال ہو گئے۔ ماضی کی طرح حال نے بھی اُن کے ساتھ وفا نہیں کی تھی اور مستقبل ..... مستقبل میں انہیں گھپ اندھیروں کے سوا کچھ اور نظر نہ آ سکا اور منصور ان ہی خیالات میں کھوئے ہوئے تھے کہ فون کی گھنٹی کی تیز آواز نے انہیں چونکا دیا۔ اُن کے خیالات کا شیرازہ ٹوٹ کر بکھر گیا۔ آہستہ سے کرسی پر سیدھے ہو کر بیٹھے پھر بڑے بوجھل انداز میں ہاتھ بڑھا کر رسیور اٹھا لیا۔ دوسری جانب سے نازلی کی چہکتی ہوئی آواز خلافِ توقع سنائی دی تو منصور یوں کھِل اٹھے جیسے خزاں کے موسم میں اچانک بہار آ گئی ہو۔

"نازلی! تم۔" منصور کے ہونٹ کپکپائے۔ "نینی تال سے کب واپس آئیں؟"

"آج ہی آئی ہوں منصور اور سب سے پہلے تمہیں فون کر رہی ہوں۔" نازلی کی آواز میں زندگی ہی زندگی تھی۔ "اس وقت دفتر میں بیٹھے کیا کر رہے ہو؟"

"تمہاری یاد سے دل بہلا رہا تھا۔" منصور نے شکایت کی۔ "پورے دس دن بعد خبر لی ہے' حالانکہ تم نے جلد آنے کا وعدہ کیا تھا۔"

"مجھے اپنے سارے وعدے یاد ہیں منصور!"

"پھر ملاقات کب ہو رہی ہے؟" منصور نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"میں جانتی ہوں منصور کہ تم مجھے کیا خوشخبری سنانا چاہتے ہو لیکن اس سے پہلے میں ایک دوست کی حیثیت سے تمہاری شادی طے ہو جانے پر دلی مبارکباد پیش کرتی ہوں۔"

"نازلی!" منصور' نازلی کے لہجے کی خلش محسوس کر کے تڑپ اٹھے۔ کانپتی ہوئی آواز سے پوچھا۔ "تمہیں کب خبر ہوئی؟"

"جس درخت پر بجلی گرتی ہے اُسے اپنے جلنے کی اطلاع ہمیشہ دوسروں سے ملتی ہے۔" نازلی کی آواز میں طنز تھا۔ "مجھے ڈیڈی نے بتایا ہے کہ تمہاری شادی کی تاریخ پکی ہو چکی ہے۔"

"اور تم ..... تم بھی مجھے میری بربادی پر مبارکباد پیش کر رہی ہو۔" منصور کی

آواز بھرا گئی۔

"کیوں؟ ..... کیا اب تمہاری نازلی کو اتنا بھی حق نہیں رہا کہ وہ تمہیں مبارکباد بھی پیش کر سکے۔"

"نازلی!" منصور چیخ اٹھے۔

"پریشان مت ہو منصور!" نازلی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ "تمہاری طرح مجھے بھی اپنی بربادی کا احساس ہے لیکن اب تقدیر کے فیصلے پر ماتم کرنے سے کیا حاصل ہو گا۔"

"ایسا مت کہو نازلی!" منصور تڑپ کر بولے۔ "ہمارے حالات بدل سکتے ہیں لیکن ہمارے راستے ہمیشہ ایک رہیں گے۔"

"جن راستوں پر دھول اور گرد و غبار کا گھٹا ٹوپ اندھیرا پھیل جائے وہ راستے مخدوش ہو جاتے ہیں منصور!"

"ڈوبتے ہوئے انسان کے لئے تنکے کا سہارا بھی بہت ہوتا ہے نازلی!" منصور کی آواز میں کرب تھا۔ "اگر تم نے میرا ساتھ نہ دیا تو میں حالات کے دھاروں کا مقابلہ نہ کر سکوں گا۔"

"میرے زخموں پر نمک پاشی مت کرو منصور!" نازلی نے تیز لہجے میں جواب دیا۔ "تمہیں تو کنارہ مل رہا ہے لیکن میں تو بیچ منجدھار میں پھنس گئی ہوں۔"

"تمہارے بغیر میں بھی جیتے جی مر جاؤں گا۔" منصور سسک کر بولے۔

"خدا کے لئے ایسا مت کہو منصور! میں چاہتی ہوں کہ تم زندہ رہو۔" نازلی نے تڑپ کر جواب دیا۔ "وقت ہر زخم کے لئے تریاق ثابت ہوتا ہے۔"

"نہیں نازلی! نہیں' دنیا بدل سکتی ہے لیکن منصور کبھی نہیں بدل سکتا۔"

"شادی سے قبل اتنے بلند بانگ دعوے مت کرو منصور!" نازلی نے منصور کے زخمی دل پر نشتر لگاتے ہوئے کہا۔ "حسین عورت کا مہکتا ہوا قرب سرخ لباس میں سمٹی سمٹائی دلہن کے روپ میں تمہارے سامنے آئے گا تو تمہاری آنکھیں بھی دنیا کے عام مردوں کی طرح خیرہ ہو جائیں گی' تم بھی اُس کی مہکتی زلفوں کی چھاؤں تلے بیٹھ کر دنیا کے تمام دکھ درد بھول جاؤ گے ..... ہر وعدہ فراموش کر دو گے اور ..... اور نازلی کا نام لینا بھی کبھی گوارا نہ کرو گے۔"

"نازلی!" منصور جنونی حالت میں بولے۔ "مجھ پر قبل از وقت تو اتنا بڑا الزام نہ لگاؤ کہ مجھے اپنے وجود سے بھی نفرت ہو جائے۔"

"اپنے وجود سے کیوں نفرت کرتے ہو منصور! تمہارا وجود تو اس بات کی صداقت ہے کہ میں نے تمہیں اپنی زندگی کا سہارا سمجھا تھا۔ اگر یہ وجود مٹ گیا تو زندگی کے یہ سہارے بھی ٹوٹ جائیں اور زندگی کے سہارے ٹوٹ جائیں تو پھر بقا اور فنا کا کھیل بھی ختم ہو جاتا ہے۔"

"نازلی ..... نازلی!" منصور کی آواز بھرانے لگی۔ اُن کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تھے' دل کا خون چھلک کر آنسوؤں کی شکل میں پلکوں تک آ کر تھرتھرانے لگا تھا۔

"نازلی کے نام کو اپنے ذہن سے کھرچ کر نکال دو منصور! اسی میں ہم دونوں کی بہتری ہے۔"

"یہ تم کہہ رہی ہو نازلی!" منصور کو اپنا دل سینے کی گہرائیوں میں ڈوبتا محسوس ہوا۔

"ہاں منصور! سمجھ لینا کہ ہم نے ایک حسین خواب دیکھا تھا۔"

"اس خواب کی تعبیر بڑی بھیانک ہو گی۔" منصور تڑپ کر بولے۔ "روح اور جسم کا رشتہ ٹوٹا تو خواب کے ساتھ زندگی کی حقیقت کے شیرازے بھی ٹوٹ کر بکھر جائیں گے۔"

"تم مرد ہو کر ایسا کہہ رہے ہو۔" نازلی نے چوٹ کی۔ "یہ بھی سوچا کہ میرے دل پر کیا بیت رہی ہے۔"

"میں جانتا ہوں نازلی! میں تمہارا مجرم ہوں۔" منصور نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"پھر یہ کیسی بے بسی ہے منصور جو ہمارے درمیان خلیج بن کر حائل ہو گئی ہے۔"

"حالات نے مجھے بزدل بنا دیا ہے۔" منصور نے اپنی بے بسی کا اعتراف کرتے ہوئے ٹوٹے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ "میں ماں کے ارمانوں کا خون نہیں کر سکتا۔"

"پھر نازلی کی محبت کا گلا کیوں نہیں گھونٹ دیتے۔" نازلی کے لہجے میں تلوار کی کاٹ تھی۔

"مجھ سے صرف ایک بار مل لو نازلی!" منصور نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں تمہیں اپنا دل چیر کر دکھانا چاہتا ہوں' جہاں صرف تمہاری محبت کا راج ہے ..... صرف تمہاری محبت اور اس دل پر تمہارے علاوہ کوئی دوسرا نقش کبھی نہیں ابھر سکتا۔"

"اگر یہ تمہارا حکم ہے تو میں تم سے ایک بار ضرور ملوں گی لیکن آج نہیں ..... آج سفر کی تکان نے مجھے نڈھال کر رکھا ہے۔"

"میں تمہارا انتظار قیامت تک کر سکتا ہوں۔" منصور نے جلدی سے کہا پھر ریسیور رکھ کر دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

☆------☆------☆

شیخ حامد حسین کے ہاں آج ایک مختصر سی تقریب کا سماں نظر آ رہا ہے۔

نرجس کا نتیجہ آ گیا ہے' اُس نے اپنی محنتوں کے صلے میں بی اے کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا ہے اس لئے بے انتہا مسرور نظر آ رہی ہے۔ صبح کے اخبار میں نتیجے کا اعلان شائع ہوتے ہی حامد حسین اور نجمہ بیگم کے ملنے جلنے والوں کے آنے جانے کا سلسلہ جاری ہے۔ حامد حسین بھی بیٹی کی خوشی میں شریک ہونے کے لئے دفتر سے جلدی گھر واپس آ گئے۔

نجمہ بیگم آنے والی خواتین سے بڑے تپاک سے مل رہی ہیں۔ آج اُن کے چہرے پر بھی فتح اور کامرانی کی خوشیاں دمک رہی ہیں۔ انہیں اس بات کی زیادہ خوشی ہے کہ نرجس نے فرسٹ ڈویژن میں کامیابی حاصل کی ہے۔ جب تک نتیجہ نہیں آیا تھا نجمہ بیگم کو صرف اسی بات کی تشویش لاحق تھی کہ کہیں نرجس کی سیکنڈ ڈویژن نہ آ جائے' ایسی صورت میں انہیں جیٹھ اور جٹھانی کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا اس لئے کہ ناہید نے فرسٹ ڈویژن میں بی اے پاس کیا تھا اور نجمہ بیگم کو کسی قیمت پر یہ بات پسند نہیں تھی کہ انہیں شاکرہ خاتون یا الطاف حسین کے سامنے سبکی اٹھانی پڑے۔

ناہید بھی اس وقت قصر حامد میں موجود ہے۔ شاکرہ خاتون نے نرجس کا نتیجہ معلوم ہوتے ہی اُسے شاکر کے ساتھ بھیج دیا تھا اور نجمہ بیگم سے کہلوا دیا تھا کہ وہ خود شام کو شوہر کے ساتھ آئیں گی۔ ناہید نے سفید شلوار سوٹ پہن رکھا ہے اور زرق برق پوشاک میں ملبوس خواتین کے جلو میں بھی پُرکاری نظر آ رہی ہے۔

نرجس اپنے کمرے میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ بیٹھی خوش گپیوں میں مگن ہے۔ کبھی کبھار نجمہ بیگم اُسے باہر آنے والی معزز خواتین سے ملنے کے لئے بلا لیتی تھیں۔ نرجس چند لمحے باہر جا کر بزرگ خواتین سے ملتی' تحفے تحائف وصول کرتی اور پھر اپنی ہمجولیوں میں واپس آ جاتی جہاں ناہید کے علاوہ نرجس کی کچھ ہم جماعت لڑکیاں بھی موجود تھیں اور تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کھنکتے قہقہوں سے محفل گونج اٹھتی تھی۔ اس مہکتی دمکتی اور خوبصورت محفل میں شہناز بھی موجود تھی جو نرجس کے پڑوس میں رہتی

تھی اور بڑے باپ کی اکلوتی بیٹی ہونے کی وجہ سے نجمہ بیگم بھی اُسے بے حد پسند کرتی تھیں۔ شہناز کے بیباک اور برجستہ جملوں نے اس وقت محفل کو خاص طور پر زعفران زار بنا رکھا تھا۔

"کیوں بھئی نرجس اب آگے کیا ارادہ ہے۔" شہناز نے نرجس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔ "تعلیم کا سلسلہ جاری رکھو گی یا شادی رچا کر چولہا ہانڈی جھونکنے کا خیال ہے۔"

"جو امی جان چاہیں گی وہی ہو گا۔" نرجس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"میں نے تو سنا ہے کہ خالہ جان تمہیں اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر بھیجنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔" نیلوفر نے کہا۔

"اگر ایسا ہوا تو پھر لڑکی گئی ہاتھ سے۔" شہناز سنجیدگی سے بولی۔ "ہمیں ابھی سے اس کے مستقبل پر فاتحہ پڑھ لینا چاہئے۔"

"کیوں' بھلا نرجس کے باہر جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے میں کیا حرج ہے۔" عنبرین جو اب تک چپ بیٹھی تھی' تعجب سے بولی۔

"تم ان باتوں کو نہیں سمجھو گی بوا' ابھی کمسن ہو۔" شہناز نے بڑی بوڑھیوں کا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "باہر کے ملکوں میں کیا ہوتا ہے' یہ مجھ سے پوچھو۔ چار سال پہلے ہی کی بات ہے' میری ایک دور پرے کی عزیزدار بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے ارادے سے باہر گئی تھی' اللہ رکھے نہایت نیک اور شرافت کی پتلی تھی لیکن جب واپس آئی تو دیدے کا پانی مر چکا تھا۔ گئی تنہا تھی' واپس آئی تو موا ایک سفید چمڑی والا بھی ساتھ تھا جسے وہ بڑی شان سے انگلستان کے کسی لارڈ خاندان کے شجرے سے منسوب کر کے ملنے جلنے والوں میں متعارف کراتی تھی' وہ تو بعد میں پتہ چلا کہ موصوف کسی نائٹ کلب میں بینڈ بجایا کرتے تھے۔"

شہناز نے بات ختم کی تو محفل جوان اور بیباک قہقہوں سے گونج اٹھی۔

"خدا سمجھے تجھ سے۔" نرجس نے شوخی سے کہا۔ "کہاں کہاں کی سوجھتی ہے۔"

"اے بی بی! ابھی تو تم خیر میری باتوں کی ہنسی اڑا لو لیکن کل کلاں کو باہر جا کر تمہارا بھی کسی کے ساتھ آنکھ مٹکا ہو گیا تو خالہ جان بیچاری یہاں بیٹھے بیٹھے تمہارے لئے جوتیوں کا پارسل روانہ کرنے کے سوا اور کچھ نہ کر سکیں گی۔" شہناز نے اس بار بھی بزرگوں کے انداز اختیار کرتے ہوئے کہا تو نرجس شرما کر رہ گئی۔

"مزہ تو جب آئے شہناز کہ تم یہی باتیں خالہ جان کو بھی سمجھا دو۔" نیلوفر بولی۔ "ورنہ وہ تو نرجس کو باہر بھیجنے کے لئے تلی بیٹھی ہیں۔"

"بس رہنے دو بی نیلوفر!" شہناز نے کان کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "کس کی بکری اور کون ڈالے گھاس' اپنے چونڈے میں اتنے بال کہاں جو میں خالہ جان سے نچواتی پھروں گی۔"

"آنے دے امی جان کو۔" نرجس نے دھونس دی۔ "اُن سے ضرور کہوں گی کہ یہ شہناز کی بچی مجھے باہر جانے کے لئے منع کر رہی ہے۔"

"خدا کے لئے ایسا غضب نہ کرنا۔" شہناز جلدی سے بولی۔ "میری طرف سے تم شوق سے جاؤ اور بینڈ ماسٹر چھوڑ کسی سرکس کے رِنگ ماسٹر کا ہاتھ تھام کر لے آؤ۔ اے ہاں' بھلا میری جوتی کو کیا غرض پڑی ہے کہ کسی کے پھٹے میں پیر پھنساؤں۔"

"سچ کہتی ہوں شہناز! اس وقت تو تُو ڈومنیوں اور مراثنوں کو بھی مات کر رہی ہے۔" نرجس کی سہیلی افشاں نے مسکراتے ہوئے کہا تو شہناز نے جھک کر سلام کیا اور محفل ایک بار پھر قہقہوں سے گونج اٹھی۔

دوپہر تک مہمانوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہا' پھر جب سب رخصت ہو گئے تو نجمہ بیگم دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئیں اور نرجس' ناہید کو ساتھ لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

"یہ شہناز تو بڑی باغ و بہار طبیعت کی مالک ہے۔" ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ سچ ہے نرجس کہ چچی جان تمہیں اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر بھیجنا چاہتی ہیں؟" ناہید نے پوچھا۔

"ہاں' امی جان کا تو یہی ارادہ ہے لیکن ابو نہیں چاہتے کہ میں باہر جاؤں۔"

"تمہارا اپنا کیا خیال ہے؟"

"سچ پوچھئے تو ناہید باجی! میں بھی باہر نہیں جانا چاہتی البتہ یہیں رہ کر ایم اے کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

"سلیم بھائی کی شادی کا کیا ہوا؟" ناہید نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔ "بات کچھ آگے بڑھی؟"

"بات تو جب آگے بڑھتی جب بھائی جان رضامند ہوتے لیکن انہوں نے تو صاف طور پر انکار کر دیا ہے کہ ابھی وہ قطعی طور پر شادی کرنا نہیں چاہتے۔"

"چچا جان نے کچھ نہیں کہا۔" ناہید نے بستر پر نیم دراز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"امی جان کے آگے بیچارے ابو کی کہاں چلتی ہے۔" نرجس نے قدرے سنجیدگی سے جواب دیا۔

شام تک دونوں بہنوں میں اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں پھر مہمانوں کی آمد کا سلسلہ دوبارہ جاری ہو گیا' نرجس اور ناہید نے بھی منہ ہاتھ دھو کر حلئے ٹھیک کئے پھر وہ باہر لان کے اس حصے میں آ گئیں جو صرف عورتوں کے لئے مخصوص تھا۔ یہاں اس وقت نرجس کی دو چار سہیلیوں کے علاوہ نجمہ بیگم کی ملنے جلنے والیاں بھی موجود تھیں اس لئے نرجس اور ناہید دونوں ہی خود کو لئے دیئے بیٹھی رہیں۔

مغرب سے ذرا پہلے شیخ الطاف حسین بھی شاکرہ خاتون کو لے کر آ گئے۔ نجمہ بیگم نے اٹھ کر جٹھانی کا استقبال کیا پھر اپنے قریب ہی بٹھا کر اُن کا تعارف اپنی مہمان خواتین سے کرانے لگیں۔ نرجس نے قریب آ کر انہیں بڑے ادب سے "تسلیم بڑی اماں!" کہہ کر مخاطب کیا تو شاکرہ خاتون نے بڑی اپنائیت سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مبارکباد دی۔

"خدا تمہیں ایسی ہزاروں کامیابیاں نصیب کرے' میرا دل گواہی دیتا تھا کہ خدا تمہیں ضرور کامیاب کرے گا۔"

"سب آپ ہی کی محبت اور دعاؤں کا نتیجہ ہے بڑی اماں!" نرجس معصومیت سے بولی پھر شاکرہ خاتون کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ ناہید بھی اٹھ کر ماں کے قریب آ گئی۔

"خالی خولی دعاؤں سے بھی کچھ نہیں ہوتا' تم نے محنت بھی کافی کی تھی۔" شاکرہ خاتون نے محبت سے کہا۔

"خاک محنت کی تھی۔" نجمہ بیگم نے مہمان خواتین کو سنانے کی خاطر کہا۔ "فرسٹ ڈویژن تو سب ہی کی آ جاتی ہے' لطف کی بات تو جب تھی کہ پہلی پوزیشن حاصل کی ہوتی۔"

"اے بہن! ڈویژن اور پوزیشن میں بھلا کیا دھرا ہے' میں تو کہتی ہوں کہ اللہ لڑکیوں کے نصیب اچھے کرے۔" نجمہ بیگم کی ایک ملنے والی بولیں۔ "شادی کے بعد ڈگریوں سے زیادہ لڑکیوں کا سلیقہ اور رکھ رکھاؤ کام آتا ہے۔"

"وہ تو خیر ٹھیک ہے لیکن لڑکیوں کا تعلیم یافتہ ہونا بھی ضروری ہے۔" ایک دوسری مہمان خاتون نے کہا۔ "آج کل تو لڑکے والے پہلے لڑکی کی تعلیم کے بارے میں پوچھتے

ہیں۔ سلیقہ اور طریقہ تو بعد میں دیکھا جاتا ہے۔"

"گھرانے کی بات بھی ہوتی ہے۔" نجمہ بیگم نے اپنی بڑائی جتانے کی کوشش کی۔ "لڑکی دولت مند ہو تو سیکڑوں لڑکوں کے والدین دہلیز پر ناک رگڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں پھر ابھی مجھے نرجس کی شادی کی کچھ ایسی جلدی بھی نہیں ہے' جب ایم اے کر لے گی تب دیکھا جائے گا' میں نے تو اُسے اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر بھیجنے کا پکا ارادہ کر لیا ہے۔"

"خدا سلامت رکھے نرجس کو' جس گھر جائے گی اُس کی قسمت جاگ اٹھے گی۔" شاکرہ خاتون نے دیورانی کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔ "آج کل ایسی لڑکیاں نصیبوں والوں ہی کو ملتی ہیں۔"

بات چونکہ نرجس کی چھڑ گئی تھی اس لئے وہ خاموشی سے ناہید کا ہاتھ تھام کر اٹھی اور اپنی ہمجولیوں میں آ گئی۔

"لو بھئی نرجس! چچی جان نے تو تم کو باہر بھیجنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔" ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سچ کہتی ہوں ناہید باجی! مجھے تو باہر جانے کے خیال ہی سے ہول اٹھنے لگتی ہے۔" نرجس بولی۔ "اجنبی ماحول اور اجنبی دیس میں نہ جانے کیسے کیسے لوگوں سے واسطہ پڑے۔"

"تعجب ہے نرجس تم ایسا کہہ رہی ہو' ورنہ لوگ تو باہر جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کو ترستے ہیں۔" نرجس کی ایک سہیلی نے کہا۔

"ترستے ہوں گے لیکن مجھے ایسی خواہش نہیں ہے۔" نرجس نے کہا۔ "اگر ایم اے کرنا اتنا ہی ضروری ہے تو یہاں رہ کر بھی کیا جا سکتا ہے' کیا ضروری ہے کہ انسان اپنوں کو چھوڑ کر ہزاروں میل دور جائے اور اجنبی لوگوں کے درمیان پڑا گھٹتا رہے۔"

"اپنا اپنا خیال ہے۔" نرجس کی ہم جماعت کشور نے حسرت بھرے انداز میں کہا۔ "خدا کی قسم اگر مجھے موقع ملے تو آج ہی پھر سے لندن پرواز کر جاؤں اور آزاد ماحول میں دن رات گھومتی پھروں۔"

"کیوں' یہاں بھلا تم کو کس چیز کی کمی ہے جو صرف لندن ہی میں میسر آ سکتی ہے؟" نرجس نے پوچھا۔

"یہاں ہم لوگوں کو اتنی آزادی کہاں۔" کشور کڑوا منہ بنا کر بولی۔ "قدم قدم پر ہمارے اوپر بندشیں اور پابندیاں عائد کی جاتی ہیں' سر سے ذرا دوپٹہ ڈھلک جائے تو

بزرگوں کی گھرکیاں سننی پڑتی ہیں' بغیر برقع بازار جاؤ تو لوگ بے شرمی اور بے حیائی سے منسوب کرتے ہیں' یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ انسان بس اپنی چہار دیواری میں بند بیٹھا گھٹ گھٹ کر مرتا رہے۔"

"تم جن باتوں کو پابندیاں سمجھ رہی ہو وہی ہماری مشرقی تہذیب کی شان ہے۔" نرجس نے کہا۔ "پھر شرم و حیا تو لڑکیوں کا زیور ہوتا ہے' ہم اپنے ماحول اور اپنی حدبندی کی دیواروں کے اندر رہ کر بھی آزادی کا سانس لے سکتے ہیں' آزادی کا یہ مطلب تو نہیں کہ ہم بے پردہ ہو کر غیر مردوں کے سامنے اپنے جسموں کی نمائش شروع کر دیں۔"

"اپنا اپنا نظریہ ہے۔" کشور نے اپنی جھینپ مٹانے کی خاطر کہا۔ "اگر انسان کا اپنا کردار مضبوط ہو تو وہ ہر ماحول میں ثابت قدم رہ سکتا ہے۔"

نرجس جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن نجمہ بیگم نے اُسے آواز دے کر بلا لیا تو بحث آگے نہ بڑھ سکی' کشور نے نرجس کی باتوں سے اپنی سبکی محسوس کی تھی اس لئے وہ بھی خاموشی سے اٹھی اور کسی سے سلام دعا کئے بغیر چلی گئی۔

نو بجے رات تک یہی ہنگامے جاری رہے پھر جب مہمان رخصت ہو گئے تو سب گھر والے ڈرائنگ روم میں آ کر جمع ہو گئے۔ شیخ الطاف حسین نے نرجس کو اپنے پاس بلا کر اُسے ایک بند لفافہ جس میں ایک سو ایک روپے رکھے تھے' دیتے ہوئے کہا۔

"یہ تمہاری شاندار کامیابی کا انعام ہے' کسی وقت اپنے ابو کے ساتھ جا کر اپنی پسند کی کوئی چیز خرید لانا۔"

نرجس نے بڑے ادب سے سلام کر کے لفافہ لیا پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی دوبارہ ناہید کے برابر جا کر بیٹھ گئی۔

"اس کی کیا ضرورت تھی الطاف بھائی!" نجمہ بیگم نے خلافِ توقع بڑی انکساری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "نرجس کے لئے تو آپ کی دعائیں ہی کافی ہیں۔"

"دعائیں تو خیر میں نرجس اور ناہید دونوں کے لئے کرتا رہتا ہوں لیکن کامیابی کے موقع پر بچیوں کو انعام نہ دینا بھی اُن کی حق تلفی ہوتی ہے۔" الطاف حسین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ناہید بیٹی! ذرا تم اور نرجس جا کر ہمارے لئے چائے بنا لاؤ۔" حامد حسین نے کہا۔ "آج کچھ زیادہ ہی تکان محسوس ہو رہی ہے۔"

"چائے کی خواہش تو اس وقت مجھے بھی ہو رہی ہے۔" الطاف حسین بولے۔

پھر نرجس اور ناہید چائے بنانے کے لئے اٹھ کر اندر چلی گئیں تو حامد حسین نے موقع غنیمت دیکھ کر شاکرہ خاتون کی ایک بڑی مشکل حل کرتے ہوئے کہا۔

"بھابی جان! سنا ہے کہ آپ چپکے ہی چپکے ناہید کا گھر بسانے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔"

"آپ نے کہاں سے سن لیا حامد بھائی!" شاکرہ خاتون دیور کے اس اچانک جملے پر ایک لمحے کو چکرا گئیں پھر مسکرا کر بولیں۔ "جہاں بیری ہو وہاں پتھر تو آتے ہی ہیں لیکن ابھی تک آپ کے بھائی صاحب نے کہیں ہامی نہیں بھری ہے۔"

"میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ ناہید کے لئے بیگم سجاد نے اپنے بڑے لڑکے منصور کا رشتہ بھی دیا ہے۔" حامد حسین نے کہا پھر خود ہی بھائی بھاوج کی مشکل آسان کرنے کی خاطر بولے۔ "میرا تو یہی مشورہ ہے کہ منصور کا رشتہ اپنی ناہید کے لئے نہایت موزوں اور مناسب رہے گا' بے حد شریف گھرانہ ہے اور لڑکا بھی اچھا ہے۔"

"ہاں ..... آں۔" الطاف حسین نے موقع کی نزاکت بھانپ کر کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "لڑکے کے بارے میں تو میں نے بھی یہی سنا ہے کہ بہت نیک چلن اور شریف ہے لیکن اتنے اونچے گھرانے میں ناہید کا رشتہ کرتے ہوئے نہ جانے کیوں دل ڈرتا ہے۔"

"اس میں بھلا ڈرنے کی کیا بات ہے۔" نجمہ بیگم نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے جیٹھ سے کہا۔ "رشتہ تو لڑکے والوں نے مانگا ہے' کوئی آپ تو اُن کے دروازے پر گئے نہیں تھے۔"

"وہ تو خیر ٹھیک ہے لیکن ہماری اور اُن کی حیثیتوں میں بھی بڑا فرق ہے۔" الطاف حسین بولے۔ "کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں ناہید کو غربت کے طعنے سننے پڑیں۔"

"بس رہنے دیجئے الطاف بھائی۔" نجمہ بیگم اپنے زعم میں بولیں۔ "بیگم سجاد کی کیا مجال ہے کہ وہ ہماری ناہید کو غربت کا طعنہ دیں' وہ کوئی ایسی رئیس زادی بھی نہیں کہ ہم اُن کی دولت سے مرعوب ہو جائیں۔ جیسے ہم ویسے وہ' اور کیا اُن کو اس بات کا علم نہیں ہے کہ ناہید کس کی بھتیجی ہے۔"

"علم تو خیر اُن کو ضرور ہو گا لیکن ہمیں بھی تو اپنی چادر کا خیال رکھنا ہے۔" شاکرہ خاتون نے دیورانی سے کہا۔ "بس یہی ایک بات ہے درمیان میں ورنہ بیگم سجاد تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے کو تیار ہیں' کئی بار تشریف بھی لا چکی ہیں لیکن ہم نے یہی خیال کیا ہے کہ پہلے آپ لوگوں سے مشورہ کر لیں پھر کوئی جواب دیں۔"

"میرا تو مشورہ یہی ہے کہ بیگم سجاد اگر خود سے جھک رہی ہیں تو پھر بات طے کر لینے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے۔" حامد حسین نے بیوی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کا کیا خیال ہے اس سلسلے میں؟"

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔" نجمہ بیگم نے شوہر کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک بیگم سجاد کا تعلق ہے تو میں نے بھی یہی سنا ہے کہ بہت شریف خاتون ہیں' رہا اُن کے لڑکے کا معاملہ تو اس سلسلے میں پہلے سے چھان بین کر لینی چاہئے۔"

"لڑکے کے بارے میں تو پہلے ہی معلوم کر چکا ہوں کہ ہر اعتبار سے نہایت مناسب ہے اور باپ کے کاروبار کو بڑی خوش اسلوبی سے سنبھالے ہوئے ہے لیکن فکر صرف اس بات کی ہے کہ بیگم سجاد چاہتی ہیں کہ اسی عید کے چاند کی کوئی تاریخ طے کر دی جائے۔" الطاف حسین سنجیدگی سے بولے۔

"کیا آپ نے پوچھا نہیں الطاف بھائی کہ آخر اُن کو جلدی کس بات کی ہے؟" نجمہ بیگم نے جیٹھ سے سوال کیا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ بیگم سجاد عارضۂ قلب کی مریضہ ہیں۔" شاکرہ خاتون بولیں۔ "اسی لئے وہ چاہتی ہیں کہ کم از کم بڑے لڑکے کی شادی فوری طور پر کر دیں۔"

"اور چھوٹا لڑکا کیا کرتا ہے؟" نجمہ بیگم نے پوچھا۔

"سنا ہے کہ وہ انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے امریکہ گیا ہوا ہے۔"

"میں تو کہتا ہوں بھائی جان کہ آپ اللہ کا نام لے کر ناہید کی بات پکی کر ڈالئے۔" حامد حسین نے کہا۔ "ایسے رشتے بار بار نہیں ملتے۔"

"اگر تمہارا بھی یہی مشورہ ہے تو پھر کسی وقت سنجیدگی سے اس مسئلے پر غور کروں گا۔" الطاف حسین نے گول مول جواب دے کر خاموشی اختیار کر لی۔

"آپ نے ناہید کا تھوڑا بہت جہیز تو پہلے ہی سے تیار کر لیا ہو گا۔" نجمہ بیگم نے سوچتے ہوئے شاکرہ خاتون سے پوچھا۔

"جوڑے اور زیورات تو خیر تیار ہیں البتہ فرنیچر اور برتن وغیرہ خریدنے پڑیں گے۔" شاکرہ خاتون نے دبی زبان میں جواب دیا۔

"پھر بھی' آٹھ دس ہزار کا بندوبست تو کہیں نہ کہیں سے کرنا ہی پڑے گا۔" نجمہ بیگم نے کہا۔ "اس سے کم میں بھلا کیا کام چلے گا۔"

"اس کا انتظام میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔" الطاف حسین نے نجمہ بیگم کا مفہوم سمجھتے ہوئے قدرے خشک آواز میں کہا۔ "خدا نے چاہا تو قرض یا اُدھار کی نوبت نہیں آئے گی۔"

"پھر دیر کس بات کی ہے۔" نجمہ بیگم نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "خدا کا نام لے کر بسم اللہ کیجئے۔"

حامد حسین کو بیوی کی بات سخت ناگوار گزری تھی۔ انہوں نے بڑے بھائی کے چہرے کا رنگ بدلتے بھی محسوس کر لیا تھا لیکن موقع کی نزاکت کا خیال کرتے ہوئے خون کا گھونٹ پی کر چپ ہو رہے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ اگر اس وقت انہوں نے زبان کھولی تو نجمہ بیگم بے قابو بھی ہو سکتی ہیں اس لئے بڑی خوبصورتی سے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے بولے۔

"بھائی جان میرا ارادہ ہو رہا ہے کہ اگلے سال حج کر لوں۔"

"نہایت مبارک اور نیک خیال ہے۔" الطاف حسین نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "خدا تمہیں تمہارے ارادوں میں کامیاب کرے۔"

"حامد بھائی اگر حج کرنے کا خیال ہے تو اسی سال کیوں نہیں چلے جاتے۔" شاکرہ خاتون بولیں۔ "ابھی تو خاصا وقت پڑا ہے۔"

"وقت تو خیر ٹھیک ہے بھابی جان لیکن اتنی کم مدت میں "نو سو" پورے نہیں ہوں گے۔" حامد حسین نے برجستہ جواب دیا تو نجمہ بیگم اور شاکرہ خاتون کے علاوہ الطاف حسین بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے۔ پھر نرجس اور ناہید چائے کی ٹرالی لئے کمرے میں داخل ہوئیں تو الطاف حسین نرجس سے باتوں میں مشغول ہو گئے اور گفتگو کا سنجیدہ ماحول نرجس کی معصوم اور بھولی بھالی باتوں سے بدل گیا۔

☆------☆------☆

سلیم کی لاپرواہیاں دن بدن حد سے تجاوز کرتی جا رہی ہیں۔

کچھ تو ماں کے بے جا لاڈ پیار نے اُن کی عادتیں بگاڑ رکھی تھیں اور کچھ غلط قسم کے دوستوں نے۔ تھوڑی بہت کسر جو باقی رہ گئی تھی وہ نازلی سے ملاقات کے بعد پوری ہو گئی تھی۔ جب سے وہ نازلی کے ساتھ دس روز نینی تال میں گزار کر آئے تھے اُن کی درپردہ مصروفیات میں بھی اضافہ ہو گیا تھا اور جیب خرچ میں بھی پہلے سے دوگنا زیادہ اضافہ ہو گیا' وہ رقمیں علیحدہ تھیں جو ماں سے وقتاً فوقتاً حیلے بہانوں سے حاصل کرتے تھے۔

نجمہ بیگم بھی اب سلیم کی بگڑتی ہوئی حالت کا اندازہ کر رہی تھیں لیکن پانی اب سر سے اونچا ہو گیا تھا' ایک دو بار انہوں نے سلیم کو ٹوکنے کی کوشش بھی کی لیکن سلیم نے انتہائی دیدہ دلیری اور گستاخی کا مظاہرہ کیا تھا اور نجمہ بیگم اپنی ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر خاموش ہو گئی تھیں۔ وہ ڈرتی تھیں کہ جوان لڑکا ہے اگر سخت سُست کہنے سے بات خراب ہوئی اور وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا تو وہ خاندان میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گی۔ شوہر سے اولاد کے سلسلے میں کوئی بات کہتے انہیں اس بات کا خدشہ بھی درپیش رہتا تھا کہ کہیں سلیم نے اگر باپ کو پلٹ کر جواب دے دیا تو اب تک اُس کی آنکھوں میں جو لحاظ ہے وہ بھی جاتا رہے گا اور پھر ہر چیز اُن کی دسترس سے باہر ہو جائے گی۔

آج منجھلا روزہ تھا۔ شیخ حامد حسین نے اپنے گھر پر کچھ ایسے افسروں کو افطار پارٹی پر مدعو کر رکھا تھا جن سے انہیں کچھ نئے ٹھیکے ملنے کی امید تھی' سلیم نے باپ کے حکم پر مارے باندھے اس پارٹی میں شرکت کر لی لیکن ادھر مہمان رخصت ہوئے اُدھر انہوں نے کہیں جانے کی تیاری شروع کر دی' جلدی جلدی اپنے کمرے میں جا کر کپڑے تبدیل کیے۔ لباس کو سینٹ سے معطر کیا۔ پھر بالوں کو آخری بار برش کرتے ہوئے مدھم سُروں میں سیٹی بجاتے باہر آ گئے۔ نرجس لاؤنج میں بیٹھی کسی رسالے کے اوراق الٹ پلٹ رہی تھی' سلیم دبے قدموں اُس کے قریب گئے۔ پیچھے سے چوٹی پکڑ کر اس زور سے جھٹکا دیا کہ نرجس تلملا اٹھی لیکن بھائی کو دیکھ کر محبت سے بولی۔

"اللہ ..... بھائی جان! آپ نے تو ڈرا ہی دیا تھا۔"

"دن بھر فاقے کرو گی تو یہی حال ہو گا۔" سلیم ڈھٹائی سے بولے۔ "میری مانو تو یہ روزے ووزے چھوڑ کر صحت بنانے کی فکر کرو۔"

"کیسی باتیں کر رہے ہیں بھائی جان!" نرجس نے سنجیدگی سے کہا۔ "ایک تو آپ نے آج تک خود کوئی روزہ نہیں رکھا اور اوپر سے دوسروں کو بھی ثواب کمانے سے روکتے ہیں۔"

"ثواب کمانے کی فکر انسان کو ہمیشہ بڑھاپے میں کرنا چاہئے احمق۔" سلیم نے ٹائی کی گرہ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔ "رہا دنیاداری کا معاملہ تو میں بھی دن بھر دوسروں کے سامنے ایسا ہی منہ بنائے رکھتا ہوں جیسے بڑا پکا روزے دار ہوں۔"

"اور ان باتوں سے آپ کو حاصل کیا ہوتا ہے؟"

"اس سلسلے میں مَیں نے آج تک کبھی غور نہیں کیا۔ ویسے دن بھر سوکھے مرجھائے

اور روتے بسورتے چہرے دیکھ کر مجھے الجھن ضرور ہوتی ہے۔"

"سچ کہتی ہوں بھائی جان کہ اب کی جمعتہ الوداع پر آپ روزہ رکھیں' پانچوں وقت کی نماز ادا کریں اور پھر دیکھئے کہ کیسا لطف آتا ہے۔" نرجس نے بڑی شوخی سے کہا۔ "میرا دعویٰ ہے کہ آپ ایک ہی دن میں مسلمان ہو جائیں گے۔"

"نہ بابا' میں کافر ہی بھلا۔" سلیم کانوں کو ہاتھ لگا کر بولے پھر پوچھا۔ "یہ ہماری امی جان صاحبہ اس وقت کہاں تشریف رکھتی ہیں۔"

"میرا خیال ہے اپنے کمرے میں ہوں گی۔" نرجس نے کہا پھر بھائی کی تیاریوں پر نظر ڈالتے ہوئے بولی۔ "یہ اس وقت سج دھج کے کہاں جانے کی تیاری ہو رہی ہے۔"

"چھی ..... بُری بات ..... چھوٹے بچے بزرگوں سے اس قسم کے سوال نہیں کیا کرتے۔" سلیم نے بہن کو گھورتے ہوئے پیار سے کہا پھر ماں کے کمرے کی طرف چلے گئے۔

نجمہ بیگم کچھ دیر پہلے ہی اپنے بستر پر آ کر دراز ہوئی تھیں اور بوا کریمن سے پنڈلیاں دبوا رہی تھیں کہ سلیم تیز تیز قدم اٹھاتے اندر داخل ہوئے۔ ایک نظر ماں کے چہرے پر ڈالی پھر قریب جا کر بولے۔

"کیسی طبیعت ہے ممی!"

"طبیعت تو ٹھیک ہے لیکن یہ کمبخت پنڈلیوں کا درد پیچھا نہیں چھوڑتا۔" نجمہ بیگم نے کراہتے ہوئے کہا پھر کرخت آواز میں بوا کریمن سے بولیں۔ "ذرا زور زور سے ہاتھ چلا مردار۔"

"ممی! میری مانیں تو ڈاکٹر رحمان کا علاج چھوڑ کر کسی دوسرے اسپیشلسٹ سے اپنا علاج کرائیں۔" سلیم نے اپنی دستی گھڑی کو تنکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اس طرح گھٹتی رہیں تو بہت جلد بوڑھی ہو جائیں گی۔"

"تمہیں شاید پھر کچھ روپوؤں کی ضرورت پیش آ گئی ہے۔" نجمہ بیگم نے سپاٹ آواز میں پوچھا' وہ بیٹے کی عادتوں سے ناواقف نہیں تھیں کہ اُن کی پیٹ کی اولاد کس وقت ماں سے محبت کرتی ہے۔

"زیادہ نہیں' فی الحال صرف پانچ سو روپے درکار ہیں' میں نے اپنے کچھ دوستوں کو ڈنر پر بلایا ہے۔"

"ڈنر دینا تھا تو گھر پر بلا لیا ہوتا' ہوٹل میں دعوت دینے کی کیا ضرورت تھی۔" نجمہ

بیگم نے آہستہ سے کہا۔

"آئندہ سے احتیاط رکھوں گا۔" سلیم نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"تمہاری فضول خرچیاں کچھ بڑھتی جا رہی ہیں بیٹے!" اس بار نجمہ بیگم بڑے پیار سے بولیں۔ "ابھی چار روز پہلے ہی تو تم ایک ہزار لے چکے ہو' وہ کہاں گئے۔"

"جہنم میں۔" سلیم نے گستاخ لہجے میں کہا۔ "آپ تو اس طرح حساب مانگتی ہیں جیسے اولاد اور ملازموں میں کوئی فرق نہیں رہا۔"

"یہ تُو آج کل ذرا ذرا سی بات پر آنکھیں لال پیلی کیوں کرنے لگتا ہے۔" نجمہ بیگم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اگر میں تیرے بُرے بھلے کی نہ سوچوں گی تو کیا غیر تیرا خیال رکھیں گے۔"

"تو مجھ میں ایسے کون سے کیڑے پڑ گئے ہیں جو آپ ہر وقت ذرا ذرا سی بات پر ٹوکنے لگی ہیں۔" سلیم نے بھی تیز لہجے میں کہا۔

"سلیم!" نجمہ بیگم تیوری پر بل ڈال کر بولیں۔ "میں محسوس کر رہی ہوں کہ تُو اب گستاخ بھی ہوتا جا رہا ہے۔"

"گستاخی پر بھی مجھے حالات نے مجبور کیا ہے۔" سلیم ماں کو گھورتے ہوئے بولا۔ "ڈیڈی ٹھیکے حاصل کرنے کے لئے دو کوڑی کے افسروں کو ہزاروں روپے رشوت دیتے ہیں' آئے دن بڑے افسروں کی دعوتوں پر روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے اور تحفے تحائف دیئے جاتے ہیں ..... کیا آپ نے کبھی ڈیڈی سے بھی حساب لیا ہے۔"

"ہوش میں آؤ سلیم! تم اب اپنے باپ کی شان میں بھی ایسے نازیبا الفاظ استعمال کرنے لگے ہو۔"

"یہ بھی ماحول ہی کا اثر ہے ممی جان!" سلیم زہرخند سے بولے۔ "دفتر میں دن بھر بیٹھ کر میں جھک نہیں مارتا' ڈیڈی کس طرح دونوں ہاتھوں سے روپیہ سمیٹ رہے ہیں۔ میں یہ بھی دیکھ رہا ہوں' ٹینڈر اور ٹھیکہ حاصل کرنے کے لئے مال کچھ اور دکھایا جاتا ہے اور بعد میں سپلائی کچھ اور کی جاتی ہے۔"

"سلیم!" نجمہ بیگم نے نرمی سے کہا۔ "تجھے ایسی راز کی باتیں زبان پر نہیں لانا چاہئیں' کاروبار میں سب کچھ چلتا ہے اور تمہارے باپ جو کچھ کما رہے ہیں وہ تم ہی لوگوں کے لئے کما رہے ہیں' ہمیں یہ ساری دولت اور جائیداد کون سی اپنی قبروں میں ساتھ لے جانی ہے۔"

"اور اس کے باوجود مجھ سے ہزار دو ہزار کا حساب طلب کیا جاتا ہے ..... بہت خوب۔" سلیم نے بڑی ڈھٹائی سے کہا۔

نجمہ بیگم نے بیٹے کے تیور دیکھ کر خاموش رہنے میں ہی اپنی عافیت سمجھی تھی لہٰذا خاموشی سے الماری کھول کر پانچ سو روپے نکالے اور سلیم کے حوالے کر دیئے۔ پھر کچھ سوچ کر دبی زبان میں بولیں۔

"تمہارے باپ مجھ سے تمہاری شادی کے بارے میں کئی بار پوچھ چکے ہیں' آخر میں انہیں کب تک ٹالتی رہوں گی۔"

"فی الحال میرا شادی کرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔" سلیم نے روپے جیب میں رکھتے ہوئے ٹکا سا جواب دیا۔

"میرا کہا مان لے بیٹے!" نجمہ بیگم نے بیٹے کو شیشے میں اتارنے کی خاطر کہا۔ "تیری شادی ہو جائے گی تو میں تیرے باپ سے کہہ کر تیرا حصہ الگ کرا دوں گی پھر کوئی تجھ سے حساب کتاب نہیں پوچھے گا۔"

"گڈ آئیڈیا مائی سویٹ ممی!" سلیم نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ نے ایک کام کی بات بتائی ہے' میں دو چار روز میں سوچ کر جواب دوں گا۔"

"دلہن آ جائے گی تو تیرا دل بھی گھر میں لگ جائے گا۔" نجمہ بیگم نے بیٹے کو رضامند دیکھ کر جلدی سے کہا۔ "تُو ایک بار بس ہاں کر لے میں تیرے لئے ایسی چاند سی بہو بیاہ کر لاؤں گی کہ ساری دنیا دیکھے گی۔"

"میں آپ کی خوشی کے لئے ہاں بھی کر سکتا ہوں ..... لیکن ایک شرط پر۔"

"وہ کیا؟"

"شادی میں اپنی پسند کی کروں گا۔"

"مجھے منظور ہے لیکن تُو اس سلسلے میں اپنے باپ سے کچھ مت کہنا۔ جہاں تیری مرضی ہو مجھے خاموشی سے بتا دینا۔ میں تمہارے باپ کو خود ہی رضامند کر لوں گی۔"

"او کے' ممی ..... بائی۔" سلیم نے ہاتھ اٹھا کر بڑے مغربی انداز میں ماں کو وِش کیا پھر سیٹی بجاتا ہوا باہر نکل گیا۔

"بیگم صاب! ہمری مانو تو اب چھوٹے بھیا کی دلہنیاں جلدی سے بیاہ کر لاؤ۔" بوا کریمن نے سلیم کے جانے کے بعد کہا۔ "بہو آ جائے تو تمرا دل بھی بہل جائے گا۔"

"تُو بھی دعا کر کریمن کہ سلیم شادی کے لئے تیار ہو جائے' میری تو اب راتوں کی

نیند اور دن کا چین بھی حرام ہو گیا ہے۔" نجمہ بیگم بولیں۔ "ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اگر کہیں باپ بیٹے کا ٹکراؤ ہو گیا تو قیامت آ جائے گی۔"

"اللہ پر بھروسہ رکھو بیگم صاب! اُدچاہے تو سارے کام ٹھیک کر سکتا ہے۔" کریمن نے نجمہ بیگم کو تسلی دی لیکن نجمہ بیگم سلیم کی آج کی باتوں سے کچھ زیادہ ہی فکرمند ہو گئی تھیں۔ کچھ دیر تک چپ چاپ بیٹھی سلیم کے مستقبل کے بارے میں سوچتی رہیں پھر اٹھیں اور اپنے کمرے سے نکل کر شوہر کے کمرے میں چلی گئیں جہاں شیخ حامد حسین انتہائی اطمینان سے بیٹھے کسی فائل کے مطالعے میں محو تھے۔

☆======☆======☆

ناہید اور منصور کی شادی میں اب صرف دو ہفتے باقی رہ گئے ہیں۔

دونوں گھرانوں میں نہایت زور شور سے شادی کے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ شاکرہ خاتون نے ناہید کے جہیز کی تقریباً تمام تیاریاں مکمل کر لی ہیں لیکن متفرقات کی خرید و فروخت اب بھی جاری ہے۔ شیخ حامد حسین کے علاوہ محسن علی نے بھی اس موقع پر بالکل اپنے عزیز داروں کی طرح شیخ الطاف حسین کا ہاتھ بٹا رکھا ہے۔ شازیہ اور بیگم ابرار احمد بھی دن میں دو تین چکر لگا لیتی ہیں۔ نرجس اپنے والد کے ساتھ آتی جاتی رہتی ہے البتہ نجمہ بیگم صرف دو بار آئی ہیں اور وہ بھی کھڑے کھڑے۔ انہیں سلیم کی فکر لاحق رہتی ہے اس لئے اس خیال سے زیادہ نہیں ٹھہرتیں کہ کہیں سلیم کا تذکرہ نہ نکل آئے۔ غرضیکہ ہر شخص اپنی اپنی مصروفیات میں الجھا نظر آ رہا ہے۔

شاکرہ خاتون نے ناہید کے لئے اکیس جوڑے مکمل کرا لئے ہیں' زیورات کے تین سیٹ بھی مکمل کر لئے ہیں جس میں سے ایک کندن کا جڑاؤ سیٹ ابھی حال میں خریدا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مراد آباد کے نقشین برتن اور کراکری کے دو سیٹ بھی خریدے جا چکے ہیں۔ منصور کے کپڑے درزی کے ہاں جا چکے ہیں' ایک سادہ سوٹ تھا اور ایک کنخواب کی شیروانی اور بنارسی صافہ کا جوڑا تھا۔ البتہ ناہید کے جہیز کے لئے ابھی فرنیچر وغیرہ کی خریداری باقی تھی جسے محسن علی نے اپنے ذمہ لے لیا تھا اور اس وقت شازیہ کے ساتھ اسی سلسلے میں شاکرہ خاتون کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ شیخ الطاف حسین بھی بیوی کے قریب ہی موجود تھے۔

"خالہ جان! میں تو کہتی ہوں کہ فرنیچر وغیرہ خریدنے سے بہتر ہے کہ اُس کے نقد پیسے دے دیئے جائیں۔" شازیہ نے مشورہ دیا۔ "بعد میں ناہید اور منصور اپنی گنجائش کی

مناسبت سے خود اپنی پسند کا خرید لیں گے۔"

"کہتی تو تم ٹھیک ہو بیٹی لیکن دنیا دکھاوے کے لئے دو چار چیزیں خریدنا ہوں گی۔" شاکرہ خاتون نے کہا۔

"آپ درست فرما رہی ہیں خالہ جان!" محسن نے شاکرہ خاتون کی تائید کی۔ "میرا مشورہ ہے کہ مسہری اور سنگھار میز فی الوقت خرید لی جائیں اور صوفے وغیرہ کے پیسے نقد دے دیئے جائیں۔"

"محسن میاں کا مشورہ نہایت معقول اور مناسب ہے۔" الطاف حسین بولے۔ "صرف ضرورت کی اہم چیزیں خرید کر بھی جہیز کی فہرست میں اضافہ کیا جا سکتا ہے' رہا دنیا دکھاوے کا مسئلہ تو یہ سب لغو باتیں ہیں۔ ہمیں یوں بھی ان نمائشی باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے۔"

"رہنے دیجئے بس۔" شاکرہ خاتون نے کہا۔ "آپ کو کیا معلوم کہ جہیز دیکھتے وقت عورتیں کیسی کیسی باتیں بناتی ہیں اور کس طرح ناک بھنویں چڑھاتی ہیں۔"

"باتیں بناتی ہیں تو بنایا کریں ..... میں تو ان باتوں کو بھی لغو سمجھتا ہوں کہ دنیا جہان کی عورتوں کو اکٹھا کر کے جہیز کی نمائش کی جائے۔ ظاہر ہے کہ جس کے پاس جتنا ہو گا وہ اسی حساب سے دے گا۔"

"آپ بالکل صحیح فرما رہے ہیں خالو جان!" محسن نے جلدی سے الطاف حسین کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔ "میں تو کہتا ہوں کہ یہ رسمیں ہی بالکل فضول ہیں' جس نے لڑکی دے دی' سب کچھ دے دیا۔"

"خیر اب ایسا بھی نہیں کہ لڑکی کو دو جوڑے کپڑوں کے ساتھ رخصت کر دیا جائے' جسے والدین پال پوس کر جوان کرتے ہیں اُسے اپنے گھر سے رخصت کرتے وقت اپنی حیثیت کے مطابق کچھ نہ کچھ تو ضرور دیتے ہیں لیکن یہ کہاں کا دستور ہے کہ جہیز دیکھ کر طرح طرح کی باتیں بنائی جائیں اور ناک بھنویں چڑھائی جائیں' اس طرح دوسروں کا دل میلا کرنے سے بھلا کیا حاصل ہوتا ہے۔"

"یہ بھی آپ نے بجا ارشاد فرمایا۔" محسن نے پھر تائید کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن کیا کیا جائے خالو جان! جہاں چار عورتیں جمع ہو جائیں وہاں اس قسم کی باتیں تو ہوتی ہی ہیں۔"

"اور کیا۔" شاکرہ خاتون بولیں۔ "کسی کی زبان تو پکڑی نہیں جا سکتی۔"

کچھ دیر اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں پھر تراویح کا وقت ہو چکا تھا اس لئے الطاف حسین اٹھ کر مسجد چلے گئے۔ اُن کے جانے کے بعد شازیہ نے محسن کو شوخی سے گھورتے ہوئے کہا۔

"آپ کم از کم خالو جان کی موجودگی میں تو خاموش رہا کریں۔"

"کیوں ..... کیا میں نے کوئی غلط بات کہہ دی تھی؟" محسن نے اتنی معصومیت سے کہا کہ شاکرہ خاتون بھی مسکرا دیں پھر محسن کی حمایت کرتے ہوئے بولیں۔

"نہیں بیٹے! تم نے کوئی غلط بات نہیں کہی تھی' یہ شازیہ تو یونہی تمہیں چھیڑ رہی تھی۔"

"خالہ جان! یہ ہماری ناہید بہن کہاں غائب ہیں۔ اگر اس وقت ایک پیالی چائے مل جاتی تو دن بھر کی تکان دور ہو جاتی۔" محسن نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ یہاں بیٹھ کر خالہ جان سے باتیں کیجئے' میں چائے بنا کر لاتی ہوں۔" شازیہ نے مسکراتے ہوئے کہا' پھر اٹھ کر اندر چلی گئی۔

ایک طرف یہ انتظامات ہو رہے تھے اور دوسری طرف بیگم سجاد نے چار چار درزیوں کو گھر پر بٹھا رکھا تھا اور اپنی نگرانی میں بَری کے جوڑے تیار کروا رہی تھیں۔ انہوں نے کل چودہ جوڑے تیار کرائے تھے۔ نکاح کے جوڑے کے لئے سرخ کمخواب کا غرارہ سوٹ اور بادلہ کا دوپٹہ نہایت اعلیٰ کام سے مزین کرایا گیا تھا۔ باقی دو جوڑوں پر زری وغیرہ کا کام بنوایا جا رہا تھا۔ زیورات کے چار سیٹ نہایت اعلیٰ اور قیمتی خریدے جا چکے تھے جس میں ایک زمرد کا تھا' جھمکا کرن پھول' گلے کے لئے جڑاؤ گلوبند اور ہاتھوں کے جڑاؤ کڑے اسی سیٹ میں شامل تھے۔ باقی چیزوں کی خرید و فروخت خواجہ رشیدالدین کے سپرد تھی لیکن اس میں بھی بیگم سجاد کی پسند اور ناپسند کو خاص دخل تھا۔

اس وقت بھی بیگم سجاد نے روزہ افطار کر کے مغرب کی نماز ادا کی پھر ڈرائنگ روم میں آ گئیں جہاں خواجہ صاحب پہلے ہی سے موجود تھے۔ آج کل اُن کا دفتر آنا جانا بالکل ہی بند تھا اور زیادہ تر وقت قصر سجاد ہی میں گزرتا تھا۔ بیگم سجاد اس وقت سفید رنگ کے سادہ غرارہ سوٹ میں خاصی پُروقار نظر آ رہی تھیں۔ البتہ پابندی سے روزے رکھ رہی تھیں اس لئے پہلے کے مقابلے میں کچھ کمزور نظر آ رہی ہیں۔

ڈرائنگ روم میں آتے ہی انہوں نے خواجہ صاحب سے منصور کی شادی کے سلسلے میں ہونے والی تیاریوں کی بابت گفتگو شروع کر دی۔ پھر کچھ سوچ کر بولیں۔ "آپ نے

فراز سے فون پر بات کر لی؟"

"جی ہاں بیگم صاحبہ!" خواجہ صاحب نہایت ادب سے بولے۔ "فراز میاں نے کل کسی وقت آپ کو براہِ راست فون کرنے کو کہا ہے۔"

"منصور کی شادی میں شرکت کرنے کے سلسلے میں اُس نے کیا کہا ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ وہ شادی کے موقع پر نہیں آ سکیں گے اس لئے کہ عید کی سات تاریخ سے اُن کے امتحانات شروع ہو رہے ہیں اور اگر انہوں نے امتحانات میں شرکت نہ کی تو چھ ماہ مفت میں ضائع ہو جائیں گے۔"

"یہ تو بہت بُرا ہو گا کہ منصور کی شادی اور فراز اس میں شریک نہ ہو۔" بیگم سجاد نے کچھ تاسف سے کہا۔ "فراز کے امتحان کب تک ختم ہوں گے۔"

"فراز میاں کا کہنا ہے کہ امتحانات وقفے وقفے سے تقریباً ایک ماہ تک جاری رہیں گے ..... ویسے اگر آپ مناسب سمجھیں تو لڑکی والوں سے گفتگو کر کے شادی کی تاریخ ایک ماہ آگے بڑھوا لیں۔"

"نہیں' یہ قطعی غیر مناسب بات ہو گی اور پھر شادی کے دعوت نامے بھی لوگوں کو بھیجے جا چکے ہیں' اس کے علاوہ ذیقعدہ کے چاند میں ہمارے ہاں شادی راس نہیں آتی۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "کل فراز میاں کا فون آئے گا تو میں خود بات کر لوں گی' اگر وہ وقت نکال کر ایک دن کے لئے بھی آ سکا تو میں ضرور بلا لوں گی ورنہ پھر مجبوری ہے' میں منصور کی شادی کی تاریخ بھی آگے بڑھانے کے حق میں نہیں ہوں اور مجھے یہ بھی منظور نہیں کہ فراز کے چھ مہینے ضائع ہوں۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔" خواجہ صاحب نے کہا۔ "اب تو ساری باتیں طے ہو چکی ہیں' پہلے سے خبر ہوتی تو عید کی شروع کے کوئی تاریخ رکھ لی جاتی۔"

"بہرحال' جو خدا کو منظور ہو وہی ہوتا ہے۔" بیگم سجاد نے جواب دیا پھر کچھ یاد کرتے ہوئے بولیں۔ "خواجہ صاحب عید میں صرف تین چار روز رہ گئے ہیں اور آپ نے ابھی تک مجھے یاد نہیں دلایا کہ منصور میاں کی ہونے والی دلہن کے لئے عیدی وغیرہ بھی جانا ہے۔"

"آپ نے فہرست مرتب کراتے وقت غالباً اس اہم پہلو کو نظرانداز کر دیا تھا۔" خواجہ صاحب بولے۔ "جوڑے کے ساتھ چوڑیاں' مہندی' مٹھائی اور عیدی کی رقم بھی جانا چاہئے' ویسے جو آپ مناسب سمجھیں۔"

"خیر اب بھی وقت ہے' آپ زحمت کر کے کل صبح کسی وقت تشریف لے آئیں۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "جوڑا تیار کرانے کا وقت تو اب ہے نہیں اس لئے میرا خیال ہے کہ بنارسی ساڑھی خرید لوں' چوڑیاں اور مہندی بھی لے لوں گی' البتہ آپ کم از کم دس سیر مٹھائی کا آرڈر ابھی سے دے دیں' رہا عیدی کا مسئلہ تو میرا خیال ہے کہ پانچ سو ایک روپے کی رقم مناسب ہو گی۔ میں یہ ساری چیزیں بذات خود چاند رات کو لے کر منصور کے سسرال جاؤں گی۔"

"نہایت مناسب خیال ہے۔" خواجہ صاحب نے کہا پھر دبی زبان میں بولے۔ "منصور میاں کو ابھی سے تاکید کر دیجئے گا کہ عید کے دن اُن کا بھی سلام کرنے کے لئے جانا ضروری ہے۔"

"اچھا کیا جو آپ نے یہ بات یاد دلا دی۔ میں منصور سے آج ہی تاکید سے کہہ دوں گی۔"

بیگم سجاد اور خواجہ رشید الدین کے درمیان بہت دیر تک منصور کی شادی کی تیاریوں کی گفتگو ہوتی رہی پھر بیگم سجاد خواجہ صاحب کے ساتھ ہی اٹھ کر مردانے حصے کے اس کمرے میں آ گئیں جہاں اس وقت بھی چار درزی موجود تھے اور انتہائی انہماک سے بَری کے جوڑے تیار کرنے میں مصروف تھے۔ بیگم سجاد نے ہر کام کا بنفس نفیس جائزہ لیا پھر خواجہ صاحب کو اگلے دن آنے کی تاکید کر کے عشاء کی نماز کے لئے دوبارہ زنان خانے میں آ گئیں۔

☆------☆------☆

وقت کا پنچھی ہوا کے دوش پر پَر پھیلائے تیزی سے اڑتا چلا جا رہا ہے۔

عید آئی اور گزر گئی' چاند رات کو بیگم سجاد ناہید کا جوڑا اور عیدی لے کر آئی تھیں۔ چوڑے پلو کے بھاری کام والی انتہائی بھاری بنارسی ساڑھی' مہندی' چوڑیاں' دس سیر مٹھائی اور پانچ سو ایک روپیہ دے کر واپس چلی گئیں۔ دوسرے دن منصور پہلی بار سسرال میں سلام کرنے حاضر ہوئے تھے' اُن کے ساتھ خواجہ رشید الدین بھی تھے۔ شیخ الطاف حسین اور شاکرہ خاتون نے ہونے والے داماد کی بڑی آؤ بھگت کی۔ شاکرہ خاتون نے ممتا کے جذبے سے بڑھ کر منصور کی بلائیں لیں پھر ایک مہکتا ہوا رومال' چودہ قیراط کی فیورلوبا کی مردانہ گھڑی اور سات سو ایک روپے عیدی کے دیئے۔ منصور خاموشی سے سر جھکائے بیٹھے رہے۔ انہوں نے ساس یا سسر سے کھل کر کوئی بات نہیں کی' صرف

"ہوں" اور "ہاں" کرتے رہے۔ اتفاق سے اس وقت شازیہ اور محسن بھی عید ملنے آ گئے۔ محسن نے بڑے تپاک سے منصور سے ہاتھ ملایا۔ شازیہ اندر جا کر زبردستی ناہید کو بیٹھک کے دروازے تک گھسیٹ لائی۔

ناہید کے احساسات میں ایک انجان سی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ آپ ہی آپ دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ بار بار شرم سے دراز پلکیں آنکھوں پر چلمن ہو جاتی تھیں۔ چہرے کا رنگ بیٹھک کے دروازے کے قریب آ کر کچھ اور گلابی ہو گیا' شازیہ نے اگر اس کا ہاتھ مضبوطی سے نہ تھام رکھا ہوتا تو وہ واپس اپنے کمرے میں بھاگ گئی ہوتی۔ دل میں ایک طوفان سا اُٹھ رہا تھا۔ خوشیوں اور مسرتوں کا طوفان جس کی شدتوں سے مغلوب ہو کر اُس کی کشادہ اور حسین پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے انمول موتیوں کی طرح دمکنے لگے تھے' کسی نازک بیر بہوٹی کی طرح وہ خود اپنے ہی وجود میں مارے شرم کے سمٹی جا رہی تھی۔

"شازیہ!" ناہید نے مسرت آگیں لہجے میں التجا کی۔ "خدا کے لئے میرا ہاتھ چھوڑ دے ..... کوئی اِدھر آ گیا تو کیا ہو گا۔"

"تجھے میری قسم۔" شازیہ نے پیار سے کہا۔ "ذرا ایک نظر دیکھ تو لے اپنے ہونے والے دولہا کو' ایمان سے کہتی ہوں بڑا بانکا سجیلا لگ رہا ہے۔"

"تُو نہیں مانے گی شازیہ کی بچی!" ناہید نے مدھم آواز میں کہا' اُسے اپنے دل کی معصوم دھڑکنوں پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔

"ایک نظر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے۔" شازیہ مسکرا کر بولی۔ "کوئی غیر تو نہیں ہے۔"

"نہ سہی لیکن ..... مجھے شرم آتی ہے۔"

"اپنے ہونے والے دولہا سے شرما رہی ہے۔"

"خدا کے لئے شازیہ! مجھے جانے دے۔" ناہید نے پھر ملتجی نگاہوں سے اُسے دیکھا۔

"دیکھ ناہید! شرافت سے میری بات مان لے ورنہ ابھی آواز دے کر خالہ جان سے کہتی ہوں کہ یہ ناہید بھی بیٹھک میں آنے کو مری جا رہی ہے۔" شازیہ نے بڑی محبت سے دھونس دی۔

"تجھے کیا ملے گا۔" ناہید نے شرم سے دوہری ہوتے ہوئے کہا۔

"تجربہ۔" شازیہ نے مسکرا کر جواب دیا۔ "میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ منصور کو دیکھ کر تیرے دل میں کیا گزرتی ہے۔"

"پلیز..... شازیہ!" ناہید نے اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کی۔

"مچاؤں شور۔" شازیہ نے اُسے مصنوعی غصے سے دیکھا۔

"نہیں شازیہ!..... تجھے میری جان کی قسم۔"

"پھر میری بات مان لے۔" شازیہ نے کہا پھر ناہید کو گھسیٹ کر دروازے تک لے آئی۔

ناہید کے معصوم دل کی دھڑکنیں ہر لحہ تیز ہوتی جا رہی تھیں' اُس نے اپنے دل ہی کے ہاتھوں مجبور ہو کر دروازے کی جھری پر آنکھ رکھ دی۔

منصور سامنے ہی گردن جھکائے بیٹھے تھے' ہلکے گرے رنگ کے سوٹ میں بڑے پُروقار لگ رہے تھے' بھولے بھولے سے۔ چہرے پر کتنی معصومیت تھی' بھرا بھرا سا کتابی چہرہ' کشادہ پیشانی' بڑی بڑی روشن آنکھیں لیکن ان آنکھوں میں ناہید کو خوشی کی ایک ہلکی سی کرن بھی نظر نہیں آئی تھی۔ بس وہ گردن جھکائے بیٹھے تھے۔ چپ چپ ..... خاموش خاموش سے نظر آ رہے تھے۔ شاید پہلی بار آئے تھے اس لئے خاموشی اختیار کر رکھی ہو۔ ناہید نے سوچا پھر جلدی سے دروازے سے پرے ہٹ گئی۔ اُس نے شازیہ کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا' شازیہ کی نگاہوں میں شوخی اور شرارت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ناہید مارے شرم کے دوہری ہو گئی' دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگی۔ شازیہ بھی اُس کے پیچھے پیچھے آئی تھی۔

"سچ بتا ناہید..... کیسا لگا تجھے اپنا دولہا۔"

"میں کیا جانوں۔" ناہید کے گلابی ہونٹوں پر مسکراہٹیں کھیل رہی تھیں۔

"اور دل میں چاہے لڈو پھوٹ رہے ہوں..... کیوں؟" شازیہ نے اُسے معنی خیز نگاہوں سے گھورا۔

"شازیہ کی بچی!" ناہید نے بڑی مشکل سے اپنے دل کی لطیف دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "تُو اتنی بے شرم کب سے ہو گئی ہے۔"

"سہاگ رات سے۔" شازیہ نے برجستہ جواب دیا تو ناہید شرم سے سرخ ہو گئی پھر اُس نے لجا کر اپنا خوبصورت چہرہ گھٹنوں میں چھپا لیا۔

اس وقت باہر سے شاکرہ خاتون کی آواز اُبھری تو ناہید جلدی سے سنبھل کر بیٹھ گئی۔

شاید منصور جا چکے تھے۔

☆------☆------☆

شادی میں چار روز باقی رہ گئے تو ناہید کو مائیوں بٹھا دیا گیا۔ زرد رنگ کے سادہ سے کپڑوں میں بھی وہ اپنی مثال آپ نظر آ رہی تھی۔ کچھ آنے والے خوشگوار لمحات کی خوشیوں کا احساس بھی تھا جس نے ناہید کے حُسن کو اور بھی نکھار دیا تھا۔

شازیہ اور نرجس اسی روز سے اپنا بوریہ بستر لے کر شاکرہ خاتون کے گھر آ گئی تھیں جس روز ناہید کو مائیوں بٹھانے کی رسم ادا کی گئی تھی اور اُسے ایک علیحدہ کمرے میں محدود کر دیا گیا تھا جہاں اُس کی تنہائی میں اس کی بے تکلف اور ہم عمر سہیلیوں کے علاوہ کسی اور کو مخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ اُس کے جسم پر روز ابٹن ملا جاتا تھا اور ایسے میں جب شازیہ اور نرجس منصور کا ذکر کرتیں تو کبھی وہ محض مسکرا کر خاموش ہو جاتی' کبھی مستقبل کے سہانے خوابوں کے تانوں بانوں میں کھو جاتی اور کبھی شرما کر چھوئی موئی کے معصوم اور نازک پودے کی طرح خود اپنے ہی وجود میں سمٹ جانے کی کوشش شروع کر دیتی۔ کبھی خود اُس کے اپنے خیالات اُس کے دل کو گدگدانے لگتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ حال کے جھروکوں سے جھانک کر آنے والے کے بارے میں سہانے سہانے خواب دیکھنے لگتی' اپنی دنیا کے بارے میں سوچتی۔

ایک الگ تھلگ دنیا.....

جہاں اُس کا اپنا راج ہو گا.....

منصور ہوں گے.....

اور دنیا جہان کی خوشیاں ہوں گی..... بیباک اور شوخ قہقہے ہوں گے

اور جہاں بیگم سجاد جیسی نیک اور محبت کرنے والی ساس ہوں گی جسے وہ بڑے خلوص اور اپنائیت سے امی حضور کہہ کر مخاطب کیا کرے گی۔

وہ اپنی اس دنیا میں بہار بن کر چھا جائے گی۔

خزاں کے منحوس جھونکوں کو کبھی قریب نہیں آنے دے گی۔

منصور کو ٹوٹ کر چاہے گی..... اتنا..... اتنا..... کہ وہ خود اپنے وجود کو فراموش کر دے گی۔

دن رات اپنے شوہر..... اپنے مجازی خدا کی پرستش کرے گی۔

لیکن منصور کا خیال آتے ہی اُسے وہ آنکھیں یاد آ جاتیں جنہیں اُس نے پہلی بار

شازیہ کے اصرار پر اس روز پہلی بار دھڑکتے ہوئے دل سے دیکھا تھا جس روز منصور اپنی عیدی وصول کرنے کے لئے اُس کے گھر آئے تھے مگر اُن کی آنکھوں میں ناہید کو خوشیوں کی ایک کرن بھی نظر نہیں آئی تھی' نہ جانے کیا بات تھی ..... وہ خوش نظر نہیں آ رہے تھے ..... مگر کیوں؟ کیا وہ اس شادی پر آمادہ نہیں تھے؟ ..... یا ..... انہیں اپنی بڑائی کا احساس تھا جس نے ان روشن آنکھوں کو بھی سنجیدگی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تھا ..... کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہو گی ..... ہو گی' ..... مجھے کیا ..... وہ خود ہی اپنے دل کو سمجھا لیتی پھر سہیلیوں کے شوخ جملے اُس کے کانوں سے ٹکراتے وہ سب کچھ بھول کر پھر مسکرانے لگتی۔

شادی میں دو روز باقی رہ گئے تو محلے کی لڑکیاں بھی دن رات شاکرہ خاتون کے گھر جمع رہنے لگیں۔ شازیہ اور نرجس میں بڑی گہری دوستی ہو گئی تھی پھر نرجس اپنی بے تکلف سہیلی شہناز کو بھی پکڑ لائی تو گھر کے ہنگاموں میں مزید اضافہ ہو گیا۔ شازیہ اور شہناز کے قہقہے دن رات گھر میں گونجتے رہتے' ڈھولک کی تھاپ پر شب و روز مراثنوں کی آواز میں سہاگ کے گیت ابھرتے رہتے اور ان گیتوں کے بول سن کر ناہید شرم سے سرخ ہو جاتی تھی۔ شازیہ اور شہناز سب سے زیادہ پیش پیش نظر آتی تھیں' اکثر وہ بھی مراثنوں کے ساتھ مل کر گیت کے بول دہرانے لگتیں۔ اس وقت بھی وہ دونوں مراثنوں کے درمیان بیٹھی تالیاں بجا بجا کر گا رہی تھیں۔

چلا نہیں جائے ہم سے پتوں' پتوں
پہلی باری میرے دیور آئے ..... وہ لینے آئے
دیور کے ساتھ میرا ٹھینگا جائے ..... چلا نہیں جائے ہم سے پتوں پتوں
دوسری باری میری نندیں آئیں ..... وہ لینے آئیں
نندوں کے ساتھ میری جوتی جائے ..... چلا نہیں جائے ہم سے پتوں پتوں
تیسری باری میری ساس جی آئیں ..... وہ لینے آئیں
ساس کے ساتھ میرے جھگڑے جائیں ..... چلا نہیں جائے ہم سے پتوں پتوں
چوتھی باری میرے سسرے آئے ..... وہ لینے آئے
سسرے کے ساتھ میرے نخرے جائیں ..... چلا نہیں جائے ہم سے پتوں پتوں
پانچویں بار میرے ساجن آئے
ساجن آئے جی' بلما آئے ..... وہ لینے آئے

ساجن کے ساتھ میرا جیارا جائے ..... چلا نہیں جائے ہم سے پتوں پتوں

اور اس گیت کے بولوں کے ساتھ ساتھ جب شہناز نے اُٹھ کر باقاعدہ ناچ ناچ کر اُس کے مفہوم کی ادائیگی اشاروں' کنایوں میں شروع کی تو لڑکیوں کے مارے ہنسی کے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے۔ نرجس اور ناہید کا بھی مارے ہنسی کے بُرا حال ہو گیا۔ رات گئے تک اسی قسم کے ہنگامے جاری رہے پھر ملنے جلنے والیاں اپنے اپنے گھروں کو چلی گئیں' ناہید کے پاس صرف نرجس' شہناز اور شازیہ رہ گئیں تو نرجس نے شہناز کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

"سچ کہتی ہوں شہناز! آج تو تُو نے پیشہ ور ڈومنیوں کو بھی مات کر دیا۔ وہ بھی تجھے حیرت سے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھیں۔"

"اس بات کی تائید تو میں بھی کروں گی کہ آج شہناز نے واقعی کمال کر دیا۔" شازیہ بولی۔

"ذرہ نوازی ہے آپ خواتین کی ورنہ بندی بھلا کس قابل ہے۔" شہناز نے انکساری سے کام لیا۔

"لیکن تُو نے یہ ناچ سیکھا کہاں سے؟" نرجس نے شوخی سے پوچھا۔

"ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔" شہناز سنجیدگی سے بولی۔

"کوئی سی منطق۔" شازیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جناب۔" شہناز بڑی ڈھٹائی سے بولی۔ "ناچ سیکھنا میرے خیال سے ہر لڑکی کے لئے نہایت ضروری ہے اور وہ اس لئے کہ جب وہ خود ناچ جانتی ہو گی تو اپنے شوہر کو بھی اپنے اشاروں پر نچا سکے گی۔"

اور شہناز کی اس نرالی منطق پر کمرے میں ایک بار پھر نقرئی قہقہے کھنک اٹھے۔

دوسرے دن شام کو بیگم سجاد کے ہاں سے سانچق آئی۔ بیگم سجاد کے ہمراہ بوا سروری کے علاوہ کچھ اُن کی ملنے والیاں تھیں اور دو ایک لڑکیاں بھی تھیں۔ شاکرہ خاتون نے بڑھ کر سمدھن کو گلے لگا لیا۔ نرجس اور شازیہ نے ناہید کو دراندڑے میں لا کر چھوٹے تخت پر بٹھا دیا جس پر سرخ رنگ کی سوزنی بچھی ہوئی تھی' ناہید خاموشی سے گردن میں خم دیئے نظریں جھکائے بیٹھی رہی' آج اُس کی پلکیں شرم سے جیسے من من بھر کی ہو گئی تھیں۔

بیگم سجاد نے آگے بڑھ کر ناہید کی بلائیں لیں' اسی وقت اکیاون روپے بہو کا ہاتھ لگوا کر خیرات کرنے کے لئے علیحدہ رکھ دیئے گئے۔ پھر بیگم سجاد نے خود اپنے ہاتھوں سے

پھولوں کا گہنا پہنایا پھر دوبارہ بلائیں لیتی ہوئی پیچھے ہٹ گئیں تو سات سہاگنوں نے آگے بڑھ کر مہندی' اُبٹنے اور مٹھائی کھلانے کی رسم ادا کی۔ نرجس' شازیہ اور شہناز نے ناہید کے سسرال والیوں کی شہرت سے تواضع کی۔ مراثنوں نے اس وقت بھی ڈھولک کی تھاپ پر ایک خوبصورت سا گیت چھیڑ رکھا تھا۔

رات کو منصور کے واسطے نشان گیا' جس میں دو جوڑے کپڑے' پینڈیاں' نہانے کے برتن وغیرہ کے علاوہ گوندھی ہوئی مہندی' اُبٹنا اور یاقوت کی ایک انگشتری بھی شامل تھی۔ لڑکیوں کو بیگم سجاد کے ہاں لے جانے کی ڈیوٹی محسن کے ذمہ تھی۔

اگلے دن صبح ہی سے بارات کے استقبال کی تیاریاں شروع کر دی گئیں۔ شیخ حامد اور محسن علی اس وقت بھی پیش پیش تھے۔ کھانے کا انتظام شیخ الطاف حسین نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا' شاکر اور حامد حسین باہر شامیانے میں کرسی میزوں کی ترتیب ٹھیک کرانے میں مصروف تھے اور محسن اپنی کار پر بار بار چھوٹے موٹے کاموں کے لئے بازار کی بھاگ دوڑ میں مصروف تھے۔ اندر شاکرہ خاتون اور نجمہ بیگم انتظامات کی دیکھ بھال کر رہی تھیں' ناہید کے کمرے میں اُس کی ہم عمر سہیلیاں اور ہمجولیاں بھری ہوئی تھیں اور بات بات پر قہقہے گونج اٹھتے تھے۔

شام کو تقریباً ساڑھے سات بجے باہر سے باجے کا شور ابھرا تو لڑکیاں برات آ گئی' برات آ گئی' کا شور بلند کرتی ہوئی دروازے کی طرف بھاگیں۔ مردوں اور عورتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ شامیانے کا بندوبست بڑی خوش اسلوبی سے کیا گیا تھا اور پورا ماحول برقی قمقموں اور ٹیوب لائٹس کی روشنیوں میں جگ مگ جگ مگ کر رہا تھا۔

براتیوں کو بٹھانے کے بعد ناہید کو دلہن بنانے کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ نرجس' شازیہ اور شہناز اس وقت بھی ناہید کو دلہن بنانے میں آگے آگے تھیں۔ کوئی اُس کی چوٹی گوندھ رہی تھی' کوئی اُس کا نازک ہاتھ تھامے شاہانی چوڑیاں پہنا رہی تھی' شازیہ نے ناہید کی مانگ میں افشاں بھرتے ہوئے نہ جانے چپکے سے کیا کہا تھا کہ وہ شرما کر رہ گئی۔ پھر جب ناہید کو دلہنوں کا سرخ مہکتا جوڑا پہنایا گیا تو وہ سچ مچ اتنی خوبصورت لگ رہی تھی کہ اُس کے سراپا کو دیکھ کر نگاہیں چکاچوند ہو رہی تھیں۔ نجمہ بیگم نے اس موقع پر بھتیجی کی نظر اتاری پھر وہ باہر سمدھنوں کے پاس آ گئیں تو ناہید کی بے تکلف سہیلیوں نے اُسے اپنے جھرمٹ میں لے لیا۔

"خدا کی قسم کتنی پیاری لگ رہی ہیں ناہید باجی۔" نرجس بولی۔ "چہرے پر جم جم نور

برس رہا ہے۔"

"افشاں یوں چہرے پر دمک رہی ہے جیسے گھونگھٹ میں افشاں سمٹ آئی ہو۔" ایک دوسری لڑکی بولی۔

"ایمان سے کہتی ہوں ناہید' منصور دیکھیں گے تو غش کھا کر گر جائیں گے۔" شازیہ نے کہا۔

"مجھے تو دولہا کی قسمت پر رشک آ رہا ہے۔" اور ایک خاتون نے اپنی سہیلی سے کہا۔ "کیسی چاند سی دلہن مل رہی ہے۔"

"ارے شہناز تجھے اس وقت کیا ہو گیا ہے۔" نرجس نے چپ چپ بیٹھی شہناز سے پوچھا تو وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔

"سوچ رہی ہوں اگر میں مرد ہوتی تو منصور کے فرشتے بھی ناہید کو بیاہ کر نہیں لے جا سکتے تھے' ایمان سے چھریاں چل جاتیں۔"

"اپنی اپنی قسمت کی بات ہے بنو۔" شازیہ نے کہا۔ "اب پچھتانے سے کیا ہوتا ہے۔"

"ہاں بی بی' تم بھی ٹھیک کہہ رہی ہو۔" شہناز برجستہ بولی۔ "محسن بھائی گلے نہ پڑ چکے ہوتے تو منصور کو دیکھ کر تمہاری رال بھی ٹپکنے لگتی۔"

ناہید گھونگھٹ میں سمٹی سمٹائی بیٹھی سہیلیوں کی دلچسپ' شوخ اور بیباک باتیں سن کر دل ہی دل میں مسکرا رہی تھی۔ شازیہ نے آہستہ سے اُس کی چٹکی بھرتے ہوئے کہا۔

"کن خیالوں میں کھوئی ہوئی ہو؟"

"خدا کے لئے شازیہ!" ناہید مدھم آواز میں بولی۔ "آج تو میرا پیچھا چھوڑ دے۔"

"یہ چپکے چپکے شازیہ سے کیا باتیں ہو رہی ہیں دلہن بیگم!" شہناز نے شوخی سے پوچھا۔

"ناہید پوچھ رہی ہیں کہ نکاح اور رخصتی میں اب کتنی دیر باقی ہے۔" شازیہ مسکرا کر بولی۔

"اللہ تیری قدرت۔" شہناز نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بڑی بوڑھیوں کے لہجے کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔ "یہ آج کل کی لڑکیوں کے تو دیدوں کا پانی مر گیا ہے۔ کیسی بے شرمی سے اپنے نکاح اور رخصتی کی باتیں کر رہی ہیں۔ ایک ہمارا زمانہ تھا کہ سرخ جوڑا پہنتے ہی جیسے دلہنیں گونگی اور بہری ہو جایا کرتی تھیں۔ کیا مجال کہ زبان سے اُف بھی

نکل جائے' نکاح کے وقت بھی زبان پر تالے پڑے رہتے تھے۔"

"سچ کہتی ہو بہن!" شازیہ نے بھی وہی انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "اب تو کلچک ہے کلچک' لڑکیوں کا بس چلے تو رخصت پہلے ہو جائیں اور نکاح بعد میں ہوتا رہے۔"

"میں تو مذاق کر رہی تھی شازیہ! تم سچ مچ آپ بیتی سنانے بیٹھ گئیں۔" شہناز نے کچھ ایسے خوبصورت انداز میں یہ بات کہی تھی کہ شازیہ جھینپ کر رہ گئی اور لڑکیوں کے قہقہے ایک بار پھر گونج اٹھے اور پھر اُسی وقت نجمہ بیگم اور شاکرہ خاتون نے کمرے میں داخل ہو کر بتایا کہ قاضی صاحب نکاح پڑھانے آ رہے ہیں' نرجس اور شہناز نے جلدی سے اٹھ کر ناہید کو آڑ میں کرنے کی خاطر چادر تان لی۔ کچھ دیر بعد شیخ الطاف حسین اور حامد حسین وکیل اور گواہوں کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ وکیل کے پوچھنے پر ناہید نے ماں کے اصرار پر "ہوں" کی۔ پھر نکاح پڑھانے کی رسم خدائے بزرگ و برتر کے مبارک نام سے ہوئی۔ تو ہر طرف سے مبارک سلامت کا شور بلند ہونے لگا' شاکرہ خاتون نے آگے بڑھ کر بیٹی کو گلے لگا لیا۔ اُن کی آنکھوں کے گوشے خوشی کی شدت اور بیٹی کے رخصت ہونے کے ملے جلے احساس سے بھیگنے لگے۔ ناہید کی آنکھیں بھی بھر آئی تھیں۔ بزرگ باہر چلے گئے تو شہناز نے ناہید کے قریب آ کر کہا۔

"اب نیر کیوں بہا رہی ہو دلہن رانی! اب تو تم نے ہوں کر کے اچھا خاصا صحت مند شکار پھانس لیا ہے۔"

"خود بھی تو شکار ہو گی۔" شازیہ نے سرگوشی کی تو ناہید نے شرما کر گھٹنوں میں سر چھپا لیا۔

"ابھی سے شرمانے کا یہ حال ہے تو پھر سہاگ رات کیسے بیتے گی۔" شازیہ نے ہولے سے ناہید کے کان میں کہا تو وہ اور بھی سمٹ گئی۔

رخصتی کا وقت قریب آیا تو پھولوں سے سجی ہوئی دولہا کی لمبی سی گاڑی دروازے کے قریب لگا دی گئی' شاکرہ خاتون اور شازیہ نے ناہید کا ہاتھ پکڑ کر اُسے آہستہ سے کھڑا کیا تو مراثنوں نے رخصتی کا گیت کچھ ایسی پُرسوز آواز میں گانا شروع کیا کہ شاکرہ خاتون کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی بندھ گئی لیکن اس کے باوجود وہ ناہید کو چھوٹی چھوٹی نصیحتیں کر رہی تھیں۔

ڈیوڑھی کے اندر الطاف حسین آبدیدہ کھڑے تھے' ناہید قریب پہنچی تو الطاف حسین

نے اُسے بے اختیار سینے سے لگا لیا اور بیٹی کی جدائی کے احساس سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ قریب کھڑے شاکر کی آنکھیں بھی نمناک ہو گئیں' حامد حسین نے آگے بڑھ کر بڑے بھائی کو سنبھالا تو نجمہ بیگم بھتیجی کو سینے سے لگا کر دعائیں دینے لگیں۔ پیچھے کھڑی ہوئی نرجس' شازیہ اور شہناز کی آنکھیں بھی بھر آئیں پھر بیگم ابرار احمد نے آگے بڑھ کر ناہید کے سر پر قرآن کا سایہ کیا تو بیگم سجاد نے آگے بڑھ کر بہو کا ایک ہاتھ تھام لیا۔

دروازے سے دولہا کی گاڑی تک چادریں تنی ہوئی تھیں۔ ناہید لرزتے کانپتے اور ڈگمگاتے قدموں سے ماں کا ہاتھ تھامے پھولوں سے سجی کار تک آ گئی' اندر سے ڈھولک کی آواز کے ساتھ ساتھ مراثنوں کی آواز بھی آ رہی تھی۔

مجھ کو وداع کروا دو سہیلیو! میرے ماتا پتا سے
دور کھڑے آنسو نہ بہائے کہہ دو یہ بھیا سے
میں تو تھی مہمان' تاروں سے میری مانگ بھرو

"بہن!" شاکرہ خاتون نے سسکتے ہوئے بیگم سجاد سے التجا کی۔ "میں اپنی زندگی کی سب سے بڑی پونجی آج تمہارے حوالے کر رہی ہوں۔ اس کا خیال رکھنا۔"

"آپ دل چھوٹا نہ کریں بہن! ناہید کو میں نے بہو بنانے سے پہلے بیٹی کہا ہے۔" بیگم سجاد نے بڑی اپنائیت سے جواب دیا۔

"جاؤ میری لاڈلی! خدا کے حوالے۔" شاکرہ خاتون نے ایک بار پھر ناہید کو گلے لگاتے ہوئے بڑی رقت بھری آواز میں کہا پھر اُسے کار میں بٹھا دیا۔ بیگم ابرار احمد بھی ناہید کے ساتھ جانے کے لئے اُس کے برابر بیٹھ گئیں۔ دوسری طرف بیگم سجاد آ گئیں۔

منصور نے آگے بڑھ کر دبی زبان میں الطاف حسین سے رخصت چاہی پھر خاموشی سے آ کر اگلی سیٹ پر ڈرائیور کے قریب بیٹھ گئے تو بینڈ باجوں نے بھی رخصتی کے ایک گیت کی دھن الاپنا شروع کر دی پھر کار حرکت میں آئی تو شاکرہ خاتون نجمہ بیگم سے لپٹ کر رونے لگیں۔ شیخ الطاف حسین بھی ایک طرف کھڑے اپنے آنسو پینے کی کوشش کر رہے تھے اور ناہید.....

وہ گاڑی میں بیگم سجاد اور بیگم ابرار احمد کے درمیان سر جھکائے' سرخ گھونگھٹ کے اندر سمٹی سمٹائی اپنی نئی دنیا آباد کرنے جا رہی تھی' ماں باپ اور بھائی کے جدا ہونے کے احساس نے اُسے تڑپا رکھا تھا لیکن مستقبل کے سہانے خوابوں کا حسین تصور اُس کے دل کو دھڑکنے پر بھی مجبور کر رہا تھا' وہ ان ہی متضاد کیفیتوں سے دوچار تھی کہ نہ جانے کیوں

ایک بار پھر اُس کے تصور میں منصور کی آنکھیں ابھر آئیں۔

بڑی بڑی روشن آنکھیں ..... لیکن

اِن آنکھوں میں خوشی کا ایک ذرہ برابر شائبہ تک نہ تھا۔

مسرت کی ایک ہلکی سی کرن بھی نہیں پھوٹ رہی تھی۔

وہ آنکھیں.....

روشن ہونے کے باوجود ویران ویران سی کیوں لگ رہی تھیں.....

اُداس اُداس کیوں نظر آ رہی تھیں ..... اور

ناہید خود اپنے ہی تصورات سے کانپ اٹھی ..... سہم گئی اور پھر اُس نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر بیگم ابرار احمد کا ہاتھ پوری شدت سے تھام کر اپنا سر اُن کی گود میں رکھ دیا' وہ اندر ہی اندر سسک رہی تھی ..... نہ جانے کیوں اُس کے معصوم دل کو دھڑکنیں تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

بیگم ابرار احمد نے بڑی شفقت سے اُس کا سر اپنی گود میں رکھ لیا اور آہستہ آہستہ اُس کے شانے سہلانے لگی۔

☆------☆------☆

بیگم سجاد کی کوٹھی برقی قمقموں سے جگمگا رہی تھی۔

دولہا کی گاڑی پھاٹک سے اندر داخل ہوئی تو شہنائی کی آواز گونجنے لگی' گھر میں موجود خواتین اور زرق برق پوشاک میں ملبوس لڑکیوں نے بڑھ کر گاڑی کو اپنے جلو میں لے لیا' پہلے منصور دروازہ کھول کر آہستہ سے اترے پھر بیگم سجاد باہر آئیں۔ اُن کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔ قدرت نے آج ان کے گھر کی ویرانیوں کو دور کر دیا تھا' اُن کی مراد بر آئی تھی' انگ انگ سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

"منصور بھائی! شادی مبارک ہو۔" کچھ لڑکیوں نے منصور کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔

"خدا دولہا دلہن کی جوڑی سلامت رکھے۔" ایک بزرگ خاتون نے دعا دی۔

"چشم بددور۔" ایک لڑکی بولی۔ "آج تو منصور بھائی کے چہرے پر نور ہی نور بکھرا ہے۔"

"اور دل میں ہزاروں لڈو پھوٹ رہے ہوں گے۔" دوسری نے دبی زبان میں کہا لڑکیوں کے جھرمٹ میں قہقہے گونج اٹھے۔

بیگم سجاد قدم اٹھاتی گاڑی کے دوسری جانب آئیں' دروازہ کھول کر پہلے بیگم ابرار احمد کو اتارا پھر دلہن کا ہاتھ تھام کر نیچے اتارا۔ منصور ابھی تک اپنی جگہ خاموش خاموش سے کھڑے تھے۔

"منصور میاں!" بیگم سجاد نے انہیں آواز دے کر قریب بلایا۔ "دلہن کو گود میں اٹھا کر اندر لے چلو۔"

منصور نے ایک نظر ماں کے چہرے پر ڈالی' آہستہ سے قدم اٹھاتے قریب آ گئے۔ بیگم ابرار احمد ناہید کا ہاتھ چھوڑ کر ایک طرف ہٹ گئیں۔ منصور کی نگاہیں دلہن پر جمی ہوئی تھیں جو مہکتے ہوئے سرخ لباس میں گردن جھکائے کھڑی تھی' منصور اور اُن کے اردگرد لڑکیوں کا ہجوم تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو منصور!" بیگم سجاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "دلہن کو گود میں اٹھا کر اندر لے چلو۔ یہ ہمارے ہاں کی رسم ہے بیٹے!"

ماں کے حکم پر منصور ایک قدم اور آگے بڑھے تو دو لڑکیوں نے لپک کر دولہا دلہن کے درمیان ایک عارضی دیوار حائل کر دی۔

"پہلے ہمارا نیگ ادا کیجئے پھر آپ دلہن کو ہاتھ لگا سکیں گے۔" ایک لڑکی نے شوخی سے منصور کو دیکھتے ہوئے کہا۔

بیگم سجاد نے بٹوہ کھول کر ایک سو ایک روپے نیگ کے ادا کئے تو لڑکیاں درمیان سے ہٹ گئیں' منصور نے ماں کے اشارے پر آگے بڑھ کر دلہن کو گود میں اٹھا کر اندر پہنچایا' پھر دوبارہ لان پر آ گئے جہاں اُن کے دوست احباب جمع تھے۔ اُن میں دفتر کے ساتھی بھی تھے' تجارت پیشہ لوگ بھی اور ندیم اور سہیل بھی تھے' جو منصور کے ٹینس کلب کے ساتھی اور بے تکلف دوست بھی تھے۔

منصور ان افراد کے درمیان کھڑے مبارکباد وصول کرتے رہے پھر جب مجمع سے چھٹکارا ملا اور لوگ ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے تو وہ ندیم اور سہیل کے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ لان پر مہکتے پھولوں کی بھینی خوشبو پھیل رہی تھی اور شہنائی کی آواز فضا میں سحر گھول رہی تھی۔

"شادی مبارک ہو منصور!" سہیل نے گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "آج سے تمہاری زندگی کا ایک نیا باب شروع ہو گا۔"

"اور اس نئی زندگی کے آغاز پر میں بھی تمہیں دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔" ندیم

نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "پہلا سبق ذرا توجہ سے پڑھنا۔"

منصور نے کوئی جواب نہیں دیا' دھیرے سے مسکرا دیئے۔

"ٹینس کی سروس اور سہاگ رات میں بڑا فرق ہوتا ہے۔" سہیل بولے۔

منصور نے نظریں اٹھا کر سہیل کو دیکھا' ہمیشہ کی طرح آج بھی اُس کے چہرے پر زندہ دلی مسلط تھی۔

"کیا بات ہے پارٹنر؟" ندیم نے پوچھا۔ "اس قدر گم صم کیوں نظر آ رہے ہو؟"

"شاید ہماری موجودگی گراں گزر رہی ہے' اب ہمیں چلنا چاہئے۔" سہیل نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ مس نازلی کی یاد ستا رہی ہے۔" ندیم نے دبی زبان میں سوال کیا پھر وہ بھی مسکراتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔

نازلی کے نام پر منصور کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا لیکن بجھی بجھی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے وہ بھی آہستہ سے اٹھے اور دوستوں کو رخصت کرنے کے لئے باہر تک آ گئے' جہاں سہیل اور ندیم کی گاڑیاں کھڑی تھیں۔

"کلب کے دوستوں نے تمہیں اور بھابی کو ایک شاندار پارٹی دینے کا پروگرام بنا رکھا ہے۔" سہیل نے کہا پھر منصور سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گیا۔

"ایک بات کہوں منصور! بُرا تو نہیں مناؤ گے۔" ندیم نے سہیل کے جانے کے بعد کہا۔

"کہو۔" منصور نے نظریں اٹھا کر ندیم کے چہرے کی سنجیدگی کو محسوس کیا۔

"نازلی کا خیال اب دل سے نکال دینا۔" ندیم نے کہا۔ "اب تمہارے اوپر صرف بھابی کا حق ہے۔"

"تمہارے مشورے کا خیال رکھنے کی کوشش کروں گا۔" منصور سپاٹ آواز میں بولے۔

"میں تمہیں ذاتی تجربے کا نچوڑ بتا رہا ہوں۔" ندیم نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ "بیوی کی موجودگی میں اگر محبوبہ کا خیال بھی دل میں باقی رہے تو زندگی بڑی المناک ہو جاتی ہے۔ انسان خود اپنی نظروں میں چور بن کر رہ جاتا ہے۔"

"اور کچھ؟" منصور نے اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"باقی آئندہ۔" ندیم نے شوخی سے جواب دیا پھر گاڑی میں بیٹھ کر ہاتھ ہلاتا ہوا

رخصت ہو گیا تو منصور ہونٹ چباتے ہوئے واپس اندر آ گئے۔ چہرے پر بڑی گھمبیر سنجیدگی طاری تھی۔ روش سے گزرتے ہوئے انہوں نے لان پر ایک نظر ڈالی' تمام کرسیاں خالی پڑی تھیں۔ تمام مہمان رخصت ہو چکے تھے لیکن روشنیاں بدستور جگمگا رہی تھیں اور شہنائی کی آواز اب بھی اس جگمگاتے سناٹے میں دور دور تک گونج رہی تھی۔

چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے وہ ورانڈے میں آ گئے۔ سامنے ڈرائنگ روم میں بیگم سجاد اور بیگم ابرار احمد بیٹھی تھیں۔ بیگم ابرار نے منصور کو دیکھا تو دوپٹہ کھینچ کر چہرے کا پردہ کر لیا۔ بیگم سجاد تیزی سے اٹھ کر مسکراتی ہوئی بیٹے کے قریب آ گئیں۔ ہاتھ میں دبی ہوئی ایک چھوٹی سی سرخ مخمل کی ڈبیا منصور کو دیتے ہوئے آہستہ سے بولیں۔

"اس میں میرے سہاگ کی نشانی ہے بیٹے! ہیرے کی یہ انمول انگوٹھی تمہارے والد نے مجھے پہنائی تھی' میری خواہش ہے کہ تم اسے اپنے ہاتھوں سے اپنی دلہن کو پہنا دو۔"

"آپ کی خواہش کا احترام میرا فرض ہے امی حضور!" منصور کے ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ ابھر آئی۔

"دلہن اپنے کمرے میں تمہارا انتظار کر رہی ہے۔" بیگم سجاد نے بیٹے کی بلائیں لیتے ہوئے کہا۔ "خدا تمہیں زندگی کی خوشیاں نصیب کرے۔ آمین!"

اور.....

ناہید اندر اپنے حجلۂ عروسی میں سرخ جوڑے میں سمٹی سمٹائی پھولوں کی سیج پر بیٹھی اپنے دل کی لطیف دھڑکنیں گن رہی تھی' بیگم ابرار احمد کے جانے کے بعد بھی وہ بڑی دیر تک گھونگھٹ کی اوٹ میں نظریں جھکائے بیٹھی رہی پھر جب کوئی آہٹ ..... کوئی آواز نہ سنائی دی تو اُس نے دھیرے سے حیا بار پلکیں اٹھا کر اطراف کا جائزہ لیا۔ وہ اس وقت کمرے میں تنہا تھی۔

آہستہ آہستہ نظریں گھما کر وہ کمرے کی ایک ایک چیز کا جائزہ لیتی رہی جہاں زندگی کی تمام آسائشیں موجود تھیں' ہر چیز اپنی جگہ انگوٹھی میں نگینہ لگ رہی تھی' صوفہ سیٹ' سنگھار میز' اخروٹ کی لکڑی کی بنی ہوئی گول میز جس پر گہرے آسمانی رنگ کا ایک بوتل نما نہایت خوبصورت اور نازک سا گلدان رکھا تھا اور اس میں گلاب اور گیندے کے پھولوں کو پتیوں کے ساتھ بڑے سلیقے کے ساتھ سجایا گیا تھا۔ ایک خوبصورت سی رائیٹنگ ٹیبل رکھی تھی۔ کھڑکی اور دروازوں پر بڑے بڑے پھولوں والے دبیز پردے کھنچے ہوئے تھے۔ سامنے دیوار پر ایک خوبصورت سی پینٹنگ نظر آ رہی تھی اور فرش پر دبیز قالین بچھا ہوا

تھا۔ ہر چیز اعلیٰ اور قیمتی تھی اور پورے ماحول پر خوابناک سی کیفیت طاری تھی۔

پھر باہر سے قدموں کی آہٹ ابھری تو اُس نے جلدی سے دوبارہ گردن جھکالی' آنے والے لمحات کے تصور سے اُس کے معصوم دل کی دھڑکنیں دوبارہ تیز ہونے لگیں' چہرہ حیا کی سرخی سے تپ کر گلنار ہو گیا اور رخساروں پر افشاں یوں چمکنے لگی جیسے جھل مل کرتے ستارے اس پیکر ماہتابی پر اپنی تجلیاں نچھاور کر رہے ہوں۔ دل میں چھپے ہوئے ارمان گدگدانے لگے' امنگیں بے چین ہونے لگیں۔ اُس کے کانوں میں شازیہ کے کہے ہوئے جملے گونجنے لگے۔

شوہر کے سامنے گھونگھٹ نکالے بیٹھی رہنا۔

ایک دم سے ہی بیباک نہ ہو جانا۔

وہ زیادہ چھیڑیں تو ہونٹوں پر ہلکی سی مسکان سجالینا۔

وہ گھونگھٹ اٹھائیں تو دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپالینا۔

اس لئے کہ مرد ہر حال میں مرد ہی ہوتا ہے۔

جو چیز اُسے آسانی سے مل جائے اُس کی پرواہ نہیں کرتا۔

جو چیز آسانی سے ہاتھ نہ آئے اُس کے پیچھے دیوانہ وار بھاگتا رہتا ہے۔

اور نہ جانے کیا کیا باتیں کہی تھیں شازیہ نے اور ان باتوں کو یاد کر کے ناہید کے دل کی دھڑکنیں اور بڑھتی جا رہی تھیں۔ لطیف لطیف سی دھڑکنیں جو اُس کے وجود کو ہولے ہولے گدگدا رہی تھیں' اُس کی حیا بار آنکھیں چوری چوری دروازے کی جانب اٹھ رہی تھیں پھر دروازہ آہستہ سے کھلا' منصور اُس کے سامنے آئے تو اُس نے جلدی سے گھبرا کر آنکھیں بند کرلیں لیکن کان ان قدموں کی آہٹ پر تھے جو آہستہ آہستہ اُس کے قریب آ رہی تھیں ..... اور قریب ..... اور قریب ..... اور پھر جب اُس نے مسہری کے نرم گدیلوں پر دباؤ محسوس کیا تو سمجھ گئی کہ منصور اُس کے قریب آ کر بیٹھ گئے ہیں' پھولوں سے لدی شاخ کی مانند اُس نے اپنا سر کچھ اور جھکا لیا۔ چہرہ حیا کی سرخی سے تمتمانے لگا۔

"ناہید!" منصور نے آہستہ سے آواز دی۔

جواب میں ناہید کے ہونٹ کپکپا کر رہے گئے۔ دل کی دھڑکنوں میں طوفان سا آ رہا تھا۔

"ناہید!" منصور کی مدھم آواز دوبارہ ابھری۔ "آنکھیں کھول کر میری طرف دیکھئے

مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔"

وہ اس بار بھی خاموش رہی ..... کیا جواب دیتی' شرم کے مارے پسینہ پسینہ ہوئی جا رہی تھی۔

"آج ہماری سہاگ رات ہے ناہید!" منصور قدرے جذباتی انداز میں بولے۔ "آج کی رات ہماری زندگی کی بنیادی رات ہے۔"

ناہید اب بھی چپ تھی' حیا نے جیسے اُس کے گلابی ہونٹوں کو منجمد کر رکھا تھا۔

حجلۂ عروسی میں کچھ دیر بڑی سحر انگیز خاموشی طاری رہی پھر منصور نے آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر اُس کا ہاتھ تھام لیا اور ماں کی دی ہوئی انگوٹھی اُس کی نازک انگلی میں پہنا دی جس میں جڑے ہوئے ہیرے سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں لیکن ناہید اس انگوٹھی کی قیمت کا اندازہ نہ لگا سکی' منصور کے مردانہ ہاتھوں کے لمس نے تو جیسے اُس کے وجود کو گنگنا اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا' وہ ان حسین لمحات کی نغمگی میں کھو گئی۔

"یہ امی حضور کے سہاگ کی نشانی ہے جسے میں اُن کے حکم پر آپ کے حوالے کر رہا ہوں۔"

اور اس بار ناہید نے شکریے کے اظہار کے طور پر مہندی رچا ہاتھ آہستہ سے اٹھا کر گردن کچھ اور جھکالی۔ اُس کا لرزتا ہوا ہاتھ پیشانی تک گیا پھر اُس نے جلدی سے شرما کر ہاتھ سمیٹ لیا۔

"مجھے خوشی ہے کہ آپ نے یہ حقیر تحفہ قبول کرلیا۔" منصور نے آہستہ سے کہا پھر ہاتھ بڑھا کر ناہید کا گھونگھٹ اٹھاتے ہوئے بولے۔ "امی حضور کا انتخاب یقیناً لاجواب ہے' مجھے اس بات کا احساس بھی ہے کہ وہ آپ کو بڑے ارمانوں' بڑی امیدوں سے بیاہ کر لائی ہیں اور اب ..... اب ہمارا فرض ہے کہ امی حضور کو اپنی مشترکہ کوششوں سے خوش رکھنے کی کوشش کریں ..... اُن کا دل بہت کمزور ہے' ذرا سی بھی ٹھیس پہنچی تو ٹوٹ جائے گا۔"

ناہید خاموش بیٹھی منصور کی باتوں کو سنتی رہی۔

"آج کی رات ہمارے لئے بڑی اہم ہے ناہید!" منصور کی آواز قدرے توقف کے بعد دوبارہ ابھری۔ "آج کی رات ہمیں اپنی آئندہ زندگی گزارنے کے لئے' کچھ اہم فیصلے' کچھ عہد و پیمان کرنے ہیں' آپ میری بات سن رہی ہیں نا!"

"جی!" ناہید ہولے سے بولی' نہ جانے کیوں اسے منصور کا لب و لہجہ عجیب سا لگ

رہا تھا۔ اجنبی اجنبی سا۔

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس گھر میں آپ کو کبھی کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ اس گھر میں امی حضور کے بعد آپ کا راج ہو گا۔ یہاں کی ہر چیز پر آپ کو مکمل اختیار ہو گا' آپ ہر چیز کی مالک ہوں گی لیکن....."

منصور کچھ کہتے کہتے اچانک خاموش ہو گئے پھر آہستہ سے اٹھے اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے اُس کھڑکی کے قریب جا کر رک گئے جو پائیں باغ کی سمت کھلتی تھی۔ پردے سرکا کر انہوں نے کھڑکی کے پٹ کھولے تو بھینی بھینی خوشبو کا معطر جھونکا تیزی سے اُن کے بالوں کی ایک آوارہ لٹ کو چھیڑتا ہوا اندر گھس آیا۔

ناہید نے قدموں کی آہٹ کو مسہری سے دور ہوتے ہوئے محسوس کر لیا تھا' منصور نہ جانے کیا کہتے کہتے خاموش ہو گئے تھے پھر کھڑکی کے پٹ کھسکنے کی آواز سن کر وہ اپنی آنکھیں بند نہ رکھ سکی' آہستہ سے پلکیں اٹھا کر اُس نے منصور کو دیکھا۔ وہ کھڑکی کے قریب اُس کی جانب پشت کئے باہر خلاؤں میں نہ جانے کیا تلاش کر رہے تھے' کچھ دیر یونہی کھڑے رہنے کے بعد وہ دوبارہ آہستہ سے پلٹے تو ناہید نے نظریں جھکا لیں لیکن اس بار اُس نے آنکھیں بند نہیں کی تھیں۔ پلکوں کے درمیان تھوڑی سی جھری کئے وہ اس ہیرے کی انگوٹھی کو دیکھنے لگی جو اُس کے سہاگ کی نشانی تھی۔ جسے منصور نے بڑی عقیدت سے اُس کی انگلی میں پہنایا تھا۔ پھر وہ اُس سے مستقبل کے بارے میں باتیں کرتے کرتے اچانک خاموش ہو گئے تھے اور اُس کے پاس سے اٹھ کر دور جا کر کھڑکی کے پاس کھڑے ہو گئے تھے۔ ایک انجانی سی خلش اُسے الجھانے لگی۔ ماحول پر طاری وہ بوجھل سی اداس اداس خاموشی اُس کے احساسات کو ڈس رہی تھی لیکن ایک بار پھر اُس کا دل دھڑکنے لگا۔ منصور دوبارہ اُس کے قریب آ رہے تھے۔ فاصلے دوبارہ گھٹ رہے تھے پھر وہ اُس کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔

"ناہید!" انہوں نے ٹھوس آواز میں اُسے مخاطب کیا۔ "میں جانتا ہوں کہ آج کی رات لڑکیوں کی زبان پر تالے پڑے ہوتے ہیں' شرم و حیا زن و مرد کے درمیان حجاب کی ایک دیوار بن جاتا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ یہ حجاب کچھ دیر کے لئے ختم کر دیں۔ مجھے آپ سے بہت ساری باتیں کرنا ہیں' ایسی باتیں جن سے ہم دونوں کا مستقبل وابستہ ہے۔ یہ باتیں بہت ضروری ہیں ناہید بیگم!"

"جی!" ناہید اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکی' منصور کی زبان سے ناہید کے بجائے ناہید

بیگم سن کر نہ جانے کیوں اُس کے احساسات کو دھچکہ لگا تھا۔

"میں آپ سے بے تکلفی کی درخواست کروں گا ناہید!" منصور بولے۔ "اس لئے کہ جو باتیں میں آپ سے آج کرنا چاہتا ہوں شاید کل نہ کر سکوں۔"

"کہئے۔" ناہید نے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "میں سن رہی ہوں۔"

"میں جانتا ہوں ناہید کہ میری باتوں سے آپ کو دکھ ہو گا لیکن میں آپ کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا۔" منصور نے اپنے الفاظ کو تولتے ہوئے محتاط لہجے میں کہا۔ "میں جھوٹ بولنا گناہ سمجھتا ہوں لیکن کبھی کبھی ماں کی ممتا جب اولاد سے اپنا حق مانگتی ہے تو اولاد بے بس ہو جاتی ہے شاید اس لئے کہ دنیا میں انسان کے لئے ماں سے زیادہ اور کوئی شے عزیز نہیں ہوتی۔ میں بھی کچھ ایسے ہی حالات کا شکار ہو کر بے بس ہو گیا تھا۔ اگر..... اگر میں نے ماں کی خوشیوں کا خیال نہ کیا ہوتا تو ماں کا دل ٹوٹ جاتا' وہ اس صدمے کو برداشت نہ کر پاتی اور شاید....." منصور اپنا جملہ مکمل نہ کر سکے' اُن کی آواز بھرانے لگی تھی' کچھ دیر وہ خاموش رہے پھر اُداس لہجے میں بولے۔ "امی حضور کے دم سے اس گھر کی خوشیاں اور ہمارا وقار قائم ہے' خدانخواستہ اُن کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو پھر..... پھر سب کچھ تباہ و برباد ہو جائے گا۔"

"آپ ..... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں؟" ناہید نے نظریں کو اٹھا کر پہلی بار منصور کے چہرے کو غور سے دیکھا' اُن کی مبہم مبہم سی باتیں ناہید کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔

"یہ شادی امی حضور کے حکم سے انجام پائی ہے' اس میں میری خوشیوں کو کوئی دخل نہیں۔" منصور نے مدھم آواز میں کہا تو ناہید کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔

اُس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے منصور کو دیکھا' وہ اُس کے قریب سر جھکائے بیٹھے تھے لیکن اُن کے ایک ہی جملے نے درمیانی فاصلے کو بہت طویل کر دیا تھا' ناہید کے لئے منصور کا ایک ہی جملہ زہر کے تلخ گھونٹ سے کم نہیں تھا۔ اُس کے ایک جملے نے لمحے بھر میں اُس کی خوشیوں کو پامال کر ڈالا تھا' اُس کے ارمانوں کا گلا گھونٹ دیا تھا' اُس کی معصوم آرزوؤں اور تمناؤں کو روند ڈالا تھا' وہ دل ہی دل میں کسی زخمی پرندے کی طرح تڑپ اٹھی' منصور کے جملے کا ایک ایک لفظ تیر و نشتر بن کر اُس کے دل کی گہرائیوں میں اتر گیا تھا۔ زندگی کے اس اچانک اور نئے موڑ کے تصور ہی نے اُسے دہلا دیا تھا۔ اُس نے سہمی نظروں سے ماحول پر نظر ڈالی' منصور کے اس جملے نے ہر شے کو متاثر کیا تھا۔

حجلۂ عروسی میں برقی قمقموں کی خوابناک سی روشنی اب کسی بجھتے ہوئے چراغ کی دم توڑتی لَو کی طرح کپکپاتی نظر آ رہی تھی' ماحول کا فسوں ٹوٹ کر منتشر ہو گیا تھا' ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا تھا' پھولوں کی سیج جیسے اُس کی خوشیوں کا مدفن بن گئی تھی اُس نے پلکیں جھکا کر اپنے ہاتھوں میں رچی بسی مہندی کے رنگ کو دیکھا' سرخ جوڑے پر نظر ڈالی تو تڑپ اٹھی۔

آج.....

آج تو اُس کی سہاگ رات تھی.....

ارمانوں اور مرادوں کی رات.....

زندگی کے طویل سفر میں بس یہی تو ایک ایسی رات آتی ہے.....

جب دو دلوں کی دھڑکنیں آپس میں گھل مل کر ایک ہو جاتی ہیں.....

شرم و حجاب کے سارے پردے ایک ایک کر کے سرکنے لگتے ہیں.....

اور.....

دو انسانی وجود..... دو اجنبی' ایک دوسرے سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں۔

ایک دوسرے کے ہمسفر بن جاتے ہیں۔

ایک نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔

لیکن منصور نے تو زندگی کا آغاز کرنے سے پہلے ہی اُسے اُس کے اپنے وجود میں دفن ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ کیسی شادی تھی ..... کیسی سہاگ رات تھی جس نے اُسے ہنستی مسکراتی زندگی کے بجائے موت کا پیغام دیا تھا..... وہ ..... وہ تو اپنی اس نئی دنیا میں راج کرنے کے ارادے سے دلہن بن کر آئی تھی لیکن پہلی ہی رات تاراج ہو کر رہ گئی تھی' یہ کیسی موت تھی جس میں اُسے کفن کے بجائے سرخ جوڑا پہنا دیا گیا تھا۔ سانسوں کا تسلسل کیوں جاری تھا؟ دل کی دھڑکنیں معدوم ہو کر سینے کی اتھاہ گہرائیوں میں منجمد کیوں نہیں ہو گئی تھیں؟ ..... وہ ان ہی خیالات میں گم تھی کہ منصور کی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"میں آپ کے احساسات کا اندازہ لگا رہا ہوں ..... لیکن قدرت نے ہم دونوں کے ساتھ ایک ہی جیسا سلوک کیا ہے۔"

"شاید....." وہ بجھی آواز میں بولی۔

"ہمیں حالات سے سمجھوتہ کرنا ہو گا ..... اپنے لئے نہ سہی' اپنے والدین کی

خوشیوں کی خاطر۔" منصور کے لہجے میں درد تھا۔

"جی....." وہ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔

"امی حضور کو ان باتوں کا علم نہیں ہونا چاہئے ورنہ اُن کا دل پھٹ جائے گا۔" منصور نے دبی زبان میں درخواست کی۔

"آپ فکرمند نہ ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "میں امی حضور کی خوشیوں کا خیال رکھوں گی۔"

"دوسروں کی موجودگی میں ہمیں اپنے چہروں پر خوشیاں سجائے رکھنا ہوں گی ..... اور....."

"اور....." اُس نے سوالیہ نگاہوں سے منصور کو دیکھا۔

"تنہائی میں ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہی رہیں گے۔" منصور ہونٹ کاٹتے ہوئے بولے۔

"جی....." ناہید کو اپنا دم سینے کی گہرائیوں میں گھٹتا محسوس ہو رہا تھا۔

"صرف یہی ایک صورت ہے جو ہمارے رشتوں کا بھرم قائم رکھ سکتی ہے۔" منصور نے سپاٹ آواز میں کہا۔

"میں کوشش کروں گی کہ آپ کو مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہ ہو۔" وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میں ..... ایک درخواست اور کروں گا۔"

"آپ مالک ہیں ..... حکم دیجئے۔" اُس نے اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے بڑے اعتماد سے کہا۔

"مجھ سے ان باتوں کی وجہ دریافت کرنے کی کبھی کوشش نہ کیجئے گا۔" منصور نے تیزی سے کہا پھر دوبارہ اٹھ کر کھڑکی کے قریب چلے گئے۔

ناہید گم صم بیٹھی منصور کی باتوں پر غور کرتی رہی اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہو لیکن وہ خواب نہیں حقیقت تھی۔ ایسی تلخ حقیقت جس نے اُس کے پورے وجود کو جھنجھوڑ کر لرزہ براندام کر دیا تھا۔ منصور کی باتوں نے اُس کے ذہن میں جیسے دہکتے ہوئے انگارے بھر دیئے تھے جو اُسے اندر ہی اندر جھلسا رہے تھے' پھونکے ڈال رہے تھے' اُس کے سینے کی گہرائیوں میں جیسے کوئی آتش فشاں سلگ رہا تھا جو پھٹ کر اُبل پڑنے کی خاطر آہستہ آہستہ دھواں دے رہا تھا اور پھر دھوئیں کی گھٹن کے

احساس سے وہ تڑپ اٹھی۔ کمرے میں برقی قمقمے اب بھی جگمگا رہے تھے لیکن اُس کی دراز پلکوں کے نیچے گھپ اور تاریک اندھیرے پھیل رہے۔

اندھیرے.....

جو بڑی تیزی سے اُس کے وجود کے گرد اپنا جال پھیلا رہے تھے

گھپ ..... اور تاریک اندھیرے.....

جو زندگی کے ہر نقش کو دھندلا ڈالنے کے لئے مچل رہے تھے.....

لیکن پھر ان ہی گھپ اندھیروں سے روشنی کی ایک کرن پھوٹی' ناہید کے ذہن کے پردوں پر شیخ الطاف حسین کا چہرہ ابھرا' اُس باپ کا چہرہ جس نے زندگی کے نامساعد حالات میں بھی ہمیشہ مسکراتے رہنے کی عادت ڈالی تھی۔ ہر حال میں خدا کا شکر ادا کیا تھا۔ باپ کے بعد اُسے اپنے چھوٹے بھائی کا خیال آیا۔ اُس نے بھی تو کبھی حالات کی تنگ دستی کا گلہ نہیں کیا تھا' ہر حال میں خوش رہنے کا عادی تھا۔ پھر ناہید کے تصور میں ماں کا ممتا بھرا بھرپور چہرہ ابھرا جس نے اُسے اپنی دہلیز سے رخصت کرتے وقت بڑی رقت بھری آواز میں کہا تھا — "جاؤ میری لاڈلی ..... خدا کے حوالے" — پھر جب خدا ہی کو اس کی خوشیاں منظور نہیں تھیں تو وہ بندوں سے کس بات کا گلہ کرتی' کس چیز کی شکایت کرتی اور پھر ناہید نے ایک اہم فیصلہ کر لیا۔

وہ ماں باپ کے نقشِ قدم پر چل کر اُن کی تربیت کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنا لے گی۔

حالات سے مفاہمت کرنے کا انداز اختیار کر لے گی۔

خود کو حالات کے سانچوں میں ڈھال کر اپنے آپ کو یکسر بدل ڈالے گی۔

اُس نے سوچا.....

حالات سازگار ہوں تو سب ہی کے چہرے کِھل اٹھتے ہیں ..... لیکن

لطف تو جب ہے کہ انسان دکھوں کے بوجھ تلے دب کر بھی زندگی سے بھرپور قہقہے لگائے۔

جینے اور زندہ رہنے کا ایک انداز یہ بھی تو ہے.....!!

بڑی دیر تک وہ مسہری پر بیٹھی اپنے آپ کو سمجھاتی رہی پھر جب اُس نے مستقبل کی نادیدہ راہوں پر زندگی گزارنے کے لئے ایک اہم اور اٹل فیصلہ کر لیا تو اُس کے ذہن کا سارا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ وہ اپنے آپ کو بہت ہلکا محسوس کرنے لگی۔ یوں جیسے اُسے اپنے

حال سے کوئی شکوہ' کوئی شکایت باقی نہیں رہ گئی تھی' اس نے ایک بار پھر نظریں اٹھا کر منصور کی طرف دیکھا وہ ابھی تک کھڑکی کے قریب کھڑے دور پار خلاؤں میں نہ جانے کیا تلاش کر رہے تھے۔

اُسے منصور کی حالت پر رحم آ گیا' منصور' جو اب اُس کے شوہر تھے' مجازی خدا تھے' جن کی پرستش اُس کا فرض تھا اور وہ اس فرض کی ادائیگی کے لئے خود کو پوری طرح آمادہ کر چکی تھی' وہ اپنا دکھ درد بھول کر منصور کے غموں کا مداوا کرنا چاہتا تھی لیکن نہ جانے منصور کن غموں سے دوچار تھے' اُس کا دل چاہا آہستہ سے اٹھ کر منصور کے قریب جائے اور اُن سے پوچھے کہ آخر وہ کون سا ایسا غم ہے جس نے انہیں زندگی کی مسرتوں سے منہ موڑنے پر مجبور کر دیا ہے۔ مگر منصور نے تو انہیں پہلے ہی تاکید کر دی تھی کہ وہ اُن سے اُن کے دکھوں کے بارے میں کچھ پوچھنے کی کوشش کبھی نہ کرے۔

رات آہستہ آہستہ بھیگتی جا رہی تھی' پھر جب گھڑی نے رات کے بارہ بجنے کا اعلان کیا تو وہ ہمت کر کے آہستہ سے اٹھی' ہولے ہولے منصور کے قریب جا کر اس طرح رکی کہ منصور کو اُس کے قرب کی خبر تک نہ ہوئی' اُن کی اداس آنکھیں اب تک تاریکیوں میں بھٹک رہی تھیں اور چہرے پر کرب کی کیفیت مسلط تھی' نہ جانے وہ کن خیالوں میں گم تھے' چہرے پر چھائی گھمبیر اداسی اور پیشانی پر بکھرے ہوئے بالوں کی آوارہ لٹیں اُن کی وحشتوں کی ترجمانی کر رہی تھیں۔

بہت دیر تک وہ اُن کے قریب ساکت و جامد کھڑی رہی پھر اُس نے دھیرے سے آواز دی تو منصور چونک کر تیزی سے یوں پلٹے جیسے کوئی خواب دیکھتے دیکھتے اچانک جاگ اٹھے ہوں' اُن کی آنکھیں سرخ سرخ نظر آ رہی تھیں' وہ ان آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکنے کی ہمت نہ کر سکی' نظریں جھکا کر مدھم آواز میں بولی۔

"آپ کب تک کھڑے جاگتے رہیں گے۔"

"آپ کو نیند آ رہی ہے تو کپڑے تبدیل کر کے سو جایئے' میری فکر نہ کیجئے۔" منصور نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"زیادہ دیر تک جاگنے سے آپ کی صحت پر بُرا اثر پڑے گا۔" اُس نے ہمت کر کے کہا۔

"ناہید!" منصور تڑپ کر بولے۔ "میں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ تنہائی میں ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہوں گے۔"

"مجھے یاد ہے۔" ناہید نے دبی زبان میں کہا۔ "لیکن راہ میں ملنے والے مسافر بھی ایک دوسرے کی خیریت پوچھ لیتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں کہ آپ کی تربیت کس ماحول میں ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود آپ کی ہمدردیاں مجھے میری منزل سے گمراہ نہیں کر سکیں گی۔" منصور کی آواز میں کرب تھا۔ "حالات کی ستم ظریفیوں نے ہمیں ایک دوسرے سے وابستہ کر دیا ہے لیکن ..... ہماری راہیں الگ الگ ہیں۔"

"میں نے تو آپ سے صرف سونے کی ..... آرام کرنے کی درخواست کی تھی۔" ناہید نے منصور کے لہجے کی تلخیوں کو نظرانداز کرتے ہوئے بڑے خلوص سے کہا۔

"مجھے ابھی نیند نہیں آ رہی ہے۔" منصور نے اجنبیوں جیسا خشک انداز اختیار کر لیا۔

"ٹھیک ہے' جب تک آپ نہیں سوئیں گے' میں بھی جاگتی رہوں گی۔" اُس نے فیصلہ کن آواز میں کہا پھر دوبارہ مسہری پر آ کر بیٹھ گئی۔

منصور کچھ دیر تک بے چینی کے عالم میں دبیز قالین پر ٹہلتے رہے پھر کچھ سوچ کر انہوں نے ایک تکیہ اٹھایا اور بتیاں گل کرتے ہوئے صوفے پر جا کر لیٹ گئے تو نہ جانے کیوں ناہید کے ہونٹوں پر ایک پھیکا سا تبسم مچل اٹھا پھر وہ بھی آہستہ سے کپڑے تبدیل کئے بغیر لیٹ گئی اور جب تک اُس کی بوجھل پلکیں نیند کے خمار سے بند نہیں ہو گئیں وہ منصور ہی کی جانب دیکھتی رہی۔

☆======☆======☆

منصور آج پورے پانچ روز بعد دفتر آئے تھے۔

میز پر فائلوں اور ضروری خطوط کا اچھا خاصا انبار جمع تھا۔ دوپہر تک وہ ایک ایک فائل کو بہت غور سے پڑھنے میں منہمک رہے پھر فائلیں نپٹا کر انہوں نے ڈاک کی طرف توجہ دی۔ ان میں کچھ کاروباری خطوط تھے اور ایک دو نجی خطوط بھی تھے' وہ ان خطوط پر بھی دفتری عملے کے لئے ضروری ہدایات جاری کرتے رہے۔ کام کی مصروفیت میں انہیں وقت کا اندازہ نہیں رہا پھر وہ اسی وقت چونکے تھے جب اُن کی پرسنل سیکرٹری روبینہ نے کمرے میں داخل ہو کر انہیں مخاطب کیا۔

"سر! کیا آپ لنچ نہیں کریں گے۔"

منصور نے نظریں اٹھا کر گھڑی کی سمت دیکھا' دوپہر کے تین بج رہے تھے' عام

حالات میں وہ ایک بجے دوپہر کا کھانا کھاتے تھے لیکن آج شاید کام کی مصروفیت کی وجہ سے انہیں لنچ کرنے کا خیال ہی نہیں رہا تھا۔ روبینہ ان کے قریب کھڑی جواب کی منتظر تھی' منصور نے سرسری نظر سے اُسے دیکھا' اُن کے دفتر کے عملے میں روبینہ واحد لڑکی تھی جسے انہوں نے اپنے دوست سہیل کی سفارش پر ملازمت دی تھی' ذاتی طور پر منصور کا یہی خیال تھا کہ لڑکیاں کاروباری معاملات کی اہل نہیں ہوتیں لیکن روبینہ نے صرف چار ماہ کے مختصر عرصے میں منصور کے اس نظریے کو غلط ثابت کر دیا اور اس قدر محنت اور جانفشانی سے اپنے ذمہ سونپے جانے والے تمام کام نپٹائے کہ خود منصور کو بھی اُس کی قابلیت اور ذہانت کا اعتراف کرنا پڑا چنانچہ انہوں نے کام میں اس کی مہارت اور صلاحیتوں کا اندازہ لگانے کے بعد اُسے اپنی پرسنل سیکرٹری بنا لیا تھا۔

روبینہ کا تعلق ایک متوسط گھرانے سے تھا۔ اُس نے بی اے تک تعلیم حاصل کی تھی۔ اُس کا ارادہ تعلیم جاری رکھنے کا تھا لیکن حالات نے اجازت نہ دی۔ باپ کے انتقال کے بعد بوڑھی ماں اور ایک چھوٹے بھائی کی کفالت کا بوجھ اُس کے کاندھوں پر آ پڑا تو اُس نے ملازمت اختیار کر لی۔ سہیل اُس کے پڑوس میں رہتا تھا' روبینہ کے واقف کاروں میں سے تھا اس لئے اُس نے روبینہ کے حالات کا جائزہ لیتے ہوئے منصور سے اُس کی سفارش کر دی تھی اور منصور اپنے دوست کی سفارش کو رد نہ کر سکے اور یوں اُن کے دفتری عملے میں ایک لڑکی کا اضافہ بھی ہو گیا جو انتہائی خوبصورت اور اسمارٹ تھی لیکن آج تک اُس نے اپنی شخصیت کو دفتر کے دوسرے لوگوں کے لئے کبھی اسٹنٹ بننے کا کوئی موقع فراہم نہیں کیا تھا' ٹھیک وقت پر دفتر آتی۔ دن بھر اپنے کام سے کام رکھتی اور پھر سر جھکائے واپس گھر چلی جاتی۔ منصور کے علاوہ دفتر کے دوسرے لوگ بھی اس کا بے حد احترام کرتے تھے اور اُس کی ذہانت اور قابلیت کے معترف تھے۔ خواجہ رشیدالدین کے بعد صرف روبینہ ہی کو اس بات کی اجازت حاصل تھی کہ وہ بلا روک ٹوک منصور کے کمرے میں آ جا سکتی تھی۔ چنانچہ اس وقت بھی جب ملازم کھانے کے برتن واپس لینے آیا تو وہ اپنے کیبن سے نکل کر منصور کے پاس آ گئی تھی اور اب سر جھکائے اُن کے جواب کی منتظر تھی۔

"اب لنچ کا وقت کہاں رہا مس روبینہ!" منصور تھوڑے توقف سے بولے۔ "اگر ہو سکے تو میرے لئے ایک کپ کافی بھجوا دیں۔"

"رائٹ سر! میں ابھی آپ کے لئے کافی بھجواتی ہوں لیکن ۔ ۔ ۔ کے برتن یوں

ہی واپس کر دیئے جائیں۔" روبینہ نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔" منصور نے وضاحت چاہی۔

"میں گستاخی کی معافی چاہتی ہوں سر! لیکن کھانے کا گھر واپس جانا میرے خیال میں مناسب نہ ہو گا۔" روبینہ نے دبی زبان میں جواب دیا۔

"آئی سی۔" منصور نے کچھ سوچتے ہوئے اداس لہجے میں کہا۔ "آپ کھانا کسی چپڑاسی وغیرہ کو دے دیں اور میرے لئے کافی بھجوا دیں۔"

"رائٹ سر!" روبینہ نے بڑی مستعدی سے جواب دیا پھر الٹے قدموں کمرے سے نکل گئی تو منصور اُس کے کہے ہوئے جملے کی باریکیوں پر غور کرنے لگے۔

اُن کی شادی کو ابھی صرف پانچ دن ہی گزرے تھے لیکن دفتر آتے ہی وہ اس حقیقت کو یکسر فراموش کر بیٹھے تھے۔ کیسی المناک تھی یہ حقیقت کہ شادی ہو جانے کے بعد بھی وہ خود کو تنہا محسوس کر رہے تھے' شاید اس لئے کہ اس شادی میں اُن کی اپنی مرضی' اپنی پسند کوئی دخل نہیں تھا اور یہی وجہ تھی کہ دولہا بن کر سہرا سر پر سجانے کے باوجود اُن کے دل میں کوئی ہلچل پیدا نہیں ہوئی تھی۔ نہ جذبات ڈانواں ڈول ہوئے تھے' نہ امنگوں اور آرزوؤں میں کوئی طوفان اٹھا تھا' نہ جذبات میں کوئی طغیانی آئی تھی۔ انہوں نے تو بس ماں کی خوشیوں کی خاطر اپنی زندگی کے ساتھ ایک سمجھوتہ کر لیا تھا ورنہ اُن کی خوشیاں تو اسی دم دم توڑ چکی تھیں جب نازلی کے بجائے ناہید کو اُن کی زندگی کا ہمسفر بنایا گیا تھا اور یہ سب کچھ انہوں نے ماں کی ممتا سے مجبور ہو کر کیا تھا۔

روبینہ کے ایک چھوٹے سے جملے نے اُن کے دل کے زخموں کو پھر کرید دیا تھا' انہیں نازلی کی یاد ستانے لگی' نازلی ..... جس کے ساتھ انہوں نے محبت کے عہد و پیمان باندھے تھے اور مستقبل کے لئے حسین خواب دیکھے تھے' انہوں نے سوچ رکھا تھا کہ نازلی سے شادی کے بعد وہ ماں سے اجازت لے کر ہنی مون منانے ایک ماہ کے لئے کسی پُرفضا مقام پر چلے جائیں گے' جہاں دفتر کی مصروفیات نہ ہوں گی ..... وہ ہوں گے ..... اور ..... نازلی ہو گی اور ایک ماہ تک وہ نازلی کی بانہوں میں بانہیں ڈالے زندگی کی حسین شاہراہوں پر فضاؤں کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہوتے رہیں گے' سرسبز و شاداب پہاڑ کی چوٹیاں اُن کے نغموں سے گونجیں گی اور پہاڑی جھرنے اُن کی محبت کی گواہی دیں گے ..... لیکن .....

قدرت کی ستم ظریفی نے ماں کی ممتا کی آڑ لے کر اُن کی خوشیوں کو پامال کر دیا

تھا ..... ان کے حسین خوابوں کی خوبصورت کڑیوں ..... کو منتشر کر دیا تھا' اُن کے مسکراتے ہوئے ہونٹوں پر غموں کی اندوہناک پپڑیاں جما دی تھیں' اُن کی خوشیوں کو اس بُری طرح روندا تھا ..... پامال کیا تھا کہ وہ اپنی بربادی پر ماتم بھی نہیں کر سکتے تھے' اپنی تباہی پر کھل کر آنسو بھی نہیں بہا سکتے تھے ..... صرف ..... اندر ہی اندر گھٹ سکتے تھے۔ لیکن اس طرح کہ کوئی ان کے دل کا راز نہ جان سکے۔

نازلی کا خیال آیا تو منصور کی عارضی محویت اور وقتی سکون کا طلسم پھر ٹوٹ گیا' آج انہیں نازلی سے ملے دس روز سے زیادہ ہو گئے تھے۔ اس عرصے میں اس نے پلٹ کر ایک بار بھی تو اُن کی خیریت نہیں دریافت کی تھی' فون بھی نہیں کیا تھا یہ بھی نہ پوچھا کہ اس کے بغیر ..... اسے کھو کر اُن کے دل پر کیا بیت رہی ہے۔ شاید منصور کی طرح وہ بھی اسی آگ میں جل رہی ہو شاید اس کا معصوم دل بھی منصور کی یاد میں تڑپ رہا ہو' وہ اُن کی طرح گیلی لکڑی کی مانند اندر ہی اندر اپنے وجود میں سلگ رہی ہو' بڑی دیر تک وہ نازلی کے بارے میں اپنے حالات کی روشنی میں سوچتے رہے پھر چپڑاسی کافی لے کر آیا تو اُن کے خیالات کے تانے بانے پھر الجھ کر رہ گئے' ایک سرد سی آہ بھر کر انہوں نے کافی کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا اور دوبارہ خود کو کام میں منہمک کرنے کی کوششوں میں مصروف ہو گئے۔

دفتر میں چھٹی کا وقت ہوا تو وہ بھی کام بند کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نازلی کا تصور اب بھی اُن کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا' باہر آ کر گاڑی میں بیٹھے تو دفتر کے چوکیدار نے حسب معمول ہاتھ اٹھا کر سلام کیا' گردن کی معمولی جنبش سے سلام کا جواب دے کر انہوں نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ کچھ ہی دور گئے تھے کہ اُن کی نظر روبینہ پر پڑی جو بس اسٹاپ پر سر جھکائے کھڑی تھی' منصور نے غیر اختیاری طور پر گاڑی اُس کے قریب لے جا کر روک دی' روبینہ نے دیکھا تو چہرے پر سنجیدگی بکھیرے قریب آ گئی۔ وہ یہی سمجھی تھی کہ شاید منصور کو کوئی کام یاد آ گیا ہے جو وہ اس سے کہنا چاہتے ہیں۔

"جی سر!" اُس نے قریب آ کر ماتحتوں والے انداز میں کہا تو منصور کو اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا' آج سے پہلے اُن سے کبھی کوئی ایسی حرکت سرزد نہیں ہوئی تھی' سڑک پر کھڑے ہوئے لوگوں نے نہ جانے اُن کی اس حرکت کے بارے میں کیا سوچا ہو گا' بہرحال بے خیالی میں اُن سے جو غلطی سرزد ہو گئی تھی اُسے نبھانے کی خاطر انہوں نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھولتے ہوئے خشک لہجے میں کہا۔

"آیئے بیٹھیے مس روبینہ! میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔"

"شکریہ سر!" روبینہ نے جھجکتے ہوئے کہا۔ "بس آنے میں زیادہ دیر نہیں ہوتی۔"

"بیٹھئے۔" منصور نے دوبارہ کہا تو وہ انکار نہ کر سکی' آہستہ سے سمٹ کر اُن کے برابر بیٹھ گئی اور ہولے سے دروازہ بند کیا تو منصور نے گاڑی دوبارہ تیزی سے آگے بڑھا دی۔ انہیں اپنے آپ پر شرم محسوس ہو رہی تھی' نہ جانے انہوں نے گاڑی کیوں روک لی تھی لیکن جو کچھ ہوا تھا نادانستگی میں ہوا تھا' اس میں اُن کے ارادے کو کوئی دخل نہیں تھا لیکن اس کے باوجود یہ خیال اُن کے ذہن کو حد درجہ پریشان کر رہا تھا کہ نہ جانے روبینہ نے اُن کی اس حرکت کا کیا مطلب اخذ کیا ہو۔ بہت دیر تک وہ خود اپنے آپ پر پیچ و تاب کھاتے رہے پھر بات نبھانے کی خاطر بولے۔

"میں سہیل کی طرف جا رہا تھا' اس لئے سوچا آپ کو بھی ڈراپ کر دوں گا۔"

"ویری کائنڈ آف یو سر!" اُس نے آہستہ سے شکریہ ادا کیا پھر دوبارہ خاموشی اختیار کر لی۔

"مس روبینہ!۔" منصور نے یونہی خاموشی دور کرنے کی خاطر پوچھا۔ "آپ کو دفتر میں کسی قسم کی کوئی تکلیف تو نہیں ہے؟"

"جہاں آپ جیسا مخلص اور مہربان افسر ہو وہاں تکلیف کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے سر!" اُس نے نظریں جھکائے جھکائے جواب دیا۔

"آپ کا چھوٹا بھائی کیا کرتا ہے؟"

"ساتویں جماعت میں پڑھ رہا ہے سر!"

"سہیل نے بتایا تھا کہ گھر کی ساری ذمہ داریوں کا بوجھ آپ ہی پر ہے۔"

"جی ہاں سر!۔" اُس نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

"ایک بات پوچھوں مس روبینہ! آپ بُرا تو نہیں مانیں گی۔" منصور نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"آپ میرے محسن ہیں سر! جو چاہے پوچھ سکتے ہیں۔"

"جب آپ کی شادی ہو جائے گی تو آپ کی والدہ اور بھائی کی کفالت کون کرے گا؟"

"میں ..... میں شادی نہیں کروں گی سر!" وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔ "جب تک چھوٹا بھائی کسی قابل نہ ہو جائے میں اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔"

"آئی ایم سوری مس روبینہ!" منصور نے اُس کے لہجے میں چھپے کرب کی شدتوں کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "غالباً مجھے آپ سے ایسا سوال نہیں کرنا چاہئے تھا۔"

"کوئی بات نہیں سر!" روبینہ نے جلدی سے کہا۔

"میں آپ کی کارکردگی اور احساس ذمہ داری سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔" منصور نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ اگر آپ اسی محنت اور جانفشانی سے کام کرتی رہیں تو آپ کا مستقبل یقیناً نہایت روشن اور تابناک ہو گا۔"

"شکریہ سر!" وہ آہستہ سے بولی۔ "لیکن مستقبل کے بارے میں یقین سے بھلا کیا کہا جا سکتا ہے۔"

اور روبینہ کے جواب نے ایک بار پھر منصور کے زخموں کو ہرا کر دیا۔ اُس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ مستقبل سے قبل از وقت امیدیں وابستہ کر لی جائیں تو کبھی یہ امیدیں دل کا روگ بھی بن جاتی ہیں اور زخم ناسور کی شکل اختیار کر لیتے ہیں تو مر جانے کو جی چاہتا ہے۔ منصور نے بھی تو اپنے مستقبل سے اپنی ذات کی ہزاروں لاکھوں خوشیاں وابستہ کر رکھی تھیں لیکن بادِ مخالف کے ایک ہی جھونکے نے اُن کی خوشیوں کے چمن کو اس طرح تاراج کیا تھا ..... ایسا اجاڑا تھا کہ زندگی بھائیں بھائیں کرتے ہوئے ویران اور سنسان کھنڈرات میں بدل کر رہ گئی تھی اور.....

"آپ کہاں جا رہے ہیں سر! میرا گھر تو پیچھے رہ گیا۔"

روبینہ نے ٹوکا تو منصور چونک اٹھے' سچ مچ وہ آگے نکل آئے تھے' انہیں اپنے اس طرح کھو جانے پر ایک بار پھر روبینہ کے سامنے شرمندہ ہونا پڑا' کچھ کہے بغیر انہوں نے گاڑی تیزی سے موڑی اور روبینہ کے گھر کے قریب لا کر روک دی۔

"سر!" روبینہ نے نیچے اترتے ہوئے بڑی عاجزی سے کہا۔ "کیا آپ ہمارے ہاں ایک پیالی چائے پینا پسند کریں گے؟"

"ڈیو رہی ..... پھر کبھی سہی۔" انہوں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا پھر سر کو ہلکا سا خم دے کر روبینہ کے سلام کا جواب دیتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

ذہن بوجھل بوجھل ہو رہا تھا۔ احساسات پر بار بار بے ہوشی کی کیفیت طاری ہو رہی تھی اس لئے وہ گھر جانے کے بجائے کلب چلے گئے۔ ایک عرصے کے بعد دوستوں نے انہیں دیکھا تو سب ہی اُن کے قریب آ گئے اور بے تکلف دوستوں نے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی۔

"یار! آج بہت دنوں بعد شکل دکھائی دی۔" ایک نے شکوہ کیا تو دوسرے نے برجستہ کہا۔

"شکر کرو کہ آ گئے ورنہ ہم تو سمجھ رہے تھے کہ شادی کے بعد گئے ہاتھ سے۔"

"میرا خیال ہے کہ بھابی آج کل میکے گئی ہوئی ہیں۔" تیسرے نے خیال ظاہر کیا۔

"ہم لوگوں نے تمہیں اور بھابی کو باقاعدہ پارٹی دینے کا پروگرام بنایا ہے۔" کلب کے سیکرٹری شفاعت خاں بولے۔ "لیکن اس شرط پر کہ تم کلب کی ممبرشپ ختم نہیں کرو گے۔"

"کیا مطلب؟" سہیل نے پوچھا۔

"مطلب یہ کہ ایسا نہ ہو کہ منصور ایک وقت میں صرف ایک ہی انڈور گیم کو ترجیح دیں۔" شرافت خاں نے مسکراتے ہوئے کہا تو سب ہی ہنس دیئے۔ منصور خاموش بیٹھے سب کی باتیں سنتے رہے۔

"اور سناؤ منصور!" ایک دوسرے بے تکلف دوست نے پوچھا۔ "تمہاری دیگر مصروفیات کا کیا حال ہے؟"

"فی الحال تو بھابی کے ناز نخروں کی مصروفیت زیادہ ہو گی۔" سہیل نے کہا۔

"گویا آج کل گھر پر ہی نیٹ پریکٹس (Net Practeice) ہو رہی ہے۔"

"ان محترمہ کا کیا بنا جو تمہارے تعاقب میں دو ایک بار کلب تک آ چکی تھیں۔" شہاب نے پوچھا۔ ان کا اشارہ نازلی کی طرف تھا۔

"لعنت بھیجو یار! وہ بھی کوئی لڑکی تھی۔" شرافت خاں بُرا سا منہ بنا کر بولے۔ "مجھے تو صورت ہی سے فلرٹ نظر آتی تھی۔"

منصور کے چہرے کا رنگ یکلخت بدل گیا' نازلی کے بارے میں وہ ریمارکس سن کر اُن کا دل چاہا تھا کہ شرافت خاں کا منہ نوچ لیں لیکن وہ دوستوں کے درمیان تماشہ نہیں بننا چاہتے تھے اس لئے خون کا گھونٹ پی کر چپ ہی رہے۔

"میرا خیال ہے کہ پارٹی کی ڈیٹ آج ہی طے ہو جانی چاہئے۔" ندیم نے منصور کے چہرے کی بدلتی رنگت کو محسوس کرتے ہوئے موضوع بدلنا چاہا۔

"آئندہ اتوار مناسب رہے گا ..... کیوں مسٹر منصور!" شرافت خاں نے براہِ راست منصور سے دریافت کیا۔

"اتنی جلدی کیا ہے۔" منصور نے کہا۔ "پھر کسی روز پروگرام طے کر لیا جائے گا۔"

"کیوں ..... کیا کسی لمبے ہنی مون کے پروگرام سے باہر جانے کا ارادہ ہے۔" شہاب نے پوچھا۔

دوستوں کے درمیان اسی قسم کی بے تکلف باتوں کا سلسلہ جاری رہا لیکن منصور کچھ بجھے بجھے سے نظر آ رہے تھے' نازلی کے ذکر نے کلب کے خوشگوار ماحول میں بھی اُن کے زخموں کو ٹھیس پہنچائی تھی اس لئے وہ زیادہ دیر نہیں رکے اور مصروفیات کا بہانہ کر کے دوستوں سے رخصت ہو گئے۔ البتہ دوستوں کے بے حد اصرار پر انہیں اتوار کی پارٹی منظور کرنا پڑی تھی۔

کلب سے نکل کر وہ کچھ دیر تک یونہی کار میں بیٹھے سڑکوں پر چکر لگاتے رہے۔ پھر مغرب بعد گھر پہنچے تو ماں کو لان میں بیٹھے دیکھ کر اُن کے پاس آ گئے۔

"آج بڑی دیر کر دی منصور!" بیگم سجاد نے بیٹے کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں چلے گئے تھے؟"

"ذرا کلب کی طرف نکل گیا تھا امی حضور!" منصور نے ماں کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

"تمہاری دلہن کی مسیحائی کا نتیجہ ہے کہ اب خدا کے فضل و کرم سے بالکل ٹھیک ہوں۔" بیگم سجاد پھر بولیں۔ "آج حامد بھائی تشریف لائے تھے' تمہیں اور دلہن کو کل رات کھانے کی دعوت دے گئے ہیں۔"

"لیکن ناہید تو اپنے والدین کے گھر گئی ہوئی ہیں۔" منصور سپاٹ لہجے میں بولے۔

"تو اس میں قباحت کی ایسی کون سی بات ہے۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "دلہن کو سسرال جا کر اپنے ساتھ لے جانا اور واپسی میں اپنے ساتھ ہی لیتے آنا۔"

"جو آپ کا حکم امی حضور!" منصور نے بڑی سعادت مندی سے جواب دیا۔

"منصور بیٹے!" بیگم سجاد نے تھوڑے توقف کے بعد پوچھا۔ "ناہید کے بارے میں تم نے ابھی اپنی کسی رائے کا اظہار نہیں کیا۔"

"آپ کا انتخاب لاجواب ہے امی حضور!" منصور نے ماں کا دل رکھنے کی خاطر کہا پھر بوا سروری نے آ کر کھانے کی اطلاع دی تو منصور ماں کے ساتھ ہی اٹھ کر اندر آ گئے۔

☆------☆------☆

دوسری شام منصور طے شدہ پروگرام کے مطابق سسرال پہنچے تو شاکرہ خاتون نے داماد کا استقبال بڑے پُرتپاک اور والہانہ انداز میں کیا۔ شیخ الطاف حسین بھی گھر پر موجود تھے

البتہ شاکر محلے ہی میں کسی دوست کے گھر گیا ہوا تھا۔ منصور باہر بیٹھک میں بیٹھے ساس اور سسر سے ہنس بول رہے تھے کہ ناہید چائے کی ٹرالی کھینچتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔

اس وقت اُس نے پیازی رنگ کا غرارہ سوٹ پہن رکھا تھا اور اسی مناسبت سے دوپٹہ سر پر ڈال رکھا تھا جس پر کامدانی کا کام کیا ہوا تھا اور کناروں پر گوٹا اور کرن ٹنکی ہوئی تھی۔ منصور نے ایک نظر ناہید کے چہرے پر ڈالی تو چند لمحوں کے لئے اُس کے حسن کی رعنائیوں میں کھو کر رہ گئے۔ کرن کے درمیان اس کا حسین چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح دمک رہا تھا اور بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں پر جھکی جھکی دراز پلکیں تو جیسے غضب ڈھا رہی تھیں۔

"تمہاری امی تو ٹھیک ہیں منصور میاں!" الطاف حسین نے پوچھا تو منصور کی محویت ٹوٹ گئی۔

"جی ہاں ..... خدا کا شکر ہے اب پہلے سے بہتر ہیں۔" منصور نے ناہید کے چہرے سے یوں نظر ہٹالی جیسے وہ اُن کی توجہ کی مستحق نہیں تھی۔

"خدا اُن کا سایہ تم لوگوں کے سر پر تاقیامت قائم رکھے۔" شاکرہ خاتون بولیں۔ "بے حد ملنسار خاتون ہیں۔"

ناہید ٹرالی کھینچ کر ماں کے قریب بیٹھ گئی پھر چائے بنانے لگی۔

"فراز میاں کب تک تعلیم سے فراغت پا کر واپس آئیں گے۔" الطاف حسین نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ ابھی فراز کی واپسی میں تین ہفتے اور لگ جائیں گے۔" منصور نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

ناہید نے چائے بنا کر پہلے شوہر کو دی پھر والدین کو ایک ایک کپ دے کر دوبارہ اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی۔ منصور اس وقت بالکل بدلے بدلے نظر آ رہے تھے یوں گھل مل کر باتیں کر رہے تھے جیسے بہت خوش ہوں لیکن ناہید جانتی تھی کہ اس وقت انہوں نے اپنے وجود پر مسکراہٹوں کا جو خول چڑھا رکھا ہے وہ عارضی ہے مگر اس کے باوجود منصور کی باتیں اس وقت اسے بڑی خوبصورت لگ رہی تھیں، کچھ دیر کے لئے وہ اُن کی بیگانگت اور سرد مہری کے اس رویے کو بھول گئی جو تنہائی میں اُس کے معصوم دل پر نشتر بن کر چبھتا رہتا تھا۔ یوں بھی اُس نے طے کر لیا تھا کہ وہ زندگی کی آخری سانسوں تک اپنے شوہر ..... اپنے مجازی خدا کے خلاف کوئی حرفِ شکایت اپنی زبان تک نہیں آنے دے گی

اور ان فیصلوں پر ثابت قدم رہے گی جو اُس نے سہاگ رات کو کئے تھے۔

کچھ دیر بعد محسن علی اور شازیہ بھی آ گئے، حامد حسین نے منصور اور ناہید کے ساتھ ان دونوں کو بھی خاص طور پر دعوت دی تھی منصور نے اٹھ کر بڑے دوستانہ انداز میں محسن سے ہاتھ ملایا، مسکراتے ہوئے شازیہ کے سلام کا جواب دیا، ناہید نے ان دونوں کے لئے چائے بنانا چاہی تو محسن نے بڑی بے تکلفی سے کہا۔

"چائے رہنے دیجئے ناہید بہن ورنہ اگر بھوک مر گئی تو دعوت کا اہتمام ضائع ہو جائے گا۔" اور محسن نے یہ جملہ کچھ اس انداز میں کہا تھا کہ شیخ الطاف حسین اور شاکرہ خاتون بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکیں، منصور بھی مسکرا دیئے، شازیہ نے صرف شوہر کو تیکھی نظروں سے گھورنے پر اکتفا کیا تھا، زبان سے کچھ نہیں کہا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد منصور ناہید کو لے کر حامد حسین کے گھر کی طرف روانہ ہو گئے، شازیہ اور محسن اپنی کار میں تھے۔

"میں نے امی جان سے اجازت لے لی ہے۔" راستے میں ناہید نے منصور سے کہا۔ "دعوت کے بعد میں آپ کے ساتھ ہی چلوں گی۔"

"امی حضور نے بھی اسی خواہش کا اظہار کیا تھا۔" منصور بے نیازی سے بولے پھر توجہ سے گاڑی چلاتے رہے۔ راستے میں اُن کے درمیان اور کوئی گفتگو نہیں ہوئی، دونوں ہی اپنے اپنے خیالوں میں کھوئے رہے۔

شیخ حامد حسین اور نجمہ بیگم نے بھی منصور اور محسن کا استقبال نہایت جوش و خروش سے کیا تھا، نرجس نے اس موضع پر شہناز کو بھی مدعو کر لیا تھا جو پہلے ہی سے ڈرائنگ روم میں موجود تھی، خلاف توقع آج سلیم بھی گھر پر ہی تھے، نرجس نے خاص طور پر ناہید کے آتے ہی اُسے گلے لگا لیا۔ پھر سب لوگ ڈرائنگ روم میں جمع ہو گئے، ناہید کی شادی کے دوران چونکہ محسن اور حامد حسین ایک دوسرے سے بخوبی واقف ہو چکے تھے اس لئے محسن نے اُن کے گھر پر بھی تکلف بالائے طاق رکھ کر ہنسنا بولنا شروع کر دیا تھا، منصور خاص طور پر اُن کا ساتھ دے رہے تھے۔ شہناز اور شازیہ نے مل کر ایک علیحدہ محاذ قائم کر لیا تھا مجبوراً نرجس کو بھی اُن کے ساتھ شامل ہونا پڑا، البتہ ناہید اور سلیم صرف گفتگو سے لطف ہونے پر اکتفا کر رہے تھے۔ شیخ حامد حسین غالباً نجمہ بیگم کو اسی لئے کھانے کے اہتمام کا بہانہ کر کے وہاں سے لے گئے تھے کہ اُن کی موجودگی میں بچے کھل کر بے تکلفی کی فضا قائم نہ کر سکیں گے اور ہوا بھی یہی تھا کہ بزرگوں کے جاتے ہی سنجیدہ سنجیدہ سا ماحول ایک دم ہی قہقہوں میں بدل گیا، پہل شازیہ کی طرف سے ہوئی تھی۔ سب سے پہلے اُس

نے نرجس اور شہناز کا تعارف محسن اور منصور سے کرایا پھر سلیم کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"اور آپ ہیں نرجس کے بڑے بھائی سلیم صاحب جنہیں آج میں نے پہلی بار دیکھا ہے۔"

"اور دوسری بار دیکھنے کی خواہش کا اظہار یہ اس لئے نہیں کر سکتیں کہ آپ کی موجودگی کا خطرہ لاحق ہے۔" شہناز نے محسن کی طرف دیکھتے ہوئے برجستہ کہا۔

"پھر تو آپ کو یقیناً خوش ہونا چاہئے کہ میری وجہ سے ہی سہی لیکن آپ کے راستے کی رکاوٹ دور ہو گئی۔" محسن نے پلٹ کر شہناز پر چوٹ کی تو منصور نے بھی محسن کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔

"محسن صاحب میرا خیال ہے کہ آپ نے موجودہ کیس کی تفتیش نہایت مناسب کی ہے۔" منصور بولے۔

"دیکھئے' منصور بھائی! یہ بات غلط ہے۔" شازیہ بولی۔ "آپ کو ناہید کے رشتے سے میرا ساتھ دینا چاہئے۔"

"بجا ارشاد فرمایا۔" محسن نے بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن منصور صاحب نے غالباً کوئی غلط بات نہیں کی۔ میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ ناہید بہن کے رشتے سے منصور صاحب کو آپ ہی کی طرف سے بولنا چاہئے لیکن فی الحال مسئلہ ان رشتوں کا ہے جو ابھی طے ہونا باقی ہیں۔"

"مان نہ مان' میں تیرا مہمان۔" شہناز نے جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔ "یہ تو وہی بات ہوئی کہ میں کون ..... مسٹر خواہ مخواہ۔"

"مسٹر سلیم!" منصور نے سلیم کو مخاطب کرتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔ "آپ کا کیا خیال ہے؟"

"کس سلسلے میں؟" سلیم نے جان بوجھ کر انجان بننے کی کوشش کی تو ناہید بے اختیار ہنس دی۔

"گویا ابھی تک معاملہ یکطرفہ ہے۔ کیوں مس شہناز!" محسن نے معنی خیز لہجے میں شہناز سے کہا تو شازیہ جلدی سے بولی پڑی۔

"آپ خاموش نہیں رہیں گے۔"

"کیا مطلب؟" محسن نے شوخی سے پوچھا۔ "کیا ابھی تک کھچڑی اندر ہی اندر پک

رہی ہے۔"

"مجھے تو کچھ جلنے کی بو آ رہی ہے۔" منصور نے دبی زبان میں چوٹ کی تو شہناز سچ مچ ہی تلملا گئی' محسن اور منصور کی موجودگی میں اس کی ساری شوخی اور طراری دھری کی دھری رہ گئی تھی لیکن وہ ہار تسلیم کرنے کو بھی تیار نہیں تھی اس لئے اُس نے ناہید کو درمیان میں گھسیٹتے ہوئے کہا۔

"تم تو کہہ رہی تھیں کہ منصور صاحب نہایت سیدھے سادے اور معصوم انسان ہیں لیکن اس وقت تو اُن کی زبان بھی طوطے کی طرح چل رہی ہے۔"

"میرا خیال ہے ناہید نے منصور بھائی کو ہری مرچ کھلانا شروع کر دی ہے۔" شازیہ نے شہناز کا ساتھ دیتے ہوئے کہا۔ "جبھی تو آج خاصے چمک رہے ہیں۔"

"میں نے تو محسن بھائی کے چہکنے پر کوئی اعتراض نہیں کیا پھر تم دوسروں کے ہنسنے بولنے پر کیوں تنقید کر رہی ہو؟" ناہید نے پہلی بار منصور کی حمایت میں زبان کھولی تو شہناز کو موقع مل گیا' ناہید کو گھورتے ہوئے شازیہ سے بولی۔

"سن رہی ہو شازیہ بہن! یہ پانچ دن کی بیاہی دلہن ہیں جو شوہر کی طرف داری میں کیسی پڑپڑ بول رہی ہیں۔"

"لیکن ناہید باجی نے بات تو ٹھیک ہی کہی تھی۔" نرجس نے کہا۔

"تم چپ رہو جی۔" شہناز نے نرجس کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "بزرگوں کے معاملات میں بچوں کو دخل نہیں دینا چاہئے۔"

ابھی یہ چھیڑ چھاڑ جاری تھی کہ نجمہ بیگم نے آ کر کہا کہ کھانا لگ چکا ہے چنانچہ سب لوگ اٹھ کر کھانے کی میز پر آ گئے۔ حامد حسین اور نجمہ بیگم نے اس وقت بھی بچوں کی آزادی کے خیال سے کھانے میں اُن کے ساتھ شرکت نہیں کی لہٰذا محسن نے کرسی سنبھالتے ہوئے ڈشوں پر دھاوا بول دیا اور نہایت بے تکلفی سے کھانے میں مصروف ہو گئے۔ شازیہ اُن کے برابر ہی بیٹھی تھی اس لئے اُس نے قورمے اور نرگسی کوفتوں کی ڈش شوہر کے سامنے سے ہٹا کر منصور اور ناہید کی طرف بڑھا دی۔ شہناز اور نرجس نے پلاؤ سے کھانے کی ابتدا کی تھی' سلیم نرجس کے سیدھے ہاتھ پر بیٹھے تھے اور اس وقت بھی خاموش خاموش نظر آ رہے تھے۔ ناہید نے اپنی پلیٹ میں نرگسی کوفتہ نکال کر کھانا شروع کیا منصور نے شامی کباب کی پلیٹ اٹھا کر اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے بڑی اپنائیت سے کہا۔

"اسے بھی چکھ کر دیکھئے' بے حد لذیذ بنے ہیں۔"

ناہید نے جلدی سے کباب اٹھالیا' منصور کے لہجے کی مٹھاس محسوس کر کے اُس کا دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ محسن باتوں سے زیادہ کھانے پر توجہ دے رہے تھے لیکن جب شہناز نے مرغ قورمے کی ڈش اپنے سامنے کی تو محسن خاموش نہ رہ سکے' مسکرا کر بولے۔

"ذرا دیکھ بھال کر چکھئے گا مس شہناز! مجھے تو گھر کا پالتو نظر آ رہا ہے۔"

"اور غالباً حلال بھی ہو چکا ہے۔" منصور نے برجستہ کہا تو ناہید اور نرجس کے علاوہ شازیہ بھی ہنس پڑی۔

"ظاہر ہے' ورنہ اب تک تو مکڑوں کوں بولنے لگتا۔" محسن نے پلاؤ پر دھاوا بولتے ہوئے کہا۔

"آپ سن رہے ہیں سلیم صاحب ان لوگوں کی باتیں۔" شہناز نے براہ راست سلیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔" سلیم دبی زبان میں بولے۔ "آپ کی خاطر خاموش ہوں۔"

"کیا؟" شہناز نے سلیم کو گھورتے ہوئے کہا۔ "آپ کے تو سچ مچ پَر نکلنے شروع ہو گئے ہیں۔"

"کیوں ناراض ہو رہی ہو بیچارے سلیم صاحب پر؟" شازیہ شوخی سے بولی۔ "تم نے خود ہی تو انہیں چھیڑا تھا۔"

"مگر میں نے یہ کب کہا تھا کہ یہ باقاعدہ بانگ دینا شروع کر دیں۔" شہناز نے مصنوعی غصے کا اظہار کیا تو سلیم نے بڑی معنی خیز نظروں سے شہناز کو دیکھا پھر مسکرا کر چپ ہی رہے۔

کھانے کے بعد کافی کا دور چلا تو سلیم اپنے کسی دوست کے آ جانے کی وجہ سے اٹھ کر باہر چلے گئے۔

"یہ تمہاری زیادتی ہے شہناز!" نرجس نے بھائی کے جانے کے بعد کہا۔ "ابھی سے تم نے بھائی جان سے ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی ہے تو بعد میں کیا برتاؤ کرو گی۔"

"کیا مطلب؟" ناہید نے چونکتے ہوئے نرجس سے پوچھا۔ "کیا واقعی شہناز اور سلیم بھائی کے سلسلے میں کھچڑی پک رہی ہے۔"

"جی ہاں۔" شہناز ڈھٹائی سے بولی۔ "فرمایئے ..... آپ کو کوئی اعتراض ہے۔"

"اعتراض تو نہیں البتہ مجھے سلیم بھائی کے مستقبل پر ابھی سے افسوس ضرور ہو رہا ہے۔" ناہید نے شوخی سے کہا۔

"صورت حال مجھے بھی سنگین نظر آ رہی ہے۔" محسن بولے۔ "میں تو محض مذاق سمجھ رہا تھا۔"

"مجھے تو اب بھی یقین نہیں آ رہا۔" شازیہ نے کہا پھر شہناز سے مخاطب ہو کر بولی۔ "سچ سچ بتا' حقیقت کیا ہے۔"

"میں بتاؤں شازیہ باجی!" نرجس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم نرجس! اگر تُو نے ایک لفظ بھی زبان سے نکالا تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہو گا۔" شہناز نے گھور کر نرجس کو دیکھا تو وہ خاموش ہو گئی۔

رات کو تقریباً دس بجے تک اسی قسم کی چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی پھر جب محسن اور منصور نے جانے کی اجازت چاہی تو نجمہ بیگم نے منصور کے علاوہ محسن کو بھی ایک سو ایک روپے اور ایک رومال بطور سلامی کے دیا اس لئے کہ وہ بھی آج پہلی مرتبہ اپنی بیوی کے ساتھ آئے تھے۔ منصور چونکہ محسن سے خاصے بے تکلف ہو گئے تھے اس لئے رخصت ہوتے وقت انہوں نے محسن اور شازیہ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی پھر نجمہ بیگم اور حامد حسین کو سلام کرتے ہوئے ناہید کے ساتھ اپنی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ نرجس اور شہناز نے ہاتھ ہلا کر چلتے چلتے ایک بار پھر محسن اور منصور کو خدا حافظ کہا۔

☆------☆------☆

سلیم اور شہناز کی شادی کی بات کچھ ایسے ہی ہنگامی انداز میں طے ہوئی تھی کہ ابھی تک خاندان کے لوگوں کو بھی اس کا کوئی علم نہیں ہو سکا تھا۔ ہرچند کہ اس شادی میں سلیم کی اپنی ذاتی پسند کو کچھ زیادہ دخل نہیں تھا لیکن اسے باپ کے حکم کے آگے مجبوراً اور مصلحتاً سر جھکانا پڑا تھا ورنہ دوسری صورت میں اُسے تمام جائداد منقولہ و غیر منقولہ سے محروم ہونا پڑتا۔

نجمہ بیگم شروع شروع میں تو ہر بات میں بیٹے کی حمایت لیتی رہیں لیکن جب پانی سر سے اونچا ہونے لگا تو انہوں نے شیخ حامد حسین سے دبی زبان میں صرف یہی درخواست کی تھی کہ اب جتنی جلدی ممکن ہو سلیم کی شادی کر دی جائے اور نجمہ بیگم کی اس فرمائش پر حامد حسین نے بڑے زہریلے لہجے میں پوچھا تھا۔

"کیوں ..... اب آپ کو بیٹے کی شادی کا خیال کیسے آ گیا؟"

"خیال کی بھی ایک ہی کہی آپ نے۔" نجمہ بیگم نے تیز آواز میں جواب دیا۔ "خدا رکھے اب تو خیر سے جوان ہو گیا ہے' اگر اب بھی شادی نہ کی گئی تو کیا بڑھاپے میں ہو

گی۔"

"صاحبزادے کی مرضی بھی دریافت کر لی ہے آپ نے۔" حامد حسین زہرخند سے بولے۔ "ایک بار تو وہ صاف صاف لفظوں میں شادی سے انکار کر چکے ہیں' کہیں ایسا نہ ہو کہ دوسری بار بھی آپ کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے۔"

"میرا خیال ہے کہ اب وہ شادی سے انکار نہیں کرے گا۔"

"اس خیال کی کوئی وجہ بھی یقیناً ہو گی۔" حامد حسین نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا تو نجمہ بیگم تلملا اٹھیں۔ اولاد کی بُرائی انہیں منظور نہیں تھی' اپنی ممتا سے مجبور ہو کر وہ اولاد کی ہر بات کو شوہر سے چھپاتی رہی تھیں' ہر معاملے میں باپ اور بیٹے کے درمیان حائل ہو جانا ان کی فطرت تھی لیکن جب سے سلیم نے اُن کے ساتھ بھی گستاخی شروع کر دی اور آئے دن بڑی بڑی رقموں کا مطالبہ شروع کر دیا تو نجمہ بیگم نے بھی اس بات کو محسوس کر لیا کہ اُن کے بیجا لاڈ پیار نے سلیم کو کھل کھیلنے کا موقع فراہم کر دیا ہے اور اب بھی اگر حالات کو قابو میں لانے کی کوشش نہ کی گئی تو پھر سلیم کا مستقبل تباہ و برباد کرنے کی ذمہ داری بھی کسی نہ کسی دن ان ہی کے سر عائد کی جاتی چنانچہ انہوں نے بہت غور و خوض کے بعد ہی شوہر کے سامنے زبان کھولی تھی لیکن حامد حسین کی جلی کٹی باتیں سن کر تلملال اٹھی تھیں۔

"وجہ کیا ہونی ہے۔" انہوں نے پھر ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر بیٹے کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔ "اگر اُس نے اپنے بچپنے اور نادانی میں ایک بار شادی سے انکار کر دیا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ ساری زندگی کنوارا بیٹھا رہے گا۔ پھر ماں باپ کا بھی تو فرض ہے کہ وہ اولاد کے مستقبل کا خیال رکھیں۔"

"خدا کا شکر ہے کہ آپ کو اس بات کا خیال جلدی ہی آ گیا۔" حامد حسین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "بہرحال' سلیم کی جتنی فکر آپ کو ہے اُس سے زیادہ مجھے بھی اس کا خیال ہے لیکن اب اس کی شادی کی بات اسی وقت کی جا سکتی ہے جب میں براہ راست اُن سے اُن کی مرضی دریافت کر لوں۔"

"اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن آپ ذرا پیار و محبت سے بات کریں تو زیادہ مناسب رہے گا۔" نجمہ نے شوہر کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "جوان لڑکا ہے' اگر خدا نخواستہ اس نے پلٹ کر کوئی جواب دے دیا تو تھوڑا بہت جو لحاظ آنکھوں میں رہ گیا ہے وہ بھی جاتا رہے گا۔"

"مجھے اس بات کا شبہ پہلے ہی سے تھا بیگم کہ سلیم کی عادتیں روز بروز خراب ہوتی جا رہی ہیں۔ غلط اور بیہودہ قسم کے دوستوں کی صحبت نے اُس کو ایسی راہ پر ڈال دیا ہے جس کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا۔" حامد حسین بگڑے ہوئے تیور سے بولے۔ "مجھے تو اس بات پر بھی یقین نہیں کہ وہ آپ سے بھی شرافت سے پیش آتا ہو گا اور شاید یہی وجہ ہے کہ جب پانی سر سے اونچا ہونے لگا تو اب آپ نے حالات سے مجبور ہو کر مجھے درمیان میں لانے کی ضرورت محسوس کی ہے۔"

"یہی تو دشواری ہے کہ جہاں آپ سے کوئی بات کی آپ بال کی کھال نکالنے بیٹھ جاتے ہیں۔" نجمہ بیگم نے شوہر کے بدلے ہوئے تیور دیکھے تو قدرے نرم مزاجی سے بولیں۔ "اوّل تو جو کچھ آپ سوچ رہے ہیں وہ غلط ہے' ہمارے جہاں دوست ہیں وہاں سو دشمن بھی ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کسی نے سلیم کے خلاف آپ کے کان بھر دیئے ہوں لیکن اس کے باوجود بھی اگر اولاد میں خدا نہ کرے کوئی عیب یا خرابی پیدا ہو جائے تو اس کی پردہ پوشی بھی والدین ہی کا فرض ہوتی ہے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ اس وقت بھی بیٹے کی حمایت ہی میں بول رہی ہیں لیکن کیا آپ نے صاحبزادے سے بھی یہ دریافت کیا تھا کہ انکم ٹیکس کمشنر صاحب کی صاحبزادی میں کیا خرابی تھی جو انہوں نے وہاں شادی سے انکار کر دیا تھا۔"

"خیر..... وہ تو جو ہونا تھا ہو چکا لیکن اب مجھے یقین ہے کہ اگر آپ نے سلیم کو پیار سے سمجھایا تو وہ آپ کی بات سے انکار نہیں کرے گا۔"

"میرا مشورہ ہے کہ آپ صاحبزادے سے پھر اس سلسلے میں گفتگو کر لیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔" حامد حسین نے کہا۔ "ممکن ہے آپ کے لاڈلے بیٹے اپنی پسند کی شادی کرنا چاہتے ہوں اور کیا عجب ہے کہ کہیں دل بھی لگا بیٹھے ہوں۔"

"آپ تو خدا واسطے کو اُس کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔" نجمہ بیگم بولیں۔ "اوّل تو اگر ایسی کوئی بات ہوتی تو وہ مجھ سے اس کا تذکرہ ضرور کرتا پھر کیا اپنی پسند کی شادی کوئی جرم ہے؟ دنیا میں ہزاروں لڑکے اور لڑکیاں اپنی پسند کی شادیاں کرتے ہیں میں نے تو کہیں قیامت ٹوٹتے یا آسمان گرتے نہیں دیکھا اور پھر جسے زندگی گزارنا ہے اگر اُس کی پسند کی شادی ہو جائے تو اس میں حرج ہی کیا ہے؟"

"وہ خاموشی سے بیوی کے چہرے کے تاثرات دیکھتے رہے' اولاد کے سلسلے میں بھی وہ غافل نہیں تھے البتہ بیوی کے خیال سے ہمیشہ زہر کے گھونٹ پی کر چپ ہو جاتے تھے

لیکن آج حالات نے ایک نئی کروٹ لی تھی۔ نجمہ بیگم نے پہلی بار سلیم کے مستقبل کا مسئلہ اُن کے ہاتھوں سونپنے کی درخواست کی تھی اور حامد حسین خوب اچھی طرح سمجھ رہے تھے کہ اب حالات نجمہ بیگم کے بس سے باہر ہو چکے ہیں ورنہ شاید اب بھی بیٹے کے مستقبل کا مسئلہ اُن کے سامنے پیش نہ کرتیں' چنانچہ وہ کچھ دیر تک خاموش بیٹھے حالات کی نوعیت کا اندازہ لگاتے رہے پھر کچھ سوچ کر بولے۔

"آپ کی نظر میں ایسی کوئی لڑکی ہے جہاں سلیم کا رشتہ کیا جا سکے۔"

"میرے خیال میں تو شہناز زیادہ مناسب رہے گی۔" نجمہ بیگم بولیں۔ "نرجس کا اس سے دوستانہ بھی بہت زیادہ ہے۔ خاندان بھی نہایت اعلیٰ ہے اور اس کے علاوہ سب سے اچھی بات یہ ہے سلیم اور شہناز ایک دوسرے کو اچھی طرح دیکھ بھی چکے ہیں۔ شہناز کے والد سے آپ کی شناسائی بھی ہے۔"

"کیا آپ نے شہناز کے سلسلے میں سلیم کا عندیہ بھی لیا ہے۔"

"نہیں۔" نجمہ بیگم نے جلدی سے کہا۔ "میں نے ابھی تک سلیم سے اس سلسلے میں کوئی بات تو نہیں کی البتہ جس انداز میں وہ ایک دوسرے سے کھل کر ہنستے بولتے ہیں اس سے میں نے یہی اندازہ لگایا ہے کہ وہ دونوں بھی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ..... اگر آپ کا یہی مشورہ ہے تو مجھے قطعاً کوئی اعتراض نہیں لیکن قبل اس کے کہ میں شہناز کے والد سے کوئی بات کروں سلیم سے دو ٹوک فیصلہ کر لینا ضروری ہے۔"

"ضرور بات کر لیجئے لیکن میں پھر بھی یہی کہوں گی کہ ذرا اسے محبت سے سمجھانے کی کوشش کیجئے گا۔"

"آپ مطمئن رہئے۔" حامد حسین نے سنجیدگی سے کہا۔ "میری کوشش یہی ہو گی کہ صاحبزادے محبت ہی سے سمجھ جائیں لیکن اگر انہوں نے میرے ساتھ بھی گستاخی سے پیش آنے کی حماقت کی تو پھر جو خدا کو منظور ہو۔"

نجمہ بیگم نے اس وقت شوہر سے مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا لیکن شام کو سلیم کے آتے ہی اسے خوب اچھی طرح سمجھا دیا کہ اگر اُس نے باپ کے سامنے بھی زبان کھولنے کی کوشش کی تو پھر وہ بھی اُس کا ساتھ نہیں دیں گی' سلیم کو اس قدر حالات کے یوں پلٹا کھانے کی توقع نہیں تھی' جہاں تک شہناز کا تعلق تھا وہ نرجس کی سہیلی ہونے کے ناطے سے اس سے ہنستے بولتے ضرور تھے لیکن شادی کے بارے میں انہوں نے نازلی کا

انتخاب کر رکھا تھا' ماں کی دو ٹوک گفتگو سن کر اُن کے دل میں تو آئی تھی کہ نازلی کا نام زبان پر لے آئیں لیکن اس خیال سے کہ بات باپ تک پہنچ چکی ہے انہوں نے فوری طور پر ماں کو کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا اور حسب معمول اس اہم معاملے میں بھی مشورہ کرنے کے لئے سیدھے اپنے دوست مراد خاں کے پاس پہنچے جو انہیں دوستوں میں سب سے زیادہ عزیز تھا' بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ مراد خاں پوری طرح سلیم پر حاوی تھا تو شاید بے جا نہ ہو گا۔ بہرحال مراد خاں نے پہلے پوری روداد سنی پھر اُس نے شہناز کے بارے میں تفصیل دریافت کرتے ہوئے پوچھا۔

"محترمہ کے والد بزرگوار کیا کرتے ہیں؟"

"وزارت داخلہ میں ڈپٹی سیکرٹری کے عہدے پر فائز ہیں اور والد صاحب سے اُن کی اچھی خاصی صاحب سلامت بھی ہے۔" سلیم نے کہا۔ "ہمارے پڑوس میں ہی رہتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ..... چلے گا۔" مراد خاں نے اپنی زبان میں کہا۔ "تم شہناز سے شادی کر ہی ڈالو' اس طرح باپ سے تمہاری اَن بن بھی نہ ہو گی اور ہمارا کام بھی چلتا رہے گا۔"

"میں سمجھا نہیں تمہارا مقصد۔" سلیم نے وضاحت چاہی تو مراد خاں بڑے ہی شاطرانہ اور معنی خیز لہجے میں بولا۔

"ابھی تم بچے ہو میری جان! وزارتِ داخلہ کا ڈپٹی سیکرٹری خاصا اثر و رسوخ رکھتا ہے۔"

"لیکن مجھے اُس کے اثر و رسوخ سے کیا فائدہ ہو گا۔"

"اس کا اندازہ تمہیں ابھی نہیں ہو سکتا لیکن مراد خاں کی یہ بات یاد رکھو اگر تم اس موٹی آسامی کے داماد بن گئے تو بہت فائدے میں رہو گے۔" مراد خاں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ پھر فوراً ہی موضوع بدل کر پوچھا۔

"شہناز کے بارے میں تم نے کچھ نہیں بتایا' میرا مقصد ہے کہ صورت و شکل کیسی ہے۔"

"خاصی شوخ اور خوبصورت لڑکی ہے لیکن اگر میں نے اس سے شادی کر لی تو نازلی کا کیا بنے گا۔" سلیم نے سنجیدگی سے جواب دیا تو مراد خاں بے اختیار فلک شگاف قہقہے لگانے لگا پھر مسکرا کر بولا۔

"میں نے کہا تھا نا کہ تم ابھی بچے ہو۔"

"یار پہیلیاں نہ بجھواؤ۔" سلیم نے چڑ کر کہا۔ "یہاں میری جان پر بنی ہے اور تمہیں ہنسی سوجھ رہی ہے۔"

"اسپیر وہیل (Spare Wheel) سمجھتے ہو۔" اس بار مراد خاں نے خالص بازاری انداز میں کہا۔ "نازلی کو اس سے زیادہ اہمیت نہ دو۔"

"اور اب تک جو میں اس پر ہزاروں روپے خرچ کر چکا ہوں کیا ان سے ہاتھ دھو لوں؟"

"نرے احمق ہو میرے یار!" مراد خاں بولا۔ "ایسی لڑکیاں جو مال کاٹنے کی عادی ہوں اور غیر مردوں کے ساتھ آٹھ آٹھ دس دس دن تک گھر سے دور سیر سپاٹے کرتی پھریں اسپیر وہیل تو ثابت ہو سکتی ہیں لیکن اچھی بیویاں کبھی نہیں بن سکتیں۔"

"میرا خیال ہے کہ تم کو نازلی کے بارے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔" سلیم نے ناگوار لہجے میں کہا۔ "وہ فلرٹ قسم کی لڑکی نہیں ہے۔"

"پھر جو تمہاری مرضی ہو وہ کرو ..... لیکن اگر میرا مشورہ مانو تو تم شہناز سے شادی پر رضامندی کا اظہار کر دو۔" مراد خاں نے نہایت ٹھوس اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "رہا اس رقم کا معاملہ جو تم نازلی پر خرچ کر چکے ہو وہ مجھ پر چھوڑ دو' تم اگر چاہو گے تو میں نازلی سے ایک کے دو وصول کر کے تمہیں تمہاری رقم واپس کر دوں گا۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ تم نازلی کو مجھ سے زیادہ نہیں جانتے۔" مراد خاں نے سگریٹ جلا کر دھوئیں کے مرغولے فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا۔ "فی الحال میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہوں گا' آگے تمہاری مرضی۔"

اور سلیم نے جو مراد خاں کی شخصیت کے بے شمار پہلوؤں سے بخوبی واقف تھا' نازلی کے سلسلے میں مزید کوئی بحث مناسب نہیں سمجھی اور اسی رات جب شیخ حامد حسین نے اُسے اپنے کمرے میں طلب کر کے شہناز سے اُس کی شادی کے بارے میں دو ٹوک فیصلہ کرنا چاہا تو سلیم نے مراد خاں کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے بڑی سعادت مندی سے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا اور پھر حامد حسین نے ایک ہفتے کے اندر ہی اندر شہناز کے والد سے سلیم کے رشتے کی بات طے کر لی لیکن نجمہ بیگم کے مشورے پر ابھی تک اس کا ذکر عزیز اور رشتہ داروں سے نہیں کیا گیا تھا۔

☆-------☆-------☆

ناہید نے اپنی زندگی کے ساتھ جو سمجھوتہ کیا تھا وہ اس پر پورے عزم کے ساتھ قائم تھی' منصور کا روکھا روکھا لہجہ اور اکھڑا اکھڑا اندازِ گفتگو بار بار اس کو کسی زہریلے ناگ کی طرح ڈسنے کی کوشش کرتا لیکن ہر بار وہ خود کو سنبھال لیتی۔ اُس نے طے کر لیا تھا کہ وہ اپنے قدموں کو کبھی ڈگمگانے نہیں دے گی' اپنے خیالات کو کبھی ڈانواڈول نہیں ہونے دے گی' تقدیر کے بے رحم ہاتھوں نے اُس کی زندگی کے ساتھ جو بھیانک کھیل کھیلا تھا وہ اس کی تلخیوں کو اپنی روح کی گہرائیوں میں چھپا لے گی۔ اس طرح کہ اس کی انا کو کوئی ٹھیس بھی نہ پہنچے اور کوئی دوسرا اس راز سے واقف بھی نہ ہو سکے۔

زندگی کے وجود کو متحرک رکھنے کی خاطر اُس نے گھر کی مصروفیات میں بھرپور حصہ لینا شروع کر دیا تھا' وہ خود کو زندگی کے ہنگاموں میں گم کر کے ان زہریلی اور تلخ حقیقتوں کو یکسر فراموش کر دینا چاہتی تھی جو تنہائیوں میں اُسے اکثر پریشان کرتی رہتی تھیں' کبھی کبھی وہ بہک کر سوچنے لگتی — زندگی کے یہ طویل راستے اس طرح کیونکر طے ہو سکیں گے' آخر وہ کب تک حالات کی ستم ظریفیوں کا مقابلہ کر سکے گی ..... کسی دن اگر اُس کے پیروں میں لغزش آ گئی تو کیا ہو گا ..... اُس کی زبان اگر کھل گئی تو کیا ہو گا ..... طوفان آ جائے گا اتنا شدید طوفان کہ اس طوفان کی شدتوں میں ہر شے خس و خاشاک کی طرح اڑ جائے گی ..... فنا ہو جائے گی' زندگی کے وجود کا ہر نقش ناپید ہو جائے گا — اور پھر وہ خود ہی اپنے خیالات کی زد میں آ کر لرز اٹھتی' کانپ کانپ جاتی اور نئے سرے سے سہاگ رات — جو اُس کی زندگی میں دنیا کی ہر لڑکی کی طرح مچلتے ارمانوں' مہکتی خوشیوں اور جذبات میں ہلچل سموئے صرف ایک بار آئی تھی — اُس نے بھی دنیا کی ہر لڑکی کی طرح اس رات کے بارے میں نہ جانے کتنے حسین خواب دیکھے تھے' کیسی کیسی باتیں سوچی تھیں لیکن اُس کے خواب پہلی ہی رات کو ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئے تھے' سارے ارمان دل کے اندر ہی گھٹ گھٹ کر دم توڑ گئے تھے اور تصور میں بسی ہوئی خوشیوں کی ہر کرن اس کے وجود میں نیزے کی اَنی بن کر اتر گئی تھی۔ آزاد اور مہکتی فضاؤں میں ڈالی ڈالی اڑنے والے پنچھی کی طرح جب اُسے بھی قفس میں قید ہونے کا احساس ہوا تو ایک بار وہ بھی تڑپی تھی' پھڑپھڑائی تھی لیکن پھر اُس نے حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا تھا شاید اس لئے کہ وہ جانتی تھی کہ اُس کے پَر قینچ کر دیئے گئے ہیں' اُس کی طاقتِ پرواز سلب ہو گئی ہے' آزادی کا تصور فنا ہو چکا ہے' وہ صیاد کے رحم و کرم پر زندگی

گزارنے پر مجبور تھی..... اور

حالات کے پیشِ نظر اُس نے اپنے زندہ رہنے کے لئے ایک نئی راہ' ایک نئی ڈگر تلاش کر لی تھی۔ والدین کی تربیت نے اُس کے وجود کو اس آڑے وقت میں گرتے میں سہارا دیا تھا۔ وہ سنبھل گئی تھی اور اب پورے اعتماد' یقین اور عزم کے ساتھ ان راستوں پر گامزن تھی جو اُس نے خود اپنے لئے متعین کئے تھے۔ وہ جانتی تھی کہ وہ راستے کٹھن ہیں' دشوار ہیں' ان راستوں کے پیچ و خم میں وہ بھٹک بھی سکتی تھی۔ کوئی اچانک نمودار ہونے والا موڑ اُسے ان راستوں کی ہولناکیوں سے خوفزدہ بھی کر سکتا تھا لیکن.....

ناہید نے طے کر لیا تھا کہ وہ حالات کے سامنے سینہ سپر ہو جائے گی' خود فنا ہو جائے گی لیکن اپنی وجہ سے دوسروں کی خوشیوں کو پامال نہیں ہونے دے گی۔

معمول کے مطابق آج بھی وہ بہت سویرے جاگی تھی۔ منصور ابھی تک بے خبر سو رہے تھے۔ ناہید نے حسب دستور اس صبح کا آغاز بھی اُن کے چہرے کو عقیدت بھری نگاہوں سے دیکھ کر کیا پھر اُس نے وضو کیا' فجر کی نماز سے فارغ ہو کر وہ باغ میں آ گئی۔ سبزے اور پھولوں کی گود میں پڑی ہوئی شبنم بڑی پاکیزہ پاکیزہ لگ رہی تھی۔ ہوا کے خنک جھونکے نوخیز کلیوں کا خمار توڑ رہے تھے۔ وہ ننگے پاؤں گھاس کے مخملی فرش پر چہل قدمی کرتی رہی' کیاریوں میں لگے ہوئے رنگ برنگے گلاب اور موتیا کے پودے اُسے ہمیشہ پسند تھے' کچھ دیر وہ ان کیاریوں کے قریب کھڑی رہی پھر ہولے ہولے قدم اٹھاتی سرو کے اس درخت کے قریب آ گئی جو اُس کے اپنے قد سے دوگنا تھا' اُس نے نظر اٹھا کر اُس کی بلندی کا اندازہ لگایا پھر اپنی پستی کا خیال آیا تو جلدی سے اُس کے پاس سے دور ہٹ گئی۔

لان میں کچھ دیر چہل قدمی کرنے کے بعد وہ کچن میں آ گئی جہاں بوڑھا خانساماں ناشتے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ وہ اس کا ہاتھ بٹانے لگی پھر اُس نے ایک کپ چائے چھوٹی کیتلی میں علیحدہ دم دی' ٹرے اٹھا کر اُس میں دلیے کا ایک پیالہ تیار کر کے رکھا' ایک پلیٹ میں دو توس پر مکھن لگا کر سجایا۔ خانساماں اتنی دیر میں انڈا تل چکا تھا' اُس نے انڈے کی پلیٹ بھی بڑے سلیقے سے ٹرے میں رکھی پھر ناشتے کی ٹرے ہاتھ میں لئے بیگم سجاد کے کمرے میں آ گئی جو صبح کے اخبار کے مطالعے میں مصروف تھیں۔ ناہید نے آہستہ سے ناشتے کی ٹرے میز پر رکھی' سر سے ڈھلکا ہوا آنچل دوبارہ درست کیا پھر ساس کے قریب جا کر بڑے پیار سے بولی۔

"امی حضور! ناشتہ کر لیں۔"

اور بیگم سجاد نے چونک کر بہو اور ناشتے کی طرف دیکھا تو فرطِ محبت سے اُن کی آنکھیں نمناک ہو گئیں' ناہید کو بہو کی حیثیت سے اس گھر میں آئے ابھی دو ہفتے بھی تو پورے نہیں ہوئے تھے۔ ابھی تو اُس کے ہاتھوں کی مہندی کا رنگ بھی ہلکا نہیں ہوا تھا لیکن وہ کس قدر محبت اور اپنائیت سے ہر کام میں دلچسپی لے رہی تھی اور بیگم سجاد کا خیال تو وہ اپنی سگی ماں سے بھی زیادہ رکھتی تھی۔ خود اپنے ہاتھوں سے ناشتہ کراتی' کھانا کھلاتی اور وقت پر دوائیں دیتی' جب تک منصور دفتر میں ہوتے وہ ساس کی خدمت میں مصروف رہتی پھر رات کو سونے سے پہلے وہ ساس کو دودھ کا گلاس پلانا بھی کبھی نہیں بھولتی تھی۔ کتنی جلدی اُس نے گھر کی ساری ذمہ داریوں کا بوجھ سنبھال لیا تھا' گھر میں نوکر چاکر بھی تھے' اندر کا کام کرنے کے لئے بوڑھا ملازم عبدل اور بوا سروری بھی تھیں۔ کھانا پکانے کے لئے خانساماں بھی تھا اور لان کا حُسن نکھارنے اور سنوارنے کے لئے بوڑھا مالی بھی تھا جو ملازموں کے ایک کوارٹر میں اپنی جوان لڑکی نجمہ کے ساتھ رہتا تھا' جسے گھر کے سارے ہی افراد پیار سے نجو کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے' وہ بھی بیگم سجاد کا بے حد خیال رکھتی تھی اور صبح و شام درختوں کی کاٹ چھانٹ اور پودوں کو پانی دینے میں اپنے بوڑھے باپ کا ہاتھ بٹاتی تھی' اس کے علاوہ دو ڈرائیور بھی تھے لیکن اتنے سارے ملازموں کی موجودگی کے باوجود ناہید کسی وقت دو گھڑی آرام نہیں کرتی تھی' ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتی تھی..... اور

بیگم سجاد بہو کے سلسلے میں اپنے انتخاب پر پھولی نہیں سماتی تھیں۔ اُن کا اتنا خیال تو کبھی اُن کی پیٹ کی اولاد نے بھی نہیں رکھا تھا جتنا سکون اور آرام ناہید پہنچا رہی تھی۔ اگر کبھی بیگم سجاد کی طبیعت ذرا بھی خراب ہوتی تو وہ کس قدر فکرمند ہو جاتی تھی' فوراً ڈاکٹر کو طلب کرتی اور ڈاکٹر کے اطمینان دلانے کے باوجود اُن کے پاس بیٹھی اُن سے پیاری پیاری باتیں کرتی رہتی اور ہولے ہولے اُن کا سر سہلاتی رہتی اور شاید ناہید کی ان ہی خدمتوں اور محبت کا کرشمہ تھا کہ بیگم سجاد کی طبیعت اب پہلے کے مقابلے میں بہت بہتر نظر آ رہی تھی۔

اس وقت بھی جب ناہید نے اُن سے ناشتے کو کہا تو اُن کی آنکھوں میں ساس کی محبت سے زیادہ ایک ماں کی ممتا کا رنگ ابھر آیا تھا۔ فرطِ محبت سے اُن کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تھے' پھر انہوں نے بڑے پیار سے دریافت کیا۔

"تم نے بھی ناشتہ کیا یا نہیں۔"

"وہ جاگ جائیں تو اُن کے ساتھ ہی کروں گی امی حضور!" اُس نے آہستہ سے کہا پھر بڑے پیار سے ساس کا ہاتھ تھام کر انہیں ناشتے کے قریب لے آئی اور خود اپنے ہاتھوں سے ایک ایک چیز اٹھا کر اُن کو پیش کرنے لگی۔

"کیا منصور آج کل صبح کی نماز کے وقت نہیں اٹھتے؟" بیگم سجاد نے دلیے کا پیالہ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"اٹھے تو تھے امی حضور! لیکن پھر سو گئے۔" اُس نے بڑی خوبصورتی سے جھوٹ بولا۔

"آج کل کام بھی تو بہت زیادہ کرنے لگا ہے۔" بیگم سجاد نے توس اور انڈے کا نوالہ بناتے ہوئے کہا۔ "میں اُس سے کہوں گی کہ وہ تمہیں ساتھ لے کر کچھ دنوں کے لئے کسی پُرفضا مقام پر چلا جائے۔ تم دونوں کا دل بھی بہل جائے گا اور کچھ دنوں کے لئے منصور کو دن رات کام کرنے سے بھی نجات مل جائے گی۔"

"اگر آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں تو ٹھیک ہے ورنہ میں آپ کو یہاں چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔" ناہید بڑی اپنائیت سے بولی۔

"خدا تمہیں ہمیشہ سلامت رکھے بیٹی! تمہارے آ جانے سے اس گھر کی رونقیں دوبارہ لوٹ آئی ہیں۔"

"شرمندہ نہ کیجئے امی حضور! یہ سب تو آپ کے قدموں کی برکت ہے۔" اُس نے ساس کے لئے چائے تیار کرتے ہوئے بڑی محبت سے کہا۔

"یہ تمہاری لیاقت ہے بیٹی جو تم ایسا کہہ رہی ہو' ورنہ میں جانتی ہوں کہ تمہاری وجہ سے اس گھر کی بہت ساری کھوئی ہوئی خوشیاں واپس پلٹ آئی ہیں۔" بیگم سجاد نے بہو کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے کہا۔ "اب تو بس دو ہی حسرتیں باقی رہ گئی ہیں۔"

"وہ کیا امی حضور!" ناہید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ایک تو فراز کی شادی کی فکر ہے بیٹی اور....."

"اور کیا امی حضور!" ناہید نے ساس کی خاموشی کی وضاحت چاہی تو وہ مسکرا کر بولیں۔

"اس گھر میں ابھی مجھے ننھے منے قہقہوں کی آوازوں کی کمی بھی بڑی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔"

اور بیگم سجاد کی اس انوکھی حسرت پر ایک لمحے کو اس کے ہونٹوں پر حیا بار تبسم مچل

اٹھا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ دل میں اٹھنے والی ہوک سے تڑپ اٹھی' وہ جانتی تھی کہ ساس کی اس خواہش کا احترام اُس کے بس کی بات نہیں ہے اور شاید اُن کی یہ حسرت کبھی پوری نہ ہو سکے لیکن اُس نے اپنے چہرے کے تاثرات سے ساس کا دل توڑنا مناسب نہیں سمجھا' ایک شرمیلی پھیکی مسکراہٹ اپنے کپکپاتے ہونٹوں پر سجا کر جلدی سے موضوع کا رخ بدلتے ہوئے بولی۔

"فراز کب تک واپس آئیں گے امی حضور!"

"اب تو اُس کے آنے میں صرف ایک ہی ہفتہ باقی رہ گیا ہے۔" بیگم سجاد بولیں۔ "پچھلے خط میں تو اُس نے یہی لکھا تھا۔"

"آپ نے فراز کے لئے کہیں رشتے کی بات تو طے کر رکھی ہو گی۔" اُس نے ناشتے کے برتن سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

"ایک دو لڑکیاں تو ہیں نظر میں لیکن فراز واپس آ جائے تو پھر دیکھا جائے گا۔"

"اب آپ کچھ دیر آرام کر لیں امی حضور!" ناہید نے بڑے پیار سے ساس سے کہا پھر ٹرے اٹھا کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

کچن سے نکل کر دوبارہ اپنے کمرے میں گئی تو منصور بستر پر نہیں تھے' شاید باتھ روم میں ہوں' اُس نے سوچا پھر جلدی سے واپس آ کر کچن میں ناشتہ تیار کرنے لگی' اپنی موجودگی میں ناشتہ میز پر لگوا کر دوبارہ منصور کو دیکھنے آئی تو وہ آئینے کے سامنے کھڑے بال سنوارنے میں مصروف تھے۔ خلاف توقع اس وقت اُن کے چہرے پر الجھن اور پریشانی کے کوئی آثار نہیں تھے' ناہید دروازے پر ہی رک کر انہیں دیکھنے لگی' منصور کے بھرے بھرے خدوخال اور بڑی بڑی روشن آنکھیں اس وقت اُسے بہت خوبصورت نظر آ رہی تھیں۔ بال سنوارنے کے بعد وہ آہستہ سے گھومے' ناہید کو سامنے کھڑا دیکھا تو چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔ خاموشی سے نظریں گھما کر آگے بڑھے اور اسٹینڈ پر پڑی ہوئی بش شرٹ اٹھا کر پہننے لگے' سفید اجلی پتلون اور ہلکے سلیٹی رنگ کی بش شرٹ نے اُن کی شخصیت کو کچھ اور اجاگر کر دیا تھا' ناہید چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی قریب گئی۔

"ناشتہ میز پر لگایا جا چکا ہے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"آپ نے کیوں زحمت کی کسی ملازم سے کہلوا دیا ہوتا۔" وہ بے نیازی سے بولے' اُن کے لہجے میں تلوار کی سی کاٹ تھی۔

"میں نے حالات کے پیش نظر ملازم کے کہلوانا مناسب نہیں سمجھا۔" وہ زہر کا

گھونٹ پی کر بھی مسکرا دی۔

"کیوں؟" انہوں نے پلٹ کر ناہید کو گھورا' نگاہوں سے اجنبیت کا احساس چھلک رہا تھا۔

"اس مقدس عہد کا بھرم رکھنے کے لئے جو ہمارے درمیان سہاگ رات کو ہوا تھا۔" وہ دبی زبان میں بولی۔

"ہوں....." منصور نے سپاٹ آواز میں کہا پھر لمبے لمبے قدم اٹھاتے ناشتے کی میز پر آ گئے جہاں نجو میز پر رکھے گلدان میں پھولوں کا گلدستہ سجا رہی تھی۔

"سلام صاحب۔" نجو نے منصور کو دیکھا تو اُس کے ہاتھ مشینی انداز میں سلام کے لئے اٹھ گئے۔

ناہید خاموشی سے میز کے قریب پہنچ کر منصور کے قریب بیٹھ گئی۔

"جیتی رہو۔" منصور نے نجو کو بزرگوں جیسے انداز میں مخاطب کیا۔ "اب تو تُو خاصی سمجھدار ہوتی جا رہی ہے۔"

"بیگم صاحب کی مہربانیوں کا نتیجہ ہے صاحب!" نجو نے ناہید کی طرف پیار بھری نظروں سے گھورتے ہوئے کہا پھر مسکراتی ہوئی چلی گئی' عبدل قریب ہی ہاتھ باندھے ہوئے کھڑا ہوا تھا۔

منصور نے جلدی جلدی ناشتہ کرنا شروع کر دیا' ناہید بھی اُن کا ساتھ دیتی رہی۔ عبدل کی موجودگی میں منصور نے اپنے چہرے پر اپنائیت کا عارضی خول چڑھا لیا تھا۔ ناہید نے چائے بنا کر پیش کی تو منصور نے آہستہ سے "شکریہ" کہہ کر کپ اپنے سامنے کر لیا پھر عبدل سے بولے۔

"تم سناؤ عبدل چاچا! خیریت سے تو ہو۔"

"آپ کی مہربانی ہے مالک!"

"آج کیا جلدی دفتر جانے کا ارادہ ہے۔" ناہید نے منصور کے لباس پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ..... آج کل دفتر میں کام کی زیادتی ہے۔" منصور چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے بولے۔

"اپنی صحت کا بھی کچھ خیال رکھا کیجئے۔" اُس نے منصور کو بڑے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"شام کو میری واپسی ذرا دیر سے ہو گی۔" انہوں نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ "آج کلب جانے کا پروگرام ہے۔"

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ دفتر جانے سے پہلے ماں کے پاس گئے۔ ناہید بھی ساتھ ساتھ تھی' بیگم سجاد نے بہو اور بیٹے کو ساتھ ساتھ دیکھا تو مسکرا کر بولیں۔

"خدا چاند اور سورج کی جوڑی کو ہمیشہ سلامت رکھے۔"

"آپ کی طبیعت اب کیسی ہے امی حضور!" منصور نے ماں کے قریب بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہماری بیٹی کی تیمارداری اور مسیحائی نے ہمیں پھر سے جوان کر دیا ہے۔" بیگم سجاد نے بہو کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔

"میرے اوپر بھی آج کل نوازشوں کی بارش ہو رہی ہے۔" منصور نے ناہید کو دیکھ کر بڑے ہی والہانہ انداز میں کہا۔ "ایک ایک بات کا خیال رکھا جاتا ہے' ابھی کچھ دیر پہلے حکم دیا گیا ہے کہ اپنی صحت کا خیال رکھا کیجئے۔"

"امی حضور کا بھی یہی خیال ہے کہ آج کل آپ ضرورت سے زیادہ ہی دفتر کے کاموں میں الجھے رہتے ہیں۔" ناہید نے بھی شوہر کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا

"ناہید ٹھیک کہتی ہے منصور! تمہیں اپنی صحت کا بھی خاص خیال رکھنا چاہئے۔"

"اور اگر اب بھی آپ نے ایسا نہ کیا تو مجھے مجبوراً امی حضور سے آپ کی شکایت کرنا پڑے گی۔" ناہید بڑے لاڈ سے بولی۔ "کیوں ٹھیک ہے نا امی حضور!"

"آپ کس کی حمایت میں بولیں گی؟" منصور نے جلدی سے ماں سے پوچھا۔

"میں ہمیشہ اپنی بیٹی کا ساتھ دوں گی۔" بیگم سجاد نے ممتا بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو خوشی سے اُس کا چہرہ سچ مچ گلنار ہو گیا۔

"گویا اب اِس گھر میں میری کوئی حیثیت نہیں رہی۔" منصور نے بچوں کی طرح روٹھے روٹھے لہجے میں شکایت کی۔

"تمہاری حیثیت اپنی جگہ ہے لیکن بیٹیوں کا حق زیادہ ہوتا ہے۔" بیگم سجاد نے بیٹے کا دل رکھنے کو کہا۔

"سن لیا آپ نے۔" ناہید نے شوخی سے منصور کو مخاطب کیا۔ "اب میری سفارش کے بغیر امی حضور کے سامنے آپ کی دال نہیں گلے گی۔"

"جو حکم بڑی سرکار کا۔" منصور ناہید کو محبت سے دیکھتے ہوئے اٹھے پھر ماں سے اجازت طلب کی اور راہداری سے گزرتے ہوئے باہر پورٹیکو میں آ گئے جہاں اُن کی گاڑی تیار کھڑی تھی۔ سفید لباس میں ملبوس ڈرائیور نے بڑی مستعدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا تو منصور ایک شانِ بے نیازی سے آگے بڑھ کر پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ ڈرائیور دروازہ بند کر کے اپنی سیٹ پر چلا گیا تو ناہید قدم اٹھاتی سامنے آ گئی۔

"کلب سے واپسی کب تک ہو گی؟"

"دوستوں کی مرضی پر منحصر ہے۔" منصور نے اُس کی طرف دیکھے بغیر دبی زبان میں کہا۔ "آپ کھانے پر میرا انتظار نہ کیجئے گا۔"

پھر منصور کی گاڑی پھاٹک سے نکل کر اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی لیکن وہ اسی جگہ خاموش کھڑی اداس اداس نگاہوں سے خلاء میں گھورتی رہی' کچھ دیر پہلے وہ ماں کی موجودگی میں کس قدر محبت اور اپنائیت سے اُس سے ہمکلام ہو رہے تھے کیسی پیاری پیاری باتیں کر رہے تھے' کتنا بھولا بھولا انداز اختیار کر لیا تھا لیکن ماں کے سامنے سے ہٹتے ہی محبت اور اپنائیت کا وہ حسین خول اُن کے چہرے سے کتنی جلدی اُتر گیا تھا۔ وہ سوچنے لگی۔

دھوپ چھاؤں کا یہ کھیل کب تک جاری رہے گا۔

قہقہوں اور آنسوؤں کے درمیان آنکھ مچولی کب تک جاری رہے گی۔

کبھی نہ کبھی تو سراب کی حقیقتوں کا راز ضرور افشاء ہو گا۔

اُس روز کیا ہو گا.....

کیا اُس کی یہ عارضی خوشیاں بھی اُس سے روٹھ جائیں گی۔

کیا وہ یونہی سکون کی تلاش میں ہمیشہ آوارہ بگولوں کی طرح بھٹکتی رہے گی۔

منصور کے سرد و گرم رویے نے کچھ لمحوں کے لئے ناہید کو ذہنی خلفشار میں مبتلا کر دیا تھا۔ وہ ان متضاد کیفیتوں کی عادی نہیں تھی' زندگی کے کسی خوبصورت موڑ پر حالات کی زہرناکیاں اس طرح اُسے گھیر لیں گی' یہ تو اُس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔ اُس نے تو اپنی زندگی کے دن تنگ دستی کے باوجود بڑے آسودہ گزارے تھے' ہواؤں کے رخ جلدی جلدی تبدیل ہوں گے' یہ بات تو اُس کے تصور کو بھی کبھی چھو کر نہیں گزری تھی لیکن وقت اور تقدیر کے بے رحم ہاتھوں نے اُسے ایک کڑی آزمائش سے دوچار کر دیا تھا' اس کے نازک قدم سنگلاخ راستوں پر چلنے کے عادی نہیں تھے لیکن ہر بار اُس نے اپنے

لڑکھڑاتے قدموں کو بڑی جوانمردی سے سنبھال لیا تھا اور اس وقت بھی اُس نے پھر یہی فیصلہ کیا کہ وہ خود کو وقت اور حالات کے سانچوں میں ڈھالنے کی بھرپور کوشش کرے گی ..... اپنی انا کو برقرار رکھے گی ..... خود کو حالات کے آگے کبھی سرنگوں نہیں ہونے دے گی ..... ہر زخم کی خلش اور ہر صدمے کی شدتوں کو برداشت کرنے کی عادت پیدا کر لے گی ..... پھر ..... شاید ..... غم ..... غم نہ رہے' خوشیوں میں بدل جائے ..... لیکن ..... خود کو بدلنے میں اُسے کچھ نہ کچھ وقت لگے گا ..... پھر ..... وہ آہستہ آہستہ ..... رفتہ رفتہ ہر بات کی عادی ہو جائے گی۔

اور ابھی وہ پورٹیکو میں کھڑی ان ہی باتوں کو سوچ رہی تھی کہ نجو بھاگتی ہوئی آئی اور اُس کا ہاتھ تھام کر بڑی شوخی سے بولی۔

"بی بی جی ..... بی بی جی! میرے ساتھ آیئے' میں آپ کو ایک بہت ہی پیاری چیز دکھاؤں۔"

نجو کے چہرے پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹیں رقص کر رہی تھیں' ناہید نے اُس کی باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا' خاموشی سے اُس کے ساتھ ہو لی' نہ جانے وہ اُسے کیا دکھانا چاہتی تھی' کوئی خاص بات ہی ہو گی جو وہ اس وقت بالکل معصوم بچوں کی طرح چہک رہی تھی' وہ ہولے ہولے قدم اٹھاتی نجو کے ساتھ اُس کے کوارٹر میں آ گئی لیکن وہاں اُسے ایسی خاص بات نظر نہیں آئی تھی جسے وہ نجو کی طفلانہ خوشیوں سے منسوب کر سکتی۔

"بی بی جی! اب آپ پوچھئے کہ میں آپ کو یہاں کیا چیز دکھانے لائی ہوں۔" نجو کے انگ انگ سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی۔

ناہید نے ایک بار پھر چھوٹے سے کمرے میں سلیقے سے رکھی ہوئی تمام چیزوں کو غور سے دیکھا پھر مسکرا کر بولی۔

"مجھے تو ایسی کوئی چیز نظر نہیں آ رہی۔"

"آپ ہار گئیں نا بی بی جی!" نجو نے بے تکلف سہیلیوں جیسے انداز میں شوخی سے پوچھا۔

"اچھا بھئی ..... میں ہار تسلیم کرتی ہوں۔" ناہید نے غریب کا دل رکھنے کی خاطر بے تکلفی سے کہا۔ "اب تم جلدی سے بتا دو کہ مجھے یہاں کیا چیز دکھانے لائی تھیں۔"

نجو نے فاتحانہ انداز میں دونوں ہاتھ کولہوں پر رکھ لئے پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کمرے کے اس گوشے میں جا کر رک گئی جہاں گول لکڑیوں کا ایک درمیانہ سائز کا

ٹوکرا فرش پر اوندھا رکھا ہوا تھا۔ نجو نے ایک بار پھر مسکراتی نظروں سے ناہید کی طرف دیکھا۔ پھر آہستہ سے جھک کر ٹوکرا اٹھا دیا تو ناہید کی آنکھوں میں بھی طفلانہ مسرتیں ابھر آئیں۔ ٹوکرے کے نیچے آٹھ دس انڈوں کے خول ٹوٹے پڑے تھے اور چھوٹے چھوٹے چوزے' رنگ برنگے اور سفید ننھے منے بچے روئی کے نرم گالوں کی طرح متحرک نظر آ رہے تھے۔

ناہید نے آگے بڑھ کر ایک بچے کو اٹھا کر اپنی ہتھیلی پر رکھا تو وہ اپنی آواز میں چوں چوں کرنے لگا۔ چوزے کو ہاتھ پر لئے وہ اُسے بڑی والہانہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کتنا خوبصورت' نرم و نازک اور پیارا لگ رہا تھا' اپنی مخروطی انگلیوں سے وہ چوزے کی مخملی جلد کو سہلانے لگی پھر آہستہ سے اُسے نیچے رکھ دیا' چوزوں کی چوں چوں کی آواز سن کر باہر دانہ چگتی ہوئی مرغی تیزی سے کمرے میں آئی پھر اُس نے قریب آ کر پَر پھیلائے تو ننھے منے چوزے اُس کے پروں کے اندر چھپ گئے' یوں جیسے ان معصوم بچوں کو پَروں کی آڑ میں تحفظ مل گیا ہو ..... اماں مل گئی ہو۔

نجو ابھی تک کھڑی اپنے اس کارنامے پر مسکرا رہی تھی۔ ایک ہفتہ پہلے ہی کی تو بات تھی جب اُس نے ناہید کو بتایا تھا کہ اُس نے انڈوں سے بچے نکالنے کی خاطر مرغی کو اُن پر بٹھا رکھا ہے لیکن ناہید کے ذہن سے یہ بات نکل گئی تھی۔ کوئی ایسی خاص اور اہم بات بھی تو نہ تھی جسے یاد رکھا جاتا لیکن اس وقت ان چوں چوں کرتے ہوئے ننھے منے' پیارے پیارے معصوم چوزوں کو دیکھ کر نہ جانے کیوں وہ ہنستے ہنستے ایک دم سنجیدہ سی ہو گئی۔ نہ جانے اُس کے معصوم تصور میں کون سا خیال ابھرا تھا اور کس جذبے نے اُس کے یاقوتی ہونٹوں کی مسکراہٹیں سنجیدگی میں بدل ڈالی تھیں۔ پھر وہ آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بی بی جی! جب یہ ذرا اور بڑے ہو جائیں گے تو میں خود اپنے ہاتھوں سے اِن کے لئے ایک چھوٹا سا ڈربا بناؤں گی۔"

ناہید نے کوئی جواب نہیں دیا' چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کوارٹر سے باہر آ گئی۔ نجو کہتی رہی۔

"اور جب یہ زیادہ بڑے ہو جائیں گے تو میں بابا سے کہہ کر کوارٹر اور چہار دیواری کے ساتھ جالیوں کی رکاوٹ کھڑی کرواؤں گی ورنہ اگر انہوں نے درختوں کو خراب کرنا شروع کر دیا تو بڑی بیگم صاحبہ خفا ہوں گی۔ کیوں ..... ٹھیک ہے نا بی بی جی!"

"ہاں نجو! تُو ٹھیک کہہ رہی ہے۔" وہ ڈولتی آواز میں بولی پھر تیز تیز قدم اٹھاتی' ملازموں کی نگاہوں سے بچتی بچاتی' اپنے دل کی انجانی دھڑکنوں پر قابو پاتی اپنے کمرے میں آ گئی اور پھر.....

پھر اپنے بستر پر بے سدھ ہو کر گری اور آہستہ آہستہ سسکنے لگی' آنسوؤں کے شبنمی قطرے اُس کے رخساروں سے ڈھلک ڈھلک کر اجلی چادر میں جذب ہوتے رہے' آنکھوں کی سرخیاں گہری ہونے لگیں' نہ جانے کیوں وہ جذباتی ہو گئی تھی؟

☆------☆------☆

سجاد علی کی وفات نے بیرسٹر افتخار احمد کے راستے کا سب سے بڑا کانٹا دور کر دیا تھا۔

جب تک مرحوم سجاد علی زندہ رہے بیرسٹر افتخار احمد کے دفتر میں مکھیاں بھن بھناتی رہتی تھیں' دو چار کیس اگر مل بھی جاتے تو عدالت میں مخالف پارٹی سجاد علی کو اُن کے مقابل کھڑا کر دیتی اور افتخار احمد کو بیشتر مقدمات میں مرحوم سجاد علی کے مقابلے میں شکست کا سامنا کرنا پڑتا لیکن جب سے سجاد علی خدا کو پیارے ہوئے تھے' افتخار احمد کی بن آئی تھی۔ اُن کے دفتر میں ہر وقت مؤکلوں کا ہجوم اکٹھا رہتا اور وہ اُن سے منہ مانگی فیس وصول کرتے تھے۔ چھوٹے موٹے مقدمات کو تو انہوں نے سرے سے ہاتھ میں لینا ہی ترک کر دیا تھا۔

بہرحال افتخار احمد اب دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہے تھے اور ان کی مصروفیات اس درجہ بڑھ گئی تھیں کہ اب انہیں گھر پر بھی بیوی یا نازلی سے گفتگو کرنے کا موقع بہت کم ملتا تھا۔ زیادہ تر مقدمات کی فائل کے مطالعہ میں وقت صرف ہوتا تھا۔ البتہ دولت کی ریل پیل نے گھر کا نقشہ ضرور پلٹ دیا تھا۔ آئے دن اُن کے ہاں بڑے بڑے ججوں اور اعلیٰ حکام کی دعوتوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا اور ان دعوتوں میں ہمیشہ ایسے ہی لوگوں کو مدعو کیا جاتا جن سے یا تو افتخار احمد کو مستقبل میں کسی فائدے کی امید ہوتی یا پھر کسی کمزور کیس کو جیتنے کی خاطر فیصلے سے قبل متعلقہ جج کو شیشے میں اتارنا منظور ہوتا۔ غرضیکہ وہ دن رات دو اور دو چار کرنے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔

نازلی بیرسٹر افتخار احمد کی اکلوتی لڑکی تھی۔ اسے بچپن ہی سے بڑے لاڈ پیار سے پالا گیا تھا' شروع ہی سے انگریزی اسکولوں میں تعلیم دلوائی گئی تھی اور ان باتوں کو یکسر نظرانداز کر دیا گیا تھا جو کسی مشرقی لڑکی کے لئے بنیادی ضرورت سمجھی جاتی ہیں چنانچہ وقت اور حالات کی رفتار کے ساتھ ساتھ نازلی بھی مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگتی چلی گئی۔ اس پر

گھومنے پھرنے' کہیں آنے جانے یا کسی سے بھی ملنے جلنے کے سلسلے میں کوئی بندش اور کوئی پابندی نہیں تھی۔ ماں باپ نے اُس کے لئے علیحدہ گاڑی خرید رکھی تھی جسے وہ خود ہی ڈرائیو کرتی تھی اور جب چاہتی ماں باپ سے پوچھے بغیر جہاں دل چاہتا چلی جاتی۔

کہتے ہیں کہ والدین کے خون کا اثر بچوں کے اندر بھی اپنا نمایاں رنگ دکھاتا ہے چنانچہ نازلی بھی دولت کی لالچی تھی۔ گھر میں جس قدر دولت کی ریل پیل ہوتی گئی' اُس کی ہوس بھی بڑھتی گئی۔ اب اُس نے اپنی پرانی گاڑی بیچ کر نئے ماڈل کی گاڑی لے لی تھی اور پرانا لباس چھوڑ کر نئے نئے مغربی لباس پہننے شروع کر دیئے تھے۔ پہلے اس کا حلقۂ احباب محدود تھا لیکن باپ کے وسائل کے ساتھ اُس کا حلقہ بھی اب کافی وسیع ہو چکا تھا۔

خدا نے نازلی کو حُسن کی دولت سے بڑھ چڑھ کر نواز رکھا تھا' صورت شکل بھی نہایت اچھی تھی اس لئے جس محفل میں بھی چلی جاتی مرکز نگاہ بن جاتی تھی لیکن والدین کی تربیت اور ماحول کے تقاضوں نے اسے حد درجہ خودسر اور خود نمائی کا عادی بنا دیا تھا۔ محبت کا مفہوم اس کے نزدیک صرف اتنا تھا کہ کسی بھی خوبصورت اور مالدار لڑکے سے دوستی پیدا کی جائے' کچھ دنوں تک اسے بے وقوف بنا کر اس سے قیمتی تحفے تحائف وصول کئے جائیں پھر اسے ٹکو بنا کر چھوڑ دیا جائے۔ شادی کے سلسلے میں اس نے منصور کے علاوہ کسی کے بارے میں سنجیدگی سے نہیں سوچا تھا لیکن جب منصور کی شادی ہو گئی تو اُس نے شادی جیسے فضول مسئلے پر سرے سے غور کرنا ہی ترک کر دیا تھا۔ اُس نے خاندانی دشمنی کی وجہ سے یہ بھی سوچ رکھا تھا کہ وہ منصور کو کسی نہ کسی موڑ پر شکست ضرور دے گی اور اسے چین سے زندگی نہیں گزارنے دے گی چنانچہ اب بھی اگر کسی محفل میں یا سرراہے اُس کا منصور سے آمنا سامنا ہو جاتا تو وہ اپنے چہرے پر ایسے غمزدہ تاثرات اجاگر کر لیتی جیسے منصور کا غم اُسے اندر ہی اندر کھائے جا رہا ہو لیکن جب منصور نظروں سے دور جاتے تو وہ اُن کی پریشانیوں پر دل کھول کر قہقہے لگاتی اور منصور کی یکطرفہ محبت کی حماقتوں پر خوب ہنستی تھی۔

نازلی کی زندگی میں منصور سے پہلے اور منصور کے بعد بھی متعدد مرد بحیثیت دوست کے داخل ہو چکے تھے لیکن نازلی نے مغربی تہذیب اپنانے کے باوجود ہمیشہ اپنے اور اپنے دوستوں کے درمیان ایک فاصلہ برقرار رکھا تھا لیکن سلیم کے سلسلے میں وہ تھوڑی بہت بے تکلف ہو گئی تھی۔ چنانچہ اسے سلیم اور شہناز کی شادی کی خبر ملی تو زندگی میں پہلی بار اس کے دل کے اندر انتقام کا جذبہ پیدا ہوا۔ اس کے پاس دولت کی فراوانی تھی' اُس کے

تعلقات اونچے حلقوں میں پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ وسیع ہو گئے تھے۔ پھر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اُس کا باپ شہر کا سب سے بڑا اور قابل ترین بیرسٹر شمار کیا جاتا ہے اور شاید یہی وہ حالات تھے جس کی بنیاد پر اُس نے سلیم سے کوئی بھیانک انتقام لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

سلیم اُس کی زندگی میں داخل ہونے والا وہ پہلا مرد تھا جس نے اُس کے ہونٹوں کی سرخی چرائی تھی اور اُس سے شادی کا وعدہ بھی کیا لیکن اس نے بھی منصور ہی کی طرح اپنے والدین کے حکم کے بموجب کسی دوسری لڑکی سے شادی رچا لی تھی۔ نازلی نے منصور کو تا زیست اذیتیں دینے کا فیصلہ کیا تھا لیکن سلیم کی گستاخیوں کے عوض اس نے بھیانک انتقام لینے کا تہیہ کر لیا تھا۔ وہ اپنے ہونٹوں کی سرخی سلیم کے خون سے دوبارہ سجانا چاہتی تھی۔

سلیم کی شادی کی اطلاع نے نازلی کے ذہن میں جیسے انگارے بھر دیئے تھے۔ دور تک وہ شب و روز اپنے ذہن میں سلیم سے انتقام لینے کے بارے میں سوچتی رہی۔ پھر اس نے اس سلسلے میں مہناز کو اپنا رازدار بنانے کا فیصلہ کر لیا۔ مہناز جسے پیار سے وہ مونا کہتی تھی ایک جج کی بیٹی تھی اور نازلی ہی کی طرح مغربی تہذیب کی دلدادہ تھی اور بڑے باپ کی بیٹی ہونے کی وجہ سے اسے سوسائٹی میں خاصا اونچا مقام حاصل تھا' اس کے علاوہ نازلی کو اس بات کا بھی علم تھا کہ مونا کے ذرائع بھی لامحدود ہیں' اپنے ایک ذاتی معاملے میں بھی مونا ایک ایسے پرانے دوست کو ٹھکانے لگوا چکی تھی جس نے مونا کی کچھ کمزوریوں کا راز حاصل کرنے کے بعد اُسے بلیک میل کرنے کی کوشش کی تھی۔

مونا اور نازلی میں بہت گاڑھی چھنتی تھی اور مونا نہ صرف یہ کہ نازلی اور سلیم کی دوستی سے واقف تھی بلکہ سلیم کی شادی کی اطلاع بھی نازلی کو مونا ہی کے ذریعہ ملی تھی' دونوں ایک دوسری کی رازدار بھی تھیں اس لئے نازلی نے تیسرے ہی روز مونا سے مل کر اُسے سب کچھ بتا دیا اور یہ بھی کہا کہ وہ ہر قیمت پر سلیم سے انتقام لینے کا ٹھوس ارادہ کر چکی ہے۔

"کیا سلیم نے تمہارے ساتھ کچھ ایسی ہی زیادتی کی ہے کہ تم اس بیچارے کو جان سے مروا ڈالنے کا ارادہ کر رہی ہو؟" مونا نے پوری تفصیل سننے کے بعد پوچھا۔

"نہیں مونا!" نازلی نے جلدی سے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے کوئی ایسا انتہائی غلط قدم بھی نہیں اٹھایا کہ سلیم کے سامنے شرمندہ ہو سکوں۔"

"پھر بھی ..... ایسی کیا بات ہے کہ تم اُس کی جانی دشمن بن گئی ہو؟" مونا نے معنی خیز لہجے میں سوال کیا۔

"اُس نے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔" نازلی بولی۔

"ڈونٹ بی سینٹی مینٹل ڈیئر۔" مونا نے نہایت بیباکی اور لاپرواہی سے کہا۔ "میں خود نہ جانے کتنے بدھو قسم کے عاشق مزاج لڑکوں کے ساتھ شادی کا وعدہ کر چکی ہوں لیکن ضروری تو نہیں کہ ہماری موڈرن سوسائٹی میں اس قسم کے وعدے پورے بھی کئے جائیں اور پھر سچ پوچھو تو جوانی میں شادی کا تصور بھی میرے نزدیک انتہائی احمقانہ خیال ہے۔ تمام آزادی ختم ہو کر رہ جاتی ہے اور مسٹر شوہر شادی کے بعد اچانک ہی نیرو مائنڈڈ (Narrow Minded) ہو جاتے ہیں۔"

"اپنا اپنا خیال ہے مونا ڈیئر لیکن میں ہر قیمت پر سلیم سے انتقام لینا چاہتی ہوں۔" نازلی نے سنجیدگی سے کہا۔

"شادی کا وعدہ تو تم سے منصور نے بھی کیا تھا لیکن....."

"منصور کی بات اور تھی۔ نازلی نے مونا کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "اُس نے کبھی مجھ سے بہت قریب آنے کی جسارت نہیں کی تھی۔"

"اور سلیم نے کوئی ایسی جسارت کر ڈالی ہے ..... کیوں ہے نا یہی بات؟" مونا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"مینڈ یور سیلف (Mend Yourself) نازلی! ہماری موڈرن سوسائٹی کی کوئی حدود نہیں ہوتیں۔ ایسی باتیں تو اُن لڑکیوں کی زبان سے اچھی معلوم ہوتی ہیں جو دقیانوسی ہوں اور پردے کی بوبو کہلاتی ہوں۔"

"او ..... پلیز مونا! اس بحث کو ختم کرو۔" نازلی تنک کر بولی۔ "مجھے تو صرف اتنا بتا دو کہ کیا تم میرے کام آ سکتی ہو یا نہیں۔"

"آل رائٹ۔" مونا نے یکلخت سنجیدگی اختیار کر لی۔ "بولو' تم کیا چاہتی ہو؟"

"سلیم سے انتقام۔"

"کس حد تک۔" مونا نے لاپرواہی سے پوچھا۔

"کم از کم اس حد تک کہ وہ اپنے پیروں سے چلنے پھرنے سے معذور ہو جائے۔" نازلی نے سنجیدگی سے کہا۔

"اگریڈ (Agreed)۔" مونا نے کہا۔ "لیکن اس کے لئے تمہیں میرے ساتھ

میرے ایک دوست کے پاس چلنا ہو گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ تمہارا کام ضرور کر دے گا۔"

"میں تیار ہوں۔" نازلی نے ہامی بھر لی۔

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی فون کر کے معلوم کئے لیتی ہوں۔ اگر وہ گھر پر ہوا تو ہم اسی وقت چل کر اُس سے مل لیں گے۔" مونا یہ کہتے ہوئے دوسرے کمرے میں جا کر فون پر کسی سے باتیں کرنے لگی پھر اُس نے واپس آ کر نازلی کو بتایا کہ اُس کا مطلوبہ دوست گھر پر موجود ہے اور اسی وقت نازلی کو لے کر سول لائنز ایریا کی طرف روانہ ہو گئی۔

"مونا!" راستے میں نازلی نے گاڑی چلاتے چلاتے اچانک دبی زبان میں پوچھا۔ "کہیں ایسا تو نہ ہو گا کہ بات بگڑ جائے اور بعد میں مجھے لینے کے دینے پڑ جائیں۔"

"تم اس کی فکر بالکل مت کرو ڈیئر!" مونا نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں تمہیں جس آدمی کے پاس لئے چل رہی ہوں اس کا نام مراد خاں ہے اور مراد خاں سے تمہیں نامرادی نہیں ہو گی' بظاہر بہت ہینڈسم اور بھولا بھالا نظر آتا ہے لیکن میں جانتی ہوں کہ وہ کتنا گہرا اور خطرناک آدمی ہے' میں اُس سے ایک دو کام پہلے بھی لے چکی ہوں۔"

"کہیں ایسا نہ ہو کہ مراد خاں بعد میں میرا نام زبان پر لے آئے اور میں....."

"اوہ ..... ڈونٹ وَری ڈیئر!" مونا نے تیزی سے نازلی کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "مراد خاں قابلِ اعتماد آدمی ہے' ہاں اس بات کا اندیشہ ضرور ہے کہ تم اُس کی خوبصورتی دیکھ کر خود ہی شکار نہ ہو جاؤ۔"

نازلی نے کوئی جواب نہ دیا' خاموش رہی لیکن اس کا دل نہ جانے کیوں بار بار دھڑک رہا تھا۔ شاید اس لئے کہ اُس نے زندگی میں پہلی بار کسی غلط راستے کا انتخاب کیا تھا لیکن وہ سلیم سے ہر قیمت پر انتقام لینے کا فیصلہ کر چکی تھی اس لئے خاموشی سے مونا کے اشارے پر گاڑی ڈرائیو کرتی رہی پھر جب وہ مراد خاں کے گھر پہنچی تو مراد خاں نے بڑے تپاک سے اُس کا اور مونا کا خیرمقدم کیا تھا۔ صورت شکل سے وہ حقیقتاً نہایت خوبصورت اور معصوم نظر آتا تھا۔ اُس کا مکان محض دو کمروں پر مشتمل تھا لیکن وہاں کی ہر چیز اُس کی امارت اور رکھ رکھاؤ کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

"مراد خاں! یہ میری عزیز سہیلی نازلی ہے جس کے لئے میں نے تم سے فون پر بات کی تھی۔" مونا نے ایک صوفے پر نہایت بے تکلفی سے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "تمہیں اِن کا ایک ضروری کام کرنا ہے۔"

"حکم دیجئے مس نازلی!" مراد خاں نے براہ راست نازلی سے کہا۔ "میں آپ کی کیا

خدمت کر سکتا ہوں۔"

"میں بتاتی ہوں۔" مونا جلدی سے بولی۔ "تمہیں شیخ حامد حسین کے لڑکے سلیم کی ٹانگیں توڑنا ہیں' اس سے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرنا۔"

"اور اس کا معاوضہ کیا ہو گا؟" مراد خاں نے قدرے بدلے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"اگر تم نے میرے کہنے پر عمل کیا تو خسارے میں نہیں رہو گے۔" اس بار بھی مونا نے کہا۔ "فی الحال تمہارے لئے یہی کافی ہے کہ میں نازلی کی سفارش کر رہی ہوں۔"

"میں آپ کے حکم سے بھلا کیسے انکار کر سکتا ہوں مس مونا! آپ کے پہلے بھی بہت احسانات ہیں مجھ پر۔" مراد خاں نے سپاٹ آواز میں کہا پھر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

"مونا!" نازلی نے دھڑکتے ہوئے دل سے دبی زبان میں کہا۔ "میرا خیال ہے کہ معاوضے کی بات ابھی طے کر لو تو بہتر ہے۔"

"تم فکر مت کرو نازلی ڈیئر! مراد خاں میرے حکم سے باہر نہیں جائے گا۔"

نازلی نے کوئی جواب نہ دیا' خاموش ہو گئی لیکن نہ جانے کیوں اس کا دل بار بار یہی کہہ رہا تھا کہ اُس نے مراد خاں کے ہاں آ کر اچھا نہیں کیا اور ابھی وہ اپنے خیالات میں محو تھی کہ مراد خاں دوبارہ اندر آیا۔ چھوٹی سی ٹرے میں اُس نے شربت کے دو گلاس بڑے سلیقے سے رکھے ہوئے تھے' پہلے اس نے ٹرے مونا کے سامنے کی تو مونا نے اپنی سمت رکھا ہوا گلاس اٹھا لیا اور نہایت آرام سے شربت پینے لگی' نازلی نے دوسرا گلاس اٹھا لیا' اُس کا دل رہ رہ کر دھڑک رہا تھا۔ اُس نے جلدی جلدی شربت پیا' پھر مونا سے بولی۔

"میرا خیال ہے کہ اب چلنا چاہئے' مجھے آج کچھ ضروری کام بھی کرنے ہیں۔"

"اتنی جلدی بھی کیا ہے ڈیئر!" مونا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کچھ دیر تو دم لے لو۔"

پھر مونا مراد خاں سے باتیں کرنے لگی۔ نازلی کے لئے ایک ایک لمحہ گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ جانے کیا بات تھی کہ اُسے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہو رہا تھا' دل کی دھڑکنیں ہر لحظہ تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ اُس کے حسین رخساروں پر پسینے کے قطرے جھلملا رہے تھے' آنکھیں جیسے نیند کے خمار سے بوجھل ہو کر بند ہوئی جا رہی تھیں۔

"مونا! پلیز' اب چلو۔" نازلی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا پھر اُس نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن اٹھ نہ سکی' سر چکرایا تو پلکوں کے نیچے اندھیروں کے کوندے لپکنے لگے'

اُس نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن سنبھل نہ سکی' پرس اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر قالین پر آ گرا اور وہ خود آہستہ آہستہ صوفے پر یوں دراز ہو گئی جیسے کئی راتوں کی جاگی ہوئی ہو۔

"مراد خاں!" مونا نے نازلی کی حالت کو محسوس کرتے ہوئے معنی خیز انداز میں کہا۔ "اس بات کا خیال رکھنا کہ نازلی بیرسٹر افتخار احمد کی لڑکی ہے۔ بیرسٹر افتخار احمد ..... جس کی قسمت کا ستارہ آج کل عروج پر ہے' وہ مٹی کو بھی ہاتھ لگاتا ہے تو وہ بھی سونا بن جاتی ہے اور نازلی ..... یہ اُس کی ایک اکلوتی لڑکی ہے۔"

"تم فکر مت کرو مونا ڈارلنگ! مراد خاں اپنے شکار کو بے بس کرنا جانتا ہے۔"

"او کے۔" مونا نے اٹھتے ہوئے کہا پھر بولی۔ "اس بات کا خیال رہے کہ ہم دونوں ہر معاملے میں ففٹی ففٹی کے پارٹنر ہیں۔"

"اور مراد خاں اپنے کاروبار میں بددیانتی کے اصولوں کے خلاف ہے۔" مراد خاں نے سنجیدگی سے کہا۔

"آل رائٹ ..... وش یو گڈ لک۔" مونا نے کہا پھر نازلی پر ایک نظر ڈالتی ہوئی باہر آئی اور ایک ٹیکسی پکڑ کر واپس چلی گئی۔

☆------☆------☆

شروع نومبر کی وہ ایک خنک رات تھی۔

آسمان پر سرمئی بادلوں کے تودے اِدھر اُدھر منڈلاتے پھر رہے تھے اور ہوا کے نرم و لطیف جھونکے باہر لان میں کیاریوں میں لگے ہوئے سرسبز و شاداب پودوں سے اٹکھیلیاں کرتے پھر رہے تھے اور بوڑھا مالی بڑی تندہی سے اپنے کام میں مصروف تھا۔

اندر بیگم سجاد اپنی کسی ملنے والی سے باتوں میں مصروف تھیں۔ منصور کہہ گئے تھے کہ وہ کلب سے دیر سے واپس آئیں گے۔ یہ بات بھی انہوں نے ناہید کے پوچھنے پر برسبیل تذکرہ کہہ دی تھی ورنہ تنہائی میں وہ اب بھی ناہید سے سرراہ ملنے والے اجنبیوں کی طرح پیش آتے تھے' اُن کے رویے میں ابھی تک کوئی لچک پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ناہید نے سوچا تھا کہ ایک ساتھ' ایک گھر میں' ایک ہی کمرے میں رہتے ہوئے اجنبیت کی دیوار ڈھے جائے گی لیکن منصور تو جیسے آہنی چٹانوں کی طرح اپنی جگہ اٹل تھے۔ اُن کے اندر کوئی تبدیلی' کوئی جھکاؤ پیدا نہیں ہوا تھا بلکہ کھچاؤ کی کیفیت بڑھتی جا رہی تھی۔

ناہید بھی اپنی جگہ ایک مشرقی عورت کی طرح اپنے فرائض کی انجام دہی میں

مصروف تھی۔ اُس نے طے کر لیا تھا کہ وہ اپنے گھر کی عزت کا بھرم کبھی ٹوٹنے نہ دے گی' چاہے خود کیوں نہ ٹوٹ جائے۔ اُس نے حالات سے مفاہمت کر لی تھی لیکن یہ بھی طے کر لیا تھا کہ وہ اپنی انا کو جان بوجھ کر کبھی مجروح نہ ہونے دے گی۔ ایک شوہر پرست بیوی کی طرح وہ منصور کی تمام ضروریات کا خیال رکھتی۔ منصور جھنجلاتے تو وہ جواب دینے کے بجائے مہربلب ہو جاتی۔ ضروری معاملات کے سلسلے میں وہ اُن سے گفتگو کرتی اور منصور پلٹ کر سخت جواب دیتے تو وہ سر جھکا لیتی اور اپنے حالات پر آنسو بہانے کے بجائے اپنی زندگی پر آہستہ سے مسکرا دیتی۔

دوسروں کی موجودگی میں منصور کا لب و لہجہ انتہائی خوشگوار رہتا' وہ یوں اس سے ہنستے بولتے اور مسکرا مسکرا کر پیاری پیاری باتیں کرتے جیسے اُن کے اور ناہید کے درمیان اجنبیت کی کوئی دیوار حائل نہیں تھی' ایسے موقعوں پر وہ بھی دل کھول کر قہقہے لگاتی' دوسروں کو دکھانے کی خاطر اور اپنے فرض کی ادائیگی کی خاطر وہ بھی سب پر یہی ظاہر کرتی تھی کہ منصور اور اس کا جوڑا ایک مثالی جوڑا ہے۔ اُس نے کئی بار کوشش کی کہ منصور سے پوچھے کہ آخر وہ کون سا ایسا راز ہے جس نے انہیں زندگی سے اس قدر بے نیاز' اتنا بے گانہ کر دیا ہے لیکن اُن کی خفگی کے خیال سے اپنا ارادہ ترک کر دیتی۔ وہ تو یہ بھی نہیں پوچھ سکتی تھی کہ آخر خود اُس سے کون سا جرم سرزد ہوا ہے جو منصور اُس کے ناکردہ گناہوں کی سزا دے رہے ہیں۔ متعدد موقعوں پر ایسے ہی چھوٹے چھوٹے سوالات اُس کے ذہن میں ابھرتے لیکن آج تک اُس نے ان سوالوں کو زبان تک نہیں آنے دیا تھا۔

آج بھی روزمرہ کے معمول کے مطابق وہ شام ہوتے ہی لان میں آ گئی۔ زندگی کی حرارتوں کو برقرار رکھنے کی خاطر اُس نے خود کو مصروف کر لیا تھا۔ کبھی گھر کے کام کاج میں مصروف ہوتی' کبھی نجو سے گھنٹوں بیٹھی دنیا جہان کی باتیں گھل مل کر کیا کرتی' کبھی ساس کی خدمت کرتی اور پھولدار پودوں سے تو اُس کو عشق تھا۔ اُس نے اپنے گھر میں بھی بہت سارے پودے لگا رکھے تھے' وہاں کوئی مالی نہیں تھا' وہ خود ہی پوری توجہ اور انہماک سے اُن کی دیکھ بھال کرتی تھی' وقت پر پانی دیتی' کھاد بدلتی اور موسم ختم ہوتے ہی پودوں کی کاٹ چھانٹ بھی اپنے ہاتھوں سے کرتی تھی۔ سسرال آنے کے بعد بھی اُس نے خود کو ان ہی چھوٹی چھوٹی دلچسپیوں میں مصروف کر لیا تھا۔ چنانچہ آج بھی وہ ساس اور اُن کی مہمان خاتون کو چائے دینے کے بعد باہر لان پر آئی تو بوڑھا مالی گلاب کے پودوں کی کاٹ

چھانٹ کرنے کے بعد اُن کی کھاد تبدیل کرنے میں محو تھا۔ ہوا کے ایک خنک اور معطر جھونکے نے بڑھ کر اُس کا استقبال کیا تو اُسے یوں محسوس ہوا جیسے زندگی کی ساری گھٹن' ساری دکھن دور ہو گئی ہو' وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی مالی کے قریب گئی' اُس وقت اُس نے سبز ہی رنگ کا شلوار سوٹ پہن رکھا تھا جس پر بڑے بڑے پھول بنے ہوئے تھے اور اس لباس میں وہ خود بھی تو ایک مہکتا ہوا پودا لگ رہی تھی۔ بالکل سدا بہار کی طرح جو ہر موسم میں پھول دیتا ہے اور کبھی اس کی شادابی ختم نہیں ہوتی۔

بوڑھے مالی نے اسے قریب دیکھا تو حسب معمول کھرپی اٹھا کر "سلام چھوٹی سرکار!" کہا۔ اُس کے لہجے میں کتنی اپنائیت' کتنا پیار کس قدر خلوص اور روح میں اتر جانے والی مٹھاس تھی' وہ مسکرا دی' اُس نے سر کی جنبش سے مالی کا جواب دیا پھر بڑی قینچی اٹھا کر گلاب کے دوسرے پودے کے قریب بڑھی تو مالی نے کہا۔

"آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں چھوٹی سرکار!"

"یہ میری ہابی (Hobby) ہے مالی بابا!" وہ روانی میں کہہ گئی پھر مسکرا کر بولی۔ "تم ہابی سمجھتے ہو؟"

"میں کیا جانوں چھوٹی سرکار! البتہ نجو کو آپ نے بہت کچھ سکھا دیا ہے۔" بوڑھے مالی نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "کبھی کبھی تو وہ بھی گٹ پٹ' گٹ پٹ انگریزی میں جانے کیا کیا کہنے لگتی ہے۔"

"ہابی عادت کو کہتے ہیں مالی بابا!" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ پھر گلاب کی خشک ٹہنیوں کی کاٹ چھانٹ کرنے لگی' جو پھول مرجھا گئے تھے انہیں ٹہنیوں کے ساتھ توڑ توڑ کر پھینکتی رہی پھر اس کام سے فارغ ہو کر اُس نے کھرپی اٹھائی تو مالی نے پھر کہا۔

"آپ اب بس کیجئے چھوٹی سرکار! باقی کام میں نپٹا لوں گا۔"

"تم دیکھتے جاؤ مالی بابا! میں ابھی منٹوں میں اس پودے کی کھاد تبدیل کرتی ہوں۔"

"آپ کے کپڑے گندے ہو جائیں گے چھوٹی سرکار!"

"تو کیا ہوا..... ایک لباس خراب ہو گیا تو دوسرا پہن لوں گی۔ میرے پاس تو ڈھیر سارے کپڑے ہیں مالی بابا!" ناہید نے جواب دیا پھر جلدی جلدی کھرپی چلانے لگی' نہ جانے کیوں اس کی اپنی کہی ہوئی بات بھی اس کے معصوم دل میں کانٹے کی طرح چبھ گئی تھی اُس نے خود ہی اپنے آپ کو بہلانے کی خاطر بوڑھے مالی سے پوچھا۔ "یہ آج نجو کہاں غائب ہے' مالی بابا! صبح سے نظر نہیں آئی۔"

"اپنی ماسی کے ہاں گئی ہے چھوٹی سرکار! کل دوپہر کو جا کر لے آؤں گا۔"

"جب وہ نہیں ہوتی تو تمہیں کیسا لگتا ہے؟"

"کوارٹر کاٹنے کو دوڑتا ہے۔" مالی نے نئی کھاد پودوں کے نیچے پھیلاتے ہوئے قدرے اداس لہجے میں جواب دیا پھر بولا۔ "اب تو نجو نے میرے لئے دل بہلانے کا سامان پیدا کر دیا ہے اس لئے گزارا ہو جاتا ہے۔"

"ایسی کیا چیز ہے بابا جو نجو کے بغیر تمہیں اداس نہیں ہونے دیتی۔" اُس نے گردن گھما کر مالی سے پوچھا۔

"مرغی کے چوزے چھوٹی سرکار!" مالی نے کہا۔ "جب وہ نہیں ہوتی تو پھر مجھے اُن کا دھیان رکھنا پڑتا ہے' بہت شریر ہو گئے ہیں۔"

"تم نے کہیں نجو کے رشتے کی بات بھی کی ہے۔" ناہید نے پرانی کھاد کو کیاری سے نکالتے ہوئے کہا۔ "اب تو خاصی بڑی ہو گئی ہے۔"

"بات تو طے ہو چکی ہے چھوٹی سرکار لیکن ابھی کوئی تاریخ طے نہیں ہوئی ہے۔" مالی سنجیدگی سے بولا۔ "چار پیسے جمع کر لوں تو تاریخ بھی طے کر لوں گا۔"

"لڑکا کیا کرتا ہے؟"

"ایک بڑے صاحب کے ہاں اردلی ہے۔ بڑے ٹھاٹھ باٹ سے رہتا ہے۔ تنخواہ بھی اچھی ہے۔" مالی نے کہا۔ "بڑے صاحب نے اپنی کوٹھی کے اندر کوارٹر بھی دے رکھا ہے۔ بڑے نیک اور دیالو لوگ ہیں۔"

"اور جب نجو بیاہ کر چلی جائے گی تب تمہارا دل کیسے بہلا کرے گا۔" ناہید نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"لڑکی جوان ہو جائے تو اُسے ایک نہ ایک دن تو اپنے گھر جانا ہی پڑتا ہے چھوٹی سرکار!" مالی قدرے اداس لہجے میں بولا۔

اور ناہید کو اپنے والدین یاد آ گئے' رخصتی کے وقت اُس کے بوڑھے باپ کی سسکیاں بھی ضبط کے تمام بندھن توڑ کر ہونٹوں تک آ گئی تھیں۔ ماں نے رو رو کر بُرا حال کر لیا تھا لیکن وقت کے ساتھ ساتھ یہ یادیں بھی پرانی ہوتی جا رہی تھیں' کبھی کبھار شاکر آ جاتا تو اُسے اپنے والدین کی خیریت مل جاتی تھی' ایک بار وہ بھی دن بھر کے لئے گئی تھی۔ ماں نے اُسے دو چار روز کے لئے روکنا چاہا تھا لیکن وہ ساس کی طبیعت ناساز ہونے کا بہانہ کر کے اسی شام واپس آ گئی تھی۔ اُسے ڈر تھا کہ کہیں اُس کے منہ سے ماں کے

سامنے کوئی بات نکل گئی تو کیا ہو گا۔

ماں کا کلیجہ غموں کی شدت سے پھٹ جائے گا۔

باپ کا دل صدموں سے چُور چُور ہو جائے گا۔

اور پھر سب کچھ تباہ ہو جائے گا۔

اُس کا ذہن اپنے ماضی اور حال کے تانے بانوں میں الجھا ہوا تھا۔ کام کرتے کرتے اُس کی کشادہ پیشانی پر پسینے کے شبنمی قطرے جھلملا اٹھے تھے۔ اُس نے بے خیالی میں پسینہ خشک کیا تو ہاتھوں میں لگی مٹی اُس کے چہرے اور پیشانی پر بھی لگ گئی مالی نے دیکھا تو مسکرا دیا۔ روز ایسا ہی ہوتا تھا۔

ناہید بہت دیر تک اپنے خیالوں میں الجھی رہی اور پودوں کی کھاد تبدیل کرتی رہی' دھوپ کے سائے اب منڈیروں سے بھی سرکنے لگے تھے۔ آسمان پر سرمئی بادلوں کے آوارہ ٹکڑے اب بھی ڈوبتے سورج کے ساتھ آنکھ مچولی کھیل رہے تھے۔ ہوا کی خنکی آہستہ آہستہ بڑھ رہی تھی۔ اندر جو مہمان خاتون آئی تھیں وہ رخصت ہو چکی تھیں لیکن ناہید بدستور اپنے کام میں مگن تھی۔ گلاب کی کھاد تبدیل کر کے وہ آہستہ سے اٹھی اور موتیا کے پودوں کے قریب آ گئی جس میں بے شمار چھوٹے چھوٹے پھول سبز پتوں کے درمیان بے حد بھلے دکھائی دے رہے تھے۔ اُس نے موتیا کے پھولوں کو توڑنا شروع کر دیا روزانہ وہ ان پھولوں کا ایک ہار گوندھ کر ساس کو پیش کرتی تھی اور بیگم سجاد اُسے اس کے عوض ڈھیر ساری دعائیں دیتی تھیں۔

خدا تمہیں ہمیشہ سلامت رکھے۔

زندگی کا سکھ چین دیکھنا نصیب کرے۔

سدا سہاگن رہو' خدا تمہارے سہاگ کو دائم و قائم رکھے۔

دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو۔

اور ناہید اس دعا پر شرم سے سرخ ہو جاتی۔ ایک لمحے کو اس کی امنگوں میں تلاطم پیدا ہوتا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ اداس ہو جاتی۔ وہ جانتی تھی کہ ساس کی یہ خواہش شاید کبھی پوری نہ ہو سکے۔ اُس کے اپنے اختیار کی بات ہوتی تو وہ بیگم سجاد جیسی شفیق اور نیک خاتون کے اوپر اپنی زندگی بھی نچھاور کر دیتی لیکن جن باتوں پر اُسے اختیار نہیں تھا بھلا وہ انہیں کیسے پورا کر سکتی تھی۔ مگر اس کے باوجود وہ ساس کے قریب بیٹھی اُن کی دلجوئی کی خاطر دنیا جہان کی پیاری پیاری باتیں کیا کرتی' انہیں کبھی اس بات کا احساس تک نہیں

ہونے دیتی تھی کہ اُس کی مسکراہٹوں کے پیچھے کتنے آنسو چھپے ہیں اور کن حالات میں زندگی بسر کر رہی تھی۔

وہ موتیا کے پھول توڑ توڑ کر اپنے دوپٹے کے آنچل میں ڈالتی رہی پھر اچانک دروازے پر کوئی گاڑی آ کر رکی' ہارن کی تیز آواز ابھری تو اُس کے خیالات کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ شاید کوئی مہمان آ گیا ہو گا' اُس نے سوچا پھر دوبارہ پھول توڑنے میں مصروف ہو گئی۔

"چھوٹے سرکار! آپ۔"

اُس کے کانوں میں بوڑھے ملازم عبدل کی آواز گونجی تو اُس نے پلٹ کر پھاٹک کی طرف دیکھا۔ عبدل دروازے کے قریب کھڑا آنے والے نوجوان کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ بڑا ہی خوبصورت نوجوان تھا' بھرے بھرے خدوخال کا مالک' دراز قد' گھنگھریالے بال' اُس کی اجلی پیشانی پر کتنے خوبصورت لگ رہے تھے' ہلکے گرے کلر کے سوٹ میں تو اُس کی شخصیت کو جیسے چار چاند لگ گئے تھے۔ حسین چہرے پر کیسی عجیب اور شوخ مسکراہٹ کھیل رہی تھی اور اُس کی خوابناک آنکھوں میں کیسی خوبصورت اور زندگی سے بھرپور چمک نظر آ رہی تھی۔ ایک لمحے کو وہ کھو سی گئی' وہ بوڑھے عبدل کے شانے پکڑے مخاطب تھا۔

"اور سناؤ عبدل چاچا! کیسے ہو؟"

"آپ کی دعا ہے چھوٹے سرکار! لیکن آپ اچانک کیسے آ گئے' نہ تار' نہ خط۔"

"اگر تم کہتے ہو تو واپس چلا جاتا ہوں' تار دے کر دوبارہ آ جاؤں گا۔" اُس نے شوخی سے جواب دیا۔ کتنی مٹھاس تھی اُس کی باتوں میں' کیسا دلکش انداز تھا۔

پھر ناہید نے دوسرے ملازموں کو سوٹ کیس وغیرہ اندر لے جاتے دیکھا تو وہ سمجھ گئی کہ اندر آنے والا کون ہو سکتا ہے۔ وہ یقیناً فراز ہی ہو گا اور اُس نے یہ سوچ کر جلدی سے اپنا چہرہ دوبارہ موتیا کے پودوں کی طرف کر لیا۔ فراز کے بارے میں اُس نے بیگم سجاد سے ڈھیروں باتیں سن رکھی تھیں۔ شاید فراز نے اچانک آ کر سب کو حیرت میں ڈال دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ اُس نے بھی یہی طے کر لیا کہ وہ بھی اچانک اُس کے سامنے جا کر اُسے حیران کر دے گی۔ پھول توڑتے ہوئے بھی وہ بار بار کنکھیوں سے اُسے دیکھے جا رہی تھی نہ جانے کیوں اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس نے فراز کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ کب ..... کہاں ..... اُسے یاد نہیں آ رہا تھا اور ابھی وہ فراز کے بارے میں سوچ رہی تھی

کہ فراز لان کی طرف آ گئے' شاید انہوں نے بوڑھے مالی کو اپنی طرف آتے دیکھ لیا تھا۔

"فراز میاں! آپ۔" بوڑھے مالی کی آواز ناہید کے کانوں میں گونجی۔

"مالی بابا!" فراز نے آگے بڑھ کر اُس سے گرمجوشی سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "کیسے ہو؟"

"آپ لوگوں کی دعا ہے چھوٹے سرکار!"

"اور یہ کون ہے ..... اوہ ..... نجو ہو گی' اب تو خاصی بڑی ہو گئی ہے۔" فراز نے ناہید پر نظر ڈالتے ہوئے کہا اور ناہید دل ہی دل میں بے اختیار ہنس دی' اُس کی پشت فراز کی جانب تھی اس لئے وہ اُس کے چہرے کے تاثرات نہ دیکھ سکی۔

"یہ تو مالکن ہیں چھوٹے سرکار!" مالی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "نجو تو اپنی ماسی کے گھر گئی ہوئی ہے۔"

"اوہ....." فراز نے کہا۔ پھر پنجوں کے بل آہستہ آہستہ ناہید کے بالکل قریب جا کر اونچی آواز میں بولا۔ "سلام عرض کرتا ہوں مالکن!"

ناہید نے پلٹ کر دیکھا' فراز ہاتھ پیشانی سے لگائے بڑے ہی معصوم اور بھولے انداز میں کھڑا تھا' کیسا شریر اور شوخ لگ رہا تھا۔

"جیتے رہو۔" ناہید نے بمشکل کہا پھر تیزی سے لمبے لمبے قدم اٹھاتی ہوئی اندر چلی گئی۔ جانے کیوں اُس کا دل دھڑک رہا تھا' فراز کی نگاہوں کی شوخی ابھی تک اُس کے تصور کو گدگدا رہی تھی۔

اپنے کمرے میں جا کر اُس نے جلدی جلدی ہاتھ منہ دھویا' لباس میں جگہ جگہ مٹی لگی ہوئی تھی اس لئے اُس نے کپڑے بھی تبدیل کر لئے شادی کے بعد آج وہ پہلی بار دیور کے سامنے جا رہی تھی' وہ فراز سے رشتے میں بڑی بھی تو تھی اس لئے پوری تمکنت اور وقار کے ساتھ وہ اپنے دیور کے سامنے جانا چاہتی تھی۔ ہلکے بادامی رنگ کی ساڑھی پہن کر وہ بال سنوارنے کے لئے آئینے کے سامنے کھڑی ہوئی تو خود ہی اپنے آپ سے شرما گئی شاید اس لئے کہ آئینے نے زبان خاموش سے اس لباس میں اُس کی سج دھج کی تعریف کر دی تھی۔ کچھ دیر تک وہ یونہی نظریں جھکائے کھڑی رہی پھر کنگھا اٹھا کر اُس نے بال سنوارے اور چوٹی گوندھنے کے بجائے اُس نے بالوں میں پشت پر ربن باندھ کر انہیں کھلا چھوڑ دیا پھر چہرے پر نظر ڈالتی آہستہ آہستہ چلتی ہوئی ساس کے کمرے کے قریب آ گئی جہاں اندر سے فراز کی آواز آ رہی تھی۔ اُسے یہ آواز بھی کچھ مانوس مانوس لگ رہی

تھی۔

کچھ دیر وہ کمرے کے باہر کھڑی ماں بیٹے کی باتیں سنتی رہی' پھر قدم اٹھاتی اندر چلی گئی۔ فراز دروازے کی جانب پشت کئے بیٹھے تھے۔ بیگم سجاد نے بہو کو دیکھا تو اُن کا چہرہ کِھل اٹھا' بڑے پیار سے بولیں۔

"آؤ ناہید بیٹی! دیکھو تو یہ کون آیا ہے۔"

ماں کی آواز کے ساتھ ہی فراز نے بھی گردن گھما کر اُسے دیکھا اور جلدی سے کرسی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کی نظریں ناہید کے حسین وجود پر جم کر رہ گئی تھیں لیکن آنکھوں میں اس وقت بھی شوخی کوٹ کوٹ کر بھری نظر آ رہی تھی۔

"مجھے فراز کے آنے کی خبر مل چکی ہے امی حضور!" اُس نے ہونٹوں پر ایک بھرپور تبسم سجاتے ہوئے آہستہ سے کہا پھر ساس کے قریب جا کر بیٹھ گئی جو فراز کے اچانک آ جانے سے بے حد مسرور نظر آ رہی تھیں۔

"تم نے پہچانا فراز میری بیٹی کو۔" بیگم سجاد نے فراز سے پوچھا۔

"پہچاننے کی کوشش کر رہا ہوں۔" فراز مسکراتے ہوئے بولے پھر آہستہ سے کرسی پر بیٹھ کر ناہید کو یوں دیکھنے لگے جیسے حقیقتاً پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں۔

"ارے پگلے ..... یہ منصور کی دلہن اور تمہاری بھابی ہے۔" بیگم سجاد نے بڑے پیار سے کہا۔ "لیکن میں نے اسے بیٹی بنا لیا ہے۔"

"امی حضور! اگر گستاخی نہ ہو تو ایک بات پوچھوں۔" فراز سنجیدہ ہو گئے۔

"کوئی شرارت سوجھی ہو گی۔" ماں نے بیٹے کو ممتا بھری نظروں سے دیکھا۔

"کیا بھائی جان نے دو شادیاں کر رکھی ہیں؟"

"خدا نہ کرے۔" بیگم سجاد جلدی سے بولیں۔ "کیسی بُری فال زبان سے نکال رہا ہے۔"

"آپ خفا نہ ہوں امی حضور! میں کچھ الجھ گیا ہوں۔" فراز نے شوخی سے ناہید کو دیکھتے ہوئے ماں سے کہا۔ "دراصل ابھی کچھ دیر پہلے مالی بابا نے ایک خاتون کو مالکن کہہ کر متعارف کرایا تھا اور وہ خاتون سبز رنگ کے شلوار سوٹ میں ملبوس تھیں۔"

ناہید چپ چاپ بیٹھی فراز کو دیکھ رہی تھی اور اُس کی باتوں پر مسکرا رہی تھی۔

"تم اس کی باتوں کا بُرا نہ ماننا ناہید بیٹی!" بیگم سجاد نے ناہید سے کہا۔ "یہ ہر وقت اسی قسم کی اول جلول باتیں کرتا رہتا ہے' اتنا بڑا ہو گیا' اتنے عرصے امریکہ رہ کر آیا ہے

لیکن ذرا بھی تو نہیں بدلا اور تو اور ..... اپنے آنے کا تار تک نہیں بھیجا۔ اچانک ٹپک پڑا۔"

"اس بات پر تو مجھے بھی حیرت ہوئی تھی امی حضور!" ناہید نے دھیرے سے کہا۔

"اور اسی حیرت کے اظہار کے طور پر آپ نے لباس تبدیل کر لیا۔" فراز نے برجستہ کہا تو وہ بے اختیار ہنس دی اور دیور کو محبت بھری نظروں سے گھورنے لگی۔

"آتے ہی شروع کر دی بھابی سے نوک جھونک۔" ماں نے فراز کو پیار سے ٹوکا۔

"یہ تو رشتے کی نوعیت کا قصور ہے امی حضور! میں کیا کر سکتا ہوں۔" فراز نے بڑے بھولپن سے جواب دیا۔

"فی الحال آپ یہ کریں کہ نہا دھو کر کپڑے تبدیل کر لیں تاکہ سفر کی تکان دور ہو جائے پھر اطمینان سے بیٹھ کر امی حضور سے باتیں کیجئے گا۔" ناہید نے براہ راست فراز سے کہا اور فراز یوں چونکا جیسے اُسے کوئی بھولی بسری بات یاد آ گئی ہو۔ ایک ثانئے کو وہ مسکراتے مسکراتے سنجیدہ سا ہو گیا لیکن دوسرے ہی لمحے اُس نے ناہید کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے بڑے معصوم انداز میں کہا۔

"امی حضور! آپ کو وہ خطاب یاد ہے نا جو آپ نے آج سے تقریباً پانچ سال پہلے مجھے دیا تھا۔"

"کون سا خطاب؟" بیگم سجاد نے حیرت سے پوچھا۔

"خوابوں کا شہزادہ!" ناہید اس لفظ کو سن کر جیسے دھک سے رہ گئی۔ اُسے یاد آ گیا کہ اُس نے فراز کو پہلے کہاں دیکھا تھا۔ پانچ سال پہلے وہ اُس کے ساتھ ایک کالج میں پڑھتا تھا۔ کالج کی لڑکیوں نے اُسے نہ جانے کیا کیا نام دے رکھے تھے لیکن ناہید نے اُسے خوابوں کا شہزادہ کا خطاب دیا تھا اور اس خطاب پر شازیہ نے تو اس کا جینا محال کر دیا تھا۔ پھر ایف اے کا امتحان دینے کے بعد فراز نے کالج چھوڑ دیا تھا۔ اس کے کالج چھوڑ دینے کے بعد بھی لڑکیوں میں اس کے چرچے جاری رہتے تھے اور پھر جب وہ بی اے کر چکی تھی تو اس کے بعد بھی شازیہ اسے اکثر اس نام سے چھیڑا کرتی تھی اور آج وہی خوابوں کا شہزادہ اُس کے سامنے اُس کے دیور کے روپ میں بیٹھا تھا۔ اُس نے ناہید کو پہچان لیا تھا۔ اسی لئے تو اُس نے ماں سے اس خطاب کا تذکرہ نکالا تھا۔ شاید فراز اُسے بیتے دنوں کی خوشگوار باتیں یاد دلانا چاہتا تھا۔ وہ سنبھل کر بیٹھ گئی اور اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے لگی۔

"دماغ تو نہیں چل گیا ہے تیرا۔" ماں نے پیار سے کہا۔ "میں نے تمہیں یہ خطاب

کب دیا تھا۔"

"پھر..... پھر کسی اور نے دیا ہو گا۔" فراز نے مسکراتے ہوئے کہا پھر یکلخت سنجیدہ ہو کر بولا۔ "امی حضور! مجھے یاد آ گیا کہ یہ خطاب کس نے دیا تھا۔ پانچ سال پہلے یہیں الٰہ آباد میں کالج کے زمانے میں ایک لڑکی نے مجھے یہ خطاب دیا تھا..... اور مجھے ..... اُس کی شکل آج بھی یاد ہے۔"

فراز ایک لمحے کو خاموش ہوئے تو ناہید کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں' اُسے خطرہ تھا کہ کہیں اُس کا نام فراز کی زبان تک نہ آ جائے لیکن اُس نے اپنے دل کی کیفیتوں کا عکس چہرے تک نہیں آنے دیا۔ اجنبی سی بنی بیٹھی فراز کو تکتی رہی۔

"وہ لڑکی ایک دم کالی کلوٹی تھی امی حضور! میں نے اُس سے کبھی بات تک نہیں کی تھی لیکن نہ جانے کیا بات ہے کہ میں آج تک اُسے بھول بھی نہیں سکا۔ دو ڈھائی سال امریکہ بھی رہا' وہاں ہزاروں لڑکیاں دیکھ ڈالیں مگر کوئی ایک بھی اس جیسی نظر نہیں آتی۔"

"لیکن یہ باتیں تم اس وقت مجھے کیوں سنا رہے ہو۔" ماں نے حیرت سے پوچھا تو فراز نے شوخی سے کہا۔

"شاید سفر کی تکان کا سبب ہے امی حضور! نہا دھو لوں تو طبیعت بحال ہو جائے گی۔"

"اتنا بڑا ہو گیا لیکن ابھی تک بچپن نہیں گیا۔"

"بھائی جان کہاں ہیں؟" فراز نے اچانک پوچھا۔ شاید اُس نے ماں کی موجودگی میں پرانے موضوع کو زیادہ دیر جاری رکھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

"وہ کلب گئے ہوئے ہیں۔" ناہید نے آہستہ سے کہا۔

"کیا مطلب ..... کیا بھائی جان نے بھی ڈانس وغیرہ قسم کی چیزیں سیکھ لی ہیں۔"

"جی نہیں۔" ناہید مسکرا کر بولی۔ "وہ ٹینس کلب گئے ہوئے ہیں۔"

"تنہا۔" فراز نے براہ راست ناہید سے پوچھا۔ "آپ کو ساتھ نہیں لے گئے۔"

"کیا امریکہ میں رہ کر تمہارا دماغ بالکل ہی سٹھیا گیا ہے۔" ماں نے کہا۔ "مردوں میں بھلا گھر کی بہو بیٹیوں کا کیا کام۔"

"ہاں ..... یہ بات بھی درست ہے لیکن تھوڑی بہت سیر و تفریح بھی ضروری ہے۔"

"اچھا یہ بتاؤ کہ تمہارے امتحان کا کیا رہا..... پرچے کیسے ہوئے۔" بیگم سجاد نے

پوچھا۔

"اتنے لائق فائق بیٹے سے اس قسم کے سوال نہیں پوچھے جاتے امی حضور!" فراز نے گردن اکڑا کر کہا۔ "دو ماہ بعد نتیجہ آ جائے گا اور آپ دیکھیں گی کہ فراز علی ولد سجاد علی فرسٹ کلاس فرسٹ پاس ہوئے ہیں۔"

"ان شاء اللہ!" ماں نے دعائیں دیتے ہوئے کہا۔ "لیکن بیٹے! بڑائی کی باتیں نہیں کیا کرتے۔"

"میرا خیال ہے کہ اب آپ غسل کر ہی ڈالیں۔" ناہید نے شوخی سے کہا۔ "سفر کی تکان کچھ بڑھتی جا رہی ہے۔"

"جو کچھ حکم مادام!" فراز نے ناہید کو دیکھتے ہوئے کہا پھر اٹھ کر عبدل کو آواز دیتے ہوئے باہر چلے گئے۔

"امی حضور! میں ذرا فراز کا کمرہ ٹھیک کرا دوں۔" ناہید نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"تم کیوں پریشان ہوتی ہو بیٹی! عبدل سے کہہ دو' وہ ٹھیک کر دے گا۔"

"میری نگرانی ضروری ہے امی حضور!" ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر ساس کی دعائیں لیتی ہوئی باہر آ گئی۔

☆------☆------☆

فراز کے آ جانے سے گھر کے ہنگاموں میں بڑا خوشگوار اضافہ ہو گیا تھا۔

ہر وقت گھر میں اُس کے قہقہے گونجتے رہتے' گھر کے سارے ہی نوکر چاکر منصور کے مقابلے میں فراز سے زیادہ مانوس تھے' وہ خود بھی تو سب سے بے انتہا محبت کرتا تھا' ملازموں سے بھی یوں ملتا جیسے وہ اس کے دیرینہ دوست ہوں لیکن ان کو بھی تنگ کرنے سے باز نہیں آتا تھا۔ منصور نے چاہا تھا کہ وہ بھائی کو بھی اپنے ساتھ دفتر لے جایا کرے لیکن فراز نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ جب تک اس کا نتیجہ نہیں آ جاتا وہ مکمل آرام کرے گا اور اُس کے بعد ہی اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے گا۔

بہرحال فراز کے آ جانے سے ناہید کی مصروفیات میں جہاں اضافہ ہوا تھا وہاں اس کا دل بھی بہل گیا تھا' البتہ وہ فراز کے سامنے جہاں بے تکلفی سے ہنستی بولتی' وہاں خود کو لئے دیئے بھی رکھتی تھی۔ وہ اس راز کو اس پر ظاہر نہیں ہونے دینا چاہتی تھی کہ وہ بھی اسے پہچان گئی ہے' اپنے ماضی کی تمام خوشیوں کے ساتھ ساتھ اُس نے کالج کے زمانے کی خوشگوار یادوں کو بھی سینے کی گہرائیوں میں چھپا لیا تھا لیکن فراز اکثر باتوں باتوں میں ان

بھولی بسری یادوں کو کریدنے لگتا تھا اور ایسے موقعوں پر وہ بالکل ہی اجنبی بن جایا کرتی تھی۔

فراز کے آ جانے سے منصور نے بھی کلب کا زیادہ آنا جانا بند کر دیا تھا' دونوں بھائی ایک دوسرے سے بے پناہ محبت کرتے تھے لیکن دونوں کی طبیعتوں میں بڑا تضاد تھا۔ منصور کم سخن' سنجیدہ اور بردبار طبیعت کے مالک تھے لیکن فراز ان کے برعکس تھا' شوخ اور شریر' بات بات پر قہقہہ لگانا اُس کی عادت تھی' منصور کی طرح وہ بھی بے حد ذہین اور دوراندیش تھا لیکن زندگی کے ہر شعبے میں وہ سنجیدگی پر مسکراتے رہنے کو ترجیح دیتا تھا' اُسی کے دوست احباب بھی اسی جیسی طبیعت کے مالک تھے۔ فراز دن بھر اُن کے ساتھ گھومتا پھرتا اور سرِشام ہی گھر واپس لوٹ آتا تھا' کبھی اُس کے دوستوں کی ٹولیاں اُس کے گھر پر دھاوا بول دیتیں تو ڈرائنگ روم اکھاڑے کی صورت اختیار کر لیتا تھا اور ناہید کو ہر چیز دوبارہ سلیقے سے جمانا پڑتی تھی۔

شام کو ملازم باہر لان میں آرام کرسیاں ڈال دیا کرتے تھے' فراز کو بھی ناہید کی طرح خوبصورت اور مہکتے پھولوں سے پیار تھا اس لئے وہ شام ہوتے ہی لان پر آ جاتا تھا' جہاں منصور بھی ہوتے' بیگم سجاد ہوتیں اور ناہید بھی ہوتی تھی۔ فراز کی موجودگی میں منصور ناہید سے کچھ زیادہ ہی بے تکلیف سے پیش آتے تھے۔ شاید فراز کے آ جانے سے اپنا بھرم قائم رکھنے کا احساس زیادہ ہو گیا تھا۔

آج بھی سب لوگ لان میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے' بیگم سجاد نے خنکی کی وجہ سے اونی شال اپنے اوپر ڈال رکھی تھی' منصور نے چاکلیٹ کلر کی پتلون اور اُسی کی مناسبت سے پوری آستین کی بش شرٹ پہن رکھی تھی' فراز نے سفید پتلون اور سفید قمیض کے اوپر گیروے رنگ کا سویٹر پہن رکھا تھا۔ ان سادہ کپڑوں میں بھی وہ سب سے نمایاں نظر آ رہا تھا۔ ناہید بیگم سجاد اور منصور کے درمیان والی کرسی پر کاسنی رنگ کی ساڑھی پہنے بیٹھی تھی' فراز اُس کے عین سامنے بھائی کے قریب بیٹھے امریکہ کے قصے سنا رہے تھے' درمیان میں گول میز رکھی ہوئی تھی جس پر ابھی ابھی عبدل نے چائے کی ٹرے لا کر رکھی تھی۔

"تم نے آئندہ کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" منصور نے فراز کی بات ختم ہونے کے بعد سوال کیا۔ ناہید چائے بنانے میں مصروف ہو گئی تھی۔

"فی الحال نتیجے کا انتظار ہے۔" فراز لاپرواہی سے بولے۔ "رہا آئندہ کا سوال تو اُس کے بارے میں مَیں نے ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔"

"میرا خیال ہے کہ اگر تم بھی کاروبار میں شریک ہو جاؤ تو زیادہ مناسب ہو گا۔" بیگم سجاد بولیں۔ "منصور کا کچھ بوجھ بھی ہلکا ہو جائے گا۔"

"اگر یہ آپ کا حکم ہے تو پھر مجبوری ہے' ورنہ میرا ارادہ کچھ اور ہی تھا۔"

"وہ کیا؟" منصور نے پوچھا۔

"میں دراصل انجینئرنگ سے متعلق ایک علیحدہ فرم کھولنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

"یہ بھی مناسب خیال ہے۔" منصور نے بھائی کی تجویز کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "تعمیراتی منصوبے زیادہ فائدہ مند ثابت ہوتے ہیں۔"

ناہید نے چائے بنا کر سب کو پیش کی پھر خود بھی ایک پیالی اٹھا کر اپنی کرسی پر آ گئی۔

"تمہارا نتیجہ آنے میں اب کتنے دن باقی رہ گئے ہیں؟" ماں نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب ایک دو ہفتے میں آنے والا ہے۔" فراز نے لاپرواہی سے جواب دیا اور وہ بھی چائے پینے لگے پھر قبل اس کے کہ گفتگو کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوتا عبدل نے آ کر منصور کو بتایا کہ اُن کا فون آیا ہے چنانچہ منصور نے جلدی چائے ختم کی اور اٹھ کر اندر چلے گئے۔

"تمہارا نتیجہ آ جائے تو پھر میں تم سے کچھ ضروری باتیں کروں گی۔" بیگم سجاد نے فراز کو محبت بھری نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"مثلاً؟"

"مثلاً یہ کہ اب تم بھی خیر سے جوان ہو گئے ہو۔" بیگم سجاد کا لہجہ معنی خیز تھا۔ فراز تاڑ گئے کہ ماں کس قسم کی ضروری بات کا حوالہ دے رہی ہیں۔

"امی حضور! میرا خیال ہے کہ اگر یہاں لان کے درمیان میں ایک چھوٹا سا سنگ مرمر کا فوارہ تعمیر کرا لیا جائے تو لان کے حسن میں چار چاند لگ جائیں گے۔" فراز نے موضوع بدلنے کی خاطر کہا۔

"اور فوارہ کے گرد ایک پختہ حوض بھی ضروری ہے جس میں رنگ برنگی مچھلیوں کا ہونا بھی لازم ہے۔" ناہید نے فراز کا مقصد بھانپتے ہوئے کہا۔

"گڈ آئیڈیا۔" فراز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"امی حضور کو فوارے اور حوض کی تعمیر میں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" ناہید نے شوخی سے کہا۔ "لیکن امی حضور دراصل آپ سے کچھ اور ضروری بات کرنا چاہتی ہیں۔"

"میں سن چکا ہوں مادام! لیکن آپ یہ بار بار امی حضور کی وکالت کیوں کرنے لگتی ہیں۔" فراز نے ناہید کو گھورا۔

"پھر وہی مادام۔" بیگم سجاد نے فراز کو ٹوکتے ہوئے کہا۔ "ہزار بار سمجھا چکی ہوں کہ ناہید کو بھابی جان کہا کرو لیکن تمہاری عقل پر تو جیسے برف جم گئی ہے۔"

"آپ نہیں سمجھ سکیں گی امی حضور!" فراز نے کنکھیوں سے ناہید کو تکتے ہوئے کہا۔ "جو شخصیتیں قابل احترام ہوں انہیں مادام ہی کہا جاتا ہے۔"

"لیکن بھابی کہنے میں کیا تیری زبان گھس جائے گی۔"

"مادام زیادہ اچھا لگتا ہے۔" فراز اپنی ضد پر اڑا رہا پھر اُس نے ناہید کو دیکھ کر پوچھا۔ "کیوں' ٹھیک ہے نا مادام!"

"آپ جو چاہیں کہہ سکتے ہیں لیکن میں خوب سمجھ رہی ہوں کہ اس وقت آپ امی حضور کی ضروری بات کو ٹالنے کی کوشش کر رہے ہیں۔" ناہید نے پھر فراز کو گھیرنے کی کوشش کی۔

فراز پلٹ کر جواب دینے والے تھے کہ منصور آ گئے۔ انہوں نے ماں کو بتایا کہ ایک ضروری کام کے سلسلے میں انہیں جانا پڑ رہا ہے اور واپسی دیر سے ہو گی۔ پھر وہ ماں سے اجازت لے کر جا ہی رہے تھے کہ فراز بول پڑے۔

"بھائی جان! کیا ڈنر کے وقت تک آپ واپس آ جائیں گے؟"

"شاید کچھ دیر ہو جائے' تم لوگ میرا انتظار نہ کرنا۔"

"یہ بات آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں یا انتظار کرنے والوں سے۔" فراز نے معصومیت سے کہا تو منصور اُس کو مسکراتی نظروں سے دیکھ کر پورٹیکو کی طرف گئے پھر اپنی گاڑی نکالی اور اُس میں بیٹھ کر چلے گئے۔

"امی حضور!" فراز نے ماں سے پوچھا۔ "کیا بھائی جان اکثر ضروری کاموں سے اسی طرح اچانک چلے جاتے ہیں؟"

"ہاں آں۔" بیگم سجاد سنجیدگی سے بولیں۔ "کاروبار کی ساری ذمہ داریاں جو اُس کے سر آن پڑی ہیں۔"

"مجھے تو دال میں کچھ کالا کالا نظر آ رہا ہے۔" فراز نے ناہید کو چھیڑنے کی خاطر معنی خیز انداز میں کہا تو بیگم سجاد بھی اس کا مطلب سمجھ کر آہستہ سے مسکرا دیں۔

"امی حضور!" ناہید نے ساس کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آپ

دیکھ رہی ہیں نا کہ یہ کس طرح بات اڑا رہے ہیں۔"

"میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں ناہید بیٹی!" بیگم سجاد نے کہا۔ "اس کا نتیجہ آ جانے دو پھر دیکھتی ہوں کہ یہ کیسے میری بات ٹالتا ہے۔"

"یہ سراسر زیادتی ہے امی حضور!" فراز نے احتجاجی لہجہ اختیار کیا۔ "میں محسوس کر رہا ہوں کہ آپ ان محترمہ کو میرے اوپر زیادہ ترجیح دے رہی ہیں۔"

"بیٹیوں کا حق زیادہ ہوتا ہے۔" بیگم سجاد نے جواب دیا۔ "تو کیوں بُرا مانتا ہے۔"

"میں حق اور ناحق نہیں جانتا۔" فراز نے نہایت معصومیت سے کہا۔ "لیکن اگر یہی صورت حال رہی تو مجھے مجبوراً اپنا مطالبہ منوانے کے لئے بھوک ہڑتال شروع کرنا پڑے گی۔"

"نہایت مناسب خیال ہے۔" ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بھوک ہڑتال سے صحت پر نہایت خوشگوار اثر پڑتا ہے۔"

"سن رہی ہیں آپ امی حضور!" فراز نے ماں کی طرف روٹھے ہوئے انداز سے دیکھا تو بیگم سجاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ تم دیور بھابی کا معاملہ ہے' مجھے کیوں درمیان میں گھسیٹ رہے ہو۔"

"اس لئے کہ آپ مادام کی حمایت زیادہ کرتی ہیں۔" فراز بولے۔

"کیوں نہ کروں ..... یہ میری بیٹی جو ہے۔" بیگم سجاد نے پھر ناہید کی حمایت لی تو فراز نے ناہید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"او کے مادام! آپ سے بھی سمجھ لوں گا۔"

"سوچ لیجئے۔" ناہید نے شوخی سے جواب دیا۔ "امی حضور آپ سے جو ضروری بات کرنے والی ہیں اُس میں بھی میرا ہی دخل زیادہ ہو گا۔"

اور ابھی فراز اور ناہید میں یہ دلچسپ گفتگو جاری تھی کہ باہر کوئی گاڑی آ کر رکی' پھر محسن علی ڈرائنگ میں اندر آئے تو ناہید اٹھ کر اُن کے استقبال کے لئے لپکی اور لان پر لے آئی' محسن علی نے بیگم سجاد کو بڑے ادب سے سلام کیا پھر ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ فراز محسن علی کو بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔

"کیا شازیہ ساتھ نہیں آئی محسن بھائی!" ناہید نے پوچھا۔

"میں اس وقت سیدھا تھانے سے آ رہا ہوں ناہید بہن!" محسن نے سنجیدگی سے کہا پھر فراز کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔ "آپ کی تعریف۔"

"یہ میرا چھوٹا بیٹا ہے محسن میاں!" بیگم سجاد نے فراز کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔
"دو سال سے امریکہ میں تھا' ابھی ڈیڑھ ماہ پہلے واپس آیا ہے۔"
"اوہ ..... تو آپ ہی ہیں مسٹر فراز۔" محسن علی نے فراز کو مشکوک نظروں سے گھورتے ہوئے کہا تو ناہید نے پوچھا۔
"کیا بات ہے محسن بھائی! یہ آپ فراز کو اس طرح کیوں گھور رہے ہیں۔"
"مجھے بے حد افسوس ہے آنٹی کہ میں اس وقت آپ لوگوں کی خوشیوں میں مخل ہوا لیکن اپنے فرائض سے بھی مجبور ہوں۔" محسن نے کھڑے ہوئے کہا پھر فراز کی طرف گھورتے ہوئے بولا۔ "مسٹر فراز کیا آپ میرے ساتھ کچھ دیر کے لئے تھانے چل سکیں گے؟"
"محسن میاں!" بیگم سجاد نے محسن کے چہرے کی سنجیدگی کو محسوس کرتے ہوئے قدرے تشویش سے پوچھا۔ "خیریت تو ہے ..... یہ تم فراز کو تھانے کیوں لے جا رہے ہو؟"
"محسن بھائی!" ناہید نے بھی گھبرائے ہوئے انداز میں سوال کیا۔ "آخر بات کیا ہے؟"
فراز بدستور خاموش بیٹھے محسن کو بغور دیکھے جا رہے تھے۔ اُن کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ کسی گہری سوچ میں غرق ہیں۔
"آپ پریشان نہ ہوں ناہید بہن! میں کوشش کروں گا کہ مسٹر فراز کو جلد ہی واپس چھوڑ دوں۔" محسن نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔
"لیکن کچھ پتہ بھی تو چلے کہ آخر بات کیا ہے۔" بیگم سجاد نے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا۔
"میں بتاتا ہوں امی حضور!" فراز نے آہستہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "دراصل میں امریکہ سے آتے وقت کچھ ایسی چیزیں بھی اپنے ساتھ لے آیا تھا جو قانوناً ممنوع ہیں' میرا خیال ہے کہ انسپکٹر صاحب اسی سلسلے میں تفتیش کی خاطر مجھے تھانے لے جانا چاہتے ہیں لیکن میں ان کی تسلی یہیں کئے دیتا ہوں۔"
پھر اچانک ہی فراز نے لپک کر محسن کو اتنی زور سے اپنے بازوؤں میں جکڑ دیا کہ وہ کراہ اٹھا۔ بیگم سجاد اور ناہید دونوں ہی کے چہرے ستے ستے نظر آ رہے تھے۔
"اب فرمایئے انسپکٹر محسن علی صاحب! کیسے مزاج ہیں آپ کے۔" فراز نے ایک بار

پھر بازوؤں کا حلقہ تنگ کیا تو محسن کراہتے ہوئے چیخے۔
"ناہید بہن! خدا کے لئے اس جنگلی کو روکئے' میرا دم گھٹا جا رہا ہے۔"
"فراز!" بیگم سجاد نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "یہ تم کیا کر رہے ہو۔"
"آپ فکر نہ کریں امی حضور!" فراز نے محسن کو بدستور رگیدتے ہوئے کہا۔ "یہ بڑا پرانا اور عادی مجرم ہے' غالباً بھیس بدل کر مجھے پریشان کرنے آیا تھا۔"
"یار فراز ..... ارے ..... خدا کے لئے ..... ابے سچ مچ میرا دم گھٹ جائے گا۔" محسن نے ہانپتے ہوئے کہا تو فراز نے مسکراتے ہوئے اُسے نہ صرف چھوڑ دیا بلکہ دوبارہ کرسی پر دھکیلتے ہوئے بولے۔ "اب سناؤ بیٹے' کیا حال ہے تمہارا۔"
"میں تو سمجھا تھا کہ تم امریکہ میں جا کر مہذب ہو گئے ہو گے لیکن خدا کی پناہ۔" محسن نے ہانپتے ہوئے کہا۔ "ابھی تک تمہارا جنگلی پن نہیں گیا۔"
ناہید اور بیگم سجاد دونوں ہی نے اطمینان کا سانس لیا تھا' محسن اور فراز کی بے تکلف گفتگو سے وہ دونوں بھی سمجھ چکی تھیں کہ دونوں میں پرانی دوستی ہے' پھر فراز نے بھی محسن سے اپنی پرانی دوستی کی تصدیق کر دیں
"آپ نے تو ڈرا ہی دیا تھا محسن بھائی!" ناہید نے اپنی پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔
"اور آنٹی' آپ فراز کو کچھ نہیں کہیں گی۔" محسن نے بڑی معصومیت سے بیگم سجاد سے شکایت کی۔ "اگر خدا نخواستہ میرا دم گھٹ گیا ہوتا تو میری اکلوتی بیوی باہر گاڑی میں بیٹھے ہی بیٹے بیوی سے بیوہ ہو جاتی۔"
"توبہ کرو محسن میاں!" بیگم سجاد نے ٹوکا۔ "ایسی بُری فال تو مذاق میں بھی زبان سے نہیں نکالنا چاہئے۔"
ناہید شازیہ کا نام سنتے ہی اٹھ کر تیزی سے باہر گئی پھر شازیہ کو بھی لان پر لے آئی۔ محسن بدستور اپنی کرسی پر بیٹھے ہانپنے کی اداکاری کر رہے تھے۔ شازیہ شوہر کو دیکھ کر مسکرانے لگی پھر جب ناہید نے ہنس ہنس کر دونوں دوستوں کی ملاقات کا قصہ سنانا شروع کیا تو بیگم سجاد بھی مسکرانے لگیں۔ فراز بھی اپنی جگہ بیٹھے محسن کو دیکھ دیکھ کر زیر لب مسکرا رہے تھے اور پھر انہوں نے شازیہ کو دیکھا تو چونک کر بولے۔
"تسلیم عرض کرتا ہوں شازیہ صاحبہ!"
"آداب۔" شازیہ نے پلٹ کر فراز کو غور سے دیکھا تو وہ بھی چونک اٹھی۔ پھر اُس

نے بڑے ہی معنی خیز انداز میں ناہید کو گھورتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "تو یہ ہیں تمہارے دیور۔"

"کیا مطلب؟" محسن نے بھی چونکتے ہوئے فراز کو دیکھا۔ "کیا آپ اور شازیہ ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے ہیں۔"

"جی ہاں۔" فراز مسکرا کر بولے۔ "اور یہ اس زمانے کی واقفیت ہے جب میری اور آپ کی ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی۔ یہ تو آپ کی خوش قسمتی ہے جو میں الٰہ آباد کو خیرباد کہہ کر باہر چلا گیا تھا ورنہ....." فراز نے ماں کی موجودگی کے خیال سے اپنا جملہ نامکمل چھوڑ دیا تھا۔

بیگم سجاد نے محسوس کر لیا تھا کہ بچوں کے درمیان اُن کی موجودگی حارج ہو رہی ہے چنانچہ وہ خنکی بڑھ جانے کا بہانہ کر کے اندر چلی گئیں' ناہید نے عبدل کو آواز دے کر چائے لانے کو کہا۔ پھر محسن سے بولی۔

"محسن بھائی! آپ نے سن لیا نا کہ ابھی فراز کیا کہہ رہے تھے شازیہ کے بارے میں۔"

"جی ہاں ..... لیکن اب سوائے صبر کرنے کے اور کیا کر سکتا ہوں۔" محسن نے ایک سرد آہ بھرتے ہوئے جواب دیا تو فراز بھی ہنس دیئے۔

"فراز بھائی!" شازیہ نے مسکراتے ہوئے فراز سے پوچھا۔ "کیا آپ کو کالج کے زمانے کی تمام باتیں یاد ہیں؟"

"خوب اچھی طرح۔" فراز نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ "مجھے یہ بھی یاد ہے کہ آپ نے اس خاکسار کو بگلا بھگت کے خطاب سے نوازا تھا۔"

"نہایت مناسب خطاب تھا۔" محسن نے جلدی سے کہا۔ "بلکہ اگر آپ کو بگلا بھگت کے بجائے پرنس وحشی کے خطاب سے نوازا جاتا تو اور زیادہ مناسب ہوتا۔"

"اس کے علاوہ بھی تو آپ کو بہت سارے خطابات دیئے گئے تھے۔" شازیہ نے شوخی سے کہا تو ناہید نے جلدی سے شرما کر نگاہیں نیچی کر لیں۔

"جی ہاں۔" فراز نے ناہید کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے سارے خطاب ابھی تک ازبر ہیں۔"

"کسی نے آپ کو خوابوں کا شہزادہ بھی تو کہا تھا۔" شازیہ نے مسکرا کر کہا۔ "یاد ہے آپ کو؟"

"خوابوں کا شہزادہ۔" محسن نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ وہ لڑکی جس نے فراز کو اس خطاب سے نوازا ہو گا سخت کوڑھ مغز اور غیر رومانی رہی ہو گی۔"

"کیوں فراز بھائی! کیا یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں؟" شازیہ نے دوبارہ فراز سے پوچھا تو فراز ایک لمحے کو اداس ہو گئے پھر جلدی سے مسکرا کر بات بناتے ہوئے بولے۔

"یہ بھی اچھا ہے جو آپ بار بار مجھے فراز بھائی کہہ کر مخاطب کر رہی ہیں ورنہ محسن کی تو راتوں کی نیند حرام ہو جاتی۔"

"میں اب بھی اس وقت چین سے نہ بیٹھوں گا جب تک آپ دونوں کے بارے میں مکمل چھان بین نہ کر لوں۔" محسن نے سنجیدگی سے کہا۔ "بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ آپ دونوں کا ذاتی مچلکہ بھی بھروا لیا جائے۔"

"یہ غلط بات ہے محسن بھائی!" ناہید نے شازیہ کی حمایت لیتے ہوئے کہا۔ "آپ میری سہیلی پر بلاوجہ شک نہیں کر سکتے۔"

"خیر..... آپ کہتی ہیں تو ضابطہ کی کارروائی سے دستبردار ہو سکتا ہوں۔" محسن بولے لیکن انداز کچھ ایسا ہی تھا کہ شازیہ بھی مسکرائے بغیر نہ رہ سکی۔

عبدل نے چائے کی ٹرے میز پر لا کر رکھی تو ناہید چائے بنانے میں مصروف ہو گئی۔ محسن اور فراز کے درمیان پرانی باتیں چھڑ گئی تھیں' شازیہ نے اپنی کرسی ناہید کے قریب کرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"کیا فراز نے تمہیں نہیں پہچانا۔"

"شازیہ کی بچی ..... خدا کے لئے اپنی زبان بند ہی رکھ۔" ناہید نے دبی زبان میں جواب دیا پھر چائے بنا کر سب کو دینے لگی۔

"کیا کھانا کھلانے کا ارادہ نہیں ہے ناہید بہن!" محسن نے چائے کا کپ لیتے ہوئے پوچھا۔ "سچ کہہ رہا ہوں' بھوک کی شدت سے بُرا حال ہو رہا ہے۔"

"آپ فی الحال چائے پئیں محسن بھائی! میں یوں بھی آپ لوگوں کو کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دوں گی۔" ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"گویا ابھی تک آپ کی پرانی ندیدے پن کی عادت نہیں گئی۔" فراز نے محسن سے کہا تو وہ بگڑ کر بولے۔

"تم چپ رہو جی' یہ بھائی بہن کا پرسنل معاملہ ہے۔"

"لیکن ابھی تو راستے میں بھی آپ نے سینڈوچز وغیرہ کھائے تھے۔" شازیہ بولی۔

"کیا ابھی اور گنجائش باقی ہے۔"

"اوّل تو بھائی کے دل میں بہن کے لئے ہمیشہ گنجائش باقی رہتی ہے' دوسرے یہ کہ اس فراز کے بچے نے اس قدر زور شور سے دھینگا مشتی کی ہے کہ سب کھایا پیا ہضم ہو گیا۔"

"میرا خیال ہے شازیہ بہن کہ آپ نے پوری طرح دیکھ بھال کر شادی نہیں کی۔" فراز نے شازیہ سے کہا۔ "کس مفت خورے کے پلے پڑ گئیں۔"

"کیا کروں فراز بھائی! اب تو تقدیر کا لکھا بہرحال بھگتنا پڑے گا۔" شازیہ بڑی شوخی سے سرد آہ بھر کر بولی۔

"آپ لوگ بڑے شوق سے میرے اوپر جو چاہیں تبصرہ کرتے رہیں' میں کھانے پینے کے معاملات میں کسی کے کہنے سننے کا بُرا نہیں مانتا۔" محسن نے اس قدر سادگی اور سنجیدگی سے یہ بات کہی تھی کہ سب ہی بے اختیار ہنس دیئے۔

پھر حقیقتاً محسن رات کو آٹھ بجے کھانا کھانے کے بعد ہی رخصت ہوئے تھے۔ جاتے جاتے شازیہ نے ایک بار پھر ناہید کو فراز کے سلسلے میں چھیڑنے کی کوشش کی لیکن ناہید نے جواب میں اس زور سے چٹکی بھری کہ شازیہ تلملا کر رہ گئی۔ فراز اور ناہید ان دونوں کو گیٹ تک خدا حافظ کہنے آئے تھے۔ جب محسن اور شازیہ چلے گئے تو فراز نے نظر اٹھا کر ناہید کو دیکھا اور ناہید فراز کی آنکھوں میں چھلکنے والی اداسی دیکھ کر نہ جانے کیوں دل ہی دل میں سہم گئی لیکن اُس نے جلد ہی خود کو سنبھالا اور تیز تیز قدم اٹھاتی اپنے کمرے میں آ گئی۔ منصور ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔

☆======☆======☆

خوابگاہ میں ہلکے نیلے رنگ کی روشنی بڑی ہی خوابناک رہی تھی۔

فراز اپنے بستر پر دراز تھے' بکھرے بکھرے بال ان کی کشادہ پیشانی کے حُسن میں چار چاند لگا رہے تھے۔ دھاری دار سلیپنگ سوٹ میں بھی اُن کی شخصیت کا نکھار صاف نظر آ رہا تھا لیکن خلافِ توقع اس وقت اُن کی آنکھوں میں وہ شوخی اور شرارت نظر نہیں آ رہی تھی جس نے انہیں اپنے دوستوں میں' عزیزداروں میں اور ملازمین تک میں بے حد مقبول کر رکھا تھا۔ وہ بہت ہر دلعزیز سمجھے جاتے تھے' جس محفل میں بیٹھ جاتے وہ اُن کی شگفتہ باتوں' برجستہ جملوں اور لطافت و ظرافت سے بھرپور باتوں سے زعفرانِ زار بن جاتی تھی۔

فراز بے حد ذہین اور لائق تھے' بڑے بھائی اور ماں کے احترام میں انہوں نے کبھی

کسی کوتاہی سے کام نہیں لیا تھا۔ منصور سے عمر میں چھوٹے تھے اس لئے منصور بھی اُن سے بے حد پیار کرتے تھے اور بیگم سجاد تو فراز کی باتوں اور معصوم معصوم حرکتوں کی وجہ سے ابھی تک اُسے بچہ ہی سمجھتی تھیں اور منصور کے مقابلے میں اُن سے زیادہ لاڈ کرتی تھیں اور اس کی کسی بات سے کبھی انکار نہیں کرتی تھیں۔ فراز بھی ماں کو خوش رکھنے کے لئے بطور خاص اُن کی موجودگی میں بڑی بھولی بھولی باتیں کرتے' بالکل بچوں کی طرح کبھی روٹھ جاتے لیکن دوسرے ہی لمحے قہقہے بکھیرنے لگتے تھے۔

باپ کے انتقال کے بعد وہ کسی قیمت پر ماں کو چھوڑ کر امریکہ نہیں جانا چاہتے تھے لیکن بڑے بھائی کے بار بار کے اصرار اور ماں کی خوشی کی خاطر انہوں نے گھر سے اس عارضی مگر طویل دوری کو بھی برداشت کر لیا تھا۔ انہیں اپنے مستقبل کے ساتھ ساتھ اپنے فرائض کا بھی بہت زیادہ احساس تھا اور اسی احساس نے انہیں زندگی کے ہر موڑ اور ہر راستے پر ثابت قدم رکھا' اُن کے قدم کبھی ڈگمگانے نہیں پائے تھے۔ وہ ہر ایک سے نہایت اپنائیت اور محبت سے پیش آتے مگر ایک حد سے کبھی آگے نہیں بڑھتے تھے۔

الٰہ آباد میں کالج کی تعلیم سے لے کر امریکہ میں انجینئرنگ کا اعلیٰ کورس مکمل کرنے تک اُن کی راہ میں سینکڑوں لڑکیاں آئی تھیں لیکن فراز نے ان کو کبھی خود سے قریب نہیں ہونے دیا تھا' وہ ان لڑکیوں سے بھی نہایت بے تکلفی سے گفتگو کرتے' زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں کھل کر بحث کرتے مگر کبھی انہوں نے اپنی ذات کو کسی اسکینڈل کا ہدف نہیں بننے دیا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ کچھ لڑکیوں نے ان کو اپنے دل میں بسا لیا' اُن سے کھل کر محبت کرنے کی کوشش کی لیکن جب انہیں مایوسی ہوئی اور اُن کے خواب فراز کی ٹھوس شخصیت سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہوئے تو انہوں نے اُسے الٹے سیدھے خطابات سے نوازنا شروع کر دیا' اُسے لڑکیوں کے گروپ میں خود سر' بددماغ بگلا بھگت' خبیث صورت شیطان اور نہ جانے کون کون سے ناموں سے یاد کیا تھا۔ انہیں اپنے دوستو کا یقین تھا یہ ایک ایک بات کی اطلاع ملتی رہتی لیکن وہ ان باتوں پر خفا ہونے یا چڑچڑاہٹ کا مظاہرہ کرنے کے بجائے ہمیشہ ایک لاپرواہ سا تبسم اپنے چہرے پر سجا لیتے اور اپنے مخالف گروپ کے درمیان سے یوں بے نیاز ہو کر گزر جاتے جیسے انہیں کوئی اہمیت دینا وہ اپنے لئے کسرِ شان سمجھتے ہوں۔

امریکہ کے آزاد ماحول میں بھی کچھ لڑکیوں نے فراز کی شخصیت اور مردانہ وقار سے متاثر ہو کر اُس کے قریب آنے کی کوشش کی تھی لیکن فراز نے ان مصنوعی چہروں پر کبھی

کوئی توجہ نہیں دی۔ وہ جانتے تھے کہ مغرب کی آزاد فضا میں پروان چڑھنے والی لڑکیاں کس قدر نڈر اور بیباک ہوتی ہیں' اُن کے ہاں محبت کا تصور روحوں کے ملاپ سے تعبیر نہیں کیا جاتا۔ وہ دل کی اتھاہ گہرائیوں میں محبوب کے تصور کو سجا کر اُس کی پرستش کرنے کی قائل نہیں ہوتیں' وہ تو بس جسموں کے ملاپ کو محبت کی معراج سمجھتی ہیں۔ سمندر کی ان لہروں کی مانند جو طوفان آ جانے پر کچھ لمحوں کے لئے سرکش ہو جاتی ہیں' ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں پھر طوفان کا زور ٹوٹ جانے کے بعد ساکت ہو جاتی ہیں اور کسی دوسرے طوفان کے انتظار میں آوارہ بھٹکتی رہتی ہیں۔ فراز اگر چاہتے تو ان جسموں سے ٹکرا سکتے تھے لیکن وہ زندگی کو اپنے اوپر ایک فرض سمجھنے کے عادی تھے جس کی ادائیگی کے احساس نے انہیں دنیا کی تمام جھوٹی خوشیوں اور عارضی باتوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ وہ اس امانت میں خیانت نہیں کرنا چاہتے تھے جو والدین نے مشرقی تربیت کی شکل میں ان کے پاس محفوظ کرا دی تھی لیکن

فراز بھی انسان تھے۔

اُن کے سینے کی گہرائیوں میں بھی ایک دل دھڑکتا رہتا تھا۔

اور اس میں والدین کی اعلیٰ تربیت کا وہ نقش بھی موجود تھا جس نے انہیں ہر شخص کے ساتھ محبت کرنے کی تعلیم دی تھی۔

محبت' جو صرف پاکیزگی کا نام ہے۔

محبت' جسے یقین بھی کہتے ہیں۔

عبادت بھی تب تک بغیر تشنہ رہ جاتی ہے۔

اور.....

فراز کے سینے کی اتھاہ گہرائیوں میں بھی ایک ایسے محبوب کا تصور موجود تھا جس نے زندگی کے ایک موڑ پر حقیقت کا روپ دھار لیا تھا اور فراز نے اس حقیقت کو اپنے دل کے نہاں خانوں میں سجا رکھا تھا' دل ہی دل میں وہ پانچ سال تک اس کی نکھار صاف کرتے رہے' ایک لمحے کو بھی اس سے غافل نہیں ہوئے' اس نقش کو کبھی دھندلا نہیں ہونے دیا جس نے انہیں زندگی کی مسرتوں سے ہمکنار کیا تھا۔ وقت اور ماحول کی تبدیلیاں بھی اس نقش پر اثر انداز نہ ہو سکیں۔

وہ جانتے تھے کہ اُن کی محبت یکطرفہ ہے' انہوں نے اپنے محبوب سے کبھی کھل کر بات بھی نہیں کی تھی' انہیں تو اس بات کی خبر بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس حسین' معصوم

اور بھولی بھالی صورت نے کب اُن کے دل پر شبخون مارا تھا اور کب ان کی آنکھوں سے اتر کر دل کی گہرائیوں تک پہنچ گئی تھی لیکن جب وہ چونکے تو بات ان کے اختیار سے باہر ہو چکی تھی۔ وہ ان کی روح کی گہرائیوں میں' ان کے انگ انگ میں پھولوں کی خوشبو بن کر بس گئی تھی۔ حالات نے انہیں وقتی طور پر اس سے دور کر دیا تھا لیکن فراز کو یقین تھا کہ اگر اُن کی محبت سچی ہے تو زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر وہ ضرور ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے۔ اُن کا ایمان تھا کہ محبت اگر سچی ہو' اس میں پاکیزگی ہو تو وہ کبھی فنا نہیں ہو سکتی' سچے دل سے عبادت کی جائے تو خدا بھی محبوب بن جاتا ہے اور وہ اسی یقین کے ساتھ اس حقیقت کی جستجو کرتے رہے۔ پانچ سال تک اسے دل کی گہرائیوں میں چھپائے رکھا' اس کی یاد' اس کی مسکراہٹوں کو' نگاہوں کے اس حسین تصادم کو جو صرف ایک بار پیش آیا تھا۔ پھر وہ حیا بار پلکیں جھک گئی تھیں' چہرے کی معصومیت اور پاکیزگی پر شفق کی سرخیاں نچھاور ہونے لگی تھیں۔ کیسا حسین انداز تھا اُس کے شرمانے کا جس کے تصور نے فراز کے دل کو گھائل کر دیا تھا۔ پھر

ایک ایک کر کے زندگی کے پانچ سال بیت گئے لیکن اس طویل مدت میں فراز کو کوئی ایک صورت بھی تو ایسی نظر نہیں آئی جو پاسنگ ہو سکتی' وہ صرف اُس کے نام سے واقف تھے ..... وہ کون تھی ..... کیا تھی ..... کہاں رہتی تھی' فراز نے قبل از وقت ان باتوں کا سراغ لگانے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن جب وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے امریکہ سے واپس ہو رہے تھے تو انہوں نے طے کر لیا تھا کہ وہ وطن پہنچتے ہی اس کا سراغ ضرور لگائیں گے اور پھر ماں کے سامنے دست سوال پھیلا کر اُن سے اپنی مسرتوں کی بھیک طلب کریں گے۔ انہیں یقین تھا کہ ماں جس نے ہمیشہ اُن کی خوشیوں کا خیال رکھا تھا' جس نے انہیں محبت کرنا سکھایا تھا' انہیں مایوس نہیں کرے گی اور پھر ہوائی سفر کے دوران بھی وہ اسی حسین تصور سے دل بہلاتے رہے۔ نہ جانے کیوں انہیں اپنے اوپر اعتماد تھا' اپنی پرستش کا یقین تھا اور قوی امید تھی کہ وہ اپنی اس منزل کو پا لیں گے جس کے پہلے ہی سنگِ میل پر "خوابوں کا شہزادہ" کا خطاب کندہ تھا۔

اور.....

فراز کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچی تھی۔

اُن کے یقین نے انہیں دھوکہ نہیں دیا تھا۔

اُن کی امیدیں بار آور ثابت ہوئی تھیں ..... لیکن

رنگ بکھر چکے تھے.....

جس حسین تصور کو انہوں نے ایک طویل عرصے سے اپنے وجود کا جزو بنا رکھا تھا اُسے تلاش کرنے میں فراز کو کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا' کوئی تگ و دو نہیں کرنا پڑی' جن مسرتوں کو انہوں نے زندگی کی دشوار گزار راہوں پر تلاش کرنے کے لئے دل میں ٹھانی تھی وہ اُن کے اپنے ہی گھر میں ..... ناہید کی صورت میں موجود تھی لیکن حالات نے رشتے کی نوعیت بدل دی تھی ..... اب وہ اُس کے بڑے بھائی کی بیوی تھی' اُس کے اپنے گھرانے اور اپنے خاندان کی عزت تھی اور حالات کی اس نئی کروٹ اور تصویر کے اس دوسرے رخ نے فراز کے ذہن کو بُری طرح الجھا دیا تھا۔

اس وقت بھی وہ اپنے بستر پر لیٹے اپنے دل کو ٹٹولنے سے مصروف تھے' وقت کی نزاکتوں کے احساس نے انہیں محتاط رہنے پر مجبور کر دیا تھا' ناہید کی یاد کو دل کی گہرائیوں سے اتنی جلدی کھرچ ڈالنا اُن کے بس کی بات نہیں تھی۔ ناہید اور اپنے مستقبل کے بارے میں تو وہ پانچ سال سے سوچتے چلے آ رہے تھے۔ جانے کیسے خوبصورت محل ذہن میں تعمیر کر رکھے تھے اور خوابوں کی ایک جنت آراستہ کر رکھی تھی جہاں اپنے اور ناہید کے سوا آج تک انہوں نے کسی تیسرے وجود کا خیال ہی اپنے قریب نہیں آنے دیا تھا لیکن حالات کی ایک ہی کروٹ اور وقت کے ایک ہی جھٹکے نے ان تمام تصورات کو روند کر پامال کر ڈالا تھا' خوابوں کے دوش پر تعمیر کئے ہوئے سارے حسین محل مسمار ہو گئے تھے اور جنت' دوزخ کا روپ اختیار کر چکی تھی۔ ان باتوں' ان یادوں کو چند لمحوں میں بھلا کیسے بھلایا جا سکتا تھا..... لیکن

فراز بھی سمجھ رہے تھے کہ اگر انہوں نے احتیاط سے کام نہ لیا اور اپنے دل کی دھڑکنوں کو خود اپنے ہی ہاتھوں نہ قابو کیا تو اس کا انجام بڑا بھیانک ثابت ہو گا' خوابوں کے ساتھ ساتھ حقیقتوں کا وجود بھی طوفان کی زد میں آ جائے گا اور خاندانی وقار اور گھر کی خوشیاں بھی اس طوفان کی شدتوں میں خس و خاشاک کی طرح بکھر جائیں گی۔ ایسی دھول اڑے گی کہ چہروں کی شناخت بھی دشوار ہو جائے گی اور فراز اس تصور ہی سے کانپ اٹھے پھر انہوں نے طے کر لیا کہ وہ اپنی امیدوں کا گلا خود اپنے ہی ہاتھوں گھونٹ لیں گے' گھر کی خوشیوں کو ہمیشہ قائم و دائم رکھیں گے اور بڑے بھائی کی بیوی ہونے کے ناطے سے ناہید کے احترام میں کوئی فرق نہیں آنے دیں گے' رشتے کے اعتبار سے وہ ناہید سے ہنسیں بولیں گے' زندگی کے ہنگاموں میں کوئی ایسا فرق نہیں آنے دیں گے جو اُن کے دل کے

بھید کو دوسروں پر آشکار کر سکے ..... اور

جو کچھ ہوا تھا اُس میں ناہید کا بھلا کیا قصور تھا' اُسے موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا تھا' وہ بے قصور تھی' اُسے بھلا کیا علم تھا کہ کسی نے اُسے اپنے دل میں بسا کر ایک طویل عرصے تک اُس کی پرستش کی ہے ..... اور ..... اگر اُسے ان باتوں کا علم ہوتا تو بھی اُسے حالات کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا تھا اس لئے کہ وہ لڑکی تھی' اُس کی تربیت مشرقی گھرانے اور ماحول میں مشرقی انداز میں ہوئی تھی جہاں لڑکیاں والدین کے حکم کے خلاف زبان کھولنے کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ بے زبان جانوروں کی طرح جس کے ساتھ ہانک دیا جاتا ہے اُسی کے ساتھ زندگی گزار دیتی ہیں۔

اور محبت جسموں کے ملاپ کا نام بھی تو نہیں۔

محبت تو دل کی ان لطیف دھڑکنوں کا نام ہے جو محض دل کی گہرائیوں تک محدود رہے تو پاس نہیں آتی ہے ..... لیکن

زبان تک آ جائے تو خودغرضی بن جاتی ہے۔

محبت کا مفہوم تو فنا ہو جانا ہے۔

اور فراز نے طے کر لیا کہ وہ بھی فنا ہو جائے گا لیکن ناہید کی عظمتوں اور اُس کی پاکیزگی کو کبھی رسوا نہیں ہونے دے گا۔ رہا پرستش کا معاملہ تو ..... پرستش گناہ نہیں عبادت ہے بشرطیکہ آلودگیوں سے پاک ہو اور شاید یہی وجہ تھی جو فراز نے ناہید کو بھابی کے نام سے ابھی تک خطاب نہیں کیا تھا لیکن وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ اُس نے ان رنگوں کو ضرور بدل دیا تھا جنہوں نے اُس کے محبت کے خاکوں کو زندگی بخشی تھی۔ اُس نے اس زندگی کو ایک نیا اور خوبصورت موڑ دے دیا تھا اور پھر جیسے اُس کے ذہن کا سارا بوجھ' دل کی تمام خلش دور ہو گئی۔

فراز نے اٹھ کر سرہانے رکھے ہوئے جگ سے پانی نکال کر پیا۔ ایک طویل انگڑائی لی پھر بڑے سکون سے لیٹ کر ریشمی دلائی کمر تک کھینچی اور آنکھیں بند کر لیں ..... اُن کے ذہن کا غبار ہلکا ہوا تو نیند نے بڑھ کر انہیں اپنی آغوش میں لے لیا اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے ..... لیکن

اسی حسین اور پُرشکوہ عمارت میں ..... اسی چھت کے نیچے ایک دوسرے کمرے میں ناہید ابھی تک جاگ رہی تھی اس لئے کہ منصور ابھی تک واپس نہیں آئے تھے اور اس لئے بھی کہ وہ فراز کی شوخ اور خوبصورت آنکھوں میں اچانک ابھرنے والی اداسی دیکھ

کر مضطرب ہو گئی تھی' اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کی زندگی میں پھر کوئی طوفان آنے والا ہے ..... ایسا طوفان جو اُس کی عارضی اور مصنوعی خوشیوں کو بھی ملیامیٹ کر دے گا اور پھر ..... پھر شاید سب کچھ فنا ہو جائے گا اور ناہید اس تصور ہی سے لرز اٹھی' اُس کا نازک اور حسین وجود یوں کانپنے لگا جیسے خزاں کی یورشوں نے کسی معصوم اور مہکتے پودے کو پامال کرنے کی ٹھان لی ہو۔ پھر اُس نے سہمے سہمے انداز میں ماضی کے دریچوں میں جھانکا۔

پانچ سال پہلے اُس نے کالج میں پہلی بار فراز کو دیکھا تھا' فراز بے حد ذہین' حاضر جواب اور سادہ طبیعت کا مالک تھا۔ شاید اسی لئے اپنے ہم جماعت طالب علموں میں بہت جلدی مقبول ہو گیا تھا۔ اُس کے چہرے پر ہر وقت معصوم اور شوخ سی مسکراہٹ کھیلا کرتی۔ وہ سب ہی سے ملنساری سے پیش آتا لیکن کبھی کسی سے بہت زیادہ بے تکلف اور قریب ہونے کی کوشش نہیں کرتا۔ اُس کی شخصیت بڑی پُرکشش تھی۔ اپنے سمی بے حد خوبصورت اور جامہ زیب۔ ہر رنگ اور ہر ڈھنگ میں بڑا پُروقار لگتا تھا اور مردانہ وجاہت تو اُس کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اُس کی ہم جماعت لڑکیوں نے فراز کو جانے کیسے کیسے خطاب دے رکھے تھے اور لڑکیوں کے گروپ میں تو ہر وقت اسی کے چرچے ہوا کرتے تھے۔ کوئی اُس کا نام لے کر ٹھنڈی آہیں بھرتی تو کوئی اُسے یاد کر کے خوابوں کی وادیوں میں کھو جاتی۔ فراز جس لڑکی سے مسکرا کر بات کر لیتا اُس کی راتوں کی نیندیں حرام ہو جاتیں اور جسے دیکھ کر وہ سنجیدگی سے نظریں جھکائے گزر جاتا وہ اُسے بدنام کرنے کے لئے پنجے جھاڑ کر اُس کے پیچھے پڑ جایا کرتی تھی لیکن اس کے باوجود فراز کی شخصیت نے کبھی کسی مخالفت یا اپنائیت کے اظہار کا کوئی اثر قبول نہیں کیا تھا۔ دوسری لڑکیوں کی طرح شازیہ نے بھی ایک بار فراز کی آہنی شخصیت کو موم بنانے کی کوشش کی تھی لیکن خود ہی نکو بن کر رہ گئی تھی پھر اُس نے ناہید سے کہا تھا۔

"یہ فراز اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھتا ہے۔"

"کیوں ..... کیا ہوا؟" ناہید نے شازیہ سے یوں ہی بر سبیل تذکرہ پوچھ لیا۔

"خدا نے ذرا صورت کیا ڈھنگ کی عطا کر دی ہے کہ زمین پر پاؤں ہی نہیں دھرتا' خود کو لاٹ صاحب کا بچہ سمجھتا ہے۔" شازیہ کے لہجے میں چڑچڑاہٹ تھی۔

"اپنا اپنا خیال ہے۔" ناہید نے محض اُسے چھیڑنے کی خاطر کہا۔ "مجھے تو فراز خوابوں کا شہزادہ لگتا ہے۔"

"اور میں اُسے اپنی جوتی کی خاک کے برابر بھی نہیں سمجھتی۔" شازیہ جل کر بولی تھی۔ "خود کو بڑا بگلا بھگت سمجھتا ہے۔"

اور ناہید شازیہ کی جھلاہٹ پر مسکرا کر خاموش ہو گئی تھی لیکن دوسرے ہی دن شازیہ نے لڑکیوں میں یہ بات مشہور کر دی تھی کہ ناہید نے فراز کو خوابوں کا شہزادہ کا خطاب دیا ہے اور لڑکیاں اس بُری طرح پنجے جھاڑ کر اُس کے پیچھے پڑ گئی تھیں کہ اُسے جان بچانا مشکل ہو گئی تھی۔ اُس نے بڑی مشکل سے لڑکیوں کو اس بات کا یقین دلایا تھا کہ اُس نے وہ خطاب محض شازیہ کو تنگ کرنے کے لئے دیا تھا اور یہ حقیقت بھی تھی کہ ناہید نے صرف شازیہ کو جلانے کے لئے سطحی طور پر ایک بات کہہ دی تھی لیکن بعد میں وہ اس خیال سے بے حد محتاط ہو گئی تھی کہ کہیں اُس کے بارے میں کوئی اسکینڈل کھڑا نہ ہو جائے۔

کلاس میں صرف ایک بار یونہی اتفاقاً اُس کی اور فراز کی نگاہوں کا تصادم ہو گیا تھا' اُس نے فراز کی شوخ آنکھوں میں محبت کے سوتے پھوٹتے دیکھے تو جلدی سے گھبرا کر اپنی توجہ پروفیسر کی جانب مبذول کر لی تھی اور پھر ایف اے کے امتحان کے بعد کالج دوبارہ کھلا تو فراز نے داخلہ نہیں لیا تھا۔ شاید اُس نے کسی اور کالج میں داخلہ لے لیا تھا یا شاید تعلیم ترک کر دی تھی۔ لڑکیوں میں اس کے تذکرے کچھ روز جاری رہے پھر ختم ہو گئے۔ ناہید نے تو فراز کی غیر موجودگی میں خدا کا شکر ادا کیا لیکن نہ جانے کیوں کبھی کبھی فراز کا تصور اُس کے ذہن میں کسی بھولے بسرے خواب کی طرح ابھر آتا تھا اور ایسے موقعوں پر وہ خود ہی اپنی نظروں میں حُور بن جاتی تھی۔ وہ اس جذبے کو کوئی خوبصورت سا نام بھی نہیں دے سکتی تھی شاید اس لئے کہ اس کی تربیت خالص مشرقی انداز میں ہوئی تھی جہاں کسی غیر مرد کا تصور بھی گناہ سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا ناہید نے بھی فراز کے تصور کو اپنے دل سے نکال دیا تھا۔ لیکن.....

پانچ سال بعد — آج پھر اچانک فراز اُس کی زندگی میں دوبارہ داخل ہو گیا تھا۔ ناہید نے اُسے دیکھ کر سوچا تھا کہ شاید وہ کالج کے زمانہ کی باتیں بھول چکا ہو گا لیکن اُسے تو ایک ایک بات یاد تھی — پہلی نظر میں وہ بھی فراز کو نہیں پہچان سکی تھی لیکن جب فراز نے ماں کے سامنے خوابوں کا شہزادہ والے خطاب کا حوالہ دیا تو اُس کا دل دھک سے رہ گیا۔ اُسے فراز کی نگاہوں میں اپنے لئے بھرپور محبت نظر آئی تو وہ کانپ کانپ اٹھی۔ اُس نے طے کر لیا تھا کہ وہ ہمیشہ فراز کی موجودگی میں خود کو اجنبیت کا شکار بنائے رہے گی

لیکن شازیہ کی آمد نے اُس کے سکون میں پھر ہلچل مچا دی تھی اور پھر جب اُس نے محسن اور شازیہ کے جانے کے بعد فراز کی نگاہوں میں ابھرنے والی اداسی کا مفہوم پڑھا تو وہ سر تا پا سہم کر رہ گئی۔ نظریں جھکائے تیز تیز قدم اٹھائی اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔

فراز کی نگاہوں کی اداسی نے اسے بہت کچھ سوچنے اور سمجھنے پر مجبور کر دیا تھا' وہ آنے والے لمحات کے تصور سے خوفزدہ ہو رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر کہیں گھر والوں کو بھی اس کی بھنک مل گئی تو کیا ہو گا؟ —— حالات کی ستم ظریفیوں نے اُسے زندگی کی پیچیدہ شاہراہوں کی ایک ایسی موڑ پر لا کھڑا کیا تھا جہاں ایک معمولی سی لغزش بھی اُس کے حال اور مستقبل دونوں کو تباہ کر سکتی تھیں ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ فراز کو یکسر نظرانداز کر دیتی۔ رشتے کی نوعیت بھی تو انتہائی نازک تھی ..... دیور کے ناطے سے فراز کو اُس کے ساتھ مذاق کرنے کا حق حاصل تھا لیکن یہی مذاق ایک دن طوفان کی شکل بھی اختیار کر سکتا تھا اور ناہید کو اپنے ناکردہ گناہوں کی سزا بھگتنے پر بھی مجبور کر سکتا تھا —— پھر ..... وہ کیا کرے؟ ..... اُسے کیا کرنا چاہئے ..... کیا اب بھی وہ فراز کے لئے اپنی شخصیت پر اجنبیت کا خول چڑھائے رکھے ..... کیا فراز کی باتوں کو اپنی ہنسی میں اڑاتی رہے۔

ناہید نے ڈرتے ڈرتے اپنے دل کی معصوم گہرائیوں کو ٹٹولا تو ایک بار پھر کانپ اٹھی —— دل کے ویران کھنڈرات میں اڑتی ہوئی دھول سے ایک نقش آہستہ آہستہ ابھر رہا تھا اور یہ نقش فراز کے سوا کسی اور کا نہیں تھا —— وہ لرز اٹھی' اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں' اُسے خود اپنے آپ پر غصہ آنے لگا' اُس نے اپنے ذہن کو کریدا۔ وہاں تو فراز کی یاد کا ایک ہلکا سا تصور' کوئی دھندلا سا تصور بھی نہیں تھا پھر وہ دل کی گہرائیوں میں کیوں موجود تھا؟

اور ابھی ناہید اپنے دل و دماغ کی کشمکش میں مبتلا تھی کہ دروازے پر ایک مانوس دستک کی آواز سن کر یوں چونک اٹھی جیسے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لی گئی ہو' اُس نے جلدی سے اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پایا' دوپٹے کے آنچل سے پیشانی پر ابھر آنے والے پسینے کے شبنمی قطروں کو صاف کیا پھر قدم جماتی دروازے کے قریب آ کر چٹخنی کھولی تو منصور سامنے کھڑے تھے۔

"آج تو بڑی دیر کر دی آپ نے۔" اُس نے منصور کے چہرے پر نظر آنے والی پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ "سب خیریت تو ہے۔"

"ہوں۔" منصور نے بے نیازی سے خشک لہجے میں جواب دیا پھر اُس کے برابر سے کترا کر آگے بڑھے اور لباس تبدیل کرنے کی خاطر باتھ روم میں چلے گئے۔ وہ مسہری کے قریب کھڑی ان کا انتظار کرتی رہی' منصور کپڑے تبدیل کر کے باتھ روم سے نکلے تو اُس نے بڑی اپنائیت سے پوچھا۔

"کھانا گرم کروں۔"

"جی نہیں۔" منصور نے تلخ لہجے میں جواب دیا پھر روشنیاں گل کر کے مسہری پر لیٹ گئے۔

اُن کے لہجے میں تلوار کی سی کاٹ موجود تھی' ناہید نے اپنے ہونٹ دانتوں تلے دبا لئے۔ ایک نظر منصور کے چہرے پر ڈالی جو حسب دستور مسہری کے ایک کونے پر اُس کی طرف سے منہ موڑے لیٹے تھے۔ ناہید نے اپنے ہونٹوں کو دانتوں کی گرفت سے آزاد کر دیا۔ ایک پھیکی سی مسکراہٹ نے اُس کے کپکپاتے ہونٹوں پر مچل کر دم توڑ دیا۔ تھکے تھکے انداز میں وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے بڑھی اور آہستہ سے مسہری کے دوسرے کونے پر دراز ہو گئی۔

☆------☆------☆

فراز آج صبح ہی سے گھر پر موجود نہیں تھے۔

ناہید دن میں کئی بار فراز کے بارے میں سوچ چکی تھی' جب سے وہ امریکہ سے واپس آئے تھے اُن کا بیشتر وقت گھر پر ہی گزرا تھا' اگر کہیں جاتے بھی تو گھنٹے دو گھنٹے میں واپس آ جاتے تھے لیکن آج وہ ناشتہ کرنے کے بعد ہی کہیں چلے گئے' دوپہر کو کھانے پر نہیں تھے اور ناہید سوچ رہی تھی کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ فراز نے بھی کل کی بات کو محسوس کر لیا ہو اور خود کو اس سے دور رکھنے کے لئے گھر سے چلے گئے ہوں لیکن آخر یہ دوری کب تک برقرار رکھی جا سکے گی۔ کیا بیگم سجاد اور منصور کو اس بات کا احساس نہیں ہو گا کہ فراز میں اچانک یہ تبدیل کیوں رونما ہوئی ہے۔ نہ جانے وہ فراز کی اس تبدیلی کے بارے میں کیا سوچیں۔ اگر انہیں علم ہو گیا کہ فراز اُس کی وجہ سے گھر سے باہر رہنے لگے ہیں تو کیا ہو گا؟

ساس کو شام کی چائے دینے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ کر منصور کے کپڑوں کی الماری ٹھیک کرنے میں مصروف ہو گئی لیکن اُس کا معصوم ذہن برابر فراز کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ حالات نے اچانک جو صورت اختیار کر لی تھی اُس نے ناہید کے عارضی

سکون کو بھی متزلزل کر دیا تھا۔ وہ تو اس گھر میں خود بھی اجنبیوں کی طرح رہ رہی تھی اور منصور سے اپنی محبت کا بھرم قائم رکھنے کے لئے زبردستی اپنے ہونٹوں پر ہر وقت تبسم سجائے رکھتی تھی۔ گھر والوں کو بھلا کیا علم تھا کہ تنہائی میں اُسے منصور کے خشک لہجے اور اُن کی زہریلی باتوں سے کتنی اذیتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ وہ تو خود اپنے ناتواں شانوں پر اپنی حسرتوں کا جنازہ اس طرح اٹھائے پھر رہی تھی کہ دیکھنے والے امنگوں کے تابوت کو بھی خوشیوں کا گہوارہ سمجھ رہے تھے۔

ناہید نے بڑے عزم اور نہایت حوصلے کے ساتھ مہربلب رہ کر زندگی کے اس بھرم کو آخری سانسوں تک قائم رکھنے کا فیصلہ کیا تھا جو اندر سے بالکل کھوکھلا تھا' اُس کے ہونٹوں پر ابھرنے والی ہر مسکراہٹ عارضی اور مصنوعی ہوتی تھی۔ ان مسکراہٹوں کے پیچھے کتنی آہیں' کتنے زخم پوشیدہ تھے' یہ اُس کے سوا کسی اور کو نہیں معلوم تھا۔ اُس نے خود کو زخم کھانے اور غموں کو مسکرا کر برداشت کر لینے کا عادی بنا لیا تھا۔ وہ اپنے والدین اور بیگم سجاد کے گھرانے کی عزت اور وقار کو سربلند رکھنے کے لئے خود قربان ہو رہی تھی۔ اندر ہی اندر گیلی لکڑی کی طرح سلگتی رہتی لیکن اس طرح کہ دھواں نہ اٹھنے پائے۔ پھر رفتہ رفتہ اُس نے خود کو ان باتوں کا عادی بنا لیا۔ رنج و غم سہنے کی خوگر ہو گئی تو تڑپ اٹھنے کی شدتوں میں کمی آ گئی تھی۔ اُسے ہر مشکل آسان کر لینے کا ڈھنگ آ گیا تھا اور وہ اسی ڈھنگ سے زندگی گزار دینا چاہتی تھی لیکن فراز کے آ جانے سے حالات نے ایک نیا موڑ اختیار کر لیا تھا اور اس نئے موڑ پر پہنچ کر وہ ایک نئی کشمکش سے دوچار ہو گئی تھی۔

نہ جانے کیوں اُسے یقین تھا کہ فراز اُس کی خوشیوں کو پامال کرنے کی کوشش نہیں کرے گا لیکن پھر اُس کی شوخ نگاہوں میں ابھرنے آنے والی اداسیوں کا کیا مطلب تھا ـــــ وہ کیوں گھر سے غائب ہو گیا..... آخر کیوں..... وہ کیا چاہتا تھا..... کیا اُسے علم نہیں تھا کہ ناممکن کو ممکن بنانے کی کوشش رائیگاں ہو جائے گی اور اس کوشش میں ان دونوں گھروں کی خوشیاں پامال ہو جائیں گی اور پھر..... اُسے کیا حق تھا کہ وہ ناہید کی خوشیوں کو روند ڈالے..... اُس نے تو فراز کو اپنی زندگی کا ہم سفر بنانے کے سلسلے میں کبھی نہیں سوچا تھا..... اپنے ذہن میں فراز کی یادوں کا سہارا لے کر حسین خوابوں کے کوئی محل تعمیر نہیں کئے تھے..... وہ تو بس زندگی کے اس موڑ پر..... پانچ سال پہلے..... دو اجنبی مسافروں کی طرح ایک دوسرے کے سامنے آئے تھے اور پھر اپنی اپنی منزل کی طرف گامزن ہو گئے تھے..... اُس نے تو کبھی خواب و خیال میں بھی یہ تصور

نہیں کیا تھا کہ اجنبی راستے پھر کسی موڑ پر پہنچ کر ایک دوسرے سے مل جائیں گے.....
اور..... اگر راستے مل بھی گئے تو اس میں اُس کا کیا قصور تھا۔

اور ابھی وہ اپنی سوچوں میں محو تھی کہ شاکر آ گیا' آج کئی دنوں بعد وہ آیا تھا۔ ناہید نے اپنے خیالات کو ذہن سے جھٹک کر مسکراتے ہوئے شاکر کا استقبال کیا۔ کالج میں داخلہ لیتے ہی وہ بڑا سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اب پہلی جیسی شرارتیں نہیں کرتا تھا شاید زندگی کے نشیب و فراز نے اُسے اُس کی ذمہ داریوں سے روشناس کرا دیا تھا۔ کیسی خوشگوار سی تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں اُس کے معصوم سے کردار میں۔

"آؤ شاکر!" اُس نے بڑے پیار سے اٹھ کر بھائی کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ "اتنے دنوں سے کہاں غائب تھے؟"

"پڑھائی میں مصروف تھا آپی!" شاکر نے مسکرا کر کہا۔ "آج وقت نکال کر آپ کی خیریت دریافت کرنے چلا آیا۔"

"امی جان کیسی ہیں' ابا جان کی صحت تو ٹھیک ہے؟" اُس نے اپنے والدین کی خیریت دریافت کی۔ بہت دنوں سے وہ خود بھی تو میکے نہیں گئی تھی۔

"سب لوگ خیریت سے ہیں۔" شاکر نے بہن کے خوبصورت اور آراستہ کمرے پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "امی جان نے بطورِ خاص آپ کی اور دولہا بھائی کی خیریت دریافت کرائی ہے۔"

"ہم لوگ بھی خیریت سے ہیں۔" اُس نے ہونٹوں پر بڑا دل آویز تبسم سجاتے ہوئے جھوٹ بولا۔ "منصور نے تو کئی بار گھر چلنے کو کہا تھا لیکن مصروفیات اس قدر زیادہ ہیں کہ پروگرام بن بن کر بگڑتا رہا۔ امی جان سے کہنا کہ میں دو چار روز میں کسی وقت ضرور آؤں گی۔"

پھر وہ جلدی سے اٹھ کر بھائی کے لئے خود اپنے ہاتھوں سے چائے بنا لائی۔ فریج کھول کر ناشتے کا سامان بھی ٹرے میں سجا دیا اور اپنے گھر کے بارے میں ایک ایک تفصیل دریافت کرتی رہی پھر اچانک اُس نے شاکر سے پوچھا۔

"ان پودوں کا کیا حال ہے جو میں نے لان میں لگائے تھے؟"

"گلاب کے پودوں میں تو کیڑا لگ رہا تھا اس لئے امی جان نے اُسے کٹوا دیا البتہ چمپا' چنبیلی اور رات کی رانی کے پودے ٹھیک ٹھاک ہیں۔" شاکر نے چائے ختم کرتے ہوئے کہا۔ "امی خود اپنے ہاتھوں سے ان پودوں کو پانی دیتی ہیں۔ چنبیلی کی بیل تو خاصی

بڑی ہو گئی ہے۔"

"اچھا۔" ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا پھر گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے بولی۔ "تمہارے کالج کا کیا حال ہے؟"

"وہ بھی ٹھیک ہے۔" شاکر نے کہا۔

"خوب جی لگا کر پڑھنا شاکر!" اُس نے بھائی کو نصیحت کی۔ "اب تعلیم مکمل کر کے گھر کا بوجھ بھی تو تمہیں کو سنبھالنا ہے۔"

"مجھے اس کا پورا احساس ہے آپی!" شاکر نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "خدا نے چاہا تو کالج کے تمام امتحانات میں بھی اوّل آؤں گا۔"

"آمین!" ناہید نے بے اختیار بھائی کو لپٹا لیا' اُس کی آنکھوں کے گوشے خوشی کے احساس سے بھیگنے لگے تھے' اُس نے بڑے والہانہ انداز میں بھائی کی پیشانی چوم لی۔

"اچھا آپی! اب چلتا ہوں۔" شاکر اٹھ کر کھڑا ہوا تو وہ بھی کھڑی ہو گئی۔

"امی جان کو خاص طور پر بتا دینا کہ ہم لوگ بہت خوش ہیں اور خیریت سے ہیں اور دو چار روز میں ضرور بالضرور آئیں گے۔"

"جی اچھا آپی!"

ناہید شاکر کو چھوڑنے گیٹ تک آئی پھر اُسے رخصت کر کے واپس اپنے کمرے کی طرف جا رہی تھی کہ اچانک فراز اپنے کمرے سے نکل کر اُس کے سامنے آ گئے' وہ ٹھٹک کر رک گئی' نہ جانے فراز کب واپس آئے تھے۔ جب وہ بیگم سجاد کو چائے دینے گئی تھی اس وقت تک وہ گھر میں نہیں تھے' شاید ابھی کچھ دیر پہلے آئے ہوں۔ پھر اُس نے کچھ سوچ کر بڑے پُروقار انداز میں پوچھ ہی لیا۔

"یہ آج آپ صبح سے کہاں غائب تھے؟"

"ذرا بھائی جان کے دفتر چلا گیا تھا۔" فراز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اور آج دفتر جانے کے بعد اس راز کا انکشاف بھی ہو گیا کہ بھائی جان دفتری معاملات میں اس قدر دلچسپی کیوں لیتے ہیں۔"

"میں سمجھی نہیں جناب کا مطلب۔" ناہید نے اپنے انداز میں بزرگی کا احساس شامل کرتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے پوچھا۔

"آپ نہ ہی سمجھیں تو زیادہ بہتر ہے۔" فراز کے لہجے میں شوخی تھی۔

"کوئی نئی شرارت سوجھ رہی ہے۔" اُس نے کہا۔

"جی ہاں۔" فراز بولے۔ "لیکن اس شرارت کا وجود بھی میں خود اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں۔"

"بات کیا ہے کچھ معلوم بھی تو ہو۔" اُس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"بڑی خوبصورت بات ہے محترمہ!" فراز نے لاپرواہی سے جواب دیا۔ "اب آپ یہ دریافت کریں گی کہ وہ خوبصورت بات کیا ہے۔"

"قطعاً نہیں پوچھوں گی۔" ناہید نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "امی حضور مجھے جناب کے بارے میں پہلے ہی بہت کچھ بتا چکی ہیں۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر مجھے کیا ضرورت ہے کہ آپ کو یہ بتاؤں کہ بھائی جان نے اپنے دفتر میں ایک نہایت خوبصورت اور بھولی بھالی سی پرسنل سیکرٹری بھی رکھ رکھی ہے اور اس خوبصورت پرسنل سیکرٹری کا نام مس روبینہ ہے۔" فراز نے شوخی سے کہا۔ "اگر اُس کا نام روبینہ کے بجائے کچھ اور بھی ہوتا تو کیا فرق پڑ سکتا تھا' بہرحال میں اتنا ضرور کہوں گا کہ بھائی جان اپنی اس پرسنل سیکرٹری کا بے حد خیال رکھتے ہیں' اس کے لئے باقاعدہ ایک علیحدہ آفس ہے جس میں ائرکنڈیشن وغیرہ قسم کی اور بہت ساری آسائشیں بھی موجود ہیں۔"

"پھر....." ناہید نے فراز کو غور سے گھورتے ہوئے کہا۔ "جناب کو کیا شکایت ہے۔"

"فی الحال تو مجھے کوئی شکایت نہیں البتہ آگ اور پیٹرول کا ساتھ کچھ مناسب نہیں ہے۔" فراز نے بدستور لاپرواہی سے کہا۔ "کبھی کبھی راکھ میں دبی ہوئی کوئی چنگاری بھی شعلوں کو بھڑکا دینے کے لئے کافی ثابت ہوتی ہے۔"

"گویا آپ مجھے اپنے بھائی جان کے خلاف بھڑکانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" ناہید نے کہا۔ "لیکن آپ کو معلوم ہونا چاہئے جناب فراز صاحب کہ ہمارے درمیان ایسی کوئی غلط فہمی کبھی کوئی خلیج پیدا نہیں کر سکتی اس لئے کہ مجھے آپ کے بھائی جان پر مکمل اعتماد ہے۔"

"اور شاید اسی اعتماد نے آپ کو گھر کی چاردیواری کے اندر قید کر رکھا ہے۔" فراز نے یکلخت سنجیدگی اختیار کی تو ایک لمحے کو وہ اندر ہی اندر کانپ اٹھی لیکن دوسرے ہی لمحے اُس نے خود کو فریب دیتے ہوئے نہایت اطمینان سے کہا۔

"عورت اگر مشرقی تہذیب کی پروردہ ہو تو گھر کی چاردیواری کے اندر ہی زیادہ

اچھی معلوم ہوتی ہے۔"

"اگر آپ اسی میں خوش ہیں تو پھر بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" فراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میں بھائی جان کو مشورہ دوں گا کہ پرسنل سیکرٹری کے ساتھ ساتھ وہ ایک خوبصورت سی لیڈی اسٹینو بھی رکھ لیں' اتنے پھیلے ہوئے کاروبار کے لئے بھلا ایک پرسنل سیکرٹری سے کیا کام چلے گا۔"

"بڑے شوق سے مشورہ دیجئے لیکن اس بات سے خاطر جمع رکھیں کہ میں آپ کی باتوں میں آ کر بھڑکوں گی نہیں۔" ناہید بھی مسکراتے ہوئے بولی۔

فراز کچھ جواب دینا چاہتے تھے کہ نجو نے آ کر انہیں بتایا کہ بیگم سجاد انہیں یاد کر رہی ہیں۔ چنانچہ فراز شرارت بھری نظروں سے ناہید کو دیکھتے ہوئے نجو کے ساتھ ماں کے کمرے کی جانب چلے گئے۔ ناہید اپنی جگہ کھڑی فراز کی باتوں پر غور کرتی رہی' ایک لمحے کو تو اُسے گمان ہوا کہ کہیں فراز کو منصور اور اُس کے اندرونی حالات کا علم تو نہیں ہو گیا لیکن پھر اُس نے اس خیال کو ذہن سے نکال دیا۔ ڈیڑھ مہینے میں وہ فراز کی شرارتوں سے بخوبی واقف ہو گئی تھی اس لئے اُس نے فراز کی کہی ہوئی باتوں کا کوئی اثر نہیں لیا اور خود بھی قدم اٹھاتی بیگم سجاد کے کمرے میں آ گئی جہاں فراز بھی موجود تھے اور بڑے بھولے انداز میں ماں سے گفتگو میں مصروف تھے۔ بیگم سجاد نے ناہید کو دیکھا تو بڑے پیار سے اُسے قریب بلا کر اپنے پاس بٹھالیا۔

"امی حضور!" ناہید نے فراز کو گھورتے ہوئے ساس سے کہا۔ "آج فراز اپنے دفتر گئے تھے۔"

"مجھے معلوم ہے ناہید بیٹی!" بیگم سجاد بولیں۔ "ابھی میں بھی اس سے یہی پوچھ رہی تھی کہ آج صبح سے کہاں غائب تھا۔"

"فراز کو اپنے دفتر کا ماحول بہت پسند آ گیا ہے۔" ناہید نے اُسے چھیڑنے کی خاطر کہا۔ "مجھ سے ابھی کہہ رہے تھے کہ کل سے باقاعدہ دفتر جایا کریں گے۔"

"کیوں فراز؟" ماں نے فراز کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"جی ہاں امی حضور! یہ محترمہ درست فرما رہی ہیں۔" فراز نے بڑی معصومیت مگر معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ "جب تک اپنا کوئی علیحدہ بندوبست نہیں ہو جاتا' میں نے سوچا کہ بھائی جان کے دفتر ہی کی مصروفیات پر گزارہ کر لوں۔"

"میری تو یہی خواہش ہے کہ تم بھی اگر منصور کے ساتھ مل کر کام کرو تو زیادہ

مناسب ہو گا۔" بیگم سجاد نے سنجیدگی سے کہا۔ "دونوں بھائی ایک ہی جگہ ہوں گے تو میرے دل کو بھی اطمینان رہے گا۔"

"آپ کا مشورہ نہایت مناسب ہے امی حضور!" ناہید نے ساس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ "یہ حضرت چونکہ ایک طویل مدت کے بعد ابھی تازہ تازہ امریکہ سے واپس آئے ہیں اس لئے کچھ دنوں تک ان کا بڑے بھائی کے زیر نگرانی رہنا اشد ضروری ہے۔"

"امی حضور!" فراز نے مصنوعی سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "آپ سن رہی ہیں کہ یہ محترمہ میرے بارے میں کیا کہہ رہی ہیں۔"

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے میری بیٹی۔" بیگم سجاد نے بہو کی حمایت لیتے ہوئے جواب دیا۔ "بھائی کے ساتھ کچھ دنوں تک مل کر کام کر لو گے تو تمہیں کچھ کاروباری تجربہ حاصل ہو جائے گا۔"

"اور اس بات کا تجربہ بھی ہو جائے گا کہ دفتر میں کام کرنے والے عملے کے ساتھ آدمی کو کس قدر محبت اور اپنائیت سے پیش آنا پڑتا ہے۔" ناہید نے فراز کو دوبارہ چھیڑا۔

"اس کے علاوہ ایک فائدہ یہ بھی ہو گا کہ میں روزانہ شام کو گھر واپس آ کر بھائی جان کی مصروفیات کے بارے میں تفصیلی رپورٹ بھی دیتا رہوں گا۔" فراز نے براہ راست ناہید کو گھورتے ہوئے کہا پھر نہایت سنجیدگی سے بولے۔ "بتا دوں امی حضور کو کہ آپ نے آج مجھے دفتر کیوں بھیجا تھا۔"

"میں نے کب کہا تھا آپ سے دفتر جانے کو۔" ناہید فراز کے جھوٹ پر جھلا گئی۔

"اور کس نے کہا تھا؟ مجھے کیا ضرورت ہے کہ دفتر جا کر بھائی جان کے سلسلے میں سراغرسانی کرتا پھروں۔" فراز نے برجستہ جواب دیا۔

"امی حضور! خدا کی قسم فراز بالکل غلط کہہ رہے ہیں۔" ناہید نے ساس سے مخاطب ہو کر نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"میں سمجھ رہی ہوں بیٹی کہ یہ کتنا سچ بول رہا ہے۔" بیگم سجاد نے بہو کو تسلی دی پھر فراز کو گھور کر بولیں۔ "کیوں تم ہر وقت اس بے چاری کو تنگ کرتے رہتے ہو۔"

"یہ محترمہ بیچاری ہیں اور کیا میں بیچارا نہیں ہوں۔" فراز نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"بُری بات ہے فراز!" بیگم سجاد نے فراز کو ٹوکتے ہوئے کہا۔ "بڑی بھاوج بجائے ماں

کے ہوتی ہے۔ تمہیں ناہید کا احترام کرنا چاہئے۔"

فراز نے کوئی جواب نہیں دیا' روٹھے ہوئے انداز میں اٹھ کر باہر جانے لگے تو ماں نے پوچھا۔

"یہ منہ پھلا کر کہاں جا رہے ہو۔"

"نجو کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے جا رہا ہوں امی حضور! باقی تو سب احترام کے قابل ہیں۔"

اور فراز نے یہ جملہ اتنی معصومیت اور بھولپن سے کہا تھا کہ بیگم سجاد کے علاوہ ناہید بھی بے اختیار ہنس دی۔ پھر ماں نے ڈانٹ کر محبت سے فراز کو قریب بلایا تو وہ نہایت فرمانبرداری سے سر جھکائے خاموشی سے ماں کے قریب آ کر بیٹھ گئے لیکن اُن کی آنکھوں میں اس وقت بھی شوخیاں اور شرارتیں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں اور ناہید فراز کے اس معصوم اور شوخ انداز پر مسکراتی رہی۔

☆======☆======☆

ناہید کو میکے آئے آج چار روز گزر گئے تھے۔

شادی کے بعد وہ پہلی بار ایک ہفتے کے لئے میکے آئی تھی اور گھر کی آزاد فضا میں قدم رکھتے ہی اُسے یوں لگا تھا جیسے اُس کے ذہن کی ساری الجھنیں' تمام کلفتیں یکلخت دور ہو گئی ہوں۔ اُس کو چھوڑنے کے لئے منصور آئے تھے۔ بہت دیر تک وہ ساس اور سسر سے گھل مل کر باتیں کرتے رہے۔ پھر ناہید سے بڑے پیار سے دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے چلے گئے۔

ناہید نے منصور کے جانے کے بعد گھر کا جائزہ لیا تو اُسے ایسا لگا جیسے اُس کے نہ ہونے سے گھر کے اندر نمایاں تبدیلیاں آ گئی ہیں۔ پہلے ہر چیز نہایت سلیقے اور قرینے سے اپنی جگہ رکھی ہوتی تھی۔ فرش آئینے کی طرح چمکتا رہتا تھا اور ہر شے سے نفاست اور سلیقے کا اظہار ہوتا تھا لیکن اب تو ہر چیز جیسے بکھر کر رہ گئی تھی۔ اُس کا اپنا کمرہ بھی کیسا الٹ پلٹ کر رہ گیا تھا۔ شاکر کی کتابیں' بستر اور میز پر بکھری ہوئی تھیں۔ کپڑے الگنی یا کھونٹی کے بجائے بستر پر پڑے تھے اور فرش دیکھ کر تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کئی دنوں سے صفائی کا محتاج ہو۔ باورچی خانے اور صحن کی حالت بھی زبان حال سے اُس کی کمی کا شکوہ کر رہی تھی' اُس کے والدین کا کمرہ بھی بدلا بدلا نظر آ رہا تھا۔

وہ ہر شے کو غور سے دیکھتی رہی۔ ایک اُس کے نہ ہونے سے ہر شے جیسے تتر بتر ہو

گئی تھی لیکن اُس نے گھر میں قدم رکھتے ہی نئے سرے سے ہر شے کو ترتیب دیا' دن بھر گھر کی صفائی میں مصروف رہی۔ اُسے معلوم تھا کہ ماں بوڑھی ہو چکی ہے' باپ دن بھر دفتر میں رہتے ہیں' شام کو تھکے ماندے دفتر سے آتے ہیں تو اتنی ہمت کہاں ہوتی ہے کہ گھر کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خیال رکھیں۔ یوں بھی گھر کو صاف ستھرا رکھنا عورت کا کام ہوتا ہے۔ شاکرہ خاتون کی ذمہ داریاں بھی تو بڑھ گئی تھیں۔ رہا شاکر تو وہ اپنی پڑھائی میں مصروف تھا۔ مستقبل کا سارا بوجھ اُس کے کاندھوں پر آ گیا تھا شاید اسی لئے وہ ہر بات سے بے نیاز ہو کر صرف اپنی پڑھائی پر توجہ دے رہا تھا۔

غرضیکہ ناہید نے دن بھر مصروف رہ کر گھر کی صفائی کی' نہا دھو کر اُس نے لباس تبدیل کیا' عصر کی نماز پڑھ کر جلدی جلدی چائے تیار کی پھر ٹرے اٹھا کر باپ کے کمرے میں آ گئی جہاں شاکرہ خاتون بھی موجود تھیں اور ابھی ابھی نماز سے فارغ ہوئی تھیں۔ ناہید نے والدین کو ادب سے سلام کیا پھر چائے دے کر ماں کے قریب بیٹھ گئی۔ نہ جانے کیوں اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کی کمی نے اُس کے والدین کو بھی وقت سے پہلے بوڑھا کر دیا ہو۔

"تم ایک ہفتے کو تو آئی ہو ناہید! اور آتے ہی کام کاج میں الجھ گئیں۔" شاکرہ خاتون نے کہا۔ "دو چار روز تو آرام کر لیا ہوتا۔"

"گھر کی صفائی تو روزمرہ کا معمول ہوتا ہے امی جان!" اُس نے بڑے پیار سے ماں کے شفیق چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

"بیگم سجاد کی طبیعت اب کیسی ہے؟" شیخ الطاف حسین نے پوچھا۔

"پہلے کے مقابلے میں اب بہتر ہے۔" ناہید نے کہا۔ "فراز کے آ جانے کے بعد سے تو اُن کی صحت پر بڑا خوشگوار اثر پڑا ہے۔"

"وہ ہے بھی تو ایسا کہ جہاں بیٹھ جاتا ہے سب کو ہنساتا رہتا ہے۔" شاکرہ خاتون نے بھی فراز کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ "ایسی بھولی بھالی اور معصوم باتیں کرتا ہے کہ روتے بسورتے چہرے بھی کھِل اٹھتے ہیں۔"

"بے حد شوخ اور شریر بھی ہے۔" شیخ الطاف حسین بولے۔ "مجھ سے تو پہلی ہی ملاقات میں ایسی محبت اور خلوص سے پیش آیا جیسے برسوں پرانی شناسائی ہوں"

"گھر میں بھی ہر وقت اُسی کے قہقہے گونجتے رہتے ہیں۔" ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ملازموں کو بھی اپنی شوخی اور شرارت سے نہیں بخشتے البتہ ماں کے سامنے ایسے

معصوم بن جاتے ہیں جیسے انہیں کچھ آتا ہی نہیں۔"

"خدا بیگم سجاد کو سلامت رکھے اور اولاد کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔" شاکرہ خاتون بولیں۔ "وہ خود بھی تو نہایت اعلیٰ کردار کی مالک ہیں۔ مجھ سے کبھی بھی سمدھن بن کر نہیں ملیں' ہمیشہ بہنوں کی طرح ملتی ہیں' نہایت نیک سیرت خاتون ہیں۔"

"مجھے بھی بالکل بیٹی ہی سمجھتی ہیں۔" ناہید نے بھی ساس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ "ہر بات میں میری حمایت لیتی ہیں اور اپنی پیٹ کی اولادوں سے بھی زیادہ پیار کرتی ہیں۔"

"یہ تو نصیب کی بات ہے ورنہ ساس بہو کے قصے تو ہر گھر میں آئے دن پیش آتے رہتے ہیں۔" شاکرہ خاتون نے ایک عام بات کہی۔

"منصور میاں تو ٹھیک ٹھاک ہیں۔" شیخ الطاف حسین نے قدرے سنجیدگی سے پوچھا پھر خود ہی وضاحت کرتے ہوئے بولے۔ "میرا مطلب ہے کہ تم تو خیر و عافیت سے ہو۔"

"خدا کا شکر ہے ابا جان!" ناہید نے مسکراتے ہوئے بڑا خوبصورت جھوٹ بولا۔ "اس گھر میں دنیا جہان کی ساری خوشیاں نصیب ہیں۔"

"اب وہی تمہارا اصلی گھر بھی ہے بیٹی!" شاکرہ خاتون نے بزرگانہ لہجے میں نصیحت کرتے ہوئے کہا۔ "اور اپنے گھر کو جنت یا جہنم بنانا عورت کے اپنے اختیار کی بات ہوتی ہے۔"

"یہ شاکر کہاں ہے امی جان!" ناہید نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔ "جب سے میں آئی ہوں نظر نہیں آیا۔"

"آج کل پڑھائی پر زیادہ توجہ دے رہا ہے۔" شاکرہ خاتون بولیں۔ "کالج کے بعد اپنے دوستوں کے پاس چلا جاتا ہے' اب آتا ہی ہو گا۔"

اور ابھی شاکرہ خاتون نے اپنا جملہ مکمل ہی کیا تھا کہ شاکر مسکراتا ہوا کمرے میں داخل ہوا۔ ماں نے بیٹے کو درازیٔ عمر کی دعا دی پھر ناہید شاکر کو لے کر اپنے کمرے میں آ گئی اور رات گئے تک اُس سے دنیا جہان کی باتیں کرتی رہی۔ اُسے دل لگا کر پڑھائی کا مشورہ دیتی رہی اور مستقبل کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتی رہی۔ پھر رات کا کھانا گھر والوں کے ساتھ کھانے کے بعد وہ جلدی ہی سو گئی۔

دوسری صبح شازیہ ماں کے ساتھ آ گئی۔ بیگم ابرار احمد نے بھی اپنوں کی طرح اُس کی خیریت دریافت کی پھر جب وہ شاکرہ خاتون کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئیں تو

شازیہ ناہید کا ہاتھ پکڑ کر اُسے دوسرے کمرے میں گھسیٹ لائی۔ کچھ دیر تک دونوں کے درمیان بے تکلف چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی پھر شازیہ نے اُسے کریدنے کی خاطر سنجیدگی سے منصور کے بارے میں دریافت کیا۔

"سچ سچ بتا..... منصور اور تیرے درمیان کیسی گزر رہی ہے؟"

"بے حد شاندار۔" ناہید نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے تو خواب میں بھی ایسی حسین زندگی کا تصور نہیں کیا تھا۔"

"کھا میرے سر کی قسم۔" شازیہ نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"کیوں ..... اس میں بھلا قسم کھانے کی کیا ضرورت ہے؟" ناہید نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا میں تجھ سے جھوٹ بولوں گی۔"

"خیر..... تو کہتی ہے مانے لیتی ہوں لیکن نہ جانے' کیوں میں محسوس کر رہی تھی جیسے وہ تیرا زیادہ خیال نہیں رکھتے۔"

"اچھا۔" ناہید نے اپنے زخموں کو مسکراہٹوں کے اندر چھپاتے ہوئے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ "یہ تُو نے کیسے اندازہ لگا لیا کہ وہ میرا خیال نہیں رکھتے۔"

"صرف اس بات سے کہ میں نے تمہیں اور منصور کو گھومتے پھرتے نہیں دیکھا۔" شازیہ نے کہا۔ "میرا تو خیال تھا کہ منصور شادی کے بعد تجھے لے کر کہیں پہاڑ پر ہنی مون منانے چلے جائیں گے اور دن رات تیرے قدموں میں بیٹھے تیری پیاری پیاری صورت دیکھا کریں گے لیکن محسن بتا رہے تھے کہ منصور نے تو پانچ دن بعد ہی دفتر جانا شروع کر دیا تھا۔"

"اور صرف اتنی سی اطلاع پر تُو نے بقراط کی طرح اندازے قائم کرنا شروع کر دیئے۔" ناہید نے شوخی سے کہا پھر سنجیدگی سے بولی۔ "انہوں نے تو روزِ اوّل ہی سے رٹ لگا رکھی ہے کہ کسی پُرفضا مقام پر چلو لیکن میں نے انکار کر دیا۔"

"کس خوشی میں؟"

"اس خوشی میں کہ اگر وہ کاروبار سے غافل ہو گئے تو خسارہ بھی ہو سکتا ہے اور پھر اُن کی والدہ کو تنہا بھی تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

"ماشاء اللہ .... اب تو تُو خاصی بالغوں جیسی باتیں کرنے لگی ہے۔" شازیہ نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ "ابھی سے تجھے نفع اور نقصان کی بھی سوجھنے لگی۔ ارے پگلی! شادی کے بعد یہی تو دن ہوتے ہیں گھومنے پھرنے کے اور شوہر کے دل میں گھر کرنے

کے۔"

"گویا تُو نے محسن بھائی کے دل میں گھر کر لیا ہے۔" ناہید نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ایسا ویسا۔" شازیہ بولی۔ "میں نے تو محسن کو ایسا مٹھی میں کیا ہے کہ کیا مجال جو تمام زندگی مٹھی سے نکل سکیں۔"

"اب کی محسن بھائی ملیں تو اُن سے پوچھوں گی۔"

"ضرور پوچھ لینا۔" شازیہ نے کہا۔ "میں نے تو محسن کو باقاعدہ چھٹی لینے کا الٹی میٹم بھی دے دیا ہے اور جناب کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ میاں مٹھو نے اپنی درخواست بھی منظور کرا لی ہے اور عنقریب ہم دونوں اللہ آباد سے فرار ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ شاندار ہنی مون منانے کے لئے۔"

"تو کیا ابھی تک ہنی مون شروع نہیں ہوا۔" ناہید نے شوخی سے پوچھا۔ "میں تو سمجھ رہی تھی کہ تُو نے اب تک چھپ چھپ کر اون سلائی پر ننھے منے موزے اور سوئٹر بننے شروع کر دیئے ہوں گے۔"

"فی الحال تو ایسی کوئی بات نہیں ہے اور اسی لئے تو میں نے محسن کے ساتھ ایک دو مہینے کے لئے باہر جانے کا پروگرام ترتیب دیا ہے۔" شازیہ نے کہا پھر کڑوا سا منہ بنا کر بولی۔ "ایک بار ٹیاؤں ٹیاؤں شروع ہو گئی تو پھر گھومنے پھرنے کی آزادی کہاں رہے گی۔"

"پھر کب تک جانے کا ارادہ ہے؟"

"ایک ہفتے بعد ..... جب تک ہلکی ہلکی برف باری بھی شروع ہو چکی ہو گی۔" شازیہ بولی۔ "میری مان تو تُو بھی منصور بھائی کو رضامند کر لے' ایمان سے سب ساتھ ہوں گے تو لطف دوبالا ہو جائے گا۔"

"تُو کہتی ہے تو کوشش کروں گی۔" ناہید نے اپنے دل میں ابھرتے ارمانوں کا گلا گھونٹتے ہوئے کہا۔ "لیکن میرا خیال ہے کہ منصور کاروباری مصروفیات کی وجہ سے وقت نہ نکال سکیں گے۔"

"کیا مطلب؟" شازیہ نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔ "کیا تُو نے منصور کو ابھی سے اتنی ڈھیل دے رکھی ہے کہ وہ تیری فرمائش کے باوجود کاروباری مصروفیات کی آڑ لینے کی کوشش کریں گے۔ میں نے تو صرف ایک بار محسن میاں کا راشن پانی بند کیا تھا' دوسرے ہی دن للو چپو شروع کر دی اور فٹافٹ پروگرام بن گیا۔ ناہید بی بی! اب بھی وقت

نہیں گزرا' میری مانو تو ابھی سے رسی کھینچ کر رکھو' اگر شروع ہی میں تم نے ڈھیل دینا شروع کر دی تو پھر منصور تمہارے قابو میں نہیں آئیں گے۔"

"تیرے مشورے پر عمل کرنے کی کوشش تو کی تھی۔" ناہید نے ایک ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔ "اُن کی ادائیں اتنی قاتل تھیں کہ خود ہی گھائل ہو کر رہ گئی۔"

"پوت کے پاؤں پالنے ہی میں نظر آ جاتے ہیں۔ مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ تُو میری ناک کٹوائے گی۔" شازیہ بولی۔ "مجھے دیکھ ..... میری شادی تو ایک پولیس انسپکٹر کے ساتھ ہوئی ہے جو سارا دن تھانے میں بیٹھا دوسروں پر رعب جماتا رہتا ہے' بڑے بڑے تیس مار خاں محسن علی کا نام سن کر کانپ اٹھتے ہیں لیکن وہی بیچارہ جب گھر میں آتا ہے تو میرے سامنے بھیگی بلی بنا رہتا ہے۔ کیا مجال کہ میں کوئی فرمائش کروں اور وہ چوں تک کر جائیں۔"

"یہ کیوں نہیں کہتی کہ تجھے محسن بھائی جیسا شریف شوہر مل گیا ہے۔"

"شریف تو خیر وہ ذاتِ شریف ہیں لیکن جو تھوڑی بہت کسر باقی رہ گئی تھی وہ میں نے پوری کر دی اور اب راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔" شازیہ نے جواب دیا پھر معاً کچھ سوچ کر بولی۔ "اور سنا ..... تیرے خوابوں کے شہزادے کا کیا حال چال ہے؟"

"شازیہ!" ناہید نے سنجیدگی سے کہا۔ "میں نے تو وہ خطاب صرف تجھے تنگ کرنے کے لئے دیا تھا اور تُو ہے کہ آج تک اسی کی رٹ لگائے ہوئے ہے۔"

"کالج کے زمانے میں تُو نے مجھے تنگ کیا تھا ..... اب میری باری ہے۔" شازیہ شوخی سے بولی۔ "ویسے تُو نے فراز کو جو خطاب دیا تھا وہ اس پر سجتا بھی خوب ہے۔"

"تیری تو زبان کے آگے خندق ہے۔" ناہید نے بات اڑاتے ہوئے کہا۔ "اگر محسن بھائی نے سچ مچ چھان بین شروع کر دی تو مصیبت میں پڑ جائے گی۔"

"اس میں مصیبت کی کون سی بات ہے۔" شازیہ نہایت ڈھٹائی سے بولی۔ "اگر محسن نے کبھی پوچھا تو میں خود بتا دوں گی کہ کسی زمانے میں مَیں نے بھی فراز پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کی تھی لیکن وہ خود ہی پتہ تڑا کر بھاگ نکلا تھا۔"

"اور اگر فراز کالج نہ چھوڑ دیتے تو کیا کر لیتی؟" ناہید نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں دل کے زخموں پر نمک چھڑک رہی ہے ناہید!" شازیہ بڑی سرد آہ بھر کر بولی۔ "اب تو مجھے جس دل سے فراز کو بھائی کہنا پڑ رہا ہے وہ کچھ میرا ہی دل جانتا ہے۔"

"خدا سمجھے تجھ سے ..... جو منہ میں آتا ہے بکتی چلی جاتی ہے۔"

"اچھا چھوڑ ان باتوں کو..... یہ بتا کہ تُو آئی کتنے دنوں کے لئے ہے؟"

"ایک ہفتے کے لئے ..... کیوں؟" ناہید نے پوچھا۔

"شہناز مجھ سے کئی بار دعوت کا تقاضہ کر چکی ہے۔" شازیہ بولی۔ "آج محسن دفتر سے آ جائیں تو اُن سے مشورہ کر کے شہناز اور سلیم کو دو ایک روز بعد دعوت پر بلا لیتی ہوں۔"

"پرسوں تو امی جان نے شہناز وغیرہ کی دعوت کر رکھی ہے' تم اس کے بعد کا کوئی دن مقرر کر لو۔"

"ٹھیک ہے۔" شازیہ نے کہا۔ "میں ایک روز بعد اسے اپنے ہاں بلا لوں گی لیکن تم اپنے ان کو بھی ضرور کہہ دینا میری طرف سے۔"

"وہ آئیں گے تو میں تمہیں شاکر سے کہلوا بھیجوں گی ..... تم خود ہی آ کر دعوت دے دینا تو زیادہ مناسب رہے گا۔"

"فراز کے بارے میں تمہارا کیا مشورہ ہے؟" شازیہ شوخی سے بولی۔ "کیا اسے بھی مدعو کرنا مناسب ہو گا؟"

"تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟" ناہید نے مسکرا کر جواب دیا۔ "جب محسن بھائی مجھے اور منصور کو بلائیں گے تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے دوست کو بھی ضرور دعوت دیں گے۔"

"تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔" شازیہ نے معنی خیز انداز میں کہا۔

ناہید نے گھور کر شازیہ کو شوخ نظروں سے دیکھا پھر وہ اُس کے چٹکی لینے کے ارادے سے آگے بڑھی تھی لیکن شازیہ جلدی سے اٹھ کر کمرے سے باہر آ گئی جہاں شاکرہ خاتون اور بیگم ابرار احمد بیٹھی گفتگو میں مصروف تھیں۔

☆======☆======☆

بزرگوں کا قول ہے کہ انسان صرف اپنے ماحول اور اپنی تہذیب میں زیادہ آسانی سے پروان چڑھ سکتا ہے۔ نادیدہ راستوں پر دوڑنے والے جب ٹھوکر کھاتے ہیں اور منہ کے بل ناہموار راستوں پر گرتے ہیں تو خود بھی لہو لہان ہو جاتے ہیں اور دوسروں کے لئے بھی پریشانیوں کا باعث بن جاتے ہیں۔

نازلی بھی کچھ ایسے ہی حالات کا شکار ہوئی تھی۔ والدین کی بے نیازی اور آزاد خیالی نے اسے بھی ان راہوں پر ڈال دیا تھا جس کی منزل کا کوئی نشان نہیں تھا البتہ راستے روشن تھے۔ مغربی تہذیب کی چمک دمک اور بے راہ روی نے اُسے پوری طرح اپنی

عارضی رنگینیوں اور مصنوعی جگمگاہٹوں میں سمو لیا تھا۔ آنکھیں بند کئے زندگی کے ہنگاموں میں گم وہ برقی قمقموں کی جھلملاتی روشنیوں میں اپنا سفر طے کر رہی تھی۔ اس پر کوئی بندش نہیں تھی' کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔ دولت کی فراوانی اور آزاد خیالی نے اُسے زندگی کے نشیب و فراز سے بھی بے نیاز کر دیا تھا۔ وہ ان روشن راستوں پر آگے بڑھتی جا رہی تھی اُس نے اپنی زندگی کی مسافت طے کرنے کے لئے کسی منزل کا تعین نہیں کیا تھا۔ کسی سنگ میل پر ٹھہر کر یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ وہ کس قدر آگے نکل چکی ہے۔ وہ ہر بات سے بے نیاز اور لاپرواہ تھی۔

زندگی کی شب و روز کی مصروفیات اور گہما گہمی نے کبھی اُسے اتنی فرصت نہیں دی تھی کہ وہ نظریں جھکا کر مخدوش راستوں کے پیچ و خم کا اندازہ لگا سکتی۔ اُس کا حلقۂ احباب دن بدن وسیع ہوتا جا رہا تھا۔ کلب میں گونجنے والے بیباک قہقہے اور رقص موسیقی کی دلنواز جھنکاروں نے اُس کی قوتِ سماعت کو سلب کر دیا تھا۔ جھلملاتی روشنیوں نے اُس کی نگاہوں میں چکاچوند کی کیفیتیں طاری کر رکھی تھیں۔ بڑائی کے احساس نے اس کی گردن میں تناؤ ڈال دیا تھا۔ وہ اپنے ماحول میں گردن اٹھا کر چلنے کی عادی بن چکی تھی لیکن وقت کی ایک ہی کروٹ نے' حالات کی ایک معمولی گردش نے اُسے اتنی شدید ٹھوکر لگائی تھی کہ وہ سنبھل نہ سکی اور انجام کار اُن اندھیروں کا شکار ہو گئی جو جگمگاتی روشنیوں کے اندر چھپے ایک مدت سے اُس کا تعاقب کر رہے تھے۔

سلیم سے انتقام لینے کے جذبے نے اُسے اندھا کر دیا تھا' وہ دولت کے بل بوتے پر اونچی سوسائٹی میں اپنے تعلقات کا سہارا لے کر سلیم کو ان جسارتوں کی سزا دینا ضروری سمجھ رہی تھی جس کی بنیاد وہ خود تھی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ ہر قیمت پر سلیم کے خون سے اپنے گداز ہونٹوں کی سرخیوں کو دوبارہ گلابی کر لے گی اور اسی انتقامی جذبے نے اسے مراد خاں کے دروازے تک پہنچا دیا تھا۔ اُس کی عزیز ترین سہیلی اور ہمراز مونا نے اُسے یقین دلایا تھا کہ مراد خاں ایک معمولی معاوضے کے عوض اُس کا کام کر دے گا لیکن۔

جب مراد خاں کے گھر میں وہ نیند کے خمار سے بیدار ہوئی تو اُسے مونا کہیں نظر نہ آئی البتہ مراد خاں ایک فاتح کی طرح اُس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔ آزادی کا طلسم ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو چکا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اُس کی نگاہیں جھک گئی تھیں شاید اس لئے کہ اُس کے خمیر میں کہیں اپنی تہذیب کا کوئی دھندلا سا رنگ موجود تھا لیکن یہ رنگ اس وقت نکھر کر سامنے آیا تھا جب زندگی کے سارے رنگ پھیکے پڑ چکے تھے' سارے خواب

ٹوٹ کر بکھر چکے تھے' ہر احساس نیزے کی اَنی بن کر اُس کی روح کی گہرائیوں میں اتر چکا تھا۔ وہ مراد خاں کے پاس سلیم سے انتقام لینے کی غرض سے آئی تھی لیکن خود حالات کا شکار ہو گئی تھی۔ مراد خاں نے اُس سے جو قیمت وصول کی تھی وہ اُس کے اندازے سے کہیں زیادہ تھی۔ اس قیمت کی ادائیگی کے بعد اُس کی اپنی کوئی قیمت نہیں رہ گئی تھی۔

وہ لٹ چکی تھی.....

برباد ہو چکی تھی.....

راستوں کے انتخاب نے اُسے لوٹ لیا تھا.....

تہذیب کی رنگینیوں اور ماحول کی جھوٹی خوشیوں نے اُسے برباد کر دیا تھا.....

لیکن اب ہر احساس اُس کے وجود کی گہرائیوں میں ماتم کناں تھا۔ اُس کا ضمیر اُس کے وجود کو کچوکے لگا رہا تھا۔ اُس کی روح اُس کے خوبصورت جسم کے اندر تڑپ رہی تھی لیکن تقدیر نے اُس کی قوتِ پرواز بھی سلب کر لی تھی۔ جو گوہر نایاب لٹ چکا تھا اُس کی واپسی ناممکن تھی۔ فلک کج رفتار اُس کی بے بسی اور بے چارگی پر قہقہہ زن تھا اور وہ خود بھی نظریں جھکائے مہر بلب کسی زندہ لاش کی طرح بے حس و حرکت بیٹھی اپنے مستقبل کے گھپ اندھیروں میں روشنی کی کسی کرن کی تلاش میں تھی کہ مراد خاں کی آواز اُس کے کانوں میں گونجی۔

"آپ کی نئے ماڈل کی جھلملاتی ہوئی گاڑی باہر آپ کی منتظر ہے ..... مس نازلی!"

مراد خاں کے لہجے میں ایسا زہر تھا جو اُس کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح اتر کر اُس کے جسم کے رگ و ریشے میں سرایت کر گیا' اُس نے جھکی جھکی پلکوں کو اٹھا کر مراد خاں کو دیکھا' اُس کے غلیظ ہونٹوں پر اُسے پاکیزہ ہونٹوں کی سرخیوں کے دھبے نظر آئے تو اُس کی نظریں اپنے آپ نیچی ہو گئیں۔ حالات اور وقت کے تقاضوں نے اُسے سر نگوں ہونے پر مجبور کر دیا۔ کچھ دیر وہ یونہی چپ چپ سی بیٹھی رہی پھر آہستہ سے اٹھی' لرزتے قدموں سے آگے بڑھی مگر مراد خاں کے قہقہوں نے اُس کے قدموں پر جیسے بیڑیاں ڈال دی تھیں' وہ ٹھٹک کر رک گئی۔

"سلیم کا اور آپ کا حساب آج بیباق ہو گیا مس نازلی!" مراد خاں کی تلخ آواز اُس کے کانوں میں گونجی۔ "اور آج سے میرا اور آپ کا نیا حساب شروع ہو رہا ہے' مجھے امید ہے کہ آپ سمجھداری سے کام لیں گی۔"

"تم....." وہ زخمی شیرنی کی طرح پلٹ پڑی۔ "تم ..... کیا چاہتے ہو؟" اُس نے زخمی لہجے میں سوال کیا۔

"فی الحال آپ کو یہ احساس دلانا چاہتا ہوں کہ آپ شہر کے ایک معزز اور دولتمند باپ کی اکلوتی لڑکی ہیں۔" مراد خاں کسی تجربے کار بیوپاری کی طرح بولا۔ "ایک شریف اور عزت دار خاندان کی کیا قیمت ہوتی ہے' اس کا اندازہ لگانا اب آپ کا کام ہے۔"

"اور اگر میں چاہوں تو تمہیں عمر قید کی سزا بھی کروا سکتی ہوں۔" نازلی نے اندھیروں میں ہاتھ پیر چلانے کی کوشش کی۔

"میں جانتا ہوں مس نازلی کہ آپ کے والد شہر کے سب سے معروف بیرسٹر ہیں اور اگر آپ چاہیں تو میری آزادی کو جیل کی آہنی سلاخوں تک محدود کروا سکتی ہیں لیکن کیا آپ نے یہ بھی سوچا ہے کہ اس کا انجام کیا ہو گا۔" مراد خاں ٹھوس آواز میں بولا۔ "میں کبھی نہ کبھی پھر سزا کاٹ کر آزاد ہو جاؤں گا لیکن آپ کے خاندان کی عزت اور شہرت کی دھجیاں جس انداز میں بکھریں گی' اُس کی بحالی تازیست ناممکن ہو گی۔"

"تم اپنی ناپاک اور گندی زبان بند رکھنے کا کیا معاوضہ چاہتے ہو؟" نازلی نے تڑپ کر پوچھا۔

"جلدی میں کیے جانے والے سودے اکثر بھاری خسارے کا باعث ثابت ہوتے ہیں۔" مراد خاں نے زہرخند سے جواب دیا۔ "فی الحال آپ نہایت اطمینان سے اپنی شاندار کوٹھی میں واپس جا کر آرام کریں ..... کاروباری باتیں بعد میں بھی مس مونا کے ذریعے طے ہو سکتی ہیں۔"

"میں اس ذلیل اور کمینی لڑکی کا نام سننا بھی پسند نہیں کرتی۔" نازلی تلملا کر بولی۔

"یہ آپ کا اور آپ کی سہیلی کا معاملہ ہے محترمہ! مجھے ان معاملات سے کوئی غرض نہیں۔" مراد خاں نے نہایت لاپرواہی سے کہا۔ "اگر آپ مونا کو درمیان سے ہٹانا چاہتی ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ ہم براہ راست بھی مل بیٹھ کر باتیں طے کر سکتے ہیں لیکن اس سے پیشتر کہ آپ یہاں سے تشریف لے جائیں' میں آپ کو یہ باور کرانا چاہتا ہوں کہ سلیم میرا بہترین دوست ہے اور اگر آپ نے جذبات کی لہر میں پھنس کر اُس کے خلاف کوئی غلط قدم اٹھانے کی کوشش کی تو مجھے بھی مجبوراً اپنے دوست کے تحفظ کے لئے درمیان میں آنا پڑے گا۔"

نازلی نے حالات کا اندازہ لگاتے ہوئے کوئی جواب نہیں دیا۔ حقارت بھری نظروں

سے، مراد خاں کو گھورتی ہوئی تیزی سے پلٹی پھر تیز تیز قدم اٹھاتی باہر آ گئی جہاں اُس کی نئے ماڈل کی کار موجود تھی۔

زندگی کی سنگین ٹھوکر نے نازلی کو بے بس کر دیا تھا۔ کئی دنوں تک وہ حالات کا جائزہ لیتی رہی، ہر زاویے سے اُس نے معاملات کو پرکھنے کی کوشش کی لیکن اس کے پاس بجز اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ مراد خاں کو اپنی بدنامی سے بچنے کے لئے اُس کی منہ مانگی قیمت ہر ماہ قسط وار ادا کرتی رہے۔ تین روز تک اُس نے خود کو گھر کی چاردیواری کے اندر بند رکھا لیکن چوتھے روز مونا آ گئی۔ اُس نے آتے ہی نازلی کو بڑی بیباکی سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کیا بات ہے نازلی ڈیئر! تم تین روز سے کلب سے کیوں غائب ہو، کیا نصیب دشمناں تمہاری طبیعت تو خراب نہیں ہے؟"

نازلی نے سوچا تھا کہ وہ مونا سے ملنا جلنا ترک کر دے گی لیکن حالات کے پیش نظر وہ ایسا کرنے سے بھی معذور تھی اس لئے کہ مونا ہی نے ایک سہیلی کی آڑ لے کر ناگن کے روپ میں اسے ڈسا تھا، مراد خاں اور مونا الگ الگ نہیں تھے اور ایسی صورت میں مونا سے بگاڑنا اُس کے حق میں نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا چنانچہ نازلی نے اوپری دل ہی سے مونا کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

"طبیعت تو ٹھیک تھی لیکن گھر پر دعوتوں کی وجہ سے مصروف ہو گئی تھی۔"

"آئی سی۔" مونا نے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا پھر ڈھٹائی سے بولی۔

"اور سناؤ ..... مراد خاں سے تمہارا معاملہ طے ہو گیا یا نہیں؟"

"یہ تم پوچھ رہی ہو مونا!" نازلی نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا پھر شکوہ کرنے والے لہجے میں بولی۔ "تم کو اس طرح مجھے مراد خاں کے گھر تنہا چھوڑ کر نہیں جانا چاہئے تھا۔"

"مجھے افسوس ہے ڈیئر ..... لیکن اس روز تم ایسا گھوڑے بیچ کر سوئی تھیں کہ اٹھنے کا نام نہیں لے رہی تھیں اس لئے مجھے مجبوراً واپس ہونا پڑا۔" مونا نے اس بار بھی نہایت بیباکی اور ڈھٹائی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "ویسے مجھے مراد خاں پر مکمل اعتماد ہے، وہ ایک اچھا دوست اور سمجھدار آدمی ہے۔ دوسروں کی عزت کا خیال رکھتا ہے اور آدمی بھی بااصول اور اپنے وعدوں کا پکا ہے۔"

"مراد خاں نے تمہیں کیا بتایا ہے؟" نازلی نے دبی زبان میں پوچھا۔

"ابھی تک میری اس سے ملاقات نہیں ہوئی۔ کیوں، کیا اُس نے سلیم کے سلسلے

میں کام کرنے کے لئے ہامی نہیں بھری؟"

"نہیں۔" نازلی نے تیزی سے جواب دیا پھر خود ہی چونک اٹھی، جلدی سے بات بناتے ہوئے بولی۔ "میں نیند سے بیدار ہونے کے بعد وہاں سے فوراً ہی چلی آئی تھی۔"

"ویسے بائی دی وے (By The Way) مراد خاں تمہیں کیسا آدمی لگا؟" مونا کے لہجے میں بے شرمی تھی۔

"وہ مجھے بتا رہا تھا کہ تمہاری اور اُس کی پرانی شناسائی ہے۔" نازلی تلملا کر بولی پھر جلدی سے نرم پڑتے ہوئے کہا۔ "میں دو ایک روز میں اس سے دوبارہ مل کر باقی باتیں بھی طے کر لوں گی۔"

"میں بھی تم کو یہی مشورہ دینا چاہتی ہوں۔" مونا نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "روشنی میں رہنے والوں کو اندھیروں کی زیادہ پرواہ نہیں کرنا چاہئے اور ..... میں تمہارے ساتھ ہوں تو پھر تمہیں کسی بات کا کیا غم۔"

"تم ..... تم شاید ٹھیک کہہ رہی ہو مونا!" نازلی نے ٹوٹی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ "انسان کو زندگی کے ہر نئے موڑ پر کسی نہ کسی سہارے کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔"

"زندگی اور تہذیب کا فلسفہ بہت دقیق اور بورنگ ہوتا ہے نازلی ڈیئر!" مونا نے کڑوا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں نے آج تک ان فضول باتوں پر غور کرنے کی کوشش نہیں کی اور میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ دنیا میں سب سے بڑی طاقت روپیہ ہے ..... روپیہ ..... جس سے دنیا کی ہر شے نہایت آسانی سے خریدی جا سکتی ہے۔"

"تمہیں شاید ان باتوں کا بہت زیادہ تجربہ ہے۔" نازلی کے لہجے میں طنز تھا۔

"اوہ ..... وہائی نوٹ۔" مونا نے زہرخند سے جواب دیا۔ "تمہیں بھی میرے تجربوں سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔"

"اس وقت کہاں کی تیاری ہے۔" نازلی نے گھبرا کر جلدی سے موضوع بدل دیا۔

"کلب۔" مونا نے شوخی سے کہا۔ "آج رات کلب میں رقص و موسیقی کی ایک خاص محفل منعقد ہو رہی ہے اور میں اسی سلسلے میں تمہیں اطلاع دینے آئی ہوں ..... چلو ..... جلدی سے تیار ہو جاؤ۔"

نازلی کا دل چاہا کہ انکار کر دے لیکن مونا کے اصرار پر اُسے مجبوراً تیار ہو کر اس کے ساتھ جانا پڑا۔ مونا راستے میں بھی چہک چہک کر اس سے حسب عادت باتیں کرتی رہی۔ شاید زندگی کے تجربوں نے اسے ہر بات سے بے نیاز کر دیا تھا، وہ ہر وقت ہنسنے ہنسانے اور

آزاد فضاؤں میں قہقہے بکھیرنے کی عادی تھی۔ انتہائی نڈر اور بیباک لڑکی تھی۔ اُسے تو جیسے کسی بات کا ڈر یا خوف نہیں تھا۔ نازلی حیرت سے اُس کا چہرہ تکتی رہی پھر جب وہ مونا کے ساتھ کلب کی حدود میں داخل ہوئی اور بے تکلف دوستوں نے بڑھ کر اُس کا پُرتپاک خیرمقدم کیا تو ماحول اور تہذیب کی رنگینیوں نے اُس کے وجود پر طاری اندھیروں کو اپنے اندر مدغم کر لیا۔ وہ ان قمقموں اور برقی قمقموں کی جگمگاتی روشنیوں میں ایک بار پھر ڈوب کر رہ گئی اور پھر اُس نے ایک خوبصورت ساتھی کا انتخاب کیا اور موسیقی کی دھن پر رقص کرنے میں محو ہو گئی۔

☆------☆------☆

بیگم سجاد کی عالیشان کوٹھی آج پھر بقعہ نور بنی ہوئی ہے۔

فراز کا نتیجہ دو روز قبل آ چکا ہے اور اُس نے انجینئرنگ کا امتحان امتیازی نمبروں اور فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا ہے۔ اسی ضمن میں آج بیگم سجاد نے تمام ملنے جلنے والوں کو دعوت دے رکھی ہے' منصور اور فراز کے دوستوں کے علاوہ منصور کے دفتر کا عملہ بھی مدعو ہے۔ بیگم سجاد نے اپنی روایت کے مطابق عورتوں اور مردوں کے لئے علیحدہ علیحدہ انتظام کیا۔ باہر لان پر اور احاطے میں مردوں کی پذیرائی کے لئے ملازموں کے ساتھ ساتھ منصور بھی چھوٹے بھائی کی خوشیوں میں پیش پیش نظر آ رہے ہیں۔ اندر بیگم سجاد اور ناہید کے علاوہ نجو اور بوا سروری موجود ہیں۔ اس کے علاوہ کھانے کھلانے اور مہمانوں کی تواضع کے لئے سفید وردی میں ملبوس بیرے بھی موجود ہیں۔

فراز محفل کی جان بنے ہوئے ہیں اور اپنی شوخی اور شرارتوں سے دوستوں اور مہمانوں کو ہنسانے مشغول نظر آ رہے ہیں۔ اُن کے ساتھ ساتھ محسن علی بھی پیش پیش ہیں۔ فراز نے آج ہلکے سلیٹی رنگ کا گبرڈین کا سوٹ پہن رکھا ہے' اس لباس میں بھی اُن کی جامہ زیب شخصیت انفرادی شان و شوکت کی حامل نظر آ رہی ہے۔

"امتحان تو خیر آپ نے کسی نہ کسی طرح پاس کر لیا ہے لیکن آئندہ کا کیا پروگرام ہے۔" محسن نے دوستوں کی محفل میں فراز سے سوال کیا تو فراز دھیرے سے مسکرائے پھر بڑی معصومیت اور بھولپن سے بولے۔

"فی الحال تو میں نے یہی ارادہ کیا ہے کہ ایک تعمیراتی فرم کھولوں گا اور اُس کے بعد جو قدرت کو منظور ہو۔"

"فرم کے ساتھ ساتھ ایک ہسپتال کی تعمیر بھی نہایت ضروری ہے۔" فراز کے ایک

بے تکلف دوست نے کہا۔

"وہ کس لئے؟" محسن نے حیرت سے دریافت کیا۔

"وہ اس لئے کہ فراز کے تعمیراتی منصوبوں میں زخمی ہونے والے مزدوروں کا علاج بھی فراز ہی کی ذاتی نگرانی میں ہو سکے۔" فراز کے دوست نے برجستہ کہا تو محسن کے علاوہ دوسرے تمام دوست بھی ہنس پڑے۔

"میرا خیال ہے کہ سب سے پہلے فراز کے گلے میں پٹہ ڈالنا ضروری ہے۔" محسن مسکراتے ہوئے بولے۔ "اس لئے کہ اس شخص کا کوئی اعتبار نہیں' ہو سکتا ہے کہ یہ کسی بہانے سے امریکہ یا لندن بھاگ جائے اور ہماری محفلیں اس کے بغیر سونی ہو جائیں۔"

"یہ زیادہ مناسب مشورہ ہے۔" ایک دوسرے دوست نے محسن کی تائید کی۔ "سب سے پہلے فراز کی شادی ہو جانا چاہئے۔ تعمیراتی فرم کی بنیاد بعد میں پڑتی رہے گی۔"

"خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑ رہا ہے۔" فراز نے برجستہ کہا پھر محسن کو گھورتے ہوئے بولے۔ "یہ آپ نے پولیس انسپکٹری کے ساتھ ساتھ شادی بیاہ کرانے کا ٹھیکہ کب سے شروع کر دیا ہے؟"

"یار! محسن بھائی تو تمہارے فائدے کی بات کر رہے ہیں۔" فراز کے ایک تیسرے دوست نے کہا۔ "جو رشتہ ان کے ذریعے ہو گا اُس میں تمہیں کسی تفتیش یا چھان بین کرنے کی زحمت سے بھی دوچار نہیں ہونا پڑے گا۔"

"یہ آپ کی خام خیالی ہے۔" فراز نے محسن پر چوٹ کرتے ہوئے جواب دیا۔ "خود ان کی شادی جس لڑکی کے ساتھ ہوئی ہے وہ کسی زمانے میں میری دوست رہ چکی ہے۔"

"اور اب وہ موصوف کو فراز بھائی کہہ کر مخاطب کرتی ہے۔" محسن نے برجستہ جواب دیا۔ "چنانچہ ہماری دوستی ایک نازک رشتے میں بدل گئی ہے۔"

دوستوں کے درمیان اسی قسم کی خوشگوار باتیں ہو رہی تھیں کہ منصور نے دور سے فراز کو آواز دی اور فراز اٹھ کر بڑے بھائی کے قریب چلے گئے جو ایک نئے آنے والے مہمان سے کھڑے گفتگو کر رہے تھے۔

"آپ سے ملو فراز!" منصور نے مہمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ والد صاحب کے محترم دوست ریٹائرڈ کرنل سرفراز ہیں۔"

"آداب عرض کرتا ہوں۔" فراز نے نہایت ادب سے کرنل سرفراز کو سلام کیا۔

"جیتے رہو فراز میاں اور میری طرف سے اپنی شاندار کامیابی پر دلی مبارکباد قبول کرو۔" کرنل سرفراز نے بزرگانہ انداز میں کہا پھر اپنے ساتھ کھڑی ہوئی لڑکی کا تعارف کراتے ہوئے بولے۔ "یہ میری بیٹی فرزین ہے اِس نے بھی اسی سال ایم ایس سی کیا ہے۔"

"مسرت ہوئی آپ سے مل کر۔" فراز نے فرزین پر ایک سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"میری جانب سے اپنی کامیابی پر مبارکباد قبول فرمایئے۔" فرزین جس کا اصل نام فرزانہ تھا' فراز کو سر تا پا غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"شکریہ۔" فراز نے آہستہ سے جواب دیا۔

منصور کرنل سرفراز کو لے کر مہمانوں کے جلو میں چلے گئے اور فرزانہ کو اندر زنانخانے میں پہنچا دیا گیا۔ فراز دوبارہ اپنے دوستوں میں واپس آئے تو محسن نے معنی خیز انداز میں دریافت کیا۔

"یہ کون بزرگوار تھے جن سے آپ کو بلا کر بطور خاص ملوایا گیا ہے۔"

"والد صاحب کے پرانے دوست ہیں ..... کرنل سرفراز۔"

"اور اُن کے ساتھ غالباً اُن کی صاحبزادی تھیں جو آپ کو بڑی تنقیدی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔" محسن نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کھانے کا وقت قریب آ رہا ہے محسن صاحب!" فراز کے ایک دوست نے جو محسن سے بھی خاصے بے تکلف تھے' جلدی سے کہا۔ "اگر آپ نے یہاں بھی چھان بین شروع کر دی تو بھوک ندارد ہو جائے گی۔"

"خدا کی قسم' تم نے اس وقت بڑے پتے کی بات کہی ہے۔" محسن نے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "پہلے طعام بعد میں کام۔"

"آ گئے اپنی اوقات پر۔" فراز نے مسکرا کر کہا۔ "ڈیوٹی کے اوقات میں کیسے گزارا کرتے ہو۔"

"ٹفن کیریئر پر۔" محسن نے برجستہ جواب دیا۔ "جو ہر وقت میری گاڑی میں موجود رہتا ہے۔"

"صورت شکل سے آپ بھی کسی چلتے پھرتے ٹفن کیریئر سے کم نہیں دکھائی دیتے۔" فراز بولے تو محسن نے بڑی عاجزی سے کہا۔

"آپ جتنا چاہیں مجھے دوستوں میں بدنام کر لیں لیکن پلیز..... پہلے کھانا شروع کرا دیں۔"

تمام مہمان آ چکے تھے اس لئے فراز کو کھانا شروع کرانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی' کھانے کے دوران بھی محسن کے بے تکلف دوست اُسے چھیڑتے رہے لیکن کیا مجال جو محسن نے کسی کی بات کا ایک ذرّہ برابر بھی نوٹس لیا ہو' خاموشی سے سر جھکائے کھانے میں مصروف رہے۔ فراز اور منصور بیروں کے ساتھ مل کر مہمانوں کی تواضع میں مصروف ہو گئے۔

رات تقریباً گیارہ بجے ایک ایک کر کے تمام مہمان رخصت ہو گئے۔ سب سے آخر میں شیخ الطاف حسین گئے تھے۔ انہوں نے بھی دوسروں کی طرح فراز کو حسب حیثیت تحفے اور دعاؤں سے نوازا تھا۔ ناہید اور بیگم سجاد کے علاوہ منصور اور فراز بھی دروازے تک اُن کو خدا حافظ کہنے آئے۔

منصور خاصے تھکے تھکے نظر آ رہے تھے اس لئے مہمانوں کے جاتے ہی وہ اپنے کمرے میں چلے گئے لیکن ناہید کو چونکہ ابھی باقی کام نپٹانے تھے اس لئے وہ بڑے ہال میں آ گئی جہاں گھر کے ملازم برتن وغیرہ سمیٹنے میں مصروف تھے' بوا سروری فرش پر ایک جانب بیٹھی پان کھانے میں مصروف تھیں۔ ناہید اپنی نگرانی میں جلدی جلدی کام ختم کرا رہی تھی کہ فراز بی وہاں آ گئے۔

"محترمہ!" انہوں نے ناہید کے قریب آ کر بڑی معصومیت سے کہا۔ "آپ نے ابھی تک میری شاندار کامیابی پر مبارکباد نہیں دی۔"

"آپ کا کیا خیال ہے۔" ناہید نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "کیا میں آپ کی کامیابی پر خوش نہیں ہوں۔"

"خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" فراز بولے۔ "دو جملے زبان سے کہہ دیتیں تو یقین آ جاتا۔"

"جو بات دل سے نکل کر زبان تک آ جائے' اپنی اہمیت کھو دیتی ہے۔" ناہید نے شوخی سے کہا۔ "ویسے آپ مطمئن رہیں' امی حضور بہت جلد آپ کو آپ کی کامیابی پر ایک جیتا جاگتا اور خوبصورت سا انعام دینے والی ہیں۔"

"میں امی حضور! کی نہیں آپ کی بات کر رہا ہوں۔" فراز نے بھولپن سے شکوہ کیا۔

"میری دعائیں بھی آپ کے ساتھ ہیں۔" ناہید نے بڑے بزرگانہ انداز میں کہا۔

"یہ بھی کہہ دیجئے کہ خدا تمہیں ایک چاند سی گڑیا جیسی دلہن کا پیارا مکھڑا دیکھنا نصیب کرے اور دودوں نہاؤ ..... پوتوں پھلو ..... وغیرہ وغیرہ۔" فراز نے ایسی معصومیت سے کہا کہ ناہید اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی پھر وہ کوئی معقول سا جواب دینا چاہتی تھی کہ بیگم سجاد آ گئیں۔

"یہ دیور بھابی میں گھٹ گھٹ کیا باتیں ہو رہی ہیں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"امی حضور! یہ فراز مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ ان سے ضروری بات کب کریں گی۔" ناہید نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔

"کون سی ضروری بات؟" بیگم سجاد نے حیرت سے پوچھا' وہ ناہید کا اشارہ نہیں سمجھ سکی تھیں۔

"وہی بات امی حضور! جو آپ فراز کا نتیجہ آنے کے بعد کرنے والی تھیں۔" ناہید نے کھل کر کہا تو بیگم سجاد مسکرا کر بولیں۔

"کچھ دنوں اور صبر کر لو پھر وہ بات بھی شروع ہو جائے گی۔"

"جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" ناہید نے فراز کو شوخی سے گھورتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ فراز تو ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی فکر کر رہے ہیں۔"

"کیوں فراز!" بیگم سجاد نے بیٹے کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ مشورہ بھی مجھے ان ہی محترمہ نے دیا ہے امی حضور!" فراز نے شرارت بھرے انداز میں جواب دیا۔ "ابھی مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ گھر کا سارا کام کاج مجھے اکیلے کرنا پڑتا ہے' تم جلدی سے شادی کر لو تاکہ تمہاری بیوی آ کر ملازموں کی طرح ہانڈی چولہا سنبھالے اور میں چھپر کھٹ پر بیٹھ کر بوا سروری کی طرح پان چبایا کروں۔"

"یہ تُو نے ڈومنیوں کی طرح لڑنا جھگڑنا کہاں سے سیکھ لیا ہے۔" بیگم سجاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لڑنے کی تو بات ہے امی حضور!" فراز روٹھے انداز میں بولے۔ "بھلا یہ کہاں کا انصاف ہے کہ یہ ابھی سے میری ہونے والی بیوی کے پیچھے پنجے جھاڑ کر پڑ گئی ہیں' کیا گھر کے نوکر چاکر مر گئے ہیں جو وہ بیچاری بیاہ کر آتے ہی چولہا ہانڈی شروع کر دے گی۔"

"یہ تو میری بیٹی کی مرضی پر منحصر ہے۔" بیگم سجاد نے ناہید کی حمایت لیتے ہوئے فراز کو چھیڑا۔ "جیسا چاہے سلوک کر لے اپنی دیورانی کے ساتھ۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں ساری زندگی شادی ہی نہیں کروں گا۔ تمام عمر کنوارا بیٹھا رہوں گا۔" فراز نے منہ بناتے ہوئے کہا پھر بڑی خوبصورتی سے اس موضوع سے بچنے کے لئے تیز تیز قدم اٹھاتے باہر چلے گئے۔ بیگم سجاد اُسے ممتا بھری نظروں سے دیکھتی رہیں۔

"اب تم بھی جا کر آرام کرو بیٹی! تھک گئی ہو گی۔" انہوں نے فراز کے جانے کے بعد ناہید سے کہا۔ "باقی کام ملازم دیکھ لیں گے۔"

ناہید نے ساس کے اصرار پر ملازموں کو ضروری ہدایت دی پھر اپنی خوابگاہ میں آ گئی جہاں منصور مسہری کے بجائے ایک صوفے پر دراز تھے اور کسی گہری سوچ میں غرق تھے' دروازے کے قریب کھڑی وہ کچھ دیر تک منصور کے چہرے کو تکتی رہی' اُس کا دل چاہا کہ وہ اُن کے قریب جائے اور ہمت کر کے پوچھ لے کہ آخر انہیں وہ کون سا غم لاحق ہے جس نے انہیں زندگی کی مسرتوں سے بے نیاز کر دیا ہے لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اُس نے منصور کو اس مسئلے پر چھیڑا تو وہ بھڑک اٹھیں گے اور پھر وہ حجاب بھی شاید درمیان سے اٹھ جائے جس نے ابھی تک اس "راز" کا بھرم قائم رکھا تھا جو اُن کے درمیان سہاگ رات سے آج تک حائل تھا۔

دل میں کسک لئے وہ قدم اٹھاتی ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔ لباس تبدیل کر کے وہ باہر آئی تو دیکھا کہ منصور نے صوفے پر لیٹے لیٹے دوسری کروٹ بدل لی ہے۔ نہ جانے کن خیالوں میں گم تھے' مسہری کے کونے پر بیٹھی وہ دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر گھڑی نے رات کے بارہ بجنے کا اعلان کیا تو وہ دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اٹھی اور منصور کے قریب آ گئی جو ابھی تک اُس کی طرف سے منہ پھیرے لیٹے تھے۔

"کیا آج مسہری پر لیٹنے کا ارادہ نہیں ہے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

منصور نے کوئی جواب نہیں دیا شاید سو گئے تھے یا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ناہید کے ہونٹوں پر ایک بے جان سا تبسم مچل کر رہ گیا' تھکے تھکے انداز میں اُس نے پلٹ کر روشنیاں گل کر دیں اور نائٹ بلب جلاتی ہوئی مسہری کے ایک گوشے پر لیٹ گئی۔ حالات نے اُسے ان باتوں کا عادی بنا دیا تھا۔

☆======☆======☆

سلیم نے باپ کے حکم سے زیادہ مراد خاں کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے شہناز سے شادی کر لی تھی۔ اُن کا خیال تھا کہ شہناز سے شادی کے بعد بھی اُن کی آزادی میں

کوئی خلل پیدا نہیں ہو گا اور وہ اپنی من مانی کرتے رہیں گے لیکن شہناز نے آتے ہی کچھ ایسا رنگ جمایا کہ نہ صرف سلیم کی آزادی اُس سے متاثر ہوئی بلکہ آئے دن میاں بیوی کے تعلقات میں بھی تلخی شامل ہونے لگی۔

نجمہ بیگم بھی بہو کے انداز دیکھ رہی تھیں۔ انہیں اولاد کی محبت زیادہ تھی لیکن بہو نے ابھی تک اُن کو براہ راست کوئی ایسا موقع نہیں دیا تھا جو وہ کھل کر اُس سے باتیں کر سکتیں۔ اس کے علاوہ انہیں اس بات کا احساس بھی تھا کہ شہناز بڑے باپ کی بیٹی ہے۔ ڈرتی تھیں کہ کہیں اولاد کی طرفداری حالات کو اور زیادہ نہ خراب کر دے۔ ایک دو بار انہوں نے دبی زبان میں شیخ حامد حسین کو بھی بہو کے مقابلے میں بیٹے کے حق میں ہموار کرنے کی کوشش کی لیکن انہیں مایوسی کا شکار ہونا پڑا اس لئے کہ حامد حسین بڑے چاؤ سے اپنے دوست کی بیٹی کو بیاہ کر لائے تھے اور یوں بھی انہیں اولاد کی طرف سے ابھی تک اس بات کا یقین نہیں آیا تھا کہ وہ پوری طرح راہ راست پر آ گئی ہو گی لہٰذا انہوں نے شہناز کو شروع ہی سے اس بات کی مکمل آزادی دے رکھی تھی کہ وہ جس انداز میں چاہے اپنا گھر آباد کر سکتی ہے۔ رہا نرجس کا معاملہ تو وہ شہناز کی ہم جماعت اور عزیز ترین سہیلی تھی اور رشتے کی نوعیت بدل جانے کے بعد بھی اُس کے اور شہناز کے درمیان بہت گاڑھی چھن رہی تھی۔

جہاں تک شہناز کی شخصیت کا تعلق تھا وہ نہایت باغ و بہار طبیعت کی مالک تھی۔ اُس کا حلقۂ احباب بھی بے حد محدود تھا لیکن جس محفل میں بیٹھ جاتی تھی اُس کی دلچسپ اور برجستہ باتیں لوگوں کو قہقہہ لگانے پر مجبور کر دیتی تھیں۔ وہ بڑے باپ کی بیٹی ضرور تھی لیکن اُس کی اپنی تربیت بھی مشرقی انداز میں ہوئی تھی۔ انتہائی شریف اور سلیقہ مند ہونے کے ساتھ ساتھ وہ خاصی ذہین اور دوراندیش بھی واقع ہوئی تھی۔

شادی سے پہلے اس نے سلیم کے بارے میں کسی قسم کی چھان بین ضروری نہیں سمجھی تھی۔ ماں باپ کے حکم پر سر جھکا کر اس نے شادی کے لئے اپنی رضامندی کا اظہار کر دیا تھا۔ اُس کے لئے صرف یہی بہت تھا کہ سلیم اُس کی عزیز سہیلی کا بھائی ہے اور شادی کے بعد اُسے سسرال میں کسی اجنبیت کا شکار نہیں ہونا پڑے گا۔ نجمہ بیگم کے سلسلے میں البتہ اُس کے اندازے شادی کے بعد بہت غلط ثابت ہوئے تھے' اُس نے کبھی خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں سوچی تھی کہ نجمہ بیگم اپنی شخصیت میں "شکر چڑھی گولیوں" کی مانند ثابت ہو سکتی ہیں۔ اوپر سے جتنی میٹھی اندر سے اس سے کہیں زیادہ کڑوی'

بہرحال شہناز نے ساس کی اصلیت بے نقاب ہونے کے باوجود کبھی نہ تو اُن کی کسی بات کا بُرا مانا تھا نہ اُن کے سامنے زبان کھولی تھی البتہ اس نے اپنا گھر بنانے کی خاطر سلیم کی حد سے بڑھی ہوئی آزادی پر تھوڑی بہت روک ٹوک شروع کر دی تھی۔

شروع شروع میں اس نے شوہر کے احترام میں بھی کوئی فرق نہیں آنے دیا لیکن جب اس نے محسوس کیا کہ اس کی خاموشی آنے والے مستقبل کے لئے تباہ کن ثابت ہو گی تو اُس نے نرجس سے مشورہ کرنے کے بعد زبان پر پڑے قفل کو آہستہ آہستہ کھولنا شروع کر دیا تھا۔ اُسے سسر کی بھرپور حمایت حاصل تھی اس لئے اُسے قوی امید تھی کہ حال کی چھوٹی چھوٹی تلخیاں اُس کے مستقبل کے لئے انتہائی مفید اور خوش آئند ثابت ہوں گی چنانچہ اُس نے شوہر کے سلسلے میں اپنا رویہ عارضی طور پر بدل لیا تھا اور اپنی زندگی خوشگوار بنانے کی خاطر اُس نے سلیم پر آہستہ آہستہ دبی زبان میں کچھ بندشیں بھی عائد کرنا شروع کر دی تھیں۔

سلیم کو ماں کے بے حد لاڈ پیار اور غلط قسم کے دوستوں نے بگاڑ رکھا تھا اس لئے وہ بیوی کی طرف سے عائد ہونے والی پابندیوں کو بھی خاطر میں نہیں لا رہے تھے' اُن کی زبان پہلے ہی سے کھلی ہوئی تھی۔ شادی سے پہلے وہ جیب خرچ اور دوسرے گھریلو معاملات میں اکثر ماں کے ساتھ بھی گستاخی سے پیش آتے رہتے تھے لیکن شادی کے بعد سلیم نے جب یہ محسوس کیا کہ باپ اور بہن ہر معاملے میں شہناز کی طرفداری پر اتر آتے ہیں تو انہوں نے ماں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی خاطر چپکے چپکے بیوی کے سلسلے میں اُن کے کان بھرنے شروع کر دیئے۔

بڑی پرانی مثل ہے کہ گھٹنا جب بھی جھکتا ہے پیٹ کی طرف جھکتا ہے۔ یہ مثال نجمہ بیگم پر پوری طرح صادق آ رہی تھی۔ بیٹے کے سلسلے میں اُن کی ذاتی رائے بھی کچھ زیادہ اچھی نہیں تھی' اکلوتا لڑکا ہونے کے سبب وہ سلیم سے حد درجہ محبت کرتی تھیں لیکن جب سلیم نے ماں کی ممتا کی رعایتوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے اُن کے ساتھ بھی گستاخ انداز اختیار کیا تو مجبوراً انہیں حالات سنوارنے کی خاطر شوہر کا سہارا لینا پڑا لیکن بہرحال وہ سلیم کی ماں تھیں اس لئے انہیں یہ بات بھی منظور نہیں تھی کہ بیٹے کے مقابلے میں بہو کی حمایت کی جائے' حالانکہ انہوں نے اپنی شادی کے بعد بھی روزِ اوّل ہی سے شوہر کو مٹھی میں لینے کی خاطر دنیا جہان کے جتن کر ڈالے تھے اور شوہر کے مقابلے میں خود کو ہمیشہ افضل اور برتر سمجھا تھا لیکن جب بہو نے یہی انداز اپنی زندگی سنوارنے کی

خاطر اختیار کیا تو وہ روایتی ساس کا روپ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ انہوں نے طے کر لیا تھا کہ خواہ حالات کیسے ہی کیوں ثابت نہ ہوں وہ ہر حال میں بہو کے مقابلے میں بیٹے کی حمایت کریں گی۔

آج بھی وہ مغرب کے وقت شیخ حامد حسین کے کمرے میں اسی خیال سے گئی تھیں کہ شوہر کو اپنے حق میں ہموار کر سکیں' حامد حسین نماز سے فارغ ہو کر کھلے دریچے میں بیٹھے ٹھنڈی ہوا سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ نجمہ بیگم بھی ان ہی کے قریب جا کر بیٹھ گئیں۔ حامد حسین بیوی کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہی بھانپ گئے تھے کہ وہ کسی مطلب سے قریب آئی ہیں اس لئے خاموش بیٹھے رہے۔

"آپ بھی کمال کرتے ہیں۔" نجمہ بیگم نے شوہر کے لباس کو دیکھتے ہوئے بڑے لاڈ سے کہا۔ "اتنی سردیوں میں صرف ایک آدھی آستین کا سوئٹر پہنے بیٹھے ہیں' اوپر سے کوئی اونی چادر ہی ڈال لی ہوتی۔"

"سوچ رہا تھا کہ آپ کو آواز دے کر اونی چادر مانگ لوں لیکن پھر اس ارادے سے خاموش رہا کہ خدا جانے گھر کے اندر موسم کیسا ہو۔" حامد حسین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"موسم تو خیر خدا کے فضل و کرم سے بے حد خوشگوار ہے البتہ کبھی کبھی سردی میں لو کے تھپیڑے لگتے ہیں تو دل جل اٹھتا ہے۔" نجمہ بیگم نے دبی زبان میں جواب دیا۔

"آپ سے تو جب بات کرتی ہوں آپ خفا ہو جاتے ہیں۔"

"خیریت تو ہے بیگم!" حامد حسین نے بیوی کے چہرے کے تاثرات بھانپتے ہوئے پوچھا۔ "کیا کوئی خاص واقعہ رونما ہو گیا ہے۔"

"ابھی تو خیر ایسا کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آیا لیکن اگر حالات یہی رہے تو پھر اس گھر کے سکون کا خدا ہی حافظ ہے۔"

"سمجھا۔" حامد حسین قدرے سنجیدگی سے بولے۔ "شہناز بیٹی کا کوئی سلسلہ معلوم ہوتا ہے۔"

"بیٹی بیٹی کہہ کر تو آپ نے بہو بیگم کے دماغ اور خراب کر دیئے ہیں۔" نجمہ بیگم نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔ "اب تو اُن کا پارہ سلیم کے سلسلے میں ہر وقت چڑھا رہتا ہے' کبھی اس غریب سے سیدھے منہ بات نہیں کرتیں۔ ذرا ذرا سی بات پر اس طرح روک ٹوک اور نکتہ چینی کرتی رہتی ہیں جیسے وہ اُس کی بیوی کم اور استانی زیادہ ہوں' مجھے تو ہر وقت یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اگر کبھی پلٹ کر غلطی سے سلیم کے منہ سے بھی کوئی بات

نکل گئی تو کیا ہو گا۔"

"پھر..... آپ کا کیا مشورہ ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ کسی وقت اگر بہو بیگم سے بات کر لیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔" نجمہ بیگم نے کہا۔ "آپ کا وہ کچھ زیادہ ہی لحاظ بھی کرتی ہیں۔"

"کیا مطلب؟" حامد حسین نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "کیا شہناز آپ کا احترام نہیں کرتی؟"

"جیسا احترام کرتی ہیں وہ میرا دل ہی جانتا ہے۔" نجمہ بیگم تلخ لہجے میں بولیں۔ "دل میں کچھ اور زبان پر کچھ ..... سلیم کا تو اُس نے جینا محال کر دیا ہے۔"

"آپ کو ان حالات کا علم کیسے ہوا؟"

"یہ بھی اچھی کہی آپ نے۔" نجمہ بیگم جلے کٹے انداز میں بولیں۔ "میں اگر اپنی زبان بند رکھتی ہوں تو کم از کم آنکھیں تو کھلی رہتی ہیں۔ کیا میں نہیں دیکھ رہی ہوں کہ بہو بیگم کا دماغ ہر وقت ساتویں آسمان پر چڑھا رہتا ہے' ناک پر مکھی تک تو بیٹھنے نہیں دیتیں' جب دیکھو شوہر کو جلی کٹی سناتی رہتی ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ میاں بیوی کے معاملات میں دوسروں کی دخل اندازی حالات کو سنوارنے کے بجائے اور بگاڑ دیتی ہے۔" حامد حسین نے ٹھوس آواز میں کہا۔ "آپ خود اپنی مثال لے لیجئے ..... کیا آپ نے کبھی اس بات کو پسند کیا تھا کہ میرے مرحوم والدین ہمارے کسی معاملے میں رخنہ اندازی کریں۔"

"لیکن میں نے شادی کے بعد آپ پر کبھی اتنی کڑی پابندیاں اور پہرے بھی بٹھانے کی کوشش نہیں کی تھی جتنی آپ کی چہیتی اور لاڈلی بہو بیگم میرے بچے کے سلسلے میں کر رہی ہیں۔" نجمہ بیگم نے شوہر کی بات کا بُرا مناتے ہوئے کہا۔ "آخر کو وہ بھی مرد ہے' اُسے بھی غصہ آ سکتا ہے ..... پھر وہ شوہر ہے کوئی ملازم تو ہے نہیں کہ ہر وقت بیگم صاحبہ کی پلکوں کے اشاروں پر ناچتا رہے اور اُف تک نہ کرے۔"

"یہ آپ نہیں بول رہی ہیں بیگم! ماں کی ممتا بول رہی ہے۔" حامد حسین نے تیزی سے کہا۔ "سلیم کو شروع سے آپ کے بے جا لاڈ پیار نے بگاڑ رکھا ہے اور میرا تو خیال ہے کہ وہ اب بھی اپنی روش بدلنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ ایسی صورت میں اگر ہم نے اس کی حمایت کی تو یہ اُس کے حق میں بھلائی نہیں بلکہ دشمنی ہو گی۔"

"گویا جو کچھ بہو بیگم کر رہی ہیں ہم آنکھ بند کئے اُسے برداشت کرتے رہیں۔"

"اوّل تو یہ کہ یہ میاں بیوی کا ذاتی معاملہ ہے پھر خدا گواہ ہے کہ میں نے آج تک کبھی شہناز کو نظریں اٹھا کر بات کرتے نہیں دیکھا۔ خود آپ کا بھی یہی کہنا ہے کہ اُس نے آپ کے ساتھ بھی کوئی گستاخی نہیں کی۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کو بہو سے کیا شکایت ہے۔" حامد حسین نے بیوی کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اگر وہ سلیم کو غلط قسم کے دوستوں سے ملنے جلنے سے منع کرتی ہے یا اسے رات گئے تک گھر سے غائب رہنے پر ٹوکتی ہے تو اس میں کوئی برائی بھی نہیں ہے۔"

"اور اگر سلیم نے کسی دن غصے میں آ کر اُس کو چار حرف کہہ دیئے تو اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہو گی۔" نجمہ بیگم نے بھناتے ہوئے کہا۔

"یہ سلیم کی اپنی بدبختی ہو گی جس کا خمیازہ بھی اسی کو بھگتنا ہو گا۔" حامد حسین نے نہایت صاف گوئی سے جواب دیا۔

"وہ تو خیر جو جس کے نصیب میں لکھا ہوا ہے اُسے بھگتنا ہی پڑتا ہے لیکن ماں باپ کو بہرحال اولاد کی بہتری کے لئے سوچنا ہی پڑتا ہے۔" نجمہ بیگم تیز ہوتے ہوئے بولیں۔ "سلیم پھر مرد ذات ہے ..... اس کے لئے خدا رکھے لڑکیوں کی کوئی کمی بھی نہیں ہے لیکن حالات خراب ہوئے تو بہو بیگم ہی کو زندگی بھر آنسو بہانے پڑیں گے۔"

"خدا کے غضب سے ڈریئے بیگم!" حامد حسین نے کہا۔ "خدا نے آپ کو بھی ایک لڑکی دی ہے' ابھی اس کی شادی بھی ہونا ہے' یہی حالات جو آج شہناز کو درپیش ہیں اگر کل نرجس کو بھی پیش آ گئے تو اس وقت آپ کے دل کی کیا کیفیت ہو گی۔"

"خدا نہ کرے جو نرجس کو ایسے حالات سے دوچار ہونا پڑے۔" نجمہ بیگم جھلا کر بولیں۔ "آپ بھی نیک فال زبان سے نکال رہے ہیں' بجائے اس کے بہو کو سمجھاتے اپنی بیٹی کے مستقبل کی بربادی کی دعائیں مانگنے بیٹھ گئے' واہ ..... یہ بھی خوب انصاف ہے۔"

"خدا کے لئے عقل سے کام لیجئے بیگم!" حامد حسین تلملا کر بولے۔ "میں خدانخواستہ نرجس کو بددعا کب دے رہا ہوں' میں نے تو ایک مثال دی تھی۔ رہا سلیم کا مسئلہ تو میں خوب جانتا ہوں کہ وہ کس راستے پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اگر آپ نے اب بھی اُس کی بے جا حمایتوں سے ہاتھ نہ کھینچا تو پھر آپ ہی کو بعد میں سر پکڑ کر رونا پڑے گا۔"

"روئیں میرے دشمن جو ہر وقت میری چھاتی پر چڑھے مونگ دلتے رہتے ہیں۔"

نجمہ بیگم نے آپے سے باہر ہوتے ہوئے کہا۔ "میں بھی اب دیکھتی ہوں کہ آپ کی چہیتی بہو بیگم کب تک اس گھر پر راج کرتی ہیں۔ اگر میں نے بھی اُن کو ناکوں چنے نہ چبوائے تو میرا نام بھی نجمہ بیگم نہیں۔"

"اگر آپ نے یہ فیصلہ کر ہی لیا ہے تو پھر میرا فیصلہ بھی سن لیجئے۔" حامد حسین نے ہونٹ کاٹتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "اگر سلیم نے شہناز کے مستقبل کو تباہ کرنے کی کوشش کی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔ خدا نے مجھے بھی ایک بیٹی کا باپ بنایا ہے پھر یہ بھلا کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ میں بلاوجہ کسی دوسرے کی بیٹی کی زندگی تباہ ہوتے دیکھ سکوں' میں یہ ظلم کسی حالت میں بھی برداشت نہیں کروں گا۔"

نجمہ بیگم نے شوہر کو غصے کی حالت میں دیکھا تو اندر ہی اندر جھلس کر رہ گئیں' پلٹ کر شوہر کو جواب دینے کے بجائے دل ہی دل میں خون کے گھونٹ پیتی ہوئی اٹھ کر باہر آ گئیں لیکن شیخ حامد حسین کی باتوں نے اُن کے دل میں بہو کی طرف سے نفرت میں کئی گنا اضافہ کر دیا تھا۔ حالات کے پیش نظر وہ شوہر کی تلخ کلامی کو بھی بہو کے سر تھوپنے پر مجبور ہو گئی تھیں۔

شوہر کے کمرے سے نکل کر وہ غصے میں بل کھاتی ڈرائنگ روم میں آئیں جہاں نرجس اور شہناز بیٹھی ہنس بول رہی تھیں لیکن نجمہ بیگم کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر دونوں نے سنجیدگی اختیار کر لی۔ نجمہ بیگم نے بہو کو ہنستے بولتے دیکھا تو جیسے اُن کے سینے پر سانپ لوٹ گیا لیکن دوراندیشی کے پیش نظر انہوں نے اس وقت شہناز سے الجھنا مناسب نہیں سمجھا البتہ جھلائے ہوئے انداز میں نرجس کو مخاطب کر کے پوچھا۔

"سلیم کہاں ہے؟"

"بھائی جان اپنے کسی دوست کے ہاں دعوت میں گئے ہیں۔" نرجس نے آہستہ سے جواب دیا۔

"تم اتنے یقین کے ساتھ کیسے کہہ رہی ہو کہ سلیم دعوت ہی میں گیا ہے۔" نجمہ بیگم نے بہو کو سنانے کی خاطر جلے کٹے لہجے میں کہا۔ "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے آوارہ دوستوں کے ساتھ دعوت کا بہانہ کر کے کہیں غلط جگہ چلا گیا ہو۔"

"ایسی بات نہیں ہے امی جان!" نرجس نے ڈرتے ڈرتے جواب دیا۔ "میں نے خود دعوت نامہ دیکھا تھا۔"

"ہو سکتا ہے کہ وہ دعوت نامہ بھی جعلسازی سے چھاپ لیا گیا ہو' بُرے آدمیوں کا

بھلا کیا بھروسہ۔ بہرحال سلیم جس وقت آئے اُسے ذرا میرے پاس بھیج دینا۔" نجمہ بیگم نے بدستور اکھڑے اکھڑے لہجے میں کہا پھر شہناز پر ایک نظر ڈالتی ہوئی اپنے کمرے میں واپس چلی گئیں تو نرجس نے شہناز سے کہا۔

"خدا خیر کرے' آج تو امی جان کا پارہ بڑی طرح چڑھا ہوا ہے۔"

"اور مجھے یقین ہے کہ امی جان کا پارہ اونچا ہونے میں تمہارے بھائی صاحب کا ہاتھ ضرور شامل ہے۔" شہناز بولی۔ "انہوں نے یقیناً میرے خلاف امی جان کے کان بھر دیئے ہیں' شاید اسی لئے امی جان اس وقت مجھے سنانے کے لئے یہ باتیں کر رہی تھیں۔"

"ممکن ہے تمہارا اندازہ درست ہو' بھائی جان کو میں نے اکثر امی جان کے ساتھ کانا پھوسی کرتے دیکھا ہے۔" نرجس نے دبی زبان میں کہا۔ "امی جان چونکہ بھائی جان کو حد سے زیادہ چاہتی ہیں اس لئے بھائی جان کی عادتیں بھی خراب ہو گئی ہیں۔"

"لیکن صورت حال اب زیادہ ہی بگڑتی نظر آ رہی ہے۔" شہناز نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "امی جان نے اگر تمہارے بھائی صاحب کی حمایت اسی طرح جاری رکھی تو پھر گھر کا سکون بھی برباد ہو کر رہ جائے گا۔"

"امی جان اس وقت ابو کے پاس سے ہو کر آ رہی تھیں۔" نرجس بولی۔ "ہو سکتا ہے کہ ابو جان نے ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی تمہاری حمایت لی ہو اور امی جان کا پارہ بھڑک اٹھا ہو۔ بلاوجہ مجھے بھی جھاڑ پڑ گئی ورنہ بھلا میرا کیا قصور تھا۔"

"تمہارا قصور تو خیر میں بتاؤں گی۔ فی الحال تم ذرا اپنی امی جان کی نگرانی کرو اور میں ابو جان کو ٹٹول کر آتی ہوں۔" شہناز نے سنجیدگی سے کہا۔ "ذرا پتہ تو چلے کہ اصل بات کیا ہے۔"

پھر شہناز تیز تیز قدم اٹھاتی دوسری راہداری سے شیخ حامد حسین کی خوابگاہ کی طرف چلی گئی اور نرجس نے اُس کی ہدایت پر ماں کے کمرے کی راہ لی لیکن اُسے بھی ماں کے کمرے میں داخل ہونے کی ہمت نہیں ہوئی اس لئے کہ ماں کے غصے سے وہ بھی بہت گھبراتی تھی۔ لہٰذا اُس نے کمرے کے باہر ہی ٹہلنا شروع کر دیا۔

شہناز کی واپسی میں خاصی دیر ہو رہی تھی اور جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا نرجس کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر جب اُس نے شہناز کو واپس آتے دیکھا تو اُس کی جان میں جان آئی' قدم اٹھاتی تیزی سے وہ قریب آئی تو شہناز کی حسین آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی دیکھ کر اُس کا دل دھک سے رہ گیا۔

"کیا بات ہے بھابی جان!" اُس نے بڑے پیار سے شہناز کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ابو جان نے کچھ بتایا؟"

"نہیں۔" شہناز نے اپنی بھیگی پلکوں کو خشک کرتے ہوئے کہا۔ "البتہ صرف اتنی تاکید کہ ہے کہ میں فی الحال ایک خاموش تماشائی کی حیثیت سے آنے والے حالات کا جائزہ لیتی رہوں۔ تمہارے بھائی صاحب سے اب خود ابو جان گفتگو کریں گے۔"

"گویا ہماری ٹیم کی نفری زیادہ ہے۔"

"نفری کی بچی! یہ سب کچھ تیرا ہی کیا دھرا ہے۔ نہ تُو نے اپنے لاڈلے بھائی کی سفارش کی ہوتی' نہ میں اس جنجال میں پھنستی۔" شہناز نے نرجس کو گھورتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے کہا پھر مسکرا کر دوسرے ہی لمحے بے اختیار اُسے گلے بھی لگا لیا۔

☆------☆------☆

فراز کے نتیجے کو آئے چار ماہ گزر چکے ہیں۔

نتیجہ آنے کے فوراً ہی بعد انہوں نے بڑی سنجیدگی سے اپنے فرم کے قیام کی تگ و دو شروع کر دی تھی اور جارج ٹاؤن کے علاقے میں اپنی ایک کوٹھی خالی کرا کے اُس میں فراز کنسٹرکشن انٹرپرائز کے نام سے اپنا باقاعدہ دفتر کھول لیا تھا جس میں وہ بڑی پابندی سے بیٹھتے تھے۔

بیگم سجاد اور منصور کا خیال تھا کہ فراز عام زندگی میں جس قدر لاابالی اور ہنستے بولتے رہنے کے عادی ہیں کاروباری معاملات میں بھی اتنے ہی غیر سنجیدہ ثابت ہوں گے لیکن فراز نے دفتری معاملات میں جس قدر سنجیدگی اور محنت سے کام کیا تھا اس نے ماں اور بڑے بھائی کے تمام خدشات یکسر دور کر دیئے' منصور شروع شروع میں ہر دوسرے تیسرے دن فراز کے دفتر جا کر وہاں کی دیکھ بھال کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے لیکن فراز کی کاروباری سوجھ بوجھ اور ذہانت کے قائل ہو جانے کے بعد انہوں نے اب اُس کے دفتر آنا جانا بہت کم کر دیا تھا۔

ماں کی دعائیں شامل حال تھیں اس لئے قدرت بھی فراز پر مہربان تھی اور خود فراز کی اپنی انتھک اور شب و روز کی جدوجہد کا نتیجہ تھا کہ چار ماہ کے اندر ہی اندر فراز کو دو خاصے بڑے تعمیراتی منصوبوں کا کام بھی مل گیا تھا جس میں انہیں بڑی معقول رقم کی بچت کی پوری پوری امید تھی۔ ان کی کامیابی کی ایک سب سے بڑی وجہ اُن کی دیانتداری اور دفتری عملے کے ساتھ دوستانہ سلوک بھی تھا۔

صبح سویرے وہ گھر سے نکل کر ٹھیک وقت پر دفتر پہنچتے' آدھا دن دفتری کاموں میں مصروف رہتے اور باقی اوقات میں ان منصوبوں کی ذاتی نگرانی پر توجہ دیتے جو ان کو بغیر کسی سفارش کے ملے تھے۔ ماں کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ مرحوم باپ کے لوگوں سے دیرینہ تعلقات بھی اُن کے بہت کام آ رہے تھے۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ جس کام میں بھی ہاتھ ڈالتے کامیابی بڑھ کر اُن کے قدم چومتی تھی۔

بیگم سجاد کو فراز کی کامیابی اور اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی جس قدر خوشی تھی اُس کا اندازہ کچھ وہی لگا سکتی تھیں؟ اُن کی تمنا تھی کہ فراز دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرے اس لئے وہ ہر نماز میں فراز کے لئے گڑگڑا کر خدا سے دعائیں مانگا کرتی تھیں' منصور چونکہ اپنے گھر کے ہو گئے تھے اس لئے اب بیگم سجاد کی خواہش تھی کہ وہ جلد از جلد فراز کی شادی کے فرض سے بھی سبکدوش ہو جائیں۔ انہوں نے فراز کے امریکہ سے آنے سے پیشتر ہی دو تین لڑکیوں کا انتخاب کر رکھا تھا لیکن ابھی تک لڑکیوں کے خاندان والوں سے اس کا ذکر نہیں کیا تھا مگر اب جبکہ فراز نے امتحان میں کامیابی بھی حاصل کر لی تھی اور اپنا کاروبار بھی نہایت کامیابی سے شروع کر لیا تھا تو وہ جلد از جلد اُن کا گھر بسا دینے کی آرزومند ہو گئی تھیں۔

شادی کے سلسلے میں انہوں نے کئی بار فراز کو گھیرنے اور سنجیدگی سے گفتگو کرنے کی کوشش کی تھی لیکن فراز ابھی تک اس معاملے میں سنجیدہ نہیں ہوئے تھے' ہر بار یا تو وہ بڑی خوبصورتی سے ماں کی باتوں کو ہنسی میں اڑا جاتے یا پھر موضوع بدل کر کاروباری باتیں اس انداز میں شروع کر دیتے کہ بیگم سجاد کا دھیان اصل مقصد کی طرف سے ہٹ جاتا تھا۔

آج بھی بیگم سجاد لان کے قریب ورانڈے میں بیٹھی فراز کے مستقبل کے بارے میں سوچ رہی تھیں کہ ناہید چائے کی ٹرے لئے آ گئی۔ بیگم سجاد نے بڑی محبت سے ناہید کو اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔

"ناہید بیٹی! فراز کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

"کس سلسلے میں امی حضور!" ناہید نے چائے بنا کر ساس کو دیتے ہوئے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ اب فراز کی شادی بھی کوئی مناسب رشتہ دیکھ کر کر دی جائے تو میرے سر سے ایک بڑا بوجھ اتر جائے گا۔"

"نہایت مناسب خیال ہے امی حضور!" ناہید بولی۔ "کیا آپ نے فراز سے اس

سلسلے میں بات کر لی ہے؟"

"وہ اتنا موقع کہاں دیتا ہے کہ سنجیدگی سے اس سے بات کی جائے۔" بیگم سجاد نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "جہاں میں نے شادی کا تذکرہ شروع کیا اور وہ اِدھر اُدھر کی ہانکنے لگتا ہے اور میرے ذہن سے بات نکل جاتی ہے لیکن آج میں نے طے کر لیا ہے کہ اُسے کسی نہ کسی طرح گھیر گھار کر اس مسئلے پر گفتگو ضرور کروں گی۔"

"امی حضور! کیا آپ نے فراز کے لئے کوئی لڑکی دیکھ رکھی ہے؟"

"لڑکیاں تو خیر نظر میں ہیں لیکن میں چاہتی ہوں کہ بات شروع کرنے سے پہلے تمہیں بھی ان لڑکیوں کو ایک نظر دکھا دوں تو زیادہ مناسب ہو گا۔"

"اس کی کیا ضرورت ہے۔" ناہید نے انکساری سے کام لیا۔ "آپ فراز کے لئے جس لڑکی کا انتخاب کریں گی وہ یقیناً ہر اعتبار سے مناسب رہے گی۔"

"وہ تو خیر ٹھیک ہے لیکن تم بھی فراز کی بڑی بھاوج ہو اور بڑی بھاوج بجائے ماں کے ہوتی ہے۔" بیگم سجاد نے بہو کو ممتا بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔ "رہا میرا انتخاب تو میں خدا سے یہی دعا کرتی ہوں کہ فراز کے لئے بھی اگر تمہاری ہی جیسی شریف اور نیک سیرت لڑکی مل جائے تو خود کو دنیا کی سب سے خوش قسمت ماں سمجھوں گی۔"

"یہ آپ کی محبت ہے امی حضور! جو ذرّے کو آفتاب بنا دیا ہے ورنہ میں کیا اور میری بساط کیا۔" ناہید نے نہایت عاجزی سے جواب دیا پھر دبی زبان میں کہا۔ "فراز کے لئے تو کوئی ایسی لڑکی ہونا چاہئے جو ان ہی کی طرح شوخ اور پُروقار بھی ہو۔"

"نرجس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟" بیگم سجاد نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نرجس میری ناقص رائے میں ہر لحاظ سے فراز کے لئے بہت موزوں رہے گی لیکن میرا خیال ہے کہ چچی جان ابھی اُس کی شادی کرنے کا ارادہ نہیں رکھتیں' غالباً وہ اسے اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر بھیجنے کا سوچ رہی ہیں۔"

"منصور کی دفعہ بھی نجمہ بیگم نے یہی جواب دیا تھا ورنہ بھائی حامد کو تو کوئی انکار نہیں تھا۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "میرا اندازہ ہے کہ حامد بھائی کی' بیوی کے سامنے کچھ زیادہ نہیں چلتی ورنہ وہ تو نرجس کو تعلیم کے لئے باہر بھیجنے کے حق میں پہلے بھی نہیں تھے۔"

"آپ کا اندازہ کسی حد تک ٹھیک ہی ہے۔" ناہید نے زیر لب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "چچا جان اور چچی جان کی طبیعتوں میں بڑا تضاد ہے۔"

"دوسری لڑکی جو میری نظر میں ہے وہ منصور کے والد کے پرانے اور عزیز دوست کرنل سرفراز کی لڑکی فرزانہ ہے جسے میں نے تمہیں فراز کی کامیابی کی تقریب میں دکھایا تھا۔" بیگم سجاد نے اپنی اونی چادر کو خنک ہوا سے بچنے کی خاطر سر پر ڈالتے ہوئے کہا۔ "اچھے خاصے کھاتے پیتے لوگ ہیں' خاندان بھی دیکھا بھالا ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کرنل سرفراز بھی فراز کو بچپن ہی سے بہت پسند کرتے ہیں۔"

"فرزانہ بھی خدا نظر بد سے بچائے بے انتہا حسین اور خوبصورت لڑکی ہے اور میرا خیال ہے کہ فراز نے بھی اسے ضرور دیکھ رکھا ہو گا اس لئے کہ غالباً وہ لوگ پردے وغیرہ کے زیادہ قائل نہیں ہیں۔" ناہید نے ساس کی خوشنودی کی خاطر کہہ دیا ورنہ اسے فرزانہ کسی اعتبار سے بھی فراز کے لئے مناسب نہیں لگی تھی' اُس نے پہلی ہی نظر میں اندازہ لگا لیا تھا کہ فرزانہ انتہائی آزاد خیال اور فیشن کی دلدادہ ہے لیکن ساس کے سامنے اُس نے کھل کر اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا۔

"پردے کی تو خیر ایسی کوئی بات نہیں ہے البتہ لڑکی کا شریف اور نیک سیرت ہونا ضروری ہے۔" بیگم سجاد بولیں۔ "یوں بھی شوہر کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ جس راستے پر چاہے بیوی کو چلائے۔ فراز چاہیں گے تو فرزانہ کو پردہ بھی کرا سکتے ہیں ..... ہاں یہ ضرور ہے کہ اُس کی تربیت آزاد ماحول میں ہوئی ہے اور وہ بھی اس لئے کہ ماں کا سایہ اُس کے سر سے اٹھ گیا تھا جب اُس کی عمر صرف سات سال تھی' اس کے بعد کرنل سرفراز ہی نے بیٹی کی تربیت کی ذمہ داری پوری کی ہے لیکن جہاں تک میں نے سنا ہے کہ کرنل سرفراز نے بیٹی کو بیوی کی وفات کے بعد ہمیشہ اپنی ذاتی نگرانی میں رکھا ہے اور کبھی اُس کی طرف سے غفلت نہیں برتی۔"

"جیسا آپ مناسب خیال کریں۔" ناہید نے کہا۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ اگر فراز کی رائے بھی اس سلسلے میں لے لی جائے تو زیادہ مناسب رہے گا۔"

"میں بھی یہی چاہتی ہوں اور اسی غرض سے میں نے اس وقت تم سے ان لڑکیوں کا تذکرہ بھی کر دیا ہے جو میری نگاہ میں تھیں اور اب یہ تمہارا فرض ہے کہ تم فراز کی رائے معلوم کر لو۔" بیگم سجاد نے نہایت کھلے ہوئے دل سے کہا۔ "فراز دو سال امریکہ رہ کر آئے ہیں' ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے لئے زندگی کے ہمسفر کے انتخاب میں اپنی پسند کا لحاظ بھی مناسب سمجھیں۔ مجھے اس میں بھی کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

ناہید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شاید اس لئے کہ منصور کے سلسلے میں غالباً اُن کی

ذاتی پسند کا خیال نہیں رکھا گیا تھا اور انجام کار ناہید کو کانٹوں کی سیج پر بھی مسکرانے کے لئے حالات سے سمجھوتہ کرنا پڑا تھا۔ ایک لمحے کو اُس کے دل کا زخم پھر ہرا ہو گیا۔ اُسے اپنی سہاگ رات یاد آ گئی جب وہ بھی اپنے معصوم دل میں خوابوں کی دنیا سجائے عروسی جوڑے میں گھر سے وداع ہو کر ایک نئی زندگی کا آغاز کرنے آئی تھی لیکن منصور کے ایک ہی جملے نے اُس کے دل کی تمام حسرتوں اور امنگوں کو پامال کر دیا تھا اور شاید اسی لئے اس نے غیر اختیار طور پر فراز کی شادی کے تذکرے پر ساس سے اُس کی پسند کا حق مانگ لیا تھا' اُس کی اپنی زندگی تو قسمت اور حالات کی ستم ظریفیوں کا شکار ہو گئی تھی لیکن وہ فراز کو ایسے ہی حالات کا شکار ہونے سے بچانا چاہتی تھی۔

مگر کیوں.....

کس لئے.....

فراز کے لئے اُس کے دل میں ہمدردی کا وہ جذبہ کیوں ابھر آیا تھا.....

وہ فراز کو کس لئے اُن طوفانوں سے محفوظ رکھنا چاہتی تھی جس نے خود اُس کی زندگی کو ویران کر دیا تھا.....

وہ کون سا لگاؤ تھا جس نے آج اُسے ساس کے سامنے زبان کھولنے پر اکسایا تھا.....

کیا فراز اب بھی اُس کے دل کے نہاں خانوں میں کہیں موجود تھے.....

نہیں.....

نہیں ..... نہیں.....

وہ خود اپنے حالات سے الجھنے لگی' اپنی ہی نگاہوں میں خود کو مجرم سمجھنے لگی' جانے کیوں اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگی تھیں۔ اس نے گھبرا کر نظریں اٹھا کر ساس کی جانب دیکھا جن کے پُروقار چہرے سے ممتا کے نور کی جھلملاتی کرنیں پھوٹ رہی تھیں' کیسا تقدس' کتنا پیار اور کتنی اپنائیت نظر آ رہی تھی ان پُرنور آنکھوں میں' اُس کے دل کو قرار آ گیا' اگر چہرے پر دل کا عکس ابھر آتا تو نہ جانے کیا ہوتا۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا پھر دوبارہ پلکیں جھکا لیں۔

"تم کس سوچ میں کھو گئی تھیں ناہید بیٹی!"

"جی!" وہ ساس کی آواز سن کر چونکی' جلدی سے ہونٹوں پر تبسم بکھیر کر بولی۔ "فراز کی شادی کے بارے میں سوچ رہی تھی امی حضور! میں چاہتی ہوں کہ فراز کی شادی نہایت

دھوم دھام سے ہو اور اُن کے لئے ایسی چاند سی دلہن بیاہ کر لائی جائے کہ جو دیکھے بس دیکھتا ہی رہ جائے۔"

"تم اس گھر کی مالک ہو بیٹی! فراز کی شادی میں ہر کام تمہاری مرضی سے ہو گا' جتنا چاہنا دھوم دھڑکا کر لینا۔"

"میں تو ابھی سے یہ سوچ رہی ہوں کہ فراز سر پر سہرا باندھنے کے بعد سنجیدہ کیسے رہ سکیں گے۔" اُس نے شوخی سے کہا۔ "کہیں دولہا بننے کے بعد بھی بچوں جیسی معصوم شرارتیں نہ شروع کر دیں۔"

"اس کا کوئی بھروسا بھی نہیں ہے۔" بیگم سجاد مسکرا کر بولیں۔ "کسی وقت کوئی سی بھی رگ پھڑپھڑانا شروع کر سکتی ہے اور میرے سامنے تو ابھی تک خود کو ایسا معصوم اور بھولا بھالا بچہ بنائے رکھتا ہے جیسے ابھی دودھ کے دانت بھی نہ ٹوٹے ہوں۔"

"خدا آپ کا سایہ ہمیشہ برقرار رکھے امی حضور! آپ ہی کے دم سے تو اس گھر کی رونقیں برقرار ہیں۔"

اور ابھی ساس بہو میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ فراز کی گاڑی بنگلے میں داخل ہوئی۔ گاڑی سے اتر کر انہوں نے ماں اور ناہید کو ورانڈے میں بیٹھے دیکھا تو قدم مارتے ہوئے اسی جانب آ گئے۔ دن بھر کی تھکن اور مشقت کے باوجود ایک ذرہ برابر بھی شکن چہرے پر نظر نہیں آ رہی تھی۔ آنکھوں سے وہی شوخی اور شرارت جھلک رہی تھی جو اُن کا خاصا تھی۔ اسٹیل گرے کلر کے سوٹ نے اُن کی رنگت کو کچھ اور ہی نکھار بخش دیا تھا۔ قریب آ کر ماں کو نہایت ادب سے سلام کیا پھر ماں کی دعائیں لیتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔ ناہید کو شوخی سے دیکھتے ہوئے بڑے پیارے انداز میں بولے۔

"اگر ایک کپ گرما گرم چائے مل جائے تو بڑا احسان ہو گا۔"

"آپ جا کر لباس تبدیل کیجئے اور منہ ہاتھ دھو کر آیئے' اتنی دیر میں آپ کے لئے تازہ چائے دم دے کر تیار کرتی ہوں۔" ناہید نے کہا پھر برتن سمیٹتی ہوئی اندر چلی گئی۔

کچن میں جا کر اُس نے خود اپنے ہاتھوں سے فراز کے لئے چائے تیار کی' ناشتے کے لئے تھوڑا سا سامان بھی ٹرالی میں سجا کر دوبارہ ورانڈے میں پہنچی تو فراز وہاں پہلے سے منہ ہاتھ دھو کر اور لباس تبدیل کئے موجود تھے۔ ڈھیلے ڈھالے کپڑوں میں بھی کس قدر اسمارٹ نظر آ رہے تھے۔ ناہید اپنی کرسی پر بیٹھ گئی تو فراز نے ٹرالی سے بسکٹ کی پلیٹ اٹھا لی اور اس طرح بسکٹوں پر ٹوٹ پڑے جیسے بہت زیادہ بھوکے ہوں۔ بیگم سجاد خاموش بیٹھی

بیٹے کو پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ فراز بسکٹوں سے فارغ ہو کر ناہید سے بولے۔

"اب ذرا جلدی سے آپ چائے تیار کر دیں اور آج میرے ہی ساتھ شریک ہو جائیں اس لئے کہ بھائی جان کلب کی سالانہ تقریب میں شرکت کرنے گئے ہیں اُن کی واپسی ڈنر کے بعد ہو گی۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ تم خواہ مخواہ میری بیٹی کو تنگ کر رہے ہو۔" بیگم سجاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے ان محترمہ کو تنگ کرنے کی۔" فراز نے بے نیازی سے جواب دیا۔ "ان کے لئے تو بھائی جان ہی کافی ہیں۔"

ناہید نے کوئی جواب نہیں دیا' خاموشی سے چائے بنا کر فراز کے سامنے رکھ دی۔

"کیا آپ میرے ساتھ چائے نہیں پئیں گی؟" فراز نے پوچھا۔

"ابھی امی حضور کے ساتھ پی چکی ہوں۔ اب خواہش نہیں ہو رہی۔" ناہید نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہارے کاروبار کا کیا حال چال ہے؟" بیگم سجاد نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"آپ کی دعاؤں کا اثر ہے امی حضور! نہایت خوش اسلوبی سے سارے کام انجام پا رہے ہیں۔" فراز نے کہا پھر ناہید کو چھیڑنے کی خاطر بولے۔ "کام کی زیادتی کی وجہ سے تو آج کل سر اٹھانے کی بھی مہلت نہیں ملتی۔ سوچ رہا ہوں کہ ایک پرسنل سیکرٹری اور رکھ لوں۔"

"فکر مت کیجئے۔" ناہید مسکراتے ہوئے بولی۔ "آپ کے آنے سے قبل میں امی حضور سے یہی کہہ رہی تھی کہ اب آپ کے لئے پرسنل سیکرٹری کا بندوبست اشد ضروری ہو گیا ہے۔"

"فراز بیٹے!" بیگم سجاد نے کہا۔ "آج میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"آپ حکم دیجئے امی حضور! میں نافرمانی کی گستاخی نہیں کروں گا۔" فراز نے ناہید کی مسکراہٹوں سے تاڑ لیا تھا کہ ماں کون سی ضروری بات کرنا چاہتی ہیں اس لئے ذرا سنبھل کر بیٹھ گئے۔

"میں بتاتی ہوں آپ کو۔" ناہید نے کہا۔ "دراصل امی حضور آپ کے سر پر سہرا دیکھنے کی خواہشمند ہیں۔"

"نہایت مناسب خیال ہے۔" فراز نے چائے ختم کر کے پیالی ٹرالی پر رکھتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "میں خود بھی جب سے امریکہ سے واپس آیا ہوں یہی سوچ رہا ہوں کہ اب مجھے بھی اپنا گھر آباد کر لینا چاہئے۔"

"خدا نے چاہا تو اب تمہارا گھر بھی بہت جلد آباد ہو جائے گا۔" بیگم سجاد بولیں۔ "میں نے تمہارے لئے دو ایک لڑکیاں بھی دیکھ رکھی ہیں اور آج میں اسی مسئلے پر تم سے سنجیدگی سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔"

"میں پوری توجہ سے سن رہا ہوں امی حضور!" فراز نے نہایت سنجیدگی سے کہا لیکن ناہید دیکھ رہی تھی کہ فراز کی سنجیدگی کے اندر بھی شوخی اور شرارت کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔

"سب سے پہلے تو میں تم سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ آیا لڑکی کے انتخاب میں تم میری پسند کو ترجیح دو گے یا اپنی پسند کی شادی کرو گے۔" بیگم سجاد نے دوستانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے دونوں ہی صورتوں میں کوئی اعتراض نہیں اس لئے کہ زندگی تمہیں گزارنا ہے' البتہ میں یہ ضرور چاہتی ہوں کہ جلد از جلد اس فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔"

"یہ آپ نے کیسے سوچ لیا امی حضور کہ میں آپ کی پسند سے کوئی اختلاف رکھوں گا۔" فراز نے کہا پھر ناہید کو دیکھتے ہوئے بولے۔ "آپ کے شاندار انتخاب کا ایک خوبصورت اور جیتا جاگتا نمونہ تو اس وقت بھی میرے سامنے موجود ہے' مجھے یقین ہے کہ آپ میرے لئے جو کچھ کریں گی وہ بہتر ہی ہو گا البتہ میں اتنی گزارش ضرور کروں گا کہ اگر میری دلہن بھی ان محترمہ جیسی ہو تو زیادہ مناسب ہو گا۔"

"کچھ ہیرے انمول اور نایاب ہوتے ہیں فراز بیٹے!" بیگم سجاد نے بڑے فخر سے بہو کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں کوشش کروں گی کہ تمہارے لئے بھی کسی انمول ہیرے کا انتخاب کروں۔"

"یہ بہت ضروری ہے امی حضور! ورنہ یہ محترمہ میری دلہن کا مذاق اڑائیں گی۔" فراز نے بھولپن سے جواب دیا۔

"ایک لڑکی تو ایسی ہے جسے تم نے بھی دیکھ رکھا ہے۔" بیگم سجاد نے فراز کی بات کو

نظرانداز کرتے ہوئے بدستور سنجیدگی سے کہا۔

"وہ کون ہے؟" فراز نے تیزی سے پوچھا۔

"فرزانہ ..... کرنل سرفراز کی بیٹی۔" بیگم سجاد نے بیٹے کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے کہا۔

"جی ہاں ..... میں نے اُسے دیکھ رکھا ہے۔" فراز بڑی معصومیت سے بولے۔ "بے حد آزاد خیال اور موڈرن لڑکی ہے' ناک نقشہ بھی بہت اچھا ہے اور اگر تھوڑی بہت کسر بھی ہو تو غازے اور لپ اسٹک سے دور ہو سکتی ہے' خاص طور پر مجھے اس کا بال اٹھا کر جُوڑہ بنانے کا اسٹائل تو بہت ہی پسند آیا تھا بالکل بیا کا گھونسلہ نظر آتا ہے۔"

"پھر شروع کر دی تُو نے وہی آئیں بائیں شائیں۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "کیا دو گھڑی بھی میرے سامنے سنجیدہ نہیں رہ سکتا۔"

"جو کچھ میں نے عرض کیا ہے امی حضور! اس میں مذاق کو مطلق کوئی دخل نہیں ہے۔" فراز نے ماں کی ناراضی پر مسکراتے ہوئے کہا۔ "فرزانہ حقیقت میں بے حد خوبصورت اور حسین اور خوبصورت لڑکیوں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے البتہ مجھے اُس کی آزاد خیالی اور مردوں کے درمیان بے باکی سے گھومنا پھرنا پسند نہیں مگر اس کا تدارک بھی ہو سکتا ہے' شادی کے بعد ان کے لئے بھی بوا سروری جیسا سفید رنگ کا بادبانی برقعہ سلوایا جا سکتا ہے لیکن ایسی صورت میں اُن کے جُوڑے کا کیا رہے گا ..... خیر' اس کے بارے میں بعد میں بھی سوچا جا سکتا ہے۔"

"گویا میں یوں سمجھوں کہ تمہیں فرزانہ پسند نہیں ہے ..... کیوں؟"

"یہ میں نے کب کہا۔" فراز جلدی سے بولے۔

"پھر آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں؟" ناہید نے فراز کی باتوں پر مسکراتے ہوئے کہا۔ "کھل کر بات کیوں نہیں کرتے۔"

"آپ کیوں زبردستی میرے معاملات میں ٹانگ پھنسا رہی ہیں؟" فراز سنجیدگی سے بولے۔ "شادی بیاہ کی باتیں ہیں' کوئی ہنسی مذاق تو نہیں ہے کہ جب دل چاہا ہنڈ کلیا پکائی اور گڑیا گڈے کا بیاہ رچا لیا۔"

"بجا ارشاد فرمایا آپ نے لیکن جب آپ امی حضور کو کلی طور پر دلہن کے انتخاب کا اختیار دے چکے ہیں تو پھر بیچاری فرزانہ میں مین میکھ کیوں نکالی جا رہی ہے؟" ناہید بولی۔

"میں کب نکتہ چینی کر رہا ہوں۔" فراز نے کہا۔ "وہ تو امی حضور نے خود ہی اس

بیچاری کے بارے میں میری رائے پوچھی تھی چنانچہ میں نے ایک سچی بات کہہ دی' رہا کرنل سرفراز کا سوال تو وہ ردیف اور قافئے کے اعتبار سے بھی فراز اور سرفراز کا جوڑ زیادہ بے تکا نظر نہیں آتا۔"

"ناہید بیٹی! سن رہی ہو تم اس کی باتیں۔" بیگم سجاد بولیں۔ "کیسی بے تکی اور بے پر کی ہانک رہا ہے۔"

"میں تو یہی مشورہ دوں گی امی حضور کہ آپ جہاں مناسب سمجھیں ان کی بات پکی کر دیں' اس طرح تو یہ نہیں مانیں گے۔" ناہید نے زیر لب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں نہیں مانوں گا۔" فراز بولے۔ "آپ کا کیا خیال ہے' کیا زندگی بھر کنوارا ہی پھرتا رہوں گا۔"

"پھر سیدھی طرح کیوں نہیں بتاتے کہ فرازنہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "اگر وہ تم کو ناپسند ہے تو اور بھی کئی لڑکیاں ہیں میری نظر میں۔"

"آپ کا حکم سر آنکھوں پر امی حضور! لیکن میں دراصل یہ چاہتا ہوں کہ لڑکی اگر دیکھی بھالی اور سوچی سمجھی ہو تو زندگی کا سفر بڑے خوشگوار انداز میں طے ہو جاتا ہے۔" فراز سنجیدگی سے بولے پھر کنکھیوں سے ناہید کو دیکھتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ "ایسی ایک لڑکی تھی میری نگاہ میں لیکن شومئی قسمت کہ اب اُس کی شادی ہو چکی ہے۔"

ناہید نے گھور کر فراز کو ایک نظر دیکھا پھر جلدی سے نظریں جھکا لیں۔ اس کے سوا اور کر بھی کیا سکتی تھی۔

"اُس کی شادی ہو چکی ہے تو اب پچھتانے سے کیا فائدہ۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "ویسے میں بھی سنوں کہ وہ کون خوش نصیب تھی جس نے تمہارے جیسے لاابالی لڑکے کے دل میں جگہ کر لی تھی۔"

"میں تو یونہی مذاق کر رہا تھا امی حضور!" فراز نے جلدی سے اپنی غلطی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم شادی کے بارے میں مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہے ہو۔"

"یہ بات بھی نہیں ہے۔" فراز نے ناہید کو گھورتے ہوئے کہا جو بدستور نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔

"پھر کیا بات ہے ..... صاف صاف کیوں نہیں بتاتے۔"

"بات صرف اتنی سی ہے امی حضور! کہ جب تک میں اپنے کاروبار کو پوری طرح نہ

جمالوں' شادی کے بکھیڑوں سے دور ہی رہنا چاہتا ہوں۔"

"تو میں کون سا تمہیں چٹ منگنی پٹ بیاہ کرنے پر مجبور کر رہی ہوں۔" بیگم سجاد بولیں۔ "شادی بیاہ کی باتوں میں وقت تو بہرحال لگتا ہے' جب تک خدا اور اُس کے رسول ؐ نے چاہا تو تمہارا کاروبار بھی جم جائے گا۔"

"اگر آپ نے سنجیدگی سے یہ طے کر رکھا ہے تو جیسی آپ کی مرضی۔" فراز نے دبی زبان میں جواب دیا پھر ناہید کو مخاطب کر کے بولے۔ "محترمہ! آپ کہاں کھو گئی ہیں' کیا آپ کو میری شادی کی باتوں پر کوئی خوشی نہیں ہو رہی۔"

"کیوں نہیں ہے خوشی۔" ناہید نے جلدی سے اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "لیکن آپ کسی طرح شادی پر آمادہ تو ہوں' بلاوجہ امی حضور کو پریشان کر رکھا ہے۔"

"اگر آپ کی بھی یہی خوشی ہے کہ میری شادی ہو جائے تو میں ابھی اور اسی وقت شادی کرنے پر تیار ہوں۔" فراز نے شوخی سے کہا۔ "لڑکی کی تلاش کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ میری پسند کی ایک لڑکی اس گھر میں بھی موجود ہے۔"

"اس گھر میں کون لڑکی موجود ہے۔" ناہید نے سہمے ہوئے لہجے میں پوچھا۔ دل کی دھڑکنیں پھر تیز ہونے لگی تھیں۔

"نجو....." فراز نے نہایت معصوم لہجے میں کہا۔ "گھر کی لڑکی ہے' دیکھی بھالی ہے' شوخ اور چنچل بھی ہے' اچھی پوشاک اور اچھی خوراک ملے تو رنگ نکھرتے بھی دیر نہیں لگے گی' رہا طور طریقہ تو وہ میں اسے سکھا دوں گا۔"

"وہاں بھی آپ کی دال نہیں گلے گی۔" ناہید نے اطمینان کا سانس لے کر مسکراتے ہوئے کہا۔ "مالی بابا نے اُس کی منگنی پہلے سے کر رکھی ہے۔"

"لڑکے ..... تیرا دماغ تو نہیں چل گیا ہے۔" بیگم سجاد نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ بیٹھے بیٹھے نجو تیرے دماغ میں کہاں سے آ گھسی۔"

"جلدی کا معاملہ تھا امی حضور اس لئے میں نے سوچا کہ فی الحال اسی کا نام لے دوں۔" فراز بڑی معصومیت سے بولے۔ "ویسے اس میں کوئی بُرائی بھی نہیں ہے۔ خدا کے نزدیک تو سب ہی انسان برابر ہوتے ہیں' چھوٹے اور بڑے کی تفریق تو انسان نے کر رکھی ہے۔"

"بہرحال شادی کے مسئلے پر تو تم تیار ہو نا؟"

"اس کا فیصلہ بھی میں آپ دونوں پر چھوڑتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ شادی کم از کم ایک سال بعد ہو۔"

"ہمیں یہ شرط بھی منظور ہے' وقت گزرتے دیر نہیں لگتی لیکن اب براہ کرام آپ ذرا سنجیدگی سے یہ بتا دیں کہ فرزانہ کے سلسلے میں آپ کا حتمی فیصلہ کیا ہے۔" ناہید نے پوچھا۔

"اس کے سلسلے میں سوچنے کے بعد ہی میں کچھ کہہ سکوں گا۔" فراز نے اس بار گہری سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے۔" بیگم سجاد بیٹے کو سنجیدہ پا کر جلدی سے بولیں۔ "تم دو چار روز میں سوچ کر ناہید کو اپنی رائے سے آگاہ کر دینا۔"

"یہ زیادہ مناسب رہے گا امی حضور!" فراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ کے مقابلے میں ان محترمہ سے میں زیادہ کھل کر بات کر سکوں گا۔"

"مجھ سے بات کرتے ہوئے تمہیں ڈر لگتا ہے۔" بیگم سجاد نے بڑے پیار سے کہا۔

"آپ ماں ہیں اس لئے ذرا حجاب سا محسوس ہوتا ہے۔" فراز نے شرماتے ہوئے جواب دیا پھر ناہید کو دیکھ کر بولے۔ "ان محترمہ سے ذرا رشتے کی نوعیت مختلف ہے اس لئے میں انہیں بلا جھجک سب کچھ بتا دوں گا۔"

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے' تم کسی طرح آمادہ تو ہوئے۔" بیگم سجاد نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "ورنہ میں تو سمجھ رہی تھی کہ کہیں یہ حسرت دل کی دل ہی میں نہ رہ جائے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی حضور!" فراز یکلخت جذباتی بن گئے۔ "ابا جان کے بعد اب آپ ہی کا سایہ تو باقی رہ گیا ہے۔ خدا کے واسطے آپ ایسی باتیں نہ کیجئے۔"

"اچھا بابا ..... ٹھیک ہے۔" بیگم سجاد نے بڑے لاڈ سے فراز کے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "میں تم لوگوں کے لئے قیامت تک زندہ رہوں گی۔"

"آمین!" فراز اور ناہید نے ایک ساتھ کہا۔

کچھ دیر تک اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں پھر شازیہ اور محسن کے آ جانے سے ماحول کی سوگواری شوخ اور بیباک قہقہوں میں تبدیل ہو گئی۔ شازیہ اس وقت یہ بتانے آئی تھی کہ محسن کو چھٹی مل گئی ہے اور وہ دونوں ایک روز بعد ہی ڈیڑھ ماہ کے لئے سیر و تفریح کے لئے باہر جا رہے ہیں۔

☆------☆------☆

منصور کلب کی سالانہ تقریب کے بعد جب اپنے ایک دوست ناصر کے ساتھ رخصت ہوئے تو بے حد خوشگوار موڈ میں تھے۔ ناصر کسی وجہ سے اپنی گاڑی ساتھ نہیں لائے تھے اس لئے منصور سے درخواست کی تھی کہ وہ اُسے سول لائنز میں واقع رین بو کلب تک چھوڑ دیں۔ راستے بھر دونوں دوستوں کے درمیان ٹینس کلب میں ہونے والے ہنگاموں کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی پھر منصور ناصر کو رین بو کلب ڈراپ کرنے کے بعد واپسی کے خیال سے گاڑی موڑ رہے تھے کہ اچانک اُن کی نظر نازلی پر پڑی جو اپنی گاڑی سے باہر ابھی ابھی اتر کر کلب کے اندر جا رہی تھی۔

منصور نے ایک عرصے کے بعد نازلی کو دیکھا تو تڑپ اٹھے' دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر انہوں نے جلدی سے انجن بند کیا اور خود بھی نیچے اتر کر تیزی سے اُس کی جانب لپکے۔ نازلی چونکہ تنہا تھی اس لئے منصور نے اُس سے دو باتیں کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔ وہ لپکتے ہوئے قریب پہنچے تو نازلی بھی اُنہیں دیکھ کر ٹھٹک کر رک گئی اور دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے چہرے پر ایسے تاثرات پیدا کر لئے جیسے منصور کو دیکھ کر اُس کے دل کو شدید دھچکہ لگا ہو۔

"منصور صاحب! آپ....." نازلی نے منصور کے قریب آنے پر بڑے سوگوار انداز میں پوچھا۔ "آج اس طرف کا راستہ کیسے بھول گئے۔"

"اپنے ایک دوست کو چھوڑنے آیا تھا' تمہیں دیکھا تو دو باتیں کرنے کے خیال سے گاڑی سے اتر آیا۔" منصور نے زخمی لہجے میں کہا پھر اُسے پیار بھری نظروں سے گھورتے ہوئے بولے۔ "کیسی ہو نازلی! اتنے دنوں سے کہاں غائب تھیں۔ فون کرنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔"

"میری بات چھوڑیئے منصور صاحب! اپنی سنایئے۔" نازلی نے اپنی آواز میں کرب کی شدتیں پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کیسے ہیں اور آپ کی بیگم صاحبہ تو خیریت سے ہیں؟"

"ایسی اکھڑی اکھڑی باتیں کیوں کر رہی ہو۔" منصور نے شکوہ کیا۔ "کیا اب تمہارے دل میں میری یاد بھی باقی نہیں رہی؟"

"کس دل کی بات کر رہے ہیں آپ۔" نازلی زہرخند سے بولی۔ "اس دل کی' جو ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا ہے۔"

"بہت زیادہ خفا ہو مجھ سے۔" منصور نے اداس لہجے میں پوچھا۔

"میں کون ہوتی ہوں آپ سے ناراض ہونے والی۔" نازلی کے لہجے میں تلوار کی سی کاٹ تھی۔ منصور تڑپ اٹھے۔

"تم اب بھی میرے لئے وہی ہو جو پہلے تھیں۔ حالات نے مجھے بے بس ضرور کر دیا ہے لیکن میرے دماغ پر' میرے ذہن پر اور میری سوچوں پر آج بھی تمہاری محبت کا نقش اتنا ہی گہرا ہے، جتنا پہلے تھا۔"

"آیئے' لان پر چل کر باتیں کرتے ہیں۔" نازلی اداس لہجے میں بولی۔ "میرا تو کچھ نہیں بگڑے گا البتہ آپ کو کسی نے یہاں میرے ساتھ دیکھ لیا تو بلاوجہ آپ کی عزت اور شہرت پر حرف آ جائے گا۔"

منصور نازلی کے جملے پر تڑپ کر رہ گئے' خاموشی سے قدم اٹھاتے لان کے ایک ویران گوشے میں جا کر بیٹھ گئے' کچھ دیر تک دونوں چپ چاپ بیٹھے رہے پھر منصور نے دبی زبان میں کہا۔

"کیا تمہیں میرے وعدوں پر اعتبار نہیں رہا۔"

"اب ان وعدوں کو یاد کرنے سے بھلا کیا فائدہ ہو گا۔" نازلی نے حسرت بھری آواز میں کہا۔ "جو کچھ ہونا تھا ہو چکا' اب تو آپ کی بہتری اسی میں ہے کہ مجھ جیسی آزاد خیال اور مغربی تہذیب میں رنگی ہوئی لڑکی کا تصور بھی اپنے ذہن سے کھرچ کر نکال دیں۔"

"یہ میرے اختیار کی بات نہیں ہے نازلی!" منصور نے ایک سرد آہ بھر کر جواب دیا۔ "خدا گواہ ہے کہ میں نے جو عہد تم سے کیا تھا اُس پر شادی کے بعد سے اب تک قائم ہوں۔"

"ہو سکتا ہے ..... مگر اس سے حاصل کیا ہو گا۔" نازلی نے منصور کی تڑپ کا تماشہ دیکھتے ہوئے اداس لہجے میں کہا۔

"نہ سہی لیکن میرے دل کو تقویت تو ہے کہ تمہاری جگہ کوئی اور نہیں لے سکا۔"

"میری جگہ....." نازلی نے طنز کرتے ہوئے جواب دیا۔ "میری جگہ تو ان کلبوں اور تفریح گاہوں میں ہے جہاں شریف گھرانے کے باعزت لوگ پلٹ کر جھانکنا بھی پسند نہیں کرتے ..... زندگی گزارنے کے لئے انسان کو کوئی نہ کوئی سہارا تو تلاش کرنا ہی پڑتا ہے۔"

"نازلی!" منصور نے بے اختیار اُس کا ہاتھ تھامتے سے ہوئے کہا۔ "کیا یہ بھی ممکن

نہیں کہ ہم دوستوں کی طرح ایک دوسرے سے ملتے رہا کریں۔"

"تمہارے علاوہ یہ بات کسی اور نے کہی ہوتی تو شاید میں اسے قبول کر لیتی لیکن تمہاری بات اور ہے منصور!" نازلی نے آہستہ سے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ "میں نے تم سے ٹوٹ کر محبت کی ہے اس لئے میں کسی حال میں بھی تمہاری بربادی یا رسوائی پسند نہیں کروں گی۔"

"خدا کے لئے ..... ایسی دل شکنی کی باتیں تو نہ کرو۔" منصور تڑپ کر بولے۔ "تمہاری یادوں کے سہارے ہی تو میں زندہ ہوں' اگر تم نے بھی منہ پھیر لیا تو پھر میں بھٹک جاؤں گا' زندگی کے راستوں پر اگر میرے قدم ڈگمگائے تو سب کچھ برباد ہو جائے گا۔"

"جس کو برباد ہونا تھا ہو چکا منصور ..... اب تم مجھ سے اور کیا چاہتے ہو؟"

"تمہاری محبت ..... تمہاری دوستی۔" منصور جذباتی انداز میں بولے۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔" نازلی نے تیزی سے کہا۔ "میں ایک عورت ہو کر دوسری عورت کی محبت پر ڈاکہ نہیں ڈال سکتی۔ میں نے تو اس دل کو توڑ کر چکنا چُور کر ڈالا ہے جس میں کبھی تمہاری محبت کے نغمے گونجا کرتے تھے۔ میں نے خود کو ان بربادی کے راستوں پر ڈال دیا ہے جہاں مغربی تہذیب کی جگمگاتی روشنیوں میں جسم کی پاکیزگی کو داغدار تو کیا جا سکتا ہے لیکن شادی بیاہ' محبت اور دوستی جیسی دقیانوسی باتوں کو انتہائی لغو اور بے ہودہ خیال کیا جاتا ہے اور میں چاہتی بھی یہی تھی کہ تمہارے بعد کوئی دوسرا میرے دل کی گہرائیوں میں اپنا کوئی مقام نہ پیدا کر سکے ..... لوگ مجھے صرف ایک رات کا مہمان بنائیں' زندگی کا ہمسفر بنانے کی خواہش کوئی نہ کرے....."

"نازلی ..... نازلی!" منصور سسک اٹھے۔ "میں جانتا ہوں کہ تم یہ باتیں مجھ سے محض اس لئے کر رہی ہو کہ میرے دل میں تمہارے لئے نفرت پیدا ہو جائے لیکن تمہیں اپنے ارادوں میں کامیابی نہیں ہو گی۔ تمہاری محبت کی پاکیزگی میری روح کی گہرائیوں میں اس درجہ رچ بس گئی ہے کہ شاید موت بھی اُن کے نقوش کو مٹا نہ سکے' دنیا کی کوئی طاقت میرے دل کی گہرائیوں سے تمہاری محبت کو دور نہیں کر سکتی۔"

"محبت ..... محبت ..... محبت۔" نازلی نے منصور کو جلانے کی خاطر حقارت سے کہا۔ "کیا رکھا ہے منصور صاحب ان جھوٹی باتوں میں ..... کوئی اور بات کیجئے۔ ذرا نظر اٹھا کر ماحول کا جائزہ لیجئے' کتنی رومانٹک اور پُرسکون جگہ ہے یہ ..... نہ کسی کا خوف نہ ڈر ..... ایسے میں کوئی اور ہوتا آپ کی جگہ تو میں بہک جانے کی باتیں شروع کر دیتی

..... جہاں اندھیروں اور ویرانیوں کا راج ہو وہاں ہر چیز جائز ہو جاتی ہے ..... آپ کا کیا خیال ہے؟"

"تم شاید اس وقت ہوش میں نہیں ہو۔" منصور پیچ و تاب کھاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نازلی کے جملوں کے تیر و نشتر اُن کے زخموں میں ٹیس پیدا کر رہے تھے۔

"اچھا بہانہ تراشا ہے آپ نے۔" نازلی نے اٹھتے ہوئے ایک اور بھرپور وار کیا۔ "یہ کیوں نہیں کہتے کہ بیوی کی یاد ستا رہی ہے یا پھر اس کی اجازت کے بغیر آپ زیادہ دیر تک گھر سے باہر نہیں رک سکتے۔"

"مم ..... میں تم سے پھر کسی وقت ملوں گا۔" منصور تلملا کر بولے۔

"جب دل چاہے تشریف لے آیئے گا۔" نازلی نے زہرخند سے جواب دیا۔ "لیکن دوست کی حیثیت سے نہیں ..... اجنبیوں کی طرح، مجھے اب اجنبیوں سے ملنے میں زیادہ خوشی محسوس ہوتی ہے۔"

منصور نے کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا۔ نازلی کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے تیزی سے پلٹے اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر گھر کے لئے روانہ ہو گئے۔ نازلی کی باتوں کا جادو ابھی تک اُن کے ذہن کو کچوکے لگا رہا تھا شاید اس لئے کہ وہ اب بھی اُسے دل سے نہیں بھلا سکے تھے، اُن کا خیال تھا کہ نازلی نے وہ باتیں محض ان کی بھلائی کی خاطر کی تھیں، حقیقت کیا تھی اس بات کا علم تو شاید اُن کے فرشتوں کو بھی نہیں تھا۔

گھر پہنچے تو چوکیدار نے دروازہ کھول دیا۔ اس وقت رات کے گیارہ کا عمل رہا ہو گا۔ گھر کے سب ہی افراد اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ وہ راہداری میں سے ہوتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔ فراز کے کمرے کی بتی ابھی تک روشن تھی، شاید وہ ابھی تک جاگ رہے تھے، منصور کو فراز سے ایک نئے ٹھیکے کے سلسلے میں گفتگو بھی کرنا تھی لیکن اس وقت اُن کا ذہن نازلی کی باتوں سے بُری طرح الجھ رہا تھا، خاموشی سے قدم اٹھاتے وہ فراز کے کمرے کے سامنے سے گزر گئے۔ اپنی خوابگاہ میں قدم رکھا تو حسب معمول ناہید کو اپنا منتظر پایا۔ نیند میں ڈوبی ہوئی اُس کی خمار آلود نگاہیں بے حد حسین لگ رہی تھیں۔

منصور نے دروازے پر رک کر ایک لمحے کو ناہید کو دیکھا پھر غصے میں ہونٹ چباتے ڈریسنگ روم میں چلے گئے۔ آج جو باتیں نازلی نے اُن سے کی تھیں وہ اس کا ذمہ دار بھی ناہید کو سمجھ رہے تھے۔ ڈریسنگ روم سے لباس تبدیل کر کے دوبارہ خوابگاہ میں آئے تو

ناہید کو مسہری کے قریب دیکھ کر جھلا گئے۔

"آپ کس خوشی میں شب بیداری کر رہی ہیں؟" انہوں نے زہر میں بجھے لہجے میں سوال کیا۔

"جی ....." ناہید منصور کے لہجے کی تلخی محسوس کر کے سہم گئی، آہستہ سے بولی۔ "آپ کا انتظار کر رہی تھی۔"

"میں نے آپ سے کب کہا ہے کہ آپ میرا انتظار کیا کریں۔" منصور نے غصے سے کہا۔ "کیا آپ کو مجھے پریشان کرنے میں لطف محسوس ہوتا ہے؟"

"جی ..... میں سمجھی نہیں۔" ناہید بوکھلا گئی، منصور آج بہت زیادہ غصے کی حالت میں نظر آ رہے تھے، اُس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اُن کی باتوں کا کیا جواب دے۔

"صورت شکل سے آپ اتنی معصوم بھی نظر نہیں آتیں کہ میری باتوں کا مطلب بھی نہ سمجھ سکیں۔" منصور نے نفرت سے کہا۔ "آئندہ سے آپ میرے انتظار کی زحمت گوارا نہ کیا کریں تو زیادہ مناسب ہو گا ورنہ پھر مجھے مجبوراً اپنے لئے کسی دوسرے کمرے کا بندوبست کرنا پڑے گا۔"

ناہید گنگ سی کھڑی منصور کا چہرہ تکتی رہی، آج سے پہلے منصور نے کبھی اس انداز میں اس سے کلام نہیں کیا تھا۔ وہ اس تبدیلی پر حیران تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آج اچانک اُسے کس جرم کی پاداش میں اتنی حقارت اور نفرت سے نوازا گیا ہے۔

منصور تو اُسے اپنی نفرت کا ہدف بنانے کے بعد تکیہ اٹھا کر بڑے آرام سے روشنیاں گل کرتے ہوئے جا کر صوفے پر لیٹ گئے لیکن وہ اپنی جگہ سے ایک ذرا جنبش بھی نہ کر سکی، ساکت و جامد کھڑی اپنی قسمت کی محرومیوں پر غور کرتی رہی جو گھٹنے کے بجائے روز بروز بڑھتے جا رہے تھے۔ موسم کی ان نزاکتوں کا اندازہ لگاتی رہی جو اُس کے حق میں شب و روز تبدیلیاں لا رہے تھے۔

کبھی سرد .....

کبھی اتنے گرم ہو جاتے کہ اسے گھٹن کا احساس ہونے لگتا۔

کبھی فراز کی باتیں سن کر وہ اندر ہی اندر بید مجنوں کی طرح کانپ اٹھتی۔

کبھی بیگم سجاد کی شفقتیں اُس کے وجود پر سایہ کر لیتی تھیں۔

کبھی منصور کی تلخ باتیں کڑی دھوپ کی جھلسا دینے والی تپش بن کر اُسے دیوانہ کر دیتی تھیں۔

کبھی نجو کی باتیں اُسے دل کھول کر قہقہہ لگانے پر اکساتی تھیں۔
آخر وہ کب تک ان سرد و گرم حالات کا مقابلہ کر سکتی تھی۔
کب تک ان زخموں کی پردہ پوشی کرتی رہتی جو اب ناسور بن کر اُس کے انگ انگ سے رسنے لگے تھے۔
آخر کب تک.....؟
بڑی دیر تک وہ گھپ اندھیرے میں کسی بے جان مجسمے کی طرح کھڑی اپنے حالات کا جائزہ لیتی رہی پھر اُس کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے خون کے دو گرم گرم قطرے ابلے' دراز پلکوں پر آنسوؤں کی شکل اختیار کر کے تھرتھرائے پھر ڈھلک کر اُس کے اپنے ہی دامن کی وسعتوں میں جذب ہو گئے۔

☆------☆------☆

شیخ حامد حسین کے گھریلو حالات روز بروز کشیدہ ہوتے جا رہے تھے۔
نجمہ بیگم روز اوّل سے تیز و طرار واقع ہوئی تھیں۔ جس دن سے بیاہ کر آئی تھیں گھر پر پوری طرح سکہ جما رکھا تھا۔ کیا مجال تھی کہ شوہر بھی اُن کے معاملے میں دخل اندازی کر سکتے۔ من مانی کرنا اور اپنی بات دوسروں سے منوانا اُن کی عادت تھی۔
حامد حسین نے چونکہ اپنی پسند کی شادی کی تھی اس لئے وہ ڈرتے تھے کہ اگر انہوں نے نجمہ بیگم کی باگ ڈور کھینچنے کی کوشش کی اور بات گھر کی چاردیواری سے نکل کر باہر گئی تو بلاوجہ کی جگ ہنسائی ہو گی اور خاندان والے الگ انگلیاں اٹھائیں گے چنانچہ انہوں نے بیوی کو تمام اندرونی اور بیرونی معاملے میں خودمختار بنا کر خود خاموشی اختیار کر لی تھی۔ انہیں بیوی کی بہت ساری باتوں سے اختلاف تھا لیکن گھریلو زندگی کو خوشگوار رکھنے کے لئے انہوں نے ایک چپ ہزار بلا ٹالتی ہے والی مثال کو اپنی زندگی کا شعار بنا لیا تھا اور اسی طرز عمل نے نجمہ بیگم کو اور زیادہ خودسر بنا دیا تھا۔
جب تک نجمہ بیگم کی گود ہری نہیں ہوئی گھر کے اندر اور باہر اُن کا طوطی بولتا رہا لیکن جب سلیم اور نرجس نے گھر کے ہنگاموں میں اضافہ کیا تو اُن کی مصروفیات بڑھ گئیں' حامد حسین چونکہ اپنے وسیع کاروباری معاملات کے سلسلے میں زیادہ تر گھر سے باہر رہا کرتے تھے اس لئے بچوں کی تربیت کی تمام تر ذمہ داری بھی خود نجمہ بیگم نے اپنے سر سنبھال لی اور اولاد کو بھی اسی ماحول اور رنگ میں رنگنا چاہا جو اُن کی طبیعت کا خاصہ تھا۔
بزرگوں کا قول ہے کہ انسان جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے اور اُسے اپنے کئے کی سزا ایک

نہ ایک دن ضرور بھگتنا پڑتی ہے۔ یہی مثال نجمہ بیگم کے حق میں بھی صادق آئی۔ نرجس چونکہ باپ سے زیادہ مانوس تھی اس لئے اُس کی طبیعت نے وہی رنگ ڈھنگ اپنا لیا جو باپ کا تھا البتہ سلیم نے باپ کے مقابلے میں ماں کے اثر کو زیادہ قبول کیا اور اس کی عادتیں روز بروز بگڑتی چلی گئیں۔ حامد حسین نے اپنے فرض سے مجبور ہو کر خاص طور پر لڑکے کے سلسلے میں بیوی کو متعدد بار ان کے بے جا لاڈ پیار سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن نجمہ بیگم سلیم کے سلسلے میں چونکہ زیادہ اپنائیت کا اظہار کرنے کی عادی تھیں اس لئے اس محاذ پر بھی حامد حسین کو بیوی کے مقابلے میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔
جس طرح منہ زور گھوڑے کو اگر چابک نہ لگائی جائے اور راس کھینچ کر نہ رکھا جائے تو وہ منہ زوری کو اپنا شعار بنا لیتا ہے اسی طرح سلیم کو بھی نجمہ بیگم کی ممتا اور بے جا لاڈ پیار نے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی بے لگام کر دیا تھا۔ نجمہ بیگم بیٹے کی ہر فرمائش پوری کرنا اپنا فرض سمجھتی تھیں۔ دولت کی فراوانی نے یوں بھی اُن کو شاہ خرچ بنا دیا تھا اس لئے سلیم کو جب بھی روپوں کی ضرورت درپیش ہوتی وہ ماں کے سامنے دست سوال دراز کر دیتا اور نجمہ بیگم بلا تامل اُس کی منہ مانگی رقم اُس کے حوالے کر دیتی تھیں۔ اکلوتا لڑکا تھا اس لئے بھی وہ اس کا زیادہ خیال رکھتی تھیں اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ سلیم کو شاندار طور طریق سے زندگی کی شاہراہوں پر گامزن دیکھنا چاہتی تھیں۔ یہ بات بھی اُن کو کسی طور منظور نہیں تھی کہ سلیم بڑے باپ کا بیٹا ہونے کے باوجود اپنے دوست و احباب اور ملنے جلنے والوں میں کسی بھی وجہ سے احساسِ کمتری کا شکار ہو۔
غرضیکہ نجمہ بیگم نے اولاد کی زندگی سنوارنے کے سلسلے میں جو انداز اختیار کیا تھا اُس نے سلیم کو نہ صرف یہ کہ بگاڑ دیا تھا بلکہ حد درجہ آزاد خیال' خودسر اور گستاخ بھی بنا دیا تھا اور جب نجمہ بیگم کو ان باتوں کا احساس ہوا اور سلیم نے اُن کے ساتھ ایک دو بار گستاخی کی تو اُن کا دل تڑپ اٹھا۔ پانی سر سے اونچا ہوتا دیکھ کر انہیں زندگی میں پہلی بار اولاد کے سلسلے میں شوہر کے تعاون کی ضرورت محسوس ہوئی۔
حامد حسین کو اندازہ تھا کہ جوان اولاد خودسر ہو چکی ہے اور اُس نے غلط راستوں پر چلنا شروع کر دیا ہے۔ انہیں اولاد کی بے راہ روی کا صدمہ پہلے ہی سے تھا لیکن وہ ماں بیٹے کے درمیان نہیں آنا چاہتے تھے مبادہ اولاد کے حق میں ماں کی بے جا حمایت اس تھوڑے بہت لحاظ کو بھی ختم کر دیتی جو باپ بیٹے کے درمیان برقرار تھا مگر جب نجمہ بیگم نے از خود سلیم کے سلسلے میں دبی زبان سے ذکر چھیڑا تو حامد حسین نے سلیم کی اصلاح کی ذمہ داری

قبول کر لی مگر اس شرط کے ساتھ کہ نجمہ بیگم درمیان میں نہیں بولیں گی۔

نجمہ بیگم نے شوہر کی بات مان لی تھی اور سلیم کے سلسلے میں اپنی زبان پر تالے ڈال لئے تھے۔ حامد حسین کے لئے یہ بات ذرا مشکل تھی کہ وہ ایک تناور درخت کی مضبوط شاخوں کو سمیٹ سکتے لیکن اس کے باوجود انہوں نے سلیم کے سلسلے میں جو نرم اور گرم برتاؤ اختیار کیا اُس نے سلیم کو بڑی حد تک محتاط ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا اور وہ مارے باندھے باپ کے کاروبار میں بھی ہاتھ بٹانے لگا تھا لیکن جب حامد حسین نے سلیم کی شادی اپنے دوست کی بیٹی شہناز سے کر دی اور شہناز نے بھی سلیم کی بگڑی ہوئی عادتوں کو سنوارنے کی خاطر حامد حسین کے اشاروں پر عمل کیا تو نجمہ بیگم نے ایک روایتی ساس کا روپ اختیار کر لیا اور بیٹے کی حمایت میں بولنا شروع کر دیا۔

حالات نے تکون کی جو صورت اختیار کر لی تھی اُس نے سلیم کو ایک بار پھر اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کر دیا۔ اُس نے ماں کی ممتا کو بیوی کے سلسلے میں کریدا تو نجمہ بیگم بہو کے حق میں دشمن بن کر سامنے آ گئیں۔ انہیں یہ بات کسی طرح گوارا نہ تھی کہ بہو اُن کی اولاد کو بات بات پر روکے ٹوکے چنانچہ انہوں نے سلیم کی حمایت شروع کر دی اور یہ حمایت گھریلو ماحول کے سکون میں باہم کشیدگی کا باعث بن گئی۔

نجمہ بیگم کھل کر سلیم کو دوبارہ ڈھیل نہیں دینا چاہتی تھیں۔ اس لئے انہوں نے شوہر کو ہموار کرنے کی کوشش کی اور اس بات پر اکسانا چاہا کہ وہ شہناز کو سلیم کے سلسلے میں سرزنش کریں۔ حامد حسین کو حالات کا بخوبی اندازہ تھا' وہ سمجھ رہے تھے کہ شہناز جو کچھ کر رہی ہے وہ سلیم کے حق میں بہتر ہے لیکن جب یہی بات انہوں نے بیوی کو سمجھانے کی کوشش کی تو نجمہ بیگم اندر ہی اندر کسی آتش فشاں کی طرح سلگ اٹھیں۔ شوہر کے سامنے تو انہوں نے اپنی زبان زیادہ نہیں کھولی لیکن ذاتی طور پر انہوں نے اس بات کا فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ شہناز کو ہر قیمت پر اس بات کا احساس دلا کر دم لیں گی کہ اُن کی حیثیت اُن کے گھر میں اب بھی سب سے زیادہ ہے۔ شہناز کے سلسلے میں نجمہ بیگم نے روایتی ساس بننے کا جو فیصلہ کیا تھا اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ شیخ حامد حسین نے کھل کر بہو کی حمایت کا اعلان کیا تھا اور نجمہ بیگم کے مقابلے میں شہناز کو ترجیح دی تھی جسے وہ کسی قیمت پر برداشت کرنے کو تیار نہ تھیں۔

غرضیکہ حالات نے جو نیا موڑ اختیار کیا تھا اس نے ایک ہی گھر اور ایک ہی چھت کے نیچے پروان چڑھنے والوں کے دلوں میں کدورتیں بھی پیدا کر دی تھیں جو رشتوں کی

نوعیت کو بالائے طاق رکھ کر اندر ہی اندر اپنی جڑیں مضبوط کرتی جا رہی تھیں۔ شیخ حامد حسین یوں حق بجانب تھے کہ بیٹے کی حرکتوں کو پہلے دن سے دیکھ رہے تھے۔ اس کے علاوہ شہناز اُن کے عزیز دوست اور پڑوسی کی بیٹی تھی جسے وہ بڑے چاؤ اور لاڈ پیار سے بیاہ کر لائے تھے۔ شادی سے پہلے انہوں نے سلیم کے سلسلے میں شفقت پدری سے مجبور ہو کر جو جھوٹ بولا تھا اب اس جھوٹ کی لاج نبھانے کا وقت تھا اور یوں بھی اب شہناز اُن کے گھر کی عزت تھی' اُن کی بہو تھی اور وہ جو کچھ کر رہی تھی اس میں خود حامد حسین کی ایما بھی شامل تھی پھر بھلا وہ کس طرح بہو کے مقابلے میں بیوی کی عزت کر سکتے تھے۔

نجمہ بیگم بھی اس گھر میں ایک دن بہو بن کر آئی تھیں اور آتے ہی انہوں نے ساس سسر سے علیحدگی اختیار کر لی تھی اور اس وقت تک اپنا حق مانگنے کے لئے شوہر کو اکساتی رہیں جب تک قدرت نے ان رشتوں کی ڈور توڑ کر انہیں اُس کے بندھنوں سے آزاد نہیں کر دیا۔ انہیں بزرگوں کو موت پر کوئی ملال نہیں ہوا بلکہ خوشی تھی کہ اب وہ کلی طور پر خود مختار بن گئی تھیں۔ انہوں نے ہمیشہ شوہر پر راج کیا تھا۔ انہیں اس بات کا بڑا مان تھا کہ حامد حسین نے کبھی اُن کی کسی جائز و ناجائز خواہش یا ضد کو اپنی مرضی کے آگے رد نہیں کیا تھا۔ نجمہ بیگم نے اپنی چہار دیواری کے اندر جو چاہا تھا ہمیشہ وہی ہوتا چلا آیا تھا لیکن آج اُن کا مان ٹوٹ گیا تھا۔ اس لئے کہ حامد حسین نے زندگی میں پہلی بار اُن کی کسی بات سے اختلاف کیا تھا اور بیوی کے مقابلے میں بہو کو ترجیح دی تھی اور صاف طور پر کہہ دیا تھا کہ اگر نجمہ بیگم نے شہناز اور سلیم کے درمیان تلخیاں بڑھانے کی کوشش کی یا ان کے رشتوں کی مٹھاس میں زہر گھولنے کی کوشش کی تو وہ سلیم کے بجائے شہناز کا ساتھ دیں گے اور اسی ایک ذرا سی بات نے جو مصلحت کے پیش نظر حامد حسین کی زبان سے نکل گئی تھی نجمہ بیگم کو روایتی ساس کا بھیانک روپ اختیار کر لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ بھول گئی تھیں کہ شہناز بھی اس گھر میں ایک بہو کی حیثیت سے داخل ہوئی ہے۔ اُسے بھی اپنے شوہر پر راج کرنے کا حق حاصل ہے۔ وہ بھی اپنے شوہر کو ساس سسر سے علیحدہ کرنے اور ایک ایسی الگ تھلگ دنیا کا تصور کرنے کا حق رکھتی تھی جہاں وہ خود مختار حیثیت کی مالک ہو۔ جہاں کوئی اور ذرا ذرا سی باتوں میں مداخلت کرنے والا نہ ہو اور قدرت نے اُسے بھی شوہر پر مان کرنے کا اختیار دے رکھا تھا لیکن.....

نجمہ بیگم نے ان تمام حقوق کو فراموش کر دیا تھا' آج وہ ایک ساس کی حیثیت سے سوچ رہی تھیں۔ وہ ایک جوان بیٹے کی ماں بن گئی تھیں' جوان بیٹا جسے وہ اپنے بڑھاپے کا

سہارا سمجھ رہی تھیں اگر وہ اس بیٹے کو جنم نہ دیتیں تو شاید شہناز کو اُن کے گھرانے کی بہو بننے کا اعزاز کبھی حاصل نہ ہوتا۔

سلیم کی حیثیت گھریلو کشیدگی کا سبب تھی لیکن اُس نے اپنی جگہ وقت کے دھاروں سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی ٹھان رکھی تھی۔ ماضی میں اُس نے ماں کے سلسلے میں جو گستاخیاں کی تھیں اُسے ان کا احساس تھا۔ اس لئے نہیں کہ ان گستاخیوں نے ماں کے مقدس رتبے اور اُس کے احترام کو مجروح کیا تھا بلکہ اس لئے کہ ان گستاخیوں نے اُس کا ہاتھ تنگ کر دیا تھا' ماں نے اولاد کو اُس کی منہ مانگی رقمیں دینا بند کر دی تھیں اور سلیم کو باپ کے سامنے پیش ہونا پڑتا تھا جن کے سامنے وہ ہاتھ پھیلانے یا زبان کھولنے سے ڈرتا تھا۔

شادی کے بعد سلیم کا خیال تھا کہ اب اس پر عائد بندشیں نرم ہو جائیں گی۔ وہ اپنے معاملات میں خودمختار ہو جائے گا لیکن اُس کے یہ سہانے اور حسین خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکے' شہناز نے اُس کی زندگی میں قدم رکھتے ہی قدم قدم پر اُسے روکنا اور ٹوکنا شروع کر دیا تھا۔ وہ سلیم کی زندگی کی آزاد راہوں میں ایک نئی رکاوٹ بن کر سامنے آئی تو سلیم تلملا اٹھا۔ وہ جانتا تھا کہ شہناز کو سسر کی حمایت حاصل ہے اس لئے اُس نے ماں کی ممتا سے رعایتیں حاصل کرنے کی ٹھان لی اور کچھ ایسے انداز میں شہناز کی شخصیت کی تصویر کشی کی کہ نجمہ بیگم کی ممتا میں ابال آ ہی گیا اور وہ شہناز کے حق میں قہر بن جانے پر مجبور ہو گئیں بلکہ انہوں نے تو یہاں تک سوچ ڈالا تھا کہ اگر شوہر نے اُن کا ساتھ نہ دیا اور بہو نے اُن کے حکم کے بموجب اپنا طور طریق نہ بدلا تو وہ سلیم سے کہہ کر شہناز کو طلاق دلوا دیں گی۔ اس معاملے میں نجمہ بیگم کو اپنی کامیابی کا مکمل اور بھرپور یقین تھا اس لئے کہ سلیم کو انہوں نے اپنی کوکھ سے جنم دیا تھا' اپنی مرضی سے اُس کی اٹھان کی تھی۔ اپنے انداز میں اُس کی تربیت کی تھی' انہیں اپنے خون اور اپنی تربیت پر پورا پورا اعتماد تھا اور اس اعتماد کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حالات نے سلیم کو ایک بار پھر ماں کے سامنے سر نگوں ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ.....

سلیم مرد تھا۔

شوہر تھا۔

ایک بیوی کے لئے مجازی خدا کی حیثیت رکھتا تھا۔

قانون نے اس شوہر..... اس مجازی خدا کو مکمل اختیارات دے رکھے تھے۔

وہ جب چاہے بیوی کو طلاق دے سکتا تھا۔

مہر کی حقیر رقم ادا کر کے آزاد کر سکتا تھا۔

پھر.....

اپنی مرضی سے دوسری شادی بھی رچا سکتا تھا..... اور

دنیا کا کوئی قانون اس مرد کو اس کے ارادوں سے باز رکھنے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا

..... اور

اسی ایک یقینی بات ۔ نجمہ بیگم کے ارادوں کو بھی استحکام بخشتا تھا۔

وہ ایک بیٹے کی ماں تھیں ..... ایک بہو کی ساس تھیں ..... پھر انہیں ڈر کیا تھا.....

اور اس وقت بھی جب نجمہ بیگم نے باورچی خانے سے نکل کر اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے ڈرائنگ روم میں جھانکا تو شہناز کو کسی رسالے کے مطالعے میں محو دیکھ کر اندر ہی اندر جھلس کر رہ گئیں۔ شہناز کے چہرے پر اطمینان اور بے فکری کی علامتیں دیکھ کر اُن کے احساس کو شدید دھچکہ لگا تھا' وہ جس کی زندگی میں تلاطم پیدا کر کے بپھرے ہوئے طوفانوں کے حوالے کر دینے کے خواب دیکھ رہی تھیں اسے بھلا پُرسکون دیکھ کر کس طرح اپنا غصہ برداشت کر سکتی تھیں۔ چند ثانئے تک وہ دروازے کی چوکھٹ کے قریب کھڑی بہو کے معصوم چہرے کو گھورتی رہیں پھر قدم مارتی ہوئی اس کے قریب جا کر بولیں۔

"اتنے غور و خوض سے کیا پڑھا جا رہا ہے بہو بیگم!"

شہناز نے ساس کی آواز سنی تو اُس کی محویت ٹوٹ گئی' جلدی سے رسالہ بند کر کے اٹھی' بڑے ادب سے بولی۔

"یونہی ذرا وقت گزاری کے لئے ایک رسالہ اٹھا لیا تھا امی جان! آیئے' تشریف رکھئے۔"

"نرجس کہاں ہے' نظر نہیں آ رہی۔" نجمہ بیگم نے خشک انداز میں پوچھا۔

"اُس کے سر میں خفیف سا درد تھا اس لئے آج جلدی سو گئی۔" شہناز نے آہستہ سے کہا۔ "کچھ دیر پہلے اسی کمرے میں تھی۔"

"کھانا کھا لیا تم نے۔"

"جی نہیں۔" شہناز نے نجمہ بیگم کے تیکھے انداز کو محسوس کرتے ہوئے دبی زبان

میں جواب دیا۔ "وہ آ جائیں گے تو ساتھ ہی کھالوں گی۔"

"کیا ضروری ہے کہ وہ جلد آ جائے۔" نجمہ بیگم نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔ "مرد ذات ہے' ہو سکتا ہے دوست احباب میں گھل مل کر بیٹھا ہو اور کھانا کھا کر دیر سے آئے' میری مانو تو تم بھی کھا کر سو جاؤ ..... یا ..... اگر دل نہ لگ رہا ہو تو بوا کریمن کو ساتھ لے کر اپنے گھر چلی جاؤ' دو قدم کے فاصلے پر ہی تو ہے ..... میں سلیم سے بتا دوں گی اور جب اُسے وقت ملے گا تمہیں واپس لے آئے گا۔"

"آپ فکرمند نہ ہوں امی جان!" شہناز سنبھل کر بولی۔ "مجھے جب بھوک لگے گی تو کھالوں گی' رہا گھر جانے کا سوال تو ایسی بھی کوئی پریشانی نہیں ہے مجھے۔"

"ایک بات پوچھوں بہو بیگم! بُرا تو نہیں مانو گی۔"

"آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں امی جان!" شہناز نے تیزی سے کہا۔ "پہلے کبھی میں نے آپ کی کسی بات کا بُرا مانا جو اب مانوں گی۔"

"سلیم کے سلسلے میں تم نے کیا سوچ رکھا ہے۔"

"جی ..... میں سمجھی نہیں۔" شہناز نے چونکتے ہوئے ساس کے چہرے کو دیکھا جہاں اٹھنے والے طوفانوں کی علامتیں موجود تھیں۔

"یہ تو نہ کہو بہو بیگم کہ تم میرا مطلب نہیں سمجھیں۔ اتنی بھولی اور معصوم بھی نہیں ہو کہ میں تمہیں ایک ایک بات کا مطلب سمجھاؤں۔" نجمہ بیگم پینترا بدل کر بولیں۔ "تمہارے دل میں کیا ہے یہ بھی میں خوب سمجھ رہی ہوں' یہ اور بات ہے کہ میں نے ابھی تک اپنی زبان بند کر رکھی ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ میں نے جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لی ہیں۔ پوت کے پاؤں پالنے ہی میں نظر آ جاتے ہیں۔ جس دن سے تم اس گھر میں بیاہ کر آئی ہو میں تمہارے طور طریقے اور رنگ ڈھنگ دیکھ رہی ہوں۔ اگر بات صرف سلیم تک محدود رہتی تو ٹھیک تھی لیکن تم نے اُسے آگے بڑھنے کی جو کوشش کی ہے وہ تمہارے حق میں مناسب نہیں ہے۔"

"آپ ..... آپ شاید مجھ سے خفا نظر آ رہی ہیں امی جان!" شہناز نے سہم کر کہا۔ "کیا مجھ سے خدانخواستہ کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔"

"زبان کو لگام دے کر گفتگو کرو بہو بیگم!" نجمہ بیگم نے بپھرتے ہوئے جواب دیا۔ "اتنی اجازت تو میں نے کبھی سلیم کے باپ کو بھی نہیں دی کہ وہ میری شان میں کوئی گستاخی کر سکیں پھر تم بھلا کس کھیت کی مولی ہو' چہ پدی' چہ پدی کا شوربہ' اپنے حواسوں

میں رہنے کی کوشش کرو تو بہتر ہے ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا اور میں سلیم بھی نہیں ہوں کہ تمہارے ناز نخرے اٹھاؤں گی۔"

"امی جان ..... آپ ..... آپ غلط سمجھ رہی ہیں' دراصل....."

"بس رہنے دو بہو بیگم!" نجمہ بیگم نے شہناز کی بات رد کرتے ہوئے کہا۔ "خبردار جو تم نے کبھی میرے منہ لگنے کی کوشش کی' بس بہت ہو چکا۔"

"لیکن میں نے ایسی کون سی بات کہی ہے امی جان جو آپ بلاوجہ خفا ہو رہی ہیں۔" شہناز نے رندھی ہوئی آواز سے کہا۔ "مجھے تو خیال نہیں کہ میں نے کبھی آپ کے احترام سے گریز کیا ہو پھر بھی اگر نادانستگی میں کوئی غلطی مجھ سے سرزد ہو گئی ہو تو میں اُس کے لئے ہاتھ جوڑ کر معافی چاہتی ہوں۔"

"مجھ سے معافی مانگنے سے کیا فائدہ ..... معافی ہی مانگنی ہے تو اس سے مانگو بہو بیگم' تم نے جس کی ہنستی کھیلتی زندگی اجیرن کر دی ہے۔" نجمہ بیگم جلے کٹے لہجے میں بولیں۔

"میں نے ..... کس کی زندگی اجیرن کر دی ہے؟" شہناز نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"اسی نامراد کی جسے نہ گھر کا سکون حاصل ہے نہ باہر کا چین۔" نجمہ بیگم نے بدستور اپنے دل کا غبار نکالتے ہوئے کہا۔ "اور بھلا تمہارا اختیار کس پر چل سکتا ہے۔"

شہناز سمجھ رہی تھی کہ نجمہ بیگم اُس کی خاموشی سے فائدہ اٹھا رہی ہیں۔ کہنے کے لئے اس کے پاس بہت کچھ تھا لیکن وہ رشتے کی نوعیت' چھوٹے بڑے کی تمیز اور ادب سے مجبور تھی۔ چنانچہ اُس نے خون کا گھونٹ پیتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"اگر آپ کی یہی خواہش ہے امی جان کہ میں آئندہ سے اُن کے سلسلے میں اپنی زبان بند رکھوں اور انہیں غلط راہوں پر چلنے سے بھی نہ روکوں تو ایسا ہی ہو گا۔"

"غلط راہوں سے تمہاری کیا مراد ہے؟" نجمہ بیگم پھر بپھر گئیں۔ "ذرا میں بھی تو سنوں کہ سلیم نے کہاں کہاں ڈاکے مارے ہیں' کس کس کی عزت کو داغدار کیا ہے' کون سے کیڑے پڑے ہیں اس میں۔"

"میرا مطلب یہ نہیں تھا امی جان!"

"پھر تمہارا کیا مطلب ہے' کیا ہم نے زبردستی تمہاری اور سلیم کی شادی کرائی ہے اور اگر ایسا ہی تھا تو تم نے نکاح کے وقت انکار کر دیا ہوتا۔ ماشاء اللہ پڑھی لکھی ہو' بڑے

باپ کی بیٹی ہو اور تمہارے منہ میں گز بھر کی زبان بھی موجود ہے' نکاح کے وقت کاغذات پر دستخط کرنے سے منکر ہو گئی ہو تیں۔ کسی نے تمہارا گلا تو نہیں دبا رکھا تھا کہ تم نے جبراً و قہراً سلیم کو اپنا شوہر تسلیم کر لیا۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی جان!" شہناز نے حیرت سے پوچھا۔ "خدا گواہ ہے کہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔"

"تم نہیں سمجھ رہی ہو تو میری جوتی کو بھی کیا غرض ہے تمہیں سمجھانے کی۔ جیسا کرو گی ویسا ہی بھرو گی۔" نجمہ بیگم نے حقارت سے کہا۔ "البتہ اتنا سمجھ لو کہ سلیم بھی بڑے باپ کا بیٹا ہے' خدا سلامت رکھے' اب بھی کسی چیز کی کمی نہیں ہے اور خیر سے اس میں کوئی ایسا جسمانی عیب بھی نہیں ہے کہ اگر تم نے اُسے دھتکار دیا تو اسے دنیا جہان میں کوئی اور لڑکی نہیں جڑے گی۔ مرد کے پیر سلامت ہوں تو جوتیوں کی بھلا کیا کمی ہو سکتی ہے۔"

"امی جان....." شہناز سکتے کے عالم میں ساس کو پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

"کان کھول کر سن لو بہو بیگم! اگر تمہیں اس گھر میں زندگی گزارنا ہے تو میرے اشاروں پر چلنا ہو گا۔ سلیم کو شوہر سمجھ کر اس کی عزت کرنا ہو گی' اُس کے ہر حکم پر سر تسلیم خم کرنا ہو گا اور یہ بھی سمجھ لو کہ اگر تم نے سلیم کے باپ کو اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اپنے حق میں ہموار کرنے کی پھر کوئی کوشش کی تو تمام زندگی سر تھام کر رونا پڑے گا۔ میرے بیٹے کے لئے لڑکیوں کا کوئی کال نہیں ہے اور یوں بھی اسلام نے مرد کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے۔" نجمہ بیگم نے اپنے ترکش کا سب سے زہریلا چلاتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو خیر سے سلیم کے سر پر ایک ہی بار سہرے کے پھول مہکے ہیں۔"

"امی جان....."

شہناز کو اپنا وجود کاغذی کی ناؤ کی مانند طوفانی لہروں کے درمیان ڈگمگاتا نظر آ رہا تھا۔ وہ آہستہ سے خود کو سنبھالتی ہوئی دوبارہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ نجمہ بیگم اُسے کھری کھری اور سخت سُست سنا کر جا چکی تھیں لیکن اُن کی باتوں کا زہر ابھی تک شہناز کے وجود کو لرزہ براندام کئے ہوئے تھا۔ اُسے ڈرائنگ روم کی ہر چیز گھومتی اور چکراتی ہوئی نظر آ رہی تھی اور ان چیزوں میں خود اُس کا اپنا وجود بھی شامل تھا۔

☆------☆------☆

نازلی کی ملاقات نے منصور کے دل کا رہا سہا سکون بھی برباد کر دیا تھا۔ دل کے زخموں پر وقت نے جو کھرنڈ جما دی تھی نازلی کی تلخ باتوں نے اسے کھرچ دیا تھا اور منصور تڑپ اٹھے۔ درد کی ان شدتوں کو برداشت نہ کر سکے جو نازلی نے انہیں جان بوجھ کر بخش دیئے تھے۔

ناہید سے اُن کی شادی کو گیارہ ماہ گزر چکے تھے لیکن اُن کے اور ناہید کے درمیان جو خلیج روزِ اوّل سے پیدا ہوئی تھی وہ گھٹنے کے بجائے وقت اور حالات کی دگرگوں رفتار کے ساتھ ساتھ بڑھتی جا رہی تھی۔ منصور نے کبھی ناہید کے دل میں رستے ناسوروں کی مطلق پرواہ نہیں کی تھی۔ کبھی پیار سے اُس کی جانب نظر بھر کر نہیں دیکھا' اُس کی مظلومیت پر کبھی دھیان نہیں دیا تھا۔ صرف ماں کے حکم سے مجبور ہو کر اُسے زندگی کا ہم سفر بنانا قبول کر لیا تھا لیکن شادی کے بعد سے کبھی اُس سے پیار کے دو میٹھے بول بھی نہیں بولے تھے۔ البتہ ماں کی موجودگی میں وہ اپنی فرماں برداری اور ماں کے احترام کا بھرم قائم رکھنے کی خاطر ناہید سے ہوں ہاں میں باتیں ضرور کر لیتے تھے مگر اب یہ بھرم بھی ٹوٹتا نظر آ رہا تھا۔

رین بو کلب والی ملاقات میں نازلی نے منصور کے سامنے اپنی زندگی کا جو رخ پیش کیا تھا اُس نے منصور کو بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا' ان باتوں نے منصور کے دل میں دبی دبی سلگتی چنگاریوں کو شعلے کا رنگ دے دیا تھا۔ ناہید سے اُن کی نفرت اور شدید ہو گئی۔ پہلے وہ اسے محض اپنے راستے کی ایک حقیر رکاوٹ سمجھتے تھے لیکن اب وہ اُسے اپنی خوشیوں' اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کا دشمن خیال کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ اگر اُن کا بس چلتا تو شاید وہ اسی دن ناہید کو طلاق دے کر ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی سے دور کر دیتے لیکن وہ ماں کی وجہ سے مجبور تھے اور مجبوریوں کی ان ہی شدتوں نے انہیں ناہید کا دشمن بنا دیا تھا۔

اس خیال سے کہ کہیں ان کے دل میں چھپا ہوا طوفان آتش فشاں کا روپ اختیار کر کے پھٹ نہ پڑے انہوں نے کام کی مصروفیات کا بہانہ کر کے گھر سے دور رہنا شروع کر دیا تھا۔ رات کو دیر سے واپس لوٹتے' کچھ وقت ماں اور فراز کے ساتھ گزارتے پھر رات گئے اپنے کمرے میں جا کر کبھی صوفے اور کبھی فرش پر لیٹ کر سو جاتے۔ ناہید اگر بات کرنے کی کوشش کرتی تو اُسے اس بُری طرح جھڑک دیتے جیسے وہ اُن کی بیوی نہیں گھر کی باندی تھی۔

ناہید بھی ہواؤں کے بدلتے رخ کو محسوس کر رہی تھی۔ منصور کے طور طریقوں میں

جو نمایاں تبدیلی پیدا ہو رہی تھی وہ اُس کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھی' اُس نے متعدد بار کوشش کی تھی کہ وہ شوہر کی الجھن اور پریشانیوں کی وجہ جان سکے اور ان دردوں کے لئے مرہم کی تلاش میں اپنی زندگی کی بازی لگا دے جنہوں نے اس کے شوہر کو اس درجہ بدل دیا تھا۔

اُسے منصور سے کسی ہمدردی کی توقع نہیں تھی' اس نے تو طے کر لیا تھا کہ اپنی زندگی کے سفر کو اس قدر خاموشی سے طے کر لے گی کہ کوئی اس گرد و غبار کی ہوا تک محسوس نہ کر سکے جس نے اُس کی امنگوں اور خواہشات کو سینے کے اندر ہی دفن ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ آہنی حوصلوں کی مالک تھی' ہر طوفان کے سامنے ثابت قدم رہنے کی طاقت رکھتی تھی' ماں باپ کی تربیت اور حالات کے نشیب و فراز نے اُسے کندن بنا دیا تھا۔ وہ اپنے سینے کی اتھاہ گہرائیوں میں رستے ہوئے ان ناسوروں پر بھی قہقہہ لگانے کی ہمت رکھتی تھی جنہوں نے اس کی زندگی کو گھن کی طرح کھانے کی سعی کی تھی۔ زندگی کی جن راہوں سے وہ ہنستی مسکراتی گزر رہی تھی اگر اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو شاید اب تک روح اور جسم کے نازک رشتوں کو توڑ کر آزادی کا پروانہ حاصل کر چکی ہوتی لیکن ناہید نے طے کر لیا تھا کہ وہ قدرت کے ان فیصلوں کو ہنستے کھیلتے قبول کر لے گی جو اس کی قسمت میں رقم کئے جا چکے تھے۔

ناہید اپنی قسمت پر شاکی بھی نہیں تھی' اُس نے اپنی محرومیوں پر کبھی تڑپ کر رونے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ تقدیر کے بے رحم ہاتھوں نے اس کی معصوم تمناؤں کو لوٹا تھا۔ وقت نے اُس کے گداز ہونٹوں سے زندگی کی بھرپور مسکراہٹیں چھین لی تھیں۔ تقدیر نے اُسے اجالوں سے نکال کر گھپ اندھیروں میں دھکیل دیا تھا۔ وہ ان راہوں سے ناواقف تھی' ایک لمحے کو اُسے بھی ان تاریکیوں میں گھٹن کا شدید احساس ہوا تھا۔ قفس میں قید کئے گئے نئے پنچھی کی طرح اُس نے بھی پھڑپھڑانے کی کوشش کی تھی لیکن پھر خود کو صیاد کی مرضی پر چھوڑ دیا تھا' رحم کی درخواست نہیں کی تھی' عنایتوں کے لئے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا تھا۔ صرف ان حالات کو اپنانے کی کوشش کی جو قدرت نے اُس کے لئے پیدا کر دیئے تھے' ان راہوں پر چلنے کا سلیقہ سیکھ لیا جو اُس کی جھوٹی مسکراہٹوں کا بھرم برقرار رکھ سکتے اور یہی جھوٹی مسکراہٹیں تو اُس کی زندگی کا حاصل تھیں۔

ان ہی مسکراہٹوں سے تو اُس کے وجود کا بھرم قائم تھا۔

ان ہی مسکراہٹوں سے اُس کے والدین کی خوشیاں بھی وابستہ تھیں۔

وہ جانتی تھی۔

جس دن ان مسکراہٹوں کا بھرم ٹوٹ کر بکھر جائے گا۔

ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔

اُس کی زندگی درخت سے ٹوٹی ہوئی شاخ کی طرح مرجھا جائے گی۔

اُس کے والدین کی حسرتیں سسک سسک کر دم توڑ دیں گی۔

ایسا طوفان اٹھے گا کہ زندگی کا ہر خواب بکھر جائے گا۔

اور ان ہی خوابوں کو اپنے دامن میں سمیٹے رہنے کے لئے اُس نے آج تک اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹوں کو سجا رکھا تھا' اُس نے منصور کے ہر ظلم و ستم کو برداشت کیا تھا' اُس کی نفرتوں کے جواب میں کبھی اُف نہیں کیا تھا' اُس کی حقارتوں کے جواب میں نظریں جھکا لی تھیں۔ خود کو سرنگوں کر لیا تھا لیکن جب سے اُس نے منصور کی آنکھوں میں بے چینی دیکھی تھی خود بھی بے چین ہو کر رہ گئی۔ وہ ان بے چینیوں کا سبب جاننے کے لئے پریشان رہنے لگی تھی۔ شاید اس لئے کہ منصور اُس کے سہاگ کی نشانی تھے اور وہ اس نشانی کو برقرار رکھنے کے لئے اپنی زندگی کو بھی قربان کر دینا چاہتی تھی۔

اس وقت بھی وہ باہر لان میں بیٹھی ان ہی باتوں پر غور کر رہی تھی' بیگم سجاد اندر اپنے کمرے میں بیٹھی خواجہ رشید الدین سے کاروباری باتوں میں مصروف تھیں۔ کچھ دیر وہ بھی اُن کے پاس بیٹھی تھی پھر دل گھبرایا تو اٹھ کر باہر آ گئی۔ جہاں ڈھلتے سورج کی کرنیں پائیں باغ میں سرو کے درخت کو الوداعی بوسہ دے رہی تھیں۔ ہوا میں آج خنکی بھی زیادہ تھی مگر وہ کسی گرم کپڑے یا شال کے بغیر ہی باہر چلی آئی تھی' حالات نے اُسے بدلتے موسم کی تبدیلیوں اور سرد و گرم کا عادی بنا دیا تھا۔ جانے کتنی دیر تک لان پر بیٹھی اپنے خیالات میں گم ہو رہی تھی پھر جب فراز کی آواز اُس کے کانوں میں گونجی تو یوں چونک اٹھی جیسے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑ لی گئی ہو' دل کی دھڑکنیں آپ ہی آپ تیز ہونے لگیں۔

اس نے پلٹ کر دیکھا فراز اُس کی پشت پر کھڑے مسکرا رہے تھے۔ پھاٹک کے قریب ان کی گاڑی موجود تھی' شاید وہ ابھی دفتر سے واپس لوٹے تھے اور اُسے لان پر یوں تنہا بیٹھا دیکھ کر اسی کی طرف چلے آئے تھے۔ ناہید نے فراز کی مسکراہٹوں کے جواب میں خود اپنے ہونٹوں پر بھی تبسم بکھیر لیا۔ سینے میں برپا طوفان کی شدتوں کو تھپکیاں دیتی ہوئی

آہستہ سے اٹھی' بڑی اپنائیت سے بولی۔

"آپ کب آئے؟"

"ابھی ابھی نازل ہوا ہوں' آپ کو تنہا دیکھا تو ادھر آ گیا' امی جان کہاں ہیں؟"

"اپنے کمرے میں خواجہ صاحب سے باتیں کر رہی ہیں۔"

"اور آپ یہاں تنہا بیٹھی کیا سوچ رہی ہیں۔" فراز نے شوخی سے ناہید کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

"یوں ہی ..... اندر جی گھبرایا تو یہاں چلی آئی۔" ناہید نے کہا۔ "آپ چل کر کپڑے تبدیل کیجئے' میں چائے تیار کراتی ہوں۔"

"ان کپڑوں میں کیا آپ کو بُرا لگ رہا ہوں؟" فراز نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یہ میں نے کب کہا۔"

"ٹھیک ہے۔" فراز نے آلتی پالتی مار کر سبزے پر بیٹھتے ہوئے شوخی سے کہا۔ "آج ان ہی کپڑوں میں چائے پی جائے گی ہو سکتا ہے کہ شخصیت اور لباس کی وجہ سے چائے کا ذائقہ بھی خوشگوار ہو جائے۔"

ناہید نے فراز کو مسکراتے ہوئے دیکھا پھر ملازم کو چائے تیار کرنے کی ہدایت دینے کے لئے اندر چلی گئی۔ فراز کے اچانک آ جانے سے وہ ایک لمحے کو پریشان ہو گئی تھی پھر اس کی باتوں کی شوخی سے اس کے ذہن پر چھایا ہوا غبار چھٹ گیا تھا۔ پورے گھر میں ایک فراز ہی تو ایسا تھا جو اُس کی ذرا ذرا سی باتوں کا خیال رکھتا تھا۔ جتنی دیر گھر میں رہتا اس کی دلجوئی کرتا رہتا' وہ سنجیدہ ہوتی تو اُس کو ہنسانے کے لئے' خوش دیکھنے کے لئے بچوں جیسے انداز میں شرارتیں شروع کر دیتا اور پھر جب وہ بے اختیار کھِل اٹھتی تو یکلخت سنجیدہ ہو کر پوچھتا۔ "اس میں بھلا ہنسنے کی کیا بات تھی۔"

غرضیکہ فراز کی ذات اُس کے وجود کو سہارا دینے کے لئے بڑی معاون ثابت ہو رہی تھی' اب اُس نے بھولی بسری باتوں کا حوالہ دینا بھی ترک کر دیا تھا ورنہ پہلے تو بات بات پر "خوابوں کا شہزادہ" کا حوالہ دے کر اُسے اندر ہی اندر سہم اٹھنے پر مجبور کر دیتا تھا۔ شاید کاروبار کی مصروفیات نے اُسے قدرے سنجیدہ کر دیا تھا یا پھر اُس نے بیتی گزری باتوں کو فراموش کر دیا تھا کہ اب ان باتوں سے کچھ حاصل بھی نہیں تھا۔

وہ چائے کی ٹرالی گھسیٹتی دوبارہ لان پر لائی تو فراز سبزے پر نہایت آرام سے لیٹا آسمان کی وسعتوں میں گم تھا۔ وہ قریب گئی تو جلدی سے اٹھ بیٹھا اور بسکٹ کی پلیٹ اٹھا کر

اس طرح کھانے میں مصروف ہو گیا جیسے بھوک سے نڈھال ہو۔ خلاف توقع کچھ زیادہ ہی سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ ناہید نے اُسے کنکھیوں سے دیکھا پھر پیالیوں میں چائے انڈیلنے لگی۔

"بھائی جان نہیں آئے ابھی تک۔" فراز نے ہاتھ جھاڑ کر پیالی اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

"آج کل کام کی زیادتی کی وجہ سے دیر ہو جاتی ہے۔" اُس نے مسکراتے ہوئے جھوٹ بولا۔ "آ جائیں گے کچھ دیر میں۔ کیوں' آپ کو کوئی کام ہے؟"

"نہیں ..... یونہی بر سبیل تذکرہ پوچھ لیا تھا۔" فراز نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "سوچ رہا ہوں کہ میں بھی امی جان کی خوشی پوری کر دوں۔"

"کیا مطلب؟" ناہید نے اُسے غور سے گھورا۔

"شادی کے سلسلے میں آج کل بڑی سنجیدگی سے غور و خوض کر رہا ہوں۔" فراز نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا پھر ناہید کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کا کیا خیال ہے محترمہ!"

"نہایت نیک خیال ہے' امی حضور سنیں گی تو خوشی سے پھولی نہیں سمائیں گی۔"

"کیا آپ کو خوشی نہیں ہو گی؟"

"یہ کیسے سوچ لیا آپ نے کہ مجھے آپ کی شادی کی خوشی نہیں ہو گی۔" ناہید بڑی اپنائیت سے بولی۔

"یوں ہی ایک خیال سا ہوا تھا۔" فراز لاپرواہی سے بولے۔ "ممکن ہے میرا اندازہ غلط ثابت ہو۔"

"کوئی نئی شرارت ذہن میں کلبلا رہی ہے۔" ناہید مسکرا دی۔

"ہاں۔" فراز نے چائے کا آخری گھونٹ لے کر خالی پیالی کو ٹرالی میں رکھتے ہوئے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ میں بھی بھائی جان کی طرح ایک عدد خوبصورت' خوب سیرت' وفا شعار اور شوہر پرست دلہن بیاہ کر لے آؤں جو آپ ہی کی طرح لان پر بیٹھی میری راہ تکتی رہا کرے۔"

"اور اگر اُس نے ارمانہ کیا تو؟"

"تو....." فراز نے اچانک اداس نظروں سے ناہید کو گھورتے ہوئے قدرے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ "میں تو یہی سمجھوں گا کہ اُس نے خود کو نہیں کھویا' مجھے پا لیا ہے۔"

"فراز!" ناہید فراز کی باتوں کی گہرائی کو سمجھ کر سہم گئی۔ خود کو جلدی سے سنبھالتے

ہوئے بولی۔ "آپ نے یہ افسانوی باتیں کہاں سے سیکھ لی ہیں۔"

"اپنے گھر کے در و دیوار سے۔" فراز نے مسکراتے ہوئے پھر معنی خیز لہجے میں کہا۔ "انسان کا اپنا گھر ہی سب سے پہلے مکتب ثابت ہوتا ہے۔ جہاں سے وہ بہت کچھ سیکھتا ہے' تجربے حاصل کرتا ہے' چلنا سیکھتا ہے' غوں غاں کرتا ہے اور ..... اور کچھ حاصل کرتا ہے اور یہی تجربے اُس کی زندگی کے لئے مشعل راہ بن جاتے ہیں۔"

"اور اکثر وہ بہکی بہکی باتیں بھی شروع کر دیتا ہے ..... بالکل آپ ہی کی طرح۔" ناہید نے اُسے ہنس کر ٹالنے کی کوشش کی۔

"آپ ..... آپ بہت عظیم ہیں مادام!" فراز نے بڑی معصومیت سے کہا۔ "اجازت ہو تو آپ کی بلندیوں کو سلام کر لوں۔"

"خدا خیر کرے ..... یہ آج آپ بقراط کے لہجے میں کیوں باتیں کر رہے ہیں؟" ناہید نے اُسے شوخی سے دیکھا۔

"کبھی کبھی بے سر و پا باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے اور خاص طور سے اس وقت جب ایک پیالی چائے سے دل کو تسکین حاصل نہ ہو۔"

"دوسری پیالی چائے کی فرمائش سیدھے سادے انداز میں بھی کی جا سکتی تھی۔ اتنی ڈھیر ساری بے تکی باتوں کی کیا ضرورت تھی۔" ناہید نے کہا اور دوسرا کپ فراز کی طرف بڑھاتے ہوئے بولی۔ "سنا ہے محسن بھائی اور شازیہ پہاڑ سے واپس آ گئے ہیں۔"

"ہاں ..... آج محسن کا فون آیا تھا۔" فراز نے کہا۔ "کیا خیال ہے' کچھ دیر کے لئے چلا جائے اُس کی طرف' ذرا ماحول بدلے گا تو طبیعت بہل جائے گی۔"

"آپ کا دل چاہ رہا ہے تو ہو آیئے جا کر..... میں بھلا کہاں جاؤں گی۔"

"کیوں ..... کیا آپ کے جانے پر کوئی بندش عائد ہے۔" فراز سنجیدہ ہو گئے۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں لیکن....."

"کیا میرے ساتھ جانے پر اعتراض ہے۔" فراز نے دوسرا سوال کیا۔

"توبہ ہے۔" ناہید نے مسکرا کر اپنے غموں کی پردہ پوشی کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کو تو نہ جانے کہاں کہاں کی سوجھنے لگتی ہے۔ بھلا مجھے آپ کے ساتھ جانے میں کیا انکار ہو سکتا ہے لیکن ابھی آپ کے بھائی جان بھی نہیں آئے۔ وہ آ گئے تو انہیں کھانا کون کھلائے گا۔"

"آئی ایم سوری مادام! میں بھول گیا تھا کہ ابھی آپ کو بھائی جان کا انتظار بھی کرنا

ہے۔" فراز کے لہجے میں تلوار کی سی کاٹ تھی۔

"مجھے یہ راز آج پہلی بار معلوم ہوا ہے کہ جناب پر کبھی کبھی سنجیدگی کا دورہ بھی پڑتا ہے۔" ناہید نے شوخی سے کہا پھر موضوع بدلتے ہوئے بولی۔ "یہ بتایئے کہ شادی والی بات آپ نے کس موڈ میں کہی تھی۔ امی حضور کئی بار مجھ سے اس بات کا تقاضہ بھی کر چکی ہیں کہ میں آپ کو اس سلسلے میں کریدوں۔"

"آپ کا کیا حکم ہے؟"

"جی....." ناہید کو سنجیدگی اختیار کرنا پڑی' فراز کے لہجے میں درد کی شدتوں کو محسوس کر کے وہ بھی الجھ گئی تھی' آہستہ سے بولی۔ "آپ کو میرے حکم سے زیادہ امی حضور کی خواہشات کا خیال رکھنا چاہئے۔"

"نجو کہاں ہے۔" فراز نے اچانک مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "نظر نہیں آ رہی۔"

"خیریت تو ہے۔" ناہید نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔ "یہ معاً آپ کو نجو کیسے یاد آ گئی۔"

"بڑی زندہ دل اور زندگی کی حرارتوں سے بھرپور لڑکی ہے۔ شاید ابھی تک اُس نے زندگی کا دوسرا رخ نہیں دیکھا۔"

ناہید نے چونک کر فراز کو دیکھا' آج وہ بڑی گہری اور معنی خیز باتیں کر رہا تھا' کہیں ایسا تو نہیں کہ اُسے منصور اور اس کی زندگی کے دوسرے رخ کے بارے میں کچھ معلوم ہو گیا ہو۔ ناہید کے ذہن میں یہ سوال بجلی بن کر کوندا تو اسے اپنا دل سینے کی گہرائیوں میں ڈوبتا محسوس ہوا۔ اُسے یوں لگا جیسے اُس کی اب تک کی تمام محنت رائیگاں ہو گئی۔ جس راز کو اُس نے اپنے ساتھ قبر کے اندھیروں تک ساتھ لے جانے کا عہد کیا تھا وہ کسی اور پر اتنی جلدی کس طرح افشا ہو سکتا تھا۔ اس راز کے صرف دو ہی تو امین تھے۔ ایک منصور' جنہوں نے اسے سہاگ رات ہی کو اپنے کمزور وجود میں دفنا دیا تھا اور دوسری ذات خود اُس کی اپنی تھی پھر وہ راز بھلا کسی تیسرے کو کس طرح معلوم ہو سکتا تھا۔

ناہید کو اپنی پلکوں کے سائے تلے گھپ اندھیرے لپکتے محسوس ہو رہے تھے۔ اس نے اپنی جھوٹی مسرتوں کے جو خواب دیکھتے تھے انہوں نے تو اسے پہلی رات ہی جھنجھوڑ کر جگا دیا تھا اور پھر اس نے ان حسین خوابوں کو برقرار رکھنے کے لئے جو راہ اختیار کی تھی وہ تو خود اس کی اپنی تعین کردہ تھی۔ اُسے اپنے اوپر اعتماد تھا' مکمل یقین تھا کہ وہ ان راہوں پر گامزن ہو کر اس طرح اپنی زندگی کا سفر کاٹ دے گی کہ کسی کو کانوں کان ان باتوں کی

ہوا بھی نہ لگے گی جو اس کی زندگی کا المیہ بن گئی تھیں پھر فراز کو ان باتوں کا علم کیسے ہو گیا؟ وہ اپنے ہی خیالات سے الجھتی رہی' دل کی دھڑکنیں تھیں کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔

اس نے کچھ دیر بعد پھر فراز کی طرف نظر بھر کر دیکھا' فراز عجیب معصوم انداز میں بیٹھے مسکرا رہے تھے۔ شاید فراز نے محض یونہی ہوا میں تیر چھوڑنے کی کوشش کی تھی۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو پھر اُن کے ہونٹوں پر کھیلنے والی زندگی سے بھرپور مسکراہٹ کیا معنی رکھتی تھی۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا۔ حالات نے اسے کسی قدر خوفزدہ کر دیا تھا' کتنی وہمی ہو کر رہ گئی تھی' ذرا سی بات کا افسانہ بنا ڈالا تھا۔ یہ بھی بھول گئی تھی کہ فراز ہمیشہ اسی قسم کے سنجیدہ مذاق کر کے دوسروں کے دل کا چور پکڑ لیتے تھے۔ اس نے طے کر لیا کہ وہ آئندہ فراز کے سلسلے میں بہت زیادہ محتاط رہنے کی عادت ڈال لے گی۔ جب تک وہ کھل کر کسی بات کا اقرار نہیں کر لیں گے وہ بھی کبھی وسوسوں میں گرفتار ہونے کی کوشش نہیں کرے گی ورنہ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی دوسروں کی طرح فراز کے سامنے نکو بننے پر مجبور ہو جائے۔

دل کے واہموں کو قدرے قرار ملا تو ذہن پر چھایا ہوا غبار بھی ڈھل گیا۔ اُس نے فراز کو شوخ نظروں سے گھورا' کیسے معصوم اور بھولے بنے بیٹھے تھے' چہرے پر کیسی معصومیت طاری تھی جیسے انہیں عملی زندگی کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ شرارت اور شوخی تو جیسے اُن کی رگ رگ اور نس نس میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ کسی کو بھی تو بخشنے سے باز نہیں آتے تھے۔

"کیا بات ہے مادام! آپ اس بندۂ حقیر کو اس قدر گھور گھور کر کیوں دیکھ رہی ہیں؟" فراز نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"یوں ہی ..... ذرا آپ کے چہرے کے بھولپن پر غور کر رہی تھی۔" وہ مسکرا کر بولی۔

"اب ان باتوں پر غور کرنے سے کیا حاصل۔" فراز نے شوخی سے جواب دیا۔

"کیوں' کیا اب ہمارے درمیان مذاق کا رشتہ نہیں ہے۔" ناہید نے بڑی خوبصورتی سے بات بناتے ہوئے کہا۔

"ایک بات پوچھوں۔" فراز نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ "جواب دیں گی آپ؟"

"یہ تو سوال کی نوعیت پر منحصر ہے۔" ناہید نے لہجے کی شوخی برقرار رکھی۔

"ابھی آپ نجو والی بات پر سہم کیوں گئی تھیں؟"

"بتا دوں۔"

"عنایت ہو گی ..... بشرطیکہ آپ غلط بیانی سے کام نہ لیں۔"

"میں یہ سوچ رہی تھی کہ اگر نجو واقعی کسی اچھے اور بڑے گھرانے کی لڑکی ہوتی تو آپ کی شادی اس سے ہو جاتی۔ آپ دونوں کا جوڑا بڑا ہی شاندار رہتا۔" ناہید نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ بھی آپ ہی کی طرح شوخ شوخ اور معصوم باتیں کرتی ہے۔"

"بات چھوٹے بڑے گھرانوں کی نہیں ہوتی محترمہ! آپس کی محبت اور مفاہمت کی ہوتی ہے۔" فراز نے سبزے سے گھاس اکھاڑتے ہوئے کہا۔ "میں نے ایسی شادیوں کا انجام بھی دیکھا ہے جو ایک ہی خاندان میں ہوئی ہیں لیکن شادی کے بعد اختلافات پیدا ہو گئے اور خون کے باہمی رشتوں میں ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکی۔"

"اوہ....." ناہید نے بڑی معصوم سنجیدگی سے جواب دیا۔ "شادی بیاہ کے معاملات میں جناب کو خاصا تجربہ حاصل ہے۔"

"جی ہاں۔" فراز نے تیزی سے کہا۔ "آپ کہیں تو یہ بھی بتا دوں کہ آپ کے اور بھائی جان کے درمیان کتنی محبت ہے۔"

"بڑی نوازش ہو گی جناب کی۔" ناہید جلدی سے بولی۔ "جس بات کا علم مجھے ذاتی طور پر ہے اُس کے بارے میں مجھے دوسروں سے بھلا تفتیش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ البتہ آپ ذرا سنجیدگی سے یہ بتا دیں کہ آپ نے فرزانہ کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے۔ امی حضور کم از کم یہی چاہتی ہیں کہ آپ کی شادی فرزانہ ہی سے ہو۔"

"آپ کا کیا مشورہ ہے فرزانہ کے بارے میں؟" فراز نے اس بار گہری سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے سوال کیا۔

"شادی آپ کی ہو گی اور مشورہ مجھ سے طلب کر رہے ہیں ..... یہ بھی خوب رہی۔"

"میری جگہ آپ ہوتیں تو آپ کا کیا فیصلہ ہوتا؟" فراز بدستور سنجیدہ تھے۔

"میں جانتی ہوں کہ آپ کو فرزانہ کی آزاد خیالی اور محفلوں میں اٹھنا بیٹھنا ناپسند ہے لیکن اس روز آپ ہی نے تو امی حضور سے کہا تھا کہ بوا سروری جیسا سفید رنگ کا بادبانی برقعہ سلوا کر اس بات کا تدارک بھی کیا جا سکتا ہے۔"

"بات صرف برقعے کی نہیں محترمہ۔" فراز ہونٹ کاٹتے ہوئے بولے۔ "ایک گھریلو عورت کے لئے آنکھوں کی حیا اور شرم بھی ضروری ہوتی ہے۔"

"گویا آپ فرزانہ سے شادی کرنے پر تیار نہیں ہیں۔"

"پلیز مادام!" فراز نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "کوئی اور بات کیجئے۔"

"سوچ لیجئے۔" وہ شوخ ہو گئی۔ "امی حضور کم از کم نجو والی بات پر تو کسی قیمت پر تیار نہیں ہوں گی اور یوں بھی مالی بابا اُس کی بات کہیں اور پکی کر چکے ہیں اس لئے آپ کی دال گلنا تقریباً ناممکن ہے۔"

"ضروری تو نہیں کہ انسان کے سب خواب شرمندۂ تعبیر ہی ہو جائیں۔" فراز نے معنی خیز انداز میں جواب دیا تو وہ ایک لمحے کو سٹپٹا گئی' پھر شوخی سے بولی۔

"بزرگوں کا ایک قول یہ بھی ہے کہ خواب پیٹ کی گرانی کے سبب نظر آنے لگتے ہیں۔"

فراز کے ہونٹوں میں ایک ارتعاش سا پیدا ہوا۔ وہ پلٹ کر کچھ کہنا چاہتے تھے لیکن کہہ نہ سکے' گلابی ہونٹوں پر ایک پھیکے سے تبسم نے تڑپ کر دم توڑ دیا۔ ناہید نے فراز کی کیفیت محسوس کی تو وہ الجھ سی گئی۔ دونوں ہی کی نظروں میں ماضی کے کچھ دھندلے دھندلے نقش ابھر آئے تھے لیکن پھر بیگم سجاد کے آ جانے سے دونوں ہی کو اپنی اپنی جگہ محتاط ہو جانا پڑا۔

فراز نے ماں کو دیکھا تو جلدی سے اٹھ کر لان کے قریب ورانڈے میں رکھی ہوئی ایک آرام کرسی اٹھا لائے' ماں کو ہاتھ تھام کر بڑے پیار سے کرسی پر بٹھایا اور خود اُن کے گھٹنوں سے لگ کر سبزے پر بیٹھ گئے' ناہید نے بھی ساس کے قریب ہی جگہ بنا لی۔ بیگم سجاد نے فراز کو ممتا بھری نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ذرا میں بھی تو سنوں کہ دیور بھاوج میں گھٹ گھٹ کر کیا باتیں ہو رہی تھیں۔"

"ہماری کچھ پرائیویٹ باتیں ہو رہی تھیں امی حضور! آپ سن کر کیا کریں گی۔" فراز نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"جی ہاں امی حضور فراز اس وقت کچھ انتہائی ذاتی قسم کی بات کر رہے تھے۔" ناہید نے ساس کو دیکھتے ہوئے شوخی سے کہا۔ "اور وہ بات کیا ہو سکتی ہے آپ بھی خوب جانتی ہیں۔"

"کون سی بات بیٹی!" بیگم سجاد نے کہا۔ "میں سمجھی نہیں۔"

"وہی شادی والی بات امی حضور!" ناہید نے اس بار کنکھیوں سے فراز کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "پہلے تو ان کا اصرار تھا کہ ایک سال تک شادی نہیں کروں گا اور اب ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی ضد کر رہے ہیں۔ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ میں آپ سے سفارش کر دوں۔"

"کیوں فراز؟" بیگم سجاد نے بیٹے کے بالوں کو اپنے شفقت بھرے ہاتھوں سے چھیڑتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ناہید بیٹی ٹھیک کہہ رہی ہے؟"

"جی ہاں امی حضور!" فراز نے بچوں کی طرح ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "آج کل اکیلے کمرے میں سونے سے ڈر لگنے لگا ہے۔ عجیب و غریب قسم کے بھیانک اور ڈراؤنے خواب دکھائی دیتے ہیں۔ سوچتا ہوں کہ جب تک ہاتھ پیلے نہیں ہوتے بوا سروری کو اپنے کمرے میں سلا لیا کروں۔"

"شروع کر دیں وہی آئیں بائیں قسم کی باتیں۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "کبھی تو شادی کے مسئلے پر سنجیدگی سے میری باتیں سن لیا کرو۔"

"آپ کہئے امی حضور! اب میں بالکل سنجیدگی سے سنوں گا۔" فراز نے کہا پھر جلدی سے ماں کے سامنے ہو کر آلتی پالتی مار کے بیٹھ گئے اور چہرے پر کچھ ایسی ہی سنجیدگی طاری کر لی کہ بیگم سجاد بھی ہنس دیں پھر بہو سے بولیں۔

"دیکھ رہی ہو ناہید بیٹی اس کی حرکتیں۔"

"میں نے کیا کیا امی حضور! میں تو سنجیدہ ہو گیا' آپ کیجئے نا شادی کی باتیں۔" فراز بدستور گہری سنجیدگی سے بولے۔

"تُو تیار ہے شادی کے لئے۔"

"بالکل تیار ہوں امی حضور! آپ حکم دے کر دیکھ لیجئے۔" فراز نے نہایت فرماں برداری سے جواب دیا۔

"جہاں میں کہوں گی وہاں تیار ہو جائے گا۔" بیگم سجاد نے ممتا بھرے انداز میں پوچھا۔

"آپ نے یہ کیسے اندازہ لگا لیا کہ میں اود آپ کے حکم سے سرتابی کروں گا۔"

"کیا بھروسہ تیرا۔" بیگم سجاد نے پیار سے کہا۔ "پہلے وعدہ کرو کہ جو میں کہوں گی شرافت سے مان لے گا۔"

ناہید خاموش بیٹھی ماں بیٹے کی محبت بھری باتیں سن رہی تھی اور فراز کی سنجیدگی پر

مسکرا رہی تھی۔

"میں تو آپ کی ہر بات ماننے کو تیار ہوں امی حضور! لیکن یہ آپ کی منہ بولی بیٹی صاحبہ جو ہیں نا..... یہ ہر وقت مجھے الٹی سیدھی پٹی پڑھاتی رہتی ہیں۔" فراز نے ماں کو شادی کے مسئلے پر سنجیدہ دیکھا تو ناہید کی طرف گھورتے ہوئے بڑے بھولپن سے بولے۔

"ابھی آپ کے آنے سے پہلے میں ان محترمہ سے یہی کہہ رہا تھا کہ اگر امی حضور کی مرضی یہی ہے کہ میں فرزانہ سے شادی کر لوں تو مجھے بھلا کیا انکار ہے ..... جانتی ہیں انہوں نے کیا کہا ..... کہنے لگیں کہ اگر فرزانہ ہی سے شادی کا خیال تھا تو پھر امریکہ جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی کیا ضرورت تھی ..... اور ..... اور یہ بھی کہہ رہی تھیں کہ فرزانہ کسی طرح بھی میرے لائق نہیں رہے گی۔ ایک دم بے جوڑ لگے گی۔ میں اُس کے ساتھ باہر نکلوں گا تو لوگ تیتر اور شتر مرغ کا جوڑ کہہ کر مذاق اڑائیں گے ..... اور ..... اور نہ جانے کیا کیا کہہ رہی تھیں اس بیچاری کی شان میں ..... اور ابھی سے جب ان کا یہ عالم ہے تو شادی کے بعد تو اس غریب کا جینا دوبھر کر دیں گی۔ اٹھتے بیٹھتے بات بات پر اُس کے جنم میں کیڑے تلاش کرتی پھریں گی ..... اور ہاں' خوب یاد آیا امی حضور! یہ کہہ رہی تھیں کہ اگر فرزانہ چوٹی کٹوا کر پٹے رکھ لے تو بالکل بطخ جیسی نظر آئے گی ..... آپ ہی بتایئے' بھلا ان کو اس قسم کے حقیقت کے مذاق کرنے سے کیا حاصل ہو گا۔"

"بُری بات فراز بیٹے!" بیگم سجاد نے مسکراتے ہوئے ٹوکا۔ "دوسروں کے لئے ایسی باتیں زبان سے نہیں نکالتے' کرنل فراز سنیں گے تو کیا کہیں گے۔"

"یہی تو اتنی دیر سے انہیں سمجھا رہا تھا۔" فراز نے پھر ناہید ہی کو ہدف بناتے ہوئے کہا۔ "لیکن کیا مجال ہے جو اپنے کان پر جوں تک رینگی ہو' زبان کے آگے تو خندق ہے خندق ..... میں تو تھک چکا ہوں امی حضور! ذرا کپڑے تبدیل کر آؤں' جب تک آپ ہی انہیں سمجھائیں۔"

پھر بیگم سجاد کے کچھ کہنے سے پیشتر ہی فراز بُرا سا منہ بناتے ہوئے اٹھے اور ناہید کو غصے سے گھورتے ہوئے لمبے لمبے قدم اٹھاتے اندر چلے گئے ناہید اور بیگم سجاد دونوں ہی فراز کے جانے کے بعد اُس کی باتوں پر مسکراتی رہیں پھر ناہید نے کہا۔

"امی حضور! میرا خیال ہے کہ فراز کو فرزانہ کا رشتہ کچھ پسند نہیں ہے۔"

"تم اس کی عادتوں سے ابھی واقف نہیں ہو بیٹی! جو چیز اسے اچھی لگے یہ اُس کی

برائی اسی انداز میں کرتا ہے' ویسے کیا اس نے تم سے کھل کر فرزانہ کے سلسلے میں کوئی بات کہی ہے۔"

"میں نے ان کا عندیہ معلوم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن....."

"میں جانتی ہوں۔" بیگم سجاد مسکرا کر بولیں۔ "وہ تمہیں بھی اپنی شرارتوں میں اڑا گیا ہو گا۔ میں اب کسی وقت اکیلے میں اس سے بات کروں گی۔ تم سامنے ہوتی ہو تو اس پر اور شرارت کا بھوت سوار ہو جاتا ہے۔"

بیگم سجاد خاصی دیر تک بہو کے ساتھ لان پر بیٹھی باتیں کرتی رہیں پھر جب ہوا میں خنکی بڑھنے لگی تو اٹھ کر اندر آ گئیں۔ فراز ابھی تک اپنے کمرے میں تھے۔ رات کے کھانے پر فراز سے دوبارہ سامنا ہوا لیکن فراز نے کوئی بات نہیں کی۔ منہ پھلائے اس طرح خاموش بیٹھے کھاتے رہے جیسے وہ باتیں جو انہوں نے بیگم سجاد سے فرزانہ کے بارے میں کہی تھیں حقیقتاً ناہید نے ہی کہی ہوں ایک دو بار ناہید نے انہیں مخاطب بھی کیا لیکن فراز نے کوئی جواب نہیں دیا' کھانے کے بعد جب جانے لگے تو بیگم سجاد نے کہا۔

"فراز بیٹے! ذرا میرے کمرے میں چلو' مجھے تم سے کچھ اہم باتیں کرنا ہیں۔"

"آپ بھی تشریف لایئے محترمہ!" فراز نے ناہید کو گھورتے ہوئے کہا۔ "یہ سب آپ ہی کی لگائی بجھائی کا نتیجہ ہے۔"

"نہیں بیٹی! تم اب اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو' میں اس سے ذرا تنہائی میں باتیں کروں گی۔"

"مارے گئے فراز صاحب۔" فراز نے آہستہ سے کہا پھر ماں کے ساتھ اُن کے کمرے میں چلے گئے تو ناہید مسکراتی ہوئی اپنی خوابگاہ میں آ گئی۔

☆------☆------☆

شیخ الطاف حسین آج خلاف معمول دیر سے دفتر سے آئے تھے۔

شاکرہ خاتون نے شوہر کے چہرے پر فکر و پریشانی کے تاثرات دیکھے تو اُن کا کلیجہ دھک سے رہ گیا' ایک تو یوں ہی وہ اُن کے دیر سے آنے کی وجہ سے فکرمند تھیں پھر جب انہیں غور و فکر میں بھی ڈوبا پایا تو دل میں ہول سا اٹھنے لگا لیکن انہوں نے فوراً ہی کریدنے کی کوشش نہیں کی' حسب دستور اٹھ کر چائے دم دینے کی خاطر باورچی خانے میں چلی گئیں۔ جلدی جلدی چائے تیار کی پھر ٹرے ہاتھوں میں اٹھائے بیٹھک میں پہنچیں تو الطاف حسین وہاں پہلے ہی سے موجود تھے۔

"آج بڑی دیر کر دی آپ نے۔" شاکرہ خاتون نے چائے پیالی میں انڈیلتے ہوئے کہا۔ "کیا کچھ کام زیادہ ہو گیا تھا؟"

"کام تو خیر ایسا زیادہ نہیں تھا' میں اپنے وقت پر دفتر سے اٹھ رہا تھا مگر شہاب الدین صاحب کے آ جانے کی وجہ سے رکنا پڑا۔"

"یہ شہاب الدین صاحب کون ہیں ..... نام تو کچھ سنا سنا سا لگ رہا ہے۔"

"شہناز کے والد ہیں۔" الطاف حسین نے سنجیدگی سے کہا پھر چائے پینے لگے۔

شاکرہ خاتون شوہر کے چہرے کو بغور دیکھ رہی تھیں' شہناز کے والد کا نام سن کر ان کی تشویش تو کسی حد تک کم ہو گئی تھی البتہ وہ یہ جاننے کے لئے ضرور مضطرب تھیں کہ شوہر کی فکرمندی کا سبب کیا ہے' اُن کا خیال تھا کہ الطاف حسین خود ہی اُس کا تذکرہ شروع کر دیں گے لیکن جب بہت دیر تک انہوں نے از خود کوئی بات شروع نہیں کی تو شاکرہ خاتون نے دبی زبان میں پوچھا۔

"خیریت تو ہے' یہ شہناز کے والد کو آپ سے کیا کام پڑ گیا تھا؟"

"سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ بھلا میں اس سلسلے میں کیا کر سکوں گا۔" الطاف حسین نے چائے کی پیالی رکھ کر گاؤ تکیے سے ٹیک لگاتے ہوئے کہا۔ "حامد اور شہاب الدین صاحب بذاتِ خود بھی ایک دوسرے کے پڑوسی اور پرانے دوست ہیں۔ وہ آپس میں بیٹھ کر بھی یہ معاملہ طے کر سکتے تھے' اس کے علاوہ نجمہ بیگم کا دخل بھی درمیان میں ہے' وہ جب اپنے شوہر کی نہیں سنتی تو بھلا میری کیا سنیں گی۔"

"کچھ پتہ بھی تو چلے' آخر بات کیا ہے۔" شاکرہ خاتون نے پوچھا۔ "کیا خدا نخواستہ سلیم اور شہناز میں کچھ ناچاقی شروع ہو گئی ہے؟"

"ابھی نوبت یہاں تک تو نہیں پہنچی لیکن شہناز کے والد جو باتیں سلیم کے بارے میں بتا رہے تھے اگر اُس کا کوئی فوری تدارک اور روک تھام نہ کی گئی تو بات بڑھ جانے کا خطرہ بھی لاحق ہے۔"

"کیا کوئی خاص بات ہے؟"

"جی ہاں۔" الطاف حسین بولے۔ "شہناز کے والد کا کہنا ہے کہ سلیم کی دوستی کچھ ایسے افراد سے بھی ہے جو غیر قانونی کام میں ملوث ہیں اور ان کاموں میں سلیم بھی پیش پیش رہتے ہیں' خاص طور پر انہوں نے مراد خاں نامی شخص کا ذکر کیا ہے جو اس ٹولے کا سرغنہ ہے۔"

"مجھے تو پہلے ہی سے ڈر تھا کہ نجمہ بیگم کا لاڈ پیار سلیم کے حق میں زہر ثابت ہو گا لیکن انہوں نے بیٹے کے سلسلے میں کبھی حامد بھائی کا مشورہ بھی قبول نہیں کیا' ہمیشہ اپنی من مانی کرتی رہیں۔" شاکرہ خاتون بولیں۔ "خیر وہ تو جو ہونا تھا ہو چکا لیکن اب شہناز کے والد آپ سے کیا چاہتے ہیں؟"

"انہوں نے مجھ سے درخواست کی ہے کہ میں اپنے طور پر حامد کو اس بات سے آگاہ کروں کہ سلیم کی دوستی غلط قسم کے لوگوں سے ہے اور یہ کہ اسے خاص طور پر اُسے مراد خاں سے ملنے جلنے کے لئے منع کیا جائے۔"

"میں تو آپ کو یہ مشورہ ہرگز نہیں دوں گی کہ آپ اس سلسلے میں حامد بھائی سے کوئی بات کریں۔ بلاوجہ کی بُرائی پڑ جائے گی آپس میں اور پھر نجمہ بیگم اس بات کو تمام عمر تسلیم نہیں کریں گی کہ سلیم میں کوئی کھوٹ ہے۔ الٹا پنجے جھاڑ کر ہم لوگوں کے پیچھے پڑ جائیں گی' میری مانئے تو آپ شہاب الدین صاحب کو یہی مشورہ دیں کہ وہ براہ راست حامد بھائی سے گفتگو کریں' آخر وہ خود کچھ کیوں نہیں کرتے اس سلسلے میں۔"

"کرنے کو خیر وہ بہت کر سکتے ہیں' جس عہدے پر وہ مامور ہیں وہ کوئی معمولی عہدہ بھی نہیں ہے۔" الطاف حسین نے بیوی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ان کا ایک اشارہ ہی مراد خاں کو جیل کی آہنی سلاخوں کے پیچھے پہنچانے کے لئے بہت کافی ہو گا۔"

"پھر انہیں تکلف کس بات کا ہے۔"

"بات تکلف کی نہیں بلکہ مصلحت کی ہے بیگم! دراصل وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ اگر مراد خاں نے گرفتاری کے بعد عدالت میں سلیم کا نام بھی لے دیا تو اُن کی اپنی عزت خاک میں مل جائے گی۔ دوسرے یہ کہ ان باتوں کا اثر لازمی طور پر شہناز اور سلیم کے رشتے پر ہو گا' اسی غرض سے انہوں نے مجھے درمیان میں ڈالنے کی کوشش کی ہے اور خاص طور پر درخواست کی ہے کہ فی الحال اُن کا نام درمیان میں نہ آنے پائے۔"

"اور آپ نے کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"یہی تو سوچ رہا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔"

"خوب سمجھ بوجھ کر ہی قدم اٹھائے گا۔" شاکرہ خاتون نے کہا۔ "جہاں تک حامد بھائی کا تعلق ہے تو انہوں نے ناہید اور منصور کی شادی کے سلسلے میں ہم پر جو احسان کئے ہیں انہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا اور یہ بات بھی طے ہے کہ اگر کل کلاں کو خدانخواستہ سلیم کی عزت پر حرف آیا تو حامد بھائی کو اس کا بھی شدید صدمہ پہنچے گا۔"

"ان ہی باتوں نے مجھے بھی الجھا دیا ہے۔" الطاف حسین بولے۔ "یوں تو خیر میں حامد کو بلا کر اُس سے علیحدگی میں بھی بات کر سکتا ہوں لیکن آپ کا کیا خیال ہے' کیا حامد ان باتوں کے علم میں آ جانے کے بعد خاموشی اختیار کر لے گا' ظاہر ہے کہ وہ سلیم کا باپ ہونے کی حیثیت سے اولاد کی بہتری کے لئے کوئی نہ کوئی مؤثر قدم تو ضرور اٹھائے گا لیکن ان باتوں کی بھنک اگر نجمہ بیگم کو ہو گئی تو وہ کبھی چُپ نہ بیٹھیں گی' بیٹے کی حمایت میں حلق پھاڑ پھاڑ کر چیخنا شروع کر دیں گی اور ہم جس بات کو راز رکھنا چاہتے ہیں وہ بھلا راز کس طرح رہ سکے گی۔"

"آپ کا کہنا بھی بجا ہے۔" شاکرہ خاتون نے شوہر کی الجھن کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ پھر کچھ سوچ کر بولیں۔ "اگر آپ اجازت دیں تو ایک بات کہوں۔"

"کہئے۔"

"کیوں نہ ہم محسن سے اس سلسلے میں مشورہ کریں۔ پولیس انسپکٹر ہونے کی حیثیت سے وہ یقیناً ہمیں کوئی مفید مشورہ ہی دے گا۔"

"نہیں' یہ نامناسب ہے۔" الطاف حسین نے کہا۔ "بات جب تک گھر کی گھر میں رہے اپنی ہوتی ہے' باہر نکل جائے تو پرائی ہو جاتی ہے۔"

"آپ یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن یہ خطرہ تو ہمیشہ ہی لاحق رہے گا کہ مراد خاں جب بھی پکڑا گیا اپنے بچاؤ کے لئے سلیم کا نام ضرور لے گا۔"

"اسی خدشے کے پیش نظر ہمیں کوئی ایسا قدم اٹھانا ہو گا کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے۔"

"میرے ذہن میں ایک ترکیب اور بھی آ رہی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اگر حامد بھائی سلیم کو کسی بہانے سے چپ چپاتے کچھ عرصے کے لئے ملک سے باہر بھیج دیں تو کام بن سکتا ہے۔" شاکرہ خاتون بولیں۔ "اس طرح سلیم کے جانے کے کچھ دنوں بعد مراد خاں کی سرکوبی بھی ممکن ہو جائے گی اور وہ سلیم کے ملک سے باہر ہونے کی وجہ سے اس کا نام لینے سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔"

"یہ مشورہ نہایت معقول اور مناسب ہے۔" الطاف حسین نے بیوی کو تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میں کل ہی شہاب الدین صاحب سے مل کر اُن سے بات کرتا ہوں اور پھر ضروری ہوا تو حامد سے گفتگو بھی کر لی جائے گی۔"

"خدا کرے کسی طرح یہ معاملات خیر و خوبی سے طے ہو جائیں ورنہ مفت کی بدنامی ہو گی۔"

"اللہ پر بھروسہ رکھئے بیگم! وہ جو کرے گا ٹھیک ہی کرے گا۔"

الطاف حسین کچھ دیر تک اسی مسئلے پر باتیں کرتے رہے پھر شاکر نے بیٹھک میں داخل ہو کر الطاف حسین کے کسی دوست کی آمد کی اطلاع دی تو شاکرہ خاتون جلدی سے چائے کے برتن سمیٹ کر اندر زنان خانے میں چلی گئیں۔

☆------☆------☆

آج چھٹی کا دن تھا لیکن منصور منہ اندھیرے ہی کسی ضروری کام کا بہانہ کر کے گھر سے چلے گئے تھے۔

ناہید جب سو کر اٹھی تو وہ موجود نہیں تھے' رات بھی وہ خاصی دیر سے آئے تھے اور کھانا کھائے بغیر ہی سو گئے تھے۔ وقت کے بے رحم ہاتھوں نے منصور اور ناہید کے درمیان عہد و پیمان کا جو جھوٹا رشتہ قائم کیا تھا وہ بھی آہستہ آہستہ ٹوٹتا جا رہا تھا۔ منصور نے اب اس سے بالکل ہی قطع تعلق کر لیا تھا' اجنبیوں کی طرح سامنے آتے تھے اور بیگانوں کی طرح چلے جاتے تھے۔ ماں اور بھائی کی موجودگی میں بھی زیادہ تر گم صم اور کھوئے کھوئے رہتے تھے۔ جانے کیا غم تھا' کیسی خلش تھی جو انہیں اندر ہی اندر کھائے جا رہی تھی اور وہ ہر چیز سے بے نیاز ہوتے جا رہے تھے۔

اور منصور کی یہی بے نیازی ناہید کی خلش بن گئی تھی۔ تقدیر نے اُسے جن حالات کا شکار کیا تھا وہ اُس نے نہایت صبر و شکر کے ساتھ قبول کر لیا تھا۔ شاید اس لئے کہ والدین کی تربیت نے اُسے شوہر کے رتبے سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہ شوہر کی عزت اور پرستش میں اپنی طرف سے کوئی کمی نہیں آنے دینا چاہتی تھی' اس لئے کہ وہ مجازی خدا تھا۔

مجازی خدا.....

جو اپنی مرضی کا مالک تھا اور

جس کی پرستش اس پر فرض تھی۔

پھر وہ اس فرض سے کوتاہی کی مرتکب کیسے ہو سکتی تھی' خدا سے منہ موڑ کر گناہگار کیسے بن جاتی' اپنی دنیا اور عاقبت خود اپنے ہی ہاتھوں بھلا کیسے برباد کر لیتی اور پھر کیا ضروری ہے کہ جس کی پرستش کی جائے وہ بھی اس سے باخبر ہو' محبت تو اندر ہی اندر گھٹ کر مر جانے کا نام ہے اور ناہید نے طے کر لیا تھا کہ وہ محبت کی اس معراج کو ضرور سر کر لے گی لیکن منصور کی پریشانیوں اور اُن کے چہرے پر نظر آنے والے کرب کی شدتوں نے خود اُس کا سکون بھی برباد کر دیا تھا۔ وہ دنیا والوں کی نظر میں بہرحال منصور کی شریک حیات

تھی' اس نے خدا اور رسول ؐ کے نام پر بزرگوں کی موجودگی میں منصور کو اپنا شوہر تسلیم کیا تھا اور ایک بیوی کی حیثیت سے اُس کا فرض تھا کہ وہ شوہر کے دکھ درد میں برابر کی شریک رہتی۔

سارا دن وہ منصور کے خیال اور اُن کی پریشانیوں کی وجہ جاننے کے لئے آپ ہی آپ الجھتی رہی۔ اُس نے طے کر لیا تھا کہ آج وہ منصور سے اُن کی الجھنوں کا سبب ضرور دریافت کرے گی اور اگر وہ اپنی بیکار زندگی کی قربانی دے کر بھی منصور کو خوشیاں واپس لا سکی تو اس سے بھی دریغ نہیں کرے گی۔ دوپہر کے کھانے کے بعد بیگم سجاد پڑوس میں چلی گئی تھیں' فراز کسی دوست کے گھر گئے ہوئے تھے۔ ناہید کو گھر کی تنہائی کاٹنے لگی تو وہ ڈرائنگ روم میں آ گئی جہاں بوا سروری اپنا پاندان لئے بیٹھی تھیں۔ وہ اس سے یوں ہی بے سر و پا باتیں کرنے لگیں۔

"اور سناؤ بوا! تمہاری طبیعت اب کیسی رہتی ہے؟"

"طبیعت کا کیا پوچھتی ہو بی بی!" بوا سروری نے کہا۔ "سب سے بڑا روگ تو بڑھاپا ہے' اب تو اٹھنے بیٹھنے سے بھی لاچار ہوتی جا رہی ہوں۔"

"تم آرام کیا کرو بوا! امی حضور بھی تم سے یہی کہتی ہیں لیکن تم مانتی کب ہو؟"

"دل نہیں مانتا بی بی! پڑے پڑے نوالہ توڑتے رہنا اچھا نہیں لگتا' جب تک ہاتھ پاؤں ساتھ دے رہے ہیں چل پھر رہی ہوں جس دن معذور ہو گئی تو پڑ رہوں گی کسی کونے میں' خدا بیگم صاحبہ کو سلامت رکھے اور اولاد کی خوشیاں دیکھنی نصیب کرے' انہوں نے مجھے کبھی غیر نہیں سمجھا۔"

"تم بھی اس گھر کو اپنا ہی گھر سمجھتی ہو بوا! پھر غیریت کی باتیں کیوں کرتی ہو۔" ناہید نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "امی حضور بھی تمہیں ملازمہ نہیں سمجھتیں' تم نے تمام عمر اس گھر کی خدمت کی ہے' اب اگر آرام کر لو گی تو تمہارے ہی حق میں بہتر رہے گا۔"

"کر لوں گی آرام بھی بی بی!" بوا سروری نے ناہید کو بڑی اپنائیت اور پیار بھرے انداز میں گھورتے ہوئے کہا۔ "بس ایک خواہش اور ہے' وہ پوری ہو جائے تو پھر جی بھر کر آرام کر لوں گی۔"

"ایسی کون سی خواہش ہے بوا! جس نے تمہیں چلنے پھرنے پر مجبور کر رکھا ہے۔"

"تمہاری گود ہری ہو جائے اور میں اپنے بوڑھے ہاتھوں سے تمہارے بچے کو کھلا لوں بی بی! پھر جیسا تم کہو گی ویسا ہی کروں گی۔"

ناہید نے کوئی جواب نہیں دیا' سنجیدہ ہو کر بوا سروری کو یوں حسرت بھری نظروں سے دیکھنے لگی جیسے اُس کی لاچارگی اور اپنی بے بسی پر ماتم کر رہی ہو' بوا سروری نے جس ممتا بھری خواہش کا اظہار کیا تھا وہ اُس کے اپنے بس' اپنے اختیار کی بات کہاں تھی۔ وہ تو اس بند کلی کی مانند تھی جو کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گئی تھی' اُسے ٹہنی سے توڑ لیا گیا تھا پھر وہ ہری کس طرح ہو سکتی تھی۔

بوا سروری کی باتوں سے اسے دکھ ہوا تھا' ان باتوں نے ایک بار سینے میں دبی دبی معصوم تمناؤں کو ہوا دی تھی' اُن ارمانوں کو ٹھیس پہنچائی تھی جنہیں ناہید نے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں تھپک تھپک کر سلانے کی کوشش کی تھی۔ وقت نے اُسے ان باتوں پر غور کرنے کی مہلت ہی کہاں دی تھی پھر ان باتوں پر غور کرنے سے حاصل بھی کیا تھا' اسی لئے تو اُس نے ان خواہشات کا گلا گھونٹ کر انہیں اپنے وجود کے اندر دفن کر لیا تھا لیکن بوا سروری نے آج ان زخموں کو ٹھیس پہنچا کر ایک بار پھر ناسور کی شکل دے دی تھی۔ وہ اندر ہی اندر تڑپ کر رہ گئی۔

"بیگم صاحبہ کی بھی یہی آرزو ہے بی بی!" بوا سروری نے ایک نئی گلوری بنا کر منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔ "وہ تو دن رات خدا سے پوتے کے لئے دعائیں مانگتی رہی ہیں۔"

"قدرت کی مرضی کے آگے بندوں کا اختیار نہیں چلتا بوا!" وہ اداس لہجے میں بولی۔ "اُسے جب منظور ہو گا تو امی حضور کی دعائیں بھی ضرور پوری ہو جائیں گی۔"

پھر باہر سے گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی تو ناہید کے خیالات کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ شاید منصور آ گئے تھے' وہ جلدی سے اٹھی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی راہداری میں آ گئی۔ سامنے سے منصور ہی آ رہے تھے۔ دونوں کی نگاہوں کا تصادم ہوا' وہ مجسم التفات بن گئی لیکن منصور اُسے نفرت بھری نظروں سے گھورتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ سیدھے ماں کے کمرے کی طرف گئے۔ پھر ڈرائنگ روم میں آ کر بوا سروری سے ماں کے بارے میں دریافت کیا۔ اُس کے بعد الجھے ہوئے انداز میں لمبے لمبے قدم اٹھاتے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

ناہید چند ثانیے اپنی جگہ تصویرِ حیرت بنی کھڑی منصور کو تکتی رہی پھر تھکے تھکے انداز میں قدم اٹھاتی خود بھی خوابگاہ میں آ گئی۔ منصور اپنی میز کی درازیں الٹ پلٹ کر کوئی چیز تلاش کرنے میں مصروف تھے۔ روز کے مقابلے میں آج کچھ زیادہ ہی الجھے الجھے اور پریشان نظر آ رہے تھے' وہ دروازے کے قریب بت بنی کھڑی انہیں دیکھتی رہی لیکن دل

نہیں مانا تو آہستہ سے منصور کے قریب جا کر دبی زبان میں پوچھا۔

"کیا تلاش کر رہے ہیں؟"

منصور نے پلٹ کر اُسے حقارت سے دیکھا' اُن کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں' آج دل کا کرب چھلک کر اُن کی آنکھوں تک آ گیا تھا' ناہید تڑپ اٹھی لیکن منصور نے دوبارہ منہ پھیر کر درازیں الٹنی پلٹنی شروع کر دیں۔ عجیب وحشت زدہ اور گھبرائے گھبرائے سے دکھائی دے رہے تھے۔ ناہید کا دل چاہا کہ قریب جا کر اپنائیت سے اُن کا ہاتھ تھام کر پوچھے ـــــ منصور! خدارا کچھ تو بتایئے کہ آپ کو کیا غم لاحق ہے' وہ کون سا دکھ ہے جس نے آپ کو خود سے بھی بیگانہ کر دیا ہے' میں بھی تو شریکِ سفر ہوں میرے سرتاج! مجھے بھی اس غم میں برابر کا شریک کر لیجئے.....

لیکن ..... وہ دل کی بات زبان تک لانے سے قاصر تھی' یوں ہی چپ سادھے کھڑی منصور کی وحشتوں کا اندازہ لگاتی رہی پھر منصور کاغذات کو غصے سے پھینک کر جانے کے ارادے سے مڑے تو وہ دل پر جبر کر کے اُن کے راستے میں حائل ہو گئی' ملتجی نگاہوں سے شوہر کے چہرے کی ویرانیوں کو تکتے ہوئے بولی۔

"کس چیز کی تلاش ہے آپ کو؟"

"سکون کی۔" منصور نے نفرت سے کہا۔ "جو تم نے چھین لیا ہے۔"

"میں نے....." وہ دم بخود سی رہ گئی۔

"ہاں ناہید بیگم تم نے۔" منصور تڑپ کر بولے۔ "تم نے میری زندگی کا سکون اور آرام چھین کر مجھے کانٹوں پر لوٹنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں منصور!" وہ حسرت بھرے انداز میں بولی۔ "میں نے کیا جرم کیا ہے؟"

"تم نے مجھے جیتے جی موت کی سزا دی ہے۔ ہاں ناہید بیگم! تم نے میرے ارمانوں کا خون کیا' میرے سکون کو لوٹا ہے' میری خوشیوں کو پامال کیا ہے' ان خوابوں کو مجروح کیا ہے جو میری ہنستی مسکراتی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ تھے۔ تم نے ایک نہیں بلکہ دو معصوم زندگیوں کو اپنے منحوس وجود کے بے رحم قدموں سے روند ڈالا ہے اور آج ..... آج تم کس قدر بھولپن سے پوچھ رہی ہو کہ تم سے کیا جرم سرزد ہوا ہے۔"

"دوسری زندگی....." ناہید جیسے سوتے سے جاگ اٹھی' آہستہ سے پوچھا۔ "دوسری زندگی کس کی ہے؟"

"اس معصوم لڑکی کی جسے میں نے اپنے دل کی گہرائیوں میں بسا رکھا تھا۔" منصور جذباتی بن گئے۔ "سننا چاہتی ہو تو کان کھول کر سن لو کہ میں نے کسی اور لڑکی سے زندگی کا ساتھ نبھانے کا عہد کیا تھا' وہ میرے ادھورے خوابوں کی تکمیل تھی جسے تم نے درمیان میں آکر نامکمل رہنے پر مجبور کر دیا۔ میں نے امی حضور کے آگے سر تسلیم خم کر کے تمہیں قبول ضرور کیا ہے لیکن میں آج بھی اس لڑکی کا پرستار ہوں' آج بھی منصور کے ٹوٹے ہوئے دل پر اسی معصوم کا قبضہ ہے جس کے ارمانوں کو تم نے ناگن کے روپ میں ڈس لیا ہے اور ..... اور زندگی کی آخری سانسوں تک میری زبان پر اسی کا نام رہے گا۔"

ناہید تصویر حیرت بنی کھڑی منصور کے چہرے کو تکتی رہی۔ منصور کے ایک ایک جملے میں ہزاروں تیر و نشتر موجود تھے جو اسے زخمی کر رہے تھے۔ ان کے لہجے کا زہر اُس کے وجود میں بڑی تیزی سے سرایت کر رہا تھا۔ حقارت اور نفرت کی چنگاریاں اُسے جھلسا رہی تھیں آج اُسے پہلی بار منصور کی الجھن اور پریشانیوں کی وجہ معلوم ہوئی تھی لیکن وہ اُن کے غموں کا مداوا اور درد کا درماں بننے سے قاصر تھی۔ تقدیر نے اُس کی زندگی کے ساتھ جو بھیانک کھیل کھیلا تھا ابھی تو وہ خود ہی اُس کے بوجھ تلے دبی سسک رہی تھی پھر دوسرے کا سہارا کس طرح بن سکتی تھی۔

خواب گاہ میں کچھ دیر تک موت کا پُرہول سناٹا طاری رہا۔ منصور قہر و غضب بنے اُس کے سامنے کھڑے اُسے نفرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے اور وہ ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے حالات نے سچ مچ اُسے مجرم بنا دیا ہو' وہ نظریں جھکائے کھڑی اپنے دل کی معدوم ہوتی ہوئی دھڑکنوں کو گنتی رہی' پھر بھیگی پلکوں کو آہستہ سے اٹھا کر رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"اگر میری ذات سے آپ کو کوئی صدمہ پہنچا ہے تو میں معافی کی خواستگار ہوں۔"

"ان باتوں سے اب کچھ نہیں ہو سکتا ناہید بیگم!" منصور تڑپ کر بولے۔ "تم مرتے دم تک منصور کے دل میں گھر نہیں کر سکو گی۔"

"آپ ..... آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔" وہ اپنے سینے میں اٹھتے طوفانوں کو کچلتے ہوئے بولی۔

"اگر ہو سکے تو اپنی منحوس صورت کو میری نظروں سے دور رکھا کرو۔" منصور آپے سے باہر ہونے لگے۔ "ممکن ہو تو ہمیشہ کے لئے اپنا ناپاک وجود سمیٹ کر اپنے گھر چلی جاؤ تاکہ میں کم از کم سکون سے یہاں بیٹھ کر اپنی بربادی کا ماتم تو کر سکوں۔"

"گھر جا کر والدین سے کیا کہوں گی۔" اُس نے منصور کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سوال کیا۔ "اگر امی حضور نے یہاں سے جانے کا سبب دریافت کیا تو کیا جواب دوں گی۔"

"کہہ دینا کہ تم کو مجھ سے نفرت ہے' تم میرے ساتھ گزارا نہیں کر سکتیں۔" منصور نے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

"قدرت نے ان باتوں کا اختیار بھی آپ ہی کو سونپ رکھا ہے منصور!" وہ زہرخند سے بولی۔ "میری حیثیت تو محض ایک کھلونے جیسی ہے۔"

"تم ..... تم شاید میری مجبوریوں پر طنز کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔" منصور نے اُسے قہر آلود نظروں سے گھورا۔

"یہ اختیار بھی آپ ہی کو حاصل ہے۔" وہ چپ نہ رہ سکی۔

"اپنی حیثیت کو بھولنے کی کوشش مت کرو ناہید!" منصور بپھر کر بولے۔ "میرے اختیار میں اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے' میں چاہوں تو ایک لمحے میں ان رشتوں کا بھرم بھی توڑ سکتا ہوں جس نے تمہیں مغرور بنا دیا ہے۔"

"منصور!" ناہید کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلک اٹھا۔ "آپ مرد ہیں' صاحب اختیار ہیں اور دولت کے زعم میں آکر میری قسمت کا فیصلہ بھی کر سکتے ہیں لیکن یہ بھی نہ بھولئے کہ مجبور کے آنسو اور مظلوم کی آہیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔"

"بکواس بند کرو۔" منصور چیخ اٹھے۔ "دور ہو جاؤ میری نگاہوں کے سامنے سے۔"

پھر منصور غصے میں بھرے خوابگاہ سے باہر چلے گئے تو وہ بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ منصور کی باتوں نے آج اس کے ذہن پر بڑی کاری ضربیں لگائی تھیں' سر چھپانے کا وہ آخری سہارا بھی چھین لینے کی دھمکی دی تھی جسے اُس نے قسمت کا فیصلہ سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔ آنے والے لمحات کے تصور اُس کی روح کو ڈس رہے تھے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر خوشیوں کا بھرم بھی ٹوٹ گیا تو وہ کیا منہ لے کر اپنے گھر جائے گی' کس کس کو اپنی بربادی کی داستان سنائے گی اور کون اُس کی باتوں پر یقین کرے گا۔

دیر تک وہ اپنے بستر پر بے سدھ پڑی سسکتی رہی' آنسوؤں کی جھڑی تھی کہ تھمنے کا نام نہیں لیتی تھی اور آنسوؤں کے دھندلکے میں اُسے آنے والے کل کا خیال کچوکے لگا رہا تھا' اُس نے تو یہ سوچا تھا کہ اپنی زندگی بھی داؤ پر لگا کر منصور کے ہونٹوں کی خوشیاں واپس لائے گی لیکن وہ صرف ایک عورت ہی نہیں ..... ایک بیوی بھی تھی .....

بیوی جو اپنے سہاگ پر کسی اور کا حق کبھی قبول نہیں کر سکتی' اس کے بجائے مرنے کو ترجیح دیتی ہے۔ اُسے بھی مر جانا چاہئے ..... ناہید کے دل میں یہ خیال بڑی تیزی سے ابھرا موت ہی تو دکھوں کا واحد علاج ہے' جب تک روح اور جسم کا تعلق برقرار ہے حالات کا زہر اُس کے وجود کو اندر ہی اندر گھلاتا رہے گا۔ برداشت کرتے کرتے اگر اس کا کلیجہ پھٹ گیا اور اندر کا لاوا ابل کر باہر آ گیا تو طوفان آ جائے گا ..... ایسا شدید اور بھیانک طوفان جو اپنی لپیٹ میں بہت ساری زندگیوں کو بہا کر لے جائے گا' اس کا بوڑھا باپ بیٹی کے زندہ لاشے کو دیکھ کر دم توڑ دے گا' ماں کی ممتا اولاد کی بربادی اور اُس کے اُجڑے ہوئے گھر کو دیکھ کر تڑپ اٹھے گی۔ اُس کے دل کی دھڑکنیں ہمیشہ کے لئے منجمد ہو جائیں گی اور جوان بھائی بھلا تین جنازوں کو اپنے ناتواں شانوں پر بھلا کس طرح سہار سکے گا ..... ان تمام باتوں کا صرف ایک ہی علاج ہے ..... اُسے مر جانا چاہئے.....

موت کو غموں کا علاج سمجھ کر اُس کے دل کو جیسے قرار آ گیا' اُس نے دراز پلکوں پر لرزتے آنسوؤں کو خود اپنے ہی دوپٹے کے آنچل میں جذب کیا پھر ایک آہنی ارادے کا سہارا لے کر اٹھی لیکن پھر ڈگمگا گئی' فراز دروازے کی چوکھٹ سے لگے کھڑے اسی کی طرف دیکھ رہے تھے ..... جانے وہ کب آئے تھے' اُن کے چہرے کی اداسی بتا رہی تھی کہ شاید انہوں نے منصور کی اور اُس کی باتیں سن لی تھیں' جبھی تو خاموش کھڑے نہ جانے کتنی دیر سے اُس کی بے بسی اور بے چارگی کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔

"آپ....." ناہید نے کانپتی ہوئی آواز سے پوچھا۔ "آپ کب آئے؟"

"امی حضور کہاں گئی ہیں؟" فراز نے سنجیدگی سے سوال کیا' ناہید کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

"پڑوس میں خان بہادر صاحب کی بیوی سے ملنے گئی ہیں۔" وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"کیا بھائی جان بھی ابھی تک واپس نہیں آئے۔" فراز بدستور سنجیدہ تھے۔

"جی۔" وہ ایک لمحے کو سٹپٹا گئی پھر جلدی سے بولی۔ "وہ تو صبح ہی سے کسی ضروری کام سے گئے ہوئے ہیں۔"

"اور آپ شاید ان ہی کے انتظار میں اس قدر افسردہ نظر آ رہی ہیں۔" فراز کے لہجے میں گہرے طنز کی آمیزش بھی تھی۔

"غلط سمجھ رہے ہیں آپ۔" اُس نے مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"دراصل ابھی ایک سہیلی کا فون آیا تھا' ڈاکٹروں نے اُسے کینسر بتایا ہے' اسی کے خیال سے دل بھر آیا تھا....."

"یقیناً کوئی عزیز سہیلی ہو گی ورنہ آج کل دوسروں کے غموں پر بھلا اس طرح کون اپنی آنکھوں کو اشکبار کرتا ہے۔" فراز نے آہستہ سے کہا پھر بڑے ٹھوس لہجے میں بولے۔ "غموں پر تو سب ہی آنسو بہاتے ہیں مادام! لطف تو جب ہے کہ انسان دوسروں کے بجائے خود اپنے غموں پر بھی مسکراہٹیں بکھیرنے اور قہقہے لگانے کی عادت ڈال لے' آنسو تو بزدلی اور کم ہمتی کی نشاندہی کرتے ہیں۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں فراز! لیکن کبھی کبھی دل قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔" وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔

"تعجب ہے کہ آپ ایسی باتیں کر رہی ہیں ..... میں تو آپ کو بڑا باہمت سمجھتا تھا۔"

"کوئی اور بات کیجئے فراز!" اُس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میرا دل ویسے ہی پریشان ہے۔"

"اچھا تو پھر تشریف لائیے' ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر لوڈو کھیلتے ہیں۔"

وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی فراز کے ساتھ باہر آ گئی۔ دل کی حالت ابھی تک غیر ہو رہی تھی لیکن فراز کے آ جانے سے اُسے قدرے ڈھارس ہو گئی تھی' بجھے ہوئے دل سے وہ بیٹھ کر لوڈو کھیلنے لگی' فراز نے کھیل کے دوران نہ صرف یہ کہ بے ایمانی شروع کر دی بلکہ ایسی بے سروپا بچوں جیسی باتیں بھی شروع کر دی تھیں کہ وہ اُن کی معصوم باتوں پر مسکرانے لگی۔ یوں جیسے بادلوں کے کھل کر برسنے کے بعد اچانک دھوپ نکل آئی ہو۔

☆======☆======☆

مراد خاں نے مونا کی مدد سے نازلی کے حسین وجود کے گرد جو گھناؤنا جال بُنا تھا وہ اس میں پوری طرح پھنس کر رہ گئی تھی۔

بیرسٹر افتخار احمد کی شان و شوکت میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہو رہی تھی۔ دولت کی ریل پیل بھی بڑھتی جا رہی تھی اس لئے نازلی کے لئے مراد خاں کا منہ بند رکھنے کے لئے دولت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اُسے اگر افسوس اور غصہ تھا تو صرف اس بات کا تھا کہ وہ سلیم کے ہاتھوں مجبور ہو کر مراد خاں کے ہاتھوں لٹی تھی اور اب حالات کے شکنجوں میں محبوس ہونے کے بعد وہ اپنے بدترین دشمنوں کے ساتھ مفاہمت کرنے پر

مجبور ہو گئی۔

ان ہی مجبوریوں نے نازلی کو کسی چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح خونخوار کر دیا تھا۔ گھر کے ماحول اور والدین کی تربیت نے اسے آزاد خیال بنا دیا تھا۔ غیر مردوں کے ساتھ گھومنا پھرنا اور کلبوں میں آنا جانا اس کے لئے کوئی معیوب بات نہیں تھی لیکن اس آزاد ماحول میں سانس لینے کے باوجود اُس نے خود کو گندے ہاتھوں سے ہمیشہ دور رکھا تھا۔ اُس نے باپ کے کہنے پر زندگی میں پہلی بار منصور کو اپنا ہمسفر بنانے کی کوشش کی تھی لیکن قسمت نے یاوری نہیں کی' منصور کے بعد سلیم کی دوستی نے اُسے سہارا دیا تھا' اُس نے سوچا تھا کہ وہ سلیم کے ساتھ وابستہ ہو کر منصور کے دن رات کے سکون کو برباد کرتی رہے گی مگر زندگی کے اس موڑ پر بھی تقدیر نے اُس کا ساتھ نہیں دیا اور حالات کی کشمکش میں الجھ کر وہ گوہر نایاب بھی لٹا بیٹھی جو ایک مشرقی لڑکی کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہوتی ہے اور اس زخم نے اُس کے وجود کو زہریلا کر دیا تھا۔

منصور اور سلیم دونوں ہی مرد تھے' نازلی نے ان دونوں ہی کو اپنانے کی کوشش کی تھی لیکن دونوں ہی نے اُس کے ساتھ وفا نہیں کی یا پھر اس کے ساتھ دھوکہ کیا تھا اور اسی فریب نے نازلی کو مردوں سے شدید نفرت کرنے پر آمادہ کر دیا تھا۔ دولت کے بل بوتے پر اُس نے اپنے وجود سے اس زندگی کو کھرچ کر پھینک دیا تھا جو اُس کی بدنامی کا باعث بن سکتی تھی لیکن اب وہ اپنے وجود کا زہر دنیا کے تمام مردوں میں سرایت کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ کلب کے بیشتر ممبر اور ملنے جلنے والے اس کے شیدائی تھے لیکن اب وہ صرف ان لوگوں کو اپنا ہدف بناتی تھی جو شریف گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے شاید اس لئے کہ اُسے شرافت اور پاکیزگی کے نام سے نفرت ہو گئی تھی' وہ ان باتوں کو مکر و فریب سے تعبیر کرتی تھی۔

منصور سے رین بو کلب والی ملاقات نے اسے اور زخمی کر دیا تھا۔ اس نے منصور اور سلیم دونوں سے انتقام لینے کا تہیہ کر لیا تھا لیکن اس بار اُس نے مونا سے مدد نہیں مانگی تھی۔ مونا نے تو صرف اُسے بُرائی کی راہ پر ڈالا تھا لیکن حالات نے اسے اس مقام تک پہنچا دیا تھا جہاں اُسے مونا کی کوئی ضرورت نہیں تھی' وہ مونا کو ان راہوں پر بہت پیچھے چھوڑ چکی تھی۔

پہلے اسے مراد خاں سے شدید نفرت تھی' وہ سامنے آتا تو نازلی حقارت سے منہ پھیر لیتی۔ پرس سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر بڑی نفرت سے اس کے منہ پر مارتی اور آگے گزر

جاتی تھی لیکن اب وہ مراد خاں کو اپنا بہترین دوست بنا چکی تھی اور اس دوستی کے پس پردہ اُس کی ایک دیرینہ خواہش بھی کار فرما تھی' اسے خوب یاد تھا کہ مراد خاں نے اُسے برباد کرنے کے بعد اس بات کی دھمکی بھی دی تھی کہ سلیم اس کا بہترین دوست ہے' اس وقت وہ زہر کا گھونٹ پی کر زبان بند رکھنے پر مجبور تھی لیکن اب وہ مراد خاں کے کمزور پہلوؤں سے واقف ہو چکی تھی۔ آہستہ آہستہ اُس نے مراد خاں کے بارے میں بہت ساری معلومات اکٹھا کر لی تھیں۔

مراد خاں مجرمانہ ذہنیت کا مالک تھا' دولت اُس کی کمزوری تھی اور نازلی نے ان دونوں ہی معاملات میں مراد خاں کی مدد کر کے اسے اپنا دوست بنا لیا تھا۔ مراد خاں کے ایک مقدمے میں اس نے اپنے باپ کو کیس لڑنے پر آمادہ کر لیا تھا۔ مراد خاں اس کیس سے باعزت طور پر بری ہو گیا تھا۔ اس نے نازلی کے باپ کو ایک معقول فیس دینے کی کوشش کی تھی لیکن نازلی نے اُسے منع کر دیا تھا' وہ چاہتی تو باپ کو مراد خاں کے خلاف بھڑکا کر اُس کا کیس خراب کرا سکتی تھی لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا۔ مراد خاں تو حالات کی گردشوں میں محض ایک کارندے کی حیثیت رکھتا تھا اور نازلی ان لوگوں سے انتقام لینے کی خواہشمند تھی جنہوں نے مراد خاں کو کارندہ بننے پر مجبور کیا تھا۔

چنانچہ آج بھی مراد خاں کئی دنوں بعد اُسے ملنے کے لئے کلب آیا تو نازلی اپنے ایک نئے ساتھی کنور آفتاب کے ساتھ بیٹھی مے نوشی میں مشغول تھی۔ مراد خاں نے اس کے قریب آنے سے گریز کیا تو نازلی کے زہریلے ہونٹوں پر فاتحانہ تبسم اُبھر آیا۔ اس نے خود اٹھ کر مراد خاں کا استقبال کیا' اُسے نہایت بے تکلفی سے ہاتھ تھام کر اپنے میز پر لے آئی۔ کنور آفتاب سے اُس کا تعارف بڑھا چڑھا کر کرایا پھر بیرے کو بلا کر مراد خاں کے لئے گلاس لانے کا حکم دیا۔ کنور آفتاب کو مراد خاں کی مداخلت ناگوار گزر رہی تھی لیکن اُس نے کھل کر اس کا اظہار نہیں کیا۔ کچھ دیر بیٹھا پھر کسی ضروری کام کا بہانہ کر کے اٹھ گیا۔

"کنور آفتاب سے تمہاری ملاقات کب ہوئی؟" مراد خاں نے اُس کے جانے کے بعد پوچھا۔

"کیوں؟" نازلی نے اپنے ہاتھوں سے مراد خاں کے لئے ایک جام تیار کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تمہیں قربانی کا یہ نیا جانور پسند نہیں آیا۔"

"بڑی موٹی آسامی ہے۔" مراد خاں بولا۔ "اس کے والد کا شمار شہر کے روسا میں ہوتا ہے۔ خود کنور آفتاب بھی باپ کے مقابلے میں کچھ کم رئیس نہیں ہے' اپنے آپ کو

ہمیشہ لئے دیئے رکھنے کا عادی ہے' مجھے تعجب ہے کہ یہ کلب تک کیسے آ گیا۔"

"اسے میں یہاں تک لائی ہوں۔" نازلی نے ارغوانی شراب کا ایک تلخ گھونٹ حلق سے نیچے اتارتے ہوئے کہا۔ "ابھی نیا پنچھی ہے اس لئے یہاں کے ماحول سے بدکتا ہے' کچھ دنوں آتا جاتا رہا تو ان رنگینیوں کا عادی بن جائے گا۔"

"شکار بے حد جاندار ہے' اسے ذبح کرتے وقت بے رحمی سے کام نہ لینا۔" مراد خاں نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"ابھی اس کی نوبت نہیں آئی ..... فی الحال تو میں نے صرف دانہ ڈالا ہے۔" نازلی نے بے حیائی کا مظاہرہ کیا پھر سوچ کر بولی۔ "اور سناؤ مراد خاں! تمہارے عزیز دوست سلیم کا کیا حال ہے؟"

"وہ ..... تمہیں ابھی تک یاد ہے۔"

"ہاں....." نازلی زہر کا گھونٹ پی کر بولی۔ "اس لئے کہ وہ میرا محسن ہے' وہ نہ ہوتا تو تمہارا جیسا عظیم دوست مجھے نہ ملتا۔"

"سنا ہے کہ شیخ حامد حسین اپنے کسی کاروباری سلسلے میں اسے ایک سال کے لئے لندن بھیج رہے ہیں۔"

نازلی نے سلیم کے لندن جانے کا سنا تو اُس کے زخم پھر ہرے ہو گئے' وہ ایک سال تک انتظار کی زحمت گوارا نہیں کر سکتی' مراد خاں سے اُس کی دوستی کی نوعیت اب اس قابل تھی کہ وہ اُسے ہر کام کے لئے رضامند کر سکتی تھی۔ اس لئے کہ وہ جانتی تھی کہ مراد خاں کا دین اور ایمان صرف دولت ہے' جرم اُس کی سرشت میں داخل تھا' اسے بڑے نوٹوں کی جھلک دکھا کر آسانی سے خریدا جا سکتا تھا چنانچہ نازلی نے اپنا پرس کھولا اور پانچ ہزار روپے نکال کر مراد خاں کے سامنے میز پر ڈال دیئے اور پھر لاپرواہی سے جام اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"یہ ..... یہ کیا ہے نازلی ڈیئر!" مراد خاں نے للچائی ہوئی نگاہوں سے نوٹوں کی گڈی کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ ..... کرنسی نوٹ ہیں مراد خاں!" نازلی اُسے قاتل نظروں سے گھائل کرتی ہوئی بولی۔ "تم نے بہت دنوں سے اپنی زبان بند رکھنے کی فیس نہیں لی لیکن مجھے معلوم ہے کہ دوستی اور محبت صرف اسی وقت برقرار رہ سکتی ہے جب تک انسان دوستی کے بنیادی اصولوں کو نہ توڑے۔"

"تم شرمندہ کر رہی ہو نازلی! اب ہمارے تعلقات دوستانہ ہیں اور شاید ..... ہم ایک دوسرے کی ضرورت بھی بن چکے ہیں۔"

"تم نازلی پر اعتماد کر سکتے ہو مائی ڈیئر!" وہ مسکرا کر بولی۔ "مجھے تمہاری خفیہ سرگرمیوں کا علم بھی ہے لیکن جب بھی حالات نے تمہیں گھیرنے کی کوشش کی میرے والد کی خدمات تمہارے ساتھ ہوں گی' دوست ہونے کے ناطے سے تمہیں ہمیشہ میری حمایت حاصل رہے گی۔ ان نوٹوں کو اٹھا لو مراد خاں! میرے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں۔"

مراد خاں نے ایک لمحہ کو تکلف کا مظاہرہ کیا۔ پھر میز پر پڑی گڈی اٹھا کر جیب میں ڈال لی۔

"آج کل مونا نظر نہیں آ رہی۔" مراد خاں نے پوچھا۔ "کیا تمہاری اور اُس کی آن بن تو نہیں ہو گئی؟"

"فی الحال تو ایسا نہیں ہوا لیکن اگر حالات نے ہمیں ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا تو تم کس کا ساتھ دو گے۔" نازلی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جب تمہیں میری خفیہ سرگرمیوں کا علم ہو چکا ہے تو پھر تمہیں یہ بھی یقین ہونا چاہئے کہ میں کس کا ساتھ دوں گا۔"

"نہیں مراد خاں! میں تمہاری زبان سے تمہارا جواب سننا چاہتی ہوں۔"

"میں کہہ چکا ہوں نازلی ڈیئر کہ ہم ایک دوسرے کی ضرورت ہیں' تمہارے والد ایک بار مجھ پر احسان کر چکے ہیں اس لئے ظاہر ہے کہ میں مونا کے مقابلے میں تمہارا ساتھ دوں گا۔"

"مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی۔" نازلی بولی پھر کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد دوبارہ سلیم کا ذکر چھیڑتے ہوئے کہا۔ "کیا تمہیں یقین ہے کہ سلیم ایک سال کے لئے لندن جانے پر تیار ہو جائے گا۔"

"آئی سی۔" مراد خاں کا انداز بڑا گھٹیا اور عامیانہ تھا۔ "کہو تو اسے منع کر دوں۔"

"ہاں ..... میں نہیں چاہتی کہ وہ لندن جائے۔"

"کوئی خاص وجہ؟"

"ہاں۔" نازلی نے اس بار گہری سنجیدگی اور تلخ لہجے میں کہا۔ "مجھے سلیم کے کچھ پرانے حساب بیباق کرنے ہیں۔"

"سمجھا' سلیم کی طرف سے شاید تمہارا انتقامی جذبہ ابھی تک سرد نہیں ہوا..... کیوں ہے نا یہی بات؟"

"تمہارا خیال درست ہے لیکن مطمئن رہو' میں تمہیں اس ضمن میں مجبور نہیں کروں گی۔" نازلی نے مراد خاں کو اکسانے کے لئے چبھتے ہوئے انداز میں کہا۔ "اس لئے کہ میں جانتی ہوں کہ سلیم تمہارا عزیز دوست ہے ..... اور ..... تمہاری سرگرمیوں میں برابر کا شریک ہے۔"

"یہ اُس وقت کی بات ہے مائی ڈیئر نازلی! جب تم سے میری واقفیت نہیں تھی مگر اب حالات بدل چکے ہیں۔" مراد خاں نے اپنا گلاس ختم کر کے نیا جام تیار کرتے ہوئے کہا۔ "میں ذاتی معاملات میں اپنے نفع اور نقصان کو زیادہ اہمیت دیتا ہوں۔ سلیم کی حیثیت بھی میرے لئے اپنے دوسرے ساتھیوں سے مختلف نہیں ہے۔ جو آدمی میرے کام کا ہو ہمیشہ میرے قریب ہوتا ہے' جو مراد خاں سے چالاکی کرنے کا خواب دیکھے مراد خاں اسے ٹھکانے لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ البتہ عارضی دوری کی بات اور ہے۔ مجھے اپنے ساتھیوں سے کبھی کوئی خطرہ لاحق نہیں رہتا اس لئے کہ میں اپنے راز صرف اپنی ذاتِ واحد تک محدود رکھنے کا عادی ہوں۔"

"میں تمہاری خوبیوں سے واقف ہوں مراد خاں لیکن سلیم کے سلسلے میں تمہارا اعتماد کبھی تمہیں نقصان بھی پہنچا سکتا ہے۔"

"میں دوسروں کے تجربات کی بنیاد پر فیصلے نہیں کرتا۔" مراد خاں نے طنز کیا۔

"یہ بھی سنہری اصول ہے۔" نازلی نے مراد خاں کے طنز کے تلخ گھونٹ کو پیتے ہوئے کہا۔ "لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ سلیم محض تمہاری وجہ سے کچھ عرصے کے لئے باہر جانا چاہتا ہو۔"

"میں سمجھا نہیں۔" مراد خاں چونکتے ہوئے بولا۔

"تم یہ کیوں بھول رہے ہو کہ شہناز کے والد شہاب الدین وزارت داخلہ کے اعلیٰ افسر ہیں۔" نازلی نے ہوا میں تیر چھوڑا۔ "کیا وہ تمہاری سرگرمیوں سے بالکل بے خبر ہوں گے۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ سلیم اور شہناز کے درمیان آئے دن جھگڑے شروع ہو گئے ہیں' ہو سکتا ہے کہ سلیم نے بیوی کے سامنے تمہارا ذکر بھی کیا ہو اور بات شہناز کے باپ تک جا پہنچی ہو اور انہوں نے اپنی عزت بچانے کی خاطر باہم مشورے سے شیخ حامد حسین کو اس بات کے لئے مجبور کر دیا ہو کہ وہ سلیم کو ایک سال کے لئے باہر بھیج دیں اور

سلیم کی غیر موجودگی میں تمہارا قصہ نپٹانے کی کوشش کی جائے۔"

نازلی نے فوری طور پر اپنے ذہن سے جو باتیں سوچی تھیں وہ اتفاق سے حقیقت سے مطابقت رکھتی تھیں۔ اس کے دلائل ٹھوس تھے اس لئے مراد خاں کو بھی ان باتوں پر غور کرنا پڑا۔ ہرچند کہ مراد خاں کو سلیم کی ذات سے کسی خطرے کی توقع نہیں تھی مگر وہ سلیم اور شہاب الدین کے رشتے کی نوعیت سے فائدہ ضرور اٹھا سکتا تھا۔ اس نے نازلی کی باتوں کا فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا' چند ثانیے خاموش بیٹھا اپنے ذہن میں حالات کے تانے بانے جوڑتا رہا پھر بولا۔

"تم سلیم سے کس قسم کا انتقام لینا چاہتی ہو؟"

"ابھی میں نے کوئی آخری فیصلہ نہیں کیا۔" نازلی نے بڑی دانشمندی سے ایک درمیانی راستہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "سلیم کی وجہ سے مجھے تم جیسا مخلص دوست ضرور مل گیا ہے لیکن تم خود سوچو ..... اگر میری جگہ تم ہوتے تو کیا تم سلیم کی بے وفائی اور اُس کی گھٹیا حرکتوں کو آسانی سے فراموش کر سکتے تھے۔"

"اگر تم بیرسٹر افتخار احمد کی بیٹی نہ ہوتیں تو مجھے یقیناً تمہاری باتوں پر حیرت ہی ہوتی۔"

"کیا مطلب؟" نازلی نے وضاحت چاہی۔

"اپنے باپ کی طرح تم بھی بے حد ذہین اور دوراندیش واقع ہوئی ہو۔" مراد خاں نے تعریفی لہجے میں کہا۔ "تم نے اس وقت سلیم کے سلسلے میں جن اندیشوں کا اظہار کیا ہے وہ مصلحت کے عین مطابق ہیں اس لئے تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

"شکریہ ادا کر کے مجھے شرمندہ مت کرو مراد خاں!" نازلی دل ہی دل میں خوش ہوتے ہوئے بولی۔ "دوستوں کا حساب ہمیشہ دل میں ہوتا ہے۔"

"مجھے افسوس ہے۔" مراد خاں مسکرایا۔

"آئندہ خیال رکھنا۔" نازلی نے اپنے ہونٹوں پر ایک شوخ اور بیباک تبسم سجاتے ہوئے کہا۔

آرکسٹرا پر ایک مغربی دھن شروع ہو گئی تھی' ڈانسنگ فلور پر بے باک قہقہوں کی کھنک نے ماحول کو سحر آلود کرنا شروع کر دیا۔ سرسراتے مہکتے لباسوں کی مدہوش کُن خوشبو فضا میں جادو جگا رہی تھی اور نشے میں ڈوبے بدن اور لڑکھڑاتے قدم ایک دوسرے کے سہارے پر ڈول رہے تھے۔

کلب کے ایک پرانے ممبر نے اٹھ کر نازلی کا ہم رقص بننے کی درخواست کی تو نازلی نے حقارت سے اس کی درخواست رد کر دی پھر نہایت بے تکلفی سے مراد خاں کا ہاتھ تھام کر اٹھی اور رقص کرنے والے جوڑوں کے درمیان جا کر خود بھی مدھم مدھم روشنیوں میں موڈرن تہذیب کا ایک حصہ بن گئی۔

☆------☆------☆

پتوار ٹوٹے ہوئے ہوں اور طوفان کی شدتوں میں اضافہ ہو جائے تو لہروں پر ڈولتی ڈگمگاتی کشتی کو منزل کی جانب رواں دواں رکھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ناہید بھی کچھ ایسے ہی دگرگوں حالات سے دوچار ہو گئی تھی۔ اُس کی کشتیٔ حیات کا تو ناخدا ہی اُس سے روٹھ گیا تھا اور اُس نے بیچ منجدھار میں لا کر اسے طوفان کی شدتوں اور بپھری ہوئی موجوں کے حوالے کر دیا تھا۔

ناہید نے جن راستوں کا انتخاب کر کے اپنی برباد زندگی کی مسافت طے کرنے کا فیصلہ کیا تھا وہ اس پر ثابت قدم تھی۔ زندگی کے ان نئے راستوں کے پہلے ہی موڑ پر اُس کے ہم سفر نے اُس سے منہ موڑ لیا تھا' اُسے راستوں کی طوالت نے خوفزدہ کر دیا تھا۔ اُس کا معصوم وجود لرز اٹھا تھا لیکن اُس نے خود کو گرتے گرتے سنبھال لیا تھا۔ واپسی کی راہیں اُس کے لئے مسدود ہو چکی تھیں' اُس نے دل کی دھڑکنوں پر قابو پا لیا۔ پھر ایک ایک قدم پھونک پھونک کر آگے بڑھانے لگی۔ اُس کے لئے یہ احساس ہی بہت تھا کہ منصور اس کے ساتھ تھے' زندگی کی پُر پیچ اور پُر خطر راہوں پر اُس نے ایک عزم کے ساتھ اپنے قدم جما لئے تھے لیکن منصور نے اس سے جو تلخ باتیں کی تھیں اُسے سن کر وہ دم بخود رہ گئی تھی۔ اسے سکتہ ہو گیا تھا اور پھر راستے اچانک ہی اس درجہ پُرخار ہو گئے تھے کہ اس کے لئے قدم جمائے رکھنا ناممکن ہو گیا۔ اُس نے دل کے آبلوں کو سینے کی گہرائیوں میں چھپا لیا تھا لیکن کانٹوں پر چلتے رہنا اور قدموں کی لڑکھڑاہٹ کو چھپائے رکھنا اس کے بس میں نہیں تھا۔

ناہید نے بدلتے حالات کا جائزہ لیا۔ منصور کسی اور لڑکی سے محبت کرتے تھے۔ ان کے دل و دماغ پر کسی اور کا راج تھا۔ انہوں نے ناہید کو مجبوراً قبول کیا تھا۔ ماں کا احترام اُن کے پیروں کی زنجیر بن گیا تھا۔ اس مقدس رشتے کے سامنے انہوں نے مرد ہونے کے باوجود خود کو مہربلب کر لیا تھا۔ ماں کے سامنے سرنگوں ہو گئے تھے۔ ناہید کو قبول کر لیا تھا لیکن صرف زبان کی حد تک۔ روح کی گہرائیوں میں تو انہوں نے کسی اور لڑکی کی تصویر

سجا رکھی تھی۔

یہ کیسا مذاق تھا۔

کیسا انصاف تھا۔

ایک مرد نے ایک کوکھ کی لاج رکھ لی تھی۔

رشتے کے احترام اور تقدس کو مجروح نہیں ہونے دیا تھا۔

لیکن.....

تصویر کا دوسرا رخ کس قدر بھیانک اور اندوہناک تھا۔

ایک رشتے کی لاج رکھنے کی خاطر دوسری کوکھ کو..... جس نے ممتا کے صرف سہانے خواب ہی دیکھے تھے' اجاڑ دیا گیا تھا۔

ویران کر دیا گیا تھا..... اور

ناہید کو ان ویرانیوں میں اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ابھی تو منزل کوسوں دور تھی' ابھی منزل کا سراغ بھی اُسے نہیں ملا تھا اور ابھی سے وہ تھک کر نڈھال ہو جانے پر مجبور ہو گئی تھی۔ گردِ سفر نے اُس کے چہرے کے اجلے نقوش کو دھندلانے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ ایسی دھند' ایسا گرد و غبار پیدا کر دیا تھا کہ اُس کے لئے ایک ایک قدم اٹھانا دشوار ہو گیا۔ تنفس کی رفتار بگاڑ دی تھی۔ دل سینے کی گہرائیوں سے تڑپ کر باہر آ جانے کے لئے تڑپ رہا تھا۔ ایسے نامساعد حالات میں بھلا وہ ان وعدوں کا بھرم کیسے برقرار رکھ سکتی تھی جو اُس نے بڑے خلوص سے اپنی سہاگ رات' اپنے مجازی خدا سے کئے تھے۔ اگر عہد و پیمان ٹوٹ جاتے تو وہ خود اپنی نگاہوں میں گر جاتی۔ وہ عورت ہونے کے باوجود ان وعدوں کی لاج رکھنا چاہتی تھی۔ اُس کا خیال تھا کہ وقت کے بے رحم ہاتھوں نے اُس کے رِستے ناسوروں پر جو نشتر چلائے ہیں اُن کی سوزش اور خلش بھی آہستہ آہستہ کم ہو جائے گی' وہ ان غموں کو بھی سہنے کی عادت ڈال لے گی' ایک بار کھلے زخموں پر کھرنڈ جم آئے تو اندر کی جلن وہ برداشت کر لے گی' تھکن کا وہ احساس بھی رفتہ رفتہ کم ہو جائے گا جس نے اُسے گھٹن کی کیفیتوں سے دوچار کر دیا تھا۔ اسے محض چند دنوں کی مہلت کی ضرورت تھی۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں میں خون کے جو گرم گرم قطرے ابل رہے تھے اور آنسوؤں کی صورت میں اُس کی پلکوں سے ڈھلکنے کے لئے مچل رہے تھے' وہ ان آنسوؤں کو بہا ڈالنے کی متمنی تھی اور پھر پُرسکون ہو جانا چاہتی تھی اور اسی لئے اُس نے سوچا تھا کہ وہ کچھ دنوں کے لئے اپنے گھر چلی جائے جہاں اُسے تنہائی میں اپنے غموں کی

شدت کو آنسوؤں کی روانی سے دھو ڈالنے کا موقع مل سکتا تھا۔ یہی سوچ کر وہ اس وقت خود کو سنبھالتی' چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ساس کے کمرے میں آ گئی تھی۔

بیگم سجاد نے بہو کو دیکھا تو بستر پر سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ ان کی تجربہ کار نظروں نے ناہید کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی کو نہایت محتاط انداز میں پڑھنے کی کوشش کی تھی' بہو کو بڑے لاڈ سے اپنے قریب بٹھاتے ہوئے بولیں۔

"خیریت تو ہے ناہید بٹی! نصیب دشمناں کہیں تمہاری طبیعت خراب تو نہیں ہے۔"

"جی نہیں امی حضور!" اُس نے اپنے غموں کو عارضی مسکراہٹوں میں دفن کرتے ہوئے جواب دیا۔ "میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔"

"پھر..... یہ تمہارا چہرہ اترا اترا سا کیوں نظر آ رہا ہے' کیا فراز نے تمہیں پریشان کیا ہے۔" بیگم سجاد نے بہو کو کریدنے کی خاطر پوچھا۔ "خدانخواستہ کیا منصور نے کچھ کہا ہے۔"

"یہ بات بھی نہیں امی حضور!" ناہید جلدی سے بولی۔ "اِدھر کچھ دنوں سے نہ جانے کیوں طبیعت عجیب عجیب سی رہتی ہے۔"

"سچ ناہید بٹی!" بیگم سجاد کی آنکھوں میں خوشیاں مچل اٹھیں' بہو کے سر پر نہایت شفقت سے ہاتھ پھیر کر بولیں۔ "تم آرام کیا کرو بٹی! ایسی حالت میں تمہیں ہر طرح سے اپنا خیال رکھنا چاہئے۔"

"امی حضور!" وہ ڈرتے ڈرتے مدھم لہجے میں سر جھکا کر بولی۔ "اگر آپ اجازت دیں تو چند روز کے لئے گھر چلی جاؤں۔"

"اس میں بھلا اجازت کی کیا ضرورت درپیش ہے' بڑے شوق سے چلی جاؤ بلکہ میں خود بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔" بیگم سجاد نے ناہید کی طبیعت کے بارے میں غلط اندازے قائم کرتے ہوئے خوشی سے کہا۔ "بہت دنوں سے میں بھی شاکرہ بہن سے ملنے نہیں گئی' وہ بھی کہتی ہوں گی کہ کس قدر بے مروت ہو گئی ہوں۔"

"امی جان تو آپ کی خوبیوں کی ہر وقت تعریف کرتی رہتی ہیں۔" ناہید نے ساس کی خوشنودی کی خاطر کہا۔ "وہ بھلا شکایت کیوں کریں گی۔"

"یہ شاکرہ بہن کی لیاقت اور شرافت ہے جو وہ میرے بارے میں ایسا خیال کرتی ہیں ورنہ من آنم کہ من دانم والی بات ہے۔" بیگم سجاد نے بڑی فراخ دلی سے کہا۔ "احسان تو انہوں نے مجھ پر کیا ہے جو تمہارے جیسا انمول اور نایاب ہیرا مجھے دے دیا۔"

ناہید نے ساس کو نظر بھر کر دیکھا۔ اُس کے ہونٹ کچھ کہہ اٹھنے کے لئے کپکپائے لیکن اُس نے جلدی سے اپنی دراز پلکیں آنکھوں پر چلمن کر لیں اور ان طوفانوں کو تھپکیاں دے کر سلانے لگی جو اُس کی غزالی آنکھوں سے اُمڈ پڑنے کے لئے بڑی شدت سے تڑپے تھے۔ بیگم سجاد نے اُسے ہیرا کہہ کر جیسے اس کا مذاق اڑانے کی کوشش کی تھی۔ اس کی بے بسی اور بے چارگی پر گہرا طنز کیا تھا۔ اس لئے کہ وہ جانتی تھی کہ اس کی حیثیت راہ کے اُس حقیر پتھر سے زیادہ نہیں تھی جسے حالات کی ٹھوکریں بار بار اپنی جگہ سے اکھاڑنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ ریزہ ریزہ کر کے ہوا کے دوش پر بکھر جانے کو مجبور کر رہی تھیں۔

"ایک بات کہوں ناہید بٹی! مانو گی۔" بیگم سجاد نے ناہید کی جھکی جھکی پلکوں کو اُس کی شرم و حیا کا خاصا جان کر اُسے بڑے پیار سے مخاطب کیا۔

"آپ حکم دیجئے امی حضور!" اُس نے نظریں اٹھا کر ساس کے چہرے پر ہمکنے والی مسرتوں کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ "آپ کو یہ احساس کیسے ہوا کہ میں آپ کی کسی بات' کسی حکم سے انکار کا تصور بھی کر سکتی ہوں۔"

"خدا تمہیں سلامت رکھے بٹی!" بیگم سجاد نے ناہید کو ڈھیر ساری دعائیں دے ڈالیں پھر نہایت محبت بھرے لہجے میں بولیں۔ "تم جتنے دن چاہو بڑے شوق سے اپنے گھر رہ لینا لیکن وہاں بھی اپنے آرام کا پورا پورا خیال رکھنا' یہ میری خوشی ہو گی۔"

"میں آپ کی ہر خوشی کا احترام کرنا اپنا فرض سمجھتی ہوں۔" وہ پورے یقین سے بولی۔

"تم نے منصور سے بھی گھر جانے کو پوچھ لیا ہے۔" بیگم سجاد نے سوال کیا۔

"جی۔" وہ ایک ثانئے کو چونکی پھر دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے خود بھی مجھے یہی حکم دیا ہے امی حضور کہ میں گھر چلی جاؤں۔"

"پھر ٹھیک ہے۔" بیگم سجاد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "تم رحیم سے گاڑی نکالنے کو کہو' میں اتنی دیر میں تیار ہوتی ہوں۔"

"آپ ..... آپ کہاں تکلیف کریں گی امی حضور! میں بوا سروری کو ساتھ لے لوں گی۔ وہ مجھے چھوڑ کر واپس آ جائے گی۔"

"کیسی بچوں جیسی باتوں پر عمل کرنے کا مشورہ دے رہی ہو ناہید بٹی!" بیگم سجاد نے قربان ہو جانے والے لہجے میں کہا۔ "اگر اس وقت مجھی میں تمہارے ساتھ نہ گئی تو شاکرہ

بہن کیا سوچیں گی۔ تم جا کر ذرا اپنا لباس بھی تبدیل کر لو' میں بس بالوں کو ٹھیک کر کے آ رہی ہوں۔"

ناہید نے وضاحت طلب نظروں سے ساس کو دیکھا پھر سر جھکائے اپنے کمرے میں آ گئی' عبدل کو آواز دے کر رحیم کو گاڑی باہر نکالنے کے لئے کہلوا دیا تھا۔ کمرے میں آ کر اُس نے یونہی ایک واجبی سا جوڑا نکال کر پہن لیا' چہرے کو ہلکا سا نکھار دینے کے لئے اُس نے جبراً تھوڑا سا روج استعمال کیا پھر جلدی جلدی چوٹی گوندھ کر باہر آ گئی۔ بیگم سجاد برآمدے میں بیٹھی بوا سروری سے چپکے چپکے اور مسکرا مسکرا کر کچھ باتیں کر رہی تھیں' ناہید کو آتا دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بوا سروری ان دونوں کو چھوڑنے کے لئے باہر گاڑی تک آئی تھی۔

ناہید کو ساس کی باتیں اور بوا سروری کی معنی خیز نظریں اپنے وجود کی گہرائیوں میں نیزے کی اَنی بن کر چبھتی محسوس ہو رہی تھیں لیکن وہ نہایت خندہ پیشانی سے تمام باتوں کو برداشت کرتی رہی' راستے میں بھی بیگم سجاد نے اُسے ہزاروں نصیحتیں اور سینکڑوں مشورے دے ڈالے تھے' وہ مجبوراً ہوں' ہاں کر کے انہیں ٹالتی رہی اور اپنی محرومیوں پر اندر ہی اندر سلگتی رہی۔

بوڑھے ڈرائیور نے گاڑی اُس کے گھر کے سامنے روکی تو سب سے پہلے شاکر پر نظر پڑی۔ اپنے کسی کالج کے دوست سے کھڑا باتیں کر رہا تھا۔ گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر تیزی سے لپکتا ہوا قریب آیا' بڑے ادب سے بیگم سجاد کو دست بستہ سلام کیا پھر ماں کو خبر کرنے اندر چلا گیا۔ ناہید کو بھائی کی معصومیت پر بے اختیار ہنسی آ گئی' وہ اپنے گھر ہی تو آئی تھی پھر شاکر کو اُس کی آمد کی خبر اندر پہنچانے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی۔ گلی سنسان پڑی تھی۔ اُس نے ہاتھ تھام کر ساس کو بھی جھلملاتی کار سے نیچے اترنے میں مدد دی۔ اتنے میں شاکرہ خاتون بیٹی کی آمد کی اطلاع سن کر دروازے پر آ گئی تھیں' بیگم سجاد کو دیکھا تو جلدی سے شاکر کو بیٹھک کھولنے کے لئے حکم دیا اور خود آگے بڑھ کر سمدھن کی آؤ بھگت میں مصروف ہو گئیں۔ سب کمرے میں آ گئے تو ناہید ساس کے لئے ناشتے کا انتظام کرنے اندر آ گئی' باورچی خانے کی تمام چیزیں الٹی پلٹی نظر آ رہی تھیں۔ اُس نے شاکر کو آواز دی لیکن وہ شاید جا چکا تھا اس لئے اُس نے خود ہی ہر بات کا اہتمام شروع کر دیا۔

باہر سمدھنوں میں گھٹ گھٹ کر باتیں ہو رہی تھیں' شاکرہ خاتون کو ناہید کے اچانک

آ جانے پر خوشی بھی تھی اور حیرت بھی۔ بیگم سجاد کو ساتھ دیکھ کر تو ایک لمحے کو اُن کے ذہن میں سینکڑوں خیالات ابھر کر آپس میں گڈمڈ ہونے لگے تھے لیکن جب بیگم سجاد نے انہیں گلے لگا کر گفتگو شروع کی تو شاکرہ خاتون کو قرار آ گیا' کچھ دیر تک دونوں کے درمیان رسمی باتیں ہوتی رہیں پھر بیگم سجاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں اپنی بیٹی کو کچھ دنوں کے لئے آپ کے دولت خانے پر چھوڑنے آئی ہوں شاکرہ بہن! ذرا اس کا خیال رکھئے گا۔"

"یہ بیٹھے بٹھائے اچانک کیسے آنا ہو گیا' منصور میاں ساتھ نہیں آئے۔" شاکرہ خاتون نے پوچھا۔

"منصور کو آج کل دفتر کے کاموں کی مصروفیت زیادہ رہتی ہے اس لئے میں ناہید بیٹی کے ساتھ آ گئی۔ سوچا اسی بہانے ملاقات بھی ہو جائے گی اور میں آپ کو وہ بات بھی سنا دوں گی جس کی وجہ سے میں اپنی بیٹی کو یہاں چھوڑنے پر مجبور ہوئی ہوں۔"

"خیریت تو ہے بہن!" شاکرہ خاتون نے ہولتے ہوئے دریافت کیا۔ "خدانخواستہ کہیں ناہید نے آپ لوگوں کو شکایت کا کوئی موقع تو نہیں دیا۔"

"آپ کا کیا خیال ہے۔" بیگم سجاد نے شاکرہ خاتون کو مسکراتی نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔ "کیا ہماری بیٹی کسی کو شکایت کا موقع دے سکتی ہے۔"

"دل تو نہیں مانتا لیکن زمانے کی ہوا کا کوئی بھروسہ بھی نہیں۔" شاکرہ خاتون بولیں۔ "یوں بھی لڑکیاں پرایا دھن ہوتی ہیں' شادی کے بعد والدین کا اختیار نہیں چلتا۔ رہا ناہید کا مسئلہ تو وہ بھی اب آپ کی ملکیت ہے البتہ اگر اس سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے تو ہم اس کے لئے....."

"بس بس ..... بہن!" بیگم سجاد نے تیزی سے کہا۔ "اس کے آگے کچھ کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کیجئے گا' ناہید کیا ہے' یہ ہمارے دل سے پوچھئے۔"

"پھر بھی۔" شاکرہ خاتون نے پوچھا۔ "بات کیا ہے' کچھ پتہ تو چلے۔"

"یوں نہیں ..... پہلے آپ منہ میٹھا کرانے کا وعدہ کریں پھر بتاؤں گی۔" بیگم سجاد نے اس بار معنی خیز لہجے میں جواب دیا۔

"سچ۔" شاکرہ خاتون نے بیگم سجاد کی بات کا مفہوم سمجھا تو مارے خوشی کے ان کی آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے۔

"ہاں بہن!" بیگم سجاد نے کہا۔ "خدا کے فضل و کرم سے ہماری بیٹی کے پاؤں

بھاری ہو گئے ہیں' میں آپ کو مبارکباد پیش کرتی ہوں۔"

"آپ کو مبارک ہو۔" شاکرہ خاتون نے دوپٹے کے آنچل سے آنکھیں خشک کرتے ہوئے کہا۔ "خدا آپ کو منصور میاں کی خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔"

"خداوند کریم نے بڑی منتوں اور مرادوں کے بعد مجھے یہ خوشیاں نصیب کی ہیں۔" بیگم سجاد بھی خوشی سے کپکپاتی آواز میں بولیں۔ "ناہید کے آنے سے پہلے تو جیسے گھر کی ویرانیاں کاٹنے کو آتی تھیں' اس کے آنے سے تو میرے گھر میں بہار آ گئی ہے۔ اب اگر اسے منظور ہوا تو ہمارے گھر کی خوشیوں میں معصوم مسکراہٹوں کا بھی اضافہ ہو جائے گا۔ میں تو ہر نماز میں یہی دعا کرتی تھی کہ ہماری بیٹی کی گود ہری ہو جائے۔"

"سب کچھ آپ ہی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے بہن! خدا آپ کو اولادوں کی ایسی ہزار خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔" شاکرہ خاتون نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ تشریف رکھئے' میں ابھی آپ کا منہ میٹھا کراتی ہوں۔"

اندر آ کر انہوں نے ناہید کو دیکھا تو وہ چائے کا سامان ٹرے میں سجانے میں مصروف تھی' بیٹی کے چہرے پر تھکن کے تاثرات دیکھ کر شاکرہ خاتون کو بھی یقین آ گیا کہ قدرت نے اُن کی سن لی ہے۔ جلدی جلدی قدم اٹھاتی باورچی خانے میں ناہید کے قریب جا کر بولیں۔ "تمہارا جی تو اچھا ہے نا۔"

"مجھے کیا ہوا ہے امی جان!" ناہید نے بڑی معصومیت سے ماں کے چہرے کو تکتے ہوئے جواب دیا۔ "میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔"

"یہ شاکر کہاں چلا گیا۔" شاکرہ خاتون نے ٹرے پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "کیا ساس کو صرف چائے پلا کر رخصت کرنے کا ارادہ ہے۔ وہ تو مجھ سے مٹھائی مانگ رہی ہیں۔"

"جی....." ناہید کے دل پر ایک چوٹ سی پڑی۔

ماں کے چہرے سے پھوٹنے والی خوشیوں کی کرن اور بیگم سجاد کے مٹھائی کے مطالبے نے اُس کے زخموں کو پھر ٹھیس پہنچائی تھی۔ وہ اندر ہی اندر مسوس کر رہ گئی' زبان سے ایک لفظ بھی تو نہ کہہ سکی' آہستہ سے اپنی بے بسی کے آگے سرنگوں ہو گئی' اسی لمحے شاکر آ گیا' اُس کے ہاتھوں میں مٹھائی کا ڈبہ دیکھ کر شاکرہ خاتون نے اطمینان کا سانس لیا۔ ناہید نے لرزتے ہاتھوں سے مٹھائی پلیٹ میں نکالی پھر ٹرے اٹھانے کے لئے جھکی تو شاکرہ خاتون نے ٹوک دیا۔

"تم رہنے دو ناہید بیٹی! شاکر لے آئے گا۔"

ماں کے حکم پر وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اُن کے ساتھ بیٹھک میں آ گئی۔ شاکر نے ٹرے لا کر میز پر رکھی تو شاکرہ خاتون نے مٹھائی کی پلیٹ اٹھالی اور بیگم سجاد کے قریب جا کر خود اپنے ہاتھوں سے اُن کا منہ میٹھا کرایا۔ ناہید کے معصوم دل پر ایک اور گھونسا لگا۔ بیگم سجاد اور شاکرہ خاتون کے چہروں پر کیسی زندگی سے بھرپور مسکراہٹیں رہ رہ کر ابھر رہی تھیں' دونوں کی بوڑھی آنکھوں میں خوشیوں کے دیپ جل رہے تھے' آرزوؤں کے کنول تیر رہے تھے۔ اُس نے جلدی سے نظریں جھکالیں' اپنے آنچل کا پلو ہاتھ میں دبا کر مسلنے لگی۔ اُس نے سوچا۔

خوشیوں کی ایک موہوم سی جھلک بھی انسان کو کس قدر تر و تازہ کر دیتی ہے' مسرت کی ایک کرن نظر آ جائے تو دل میں کتنے خواب جاگ اٹھتے ہیں' آرزوؤں اور تمناؤں کے دوش پر کتنے چراغ جل اٹھتے ہیں' یہی کیفیت اُس کی ماں کی تھی اور اسی فریب آرزو نے بیگم سجاد کے بوڑھے چہرے کو بھی گلنار بنا رکھا تھا' وہ دونوں آنے والے لمحات کی خوشیوں سے اپنے اپنے گھر کو چراغاں کرنے کے خواب دیکھ رہی تھیں۔ ناہید گم صم خاموش خاموش سی بیٹھی اُن کے احساسات کے بارے میں سوچتی رہی پھر آپ ہی آپ لرز اٹھی۔ معاً ایک خیال اُس کے ذہن میں ابھرا تھا—— جب خوابوں کا فسوں ٹوٹ جائے تب کیا ہو گا؟

"تم کن خیالوں میں کھوئی ہوئی ہو ناہید بیٹی؟"

"جی....." بیگم سجاد کی آواز پر وہ یوں چونکی جیسے کسی نے دریا کی پُرسکون سطح پر کنکری اچھال دی ہو' جلدی سے ہونٹوں پر ایک تبسم سجا کر بولی۔ "کچھ نہیں امی حضور! یونہی کچھ سوچ رہی تھی۔"

"ہم بھی تو سنیں ..... کیا سوچ رہی تھی ہماری بیٹی!" بیگم سجاد کا لہجہ معنی خیز تھا' اُن کے چہرے پر خوشیاں رقص کر رہی تھیں۔

"سوچ رہی تھی کہ میرے یہاں آ جانے سے آپ کو تکلیف تو نہ ہو گی۔" اس نے جلدی سے جھوٹ بولا۔

"تکلیف کی بھی ایک ہی سوچی تم نے۔" بیگم سجاد نے بہو کے خلوص پر نچھاور ہوتے ہوئے کہا۔ "البتہ مجھے تمہاری فکر ضرور پریشان کرتی رہتے گی اور یہ خطرہ بھی لاحق رہے گا کہ کہیں شاکرہ بہن ہماری بیٹی سے زیادہ کام کاج لینا نہ شروع کر دیں۔"

"آپ میری طرف سے مطمئن رہیں بہن!" شاکرہ خاتون بولیں۔ "میں ناہید کا ہر

طرح سے پورا خیال رکھوں گی۔"

"اچھا..... اب میں اجازت چاہتی ہوں۔" بیگم سجاد نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "بھائی صاحب سے میرا دست بستہ سلام عرض کر دیجئے گا اور بہت بہت مبارکباد بھی ..... دو چار روز میں پھر آؤں گی تو اطمینان سے بیٹھوں گی۔"

"آپ کا اپنا گھر ہے بہن! جب دل چاہے بڑے شوق سے تشریف لائیے۔"

بیگم سجاد کے ساتھ ہی ناہید اور شاکرہ خاتون بھی اٹھ کھڑی ہوئی تھیں' بیگم سجاد نے پہلے شاکرہ خاتون سے اجازت چاہی پھر ناہید کے قریب جا کر بڑے پیار سے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا اس کے بعد اپنی گاڑی میں بیٹھ کر رخصت ہو گئیں۔"

ناہید نے ماں کی نظروں سے بچنے کے لئے اندر صحن میں جا کر بھائی سے باتیں شروع کر دیں۔

☆------☆------☆

فراز حسب معمول شام کو دفتر سے واپس لوٹے تو لان پر کرنل سرفراز اور ماں کو بیٹھے دیکھ کر ایک لمحے کو اُن کی کشادہ پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں' وہ خوب جانتے تھے کہ کرنل سرفراز کس مقصد سے آئے ہوں گے۔ بیگم سجاد بھی متعدد بار فراز سے فرزین کے سلسلے میں بات کر چکی تھیں لیکن فراز نے ابھی تک کھل کر ماں کو اپنے آخری فیصلے سے آگاہ نہیں کیا تھا۔ ہر بار باتوں میں یا تو ماں کے سوال کو اڑا گئے یا پھر اپنی شوخ باتوں سے موضوع بدل دیا کرتے تھے لیکن اس وقت کرنل سرفراز کو دیکھ کر انہیں اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ انہوں نے فرزین کے معاملے میں ماں کو کوئی آخری جواب نہ دے کر دانشمندی کا ثبوت نہیں دیا۔ چند لمحے گاڑی میں بیٹھے وہ کچھ سوچتے رہے پھر نیچے اترے اور مسکراتے ہوئے لان پر آ گئے۔ کرنل سرفراز کو بڑے ادب سے سلام کیا پھر ماں کے قریب بیٹھ گئے۔

"بڑی عمر ہے تمہاری فراز بیٹے! ابھی تمہارا ہی تذکرہ ہو رہا تھا۔" کرنل سرفراز نے کہا۔ "اور سناؤ تمہارا بزنس کیسا چل رہا ہے؟"

"آپ بزرگوں کی دعا ہے انکل! ابھی تک تو حالات سازگار ہی نظر آ رہے ہیں۔" فراز نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"مجھے یقین ہے کہ تم تعمیراتی کاموں میں ضرور ترقی کرو گے۔" کرنل سرفراز نے اپنا پائپ جلاتے ہوئے کہا۔ "بچپن ہی سے تمہاری طبیعت کا جھکاؤ اسی شعبے کی جانب تھا۔ اللہ

غریق رحمت کرے سجاد بھائی کو' وہ بھی یہی کہا کرتے تھے کہ تم بڑے ہو کر ضرور کسی تعمیراتی ادارے کی طرف راغب ہو گے۔"

"یہ سب بزرگوں کی دعاؤں ہی کا نتیجہ ہے انکل ورنہ آج کل تو تعمیراتی کاموں کا مقابلہ بہت سخت ہو گیا ہے۔"

"ہاں خوب یاد آیا فراز بیٹے!" کرنل سرفراز نے پائپ کا کش لے کر اس کا کثیف دھواں اڑاتے ہوئے کہا۔ "آج کل میرے ایک دوست جنرل بلگرامی مقامی فوجی ہیڈ کوارٹر میں تعینات ہیں' سنا ہے ملٹری افسران کے لئے ایک نئی کالونی کا منصوبہ اُن کے زیر غور ہے' تم اگر چاہو تو میں اُن سے تمہارے ادارے کے لئے بات کروں۔"

"آپ کی اس عنایت کا شکر گزار ہوں انکل! لیکن فی الحال میں کسی نئے کام میں ہاتھ ڈالنا نہیں چاہتا۔" فراز نے بڑی خوبصورتی سے کرنل سرفراز کی پیشکش کو رد کرتے ہوئے کہا۔ "خدا کے فضل و کرم سے جو پروجیکٹ اس وقت ہاتھ میں ہیں ان ہی کی تکمیل سے سر اٹھانے کی فرصت نہیں ملتی۔"

"لیکن بات کر لینے میں حرج ہی کیا ہے۔" بیگم سجاد نے کرنل سرفراز کا دل رکھنے کو کہا۔ "آج نہ سہی' پھر کبھی کوئی کام پیش آ سکتا ہے' کاروباری معاملات میں کام کے لوگوں سے ملتے جلتے رہنا اور میل ملاقات قائم رکھنا بڑی اچھی بات ہے۔"

"اگر آپ کا حکم ہے تو وقت نکال کر ضرور ملاقات کر لوں گا۔" فراز نے بڑی سعادت مندی سے جواب دیا پھر اپنے لئے چائے بنانے لگے۔

"فراز میاں!" بیگم سجاد کچھ توقف کے بعد بولیں۔ "سرفراز بھائی بھی تمہاری شکایت کر رہے تھے۔"

"جی....." فراز نے چونک کر ماں کی جانب دیکھا۔ "کیا مجھ سے کوئی گستاخی سرزد ہو گئی ہے؟"

"سرفراز بھائی کو شکایت ہے کہ تم آج تک کبھی اُن کے گھر نہیں گئے۔" بیگم سجاد نے کہا۔

"میں معذرت خواہ ہوں انکل!" فراز نے جلدی سے کرنل سرفراز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن میری کوتاہیوں میں میری لاعلمی کو بھی بڑا دخل ہے' دراصل مجھے آپ کے دولت خانے کا علم نہیں ورنہ ضرور حاضری دیتا۔"

"نہایت معقول عذر پیش کیا ہے تم نے۔" کرنل سرفراز مسکراتے ہوئے بولے۔

"لیکن میرا پتہ کچھ ایسا مشکل بھی نہیں ہے' چھاؤنی کے علاقے میں پہنچ کر تم کسی سے بھی غریب خانے کے بارے میں دریافت کر سکتے ہو۔"

"کسی وقت پہلی فرصت میں حاضری دے کر آپ کی شکایت ضرور رفع کرنے کی کوشش کروں گا۔" فراز نے نہایت فرماں برداری سے جواب دیا۔

"آپ فرزین بیٹی کو ساتھ نہیں لائے سرفراز بھائی! اسی بہانے اس سے بھی ملاقات ہو جاتی۔" بیگم سجاد نے کنکھیوں سے فراز کو دیکھتے ہوئے کرنل سرفراز سے کہا۔ "خدا سلامت رکھے' بڑی قبول صورت اور فرماں بردار بچی ہے۔"

"آج ہنگامی دورے پر نکلا تھا اس لئے فرزانہ کو ساتھ نہیں لا سکا' دوبارہ آنا ہوا تو ضرور ساتھ لے آؤں گا لیکن آپ بھی تو کبھی ہمارے ہاں آ کر ہمیں خدمت کا کچھ موقع دیجئے بھابی صاحبہ!" کرنل سرفراز بولے۔ "جب سے سجاد کا انتقال ہوا ہے آپ تو ہمارے گھر کا راستہ ہی بھول گئی ہیں۔"

"آپ بجا فرماتے ہیں سرفراز بھائی لیکن جو حالات مجھے درپیش آتے رہے ہیں وہ بھی آپ کے علم میں ہیں ..... اس کے علاوہ آپ بھی تو ٹک کر ایک جگہ نہیں رہتے' کبھی ایران کبھی توران' جب سنو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سیاحت کے لئے گئے ہوئے ہیں۔"

"درست فرمایا آپ نے لیکن بیوی کے انتقال کے بعد سے یہ سیر و سیاحت کا روگ جان کو لگ گیا ہے ورنہ اس سے پہلے تو کبھی الٰہ آباد سے باہر نکلنا نہیں ہوتا تھا۔"

فراز خاموش بیٹھے دونوں بزرگوں کی گفتگو سن رہے تھے' انہیں ناہید کی غیر موجودگی بُری طرح محسوس ہو رہی تھی۔ اگر ناہید بھی شریک محفل ہوتی تو وہ اس طرح چپ چپ کبھی نہ رہتے' اُس کے ہونے سے انہیں بھی کرنل سرفراز سے باتوں کا موقع بہ آسانی مل سکتا تھا اور وہ باتوں باتوں میں کم از کم یہ ضرور ظاہر کر دیتے کہ انہیں فرزین کی ذات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ماں کی موجودگی اور بزرگی کے خیال سے انہیں مجبوراً خاموشی اختیار کرنا پڑی تھی۔

"کیا بات ہے فراز بیٹے!" کرنل سرفراز نے اُن کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "تم بہت سنجیدہ نظر آ رہے ہو' تمہارے آنے سے پہلے بھابی صاحبہ مجھے بتا رہی تھیں کہ تم کس قدر باغ و بہار طبیعت کے مالک ہو ..... ہر وقت اپنی ظرافت کے شگوفے بکھیرتے رہتے ہو۔"

"آپ کی وجہ سے شرما رہا ہے۔" بیگم سجاد معنی خیز انداز میں بولیں۔ "ورنہ یہ ..... اور بھلا اتنی دیر چپ رہ سکے' ناہید بیچاری کا تو ہر وقت ناک میں دم کئے رہتا ہے اور نہ جانے کس کس نام سے مخاطب کرتا ہے۔"

"رشتے کی نوعیت بھی تو مذاق کی ہے۔" کرنل سرفراز نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "یہ ناہید بیٹی نظر نہیں آ رہی ..... کیا گھر پر نہیں ہے؟"

"آج ہی کچھ دنوں کے لئے میکے گئی ہے۔" بیگم سجاد بولیں۔ "خدا سلامت رکھے' بڑی نیک اور فرمانبردار بچی ہے۔ میرا تو سگی ماں سے زیادہ خیال رکھتی ہے۔"

فراز نے ماں کی بات سنی تو چونکے بغیر نہ رہ سکے' ناہید کے میکے جانے کی خبر سن کر اُن کے دل کو دھچکہ سا لگا' دل میں ہزاروں ہی وسوسے بیدار ہو گئے تھے اور ہونے بھی چاہئے تھے اس لئے کہ کل انہوں نے ناہید اور بڑے بھائی کے درمیان ہونے والی تلخ گفتگو کا ایک ایک لفظ اپنے کانوں سے سنا تھا۔ بعد میں ناہید کو اپنی بے بسی پر سسکتے بلکتے بھی دیکھا تھا لیکن وہ دل پر جبر کئے خاموش رہنے پر مجبور تھے۔ اگر اُن کے اختیار میں ہوتا تو وہ ناہید کی آنکھوں سے ٹپکتے ہوئے آنسوؤں کے انمول اور نایاب نگینوں کو اپنے دامن کی وسعتوں میں سمیٹ لیتے لیکن رشتے کی نزاکتوں نے انہیں بے بس کر دیا تھا' پہلی بار انہیں بھائی کی زیادتیوں کا علم ہوا تھا۔ انہوں نے خود اپنے کانوں سے بڑے بھائی کو ایک ایسی بات کا اعتراف کرتے سنا تھا جو کم از کم ناہید کے لئے یقیناً ناقابلِ برداشت تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ شوہر کی زبان سے کسی دوسری لڑکی کا تذکرہ سن کر وہ بے اختیار پھٹ پڑے گی۔ اپنے ساتھ کی جانے والی زیادتیوں اور حق تلفیوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرے گی ..... لیکن ..... لیکن ناہید نے جواب میں ایک حرف بھی تو زبان تک نہیں آنے دیا تھا۔ کتنے ضبط' کتنے عزم و استقلال کا ثبوت پیش کیا تھا البتہ منصور کے جانے کے بعد اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں پا سکی تھی ..... اور

ابھی ماں کی زبانی اُسے یہ معلوم ہوا کہ ناہید میکے چلی گئی ہے اور اس خبر نے فراز کے ذہن کو بُری طرح الجھا دیا تھا مگر ماں کی باتوں سے انہیں اس بات کا یقین بھی آ گیا تھا کہ ابھی تک انہیں بیٹے اور بہو کے درمیان پیدا ہونے والی کشیدگی کا علم نہیں ہے۔ وہ دل ہی دل میں ناہید کی بلندیوں کی پیائش کرتے رہے' اُس کی عظمتوں پر غور کرتے رہے اور بڑے بھائی کی زیادتیوں پر دل مسوستے رہے۔ پھر دل نہیں مانا تو دبی زبان میں ماں سے سوال کر بیٹھے۔

"امی حضور! یہ اچانک بیٹھے بیٹھے میکے جانے کا پروگرام کیسے بن گیا؟"

"کیوں؟" بیگم سجاد نے فراز کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "تمہیں کس بات کی فکر لاحق ہو گئی؟"

"گھر جو سُونا سُونا لگے گا۔" فراز نے اپنے دل کی دھڑکنیں چھپانے کی خاطر بڑی معصومیت سے کہا۔

"یہ کیوں نہیں کہتے کہ اب تمہیں پریشان کرنے کو کوئی نہیں ملے گا۔" بیگم سجاد مسکرا کر بولیں۔ "کیوں ..... ہے نا یہی بات؟"

فراز آہستہ سے مسکرا دیئے' دل کے پریشان خیالات کو چہرے تک نہیں آنے دیا۔

"اچھا اب یہ بتایئے کہ آپ ہمارے غریب خانے کو کس روز رونق بخش رہی ہیں۔" کرنل سرفراز نے بیگم سجاد سے پوچھا۔

"اب تو آنا جانا رہے گا سرفراز بھائی!" بیگم سجاد نے ایک بار پھر فراز کو ممتا بھری نظروں سے تکتے ہوئے کہا۔

"آپ کا اپنا گھر ہے بھابی صاحبہ لیکن میں چاہتا ہوں کہ ایک بار آپ میری درخواست پر میری دعوت قبول کرلیں۔" کرنل سرفراز بولے۔ "اب کی اتوار کو اگر آپ شام کی چائے ہمارے ہاں پینا منظور کرلیں تو کرم نوازی ہو گی۔"

"اگر یہ آپ کا حکم ہے تو میں انکار نہیں کر سکتی۔"

"فراز میاں اور منصور میاں کو بھی ضرور ہمراہ لایئے گا۔" کرنل سرفراز یہ کہتے ہوئے اٹھے تو بیگم سجاد اور فراز بھی اپنی اپنی نشستوں سے اٹھ گئے۔

"ناہید بیٹی بھی ہمارے ساتھ ہو گی۔" بیگم سجاد بولیں۔

"اس میں بھلا پوچھنے کی کیا بات ہے بھابی صاحبہ!" کرنل سرفراز نے اپنی غلطی محسوس کرتے ہوئے بات بنائی۔ "جب منصور میاں ہوں گے تو ظاہر ہے کہ اُن کی دلہن بھی ضرور ساتھ ہوں گی ..... اچھا بھابی صاحبہ! اب اجازت دیجئے اور اتوار کی درخواست کو یاد رکھئے گا۔"

"آپ مطمئن رہئے سرفراز بھائی! اگر کوئی انہونی بات پیش نہ آئی تو میں ضرور بالضرور حاضر ہوں گی۔"

کرنل سرفراز نے بڑی گرمجوشی سے فراز سے ہاتھ ملایا پھر باہر آ کر اپنی گاڑی میں بیٹھ کر رخصت ہو گئے تو فراز ماں کے ساتھ اُن کی خوابگاہ میں آ گئے' ناہید کے اچانک چلے

جانے کے خیال نے انہیں ابھی تک ذہنی طور پر الجھا رکھا تھا۔

"فراز بیٹے!" بیگم سجاد نے آرام کرسی پر بیٹھنے کے بعد کہا۔ "جانتے ہو کرنل سرفراز آج کس لئے آئے تھے؟"

"مجھے اندازہ ہے امی حضور!" فراز سنجیدگی سے بولے۔

"سرفراز کا تقاضہ بڑھتا جا رہا ہے۔" بیگم سجاد بولیں۔ "ہرچند کہ وہ لڑکی والے ہیں لیکن تعلقات کی نوعیت نے تکلفات کی دیوار درمیان سے ہٹا دی ہے۔ میں نے ویسے کھل کر تو کوئی جواب نہیں دیا ہے لیکن سوچ رہی ہوں کہ بقرعید کے چاند میں تمہارے سر پر بھی سہرا دیکھنے کی آرزو پوری کرلوں۔"

"اتنی جلدی کی کیا ضرورت ہے امی حضور!" فراز بولے۔ "ابھی تو میں نے اپنے مستقبل کے بارے میں سنجیدگی سے غور بھی نہیں کیا۔"

"میں جانتی ہوں کہ تم مجھے ٹالنے کی کوشش کر رہے ہو۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "لیکن اس بار میں تمہاری ایک بھی واہی تباہی نہیں سنوں گی' رہا جلدی کا سوال تو ناہید کی وجہ سے مجھے قریب ہی کوئی تاریخ طے کرنا پڑے گی۔"

"کیا مطلب۔" فراز چونکے۔ "ان محترمہ کو میری شادی کی ایسی کیا جلدی پڑی ہے؟"

"تُو ان باتوں کو نہیں سمجھے گا۔" بیگم سجاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جلدی تو مجھے کرنا ہو گی ورنہ پھر ناہید کام کاج میں ہمارا ہاتھ نہیں بٹا سکے گی۔"

"کیوں ..... کیا کوئی خاص بات ہے؟"

"یہ تیری عقل کو کیا ہو گیا ہے' پہلے تو اتنا کوڑھ مغز نہیں تھا۔" بیگم سجاد بڑے پیار سے بولیں پھر دبی زبان میں کہا۔ "خدا کے فضل و کرم سے تم چچا بننے والے ہو۔"

"جی....." فراز کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ماں کی موجودگی میں انہوں نے کسی حیرت کا اظہار نہیں کیا جلدی سے گڑبڑا کر بولے۔ "امی حضور! پھر تو جلدی سے آپ کوئی خوبصورت اور اچھی سی لڑکی تلاش کر کے میری شادی بھی کر ڈالئے ورنہ چچا کہلانے لگا تو لڑکی والے بوڑھا سمجھ کر رشتہ دینے سے انکار کر دیں گے۔"

"شروع کر دیں وہی تُو نے اوٹ پٹانگ باتیں۔" بیگم سجاد نے فراز کی بوکھلاہٹ سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔ "یہ اتنی دیر سے جو میں فرزین اور سرفراز بھائی کی باتیں کر رہی ہوں' یہ کیا کسی اور کے رشتے کی ہیں۔"

"آئی ایم سو سوری امی حضور!" فراز شوخی سے بولے۔ "دراصل چچا بننے کی خبر سن کر میرے اوسان خطا ہو گئے تھے لیکن اب میں بالکل سنجیدگی سے آپ کی باتیں سنوں گا ..... آپ شاید کسی فرزین کا ذکر خیر کر رہی تھیں۔"

"اب ان باتوں سے تم مجھ سے پیچھا نہیں چھڑا سکو گے۔" بیگم سجاد نے قدرے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے بس طے کر لیا ہے کہ اب کی اتوار کو سرفراز بھائی سے تمہاری اور فرزین کی شادی کی بات پکی کر دوں گی۔"

"امی حضور! کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ اس مسئلے کو چند سالوں کے لئے اور ملتوی کر دیں۔" اس بار فراز سنجیدگی سے بولے۔

"شادی کے مسئلے کو ملتوی کر دوں یا فرزین کے بجائے اور لڑکی دیکھوں۔" بیگم سجاد نے بیٹے کی سنجیدگی کو کریدنے کی خاطر کہا۔ "آخر تم کھل کر صاف صاف بات کیوں نہیں کرتے ..... اگر تمہیں فرزین پسند نہیں ہے تو نہ سہی ..... الٰہ آباد میں خدانخواستہ لڑکیوں کا کوئی ایسا کال تو پڑ نہیں گیا کہ تمہارے لئے کوئی دوسرا مناسب رشتہ نہ مل سکے گا۔"

"یہ بات نہیں ہے امی حضور!"

"پھر کیا بات ہے ..... کچھ پتہ تو چلے کہ آخر تم چاہتے کیا ہو؟"

"بس یوں سمجھ لیجئے کہ ابھی میں شادی کے بکھیڑوں میں نہیں پڑنا چاہتا۔"

"فراز بیٹے! کیا یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے؟" بیگم سجاد نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں دریافت کیا۔

"فیصلہ نہیں امی حضور! درخواست ہے۔" فراز نے ماں کے چہرے پر اداسی طاری ہوتے دیکھی تو تڑپ کر بولے۔ "لیکن خدارا آپ میری درخواست کا کچھ اور مطلب نہ لیں ورنہ مجھے دکھ ہو گا۔"

"میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی فراز!" بیگم سجاد نے ملول آواز میں جواب دیا۔ "تم اپنی مرضی کے مختار ہو۔ اپنے اچھے بُرے کا فیصلہ کرنے کی تمیز رکھتے ہو۔"

"امی حضور! خدا کے لئے آپ مجھ سے خفا نہ ہوں۔" فراز نے ماں کے لہجے سے اُن کے دل کے درد کا اندازہ لگایا تو بے اختیار اپنی جگہ سے اٹھے اور ماں کے قدموں میں بیٹھ کر جلدی سے بولے۔ "آپ کے ہونٹوں پر خوشیاں برقرار رکھنے کے لئے تو میں اپنی جان کی بازی بھی لگا سکتا ہوں' شادی تو بڑی چھوٹی سی بات ہے۔"

"پھر مجھ سے وعدہ کیوں نہیں کر لیتا کہ تُو میری خوشی کی خاطر اپنا گھر بسا لے گا۔" بیگم کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو جھلملا اٹھے۔

"میں تیار ہوں امی حضور!" فراز نے ماں کی خوشیوں کے سامنے سر نگوں ہوتے ہوئے کہا۔ آپ جب چاہیں' جہاں چاہیں میری شادی کی بات طے کر لیں' مجھے آپ کی پسند اور آپ کے حکم سے انکار نہیں ہو گا۔"

اور بیگم سجاد نے فراز کا جواب سنا تو ممتا کے جذبے سے مغلوب ہو کر بے اختیار فراز کے چہرے کو اپنے ہاتھوں کے حلقے میں لے کر اُس کی پیشانی چوم لی۔

☆------☆------☆

نازلی کی باتوں نے مراد خاں کو سلیم کی طرف سے چوکنا ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

مراد خاں نے جس پیشے کو اپنا رکھا تھا اس میں احتیاط پہلی شرط تھی اور اسی لئے وہ اپنے سائے سے بھی ہوشیار رہنے کا عادی بن چکا تھا۔ اُس نے لوگوں میں یہ بات مشہور کر رکھی تھی کہ اُس کا باپ گاؤں میں رہتا ہے اور زمینوں کی آمدنی سے ہر ماہ ایک معقول رقم اُسے تعلیمی اخراجات پورے کرنے کے لئے بھیجتا رہتا ہے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ اس بات کا علم خود مراد خاں کو بھی نہیں تھا کہ اس کا باپ کون ہے اور وہ کس خاندان کا چشم و چراغ ہے' اُس نے جب ہوش سنبھالا تھا تو خود کو لکھنؤ کی ایک مشہور مغنیہ اور رقص کرنے والی فیروزہ بائی کے بالاخانے پر پایا تھا جہاں شہر کے بے شمار رؤسا سرِ شام ہی آ کر ڈیرہ جما لیتے تھے۔

مراد خاں نے اپنی زندگی کے سترہ سال اسی ماحول میں گزارے تھے۔ میٹرک کا امتحان بھی اُس نے لکھنؤ کے ایک مقامی اسکول سے پاس کیا تھا۔ ماحول کے رنگ ڈھنگ نے اُسے چرب زبانی' دیدہ دلیری اور موقعوں سے فائدہ اٹھانے کا درس دیا تھا لہٰذا وہ جرم کی راہوں پر چل نکلا۔ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد وہ الٰہ آباد آ گیا۔ ایک طوائف کی تربیت نے بے حد ذہین اور دوراندیش بنا دیا تھا۔ اگر وہ چاہتا تو اپنی ذہانت سے ترقی کی راہوں پر گامزن بھی ہو سکتا تھا۔ سیدھے اور کھرے راستوں پر چل کر عروج کی منزلیں طے کر سکتا تھا لیکن گناہ آلود ماحول کی ایک ایک بات اور عادتیں اُس کی سرشت میں داخل ہو چکی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ وہ لکھنؤ کو خیرباد کہنے پر مجبور ہو گیا۔

لکھنؤ میں رہ کر وہ اپنی من مانی نہیں کر سکتا تھا' ان راہوں پر آزادی سے آگے نہیں بڑھ سکتا تھا جو اُس نے اپنے لئے منتخب کی تھیں۔ فیروزہ بائی ہر چند کہ طوائف تھی

لیکن مراد خاں کے سلسلے میں اُس نے ہمیشہ محتاط جذبوں کے متقاضی فیصلے کئے تھے۔ وہ مراد خاں کو اپنے مستقبل کا سہارا بنانا چاہتی تھی۔ اُسے خدشہ تھا کہ لوگ مراد خاں کو جس نام سے پکاریں گے اور جس حیثیت کا احساس دلانے کی کوشش کریں گے وہ مراد خاں کو اس سے نفرت کرنے پر بھی مجبور کر دے گا۔ لہٰذا اُس نے دل پر پتھر رکھ کر مراد خاں کو الٰہ آباد جانے کی اجازت دے دی تھی۔

مراد خاں نے الٰہ آباد آ کر سول لائنز کے علاقے میں اپنی رہائش کا بندوبست کیا اور اپنی پڑھائی کا سلسلہ جاری رکھا۔ تین سال تک وہ برابر ہر امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہوتا رہا لیکن بی اے کے آخری سال میں پہنچ کر اس نے حالات کے پیش نظر اپنی روش بدل ڈالی اور متواتر جان بوجھ کر دیدہ و دانستہ فیل ہوتا رہا۔ کالج کے اوباش لڑکوں کی دوستی نے مراد خاں کو کھل کھیلنے کا موقع فراہم کر دیا تھا' چنانچہ اُس نے ان راہوں پر چلنا شروع کر دیا جس کا انتخاب اُس نے پہلے سے کر رکھا تھا۔ شروع شروع میں اُسے مایوسی بھی ہوئی مگر رفتہ رفتہ اُس نے ان راستوں پر اپنے قدم مضبوطی سے جمانے شروع کر دیئے اور اپنے منصوبوں کے دائروں کو وسیع سے وسیع تر کرنے لگا۔

بزرگوں کا قول ہے کہ خدا ظلم کی رسی دراز کر دیتا ہے اور بھٹکے ہوئے انسانوں کو زیادہ ڈھیل دی جاتی ہے' مراد خاں کے ساتھ بھی یہی ہو رہا تھا۔ اُس نے اپنے اردگرد بااثر اور کام کے لوگوں کا مجمع اکٹھا کر لیا تھا اور اُن کی دوستی سے آڑے وقتوں میں فائدہ اٹھاتا تھا۔ بلیک میلنگ' اسمگلنگ اور ایسے ہی دوسرے جرائم کی راہوں پر چلتے چلتے مراد خاں شاطرانہ چالوں کا ماہر ہو گیا تھا لیکن اُس نے ابھی تک ان رازوں کو محض اپنی ذات تک محدود رکھا تھا' کسی کو اپنا ہم راز بنانے کی حماقت نہیں کی تھی۔

اب مراد خاں کے پاس دولت کی کوئی کمی نہیں تھی' اُس نے اپنے قدم ایسے گھرانوں میں بھی جما رکھے تھے جو معاشرے کی نظروں میں انتہائی باعزت اور پُروقار سمجھے جاتے تھے۔ مراد خاں معزز خاندانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانا اپنا حق سمجھتا تھا اور شاید یہی وجہ تھی کہ وہ ابھی تک قانون کی دسترس سے محفوظ رہا تھا اور اُس پر کوئی آنچ نہیں آنے پائی تھی' اُس کے ہاتھ جرائم کے راستوں پر پھیلتے جا رہے تھے۔ دولت اُس کا ایمان بن چکی تھی' دوستی کے نام پر وہ محض دنیا دکھاوے کے لئے دم بھرنا ضروری سمجھتا تھا لیکن دوست نام کی کسی چیز پر یقین رکھنا اور دوستوں پر اعتماد کر لینا اُس کے اصول کے خلاف تھا۔ آہستہ آہستہ اُس نے فیروزہ بائی سے بھی قطع تعلق کر لیا تھا اور صاف لفظوں میں لکھ

دیا تھا کہ اگر اُسے زیادہ تنگ کیا گیا تو وہ بالغ ہونے کی حیثیت سے قانون کے ذریعے اپنی خودمختاری کا پروانہ بھی حاصل کر لے گا۔

غرضیکہ مراد خاں اب ہر طرح آزاد تھا اور اپنی ذہانت کی وجہ سے جرائم کے راستوں سے دولت کے انبار سمیٹ رہا تھا' دوسرے کام کے آدمیوں کی طرح اُس نے سلیم کو بھی اپنے قریب کر رکھا تھا بلکہ سلیم سے اُس کو ایک خاص لگاؤ بھی تھا اور اس ربط خاص کی وجہ صرف اتنی تھی کہ کالج میں داخلہ لینے کے بعد سب سے پہلے جس ہم جماعت نے اُس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا وہ سلیم ہی تھا چنانچہ مراد خاں دوسروں کے مقابلے میں سلیم کا زیادہ خیال رکھتا تھا لیکن جب نازلی نے اُسے سلیم کے لندن جانے کے ارادے میں کھوٹ اور خودغرضی کا احساس دلا کر اکسانے کی کوشش کی تو مراد خاں کو سلیم کے سلسلے میں پہلی بار سنجیدگی سے غور کرنا پڑا۔ ہرچند کہ مراد خاں کو نازلی کی ذات سے بھی کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی لیکن نازلی نے جس رنگ میں سلیم کی لندن روانگی کو پیش کیا تھا اُس نے مراد خاں کو محتاط ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

مراد خاں کو اس بات کا احساس بھی ہمیشہ لاحق رہا تھا کہ وہ جن راہوں پر دوڑ رہا ہے اُس کے کسی موڑ پر اسے ٹھوکر بھی لگ سکتی ہے۔ اس نے زندگی گزارنے کے لئے جن عادتوں کو اپنا لیا تھا قانون کی نظروں میں وہ عادتیں سنگین جرم تصور کی جاتی تھیں۔ قانون کے دوسرے مجرموں کی طرح کسی نہ کسی دن مراد خاں کی کھوج لگانے کی ضرورت بھی محسوس ہو سکتی تھی اور اسی خطرے کے پیش نظر اُس نے سلیم کو شہناز سے شادی کرنے پر رضامند کیا تھا۔ شہناز کے والد شہاب الدین کے بارے میں اسے خود سلیم نے یہ بات بتائی تھی کہ وہ وزارت داخلہ میں ڈپٹی سیکرٹری کے عہدے پر مامور ہیں لہٰذا مراد خاں نے سلیم کے شہناز سے وابستہ ہو جانے کے بعد درپردہ قانون کے ایک اہم ستون سے اپنا غائبانہ ربط قائم کر لیا اور وہ اس ربط سے کسی قیمت پر کنارہ کش ہونے کو تیار نہیں تھا۔ اس خیال کے باوجود کہ ممکن ہے نازلی نے محض اُسے سلیم کے خلاف اپنے انتقامی جذبوں کے تحت بھڑکانے کی کوشش ہو' مراد خاں نے یہ طے کر لیا تھا کہ وہ سلیم کو بہرحال لندن جانے سے روکنے کی بھرپور کوشش ضرور کرے گا اور اسی مقصد کے تحت اس وقت اُس نے سلیم کو اپنے پاس بلایا تھا۔ کچھ دیر تک وہ سلیم سے دوستانہ ماحول میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا پھر اصل مقصد کی طرف آتے ہوئے پوچھا۔

"سنا ہے تم لندن کی پرواز کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"تمہیں اس بات کا علم کس طرح ہوا؟" سلیم نے تعجب سے سوال کیا۔

"میرا نام مراد خاں ہے میرے دوست اور مراد خاں اپنے دوستوں سے کبھی غافل نہیں رہتا۔" مراد خاں نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب کہو' کیا یہ غلط ہے کہ تمہارے والد بزرگوار تمہیں لندن بھیجنے کا خیال رکھتے ہیں۔"

"تمہاری معلومات غلط نہیں ہیں۔" سلیم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "دراصل والد صاحب لندن میں بھی اپنے دفتر کی ایک برانچ قائم کرنا چاہتے ہیں اور اسی سلسلے میں ہی مجھے امکانات کا جائزہ لینے کی خاطر بھیجنا چاہتے ہیں۔"

"لندن میں تمہارا قیام کتنے عرصے رہے گا؟"

"تقریباً ایک سال۔" سلیم نے کہا۔ "والد صاحب نے اسی مدت کا اظہار کیا ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ شہناز سے آج کل تمہاری کچھ اَن بن چل رہی ہے۔" مراد خاں نے گہری سنجیدگی سے پوچھا۔

"مجھے اس کا یقین شادی سے پہلے سے تھا۔" سلیم نے ناگوار انداز میں جواب دیا۔ "جو حالات مجھے درپیش ہیں ان میں تمہاری مہربانیوں اور مشوروں کا بھی بڑا دخل ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"شہناز سے شادی کر لینے کے سلسلے میں تم ہی نے مجھے مجبور کیا تھا۔" اس بار سلیم کے لہجے میں طنز کی آمیزش بھی تھی۔

"میرا خیال تھا کہ تم کم از کم بیوی کے سلسلے میں زن مریدی اختیار نہیں کرو گے۔" مراد خاں لاپرواہی سے بولا۔

"اب تم میرے زخموں پر نمک پاشی بھی کر رہے ہو۔" سلیم نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔ "کیا میں نے تمہیں پہلے باور نہیں کرایا تھا کہ شہناز بیگم کے والد صاحب قبلہ کس عہدے پر تعینات ہیں اور میرے والد سے اُن کے تعلقات کس قدر دیرینہ اور گہرے ہیں۔"

"یہ صورتِ حال تو نازلی کے ساتھ بھی تھی ..... وہ بھی بڑے باپ کی بیٹی ہے لیکن تم نے اُس کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی تھی۔"

"کوئی اور بات کرو مراد!" سلیم جھلائے ہوئے لہجے میں بولا۔ "اب تو مجھے شہناز کے نام سے ہی اختلاج ہونے لگتا ہے' جب دیکھو پنجے جھاڑ کر میرے پیچھے پڑی رہتی ہے ..... یہ نہ کرو ..... وہ نہ کرو' یہاں آؤ ..... وہاں مت جاؤ ..... مغرب کی

اذان سے پہلے گھر پہنچنے کی عادت ڈالو' ..... خدا کی قسم اتنی پابندیاں اور بندشیں تو کبھی قبلہ والد صاحب اور والدہ صاحبہ کی طرف سے بھی عائد نہیں کی گئیں جتنی شہناز بیگم کرنا چاہتی ہیں۔"

"اور تم غالباً ان ہی بندشوں سے عارضی نجات حاصل کرنے کے لئے لندن جانے پر فوراً آمادہ ہو گئے ہو گے۔"

"ظاہر بات ہے۔" سلیم نے تیزی سے کہا۔ "کچھ عرصہ تو عافیت اور آزادی سے گزر جائے گا۔"

"لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم لندن جاؤ۔" مراد خاں سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولا۔ "کوشش کرو کہ تمہارا جانا ملتوی ہو جائے۔"

"کیوں ..... کیا اس میں بھی کوئی خاص مصلحت ہے؟"

"تم مصلحت کے بجائے اسے میری درخواست بھی سمجھ سکتے ہو۔"

"لیکن ..... اس درخواست کی بھی کوئی نہ کوئی معقول وجہ ضرور ہو گی۔" سلیم نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

"یوں سمجھ لو کہ اگر تم نے میرے مشورے پر عمل نہ کیا تو شاید تمہاری غیر موجودگی میں میں بھی تمہارے لئے کچھ نہ کر سکوں گا۔"

"کیا مطلب؟" سلیم نے چونکتے ہوئے کہا۔

"تم نے نازلی کو شیشے میں اتارنے کے لئے جو محبت بھرے خطوط تحریر کرنے کی حماقت کی تھی وہ آج بھی اُس کے پاس بطور ثبوت موجود ہیں۔" مراد خاں نے سلیم کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے محض تمہاری خاطر نازلی کو زبان بند رکھنے پر مجبور کر دیا ہے لیکن مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وہ اب بھی تم سے انتقام لینے کی فکر میں ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو میرے پاس بھی نازلی کے ایک دو خطوط موجود ہیں۔" سلیم تلملا کر بولا۔ "اگر اُس نے مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کی تو پھر میں بھی اُسے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گا۔"

"عقلمندی سے کام لینے کی کوشش کرو سلیم صاحب!" مراد خاں نے پینترا بدل کر کہا۔ "نازلی کو رسوا کرنے کے لئے تو خیر میرے پاس بھی ڈھیر سارا مواد موجود ہے جو اُسے خودکشی کرنے پر بھی مجبور کر سکتا ہے لیکن اگر تم یہاں موجود ہی نہ ہوئے تو بھلا میں کیا کر

سکوں گا۔"

"تمہیں نازلی کے ارادوں کا علم کس طرح ہوا؟" سلیم نے ہونٹ کاٹتے ہوئے پوچھا۔

"مونا نے بتایا ہے۔" مراد خاں سنجیدگی سے بولا۔ "نازلی کو بھی اس بات کا علم ہو گیا ہے کہ تم طویل عرصے کے لئے الٰہ آباد سے باہر جا رہے ہو۔ چنانچہ اُس نے تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے خلاف زہر اگلنے کا منصوبہ بنایا ہے۔"

"لیکن میری غیر موجودگی میں مجھے کیا نقصان پہنچا سکتی ہے؟" سلیم نے بدستور الجھتے ہوئے انداز میں سوال کیا۔

"اس کا جواب تو تمہاری نازلی بیگم ہی بہتر طور پر دے سکتی ہیں' ویسے میرا خیال ہے کہ اگر تمہارے معاشقے کا تحریری ثبوت تمہارے والد بزرگوار کو مل گیا تو نہ صرف یہ کہ وہ غصے میں آ کر تمہیں جائداد سے عاق کر دینے کی حد تک سوچ سکتے ہیں بلکہ اس کا اثر تمہاری ازدواجی زندگی پر بھی بہت گہرا پڑے گا۔" مراد خاں نے سلیم کو تصویر کا دوسرا رخ دکھاتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "ان حالات کے پیش نظر تمہارا لندن جانا کس حد تک مناسب ہو گا اس کا اندازہ تم خود بھی لگا سکتے ہو۔"

"گویا یہ میرا عارضی سکون بھی نازلی کی وجہ سے تہہ و بالا ہو جائے گا۔" سلیم نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"میں نے تم کو بہرحال حالات سے باخبر کر کے اپنا فرض ادا کر دیا' اب تم جانو اور تمہارا کام۔" مراد خاں لاپرواہی سے بولا۔

"میں تمہارا شکر گزار ہوں مراد! لیکن یہ بھی طے ہے کہ میں نازلی سے اتنی آسانی سے شکست تسلیم نہیں کروں۔" سلیم نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔ "میرے پاس ابھی کچھ ٹرمپ کارڈس ایسے بھی ہیں جو اس ناگن کو زخمی کرنے کے لئے نہایت مؤثر ثابت ہوں گے۔"

"ناگن زخمی ہو تو اور زیادہ خطرناک ہو جاتی ہے۔" مراد خاں نے دبی زبان میں کہا۔

"اس کا فیصلہ بھی بہت جلد ہو جائے گا میرے دوست کہ کون کتنا خطرناک بن سکتا ہے۔" سلیم نے غصے میں نچلا ہونٹ کاٹتے ہوئے سرد آواز میں کہا پھر کچھ سوچ کر اٹھا اور مراد خاں کو وِش کرتا ہوا رخصت ہو گیا۔

مراد خاں کے ہونٹوں پر ابھرنے والا تبسم بے حد خطرناک اور پُراسرار نظر آ رہا تھا۔

☆------☆------☆

ناہید کو میکے آئے تین دن ہو گئے تھے۔

اِن تین دنوں میں اُس نے دل کے سارے غبار کو آنسوؤں کی شکل میں بہا ڈالنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ سارا دن وہ ماں اور بھائی کے سامنے اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹیں سجائے رکھتی اور رات کو جب سب سو جاتے تو وہ گھپ اندھیروں میں لیٹی اپنی محرومیوں پر آنسو بہاتی رہتی۔

شاکرہ خاتون نے بیگم سجاد کے جانے کے بعد شکرانے کی نہ جانے کتنی نفلیں پڑھ ڈالی تھیں' سمدھن کی زبانی اولاد کی خوشی کی خبر سن کر تو جیسے اُن کی ممتا میں ابال آ گیا تھا۔ دن بھر وہ باتوں باتوں میں بیٹی کو نہ جانے کیا کیا نصیحتیں کرتیں' اپنے تجربات کی روشنی میں اونچ نیچ سے آگاہ کرتی رہتیں اور زیادہ سے زیادہ آرام کرنے کا مشورہ دیتی رہتی تھیں' وزنی چیزوں کو اٹھانے سے روک دیتیں' وہ ذرا تیز قدم اٹھاتی تو ٹوک دیتیں' غرضیکہ ایک ایک بات کا خیال رکھتی تھیں اور ناہید قسمت کی ان ستم ظریفیوں کو ہنس ہنس کر برداشت کرتی۔ قدرت نے اُسے جس نئے مذاق سے دوچار کیا تھا وہ اکثر اس مذاق کے سنگین نتائج پر غور کرتی تو خود ہی اپنے وجود میں سمٹ کر رہ جاتی۔ کبھی اُس کا دل چاہتا کہ ضبط کے ان بندھنوں کو توڑ کر آزادی حاصل کر لے۔ چیخ چیخ کر دنیا والوں کو بتا دے کہ اُس کی کوکھ ابھی تک ویران ہے۔ ممتا کی حسرتوں میں آرزوؤں اور امیدوں کے جو خواب دیکھے جا رہے ہیں وہ سب جھوٹے ہیں ..... بہتان ہیں ..... اور حقیقت صرف اتنی ہے کہ وقت نے اِن ہونٹوں پر مہر لگا دی ہے ..... لیکن

ناہید نے اپنے ہونٹ سی لئے تھے' وہ ماں کی ان عارضی خوشیوں کو برباد نہیں کرنا چاہتی تھی جس نے اُن کے بوڑھے وجود میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی تھی' زندہ رہنے کا ایک نیا حوصلہ پیدا کر دیا تھا۔ اگر اس کے دل کی کربناک چیخیں نوکِ زبان تک آ جاتیں تو ماں کا دل ٹوٹ جاتا۔ اولاد کی خوشیوں کی خبر سننے کے بعد وہ اُس کے ارمانوں کا جنازہ اٹھنے کی روداد سنتیں تو اُن کا کلیجہ پھٹ جاتا۔ وہ شاید اس صدمے کو برداشت نہ کر پاتیں۔

ماں کے علاوہ ناہید کو ساس کی خوشیوں کا بھرم بھی قائم رکھنا تھا' اسے جس گھر میں زندگی گزارنا تھی وہ اُس کے مکینوں کو کوئی دکھ' کوئی غم نہیں دینا چاہتی تھی' اُسے کسی سے کوئی شکوہ' کوئی گلہ نہیں تھا۔ اُسے تو تقدیر کا لکھا سہنا پڑ رہا تھا۔ قدرت نے قسمت میں جو

رقم کر دیا تھا وہ اُسے اپنے ناتواں ہاتھوں سے بھلا کس طرح مٹا سکتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ اُس نے خود کو کسی ٹھہرے ہوئے سمندر کی پُرسکون لہروں کی طرح خاموش کر لیا تھا۔ یہ اور بات تھی کہ اُس کے اندر ہزاروں طوفان پوشیدہ تھے جو ایک ذرا سی ٹھیس سے بپھر اٹھنے کے لئے مچلنے لگتے تھے۔

اکثر وہ سوچتی کہ ان حقیقتوں کو کب تک پوشیدہ رکھ سکے گی' کب تک خود فریب کھا سکے گی اور دوسروں کو فریب میں مبتلا رکھ سکے گی۔ ایک نہ ایک دن تو حالات کا بھرم ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا' کبھی نہ کبھی تو حقیقتیں بے نقاب ہو کر رہیں گی۔ پھر..... اس وقت کیا ہو گا؟ ..... اس وقت وہ ماں کو کیا منہ دکھائے گی' بیگم سجاد سے کیا کہے گی؟ ..... کچھ کہنے کا یارا بھی ہو گا یا نہیں؟ حالات کی یورشیں کیا اُسے اتنی مہلت دیں گی کہ وہ اپنے اجڑنے کی داستان دوسروں کو سنا سکے؟ ..... طوفان کی شدتیں کیا اُسے ثابت قدم رہنے دیں گی؟ ..... دل کا شیشہ ٹوٹ کر چکنا چُور ہو گا تو اُس کی کرچیں بھی خود اُسی کے وجود کو زخمی کریں گی ..... اس تڑپ کا تماشہ کون دیکھے گا؟ ..... کون اُس کے درد کا درماں کر سکے گا؟ ..... کون اُس کے زخموں پر مرہم رکھے گا؟ ..... اتنی فرصت کسے ہو گی؟ ..... اور

جب مستقبل کے ہولناک اندیشے اُس کے حال پر سیاہ بادلوں کی طرح چھانے لگتے تو وہ تڑپ تڑپ اٹھتی' اندر ہی اندر دل مسوس کر رہ جاتی' اپنی بے بسی پر بے اختیار آنسو بہانے لگتی' اپنی محرومیوں کا ماتم کرتی اور جب تھک کر نڈھال ہو جاتی تو آنسو پونچھ کر پھر حال کے فریب سے بہلنے کی کوشش شروع کر دیتی ..... وقت اور حالات نے اُسے دھوپ چھاؤں کا کھیل کھیلنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس وقت بھی وہ شام کی چائے پینے کے بعد اپنے کمرے میں آ گئی تھی اور شاکر سے باتوں میں مصروف تھی کہ شازیہ ہنستی مسکراتی کمرے میں داخل ہوئی اور دروازے کے قریب ہی رک کر اُسے یوں سر تا پا غور سے گھورنے لگی جیسے اُس نے ناہید کو پہلی بار دیکھا ہو۔ ناہید اُس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ رہی تھی' شاید شازیہ کو بھی اس خبر کی بھنک پہنچ گئی تھی جس میں کوئی اصلیت' ایک ذرّہ برابر بھی صداقت نہیں تھی لیکن حالات نے اس بے بنیاد خبر کو بڑے خوبصورت رنگوں سے بنا سجا کر حقیقت کا روپ عنایت کر دیا تھا۔ ایسا حسین اور خوبصورت روپ جو اوپر سے بڑا دلکش' بڑا دل نواز اور بے حد مسحور کن تھا لیکن اندر سے بالکل بے جان' کھوکھلا اور انتہائی اذیتناک تھا۔

وہ چند ساعت تک شازیہ کو تکتی رہی لیکن جب شازیہ کی شوخی اور شرارتوں نے اُسے زیادہ پریشان کر دیا تو نہ جانے کیوں اُس نے بھی پہلی بار چھوئی موئی کے معصوم پودے کی طرح شرما کر اپنے وجود میں سمٹنے کی کوشش کی' پہلی بار اُس کے بے جان ہونٹوں کے گداز پر بڑے عرصے کے بعد ایک شوخ اور جاندار سا تبسم جاگ اٹھا۔ شاید اک لمحے کے لئے شازیہ کی معنی خیز نگاہوں کی تاب نہ لا کر وہ خود بھی حالات کے فریب میں آ گئی تھی۔

"شاکر میاں!" شازیہ کی زندگی سے بھرپور آواز اُس کے کانوں میں گونجی۔ "تمہیں خالہ جان باہر بلا رہی ہیں۔"

"یہ کیوں نہیں کہتیں باجی کہ آپ مجھے ٹالنا چاہتی ہیں۔" شاکر نے بڑی معصومیت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ماشاء اللہ ..... خاصے سمجھدار ہوتے جا رہے ہو۔" شازیہ بولی۔ "کسی وقت خالہ جان سے نظر ضرور اُتروا لینا۔"

شاکر نظریں جھکا کر مسکراتا ہوا کمرے سے چلا گیا تو شازیہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ناہید کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔ بڑی بوڑھیوں جیسے انداز میں اُس نے ناہید کی ٹھوڑی پر انگلی رکھ کر اُس کا چہرہ اوپر کرنے کی کوشش کی تو ناہید نے شوخی سے اُس کا ہاتھ جھٹک دیا' مسکرا کر بولی۔

"بس رہنے دے بے مروت ..... میں تین روز سے آئی ہوئی ہوں اور تُو نے آج شکل دکھائی ہے۔"

"اس بے مروتی کی وجہ تو خیر میں بعد میں بتاؤں گی ..... پہلے تو یہ بتا کہ یہ خبریں جو اڑتی پھر رہی ہیں اِن کا کیا چکر ہے۔" شازیہ نے شوخی سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ محسن بھائی کی صحبت نے تیرے اوپر بھی بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔" ناہید نے شازیہ کی بات اڑاتے ہوئے کہا۔

"یہ اندازہ کیسے لگا لیا جناب نے؟"

"تیرے تفتیش کرنے کے انداز سے۔"

"باتوں میں ٹالنے کی کوشش مت کرو ناہید بیگم!" شازیہ سنجیدگی سے بولی۔ "سیدھی طرح بتاؤ کہ تم سے اتنی جلدی یہ حماقت کیسے سرزد ہو گئی۔"

"نصیب کا کھیل سمجھ لو۔" ناہید مسکرا کر بولی۔ "میرا بھلا کیا اختیار تھا۔"

"اختیار کی بچی!" شازیہ نے اُسے غصے سے گھورتے ہوئے کہا۔ "یہ کیوں نہیں کہتی کہ تجھے خود ہی بچے پیدا کرنے کا شوق چرایا ہو گا۔"

"خدا سمجھے تجھ سے۔" ناہید جھینپتے ہوئے بولی۔ "جو منہ آتا ہے بک دیتی ہے۔"

"اور نہیں تو کیا' تیرے کارنامے پر خوشی سے ناچنا شروع کر دوں۔" شازیہ بدستور سنجیدہ تھی۔ "ارے دیوانی' شادی کے بعد یہی تین سال تو ہوتے ہیں جب عورت زندگی کی رنگینیوں سے لطف اندوز ہو سکتی ہے' شوہر کے ساتھ سیر و تفریح کر سکتی ہے اور شوہر کو اپنے ناز نخروں سے رجھا کو اپنی مٹھی میں کر سکتی ہے لیکن تُو نے تو لٹیا ہی ڈبو دی۔ دیکھ لینا خود ہی سر پکڑ کر روئے گی۔ میری بنو! اگر ایک بار تُو نہالچوں میں الجھ گئی اور آغوں غٹے' منا لگائے ٹھٹھے' کے چکر میں پھنس گئی تو منصور کو تیری خاک بھی فکر نہ ہو گی۔ یہ مرد بڑے مطلبی اور نہایت خودغرض ہوتے ہیں' جب تک بیوی سے ان کا مطلب پورا ہوتا رہتا ہے تلوے چاٹنے پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں لیکن جب مطلب نہ نکل سکے' یہ طوطوں کی طرح نظریں بدل لیتے ہیں اور پلٹ کر یہ بھی نہیں پوچھتے کہ بیوی زندہ ہے یا مر گئی ..... بڑے ہی مطلب پرست ہوتے ہیں۔"

ناہید خاموش بیٹھی شازیہ کی باتیں سنتی رہی اور ہولے ہولے مسکراتی رہی۔ پھر شازیہ خاموش ہوئی تو اُس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یہ تجھے اتنی جلدی اتنے ڈھیر سارے تجربے کیسے ہو گئے کہ دادی اماؤں کی طرح بیٹھی باتیں بنا رہی ہے۔"

"اور تُو میری باتوں کو گرہ میں باندھنے کے بجائے بیٹھی ہنس رہی ہے۔" شازیہ بولی۔ "یاد رکھ ناہید! اگر تُو نے ابھی سے منصور بھائی کی رسی کھینچ کر نہ رکھی تو بعد میں خود ہی بیٹھ کر ٹسوے بہائے گی۔"

"کہتی تو خیر ٹھیک ہے لیکن یہ بتا کہ اب کیا کیا جا سکتا ہے' جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا۔" ناہید نے شازیہ کی باتوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے دریافت کیا۔

"مگر یہ سب ہوا کیوں؟" شازیہ بگڑ کر بولی۔ "کیا میں نے تجھے پہلے نہیں سمجھایا تھا کہ اس ٹیاؤں ٹیاؤں کے چکر میں پھنسنے کی حماقت نہ کرنا۔"

"سمجھایا تو تھا لیکن میں اب کیا کر سکتی ہوں؟" ناہید نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں اب تو تُو یہی کہہ آ بیل مجھے مار اور بچے جنوا جنوا کر صحت اور سکون دونوں کا بیڑا غرض کر دے۔"

اور شازیہ نے یہ جملہ کچھ ایسی بے ساختگی اور روانی سے منہ بنا کر کہا کہ ناہید بے اختیار ہنس دی' بہت دیر تک بے تکلف سہیلیوں کے درمیان اسی قسم کی چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی پھر شازیہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اچھا یہ بتا کہ تیری ساس کا کیا عالم ہے' وہ تو اس خوشی پر پھولی نہیں سما رہی ہوں گی۔"

"ظاہر ہے۔"

"اور منصور بھائی کا کیا حال احوال ہے ..... وہ بھی تو خوش ہوں گے۔"

"ہاں۔" ناہید نے دل پر جبر کر کے جھوٹ بولا۔ "وہ بھی بے انتہا خوش ہیں۔"

"کچھ نام وغیرہ بھی سوچا۔" شازیہ پھر شوخ ہونے لگی۔ "بھئی میرا تو خیال ہے کہ اگر لڑکا ہو تو منصور بھائی کی مناسبت سے مسرور نام نہایت مناسب ہو گا اور اگر جیت تیری ہو تو ناہید کی نسبت سے تسنیم بھی چل سکتا ہے' تیرا کیا خیال ہے؟"

"کیا تیرے پاس ان باتوں کے سوا اور کوئی موضوع نہیں ہے؟" ناہید اکتائے ہوئے انداز میں بولی۔

"موضوع تو خیر ہزاروں ہیں لیکن میں تو موقع اور محل دیکھ کر بات کرنے کی عادی ہوں۔ اچھا یہ بتا کہ منصور بھائی تو روز آتے ہوں گے' ذرا مجھے اُن کی خبر بھی لینی ہے' صورت و شکل سے کتنے معصوم اور بھولے بھالے نظر آتے ہیں لیکن حرکت میں برکت سے نہیں چوکتے۔"

ناہید نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا' ایک پھیکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر بکھیر کر خاموش ہو گئی۔ شازیہ کی باتوں سے اب اُسے الجھن ہونے لگی تھی' وہ زیادہ دیر تک جھوٹی خوشیوں کا بھرم قائم نہیں رکھ سکتی تھی اور دل میں رستے ہوئے زخموں میں بھی تو اب ٹیس سی اٹھنے لگی تھی۔ اس بات کا خدشہ بھی لاحق تھا کہ اگر شازیہ نے منصور کو بچے کے سلسلے میں تنگ کرنے کی کوشش کی تو کہیں منصور اس سے بھی الجھ نہ پڑیں' اگر ایسا ہوا تو ان عارضی خوشیوں کا کمزور سہارا بھی اس سے چھن جائے گا۔

"کیا بات ہے ناہید!" شازیہ نے اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ "یہ تُو اچانک کس سوچ میں کھو گئی؟"

"تیری حماقت کی باتوں پر غور کر رہی تھی۔" ناہید نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

"جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ شاید ایسے ہی موقعوں کے لئے کہا گیا ہے۔" شازیہ

برجستہ بولی۔ "حماقت تو جنابہ نے فرمائی ہے اور کس ڈھٹائی سے مجھے احمق گردانا جا رہا ہے۔ ٹھیک ہے بی بی! اگر تم کو میری باتیں ناگوار گزر رہی ہیں تو میری جوتی کو بھلا کیا غرض پڑی ہے جو کسی کے پھٹے میں پیر پھنساتی پھروں۔ اے ہاں' میری بلا سے' کس کی بکری اور کون ڈالے گھاس۔ تم شوق سے بچے پیدا کرتی رہو' میرا کیا جائے گا' جیسا کرو گی ویسا آپ ہی بھرو گی۔"

شازیہ نے بڑی بوڑھیوں کے انداز میں ناہید کو چھیڑنے کے لئے جلی کٹی شروع کر دی تھیں۔ ناہید اب بھی چپ ہی رہی اور ابھی وہ سوچ ہی رہی تھی کہ کس طرح شازیہ کو دوسری باتوں میں الجھائے کہ شاکر نے اندر داخل ہو کر فراز کے آنے کی اطلاع دی۔ ناہید فراز کے آنے کی اطلاع پا کر تڑپ اٹھی۔ اُسے تو تین روز سے منصور کا انتظار تھا۔ اُس نے خود کو بہلانے کی خاطر نہ جانے کتنی بار سوچا تھا کہ منصور جذبات کی روانی میں جو تلخ باتیں کہہ گئے ہیں انہیں اس کا پچھتاوا بھی ضرور ہو گا' اُس نے منصور کے لئے اپنی زندگی' اپنی خوشیوں اور اپنی تمناؤں کی جو بھینٹ پیش کی تھی وہ منصور کو شرمندہ کر دے اور منصور ..... وہ اپنی ندامت کے احساس کا اظہار کرنے کے لئے ضرور آئیں گے ..... اُسے اُس لمحے کا بڑی شدت سے انتظار تھا ..... یہ انتظار دل کا بہلاوا بھی ہو سکتا تھا لیکن کتنا مسرت آگیں اور کس قدر خوابناک تھا ..... لیکن منصور نہیں آئے تھے' اُن کے بجائے فراز آئے تھے ..... اُس کا دل ایک بار ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔

"یہ فراز صاحب کس لئے تشریف لائے ہیں؟" شازیہ نے شاکر کے جانے کے بعد بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

"خود ہی چل کر پوچھ لے۔" ناہید نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں کوئی تیری طرح بقراط تو ہوں نہیں کہ ہر بات کی کھال ادھیڑنے بیٹھ جاؤں۔"

"میرا مطلب یہ تھا کہ ایسے موقع پر چچا کے بجائے باپ کو تیرا زیادہ خیال رکھنا چاہئے تھا ..... خیر۔" شازیہ نے معنی خیز انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "چچا بھی ایسا کوئی خاص بُرا نہیں ہے ..... یہ بھی چلے گا۔"

ناہید نے گھور کر شازیہ کو دیکھا پھر جلدی جلدی بالوں کی بکھری لٹوں کو آئینے کے سامنے جا کر سنوارا اور شازیہ کے ساتھ باہر بیٹھک میں آگئی جہاں فراز بیٹھے شاکرہ خاتون سے باتیں کر رہے تھے' شاکر غالباً اُن کے لئے چائے کے اہتمام کی خاطر بازار چلا گیا تھا۔

"تسلیم عرض کرتی ہوں فراز صاحب!" شازیہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب۔" فراز اٹھتے ہوئے بولے۔ "اچھا ہوا جو آپ سے بھی ملاقات ہو گئی۔"

"آپ تو ایسے کہہ رہے ہیں جو میری طرف بھی جانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔"

"خیال تو تھا لیکن مجھے یقین نہیں تھا کہ محسن گھر پر مل سکے گا۔" فراز نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔ "دراصل آج کل اُس کی خفیہ سرگرمیاں کچھ بڑھتی جا رہی ہیں۔"

"اب میں ان باتوں میں نہیں آؤں گی۔" شازیہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ "محسن مجھے آپ کی شرارتوں کے بارے میں پہلے ہی بہت تفصیل سے بتا چکے ہیں۔"

"اچھا شازیہ بیٹی! اب تم اور ناہید بیٹھ کر فراز میاں سے باتیں کرو' میں اتنی دیر میں کچھ ضروری کام کر لوں۔" شاکرہ خاتون شازیہ کو مخاطب کر کے بولیں پھر اندر زنانخانے میں چلی گئیں تو فراز دوبارہ اپنی جگہ بیٹھ گئے' شازیہ اور ناہید نے سامنے والی نشستوں پر جگہ سنبھال لی۔

"امی حضور کیسی ہیں؟" ناہید نے ساس کی خیریت دریافت کی۔

"امی حضور تو خدا کے فضل و کرم سے بخیر و عافیت ہیں لیکن آپ کے چلے آنے سے میری خیریت نظر نہیں آ رہی۔" فراز نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس وقت بھی اسی مقصد سے یہاں بھیجا گیا ہوں کہ آپ کو کل شام پانچ بجے تیار رہنے کو کہہ دوں۔ امی حضور دراصل کل شام کرنل سرفراز صاحب سے میرے کورٹ مارشل کے سلسلے میں گفتگو کا ارادہ رکھتی ہیں۔"

"اور آپ نے فرزین سے وابستہ ہونے کے لئے اپنی آمادگی کا اظہار کر دیا۔" ناہید نے حیرت سے پوچھا' جانے کیوں اُسے یہ بات سن کر دُکھ ہوا تھا۔

"امی حضور کی آنکھوں سے ٹپکے ہوئے آنسوؤں نے مجبور کر دیا تھا' ورنہ میں دیدہ و دانستہ کبھی مکھی حلق کے نیچے اتارنے پر تیار نہ ہوتا۔" فراز نے شوخی سے کہا پھر بڑی معنی خیز سنجیدگی سے بولے۔ "یوں بھی میں کسی کے آنسو نہیں دیکھ سکتا۔"

"پھر تو آپ بھی گئے ہاتھوں سے۔" شازیہ گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے بولی۔ "اگر آپ کی اس کمزوری کا علم آپ کی بیگم کو بھی ہو گیا تو اُن کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔ جب بھی آپ سے کوئی بات منوانا ہو گی ٹسوے بہانے بیٹھ جائیں گی۔"

"آنسوؤں' آنسوؤں میں بڑا فرق ہوتا ہے شازیہ بہن!" فراز نے ناہید کو گم صم دیکھ کر ایک بار پھر معنی خیز لہجے میں کہا۔ "جو آنسو ضرورت کی تکمیل کی خاطر زبردستی

بہائے جائیں وہ بڑے حقیر اور جھوٹے ہوتے ہیں لیکن وہ آنسو جو مجبوریوں کی عکاسی کریں اور صبر و ضبط کے تمام ٹھوس بندھنوں کو توڑ کر لرزتی' کانپتی اور تھرتھراتی پلکوں تک زبردستی آ جائیں' بڑے انمول اور نایاب ہوتے ہیں' میرے اختیار میں ہو تو ایسے انمول آنسوؤں کو کبھی زمین پر نہ گرنے دوں' اپنے دامن میں سمیٹ لوں۔"

ناہید نے فراز کی باتوں کی گہرائیوں کو پایا تو اُس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا' مجبوریوں اور بے بسی کے احساس نے کسی کی ہمدردی کا سہارا پا کر پھر تڑپنا شروع کر دیا تھا۔ اگر شازیہ نہ ہوتی تو شاید وہ ساون کے بادلوں کی طرح برس پڑتی لیکن اُس نے بڑے حوصلے سے دل کی دھڑکنوں پر قابو پایا اور احساسات کو کچلتے ہوئے بولی۔

"شازیہ' تم نے غالباً فرزین کو نہیں دیکھا' بڑی پیاری اور بھولی بھالی اور معصوم سی لڑکی ہے اور خاص طور پر اُس کا ہیئر سٹائل تو قیامت ہے' فراز بھائی نے تو امی حضور سے بھی کہہ دیا تھا کہ فرزین کا ہیئر سٹائل دیکھ کر بیا کے گھونسلے کا خیال آ جاتا ہے۔"

"اور اب آپ اسی گھونسلے میں بسیرا کرنے پر تیار ہو گئے؟" شازیہ نے براہ راست فراز سے شوخی سے پوچھا۔

"مقامِ عبرت ہے لیکن مجبوری بھی دامنگیر ہے۔" فراز بولے۔ "حالات نے کچھ ایسی ہی صورت اختیار کر لی ہے کہ اب مجھے بھی آنسو پی کر اپنے ہونٹوں پر تبسم سجائے رکھنا ہو گا' کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے۔"

ناہید نے چونک کر فراز کو دیکھا' فراز کی باتیں اُس کے دل کے زخموں میں نیزے کی انی بن کر چبھ رہی تھیں۔ شاید فراز کو اس کے حالات اور بدنصیبیوں کا علم ہو چکا تھا' جبھی تو آج وہ ایسی باتیں کر رہے تھے۔ غالباً ڈھکے چھپے الفاظ میں ناہید کو بتانا چاہتے تھے کہ اُس کی طرح وہ بھی قدرت کی ستم ظریفیوں کا نشانہ بن رہے ہیں' حالات نے انہیں بھی مجبوریوں سے ہمکنار کر دیا ہے۔ وہ فراز کی بات سن کر چپ نہ رہ سکی' آہستہ سے بولی۔

"آپ تو مرد ہیں فراز! اگر فرزین سے شادی نہیں کرنا چاہتے تو انکار کر دیجئے۔"

"پہلے یہی سوچا تھا لیکن اب ارادہ بدل دیا۔" فراز نے ناہید کے چہرے کو بغور تکتے ہوئے عجیب سوگوار انداز میں جواب دیا۔

"کیوں ..... اب کیا بات ہو گئی؟" ناہید کے بجائے شازیہ نے پوچھ لیا۔

"اب مجھے درد کی شدتوں کو سہنے کا سلیقہ آ گیا ہے' مجبوریوں پر ہنستے رہنے کا ڈھنگ سیکھ رہا ہوں۔" فراز نے شازیہ سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "پریکٹس جاری رہی تو رفتہ رفتہ

عادی بن جاؤں گا۔"

"خدا کے لئے فراز بھائی! مذاق میں بھی ایسی باتیں نہ کیجئے۔" شازیہ تیزی سے بولی۔ "آپ کے منہ سے تو ہنسنے ہنانے کی باتیں زیادہ اچھی لگتی ہیں۔"

"محسن کی موجودگی میں کبھی اس قدر ٹوٹ کر اپنی ہمدردی کا اظہار نہ کر بیٹھئے گا۔" فراز نے جلدی سے اپنی باتوں کا رنگ بدلتے ہوئے شوخی سے کہا۔ "بڑا ہی شکی مزاج واقع ہوا ہے' کہیں کوئی شبہ نہ کر بیٹھے۔"

"کبھی کر کے تو دیکھیں شبہ۔" شازیہ نے بناوٹی غصے سے کہا۔ "اگر اسی دن ساری انسپکٹری نہ جھاڑ دوں تو میرا نام بھی شازیہ نہیں۔"

"شاید آپ ہی کے خوف کا اثر ہے جو آج کل بیچارا دبلا ہوتا جا رہا ہے۔" فراز مسکرا کر بولے۔ "اب اتنا ظلم بھی نہ کیجئے غریب پر' بالکل ہی ناکارہ ہو جائے۔"

"چارہ تو خیر میں آپ کے دوست کو دونوں وقت ڈالتی ہوں لیکن آج کل انہیں خود ہی ڈائٹنگ کا شوق پیدا ہو رہا ہے۔"

"آنے دے محسن بھائی کو۔" ناہید نے بھی اپنے غموں کو بھلانے کی خاطر مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر تیرے خلاف کان نہ بھر دیئے تو کہنا۔"

"کان بھرنے کے ساتھ ساتھ اگر تُو پوری چابی بھی بھر دے جب بھی میری صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔" شازیہ بولی۔ "جہاں تک شوہر کے احترام کا سوال ہے تو میں اس سے کبھی غفلت بھی نہیں کرتی لیکن اگر بلاوجہ کوئی اینٹ مارے تو پھر میں پتھر سے اُس کا جواب دینا بھی جانتی ہوں۔"

"آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہئے شازیہ بہن!" فراز خود پر قابو نہ پا سکے۔ "شوہر بہرحال شوہر ہے' اگر وہ ظلم بھی کرے تو بھی بیوی کا فرض ہے کہ اُسے ہنس ہنس کر برداشت کرتی رہے' چھپ چھپ کر آنسو بہانے کی عادت ڈال لے اور شوہر کی تمام زیادتیوں کو زہر کے بجائے امرت کا گھونٹ سمجھ کر پیتی رہے اور جھوٹی اور بے بنیاد خوشیوں کا بھرم بھی برقرار رکھنے کے لئے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے زخموں کو رفو کرتی رہے۔"

"ماشاء اللہ۔" فراز کو شازیہ نے چھیڑتے ہوئے کہا۔ "آپ تو خاصے تجربہ کار اور بالغ لوگوں جیسی باتیں کرنے لگے ہیں۔ کہاں سے سیکھ لی ہیں یہ افسانوی باتیں؟"

"شاید شاکر آ گیا۔" ناہید نے بہانہ کیا پھر اٹھی اور اندر جانے لگی۔

بیٹھک کے دروازے پر پہنچ کر اُس نے پلٹ کر فراز کو ملتجی نظروں سے دیکھا اور

خاموش نگاہوں سے رحم کی بھیک مانگتی ہوئی پلکوں کی اوٹ سے چھلک اٹھنے کے لئے بے چین آنسوؤں کو پیتی ہوئی تیزی سے گھوم کر اندر چلی گئی۔ دل کی دھڑکنیں کسی طور رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ خود کو سنبھالنے کی خاطر ماں کی نگاہوں سے بچتی بچاتی اپنے کمرے میں آ گئی۔

فراز کی باتوں نے اُس کے وجود کو بید مجنوں کی طرح لرزہ براندام کر دیا تھا۔ فراز کو تمام حالات کا علم ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود نہ جانے کیوں ناہید کو یقین سا تھا کہ فراز اس کی خوشیوں کا بھرم قائم رکھنے میں بخل سے کام نہیں لے گا۔ وہ بڑی دیر تک خود کو سمجھاتی رہی' تسلیاں دیتی رہی پھر چہرے پر خوشیاں سجا کر دوبارہ بیٹھک میں آ گئی جہاں شاکرہ خاتون بھی موجود تھیں اور شازیہ اور فراز کے قہقہے بھی گونج رہے تھے۔

پھر جب ایک بار اُس کی اور فراز کی نگاہوں کا تصادم ہوا اور اُس نے فراز کی نگاہوں میں شرمندگی اور ندامت کا احساس ابھرتے دیکھا تو وہ جلدی سے سکون کا سانس لے کر چائے بنانے میں مصروف ہو گئی۔

☆======☆======☆

دوسری شام بیگم سجاد فراز کے ساتھ کرنل سرفراز کے ہاں جانے کے لئے آ گئیں' ناہید پہلے ہی تیار تھی۔ موقع کی مناسب کا خیال رکھتے ہوئے اُس نے گہرے نیلے رنگ کی سلمٰی ستاروں والے کام کی ساڑھی پہن لی تھی جس نے اُس کے حُسن کو بدلی کے چاند کی مانند اجاگر کر دیا تھا۔

شاکرہ خاتون نے بڑے تپاک سے سمدھن کا استقبال کیا انہیں چائے پلانا چاہی لیکن بیگم سجاد نے اُن سے معذرت طلب کر لی اور بہو کو لے کر کرنل سرفراز کی طرف روانہ ہو گئیں۔ ناہید ساس کے قریب پچھلی سیٹ پر بیٹھی تھی۔ گاڑی فراز چلا رہے تھے۔ لائٹ گرے کلر کے سوٹ میں اُن کی مردانہ وجاہت آنکھوں میں کھب رہی تھی۔ اگر حالات سازگار ہوتے تو ناہید فراز کو نظر اتروانے کا مشورہ ضرور دیتی لیکن وقت کے بے رحم ہاتھوں نے اُس کی زندہ دلی بھی چھین لی تھی۔

پچھلی نشست پر سر جھکائے خاموش بیٹھی وہ فراز کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ہر چند کہ اُسے یقین تھا کہ فراز اُس کی زندگی کے راز کو اپنی ذات تک محدود رکھیں گے اور اُس کی پریشانیوں میں اضافہ کا سبب نہیں بنیں گے لیکن وہ شازیہ کی موجودگی میں ان کی جذباتیت کا ردعمل بھی دیکھ چکی تھی۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں فراز ماں کے سامنے بھی اپنی

زبان تک کوئی ایسی بات نہ لے آئیں جو اُس کی زندگی کو نئے طوفانوں سے دوچار کر دے۔ اس وقت بھی بیگم سجاد کی خاموشی ناہید کے دل میں اسی خوف کو ہوا دے رہی تھی۔ اس نے ایک دو بار کنکھیوں سے ساس کی طرف دیکھا پھر جلدی سے نظریں جھکا لی تھیں' حالات نے اُسے خود اپنی ہی نظروں میں چور بنا دیا تھا' مجبوریوں نے کچھ اس طرح گھیرا تنگ کر دیا تھا کہ وہ بالکل ہی بے دست و پا ہو کر رہ گئی تھی۔

فراز بدستور نہایت سنجیدگی سے گاڑی ڈرائیو کرنے میں محو تھے' اُسے فراز کی یہ سنجیدگی بھی گراں گزر رہی تھی۔ عجیب سی گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ اگر اس کے اختیار میں ہوتا تو شاید وہ دروازہ کھول کر چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا کر اس اذیتناک گھٹن سے راہِ فرار اختیار کر لیتی لیکن یہ خیال محض اس کے احساس کی کربناکیوں کا پرتو تھا' وہ بھلا اس احساس کو عملی جامہ کس طرح پہنا سکتی تھی۔

"کیا بات ہے ناہید بیٹی! تم اس قدر چپ چپ سی کیوں ہو' کیا جی اچھا نہیں ہے؟"

بیگم سجاد کی شفقت بھری آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی تو اُس کے خیالات کا شیرازہ ٹوٹ کر بکھر گیا۔ جلدی سے نظر اٹھا کر اُس نے ساس کو دیکھا' ساس کے چہرے پر ممتا کا نور جاگ رہا تھا' لب و لہجے سے اپنائیت چھلک رہی تھی۔ ناہید نے سکون کا سانس لیا۔ پھر جلدی سے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

"میں فراز کے بارے میں سوچ رہی تھی امی حضور! ابھی سے جب یہ اس قدر سنجیدہ ہیں تو شادی کے بعد کیا ہو گا۔"

"ہو گا کیا۔" فراز نے ناہید کی بات سن کر تیزی سے کہا۔ "اپنی چندے آفتاب' چندے ماہتاب بیوی کے پیر دھو دھو کر پیا کروں گا اور دن رات اسی کے نام کی مالا جپتا رہوں گا۔"

"سن لیں ناہید بیٹی تم نے اس کی باتیں۔" بیگم سجاد فراز کی بات پر زیر لب مسکراتے ہوئے بولیں۔ "یا تو یہ شادی کی بات کو لاحول سمجھ کر شیطان کی طرح بھاگتا تھا یا اب کس ڈھٹائی بیوی کا دم بھرنے کا اعلان کر رہا ہے۔"

"مجھے تو پہلے ہی یقین تھا امی حضور کہ یہ اپنی رفیق حیات سے ٹوٹ کر محبت کریں گے۔" ناہید مسکرا کر بولی۔ "بڑی خوش نصیب ہو گی وہ لڑکی جسے فراز جیسا زندہ دل' نیک اور فرمانبردار شوہر ملے گا۔"

"اور میرے بارے میں کیا خیال ہے آپ کا۔" فراز نے اس بار ناہید کو مخاطب کیا۔

کیا یہ میری خوش نصیبی نہیں ہے کہ مجھے فرزین جیسی خوبصورت لڑکی کا رشتہ مل رہا ہے۔"

"میں آپ کو پیشگی مبارکباد پیش کرتی ہوں اس خوش نصیبی پر۔" ناہید نے آہستہ سے کہا۔

"تم بھی کس کی باتوں میں آ رہی ہو ناہید بیٹی!" بیگم سجاد بولیں۔ "اس کی باتوں کا کیا اعتبار' پل میں اولیا اور پل میں شیطان' خدا جانے اس کی کھوپڑی میں کیا بھرا ہوا ہے۔"

"یہ زیادتی ہے امی حضور!" فراز نے احتجاج کیا۔ "کم از کم ان محترمہ کے سامنے تو میرے بارے میں ایسا نہیں کہنا چاہئے ورنہ میری ہونے والی بیوی سے میری کمزوریاں بتانے بیٹھ جائیں گی اور پھر بعد میں بھگتنا مجھے پڑے گا۔"

"مطمئن رہئے۔" ناہید نے موقع دیکھتے ہی معنی خیز انداز میں برجستہ کہا۔ "میں اب ایسی بھی نہیں ہوں کہ ذرا ذرا سی بات دوسروں کو بتانے بیٹھ جاؤں۔"

"غلطیاں انسان سے ہی سرزد ہوتی ہیں محترمہ!" فراز نے ناہید کا مفہوم بھانپتے ہوئے وضاحت کی۔ "کبھی کبھی حالات ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں کہ دل کی بات زبان پر آ جاتی ہے لیکن اس میں محبت اور ہمدردی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے' دوسروں کا مذاق اڑانا مقصود نہیں ہوتا۔"

"اچھا بس رہنے دے اپنی منطق۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "اور ہاں ..... کہیں کرنل سرفراز صاحب کی موجودگی میں الٹی سیدھی ہانکنا نہ شروع کر دینا' ذرا زبان کو قابو میں رکھنا۔"

"مجھے اس بات کا پورا احساس ہے امی حضور کہ سسرال میں دل و زبان پر قابو رکھنا چاہئے۔" فراز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "رہا کرنل سرفراز صاحب کا معاملہ تو وہ یوں بھی ریٹائرڈ فوجی ہیں ..... کیا عجب کہ شادی کا مسئلہ بعد میں طے ہو اور کورٹ مارشل کا حکم پہلے سرزد ہو جائے۔ مجھے تو ابھی سے ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھانے کی عادت ڈالنی پڑے گی۔"

راستے بھر تینوں کے درمیان اسی قسم کی باتیں ہوتی رہیں' فراز اور بیگم سجاد کی پُرلطف باتوں نے ناہید کو بھی کچھ دیر کے لئے اپنا غم بھول جانے پر مجبور کر دیا تھا' وہ بھی گفتگو میں برابر کا حصہ لیتی رہی پھر جب کرنل سرفراز کی قیام گاہ قریب آ گئی تو بیگم سجاد کی طرح اُسے بھی سنجیدگی اختیار کر لینی پڑی۔

کرنل سرفراز نے بیگم سجاد کا استقبال ان کے شایانِ شان کیا۔ فرزین بھی پیش پیش تھی لیکن اس کے رکھ رکھاؤ میں وہ لچک نہیں تھی جو ہونا چاہئے تھی' حسب معمول اُس نے آج بھی زرق برق لباس پہن رکھا تھا اور نہایت آزادی اور بیباکی سے گفتگو کر رہی تھی' فراز نے ایک نظر بھر کر فرزین کو دیکھا پھر کنکھیوں سے ناہید کو دیکھتے ہوئے ماں کے پیچھے ہو گئے۔

کرنل سرفراز نے مہمانوں کی آؤ بھگت کے لئے خاص اہتمام کر رکھا تھا' جب تک چائے کا دور چلتا رہا اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر فرزین کسی کام سے اٹھ کر اندر گئی تو بیگم سجاد نے موقع غنیمت جان کر دبی زبان میں اپنا عندیہ بیان کرتے ہوئے کہا۔

"سرفراز بھائی! آج میں آپ سے ایک انمول چیز مانگنا چاہتی ہوں لیکن اس بات کا خدشہ بھی پیش نظر ہے کہ کہیں میری جسارت آپ کو ناگوارِ خاطر نہ گزرے۔"

"یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں بھابی صاحبہ!" کرنل سرفراز نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "اوّل تو میرے پاس ایسی کوئی قیمتی اور نایاب چیز نہیں ہے جو میں آپ کی خدمت میں پیش کر سکوں' دوسرے یہ کہ آپ نے مجھے اتنا بداخلاق کیوں سمجھ لیا کہ میں گھر آئے مہمانوں کی دل شکنی کروں گا۔ آپ جو مانگنا چاہتی ہیں بے تکلف ہو کر مانگیں اگر بات میرے اختیار کی ہوئی تو میں آپ کے حکم سے انکار نہیں کروں گا۔"

"میری درخواست صرف اتنی سی ہے سرفراز بھائی کہ آپ فرزانہ کو مجھے دے دیں۔" بیگم سجاد مسکرا کر بولیں۔ "فرزانہ کے عوض اگر آپ مناسب سمجھیں تو فراز کو مجھ سے لے سکتے ہیں۔"

"سودا بُرا نہیں ہے۔" کرنل سرفراز نے بڑی خوبصورتی سے ڈھکے چھپے الفاظ میں اپنی رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے اس ردوبدل پر کوئی اعتراض نہیں ..... آپ جب جی چاہے فرزین کو اپنے ساتھ لے جائیں اور فراز میاں کو مع بوریے بستر کے یہاں بھیج دیں۔"

فراز نے ایک نظر ماں کو دیکھا پھر خاموشی سے گردن جھکا لی۔ ناہید نے بزرگوں کی بات میں دخل اندازی مناسب نہیں سمجھی اس لئے خاموش رہی لیکن وہ فراز کے چہرے کے تاثرات ضرور پڑھ رہی تھی۔ جن نظروں سے فراز نے ماں کو دیکھا تھا اُن میں نہ جانے کتنی حسرتیں' کتنی التجائیں اور کس قدر ناکام آرزوئیں تڑپ رہی تھیں' وہ جانتی تھی کہ فراز کو یہ رشتہ پسند نہیں ہے لیکن ماں کی خواہشات نے انہیں سرنگوں کر دیا تھا۔ شاید

حالات نے فراز کو بھی اس کی طرح بے بس کر دیا تھا' وہ بھی زبان بند رکھنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

"زندگی کا کوئی اعتبار نہیں سرفراز بھائی! اس لئے میری خواہش ہے کہ اگر بقرعید کے چاند میں ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو جائیں تو زیادہ مناسب رہے گا۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "بات آپس کی ہے اس لئے ہمیں بے جا تکلفات کرنے کی بھی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔"

"فرزین جیسے میری بیٹی ہے ویسے ہی آپ کی بھی ہے۔" کرنل سرفراز اس بار سنجیدگی سے بولے۔ "اگر آپ نے ایک بار ایک بزرگ کی حیثیت سے اس کے حق میں کوئی فیصلہ کر ہی لیا ہے تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"مجھے یقین تھا سرفراز بھائی کہ آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔" بیگم سجاد نے اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "خدا آپ کی عمر دراز کرے اور اولاد کی ہزاروں خوشیاں دیکھنا نصیب کرے۔"

کرنل سرفراز جواب میں مسکرا دیئے پھر فراز کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"کیا بات ہے فراز میاں' یہ تم اتنی سنجیدگی سے سر جھکائے کیوں بیٹھے ہو؟"

"اپنی فرماں برداری کا ثبوت پیش کر رہا ہے۔" بیگم سجاد بیٹے کو ممتا بھری نظروں سے گھورتے ہوئے بولیں۔ "بڑی مشکلوں سے ساتھ آنے پر رضامند ہوا ہے۔"

"آپ سے انکار کیا ہو گا امی حضور!" ناہید نے فراز کو چھیڑنے کی خاطر کہا۔ "مجھ سے تو کل سے یہی رٹ لگا رکھی تھی کہ میں آپ سے ساتھ لے چلنے کی سفارش کر دوں۔"

"بہت خوب ..... یہ ہوئی نا بات۔" کرنل سرفراز قہقہہ لگا کر بولے۔ "کیوں ..... فراز میاں! کیا ناہید بیٹی غلط بیانی تو نہیں کر رہی۔"

"یہ ہمیشہ ٹھیک ہی کہتی ہیں انکل!" فراز آہستہ سے بولے۔ "ابھی راستے میں بھی مجھے قربانی کے بکرے کے خطاب سے نوازا گیا ہے۔"

"کیوں بہتان لگا رہا ہے میری بیٹی پر!" بیگم سجاد نے بڑی اپنائیت سے ناہید کی حمایت لیتے ہوئے کہا۔ "خود ہی تو تم اُسے راستے بھر تنگ کرتے رہے ہو۔"

"وہ تو خیر سب چلتا ہے بھابی صاحبہ لیکن فراز میاں نے اس وقت بقرعید کی مناسبت سے قربانی کے بکرے کی بھی خوب کہی۔" کرنل سرفراز نے بھی فراز کو چھیڑنے کی خاطر

مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس بات کی تو میں بھی داد دوں گی انکل!" ناہید بولی۔ "ویسے مجھے اس بات کا اندیشہ بھی ہے کہیں اب یہ باہر لان پر پہنچ کر باقاعدہ جگالی نہ شروع کر دیں۔"

"اسے کہتے ہیں نہلے پر دہلا ..... کیوں فراز میاں!" کرنل سرفراز نے ناہید کی بات پر ایک اور قہقہہ بلند کرتے ہوئے فراز سے کہا تو وہ لاجواب ہو گئے۔

"یہ فرزانہ بیٹی کہاں چلی گئی؟" بیگم سجاد نے ماحول سنجیدہ ہونے کے بعد دریافت کیا۔

"اندر اُس کی ایک پرانی سہیلی آئی ہوئی تھی' میرا خیال ہے اُسی کے ساتھ ہو گی۔" کرنل سرفراز نے کہا پھر ملازم کو آواز دے کر کہا کہ فرزانہ کو بلا لائے۔

"سرفراز بھائی! آپ ہمارے ہاں کب تشریف لا رہے ہیں؟" بیگم سجاد نے پوچھا۔

"اب تو آنا جانا لگا رہے گا۔" کرنل سرفراز نے جواب دیا۔ "ویسے اگر آپ مٹھائی کھلانے کا وعدہ کریں تو کل ہی آ جاؤں۔"

"ضرور تشریف لائیے ..... آپ کا اپنا ہی گھر ہے اور اب تو آپ کا منہ میٹھا کرانا بھی میرے اوپر فرض ہو گیا ہے۔" بیگم سجاد زیر لب مسکراتے ہوئے بولیں۔

"تم سناؤ ناہید بیٹی! تم کیسی ہو؟" کرنل سرفراز نے ناہید سے پوچھا۔ "منصور میاں تو خیریت سے ہیں؟"

"آپ کی دعائیں اور اللہ کی مہربانی ہے انکل!" ناہید نے نہایت ادب سے جواب دیا۔

اسی وقت ملازم نے اندر سے واپس آ کر بتایا کہ فرزین اپنی سہیلی کے ساتھ چلی گئی ہے۔ کرنل سرفراز کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ فراز اور ناہید کی نظریں ایک دم ہی سے ایک دوسرے کی جانب اٹھ گئیں' نگاہوں کا یہ تصادم سوالیہ نشان بن کر ایک دوسرے کے دل کی گہرائیوں میں کھٹکا تھا پھر دونوں ہی نے جلدی سے نظریں جھکا لیں' وقت کا یہی تقاضا تھا۔

"میں اب اجازت چاہوں گی سرفراز بھائی!" بیگم سجاد اٹھتے ہوئے بولیں۔ "فرزانہ بیٹی کو میری طرف سے بہت بہت دعائیں کہہ دیجئے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ فرزین کو آپ کے اس وقت آنے کی نوعیت کا علم نہیں تھا ورنہ....."

"آپس کی بات ہے سرفراز بھائی!" بیگم سجاد نے کرنل سرفراز کے چہرے پر عیاں ہونے والے خجالت کے تاثرات دیکھ کر جلدی سے کہا۔ "اور پھر یہی عمر تو ہوتی ہے گھومنے پھرنے کی ..... اور اس کی موجودگی میں شاید میں آپ سے اس طرح کھل کر بات بھی نہیں کر سکتی تھی۔"

"آپ بجا فرماتی ہیں بھابی صاحبہ لیکن اس کے باوجود فرزین کو اس طرح بن بتائے نہیں جانا چاہئے تھا۔"

"ابھی بچی ہے ..... خدا نے چاہا تو عمر کے ساتھ ساتھ سمجھ بھی آ جائے گی۔" بیگم سجاد مسکراتے ہوئے بولیں پھر قدم اٹھاتی گاڑی میں آ کر بیٹھ گئیں۔

فراز اور ناہید نے کرنل سرفراز کو دست بستہ سلام کیا پھر وہ بھی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ کرنل سرفراز کے گھمبیر چہرے پر شرمندگی کے تاثرات بدستور موجود تھے' فراز نے ایک بار پھر سر کو خفیف سا خم دے کر انہیں الوداعی سلام کیا پھر گاڑی روش سے گزار کر سڑک پر نکال لائے۔ راستے میں کچھ دیر تک خاموشی طاری رہی پھر بیگم سجاد نے ناہید کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارا کیا پروگرام ہے ناہید بیٹی!"

"امی جان نے کل شام ابرار انکل' محسن اور شازیہ کو چائے پر مدعو کیا ہے۔" وہ دبی زبان میں بولی۔ "اگر آپ اجازت دیں تو کل تک اور رُک جاؤں ورنہ جو آپ کا حکم ہو' وہ مجھے منظور ہے۔"

"اس میں اجازت کی کیا بات ہے بیٹی! دونوں ہی تمہارے اپنے گھر ہیں۔" بیگم سجاد نے ناہید کے سر پر بڑی محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "میرا ذاتی خیال بھی یہی تھا کہ تم کچھ دنوں اور شاکرہ بہن کے پاس رہ لو' وہاں تم کو آرام مل جائے گا۔"

"مجھے تو آپ کے قدموں میں زیادہ سکون ملتا ہے امی حضور!" ناہید نے انکساری کا مظاہرہ کیا۔

"جیتی رہو بیٹی! خدا تمہیں ہمیشہ سلامت رکھے۔"

"دودوں نہاؤ اور پوتوں پھلو والی دعا باقی رہ گئی ہے امی حضور! وہ بھی دے ڈالئے۔" فراز نے سنجیدگی سے کہا۔

"چپ رہ لڑکے ..... کبھی تو سوچ سمجھ کر بات کیا کر ..... تیرے تو جو منہ میں آتا ہے بک دیتا ہے۔" بیگم سجاد نے بیٹے کو پیار سے ڈانٹتے ہوئے کہا پھر بولیں۔ "پہلے

مجھے گھر چھوڑ دے پھر ناہید کو شاکرہ بہن کے ہاں چھوڑ آنا لیکن خبردار جو تُو نے راستے میں اس غریب کو تنگ کیا۔"

فراز مسکرا کر چپ ہو گئے۔

بیگم سجاد گھر پہنچ کر گاڑی سے اتریں تو ناہید بھی نیچے آ گئی' بیگم سجاد نے بہو کو گلے لگا کر اُسے ڈھیر ساری دعائیں دیں۔ ناہید نے نہایت ادب سے ساس کو سلام کیا پھر گاڑی میں بیٹھنے کے لئے گھومی تو پچھلی نشست کا دروازہ بند تھا' فراز نے اگلا دروازہ کھول دیا تھا' اُس نے ایک نظر فراز کے چہرے پر ڈالی پھر آہستہ سے اُن کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گئی' فراز نے بڑی آہستگی سے گاڑی پھاٹک سے باہر نکالی پھر اُسے کشادہ سڑک پر لے آئے۔

ناہید آج پہلی بار فراز کے ساتھ تنہا گھر سے باہر نکلی تھی۔ فراز نے نہ جانے کتنی بار اُسے سینما چلنے کی دعوت دی تھی۔ ساتھ گھومنے پھرنے کو کہا تھا لیکن ہر بار کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے وہ اُسے بڑی خوبصورتی سے ٹال گئی تھی لیکن آج وہ اُن کے ساتھ تھی بے حد قریب اور تنہا۔ بہت دیر تک وہ اپنے خیالوں سے الجھتی رہی' فراز سے کوئی بات نہیں کی۔ اس کا خیال تھا کہ فراز اُسے خود ہی مخاطب کریں گے لیکن وہ بھی چپ چپ سے بیٹھے تھے' جانے کیا سوچ رہے تھے' خاموشی طویل ہونے لگی تو اُسے ایک بار گھٹن کا احساس ہوا' نظر اٹھا کر فراز کی جانب دیکھا تو دھک سی رہ گئی۔ فراز خلافِ معمول اس وقت بے حد سنجیدہ اور اداس اداس سے دکھائی دے رہے تھے۔ چہرے پر دبیز اور کربناک بے بسی طاری تھی' یوں لگتا تھا جیسے وہ انسان نہ ہوں' پتھر کا کوئی بے جان بت نظر آ رہے تھے۔ آج سے پہلے اُس نے فراز کو کبھی یوں بے چین اور مضطرب نہیں دیکھا تھا' جانے وہ کن اذیتوں کا شکار نظر آ رہے تھے۔

"فراز!" وہ ضبط نہ کر سکی' دبی زبان میں بولی۔ "کیا سوچ رہے ہیں آپ؟"

"کچھ نہیں ..... کچھ بھی تو نہیں سوچ رہا۔" فراز کے لہجے میں تڑپ تھی' انہوں نے پلٹ کر ناہید کی طرف نہیں دیکھا' نظریں بدستور سڑک پر جمی ہوئی تھیں۔

"میرا خیال ہے کہ آپ فرزین کے ساتھ شادی کرنے پر خوش نہیں ہیں۔"

"میں آپ کے خیال کی تردید نہیں کروں گا۔" فراز کے لہجے میں درد کی شدتیں مچل رہی تھیں۔

"پھر ..... پھر آپ نے امی حضور سے کھل کر انکار کیوں نہیں کر دیا؟" ناہید الجھتے ہوئے بولی۔

"میں امی حضور کا دل دکھانا نہیں چاہتا تھا ..... اور ....." فراز نے پہلی بار پلٹ کر ناہید کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اور پھر آپ یہ کیوں بھول رہی ہیں کہ میں بھی منصور کا بھائی ہوں ..... بھائی جان بھی تو کسی اور کو چاہتے تھے لیکن امی حضور کے سامنے اُن کی زبان پر بھی تالے پڑ گئے تھے۔"

"فراز!" ناہید کے زخموں کو ٹھیس لگی تو وہ تڑپ اٹھی۔ "تقدیر کے لکھے کو کون ٹال سکتا ہے؟"

"مجھے یقین تھا آپ کا یہی جواب ہو گا۔" فراز نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "جب تقدیر کے لکھے پر آپ کو اس قدر یقین ہے تو پھر مجھے کس لئے مشورہ دے رہی ہیں۔"

"اس لئے ..... اس لئے فراز کہ ابھی بازی آپ کے اختیار میں ہے۔" وہ دل کی دھڑکنوں کو سمیٹتے ہوئے آہستہ سے بولی۔ "آپ فرزین کے بجائے کسی اور لڑکی کا بھی انتخاب کر سکتے ہیں' امی حضور نے آپ کو فیصلے کا اختیار بھی دیا ہے' وہ آپ کی بات رد نہیں کریں گی۔"

"میں جانتا ہوں لیکن....." فراز نے تیزی سے کچھ کہنا چاہا لیکن کہہ نہ سکے' ایک دم ہی خاموشی اختیار کر لی۔

"لیکن کیا؟" ناہید نے وضاحت چاہی۔

"میں گستاخی اور صاف گوئی کی معافی چاہتا ہوں ناہید صاحبہ!" فراز نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ "فیصلے اور انتخاب بار بار کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔"

اور فراز کا جواب سن کر ناہید کو جیسے سکتہ ہو گیا' دل کی دھڑکنیں اچانک ہی تیز ہونے لگیں' اُس نے گھور کر فراز کو دیکھا' وہ بہت بڑی بات کہہ گئے تھے۔ اُس نے فراز کی بات کی گہرائیوں کو محسوس کیا تو خود اُس کا اپنا دل بھی تڑپ اٹھا تھا۔ شاید فراز ابھی تک ماضی کی ان باتوں کو فراموش نہیں کر سکے تھے جنہیں وقت نے گرد آلود کر دیا تھا' اُس کا دل چاہا کہ فراز کو ایسا تلخ جواب دے کہ پھر کبھی وہ اشاروں کنایوں میں بھی ایسی بات زبان تک نہ لا سکیں لیکن وہ چاہنے کے باوجود ایسا نہ کر سکی۔ جانے کیا بات تھی کہ وہ فراز کو اپنی ذات سے کوئی دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔ کچھ لمحے خاموشی سے گزر گئے تو اُس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"زندگی کے راستے بڑے دشوار گزار اور کٹھن ہوتے ہیں فراز! آپ کو ابھی ان خارزاروں پر چلنے کا تجربہ نہیں ہے جو انسان کے پورے وجود کو زخمی کر دیتے ہیں' انگ

انگ سے لہو رستا ہے مگر دوسروں کو نظر نہیں آتا۔ ان زخموں کی ٹیس کبھی کبھی انسان کو مر جانے پر مجبور کر دیتی ہے۔"

"تجربہ نہ سہی لیکن مجھے درد کی ان شدتوں اور زخموں میں ابھرنے والی ٹیس کا اندازہ ضرور ہے۔" فراز آہستہ سے بولے۔ "اپنے غموں کے بوجھ تلے دب کر تو سب ہی تڑپ اٹھتے ہیں لیکن لطف تو جب ہے کہ انسان دوسروں کے درد سے بے چینی محسوس کرنا سیکھ لے۔"

"جن باتوں سے کچھ حاصل نہ ہو انہیں بھول جانا چاہئے۔" وہ روانی میں کہہ گئی۔

"کچھ باتیں انسان کے بس میں نہیں ہوتیں۔" فراز نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔

"لیکن اگر انسان اپنے غموں پر مسکرانے کی عادت ڈال لے تو درد کی شدتیں کچھ کم ضرور ہو جاتی ہیں۔"

"اس کے باوجود پیمانے کبھی کبھی لبریز ہو کر چھلک اٹھتے ہیں۔"

"فراز!" وہ سہم کر بولی۔ "میں آپ سے درخواست کرتی ہوں کہ اس راز کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھئے گا۔"

"میں جانتا ہوں ناہید صاحبہ!" فراز ایک سرد آہ بھر کر بولے۔ "طوفان جب تک تھمے رہیں زندگی کے فریب کا بھرم قائم رہتا ہے لیکن جس دن طوفانوں نے سر اٹھایا اُس دن کیا ہو گا؟"

"بہاریں خزاں میں بدل جائیں گی۔" ناہید کی آواز بھرا گئی' آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔

"زندگی کا شیرازہ بھی ٹوٹ کر بکھر سکتا ہے ..... ریزہ ریزہ ہو سکتا ہے۔" فراز جذباتی ہو گئے۔ "اتنا شدید گرد و غبار اٹھے گا کہ چہروں کی شناخت بھی دشوار ہو جائے گی۔"

"درد حد سے گزر جائے تو زخموں کے لئے تریاق بن جاتا ہے۔"

"آنکھوں کے سوتے خشک ہو جائیں تو دل کی آگ پانی سے نہیں بجھ سکتی۔"

"میں آپ کی بات کر رہی ہوں فراز!" ناہید نے الجھتے ہوئے کہا۔ "جب آپ فرزین کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتے تو جان بوجھ کر کیوں اپنی زندگی تلخ کرنا چاہتے ہیں۔"

"اس لئے ناہید صاحبہ کہ میں زندگی کے دوسرے رخ سے بھی لطف اندوز ہونا چاہتا ہوں۔" فراز زہرخند سے بولے۔ "زندگی تجربات ہی کا نام تو ہے۔"

"اور آپ بھی اپنے ساتھ ساتھ کسی اور کی زندگی حرام کر دیں گے۔" ناہید تڑپ کر

بولی۔

"مجھے یقین تھا کہ آپ کم از کم میرے سامنے وہ خول ضرور اتار پھینکیں گی جو بہت دنوں سے آپ نے اپنے وجود پر چڑھا رکھا تھا۔"

"کیا مطلب؟" ناہید چونک اٹھی۔

"میں وضاحت نہیں کروں گا لیکن آپ کو اس بات کا یقین ضرور دلاتا ہوں کہ اگر زندگی حرام ہوئی تو صرف میری ہو گی۔" فراز نے زخمی لہجے میں کہا۔ "فرازنہ کی آزادی پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔"

"لیکن ان باتوں سے آپ کو کیا فائدہ ہو گا۔"

"نفع اور نقصان تجارت میں دیکھا جاتا ہے محترمہ ..... زندگی کے قریبی رشتوں میں اگر تجارتی انداز اختیار کر لیا جائے تو دُور ایک دن ٹوٹ جاتی ہے۔ ترازو کے پلڑوں میں جھول آ جائے تو صداقتوں کا وزن نہیں کیا جا سکتا۔"

"کیا آپ میری بات بھی نہیں مانیں گے؟" ناہید کے لہجے میں التجا تھی لیکن جب اُسے خود اپنی بات کا احساس ہوا تو چور سی بن گئی۔ کچھ اور بن نہ پڑا تو اپنے ہونٹ دانتوں تلے بھینچ کر نظریں جھکا لیں۔

"میں آپ کی بات سے انکار نہیں کر سکتا لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا۔" فراز نے کہا۔ "امی حضور کرنل سر فراز کو فرزانہ کے سلسلے میں زبان دے چکی ہیں اور اب اگر میں نے انکار کیا تو اُن کا دل ٹوٹ جائے گا۔ اُن کی بات چھوٹی ہوئی تو میرا ضمیر مجھے اس خودغرضی کے لئے تمام زندگی ملامت کرتا رہے گا۔"

ناہید نے نظر بھر کر فراز کو دیکھا۔ اُن کا جواب معقول تھا اس لئے بات آگے بڑھانی فضول تھی' خاموش ہو گئی۔

"ایک درخواست آج میں بھی آپ سے کرنا چاہتا ہوں۔" فراز کچھ توقف کے بعد بولے۔ "اجازت ہو تو عرض کروں۔"

"کہئے۔" اُس نے آہستہ سے کہا۔

"وعدہ کیجئے کہ آپ آئندہ کبھی آنسو نہیں بہائیں گی اور حالات سے دل برداشتہ ہو کر کوئی غلط قدم اٹھانے کی کوشش نہیں کریں گی۔" فراز کے لہجے میں التجا تھی۔

"اور اگر میرے آنسو اختیار سے باہر ہو گئے تو۔" اُس نے بڑے معصوم انداز میں سوال کیا۔

"تو ..... تو انہیں میرے دامن کی زینت بنا دیجئے گا۔" اس بار فراز کی آواز کپکپا رہی تھی۔

"فراز!" ناہید کا چہرہ غصے کی شدت سے تمتما اٹھا۔ "آپ کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں۔"

"اگر آپ کو میری بات ناگوار گزری ہے تو میں معافی کا خواستگار ہوں لیکن خدا گواہ ہے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے اس میں میرے خلوص کے سوا کسی اور جذبے کو مطلق کوئی دخل نہیں تھا ..... بہرحال میں شرمندہ ہوں۔"

فراز کے لہجے میں تڑپ تھی' اپنائیت تھی۔ وہ فراز کا جوان سن کر گنگ سی رہ گئی۔ جانے روانی میں کیا سمجھی تھی اور ناسمجھی میں کیا کہہ گئی تھی۔ اس نے فراز کی طرف دزدیدہ مگر دوستانہ نگاہوں سے دیکھا لیکن فراز کی نظریں سڑک پر مرکوز تھیں' انہوں نے گاڑی کی رفتار بھی تیز کر دی تھی۔ چہرے پر اچانک بڑی کربناک سی سنجیدگی طاری ہو گئی تھی اور ندامت کے اظہار کے طور پر اپنا ہونٹ بار بار دانتوں تلے دبا کر کچلنے لگتے تھے۔ شاید وہ ناہید سے خفا ہو گئے تھے' اُس کی باتوں کا بُرا مان گئے تھے۔

ناہید کا دل چاہا کہ روٹھے ہوئے فراز کو منا لے لیکن گھر قریب آ گیا تھا' وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ فراز نے اُس کے دروازے کے قریب پہنچ کر گاڑی روکی پھر اجنبی انداز میں ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا' ناہید کے دل کو دھچکا سا لگا' اُس نے ایک نظر فراز پر ڈالی پھر خدا حافظ کہتی ہوئی آہستہ سے نیچے اتری اور تیز قدم اٹھاتی گھر کے اندر چلی گئی۔

☆------☆------☆

تیر کمان سے جدا ہو جائے اور بات زبان سے نکل جائے تو اُس کی واپسی ناممکن ہوتی ہے۔

منصور بھی کچھ دنوں سے ایسی ہی کیفیتوں سے دوچار تھے۔ بھڑکے ہوئے جذبات کی روانی میں اُن کی زبان سے جو جملے نکل گئے تھے وہ اس پر نادم تھے' بھٹکے ہوئے ذہن اور سکون کے انتشار نے انہیں جنونی کیفیتوں سے دوچار کر دیا تھا۔ اُس روز دوپہر کو جب وہ گھر واپس آئے تھے تو ان کا ذہن کچھ زیادہ ہی الجھا ہوا تھا۔ نازلی نے منصور سے ان خطوط کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا جو کبھی اس نے منصور کو اپنے جال میں پھانسنے کے لئے تحریر کئے تھے۔ اسے خطوط کی کوئی پرواہ نہیں تھی' محبت بھرے اور جذباتی خطوط تو وہ منصور کے علاوہ دوسروں کو بھی لکھ چکی تھی لیکن اُس نے منصور کو پریشان کرنے اور اُن کے رہے

سے سکون کو برباد کرنے کی خاطر ان خطوط کی واپسی کا مطالبہ کیا تھا۔ اس طرح وہ اُن پر ظاہر کرنا چاہتی تھی کہ اب وہ منصور سے کوئی رشتہ باقی نہیں رکھنا چاہتی اور نازلی کی اسی عیارانہ سازش نے منصور کو کانٹوں پر لوٹنے کو مجبور کر دیا تھا۔

منصور نے شادی کے بعد بھی نازلی کے خطوط کو بہت سنبھال کر رکھا تھا' جس طرح دل کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو انہوں نے زندگی کا حاصل سمجھ لیا تھا اسی طرح وہ نازلی کے خطوط کو بھی زندگی گزارنے کا سہارا سمجھ رہے تھے۔ اکثر تنہائی میں وہ ان خطوط کو پڑھا کرتے تھے اور بیتی باتوں اور گزری گھڑیوں کو یاد تازہ کر کے دل کو بہلا لیا کرتے تھے لیکن جب زندگی کا یہ سرمایہ اور سہارا بھی نازلی نے ان سے چھیننا چاہا تو وہ تڑپ اٹھے۔ ان کے قدم ڈگمگا گئے اور انہوں نے طیش کی حالت میں ناہید کو موردِ الزام ٹھہراتے ہوئے اپنے دل کی بھڑاس نکال ڈالی۔ بیگم سجاد کی غیر موجودگی نے انہیں کچھ زیادہ ہی مشتعل کر دیا تھا' ماں گھر پر موجود ہوتی تو شاید وہ خون کا گھونٹ پی کر صبر کر لیتے لیکن ماں اور بھائی کی غیر موجودگی نے اُن کے دل میں سلگتے آتش فشاں کو پھٹ پڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔ نازلی کے خطوط نہ پا کر یوں بھی اُن کے دل میں ناہید کے خلاف سینکڑوں وسوسے جاگ اٹھے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ شاید نازلی کے خطوط ناہید کے ہاتھ لگ گئے ہیں اور ناہید نے ان خطوط کو کسی خاص موقع پر استعمال کرنے کے لئے اپنے پاس محفوظ کر لیا ہے۔ بھٹکے ہوئے ذہن میں شبہات سر ابھار رہے تھے' وہ غصے میں درازیں الٹتے پلٹتے رہے اور پھر..... پھر جب ناہید نے نہایت پُرخلوص انداز میں خوابگاہ میں داخل ہو کر منصور سے اُن کی پریشانی کی وجہ پوچھنے کی کوشش کی اور یہ دریافت کیا کہ انہیں کس چیز کی تلاش ہے تو منصور کا شبہ یقین میں بدل گیا۔

منصور نے پلٹ کر ناہید کو حقارت بھری نظروں سے دیکھا۔ ان کے دل و دماغ پر اس وقت صرف نازلی کا تسلط تھا۔ نازلی نے ان کی زندگی میں جو زہر گھول رکھا تھا وہ آہستہ آہستہ منصور کے وجود کو اندر ہی اندر کھا رہا تھا۔ ان کے سوچنے اور سمجھنے کی قوتوں کو مفلوج کر رکھا تھا' ان جڑوں کو کھوکھلا کر رکھا تھا جنہوں نے ایک تناور مرد کو ابھی تک سنبھال رکھا تھا لیکن ناہید کے ایک چھوٹے سے جملے نے' جس میں' بے پناہ خلوص اور اپنائیت تھی' وفا اور ایثار کی شدتیں کارفرما تھیں' ایک عورت کا پیار ٹھاٹھیں مار رہا تھا' ایک وفا شعار بیوی کے سچے اور قابل احترام جذبات شامل تھے۔ ایک شریک حیات کا ٹوٹا ہوا دل اور ٹوٹے ہوئے دل کے ایک ایک ٹکڑے میں ہزاروں ارمان اور ناکام آرزوئیں

پوشیدہ تھیں۔ تڑپتی سسکتی حسرتیں بھی تھیں لیکن شکستہ ہونے کے باوجود اس نے اپنے سہاگ کی پریشانیوں کا سدباب کرنے کی سعی کی تھی مگر منصور نے اسی ایک جملے کو بڑی شدت سے محسوس کیا تھا' حالات کے تیز دھاروں نے انہیں سنبھلنے کا موقع نہ دیا اور جو ان کے دل میں آئی کہتے چلے گئے۔ نازلی کا وہ راز بھی افشا کر گئے جو انہوں نے دل کے نہاں خانوں میں چھپا رکھا تھا۔

ناہید کی وفاؤں کو سازش سے تعبیر کیا گیا' اُس کی قربانیوں کو یکسر نظرانداز کر کے راستے کا پتھر گردانا گیا اور اس کے وجود کو ٹھوکر مار کر چکنا چُور کرنے کی کوشش کی گئی' غصے میں یہاں تک حکم دے دیا گیا کہ وہ اپنے منحوس وجود کو سمیٹ کر اپنے گھر واپس چلی جائے پھر منصور اُسے اپنی غضبناک نگاہوں کا ہدف بناتے ہوئے گھر سے واپس چلے گئے اور ناہید گنگ سی رہ گئی۔

گھر سے نکل کر منصور سیدھے اپنے دفتر گئے تھے' دفتر پہنچ کر انہوں نے اپنی خاص الماری کی تلاشی لی تو نازلی کے خطوط وہاں محفوظ تھے' خطوط مل جانے کے بعد انہیں اپنی زیادتی کا ہلکا سا احساس ہوا' ایک لمحے کو یہ خیال دل کے گوشے سے ابھرا کہ انہیں ناہید کے ساتھ تلخ کلامی نہیں کرنا چاہئے تھی۔ اس لئے نہیں کہ ناہید نے ایک بیوی کی حیثیت سے ان کے دل کے کسی ویران گوشے میں کوئی جگہ حاصل کر لی تھی بلکہ اس لئے کہ ناہید نے ابھی تک اس بھرم کو قائم رکھا تھا جو سہاگ رات کو طے پایا تھا۔ منصور اس بھرم کو قائم رکھنا چاہتے تھے۔ اگر یہ بھرم ٹوٹ جاتا تو اصلیت بے نقاب ہوتی تو ایک ماں کا دل ٹوٹ جاتا اور منصور کسی قیمت پر ماں کا دل توڑنا نہیں چاہتے تھے۔

ماں کا دل.....

جس میں ممتا کی تڑپ اور ماں کا پیار ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

ماں.....

جو اولاد کی خوشیوں کی خاطر قربانیوں سے کبھی دریغ نہیں کرتی۔

ماں.....

جس کے قدموں تلے جنت ہوتی ہے۔

ماں.....

جس کی آغوش میں ہرے بھرے اور سرسبز و شاداب درختوں کے سائے جیسی ٹھنڈک ہوتی ہے' سکون ہوتا ہے' پیار ہی پیار ہوتا ہے اور.....

بیوی ..... صرف بیوی ہوتی ہے۔
اپنے مجازی خدا کے اشاروں پر چلنا اس کا فرض ہوتا ہے۔
شوہر کی خوشنودی کی خاطر اسے اپنے ارمانوں کا خون کرنا پڑتا ہے۔
اپنے احساسات کو کچلنا پڑتا ہے ..... اپنے جذبات کو مارنا پڑتا ہے۔
اپنی خوشیوں کا گلا گھونٹنا پڑتا ہے ..... اس لئے کہ
وہ صرف بیوی ہوتی ہے۔
بیوی ..... جسے مرد چاہے تو پاؤں کی جوتی کی طرح جب دل چاہے بدلنے کا حق رکھتا ہے۔
بیوی ..... جس کی آغوش میں مرد صرف اپنی خواہشات کی گرمی اور شدتیں پسند کرتا ہے۔
بیوی ..... جس کے حسن کے رنگ نکھرے نکھرے اور شوخ ہوں تو شوہر کی توجہ کا مرکز بنی رہتی ہے۔
رنگ مدھم پڑ جائیں تو اپنی جاذبیت کھو بیٹھتی ہے۔
اور جب بیوی ماں بن جائے تو اپنی اولاد کے حق میں مقدس اور قابل احترام بن جاتی ہے ..... لیکن
شوہر کی توجہ سے محرومیت کا شکار بھی ہو جاتی ہے۔

لیکن منصور نے روزِ اوّل ہی سے ناہید کو اپنی نگاہوں سے گرا دیا تھا' اُس کی امنگوں کو پامال کر دیا تھا اور اس بات پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ اندر ہی اندر سلگتی رہے لیکن یوں کہ دھواں نہ ہو' اسے تنہائی میں اپنی بدنصیبی پر آنسو بہانے کی اجازت تھی لیکن دوسروں کی موجودگی میں اسے جبراً اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹوں کی سیج سجانی پڑتی تھی۔

منصور ناہید سے مطلق محبت نہیں کرتے تھے لیکن اس بات پر ضرور خوش تھے کہ ناہید نے اُن کا کہا مان لیا تھا اور اپنے ماحول کے گرد خوشیوں کا خول کچھ ایسے انداز میں چڑھا لیا تھا کہ دوسروں کی نظریں اس کے سینے میں رستے ناسوروں کو نہیں دیکھ سکتی تھیں مگر اب یہ خول بھی انہیں ٹوٹتا نظر آ رہا تھا۔ نازلی کے خطوط کے سلسلے میں انہوں نے جذبات کے دھاروں میں بہہ کر ناہید کے سلسلے میں جو اندیشے قائم کئے تھے وہ بڑی جلدی ٹوٹ گئے تھے۔ انہیں اپنی جلد بازی پر جھلاہٹ ہو رہی تھی اس لئے نہیں کہ انہوں نے ناہید کی وفاؤں پر شک کیا تھا بلکہ اس لئے کہ انہیں زندگی کا بھرم ٹوٹ جانے کا اندیشہ لاحق

ہو گیا تھا۔

نازلی کے خطوط واپس کرنے کے بعد جب وہ رات گئے گھر واپس لوٹے تو بیگم سجاد جاگ رہی تھیں۔ عبدل نے انہیں ماں کے کمرے میں جانے کو کہا تو ان کا ماتھا ٹھنکا' شاید ناہید نے ان کی زیادتیوں کا تذکرہ بیگم سجاد سے کر دیا تھا۔ فوری طور پر یہی خیال اُن کے ذہن میں ابھرا' چند لمحے وہ خاموش کھڑے اپنے خیالوں میں گم رہے پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ماں کے کمرے میں آ گئے۔ بیگم سجاد اپنی مسہری پر نیم دراز تھیں' اُن کے چہرے پر کسی ٹھہرے ہوئے سمندر جیسی سنجیدگی نظر آ رہی تھی' منصور چپ چاپ ان کے قریب جا کر بیٹھ گئے تو بیگم سجاد نے انہیں گھورتے ہوئے پوچھا۔

"اتنی دیر کہاں کر دی؟"

"کلب میں کچھ دوستوں نے ایک پارٹی کا اہتمام کیا تھا۔" منصور نے دروغ گوئی سے کام لیا۔ "محفل کچھ ایسی تھی کہ مجھے وقت کا اندازہ نہیں ہوا۔"

"مجھے تم سے ایک شکایت ہے منصور بیٹے!" بیگم سجاد نے آہستہ سے کہا۔

"جی!" منصور نے ایک نظر ماں کے مقدس چہرے پر ڈالی پھر تلملا کر چپ رہ گئے' ناہید کی طرف سے اُن کے دل میں جو میل موجود تھا اس کی کثافتیں کچھ اور بڑھ گئیں' نفرتوں کے جذبوں میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

"میرا خیال ہے کہ تم میرا اشارہ سمجھ گئے ہو گے۔" بیگم سجاد نے منصور کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھا' منصور سر جھکائے بیٹھے تھے۔

"میں شرمندہ ہوں امی حضور لیکن....."

"لیکن تجھے ماں کے سامنے زبان کھولتے شرم آ رہی تھی' کیوں یہی کہنا چاہتے ہو نا۔" بیگم سجاد جلدی سے بولیں۔

"آپ کا خیال درست ہے امی حضور!" منصور نے دل ہی دل میں ناہید کے وجود کو ملامت کرتے ہوئے جواب دیا' ماں سے نظریں ملانے کی تاب نہ تھی اس لئے بدستور سر نگوں رہے۔

"میں نے ناہید کو کچھ دنوں کے لئے اُس کی ماں کے گھر بھیج دیا ہے۔" بیگم سجاد تھوڑے توقف سے بولیں۔ "فی الحال اُسے آرام کی ضرورت ہے۔"

"اگر آپ اجازت دیں امی حضور تو میں بھی کچھ عرض کروں۔" منصور نے ہمت کر کے نظریں اٹھائیں تو ماں کے چہرے پر خوشیاں دمکتی دیکھ کر ششدر رہ گئے۔

"اب میں تمہاری ایک بات نہیں سنوں گی۔" بیگم سجاد ممتا بھری خفگی سے بولیں۔
"جب تم نے مجھے پہلے اس خوشخبری سے محروم رکھا تو اب کیا کہنا چاہتے ہو۔"
"خوشخبری....." منصور نے چونکتے ہوئے کہا۔ "میں سمجھا نہیں امی حضور!"
"سمجھا نہیں یا مجھے بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔" بیگم سجاد کی آنکھیں خوشی کے جذبوں سے بھیگ رہی تھیں۔ "تم میری خوشیوں کا اندازہ نہیں کر سکو گے منصور میاں! اس خوشخبری کو سننے کے لئے تو میرے کان برسوں سے ترس رہے تھے' خدا تمہیں اور ناہید کو ہمیشہ سلامت رکھے' تمہاری وجہ سے اس گھر کی خوشیوں میں ایک نیا اضافہ ہو رہا ہے' میں نے ناہید کو اسی لئے اُس کے میکے بھیج دیا ہے کہ وہ کچھ دنوں آرام کر لے' شروع شروع میں احتیاط لازم ہے' میں نے اس وقت تم کو یہی ہدایت کرنے کے لئے بلایا تھا کہ تم بھی احتیاط سے کام لینا۔"

منصور ماں کی باتوں کا مفہوم سمجھ رہے تھے' ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ماں کو کیا جواب دیں البتہ ناہید کے سلسلے میں ان کی حقارتوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا' اُن کے سینے میں نفرت کی چنگاریاں اڑ رہی تھیں "ناہید ماں بننے والی تھی" اس ایک خیال کا تصور ہی ان کے لئے نہایت اذیتناک تھا اس لئے کہ انہوں نے تو آج تک کبھی ناہید سے محبت کے دو بول بھی نہیں بولے تھے پھر.....

"کس سوچ میں گم ہو منصور!" بیگم سجاد نے بیٹے کی طویل خاموشی کو مزید کریدنے کی خاطر پوچھا۔

"یونہی امی حضور!" منصور نے خود کو سنبھالتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "سوچ رہا ہوں کہ جب میں اس خوشخبری سے لاعلم ہوں تو آپ کو کیسے علم ہوا۔"

"عورتوں کی باتیں عورتیں ہی سمجھ سکتی ہیں۔" بیگم سجاد مسکرا دیں۔

"تو کیا خود ناہید نے....."

"کیا دماغ چل گیا ہے تمہارا۔" بیگم سجاد منصور کا جملہ کاٹتے ہوئے بولیں۔ "بھلا ناہید کیوں کرنے لگی تذکرہ۔"

"پھر؟"

"ناہید کا جی ٹھیک نہیں تھا' اُسے چکر بھی آ رہے تھے اور میری تجربہ کار نگاہوں نے اُس کی کیفیت دیکھ کر ہی سمجھ لیا کہ اس گھر کے سُونے آنگن میں پھر سے بہار آنے کو ہے۔" بیگم سجاد نے ناہید سے اپنی گفتگو کی تفصیل دہراتے ہوئے کہا۔ "خدا اُس کے

سہاگ کو ہمیشہ قائم رکھے' بڑی ہی نیک اور فرماں بردار لڑکی ہے۔"

منصور کو ایک بار پھر ماں کی باتیں سن کر ناہید کے مقابلے میں منہ کی کھانی پڑی۔ ایک ہی دن میں دو بار اُن کے اندازوں نے انہیں دھوکہ دیا تھا' ایک لمحے کو انہوں نے ناہید کے کردار کو اپنے تصورات میں بہت بلند دیکھا' ناہید نے خطوط کے سلسلے میں بے بنیاد شبہات کی بنا پر منصور کی سخت سُست برداشت کی تھی اور مہربلب رہی تھی' منصور نے طیش کی حالت میں یہاں تک کہہ دیا تھا کہ وہ کسی لڑکی سے محبت کرتے ہیں لیکن ناہید نے اف تک نہ کی۔ بیوی کی حیثیت سے اپنا حق بھی نہیں مانگا' کوئی احتجاج نہیں کیا۔ گنگ سی کھڑی رہی اور پھر منصور کے حکم پر وہ کس قدر خاموشی اور خوبصورتی سے اپنے میکے بھی چلی گئی۔ یہ اور بات تھی کہ بیگم سجاد کی تجربہ کار نظریں اُس کے دل کے رستے ناسوروں کا درد نہیں محسوس کر سکی تھیں انہوں نے اس کی طبیعت کی خرابی کو ایک نیا رنگ دے دیا تھا اور اس کی بربادی پر اپنی خوشیوں کے تاج محل تعمیر کرنے شروع کر دیئے تھے۔

منصور بہت دیر تک ماں کے پاس رہے پھر اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں آ گئے۔ کپڑے تبدیل کر کے بستر پر لیٹے تو نہ جانے کیوں تنہائی کا احساس انہیں ڈسنے لگا۔ نظریں گھما کر انہوں نے خوابگاہ پر نظر ڈالی' ہر شے اپنی جگہ اسی قرینے سے رکھی ہوئی تھی۔ نائٹ بلب کی مدھم اور ٹھنڈی روشنی خوابگاہ میں ہمیشہ کی طرح آج بھی بڑی سحر انگیز نظر آ رہی تھی۔ مشرقی گوشے میں سجی ہوئی سنگھار میز آج بھی اپنی جگہ موجود تھی۔ دروازے کے قریب دبیز قالین پر رکھا ہوا صوفہ سیٹ بھی صاف اور اجلا اجلا نظر آ رہا تھا۔ دروازے اور کھڑکیوں کے گل بوٹے والے پردے بھی بے حد خوشنما نظر آ رہے تھے۔ دیواروں پر آویزاں پینٹنگز بھی خوابگاہ کے حُسن میں اضافہ کر رہی تھیں ..... پھر..... نہ جانے منصور کو تنہائی کا احساس کیوں ستا رہا تھا۔

بڑی دیر تک وہ مسہری پر کروٹیں بدلتے رہے۔ نامعلوم الجھنوں سے چھٹکارا پانے کی خاطر انہوں نے ایک سگریٹ بھی پھونک ڈالی لیکن ایک خلش سی تھی جو انہیں بے چین کر رہی تھی' کسی کروٹ چین نہیں لینے دے رہی تھی' اداسیوں سے ہمکنار کر رہی تھی لیکن منصور بار بار ذہن کو کریدنے اور دل کو ٹٹولنے کے باوجود یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ وہ خلش کس بات کی تھی۔

ناہید کی غیر موجودگی کی ..... یا

نازلی کی اکھڑی اکھڑی باتوں کی' جس نے خطوط کی واپسی کا مطالبہ کر کے منصور کے

دل کو ٹھیس پہنچائی تھی۔

☆------☆------☆

سلیم گھر کے ماحول اور والدین کے درمیان ہونے والی کھینچا تانی سے بے حد تنگ ہو چکا تھا' شہناز کی طرف سے آئے دن کی بندشوں نے اسے پہلے ہی دل گرفتہ کر رکھا تھا چنانچہ جب شیخ حامد حسین نے اس کے سامنے لندن جا کر وہاں تجارتی امور کا جائزہ لینے کا خیال ظاہر کیا تو سلیم فوراً ہی آمادہ ہو گیا۔ اس طرح وہ نہ صرف گھر کے ہنگاموں سے دور رہ سکتا تھا بلکہ لندن کی رنگینیوں سے بھی لطف اندوز ہونے کا موقع حاصل کر سکتا تھا۔

شہناز نے بھی سلیم کے ساتھ جانے کا ارادہ کیا تھا لیکن اس موقع پر بھی نجمہ بیگم اس کے آڑے آ گئیں۔ کوئی اور موقع ہوتا تو شاید حامد حسین سلیم کو تنہا لندن جانے کی اجازت دینے کے بجائے شہناز کو بھی اس کے ساتھ جانے کے حق میں فیصلہ صادر کرتے لیکن موقع کی نزاکت محسوس کرتے ہوئے انہوں نے بہو کی کھل کر حمایت نہیں کی' یہ کہہ کر بہلا دیا کہ کچھ دنوں بعد اُسے بھی سلیم کے پاس بھیج دیں گے' اس طرح انہوں نے بہو کو بھی مطمئن کر دیا اور بیوی کی انا بھی برقرار رکھی۔

بہرحال سلیم نے بڑی گرمجوشی سے اپنے سفر کی تیاریاں شروع کر دی تھیں لیکن مراد خاں سے ہونے والی گفتگو کے بعد اس نے اپنی فوری روانگی کے پروگرام کو کچھ دنوں کے لئے ملتوی کر دیا۔ نازلی کے سلسلے میں مراد خاں نے جن خطروں کا اندیشہ ظاہر کیا تھا اس نے سلیم کو اپنی جگہ محتاط ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ نازلی جیسی بیباک اور خطرناک عورت سے کچھ بعید بھی نہیں تھا کہ وہ سلیم کی غیر موجودگی میں اس کے خلاف کوئی ایسا محاذ قائم کر دیتی جو سلیم کو باپ کی نظروں میں گرا دیتا اور اس دولت سے بھی محروم کر دیتا جس کے بل بوتے پر سلیم نے ہمیشہ عیش کیا تھا۔

مراد خاں کی باتوں نے سلیم کے اس اعتماد کو بھی مجروح کیا تھا جو ایک طویل مدت سے قائم تھا' سلیم کو مراد خاں سے اس بات کی توقع نہیں تھی کہ وہ اُس کے مقابلے میں نازلی جیسی بدقماش عورت کا ساتھ دے گا۔ ہرچند کہ مراد خاں نے کھل کر نازلی کی حمایت کا اعلان نہیں کیا تھا لیکن سلیم نے اُس کی باتوں سے اس امر کا بخوبی اندازہ لگا لیا تھا کہ نازلی نے مراد خاں کو پوری طرح شیشے میں اتار لیا ہے اور وہ مراد خاں کے ساتھ مل کر اس کی خوشیوں کے راستے میں حائل ہونا چاہتی ہے۔ سلیم کو کم از کم مراد خاں کے سلسلے میں اس بات کا بخوبی علم تھا کہ اُسے دولت کے ذریعے بہ آسانی خریدا جا سکتا ہے اور نازلی کے

پاس دولت کی کوئی کمی نہیں تھی۔ سلیم سے دوستی کے دوران بھی نازلی نے اپنے دولت مند اور شاہ خرچ ہونے کا متعدد بار ثبوت دیا تھا۔

بہرحال سلیم جس ماحول سے فرار چاہتا تھا مراد خاں نے اسے اسی ماحول میں جکڑنے کی کوشش کی تھی اور سلیم نے طے کر لیا تھا کہ وہ مراد خاں اور نازلی کے مشترکہ محاذ پر اپنی شکست کسی قیمت پر قبول نہیں کرے گا۔ مراد خاں نے سلیم کو ان خطوط کا حوالہ دیا تھا جو اس نے کبھی نازلی کو تحریر کئے تھے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ نازلی ان ہی خطوط کے ذریعہ سلیم کی ساکھ کو نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ نازلی نے خود بھی سلیم کو محبت بھرے عشقیہ خطوط لکھے تھے لیکن سلیم نے اس کے بیشتر خطوط تلف کر دیئے تھے البتہ چند خطوط اب بھی اس کے پاس موجود تھے جو نازلی کے خلاف استعمال کئے جا سکتے تھے۔

سلیم کو منصور اور نازلی کے دیرینہ تعلقات کا بھی بخوبی علم تھا۔ وہ چاہتا تو نازلی کے خطوط منصور کے حوالے کر کے نازلی کے لئے ایک مضبوط محاذ کھڑا کر سکتا تھا لیکن رشتے کی نوعیت کے اعتبار سے اس نے منصور سے ملنا مناسب نہیں سمجھا اس طرح اُس کی اپنی سبکی بھی ہو سکتی تھی اور خاندانی الجھاوؤں میں مزید کشیدگی بھی پیدا ہو سکتی تھی۔ دوسرا طریقہ یہ بھی تھا کہ سلیم براہ راست نازلی سے مل کر اسے اس بات کا احساس دلاتا کہ اگر اس نے سلیم کو بدنام کرنے کی کوشش کی تو وہ بھی اس کے خطوط کے ذریعے اس کی اور اس کے باپ کی ساکھ اور شہرت کو دھچکہ پہنچا سکتا ہے مگر نازلی سے ملنا اسے گوارا نہیں تھا اس لئے کہ مراد خاں اس کی پشت پر تھا اور اس لئے بھی کہ وہ نازلی سے مل کر اپنی کمزوری یا خوف کا اظہار مناسب نہیں سمجھتا تھا۔

دو روز تک سلیم اسی ادھیڑبُن میں پھنسا رہا کہ حالات سے کس طور گلوخلاصی حاصل کرے پھر تیسرے روز اچانک اس کے ذہن میں محسن علی کا نام ابھر آیا' محسن علی اس کے لئے سب سے زیادہ مؤثر اور معاون ثابت ہو سکتے تھے اس لئے کہ وہ پولیس انسپکٹر تھے اور شازیہ اور شہناز کے تعلقات کی وجہ سے سلیم ان سے کھل کر باتیں بھی کر سکتا تھا۔ چنانچہ سلیم نے خود کو حالات کے پیش نظر پوری طرح آمادہ کیا اور اسی روز محسن علی کے پاس تھانے جا پہنچا' اس کا خیال غلط نہیں تھا' محسن علی نے پرانی دوستی اور خاندانی ربط کے ناطے سلیم کا بڑا پُرتپاک خیر مقدم کیا تھا۔ کچھ دیر تک دونوں کے درمیان رسمی گفتگو ہوتی رہی پھر سلیم نے اصل مقصد کی طرف آتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

"محسن بھائی! میں اس وقت دراصل آپ کے پاس ایک ضروری کام سے حاضر ہوا ہوں۔"

"تکلف کی ضرورت نہیں سلیم صاحب! آپ جب مجھے بھائی سمجھ رہے ہیں تو پھر جو کچھ کہنا ہے کھل کر کہہ ڈالئے۔" محسن نے بڑی اپنائیت سے جواب دیا۔

"بات کچھ ایسی ہے محسن بھائی جس میں میری تھوڑی بہت کوتاہی کو بھی دخل ہے اس لئے قبل اس کے کہ میں آپ کو حالات بتاؤں' اس بات کی درخواست کروں گا کہ ان باتوں کا علم کسی اور کو نہ ہو ورنہ میری پوزیشن خراب ہو جائے گی۔"

"ہمارے اور آپ کے خاصے دیرینہ اور قریبی تعلقات ہیں سلیم صاحب!" محسن بولے۔ "آپ مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں۔"

"اعتماد نہ ہوتا تو یہاں کبھی نہ آتا۔" سلیم نے سنجیدگی سے کہا پھر کچھ توقف کے بعد بولا۔ "آپ بیرسٹر افتخار احمد کے نام سے تو ضرور واقف ہوں گے۔"

"جی ہاں' خوب جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ وہ لوگ کس قماش کے ہیں۔" محسن علی بھی سنجیدہ ہو گئے۔

"اُن کی لڑکی نازلی کو بھی آپ جانتے ہوں گے۔" سلیم نے سنبھل کر کہا۔

"جی ہاں۔" محسن علی مسکراتے ہوئے بولے۔ "براہ راست تو کبھی مس نازلی سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا البتہ سنا ضرور ہے کہ وہ محترمہ بھی اپنے والد ہی کی طرح آج کل خاصا اونچا اڑنے کی کوشش کر رہی ہیں۔"

سلیم کچھ دیر تک محسن علی کو ہموار کرتا رہا پھر اُس نے سوچی سمجھی سکیم کے تحت من و عن تمام باتیں نہایت تفصیل سے بتا دیں۔ خاص طور پر اُس نے نازلی اور منصور کے تعلقات کو بہت بڑھا چڑھا کر اور نمک مرچ لگا کر بیان کیا تھا۔ مراد خاں اور اس کی نجی سرگرمیوں کے بارے میں بھی دل کھول کر زہر اگلا اور اپنے سلسلے میں شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ بات بھی تسلیم کر لی کہ وہ بھی نازلی کی زلف گرہ گیر کا کچھ دنوں شکار رہ چکا ہے اور ان ہی دنوں اُس سے عشقیہ خطوط تحریر کرنے کی حماقت بھی سرزد ہو گئی تھی اور یہ کہ اب نازلی ان ہی تحریروں کے ذریعے مراد خاں کی مدد سے اس کے راستوں میں دشواریاں پیدا کرنا چاہتی ہے۔

محسن علی بڑی توجہ سے سلیم کی باتوں پر غور کر رہے تھے' مراد خاں کا نام سن کر اُن کی کشادہ پیشانی پر لاتعداد سلوٹیں ابھر آئی تھیں البتہ نازلی اور منصور کے عشق کی داستان

سن کر وہ کچھ مضطرب سے ہو گئے تھے۔ پھر جب سلیم تمام تفصیل سنا چکا تو محسن علی نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے پوچھا۔

"سلیم صاحب! کیا آپ کو اس بات کا یقین ہے کہ مراد خاں بھی نازلی کی سازش میں برابر کا شریک ہے۔"

"مجھے کامل یقین ہے محسن بھائی!" سلیم بولا۔ "دراصل مراد خاں کسی زمانے میں میرا ہم جماعت بھی رہ چکا ہے۔ میں اسے بہت قریب سے جانتا ہوں' دولت کی خاطر وہ دنیا کا ہر جرم کر سکتا ہے۔"

"نازلی اور منصور صاحب کے عشق کے بارے میں آپ کو کہاں سے معلومات حاصل ہوئی ہیں۔" محسن علی نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"مجھے یہ باتیں خود نازلی نے بتائی تھیں ..... دراصل منصور صاحب نازلی سے شادی کرنے کے خواہشمند تھے لیکن چونکہ بیرسٹر افتخار احمد اور مرحوم سجاد علی صاحب کے خاندان میں شروع سے کشیدگی تھی اس لئے منصور صاحب کو کامیابی نہیں ہوئی اور انہوں نے مجبوراً ماں کے حکم پر ناہید سے شادی کر لی۔" سلیم نے حالات کو اور سنگین بنانے کی خاطر مزید حاشیہ آرائی کرتے ہوئے کہا۔ "منصور صاحب اور نازلی کے درمیان اب بھی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری ہے اور مجھے خدشہ ہے کہ اگر یہ صورت حال جاری رہی تو نازلی کی وجہ سے منصور صاحب کا بسا بسایا گھر بھی خدا نخواستہ برباد ہو سکتا ہے۔"

"آپ کو ان باتوں کا علم شروع سے تھا لیکن آپ آج....."

"مجھے یقین تھا محسن بھائی کہ آپ یہ سوال ضرور کریں گے۔" سلیم نے تیزی سے کہا۔ "آپ چاہیں تو اسے میری خودغرضی یا ضرورت کا نام دے لیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ اگر مجھے نازلی کی طرف سے اپنی پُرسکون زندگی میں ہلچل پیدا ہونے کا خطرہ لاحق نہ ہوتا تو شاید میں آج بھی کم از کم آپ کے سامنے ان باتوں کا ذکر زبان پر نہ لاتا۔"

"مجھے آپ کی صاف گوئی پسند آئی سلیم صاحب! مگر ناہید سے تو آپ کا خون کا تعلق ہے۔ کیا آپ کو اس کی ہمدردی بھی منظور نہیں تھی؟" محسن علی نے کریدتے ہوئے سوال کیا۔

"آپ حق بجانب ہیں محسن بھائی لیکن حقیقت ہمیشہ بڑی تلخ اور کڑوی ہوتی ہے اور غیروں کے مقابلے میں اپنوں کی زبان زیادہ زہر آلود تصور کی جاتی ہے۔" سلیم بڑی ہوشیاری سے وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "منصور صاحب اور نازلی کے عشق کا احوال

معلوم ہوتے ہی میں نے سوچا تھا کہ اس کا ذکر بزرگوں سے کر دوں لیکن میں نے ایسا نہیں کیا صرف اس لئے کہ کہیں بزرگوں کے تعلقات بھی کشیدہ نہ ہو جائیں ..... میرا خیال ہے کہ آپ میرا مقصد سمجھ رہے ہوں گے۔"

"فی الحال میں منصور بھائی کے معاملے میں کچھ نہیں کہہ سکتا اس لئے کہ یہ معاملہ خاصا نازک اور پیچیدہ ہے اور جلد بازی میں اٹھایا جانے والا کوئی قدم بھی حالات کو سنوارنے کے بجائے اور بگاڑ سکتا ہے ..... بہرحال' میں آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے مجھے اپنا سمجھتے ہوئے حالات سے باخبر کر دیا۔"

"میں نازلی کے چند خطوط بھی ساتھ لایا ہوں۔" سلیم نے جیب سے کچھ کاغذات نکال کر محسن علی کو دیتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے یہ خطوط نازلی کے سلسلے میں آپ کی کوئی مدد کر سکیں' ویسے میں ایک بار پھر درخواست کروں گا کہ ان باتوں کا علم کسی اور کو نہ ہو ورنہ میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہوں گا۔"

"جوانی میں اکثر ایسی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں سلیم صاحب!" محسن علی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ پھر نازلی کے خطوط لے کر پڑھنے لگے۔ جوں جوں محسن علی خط پڑھتے جا رہے تھے اُن کی سنجیدگی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ نازلی کے خطوط میں جس انداز میں منصور کا تذکرہ آیا تھا وہ انتہائی گھٹیا اور بے ہودہ انداز تھا۔

سلیم چپ چاپ بیٹھا محسن علی کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لیتا رہا۔

"یہ خطوط میرے لئے یقیناً بے حد کار آمد ثابت ہوں گے۔" محسن نے خطوط پڑھنے کے بعد انہیں اپنی جیب میں محفوظ کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کب تک لندن جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟"

"تیاریاں تو ساری مکمل ہیں لیکن مراد خاں اور نازلی کی وجہ سے مجھے مجبوراً والد صاحب سے ٹال مٹول کرنا پڑ رہی ہے۔"

"اب آپ بڑے شوق سے تشریف لے جائیں۔" محسن علی بولے۔ "میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کی غیر موجودگی میں نازلی اور مراد خاں کی سازش کامیاب نہ ہو سکے اور اگر خدانخواستہ ایسا ہو بھی گیا تو بھی میں ذاتی طور پر آپ ہی کا ساتھ دوں گا۔"

"مجھے اس بات کی توقع نہ ہوتی تو آپ کے پاس کبھی نہ آتا۔" سلیم بولا۔ "رہا میری پوزیشن کا معاملہ تو آپ اس کا اندازہ مجھ سے بہتر طور پر لگا سکتے ہیں۔"

"میں حالات کی نوعیت سمجھ رہا ہوں سلیم صاحب!" محسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن آپ اطمینان رکھیں میں شازیہ اور شہناز بہن کے ناطے سے بھی آپ کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔"

سلیم نے کچھ دیر بعد اجازت چاہی اور محسن علی سے بڑی گرمجوشی سے مصافحہ کرتا ہوا تھانے سے باہر آ گیا۔ محسن علی کی یقین دہانی کے بعد سلیم کے سر سے ایک خاصا وزنی بوجھ اتر گیا تھا چنانچہ وہ دوسرے ہی دن رخت سفر سمیٹ کر لندن کے لئے روانہ ہو گیا۔

☆------☆------☆

ایک ہفتہ میکے میں رہنے کے بعد ناہید واپس آئی تو بیگم سجاد نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا' چٹاپٹ سینکڑوں بلائیں لے ڈالی تھیں' بوا سروری نے بھی اسے ڈھیر ساری دعائیں دی تھیں لیکن فراز نے اس سے ایک بات بھی نہیں کی' وہی اسے واپس لائے تھے لیکن تمام راستے انہوں نے اپنے ہونٹوں پر چپ کی مہر لگائے رکھی تھی۔ بالکل اجنبیوں کی طرح چپ چاپ بیٹھے رہے تھے' شاید انہیں بھی ناہید کی بات بُری لگی تھی' اس لئے کہ ناہید نے اُن کے خلوص پر برہمی کا اظہار کیا تھا' بعد میں اُس نے معذرت طلب کر لی تھی لیکن فراز ابھی تک روٹھے روٹھے نظر آ رہے تھے۔

"کیا بات ہے فراز!" بیگم سجاد نے اس کی خاموشی محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ "یہ آج خلافِ معمول تم اس قدر خاموش کیوں ہو؟"

"بقر عید کے چاند کا انتظار کر رہا ہوں امی حضور!" فراز نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

"سن رہی ہو ناہید بیٹی! اس کی باتیں' یا تو یہ شادی کے نام سے بھاگتا تھا یا اب چاند کا منتظر ہے۔" بیگم سجاد مسکراتے ہوئے بولیں۔

"ابھی تو ابتدا ہے امی حضور!" ناہید نے فراز کو چھیڑنے کی خاطر کہا۔ "آگے آگے دیکھئے' ہوتا ہے کیا۔"

"خدا انجام بھی بخیر ہی کرے گا۔" فراز نے ماں کو مخاطب کرتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ کا کیا خیال ہے امی حضور!"

"بس رہنے بھی دے۔" بیگم سجاد نے پیار بھرے انداز میں کہا۔ "مجھے تو تیری کسی بات کا اعتبار نہیں آتا۔ خدا جانے تیرے دل میں کیا ہے۔ ڈھنگ سے کبھی کوئی بات کرتا ہی نہیں۔"

"دل کی باتیں دل ہی میں رہیں تو زیادہ مناسب ہوتا ہے امی حضور!" فراز نے

کنکھیوں سے ناہید کو جواب دیا۔ "بات دل کی گہرائیوں سے نکل کر زبان تک آ جائے تو اپنی وقعت کھو دیتی ہے۔ لوگ خلوص کو بھی شبہے کی نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں۔"

"کس کی باتیں شروع کر دیں تُو نے۔" بیگم سجاد بولیں۔

"امی حضور!" ناہید نے فراز کے چہرے پر چھائی سنجیدگی کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔ "فراز دراصل مجھ سے ناراض ہیں۔"

"تم سے ناراض ہے ..... وہ کس لئے؟"

"پچھلی بار سر فراز انکل کے ہاں سے واپسی پر جب یہ مجھے گھر چھوڑنے گئے تھے تو میں نے یونہی مذاق میں ایک بات کہہ دی تھی لیکن یہ آج تک اسے دل میں لئے بیٹھے ہیں۔"

"کیوں فراز! کیا ہماری بیٹی ٹھیک کہہ رہی ہے؟" بیگم سجاد نے بیٹے سے پوچھا۔

"آپ کی بیٹی ہمیشہ ٹھیک ہی کہتی ہے امی حضور!" فراز سنجیدگی سے بولے۔ "آپ ذرا ان سے یہ بھی دریافت کر لیں کہ وہ بات کیا تھی جو انہوں نے کہی تھی۔"

"بات تو میں جب پوچھوں جب تیری عادت سے واقف نہ ہوں۔" بیگم سجاد نے ناہید کی حمایت لیتے ہوئے کہا۔ "خبردار جو تُو نے آئندہ میری بیٹی کو تنگ کیا۔"

"آج بھی یہ تمام راستے مجھے تنگ کرتے ہوئے آئے ہیں امی حضور!" ناہید نے نہایت معصومیت سے گرہ لگائی۔ "جانے کیا کیا کہہ رہے تھے۔"

"فراز میاں کی عادت تو ہے دل لگی کرنے کی۔" بوا سروری نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔ "سب ہی سے ٹھٹھول کرتے رہتے ہیں۔"

"خبردار فراز جو تُو نے آئندہ ہی کبھی ناہید کو پریشان کیا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔" بیگم سجاد نے پیار سے فراز کو ڈانٹا۔

"آپ کو آئندہ شکایت کا موقع نہیں ملے گا امی حضور! میں محتاط رہنے کی کوشش کروں گا۔" فراز نے سنجیدگی سے کہا پھر نظریں جھکائے جھکائے اٹھے اور لمبے لمبے قدم اٹھاتے باہر چلے گئے۔

ناہید فراز کی خفگی کا انداز دیکھ کر اندر ہی اندر کٹ کر رہ گئی' بیگم سجاد نے شاکرہ خاتون اور شیخ الطاف حسین کی خیریت دریافت کرنا شروع کر دی تھی اس لئے وہ ساس سے باتوں میں مشغول ہو گئی پھر کچھ دیر بعد اٹھ کر اپنی خواب گاہ میں آ گئی۔

خوابگاہ کی دہلیز عبور کرتے ہوئے نہ جانے کیوں اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے

لگی تھیں۔ وہ سہمی سہمی سی نظر آ رہی تھی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ اندر داخل ہوئی' کمرے پر نظر ڈالی تو دل بجھ کر رہ گیا۔ ہر چیز بے ترتیب اور بکھری بکھری نظر آ رہی تھی۔ ایک ہفتے میں کیسا نمایاں تغیر آ گیا تھا۔ ہر شے الٹ پلٹ کر رہ گئی تھی۔ چند ثانئے وہ اپنی جگہ کھڑی اس بے ترتیبی کو محسوس کرتی رہی پھر اُس نے ہر شے کو جلدی جلدی سلیقے سے رکھا' سنگھار میز پر جمی ہوئی گرد کو صاف کیا' منصور کے کپڑوں کو سمیٹ کر الماری میں قرینے سے ہینگر پر لٹکایا' باتھ روم میں جا کر اپنا حلیہ ٹھیک کیا' کپڑے تبدیل کئے پھر بال سنوارنے کی خاطر سنگھار میز کے قد آدم آئینے کے سامنے آ کر کھڑی ہوئی تو اس کے دل کو ایک دھچکہ سا لگا۔

اُس کی نظریں آئینے میں خود اپنے سراپا پر جمی ہوئی تھیں اور جسم کا ایک ایک انگ سوالیہ نشان بن کر اُس سے پوچھ رہا تھا — "ناہید! ..... یہ بناؤ سنگھار تُو کس لئے کر رہی ہے ..... کون ہے جو تیرے حُسن کی رعنائیوں کو دیکھ کر دیوانہ ہونے کی کوشش کرے گا؟ کون تیری آنکھوں میں ڈوب کر محبت کے گیت الاپے گا؟ ..... کون ہے جو تیری زلفوں کے پیچ و خم کی تعریف کرے گا؟ ..... تیرے خوبصورت وجود کو دیکھ کر کون بہکے گا؟ ..... کون لڑکھڑانے کی کوشش کرے گا؟ ..... کون ہے جو تیری پاکیزگی اور تیری عظمتوں کو سلام کرے گا؟ ..... تیری وفاؤں کے کون گن گائے گا؟ ..... کیا تُو بھول گئی کہ تیرا مجازی خدا تجھ سے روٹھ گیا ہے۔ اُس نے تجھے اپنی زندگی سے نکل جانے کا حکم دیا تھا ..... تجھے دھتکار دیا تھا ..... اور ..... اور تیرا شوہر' تیرا اپنا سہاگ کسی اور لڑکی سے محبت کرتا ہے ..... پھر ..... تُو کس کے لئے بن سنور رہی ہے؟"

ناہید کو گزری ہوئی باتیں یاد آئیں تو وہ دل مسوس کر رہ گئی۔ منصور نے جس انداز میں اسے اس کی حیثیت کا احساس دلایا تھا وہ اس کے لئے ناقابل برداشت تھا لیکن حالات نے اسے ان تلخیوں کو صبر و شکر کے ساتھ سہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ مشرقی گھرانے کی ایک لڑکی تھی ..... ایک بیوی تھی جسے صرف شوہر کی پرستش کا درس دیا گیا تھا ..... شوہر کے سامنے نظریں نیچی رکھنے کی تعلیم دی گئی تھی ..... آواز بلند کرنے یا بغاوت کے انداز نہیں سکھائے گئے تھے۔ پھر بھلا وہ حالات کے سامنے سینہ سپر کس طرح ہو سکتی تھی' کیسے اپنا حق طلب کر سکتی تھی' قدرت کی ستم ظریفیوں نے تو اُسے اس درجہ مجبور و بے بس کر دیا تھا کہ وہ اپنی بربادیوں پر کھل کر آنسو بھی نہیں بہا سکتی تھی' ان زخموں کی نقاب کشائی بھی نہیں کر سکتی تھی جس نے اندر ہی اندر پھیل کر اُس کے وجود کو ناسور کر دیا

تھا۔ حالات نے اُسے خود کو سہاگن بنائے رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اُس نے سہاگ رات کو اپنے ارمانوں کے لاشے پر بیٹھ کر عہد کیا تھا کہ اپنی خوشیوں کا بھرم قائم رکھنے کی کوشش کرے گی۔ پھر وہ خود کو عہد شکنی پر کس طرح اکسا سکتی تھی۔

بجھے ہوئے دل سے اس نے بکھرے بالوں کو سنوارا' دل کی دھڑکنوں پر قابو پایا پھر گھڑی پر نظر ڈالی۔ شام کے پانچ بج رہے تھے۔ منصور کے آنے کا وقت ہو رہا تھا وہ جلدی سے باہر آ گئی۔ بیگم سجاد اپنے کمرے میں تھیں۔ وہ ٹہلتی ہوئی باہر لان پر آ گئی۔ فراز لان کے مشرقی گوشے میں گلاب کے کنج کے قریب آرام کرسی پر بیٹھے کوئی فائل دیکھ رہے تھے' ایک لمحے کو وہ ٹھٹکی پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اُن کے قریب جا کر دوسری کرسی پر بیٹھ گئی' فراز نے نظریں اٹھا کر اُسے غور سے دیکھا پھر فائل بند کر کے یوں خلاؤں میں گھورنے لگے جیسے ناہید کی موجودگی کو نظرانداز کرنے کی کوشش کر رہے ہوں۔ چہرے پر طاری سنجیدگی دیکھ کر ناہید نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ ابھی تک اس سے خفا ہیں۔

"فراز!" اس نے فراز کی بے نیازی کو محسوس کرتے ہوئے آہستہ سے پکارا۔

"جی!" فراز نے بڑی سنجیدہ نظروں سے اسے دیکھا پھر سپاٹ آواز میں بولے۔ "آپ نے شاید مجھے آواز دی تھی۔"

"میں رشتے میں آپ سے بڑی بھی ہوں۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "مجھے آپ کو ڈانٹنے کا حق بھی حاصل ہے۔"

"میں آپ کی عظمتوں سے واقف ہوں محترمہ! آپ اس قدر بلند ہیں کہ اس گھر کے مکین آپ کے سامنے سرنگوں نظر آتے ہیں۔" فراز نے تلخ اور چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ "رہا ڈانٹنے کا حق تو آپ کو اس کا پورا پورا اختیار حاصل ہے۔"

"آپ ..... شاید ابھی تک مجھ سے خفا ہیں۔" ناہید نے فراز کے جملے کی تلخیوں کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"جو آنسو مجبور ہو کر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے چھلک کر پلکوں تک آ جائیں' بڑے انمول ہوتے ہیں۔" فراز نہایت سنجیدگی سے بولے۔ "خدا گواہ ہے کہ میں نے ان آنسوؤں کو اپنے دامن کی وسعتوں میں سمیٹنے کی جو کوشش کی تھی اُس میں خلوص کے سوا کسی اور جذبے کو مطلق کوئی اور دخل نہیں تھا۔"

"میں معذرت خواہ ہوں فراز!" ناہید کی زبان لڑکھڑانے لگی۔ "حالات سازگار نہ ہوں تو انسان خود اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگتا ہے۔"

"اور ایسے حالات میں کسی کا اعتماد مل جائے تو ایک سہارا بن جاتا ہے۔"

"مجھے آپ پر مکمل اعتماد ہے۔" ناہید جلدی سے بولی۔ "ایک آپ کی ذات تو ہے جو اس گھر میں قہقہے بکھیرتی رہتی ہے' زندگی سے بھرپور قہقہے جن میں دوسروں کا غم بھی کچھ لمحوں کے لئے چھٹ جاتا ہے۔"

"مجھے حالات کا اندازہ ہے لیکن جو کچھ ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے اس میں آپ کی خاموشیوں کو بھی بڑا دخل ہے۔"

"فراز!" ناہید کی آواز بھرا گئی' دل کے زخموں کو ٹھیس لگی تو وہ ہونٹ کاٹ کر رہ گئی' زیادہ کچھ نہ کہہ سکی۔

"میں آپ کی وفاؤں اور عظمتوں کو سلام کرتا ہوں ناہید صاحبہ لیکن خدارا اب اس خاموشی کو توڑ دیجئے۔" فراز تڑپ کر بولے۔ "اگر آپ نے اب بھی اپنی حق تلفی کے خلاف آواز بلند نہ کی تو بھائی جان کو شہ ملتی رہے گی اور ..... اُن کی بے راہ روی میں مزید اضافہ ہوتا رہے گا۔"

"فراز!" ناہید کی پلکوں کے گوشے بھیگنے لگے۔

"امی حضور آپ کے ساتھ ہیں' میں آپ کے ساتھ ہوں پھر آپ کو کس بات کا خطرہ ہے۔" فراز تیزی سے بولے۔ "دل میں جو غبار ہے اُسے ایک بار جی کڑا کر کے زبان تک لے آیئے ..... میں جانتا ہوں کہ آپ کے زبان کھولنے سے اس گھر کی چہار دیواری میں ایک طوفان بپا ہو گا' یہاں کا سکون درہم برہم ہو گا لیکن جب طوفان کی شدتیں ٹوٹیں گی تو حالات ضرور کروٹ لیں گے ..... اور....."

"اور یہ بھی ممکن ہے فراز کہ طوفان کی شدتیں خود میرے کمزور وجود کو خس وخاشاک کی طرح دور بہا کر لے جائیں۔" ناہید نے ٹوٹے لہجے میں کہا۔ "نہیں ..... میں ایسا کبھی نہیں کر سکتی' میں سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں لیکن اس درخت کو طوفانوں کی زد میں نہیں لا سکتی جس کے سائے میں مجھے سر چھپانے کی جگہ ملی ہے' میں اس پناہ گاہ کے لئے کوئی خطرہ پیدا نہیں کر سکتی۔"

"گویا اس ماحول میں آپ بہت آسودہ اور مطمئن ہیں؟" فراز نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نہ سہی' لیکن مجھے یہاں سر چھپائے رکھنے کی جگہ ضرور حاصل ہے۔" ناہید ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "امی حضور کی عنایتیں مجھ پر بے شمار ہیں اور آپ جیسا پُرخلوص اور

ہمدرد دوست بھی ہے۔"

"آپ کی خاموشی بھائی جان کی جسارتوں کو ہوا دے گی' تلخیاں کم ہونے کے بجائے بڑھتی جائیں گی اور پھر..... آج جس سایہ دار درخت میں آپ کو سایہ حاصل ہے وہ درخت آپ کے لئے قیامت بن جائے گا' جس ماحول میں آپ سکون تلاش کرنے کے لئے بھٹک رہی ہیں یہی ایک روز اس قدر غبار آلود ہو جائے گا کہ گھٹن کا احساس آپ کا جینا حرام کر دے گا۔"

"میں ..... جانتی ہوں فراز لیکن اس کے باوجود زبان نہیں کھولوں گی۔" ناہید نے اس بار ٹھوس آواز میں جواب دیا۔

فراز نے ناہید کے چہرے کو غور سے دیکھا' وہ حسرت و یاس کا ایک جیتا جاگتا شاہکار نظر آ رہی تھی۔ اُس کی غزالی آنکھوں میں دل کے ارمانوں کا خون چھلک رہا تھا' اُس کے یاقوتی لبوں پر پیار کی کچلی ہوئی شدتیں مچل رہی تھیں لیکن اس کی کشادہ' صاف و شفاف و اجلی پیشانی پر حالات کی ستم ظریفیوں نے ابھی تک کسی ناخوشگوار احساس کو لکیر کی شکل میں نمودار نہیں ہونے دیا تھا' وہ اندر سے مضطرب تھی' بے چین تھی' کسی طوفان کی مانند اپنے وجود کی تہوں میں ہزاروں شدتیں سمیٹے ہوئے تھی لیکن اوپر سے کس قدر پُرسکون اور خاموش نظر آ رہی تھی۔

فراز کچھ دیر تک خاموش رہے پھر کچھ سوچ کر بولے۔

"کیا آپ جانتی ہیں کہ وہ دیوار کون سی ہے جو آپ کے اور بھائی جان کے درمیان حائل ہو رہی ہے؟"

"نہیں۔" ناہید نے آہستہ سے جواب دیا۔ "میں جاننا بھی نہیں چاہتی۔"

"اس طرح گھٹ گھٹ کر مرنے سے تو بہتر ہے کہ انسان خود اپنے ہاتھوں سے ایک بار مر جائے۔" فراز تڑپ کر بولے۔

"مجھے آپ سے اس مشورے کی امید نہیں تھی فراز!" ناہید کے لہجے میں شکایت تھی۔

"کیوں؟" فراز تلملا اٹھے۔ "کیا میں انسان نہیں ہوں ..... پتھر ہوں جو مجھے سرد و گرم کا احساس نہ ہو سکے۔"

"احساس زندگی کی علامت ہے فراز!" ناہید نے فراز کو دیکھتے ہوئے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "میری دعا ہے کہ آپ کا احساس ہمیشہ زندہ رہے۔"

"اور آپ اسی طرح غموں کی آگ میں جلتی رہیں۔"

"وقت ہر زخم کے لئے مرہم بن جاتا ہے فراز!" ناہید اپنا غم بھول کر فراز کو بھالنے کی خاطر بولی۔ "آپ کی شادی ہو جائے گی تو اس گھر کی خوشیوں میں اضافہ ہو ئے گا۔"

"یہ قیاس بھی قبل از وقت ہے۔" فراز سپاٹ آواز میں بولے۔ "کل کیا ہو گا' کون ن سے کہہ سکتا ہے۔"

"پھر بھی ..... انسان کو امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے۔" ناہید نے کہا پھر لراتے ہوئے بولی۔ "بقرعید کے چاند میں یوں بھی اب زیادہ دن نہیں ہیں۔"

"فرزانہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" فراز نے اچانک پوچھا۔

"مجھے معلوم ہے کہ آپ کو اس کی آزادی اور فیشن پرستی ناپسند ہے لیکن شادی کے آپ کو اختیار ہو گا' جس طرح چاہے رکھیں۔" ناہید نے دبی زبان میں کہا۔ "بوا وری جیسا بادبانی برقع بھی سلوایا جا سکتا ہے۔"

"دوسروں کو خوش دیکھنا اور خوش رکھنا بڑی بات ہے محترمہ! میں آپ کے جذبات بڑی قدر کرتا ہوں لیکن اس کے باوجود میں جانتا ہوں کہ فرزانہ اور میرے خیالات میں تضاد ہے۔" فراز نے سنجیدگی سے کہا۔ "بھائی جان کی طرح میری شادی میں بھی امی ور کی خوشیوں اور پسند کو زیادہ دخل ہے۔"

"فرزانہ آپ کے مرحوم والد کی بھی پسند ہے فراز!" ناہید بولی۔ "امی حضور نے بتایا ہے کہ آپ کا اور فرزانہ کا رشتہ آپ کے والد مرحوم کی زندگی ہی میں طے ہو چکا یہی وجہ ہے کہ امی حضور کا جھکاؤ فرزانہ کی طرف زیادہ ہے۔"

"مجھے علم ہے ..... لیکن ..... فرزانہ میری پسند نہیں ہے۔" فراز نہایت رہ نظر آ رہے تھے۔

"پھر..... آپ کو کون پسند ہے۔" ناہید روانی میں کہہ گئی پھر اپنی غلطی کا احساس تو جلدی سے بات بناتے ہوئے بولی۔ "کیا آپ نجو کو فرزانہ پر ترجیح دیں گے؟"

فراز نے پلٹ کر ناہید کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا پھر جلدی سے نظریں جھکا اسی وقت منصور کی گاڑی پھاٹک کے اندر آ کر رکی تو ناہید اور فراز دونوں ہی اپنی اپنی سنبھل کر بیٹھ گئے' منصور نے گاڑی سے اتر کر ناہید کو دیکھا تو ایک لمحے کو رکے پھر اٹھاتے لان پر آ گئے۔ فراز بڑے بھائی کو دیکھ کر احتراماً اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ناہید

نے بھی اپنی نشست چھوڑ دی تھی۔ منصور کو آتا دیکھ کر نہ جانے کیوں اُس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگی تھیں' سہمی سہمی سی نظر آ رہی تھی۔

"تم کب آئیں۔" منصور نے ناہید سے پوچھا' فراز کی موجودگی میں منصور نے بڑی اپنائیت کا مظاہرہ کیا تھا۔

"جی..... " ناہید ایک لمحے کو اس قدر اپنائیت بھرا لہجہ محسوس کر کے چکرا گئی' خود کو سنبھالتے ہوئے جلدی سے بولی۔ "کچھ دیر پہلے ہی آئی ہوں۔"

"اب طبیعت کیسی ہے؟"

"خدا کا شکر ہے۔" ناہید نے آہستہ سے کہا۔

"آج کرنل سر فراز نے مجھے فون کیا تھا۔" منصور نے اس بار فراز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "انہوں نے تمہارے لئے کسی پروجیکٹ کی بات کی ہے' کل کسی وقت موقع نکال کر مل آنا' ہو سکتا ہے کوئی فائدے کی بات ہو۔"

"آپ کا حکم ہے تو ضرور مل لوں گا لیکن فی الحال میں کسی نئے پروجیکٹ میں ہاتھ ڈالنا نہیں چاہتا۔" فراز نے کہا۔ "جو کام ہو رہے ہیں پہلے وہ نپٹ جائیں پھر نئے کام کے بارے میں سوچا جائے گا۔"

"تم جانو ..... سسرال کا معاملہ ہے۔" منصور نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہرحال مل لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔"

منصور کچھ دیر تک کھڑے فراز سے بزنس کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ پھر اندر چلے گئے' ناہید بھی اُن کے پیچھے پیچھے چلی گئی' البتہ فراز دوبارہ فائل کے مطالعے میں مصروف ہو گئے تھے۔

منصور نے جس اپنائیت سے ناہید سے اُس کی خیریت دریافت کی تھی اُس نے ناہید کے دل کے وسوسوں کو دور کر دیا تھا۔ اس نے یہی نتیجہ اخذ کیا کہ منصور کو اپنی باتوں پر ضرور ندامت ہوئی ہو گی۔ غصے میں وہ جو کچھ کہہ گئے تھے اس کا احساس انہیں بعد میں ہوا ہو گا' جبھی تو وہ گاڑی سے اتر کر لان پر آ گئے تھے' ناہید کو دیکھ کر نفرت سے منہ نہیں پھیرا تھا' کیسی میٹھی زبان میں اُس کا احوال پوچھا تھا۔

خوشیوں کی ایک ہی کرن نے ناہید کے دل کا سارا غبار دھو ڈالا تھا۔ اس کے اداس چہرے پر زندگی کی علامتیں دوبارہ ابھر آئی تھیں۔ مستقبل کے حسین خواب از سر نو بیدار ہوتے نظر آ رہے تھے۔ محبت سے لبریز صرف ایک ہی جملے نے جیسے اُس کی کایا پلٹ دی

تھی' خزاں کے موسم میں بہار آ گئی تھی' دل میں سوئے ہوئے ارمانوں اور آرزوؤں میں گدگدیاں سی ہونے لگی تھیں۔ دل کے زخم جو ناسور کی صورت میں رسنے لگے تھے' تعفن پیدا کرنے لگے تھے ایک دم ہی مندمل ہو گئے' مہکنے لگے تھے' وقت نے اچانک ہی کیسی خوشگوار کروٹ لی تھی' اسے اسی وقت کا تو انتظار تھا۔ اسی لمحے کے انتظار میں تو اُس نے ایک ایک دن گن گن کر گزارا تھا۔ ہر تلخیوں کو ہنس ہنس کر برداشت کیا تھا۔ ہر زخم کو اپنے وجود کے نہاں خانوں میں چھپا لیا تھا۔

آنے والی خوشیوں کے احساس نے اُسے گلنار بنا دیا تھا' اپنے وجود میں نادیدہ مسرتوں کا ہجوم سمیٹے وہ گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی' رات کے کھانے پر بھی منصور بڑے خوشگوار موڈ میں نظر آ رہے تھے۔ ماں اور بھائی سے ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے پھر کھانے سے فارغ ہو کر اپنے کمرے میں چلے گئے' ناہید نے ساس کو اُن کے کمرے میں پہنچایا پھر دھڑکتے ہوئے دل سے خود بھی اپنی خوابگاہ میں آ گئی۔

منصور پائیں باغ میں کھلنے والی کھڑکی کے قریب کھڑے نہ جانے تاریکی میں کیا دیکھ رہے تھے' وہ ہولے ہولے قدم اٹھاتی آگے بڑھ کر صوفے پر بیٹھ گئی' اُس کا دل چاہا تھا کہ منصور کے قریب جائے' اچانک اپنے مہکتے وجود کو اُن کے آہنی بازوؤں کے حصار میں دے کر کہے ـــ منصور! تمہاری ایک نظر کرم کے عوض مجھے دنیا کی تمام دشواریاں منظور ہیں ..... موت بھی گوارا ہے ـــ لیکن وہ چاہنے کے باوجود اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنا سکی۔ چپ چاپ بیٹھی منصور کو تکتی رہی جنہیں غالباً کمرے میں اس کی آمد کی خبر نہیں ہوئی تھی۔

بہت دیر تک منصور یوں ہی کھڑکی کے قریب کھڑے رہے پھر آہستہ سے پلٹے تو ناہید کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ ان کی نگاہوں میں وہ محبت اور شوخی نہیں تھی جو اُس نے فراز کی موجودگی میں دیکھی تھی' اس کے برعکس وہ بے حد الجھے الجھے اور پریشان نظر آ رہے تھے۔ ناہید سے نگاہیں چار ہوئیں تو منصور کی پیشانی پر ناخوشگوار سلوٹیں ابھر آئیں اور ناہید کا دل ایک بار پھر چھلنی ہو گیا۔ خوشیوں کے سارے ہی نُل جو اُس نے امیدوں کے دوش پر تعمیر کئے تھے ایک ہی جھٹکے میں مسمار ہو گئے' جو کچھ اُس نے سوچا تھا' محسوس کیا تھا' وہ سب وہم تھا' سراب تھا۔ جسے وہ چشمہ سمجھ کر اُس کی جانب لپکی تھی پھر سہم کر اپنی جگہ ساکت و جامد ہو گئی تھی۔ پیاس کی شدت پہلے سے کچھ اور سوا ہو گئی۔ حلق میں کانٹے سے محسوس ہو رہے تھے۔

"جاتے وقت تم نے امی حضور سے کیا کہا تھا؟" منصور کی تلخ آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"جی....." ناہید نے اپنے ڈانواں ڈول وجود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "یونہی گھر جانے کی اجازت مانگی تھی۔"

"کسی کو ہماری گفتگو کی بھنک تو نہیں ملی۔" منصور نے خشک آواز میں سوال کیا۔

"جی نہیں۔" اُس نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن امی حضور تمہارے سلسلے میں ایک خوش فہمی کا شکار ہو گئی ہیں۔" منصور نے حقارت سے کہا۔ "ان کا خیال ہے کہ تمہارے وجود کے اندر میرا خون کلبلا رہا ہے۔"

ناہید نے خاموشی سے گردن جھکالی' اُس سے کوئی جواب بن نہیں پڑا تھا۔

"کیا یہ حقیقت ہے؟"

منصور نے کچھ توقف کے بعد پوچھا تو ناہید کو یوں محسوس ہوا جیسے سر بازار اُس کے سر سے دوپٹہ اتار لیا گیا ہو' جیسے اُسے کوئی گندی سی گالی دی گئی ہو' دنیا جہان کی تمام غلاظتیں اُس پر اچھال دی گئی ہوں' اُس کا چہرہ غصے سے تپ کر گلنار ہو گیا' سر تا پا لرز اٹھی — اس سے تو بہتر تھا کہ اُسے موت آ جاتی — اس نے سوچا اور منصور کو گھورنے لگی' منہ سے کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ خون کا گھونٹ پی کر چپ رہ گئی۔

"مجھے معلوم ہے کہ امی حضور کا خیال غلط ہے۔" منصور نے ناہید کے چہرے کے تاثرات پڑھتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "لیکن جو کچھ ہوا اچھا نہیں ہوا' جس روز بھی امی حضور کو اصلیت کا علم ہو گا اُن کا دل ٹوٹ جائے گا۔"

"اس کا اندازہ مجھے بھی ہے ..... مگر میں کیا کر سکتی ہوں۔" ناہید نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔ منصور کے جملے کی کاٹ ابھی تک اُس کے وجود کی گہرائیوں میں چبھ رہی تھی۔

"میں کوشش کروں گا کہ امی حضور کی غلط فہمی کو کسی طرح دور کر دوں۔" منصور نے حقارت سے کہا پھر دوسرے صوفے پر بیٹھ کر اپنی سوچوں میں کھو گئے۔

ناہید بے نیازی سے اٹھی اور مسہری پر آ گئی۔ اس رات وہ خاصی دیر تک آنکھیں بند کئے اپنے حال اور مستقبل کے بارے میں سوچتی رہی پھر نہ جانے کب نیند کا خمار طاری ہوا اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئی۔

☆------☆------☆

محسن علی فراز کے ہم جماعت رہ چکے تھے' دونوں دوستوں میں بڑی گاڑھی چھنتی تھی اس لئے محسن علی منصور کو بھی فراز ہی کی طرح اپنا بزرگ سمجھتے تھے۔ مرحوم سجاد علی کے گھریلو حالات اور رکھ رکھاؤ سے بھی وہ بخوبی واقف تھے۔ الٰہ آباد کے بیشتر افراد مرحوم سجاد علی کے گھرانے کی شرافت کی قسم کھاتے تھے اس لئے جب محسن علی کو سلیم کی زبانی منصور کے نجی حالات کا علم ہوا تو وہ کچھ عجیب مخمصے میں پڑ گئے۔ مراد خاں کی سرگرمیوں کا حال بھی انہیں پہلے سے معلوم تھا لیکن ابھی تک کوئی ایسا ٹھوس ثبوت اُن کے ہاتھ نہیں لگا تھا جس کی بنیاد پر وہ اس پر ہاتھ ڈال سکتے۔

سلیم کے جانے کے بعد محسن علی نے کئی بار ان خطوط کا مطالعہ کیا جو نازلی نے اسے تحریر کئے تھے۔ نازلی اور بیرسٹر افتخار احمد کے بارے میں بھی اُن کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ ان کے اور مرحوم سجاد علی کے درمیان ہمیشہ کشیدگی رہتی تھی۔ چنانچہ یہ بات محسن علی کے لئے زیادہ حیرت کا باعث تھی کہ آخر منصور سب کچھ جانتے بوجھتے نازلی کی زلفوں کا شکار کس طرح ہو گئے۔ بہرحال سلیم نے جن خطروں کا اظہار کیا تھا وہ اپنی جگہ مسلّم تھے۔ بیرسٹر افتخار احمد اس وقت شہر کے بڑے وکیلوں میں شمار کئے جاتے تھے۔ سجاد علی کی موت کے بعد اُن کی بن آئی تھی اور وہ دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹ رہے تھے۔ سلیم کے خطوط کو آڑ بنا کر اگر وہ چاہتے تو مرحوم سجاد علی کے خاندان پر بھی کیچڑ اچھال سکتے تھے اور منصور اور ناہید کی زندگی بھی اُس سے متاثر ہو سکتی تھی۔

دن بھر محسن علی ان ہی الجھنوں کا شکار رہے' اُن کی سمجھ میں کوئی ایسا طریقہ کار نہیں آ رہا تھا جس سے سانپ بھی مر جاتا اور لاٹھی بھی محفوظ رہتی۔ بات اگر صرف نازلی' سلیم اور مراد خان کی حد تک محدود ہوتی تو وہ نہایت آسانی سے اس مسئلے کو سلجھا سکتے تھے لیکن سلیم نے جس انداز میں منصور اور نازلی کی محبت کا تذکرہ کیا تھا اُس سے محسن علی نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا کہ نازلی کو کسی انتقامی کارروائی سے باز رکھنا بے حد دشوار ہو گا مگر محسن علی کو یہ بھی منظور نہیں تھا کہ اس انتقامی کارروائی سے سجاد علی کا گھرانہ متاثر ہو۔ انہوں نے ناہید کو اپنی منہ بولی بہن بنا رکھا تھا اور انہیں شازیہ اور ناہید کے خاندانی تعلقات کا خیال بھی لاحق تھا اس لئے انہوں نے گھر پہنچ کر شازیہ کو بھی اس گتھی کو سلجھانے میں شریک کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ شازیہ کے ذریعہ وہ ناہید کی ازدواجی زندگی کے سلسلے میں بھی معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے چنانچہ گھر پہنچ کر انہوں نے حسب معمول ناشتہ کیا اور کچھ دیر بزرگوں میں بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے پھر شازیہ کو لے کر اپنے کمرے میں آ

گئے اور کچھ توقف کے بعد بولے۔

"فراز کے ہاں گئے بہت دن ہو گئے' وہ میری غیر حاضری پر آگ کی طرح کھول رہا ہو گا۔"

"میں تو کئی بار آپ کو یاد دلا چکی ہوں لیکن آپ ہی مصروفیت کا بہانہ کر کے ٹال جاتے ہیں۔" شازیہ مسکراتے ہوئے بولی۔ "رہا فراز بھائی کا معاملہ تو انہیں آپ پر ناراض ہونے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔"

"وہ کس طرح؟" محسن نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"اس طرح کہ فراز بھائی کی شادی کی بات پکی ہو چکی ہے اور آپ نے ابھی تک پلٹ کر خبر تک نہیں لی۔"

"شادی کی بات پکی ہو چکی ہے ..... کہاں؟" محسن نے حیرت سے پوچھا۔

"کرنل سرفراز کی بیٹی فرزانہ سے۔" شازیہ بولی۔ "بزرگوں کے درمیان یہ رشتہ ناہید کے سسر کی زندگی ہی میں طے ہو گیا تھا۔"

"خدا کی قسم اب لطف آئے گا۔" محسن شوخی سے بولے۔ "فرزانہ اپنے فراز کے لئے سیر پر سوا سیر ثابت ہو گی۔"

"کیا مطلب' کیا آپ فرزانہ کو دیکھ چکے ہیں؟"

"تمہیں یاد نہیں ..... اس روز فراز کی کامیابی کے جشن میں فرزانہ بھی تو شریک تھی۔" محسن نے کہا۔ "غضب، کا بناؤ سنگھار کیا ہوا تھا اور اس کے طور طریقوں سے یہی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ناک پر مکھی بیٹھنے کو بھی کسر شان سمجھتی ہیں' ایک ایک حرکت سے غرور اور بڑائی کی بو باس آ رہی تھی۔"

"پھر تو فراز بھائی کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔" شازیہ بولی۔ "ان کے لئے تو ناہید ہی جیسی کوئی سیدھی سادی اور حسین لڑکی کا انتخاب ہونا چاہئے تھا۔"

"مجھے تو اس بات پر حیرت ہے کہ فراز نے اس شادی پر رضامندی کا اظہار کیسے کر دیا۔" محسن نے تعجب سے کہا۔

"ہو سکتا ہے فراز بھائی نے اپنے والد مرحوم کے کئے ہوئے وعدے کی لاج رکھنے کے لئے ہامی بھر لی ہو۔"

"کچھ بھی ہو لیکن یہ طے ہے کہ فراز اور فرزانہ میں برابر کی ٹکر رہے گی ..... اب برخودار کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو گا۔"

"دیکھئے جناب! ذرا لگام دیجئے زبان کو۔" شازیہ شوہر کو پیار بھری نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔ "فراز بھائی یہاں موجود نہ سہی لیکن ان کی بہن ضرور موجود ہے اس لئے براہ کرم کوئی ایسی بات فراز بھائی کی شان میں نہ کہئے گا کہ اُن کی بہن کو جلال آ جائے۔"

"آئی ایم سوری بیگم!" محسن علی نے یکلخت سہمے ہوئے انداز میں کہا پھر میاں بیوی دونوں ہی بے اختیار قہقہے لگانے لگے۔ کچھ دیر تک دونوں کے درمیان فراز اور فرزانہ کی شادی کے مسئلے پر اسی قسم کی دلچسپ چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی پھر محسن علی نے اصل مقصد کی طرف آتے ہوئے دبی زبان میں پوچھا۔ "ناہید بہن کی بھی کوئی خیر خبر ہے' بہت دنوں سے ان کی بھی کوئی خیریت نہیں معلوم ہوئی۔"

"میرا خیال ہے کہ آپ آج کل کچھ زیادہ ہی مصروفیت کا شکار ہیں۔" شازیہ بولی۔ "ابھی چند روز کی تو بات ہے جب میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ناہید گھر آئی ہوئی ہے۔"

"اب کہاں ہے؟"

"آج ہی تو فراز بھائی لے کر گئے ہیں۔"

"فراز لے کر گئے ہیں۔" محسن علی نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ "کیا منصور بھائی نہیں آئے تھے؟"

"وہ کیوں آتے لینے۔" شازیہ نے تیزی سے جواب دیا۔ "اب انہیں کیا ضرورت ہے محبت میں گرمجوشی دکھانے کی۔"

"کیا مطلب؟" محسن نے تیزی سے پوچھا۔ "کیا خدانخواستہ....."

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" شازیہ بولی۔ "البتہ ناہید نے سخت حماقت کا ثبوت دیا ہے جو اتنی جلدی خاندانی منصوبہ بندی کے اصول کو بھول کر روگ پال بیٹھی۔"

"یہ تو خوشی کی بات نہیں ہے؟" محسن علی شوخی سے بولے۔ "آپ کو بھی اپنی سہیلی سے سبق سیکھنا چاہئے۔"

"خاطر جمع رکھئے۔" شازیہ تیزی سے بولی۔ "ابھی کم از کم پانچ سال تک میرا اس قسم کی حماقت کر بیٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"

"مرضی جناب کی۔" محسن پیار سے سرد آہ بھر کر بولے پھر قدرے سنجیدگی سے کہا۔ "ناہید بہن اور منصور بھائی کے تعلقات کے بارے میں آپ کا کیا اندازہ ہے ..... میرا مقصد یہ ہے کہ کیا وہ ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔"

"ناہید کا تو یہی کہنا ہے کہ منصور بھائی اُسے دیکھ دیکھ کر جیتے ہیں ..... لیکن یہ آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"ناہید بہن کی تربیت جس ماحول میں ہوئی ہے وہاں لڑکیاں اپنے شوہروں کو مجازی خدا کا درجہ دینے پر مجبور ہوتی ہیں۔" محسن سنجیدگی سے بولے۔ "خدا کرے کہ آپ نے جو اندازہ ناہید اور منصور بھائی کے سلسلے میں لگایا ہے وہ درست ہو لیکن میرا خیال اس کے برعکس ہے۔"

"خیریت تو ہے؟" شازیہ نے شوہر کی سنجیدگی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ کو ناہید اور منصور کے بارے میں کچھ علم ہوا ہے؟"

"ناہید بہن کے بارے میں نہیں ..... صرف منصور بھائی کے بارے میں۔" محسن نے آہستہ سے کہا۔ "میں آپ سے اسی سلسلے میں مشورہ چاہتا ہوں لیکن اس شرط پر کہ جو باتیں میں آپ کو بتاؤں اُس کا علم ہمارے سوا کسی اور کو نہیں ہونا چاہئے۔"

"خدا کے لئے پہیلیاں نہ بجھوایئے' جلدی سے بتایئے کیا بات ہے۔" شازیہ نے بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "میں کوئی ناہید کی دشمن تو ہوں نہیں کہ اُس کی کسی بات کو طشت ازبام کرنے بیٹھ جاؤں گی۔"

محسن علی نے ایک لمحہ تامل کیا پھر سلیم سے اپنی ملاقات کی پوری تفصیل سناتے ہوئے وہ خطوط بھی شازیہ کے حوالے کر دیئے جو سلیم نے دیئے تھے۔ شازیہ نے جلدی جلدی ان خطوط کو پڑھنا شروع کر دیا' جوں جوں وہ ان خطوط کو پڑھ رہی تھی اُس کے چہرے کی رنگت اڑتی جا رہی تھی۔ محسن علی خاموش بیٹھے بیوی کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو پڑھتے رہے۔

"ان خطوط سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ منصور بھائی بھی نازلی کی محبت میں گرفتار رہ چکے ہیں اور انہوں نے محض خالہ جان کے حکم پر ناہید سے شادی کی ہے لیکن یہ نازلی ہے کون؟" شازیہ نے خطوط پڑھنے کے بعد گہری سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"نازلی فراز کے مرحوم والد کے ایک دیرینہ دشمن بیرسٹر افتخار احمد کی انتہائی موڈرن لڑکی ہے۔" محسن نے خطوط واپس لیتے ہوئے کہا۔ "سلیم کے بیان کے مطابق منصور بھائی نے ابھی تک نازلی سے اپنے تعلقات ختم نہیں کئے ہیں اور ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ نازلی کا طوفان کسی وقت بھی سر اٹھا سکتا ہے۔"

"پھر ..... آپ نے کیا سوچا ہے؟" شازیہ نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"فی الحال میں نے کوئی آخری فیصلہ نہیں کیا ہے۔" محسن ہونٹ کاٹتے ہوئے بولے۔ "آپ کا کیا مشورہ ہے' اس سلسلے میں' کیا مجھے شیخ حامد حسین صاحب سے مل کر ان باتوں کا ذکر کر دینا چاہئے۔"

"سلیم کو جہنم میں جھونکئے' اُس کے لچھن تو شروع سے خراب ہیں' جیسا کیا ہے ویسا ہی بھریں گے لیکن مجھے تو منصور بھائی اور ناہید کی ازدواجی زندگی کی فکر ہے۔" شازیہ نے پریشان انداز میں کہا۔ "تعجب تو اس بات پر ہے کہ ناہید نے آج تک اس سلسلے میں مجھے بھی کوئی بات نہیں بتائی۔"

"ممکن ہے ناہید بہن کو بھی ابھی تک نازلی اور منصور بھائی کے خفیہ تعلقات کا علم نہ ہو۔"

"لیکن یہ بات آخر پوشیدہ بھی کب تک رہے گی۔" شازیہ غصے سے پیچ و تاب کھاتی ہوئی بولی۔ "اگر نازلی آج سلیم کو بلیک میل کر رہی ہے تو کل منصور بھائی پر بھی ہزاروں بہتان لگا سکتی ہے' ایک نہ ایک دن تو بھانڈا ضرور پھوٹے گا۔"

"میرا خیال ہے کہ اگر کسی طرح منصور بھائی کو یہ بات بتا دی جائے کہ نازلی کس قماش کی لڑکی ہے تو ممکن ہے وہ خود ہی نازلی سے پیچھا چھڑانے کی کوئی سبیل نکال لیں۔ رہا سلیم کا مسئلہ تو اس سلسلے میں مراد خاں کو کریدنے کے بعد ہی کوئی مؤثر کارروائی کی جا سکتی ہے۔"

"چولہے میں گیا سلیم اور اُس کا مسئلہ۔" شازیہ تلملا کر بولی۔ "مجھے تو ناہید کی فکر دامنگیر ہو گئی ہے۔ اگر ناہید کے گھر والوں تک بات پہنچ گئی تو قیامت آ جائے گی۔ کیسے ارمانوں سے انہوں نے اس کا گھر بسانے کی کوشش کی تھی ..... خدا غارت کرے اس نازلی کو جو ناگن بن کر میری سہیلی کا سہاگ ڈسنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

"حوصلے سے کام لو شازیہ!" محسن علی نے بیوی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اس طرح چیخ پکار کرنے سے تو حالات اور خراب ہو جائیں گے۔ یہ سوچو کہ منصور بھائی کو ان حالات سے کس طرح باخبر کیا جائے' کیا براہ راست میرا ملنا مناسب ہو گا۔"

"میں آپ کو اس کا مشورہ تو کبھی نہ دوں گی۔" شازیہ نے خود پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔ "منصور بھائی کو آپ کے اور فراز کے اور میرے اور ناہید کے دیرینہ مراسم کا بخوبی علم ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے درمیان میں پڑنے کو وہ کوئی اور رنگ دیں جس کا خمیازہ بے چاری ناہید کو بھگتنا پڑے اور اس غریب کی زندگی مفت میں برباد ہو جائے۔"

"آپ کا مشورہ نہایت مناسب ہے۔" محسن بولے۔ "دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ میں فراز کو اعتماد میں لوں اور فراز کسی طرح منصور بھائی کو راہ راست پر لانے کی کوشش کریں لیکن کیا فراز' بھائی سے اس مسئلے پر کھل کر گفتگو کر سکیں گے۔"

"اس کے بجائے کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ اس ناگن نازلی سے مل کر اُسے ڈرانے دھمکانے کی کوشش کریں۔" شازیہ نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ وہ قانون کی دھونس میں آکر منصور بھائی کا پیچھا چھوڑ دے۔"

"آپ کو اس بات کا اندازہ نہیں ہے کہ نازلی کس قماش کی لڑکی ہے۔" محسن بولے۔ "جو لڑکی اس درجہ آزاد خیال ہو جائے کہ غیر مردوں کو بیہودہ قسم کے عشقیہ خطوط تحریر کر سکے وہ دنیا کا ہر کام کر سکتی ہے۔ اس کے علاوہ نازلی بیرسٹر افتخار کی بیٹی ہے جو ہمیشہ سے مرحوم سجاد علی کے خاندان کے دشمن رہے ہیں' اگر وہ بھی درمیان میں آ گئے تو بات ہمارے ہاتھوں سے نکل کر کچہری اور عدالتوں تک پہنچ جائے گی اور آج جو ناگفتہ بہ باتیں صرف چند افراد تک محدود ہیں کل پورے شہر کے لئے چہ میگوئی کا باعث بن جائیں گی۔"

"پھر....."

"آپ سے گفتگو کرنے کے بعد میرے ذہن میں ایک ہی طریقہ کار آ رہا ہے۔" محسن علی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میں اپنے کسی ماتحت کو اعتماد میں لے کر منصور بھائی کے پاس بھیجوں اور وہ میرا ذکر درمیان میں لائے بغیر انہیں یہ باور کرانے کی کوشش کرے کہ اگر انہوں نے نازلی سے قطع تعلق نہ کیا تو اس کے نتائج اُن کے حق میں خطرناک ثابت ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح حالات سدھر جائیں ورنہ بعد میں کوئی دوسرا راستہ اختیار کیا جائے گا۔"

"نہایت مناسب خیال ہے۔" شازیہ بولی۔ "آپ خدا کا نام لے کر اسی طریقے پر عمل کیجئے لیکن اس بات کا خیال رکھئے گا کہ آپ کا نام کسی طور درمیان میں نہ آنے پائے۔"

"ایک گزارش میں آپ سے اور کروں گا۔" محسن نے بیوی کی بات نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟"

"ذرا اپنے جذباتی جذبات پر قابو رکھنے کی کوشش کیجئے گا' کہیں ایسا نہ ہو کہ ناہید سے ملنے پر آپ کی زبان سے کوئی بات نکل جائے۔"

"مطمئن رہئے' میں آپ سے زیادہ اپنی سہیلی کی خیرخواہ ہوں۔"

"لیکن اس کے باوجود اس کے نقشِ قدم پر چلنے سے گریز کرتی ہیں۔" محسن نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"بے وقت کی راگنی اسی کو کہتے ہیں۔" شازیہ جھلا کر بولی۔ "میں ناہید کے سلسلے میں پریشان ہوں اور آپ کو ہری ہری سوجھ رہی ہے۔"

پھر اس سے پیشتر کہ محسن علی کچھ کہتے' شازیہ تیزی سے پلٹی اور بل کھاتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

☆------☆------☆

سلیم کے چلے جانے سے شیخ حامد حسین کے گھر کا سکون آج کل پھر بحال نظر آ رہا ہے۔ شہناز دو روز سے اپنے میکے گئی ہوئی ہے اس لئے نجمہ بیگم بھی پوری طرح مطمئن نظر آ رہی ہیں۔ انہیں اس بات کی بطور خاص بے حد خوشی ہے کہ شہناز کو شیخ حامد حسین نے سلیم کے ساتھ جانے کی اجازت نہیں دی' اندرونی حالات کا انہیں مطلق کوئی علم نہیں تھا۔ شاید اس لئے کہ وہ ماں تھیں اور ماں کے ناطے سے وہ اولاد کے خلاف کوئی ایسی ویسی بات سننے یا ماننے کو قطعی تیار نہیں تھیں بلکہ شہناز کی وجہ سے تو انہوں نے جان بوجھ کر سلیم کی ہر جا و بے جا بات کی دل کھول کر حمایت شروع کر دی تھی' یہی سبب تھا کہ گھر کا سکون درہم برہم ہو کر رہ گیا تھا۔

اس وقت شام کے ساڑھے پانچ کا عمل تھا' نجمہ بیگم ڈرائنگ روم میں آتشدان کے قریب بیٹھی سوئٹر کی بُنائی کر رہی تھیں۔ نرجس قریب ہی بیٹھی کسی رسالے کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔ بھائی اور بھابی کے معاملے میں اس کی اپنی شخصیت بھی متاثر ہو کر رہ گئی تھی۔ اسے علم تھا کہ ماں کے بے جا لاڈ پیار نے بڑے بھائی کی عادتیں بگاڑ دی ہیں' اُس نے کبھی بڑے بھائی کی کسی بات پر انگلی اٹھانے یا روک ٹوک کرنے کی جسارت نہیں کی تھی لیکن شہناز اور سلیم کی شادی کے بعد اُسے مجبوراً شہناز کا ساتھ دینا پڑا تھا' اس لئے کہ شہناز اُس کی بڑی عزیز سہیلی تھی اور اس لئے بھی کہ نفسیاتی طور پر بھی وہ عورت کی حق تلفی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ چنانچہ شہناز کی حمایت کے سلسلے میں اُسے بھی نجمہ بیگم کی سخت سُست برداشت کرنا پڑتی تھی اور بطور خاص ماں کے غصے کا ہدف بننا پڑتا تھا لیکن جب سے سلیم لندن گیا تھا اور شہناز میکے سدھاری تھی گھر میں آئے دن ہونے والی تُو تُو' مَیں مَیں بڑی حد تک کم ہو گئی تھی۔

"تمہاری چہیتی سہیلی کتنے دنوں کے لئے اپنے باوا کے گھر رہنے کو گئی ہیں۔"

نجمہ بیگم نے سوئٹر بنتے بنتے اچانک نرجس کو مخاطب کیا تو وہ چونکے بغیر نہ رہ سکی۔ اُسے ماں کی بات گراں گزری تھی لیکن وہ کھل کر اس کا اظہار نہ کر سکی' دبی زبان میں بولی۔

"اگر بھابی جان آپ کو یاد آ رہی ہیں تو بوا کریمن کو بھیج کر بلوا لیجئے۔"

"نرجس!" نجمہ بیگم نے اون سلائی رکھتے ہوئے بیٹی کو گھورا اور سخت لہجے میں بولیں۔ "میں دیکھ رہی ہوں کہ تم کچھ زیادہ ہی شہناز کی طرف داری کرنے لگی ہو' مجھے یہ بات سخت ناپسند ہے۔"

"امی جان! اس وقت تو میں نے ایسی کوئی خاص بات نہیں کہی تھی کہ آپ خفا ہوں۔" نرجس نے بڑی معصومیت سے کہا۔

"کہی کیسے نہیں تھی۔" نجمہ بیگم جھلا کر بولیں۔ "تم نے بھلا اس بات کا اندازہ کیسے لگا لیا کہ شہناز بیگم کے نہ ہونے سے خدانخواستہ میری ممتا پھڑپھڑا رہی ہے۔"

"آپ ہی نے تو پوچھا تھا کہ بھابی جان کتنے دنوں کے لئے میکے گئی ہیں۔" نرجس سنجیدگی سے بولی۔

"ضرور پوچھا تھا..... لیکن اس لئے نہیں کہ تمہاری بھابی جان کے نہ ہونے سے اس گھر کی رونق اللہ نہ کرے ماند پڑ گئی ہے۔" نجمہ بیگم جلے کٹے لہجے میں بولیں۔ "بلکہ اب تو پہلے سے زیادہ سکون ہے ورنہ ہر وقت کی دانتا کِل کِل نے تو میرا دماغ خراب کر کے رکھ دیا تھا۔"

نرجس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ماں کی باتوں کا کیا جواب دے' بلاوجہ ماں سے الجھ کر وہ گھر کا سکون اور اپنی عافیت تنگ بھی نہیں کرنا چاہتی تھی' لہٰذا بات کا رخ بدلنے کی خاطر پوچھا۔

"بھائی جان کتنے دنوں کے لئے لندن گئے ہیں؟"

"زہے نصیب..... یہ تمہیں آج اپنے بھائی جان کا خیال کیسے آ گیا۔" نجمہ بیگم نے زہرخند سے کہا۔ "جب وہ یہاں تھا تب تو تم نے کبھی اتنے چاؤ سے اُس کی خیریت نہیں دریافت کی' بھائی کے مقابلے میں ہمیشہ اپنی لاڈلی بھاوج کی للو چپو میں لگی رہتی تھیں۔"

نرجس نے نظر بھر کر ماں کو دیکھا پھر نظریں جھکا کر دوبارہ رسالے کے ورق پلٹنے

لگی۔ ماں کے تیور آج پھر شہناز کے سلسلے میں بدلے بدلے نظر آ رہے تھے اس لئے اُس نے خاموشی ہی مناسب سمجھی تھی لیکن نجمہ بیگم کو چونکہ بہو سے للہی بغض تھا اس لئے انہیں نرجس کی خاموشی بھی بُری لگی تھی لہٰذا تلملا کر بولیں۔

"کیوں' اب نظریں کیوں جھکا لیں تم نے..... کیا بھائی کی محبت اتنی جلدی سرد پڑ گئی۔"

"آپ تو بلاوجہ مجھ پر خفا ہو رہی ہیں امی جان!" نرجس نے رسالہ ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔ "میں نے تو صرف بھائی جان کی کمی محسوس کرتے ہوئے یونہی ایک بات پوچھ لی تھی۔"

"یونہی پوچھی تھی یا تمہاری چہیتی بھاوج نے کھوج لگانے کو کہا تھا۔" نجمہ بیگم نے تیوری پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔ "ان بیگم صاحبہ سے جا کر کہہ دینا کہ وہ لندن جانے کے خواب دیکھنا ترک کر دیں' میں ایسا کبھی نہ ہونے دوں گی۔"

"یہ سراسر بہتان ہے امی جان! بھابی جان کو اگر جانا ہوتا تو وہ بھائی جان کے ساتھ ہی جا سکتی تھیں۔" نرجس جلدی سے بولی۔

"تمہیں کیا معلوم۔" نجمہ بیگم نے چراغ پا ہو کر کہا۔ "کوشش تو شہناز بیگم نے بہتیری کی تھی' تمہارے ابا جان سے بھی خوشامدیں کی تھیں لیکن میں نے سختی سے مخالفت کی تھی۔ وہ سلیم کے ساتھ دُم چھلا بن کر جاتیں تو اس غریب کو لندن میں بھی دو گھڑی چین نصیب نہ ہوتا۔"

"یہ آپ کیا عرض کر رہی ہیں امی جان!" نرجس نے تعجب سے پوچھا۔ "بھائی جان اور شہناز اگر ایک ساتھ نہ رہیں گے تو کیا....."

"میری زندگی میں تو شہناز بیگم کے خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتے۔" نجمہ بیگم نے نرجس کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "میں نے تو فیصلہ کر رکھا ہے کہ تمہارے ابا سے کہہ کہ سلیم کو لندن ہی میں کاروبار شروع کرا دوں گی' پھر دیکھتی ہوں کہ شہناز بیگم یہاں کب تک چین کی بنسری بجاتی ہیں۔"

"یہ تو ظلم ہو گا امی جان!" نرجس نے احتجاج کیا۔

"خبردار لڑکی..... حواسوں میں رہنے کی کوشش کر۔" نجمہ بیگم آپے سے باہر ہوتی ہوئی بولیں۔ "واہ..... یہ بھی ایک رہی' خون کے رشتوں کو نظرانداز کر کے غیروں کی حمایت کر رہی ہے۔ خبردار جو میں نے دوبارہ تمہارے منہ سے ایسی بات سنی۔"

نرجس ماں کی بات سن کر سہم گئی۔ اسے ماں سے اس حد تک امید نہیں تھی کہ وہ شہناز اور سلیم کے درمیان یوں مخالفت کی ٹھوس دیوار تعمیر کرنے کی کوشش کریں گی۔ ماں کی بات سن کر اس کو دکھ ہوا تھا' اس نے سوچا کہ اگر شہناز کی جگہ وہ ہوتی تو کیا کرتی' کیا وہ شوہر کی جدائی برداشت کر سکتی تھی' کیا ایسی مضبوط مخالفتوں کے درمیان وہ سکون کا ایک لمحہ بھی گزار سکتی تھی۔ نہیں ..... اس کا دم گھٹ کر رہ جاتا' ایسی تلخ زندگی سے تو موت بدرجہا بہتر ہے۔ نرجس کے معصوم ذہن میں طوفانی جھکڑ چلنے لگے لیکن اس نے ماں کے سامنے کھل کر اپنے خیالات کا اظہار کرنے سے گریز کیا۔ جو نفرت شہناز کی طرف سے نجمہ بیگم کے دل میں گھر کر چکی تھی اسے دور کرنا نرجس کے اختیار سے باہر تھا۔ اس کے زبان کھولنے سے بات سنورنے کے بجائے اور خراب ہو سکتی تھی چنانچہ اس نے نہایت ضبط سے کام لیا۔ چہرے پر اداسیاں سمیٹے وہ اٹھ کر جانے لگی تو نجمہ بیگم نے اسے پھر مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"اپنے کمرے میں۔" نرجس نے آہستہ سے جواب دیا۔

"کیوں' کیا تمہیں اپنی بھاوج کی شان میں اب ماں کی باتیں بھی ناگوار لگنے لگی ہیں۔"

"یہ بات نہیں ہے امی جان!" نرجس نے بڑی خوبصورتی سے جھوٹ بولا۔ "ٹھنڈ زیادہ ہو رہی ہے اس لئے شال لینے جا رہی تھی۔"

"میں تمہاری ماں ہوں نرجس!" نجمہ بیگم نے تیکھے لہجے میں کہا۔ "تمہیں پیدا کیا ہے' پال پوس کر پروان چڑھایا ہے' مجھے بخوبی اندازہ ہے کہ تمہیں شہناز کے سلسلے میں میری باتیں ناگوار گزری ہیں لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے' ایک بار جو چیز میری نظروں سے گر جائے وہ دوبارہ اپنا مقام حاصل نہیں کر سکتی۔ تم چاہو تو یہ اطلاع بھی اپنی جیٹھ سہیلی تک پہنچا دینا اور یہ بھی کہہ دینا کہ وہ میکے ہی میں عیش کرتی رہیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔ ویسے بھی سلیم کے چلے جانے کے بعد اب اس گھر میں اُن کا دیدا کاہے کو لگے گا' بڑے باپ کی بیٹی جو ہیں۔"

نرجس کی غزالی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ ماں کی دل آزار باتوں نے اس کے معصوم دل میں ایک ہلچل سی مچا دی تھی لیکن وہ خاموش رہی' شہناز کے سلسلے میں نجمہ بیگم اس حد تک اپنے اور پرائے کا مسئلہ کھڑا کر دیں گی یہ بات تو کبھی اس کے خواب و

خیال میں بھی نہیں آئی تھی۔ اس نے ماں کو تنکھیوں سے دیکھا پھر آہستہ سے پلٹی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی جانب چلی گئی۔

نجمہ بیگم نے دوبارہ اُون سلائیاں اٹھا لی تھیں' بہو کے خلاف وہ بدستور منہ ہی منہ بڑبڑا رہی تھیں کہ دروازے پر آہٹ ہوئی' نجمہ بیگم نے نظریں اٹھا کر دیکھا' حامد حسین اپنے بڑے بھائی شیخ الطاف حسین کے ہمراہ آ رہے تھے۔ نجمہ بیگم نے جیٹھ کو دیکھا تو اُون سلائی دوبارہ رکھ کر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور چہرے پر موجود ناخوشگوار تاثرات کو مٹاتے ہوئے بولیں۔

"تسلیم عرض کرتی ہوں الطاف بھائی! یہ آج آپ ادھر کا راستہ کیسے بھول گئے۔"

"بہت دنوں سے تمہارے ہاتھ کی چائے نہیں پی تھی' آج ٹھنڈ بھی کچھ زیادہ تھی اس لئے سوچا کہ ایک پیالی چائے بھی پیتا چلوں۔" الطاف حسین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"چائے تو خیر میں آپ کو ایک چھوڑ دو پیالیاں پلا دوں گی لیکن یہ بتایئے کہ ناہید بیٹی اور شاکر میاں کیسے ہیں' بھابی صاحبہ کا حال احوال بھی بہت دنوں سے معلوم نہیں ہوا۔" نجمہ بیگم بڑے خوشگوار موڈ میں بولیں۔

"خدا کا شکر ہے' سب بخیر و عافیت ہیں۔" شیخ الطاف حسین بیٹھتے ہوئے بولے۔ "نرجس بیٹی کہاں ہے؟"

"ابھی تو یہیں تھی' میں لاتی ہوں بلا کر اور آپ کے لئے چائے بھی تیار کراتی ہوں۔" نجمہ بیگم نے کہا پھر اٹھ کر اندر چلی گئیں تو حامد حسین بڑے بھائی کے برابر بیٹھتے ہوئے بولے۔

"سنا ہے اپنی ناہید کے ہاں خوشی ہونے والی ہے۔"

"سنا تو میں نے بھی ہے' خدا سے دعا کرو کہ سب کام خیر و عافیت سے نپٹ جائیں۔"

"اللہ نے چاہا تو ایسا ہی ہو گا بھائی جان!" حامد حسین نے کہا پھر اصل مقصد کی طرف آتے ہوئے بولے۔ "سلیم کو میں نے لندن بھیج دیا ہے۔"

"کب ....." الطاف حسین چونکتے ہوئے بولے۔ "مجھے اطلاع بھی نہ دی۔"

"دو روز ہو گئے۔" حامد حسین نے کہا۔ "روانگی کچھ ایسی روانروی میں ہوئی کہ کسی کو بھی خبر نہ کر سکا۔"

"شہناز بھی ساتھ گئی ہیں؟"

"جی نہیں۔" حامد حسین نے آہستہ سے کہا۔ "آپ تو جانتے ہیں کہ شہناز کے سلسلے میں ہماری بیگم صاحبہ کا برتاؤ کس قسم کا ہے' اس لئے میں نے فی الحال شہناز کو سلیم کے ساتھ جانے سے روک دیا ہے۔ سلیم کا خیریت کا خط آ جائے اور وہاں اُس کے رہنے کا معقول انتظام ہو جائے تو شہناز کو بھی بھیج دوں گا۔"

"مراد کے سلسلے میں کیا رہا؟"

"ابھی میں نے شہاب الدین صاحب سے گفتگو نہیں کی۔" حامد حسین نے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اگر آپ بھی تھوڑا سا وقت نکال کر آ جائیں تو کسی وقت چل کر بات کر لیں' اکیلے میں تو مجھ سے بات نہ ہو سکے گی۔"

"اس میں اس قدر تکلف کی کیا ضرورت ہے۔ تم شہاب الدین صاحب سے وقت طے کر کے مجھے اطلاع کر دو' میں آ جاؤں گا۔" الطاف حسین نے کہا۔ "سلیم کی غیر موجودگی میں مراد خاں کا معاملہ جتنی جلدی نپٹ جائے اتنا ہی اچھا ہے۔"

"میں سوچ رہا تھا کہ اگر شہاب الدین صاحب سے گفتگو کرنے سے پیشتر اس سلسلے میں محسن علی سے بھی مشورہ کر لیا جاتا تو زیادہ مناسب تھا۔" حامد حسین بولے۔ "محسن علی بھی پولیس میں ہیں' ہو سکتا ہے کہ وہ مراد خاں کے سلسلے میں ہمارے لئے زیادہ کار آمد اور مفید ثابت ہو سکیں۔ دراصل میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ بات زیادہ نہ پھیلے تو اچھا ہے۔ محسن میاں چونکہ اپنے ہیں اس لئے اُن پر زیادہ اعتماد کیا جا سکتا ہے۔"

"تمہاری بھابی کا خیال تھا کہ اگر محسن علی کو درمیان میں نہ لایا جائے تو زیادہ مناسب ہے لیکن تم اگر مناسب سمجھتے ہو تو میں محسن میاں سے بھی مشورہ کئے لیتا ہوں۔"

"کیا بھابی صاحبہ کی کوئی خاص مصلحت ہے؟" حامد حسین نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اُن کا خیال ہے کہ محسن علی چونکہ گھر کے بچوں کی طرح ملتے ہیں اس لئے انہیں اپنا خاندانی راز نہ معلوم ہو تو اچھا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بظاہر ایسا کوئی مضائقہ بھی نہیں ہے' میں آج کل میں کسی وقت اُن سے مشورہ کر لوں گا۔" الطاف حسین نے کہا۔ "ویسے کیا شہناز بیٹی کو اس کا علم ہو گیا ہے کہ سلیم میاں کو یہاں سے کیوں ہٹایا گیا ہے۔"

"جی نہیں ..... شہناز کو ابھی حقیقت کا علم نہیں ہے۔"

"میرا ذاتی مشورہ بھی یہی ہے کہ اُسے حالات کی خبر نہیں ہونا چاہئے' بلاوجہ میاں بیوی کے درمیان کشیدگی پیدا ہو یا دلوں میں میل بیٹھے' کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا۔"

"آپ کا فرمانا بجا ہے' میں نے اسی لئے ابھی تک سلیم کی والدہ کو بھی حقیقت سے لاعلم ہی رکھا ہے۔"

"نہایت مناسب اقدام کیا ہے تم نے' بلکہ میں تو یہ بھی مشورہ دوں گا کہ اس بدبخت و ناہنجار مراد خاں کے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے پیشتر اگر شہناز کو بھی سلیم کے پاس روانہ کر دیا جائے تو زیادہ مناسب ہو گا۔" الطاف حسین بولے۔ "شہناز اگر یہاں ہو گی تو ان تمام باتوں کی بھنک اُسے بھی ضرور ہو جائے گی۔"

"آپ کا یہ کہنا بھی بجا ہے ..... میں کوشش کروں گا کہ شہناز کو بھی جلد از جلد لندن روانہ کر دوں۔" حامد حسین نے بدستور سنجیدہ و ملول لہجے میں کہا پھر وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے لیکن نرجس کے آ جانے سے خاموش ہو گئے۔

شیخ الطاف حسین بھی بڑی خوبصورتی سے چہرے کے تاثرات بدل کر نرجس سے میٹھی میٹھی باتیں کرنے میں مصروف ہو گئے۔ کچھ دیر بعد نجمہ بیگم بھی آ گئیں۔ اُن کے ساتھ ساتھ ملازم بھی تھا جو چائے کی ٹرالی لا رہا تھا۔ چنانچہ گفتگو کا رخ بدل گیا۔ شیخ الطاف حسین نے حقیقتاً ایک کے بجائے دو پیالی چائے پی پھر خاصی دیر بعد جانے کے ارادے سے اٹھے تو نجمہ بیگم نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"الطاف بھائی دوبارہ چاند کب نظر آئے گا؟"

"مجھے تو خیر اس القاب پر مسرت ہوئی ہے لیکن شاکرہ کے سامنے نہ کہہ بیٹھنا ورنہ ممکن ہے کہ وہ چاند سورج کی باتوں پر حسد کرنے لگیں۔"

الطاف حسین نے کچھ ایسی شگفتگی سے یہ بات کہی تھی کہ نجمہ بیگم جھینپ کر رہ گئیں۔ نرجس منہ دوسری طرف کر کے ہنسنے لگی اور الطاف حسین خدا حافظ کہتے ہوئے چھوٹے بھائی کے ہمراہ جلدی سے باہر آ گئے۔ نرجس اور نجمہ بیگم انہیں رخصت کرنے کے لئے باہر تک آئی تھیں۔

☆======☆======☆

منصور دفتر سے اٹھے تو بے حد غصے میں بھرے نظر آ رہے تھے' آج پہلا اتفاق تھا کہ انہوں نے دفتر سے نکلتے ہوئے عملے کے کسی فرد کے سلام کا جواب بھی نہیں دیا۔ لمبے لمبے قدم اٹھاتے گاڑی میں بیٹھے اور برق رفتاری کے ساتھ گاڑی دفتر کے احاطے سے باہر نکال لائے۔ اُن کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں' خون کی گردش بھی تیز تھی۔ جو کچھ انہیں آج نازلی کے بارے معلوم ہوا تھا وہ اُن کی توقعات کے برخلاف تھا۔ انہوں نے

نازلی کو ٹوٹ کر چاہا تھا' دل کی اتھاہ گہرائیوں سے پیار کیا تھا اور اُس کے حسین تصور سے آج تک اپنی دنیا آباد کی تھی لیکن آج جو کچھ اُن کے کانوں نے سنا اور آنکھوں نے دیکھا تھا وہ اُن کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ نازلی اُن کے سوا کسی اور سے بھی محبت کر سکتی ہے' کسی اور کو بھی عشقیہ اور محبت بھرے خطوط لکھ سکتی ہے۔ وہ اس تلخ حقیقت کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔

بات اگر صرف نازلی کی بُرائی کی حد تک محدود ہوتی اور محض زبانی ہوتی تو شاید وہ اس پولیس افسر کو دھتکار کر اپنے دفتر سے نکل جانے کا حکم سنا دیتے لیکن نازلی کے خطوط دیکھ کر وہ گم صم سے رہ گئے تھے۔ نازلی کی تحریر اُن کے لئے غیر مانوس نہیں تھی۔ وہ سر جھکائے بیٹھے حالات کے تانے بانوں کو جوڑتے رہے۔ ذہن تسلیم کر رہا تھا کہ جو کچھ انہوں نے سنا ہے وہ صداقت پر مبنی ہے لیکن دل ابھی تک نازلی کی حمایت میں دھڑک رہا تھا اور اسی لئے انہوں نے فوری طور پر نازلی سے سچ اور جھوٹ کا فیصلہ کرنے کی ٹھان لی تھی۔

گاڑی اڑاتے وہ پہلے ٹینس کلب گئے۔ دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر انہوں نے وقت کاٹنے کی کوشش کی۔ بار بار اُن کی بے چین نظریں گھڑی کی جانب اٹھ جاتی تھیں۔ سورج ڈھلنے اور تاریکی پھیلنے کے انتظار کی شدت نے انہیں کرب کی حالت سے دوچار کر رکھا تھا۔ ایک ایک لمحہ گراں گزر رہا تھا۔ ایک ایک پل اذیتناک بن گیا تھا۔ بے تکلف دوستوں کی موجودگی میں بھی کسی کل سکون نہیں مل رہا تھا۔

"کیا بات ہے مائی ڈیئر!" سہیل نے اُن کی بے چینی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ "آج تم کچھ الجھے الجھے نظر آ رہے ہو؟"

"نہیں....." منصور نے مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔ "ایسی بات نہیں' ہو سکتا ہے کام کی تکان کا اثر ہو۔"

"اڑنے کی کوشش مت کرو جانِ من!" ناصر نے بے تکلفی سے کہا۔ "دال میں کچھ کالا ضرور ہے ورنہ تمہارے چہرے پر یہ ہوائیاں چہ معنی دارد۔"

"خیال ہے تمہارا۔" منصور نے ناصر کو ٹالنے کی کوشش کی۔

"دوستوں سے کیا پردہ مائی ڈیئر!" سہیل نے منصور کو کریدا۔ "جو کچھ دل میں ہے کہہ ڈالو' ہو سکتا ہے کہ ہم تمہارے غم کا کوئی علاج کر سکیں۔"

"وہم کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔" منصور قدرے جھلا کر بولے۔ "تم لوگ بلاوجہ الجھ رہے ہو۔"

"کہیں ایسا تو نہیں کہ پرانا روگ پھر پال لیا ہے۔" اس بار ندیم نے دبی زبان میں پوچھا۔

"کیا مطلب....." منصور چونک اٹھے۔

"میرا اشارہ نازلی کی طرف تھا۔" ندیم نے منصور کے چہرے کے تاثرات پڑھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب؟" سہیل نے تیزی سے کہا۔ "کیا نازلی کا چکر ابھی تک قائم ہے؟"

"کیوں بلاوجہ بہودہ باتیں کر رہے ہو۔" منصور جھلا کر بولے۔ "دوسروں کو اس طرح بدنام کرنے سے کیا فائدہ؟"

"فائدہ اور نقصان تم جانو لیکن میرا مشورہ یہی ہے کہ اب اگر تم نازلی کا خیال دل سے کھرچ کر نکال پھینکو تو زیادہ مناسب ہے۔" سہیل نے سنجیدگی سے کہا۔ "آج کل وہ جس انداز میں بلند پرواز میں مصروف ہے تم اس کی گرد کو بھی نہ پا سکو گے۔"

"اخلاق بتا رہا تھا کہ نازلی آج کل کنور آفتاب نامی ایک رئیس زادے کو اپنے جال میں پھانسنے میں مصروف ہے۔" ناصر بولا۔ "سچ پوچھو تو رین بو کلب کی رونق نازلی ہی کے دم سے برقرار ہے۔"

"شٹ اپ۔" منصور چیخ اٹھے' ناصر کے جملے کا ایک ایک لفظ اُن کے ذہن پر ذہنی ہتھوڑیوں کی کاری ضرب ثابت ہوا تھا۔ وہ نازلی کے خلاف ایسی گھناؤنی باتیں سننے کو تیار نہیں تھے اس لئے ندیم کو قہر بھری نظروں سے گھورتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

سہیل اور ندیم نے انہیں روکنے کی کوشش کی اور معاملہ رفع دفع کرنا چاہا لیکن منصور اپنے آپے میں نہیں تھے۔ ناصر کو حقارت بھری نگاہوں سے گھورتے ہوئے اپنی گاڑی میں جا بیٹھے اور غصے میں پیچ و تاب کھاتے روانہ ہو گئے۔

دوسروں کی باتوں نے آگ پر پیٹرول چھڑکنے کا کام سرانجام دیا تھا' منصور کی وحشتوں میں اور اضافہ ہو گیا۔ ذہن میں اٹھنے والا طوفان شدت اختیار کر رہا تھا لیکن دل' جو ابھی تک نازلی کی محبت میں گرفتار تھا ذہن میں ابھرنے والے سوالات کی نفی کر رہا تھا۔ بہت دیر تک منصور بھری پُری سڑکوں پر بے مقصد گاڑی چلاتے رہے پھر جب رات بھیگنے لگی تو دھڑکتے ہوئے دل سے رین بو کلب جا پہنچے۔

نازلی اس وقت بھی کلب کی ایک میز پر کنور آفتاب کے ساتھ بیٹھی پیار و محبت کی باتوں میں مصروف تھی۔ منصور نے اسے دیکھا تو ان کے ذہن کو دھچکہ سا لگا' دل کی

دھڑکنیں معدوم ہونے لگیں۔ جگمگاتی روشنیوں کے باوجود ان کی پلکوں کے نیچے اندھیرے پھیلنے لگے' ناصر کے الفاظ ذہن میں گونجے' دفتر میں جو باتیں ان کے کانوں نے سنی تھیں اور جو تحریر نگاہوں نے پڑھی تھی وہ تصور پر اجاگر ہوئیں تو منصور کا دل تڑپ اٹھا' کچھ دیر بت بنے نازلی کو گھورتے رہے پھر ڈگمگاتے قدموں سے آگے بڑھے اور نازلی کے قریب جا کر کھڑے ہو گئے۔ نازلی نے منصور کو خلاف توقع دیکھا تو ایک لمحے کو اُس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"منصور صاحب! آپ اور یہاں' آیئے تشریف رکھئے۔"

"مجھے تم سے چند ضروری باتیں کرنا ہیں۔" منصور ٹوٹی ہوئی آواز میں بولے۔

"میرے دوست کنور آفتاب۔" نازلی نے منصور کی بات نظرانداز کرتے ہوئے اپنے نئے ساتھی کا تعارف کرایا۔ "شہر کے مشہور اور کروڑ پتی تاجر پرنس جبار کے اکلوتے لڑکے اور آپ میرے پرانے واقف کار ہیں مسٹر منصور۔"

"نازلی!" منصور نے جذبات میں اٹھتے طوفانوں کی شدتوں کو بڑی مشکل سے کچلتے ہوئے کہا۔ "میں اس وقت اپنا اور غیروں کا تعارف کرانے نہیں' تم سے کچھ ضروری باتیں کرنے آیا ہوں۔"

"معاف کیجئے گا کنور صاحب! میں ابھی حاضر ہوتی ہوں۔" نازلی نے بڑے دلربانہ انداز میں کنور آفتاب سے معذرت چاہی پھر منصور کو نفرت سے گھورتی ہوئی اٹھی اور اُن کے ساتھ بیرونی پارک کے ایک پُرسکون گوشے میں آ کر جھلائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"فرمایئے' آپ کو کیا ضروری باتیں کرنا ہیں۔"

"یہ کنور آفتاب کون ہیں؟" منصور نے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

"میرے نئے دوست۔" نازلی انتہائی بے باکی سے بولی۔ "کوئی اعتراض ہے آپ کو؟"

"تم ..... تم شاید خود اپنے آپ سے انتقام لینے کی کوشش کر رہی ہو۔" منصور تلملا اٹھے۔

"میری بات جانے دیجئے مسٹر منصور!" نازلی نے تیزی سے کہا۔ "آپ غالباً مجھ سے کچھ ضروری باتیں کرنے آئے تھے۔"

"نازلی ..... نازلی!" منصور نے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر جذباتی انداز میں کہا۔ "یہ آج تم مجھ سے اس قدر اکھڑی اکھڑی باتیں کیوں کر رہی ہو؟"

"اس لئے کہ آپ کسی اور کی امانت ہیں اور میں امانت میں خیانت پسند نہیں کرتی۔" نازلی نے اس بار سنجیدگی سے جواب دیا۔

"لیکن تم جانتی ہو نازلی کہ میں آج بھی صرف تمہارا ہوں۔"

"ممکن ہے آپ درست کہہ رہے ہوں' مگر ..... اب میں آپ کی نہیں بن سکتی' نہ آپ پر کوئی حق جتا سکتی ہوں۔"

"اتنی غیریت ..... اس قدر بے نیازی۔" منصور نے بجھی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں کیا سمجھوں؟"

"آپ خود مختار ہیں' جو چاہیں سوچ اور سمجھ سکتے ہیں۔" نازلی کے انداز میں الجھن تھی۔

"اوہ ....." منصور نے ہونٹ کاٹتے ہوئے ایک بار پھر جذباتی لہجے میں کہا۔ "کیا میں یہ سمجھ لوں کہ اب تمہارے دل میں میرے لئے کوئی گنجائش نہیں رہی۔"

"دل کی باتیں چھوڑیئے منصور صاحب! کوئی اور بات کیجئے۔" نازلی نے جواب دیا۔

"اور کس کی بات کروں۔" منصور جھنجلا کر بولے۔ "مراد خاں کی باتیں کروں جو تمہیں اپنی انگلیوں پر نچا رہا ہے ..... سلیم کا ذکر کروں' جسے تم نے گھٹیا قسم کے عشقیہ خطوط تحریر کئے یا پھر کنور آفتاب کی بات کروں جو اپنی دولت کے بل بوتے پر تمہارے حُسن اور تمہاری جوانی کو اپنی ہوس کا نشانہ بنانے کے خواب دیکھ رہا ہے ..... بولو مس نازلی! تمہیں کس کی باتیں زیادہ بھائیں گی؟"

نازلی نے منصور کی تلخ باتیں سنیں تو بل کھا کر رہ گئی' وہ منصور اور سلیم دونوں سے انتقام لینا چاہتی تھی۔ سلیم اسے انتقام کی آگ میں جھلستا چھوڑ کر لندن جا چکا تھا اور اب ..... اب منصور بھی ان حقیقتوں سے آگاہ ہو گئے تھے' جو وہ اُن سے پوشیدہ رکھنا چاہتی تھی۔ ایک لمحے کو وہ گنگ سی رہ گئی پھر اُس کی آنکھوں میں خون کی سرخیاں ابھر آئیں' نفرت اور انتقام کی چنگاریاں شعلہ بن کر بھڑک اٹھیں' تیوری پر بل آ گئے۔ اُس نے بڑی نفرت اور حقارت سے منصور کو گھورتے ہوئے کہا۔

"دوسروں کی نہیں' صرف اپنی باتیں کرو مسٹر منصور اور اُس مرد کے گریبان میں منہ ڈال کر اُس کی حقیقت کو پرکھنے کی کوشش کرو جو بزدل تھا ..... کمزور تھا ..... ڈرپوک تھا ..... جس نے ایک عورت کے مقابلے میں خود کو زیادہ مظلوم ثابت کرنے کی کوشش کی تھی اور خود اپنے ہاتھوں سے اپنی محبت کا گلا گھونٹ دیا تھا ..... اس

بزدل مرد کی باتیں کرو جو ایک معصوم لڑکی کو بیوی بنانے کے باوجود اُسے اُس کے حق سے محروم کر رہا ہے اور دوسری عورت سے عشق لڑانے کی بہادری کا ثبوت دے رہا ہے ..... اسی کمزور مرد کی باتیں کرو مسٹر منصور جس نے ایک پیار بھرے دل کو ٹھکرا دیا اور دوسرے سے محبت اور اپنائیت کی بھیک مانگ رہا ہے اور ..... آج وہی عورت تمہیں حقارت سے دھتکارنے پر مجبور ہو گئی ہے ..... تم نے مجھ پر کیچڑ اچھالنے کی خاطر جو جملے کہے ہیں' میں اُن کا جواب بھی دے سکتی ہوں ..... تمہیں باور کرا سکتی ہوں کہ نازلی بھی ایک بڑے باپ کی بیٹی ہے جو اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتی ہے لیکن اس بار میں تم پر رحم کھا کر تمہیں معاف کر رہی ہوں ..... مگر آئندہ اگر تم نے میری شان میں کوئی گستاخی کرنے کی جسارت کی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا اس لئے کہ میں ناہید نہیں ہوں جو تمہیں اپنا مجازی خدا سمجھ کر پوجتی رہوں ..... اپنی مردانگی اور دولت کا رعب جمانا چاہتے ہو تو جاؤ اور جا کر اپنی بیوی پر جماؤ ..... خبردار جو تم نے آئندہ مجھ سے ملنے کی کوشش کی ..... میں تم جیسے شریف زادوں سے بات کرنا بھی اپنی توہین سمجھتی ہوں۔"

"نازلی! تم....."

"شٹ اپ۔"

نازلی نے حقارت سے کہا۔ پھر نفرت سے پلٹ کر تلملاتی ہوئی چلی گئی۔ منصور کچھ دیر تصویرِ حیرت بنے کھڑے رہے پھر اپنی کار میں آ کر بیٹھ گئے۔ زندگی میں آج پہلی بار انہیں اپنا وجود نہایت کمزور محسوس ہو رہا تھا۔ نازلی کے کہے ہوئے جملے تیر و نشتر بن کر اُن کے احساسات میں چبھ رہے تھے' اُن کے وجود کو کچوکے لگا رہے تھے جو کچھ اُن کے کانوں نے سنا وہ اُن کے لئے غیر متوقع تھا لیکن جب حقیقت تلخیوں کو اپنے دامن میں سمیٹے پوری آب و تاب سے اُن کے سامنے آئی تو اس فریب کی دھجیاں بکھر گئیں جس میں آج تک انہوں نے خود کو مبتلا کر رکھا تھا۔

نازلی' جسے منصور نے اپنے خوابوں کی حسین تعبیر سمجھا تھا' اپنی گم گشتہ محبت کی جیتی جاگتی یادگار محسوس کیا اور جسے اپنی زندگی کا سہارا جانا تھا' آج اصل روپ میں ان کے سامنے آئی تو ان کے سارے خواب ٹوٹ کر بکھر گئے' ریزہ ریزہ ہو گئے' توقعات کا بھرم ٹوٹا اور امیدوں کی شمعیں گل ہوئیں تو منصور کے ذہن مین انتقام کی مشعلیں روشن ہو گئیں۔ نازلی جو کل تک ان کی تھی آج ایک فاحشہ عورت کے روپ میں ان سے ہمکلام ہوئی تو منصور کا ذہنی سکون بھی درہم برہم ہو گیا' دل و دماغ میں ایک ہلچل سی جاری تھی' وقت کی

ایک ہی کروٹ نے ان کے وجود کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ ہوش و حواس کو گم کر دیا تھا اور.....

آج پہلی بار منصور کو اچانک ان حق تلفیوں کا احساس پوری شدت سے ہوا تھا جو انہوں نے ناہید کے سلسلے میں روا رکھی تھیں۔ ناہید نے کبھی اُن کو کوئی دکھ نہیں پہنچایا تھا۔ اُن کی جفاؤں کے جواب میں ہمیشہ وفاؤں کا اظہار کیا تھا۔ ان کی تلخ کلامیوں کو ہنس ہنس کر برداشت کیا تھا' کبھی ان کی راہ میں حائل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی' ہر غم کو اپنے وجود کا ایک حصہ بنا لیا تھا اور کبھی حرفِ شکایت زبان تک نہیں لائی تھی۔ کتنی عظیم اور کیسی مقدس شخصیت کی مالک تھی۔ ناہید جس نے منصور سے وابستہ ہونے کے بعد خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا اور کبھی اف تک نہ کی تھی۔

منصور کے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں' نازلی کا کردار مسخ ہو کر دھندلایا تو ناہید کی معصومیت اور اس کے حسین کردار کی پائیدار عظمتیں تاریکیوں کا پردہ چاک کر کے روشن چراغ کی طرح اجاگر ہونے لگیں' منصور کے دل سے ایک آہ ابھر کر ان کی زبان تک آ گئی۔ انگ انگ بول اٹھا۔

"ناہید ..... میں تمہارا مجرم ہوں' میں نے تمہارے ساتھ جو ناروا سلوک کیا ہے میں اس کے لئے شرمندہ ہوں' آج سوئے ہوئے احساسات بیدار ہوئے ہیں' آج مجھے نازلی کی حقیقت کا علم ہوا ہے ..... آج مجھے تمہاری عظمتوں کا احساس ہوا ہے اور یہ احساس میری روح کو زخمی کر رہا ہے ..... میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے تمہارے ساتھ ظلم کیا ہے' تمہیں دکھ دیئے ہیں ..... صدمے پہنچائے ہیں ..... تمہاری آرزوؤں کو پامال کیا ہے ..... تمہاری معصوم تمناؤں کو اپنے قدموں تلے روندا ہے ..... تمہاری وفاؤں کو ٹھکرایا ہے ..... تمہارے حسین اور خوبصورت وجود کی ٹھنڈی اور گھنیری چھاؤں سے دور بھاگتا رہا ہوں ..... تمہارے پیار کی شدتوں سے کتراتا رہا ہوں ..... تمہاری نیلگوں آنکھوں کی گہرائیوں سے پہلوتہی کی ہے ..... تمہارے ہونٹوں کی تشنگی اور سانسوں کی مہک سے منہ موڑتا رہا ہوں ..... تمہاری زلفوں کے پیچ و خم کو نظرانداز کیا ہے ..... تمہارے حسن کی رعنائیوں سے دور دور رہا ہوں ..... لیکن آج ..... آج میں خود کو تمہارا گناہگار سمجھ رہا ہوں ..... آج میں نہایت خلوص دل سے تمہاری عظمتوں کے آگے سرنگوں ہو کر اپنے گناہوں کا کفارہ ادا کروں گا ..... آج مجھے صرف اور صرف تمہاری ضرورت ہے' تمہارے سہارے کی

ضرورت ہے ..... تمہارے پیار کی شدتیں درکار ہیں ..... تمہاری زلفوں کی گھنیری چھاؤں کی ضرورت ہے ..... تمہارے سانسوں کی مہک درکار ہے ..... اور ..... اور مجھے یقین ہے کہ تم میری کوتاہیوں کو نظرانداز کر دو گی ..... میری غلطیوں کو درگزر کر دو گی ..... میری خطاؤں اور گناہوں کو معاف کر دو گی ..... اور ..... اور پھر ہم ایک نئی زندگی کا ازسرنو آغاز کریں گے ..... نئی زندگی جس میں خوشیاں ہوں گی' مسرتیں ہوں گی' ہمارے پیار کی شدتیں اس زندگی کو مثالی بنا دیں گی ..... تمہاری وفائیں اور میری عقیدتیں اس زندگی کی ضامن ہوں گی جہاں تمہارے قہقہے ہوں گے ..... ہمکتی آرزوؤں کا ہجوم ہو گا اور میں تازیست تمہارے قدموں پر محبت اور عقیدت کے پھول نچھاور کرتا رہوں گا ..... تمہاری پرستش کرتا رہوں گا ..... پھر ہمیں جھوٹی خوشیوں کا بھرم قائم رکھنے کے لئے اپنے ہونٹوں پر عارضی مسکراہٹیں نہیں سجانی پڑیں گی ..... اس نئی زندگی میں ہر طرف بہار ہی بہار ہو گی اور ان بہاروں میں دو محبت بھرے دل سچی خوشیوں کے لازوال نغمے الاپتے رہیں گے ..... اور ..... اور....."

اور منصور کا ذہن اس سے آگے نہ سوچ سکا۔ قدرت کی ستم ظریفیاں منصور کی ندامتوں پر مسکرا رہی تھیں' ماضی اور حال کی تلخیوں اور مستقبل میں پیش آنے والی انمول مسرتوں کے ملے جلے احساسات نے منصور کو متضاد کیفیتوں سے دوچار کر رکھا تھا۔ وہ جلد از جلد گھر پہنچ کر ناہید سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنا چاہتے تھے' اُسے آنے والی کل کی خوشیوں اور تابناکیوں کا مژدہ سنانا چاہتے تھے لیکن جب منزل لب بام رہ گئی' گھر قریب آیا اور خوشیوں اور غموں کا فاصلہ گھٹنے لگا تو منصور خود پر قابو نہ پا سکے' انجانی مسرتوں کو پا لینے کی خواہشیں شدید ہوئیں تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ سامنے سے آنے والی ایک برق رفتار گاڑی کی تیز روشنیوں نے ان کی نگاہوں میں چکاچوند پیدا کر دی۔ منصور نے حادثے سے بچنے کی خاطر اسٹیئرنگ کاٹنا چاہا لیکن تقدیر کے بے رحم ہاتھ اُن کے حق میں اپنا فیصلہ رقم کر چکے تھے۔ فلک کج رفتار کی نیرنگیاں وقت کی نزاکتوں پر قہقہہ زن تھیں۔

منصور کی گاڑی فٹ پاتھ پر چڑھ کر ایک عمارت سے ٹکرائی اور لوٹ پوٹ گئی ..... وہ ذہن جو چند لمحے پیشتر آنے والی خوشگوار گھڑیوں کے احساسات سے روشن تھا' گھپ اندھیروں میں ڈوب کر دنیا کے ہنگاموں سے بے نیاز ہو گیا۔

☆------☆------☆

منصور کو پیش آنے والے حادثے کی خبر نے قصر سجاد کی عالیشان عمارت میں ایک کہرام مچا دیا تھا۔

ناہید اس وقت باورچی خانے میں خانساماں کو کھانے سے متعلق ہدایات دینے گئی تھی جب باہر سے شور و غل کی آوازیں ابھریں۔ ایک لمحے کو اُسے یوں محسوس ہوا جیسے اُس کی گھنیری پلکوں کے نیچے اندھیرے لپک رہے ہوں' جیسے اُس کا پورا وجود شور و غل کی آوازوں سے لرز اٹھا ہو۔ نہ جانے وہ آوازیں کیسی تھیں' وہ خود کو سنبھالتی باہر آ رہی تھی کہ بوڑھا ملازم عبدل بھاگتا ہوا آیا۔

"عبدل چاچا! یہ شور کیسا ہے؟" ناہید نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"چھوٹی سرکار ..... وہ ..... منصور میاں....."

"کیا....." وہ چیخ اٹھی۔ "کیا ہوا منصور کو؟"

"ان کی گاڑی کو حادثہ پیش آ گیا ہے اور منصور میاں زخموں سے چُور ہو گئے ہیں۔"

"نہیں....."

وہ ہذیانی انداز میں چیخی' باہر کی جانب بھاگی لیکن باہر ورانڈے میں انجانے چہروں کا ہجوم دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ فراز دو آدمیوں کے ساتھ منصور کو اٹھائے ہوئے اندر آ رہے تھے' اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے منصور کو دیکھا جو خود اپنے لہو میں لہولہان ہو رہے تھے' اس کا دل پوری شدت سے دھڑکا سہم کر تیزی سے پاکھے کی آڑ میں ہو گئی' نگاہیں بند کر کے اپنے معبود حقیقی سے لَو لگا کر گڑگڑانے لگی۔

"میرے معبود! میرے سہاگ کو بچا لے۔ میرے مولا! اگر زندگی کے بدلے زندگی درکار ہے تو میں اپنی قربانی پیش کرتی ہوں مجھے اٹھا لے مالک! لیکن منصور کی زندگی انہیں بخش دے۔ تجھے تیرے رسولؐ کا واسطہ' انہیں زندہ و سلامت رکھنا۔ اُن پر کوئی آنچ نہ آئے ورنہ اس گھر کی خوشیاں برباد ہو جائیں گی' میں لٹ جاؤں گی۔ میرے معبود! بے سہارا ہو جاؤں گی اور اگر مجھ سے زندگی کا یہ عارضی سہارا بھی چھن گیا تو....."

"ناہید بیٹی! یہ کیا ہو گیا؟" بیگم سجاد کی ممتا میں ڈوبی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو اُس نے جلدی سے آنکھیں کھول دیں' بیگم سجاد ہکا بکا کھڑی پوچھ رہی تھیں۔ "یہ عبدل کیا بکواس کر رہا ہے۔ کیا ہوا میرے منصور کو....."

"وہ زخمی ہو گئے ہیں امی حضور! اُن کی کار کو کئی حادثہ پیش آ گیا ہے۔" وہ ساس کو ڈھارس دیتے ہوئے بولی۔ "خدا سے دعا کیجئے امی حضور!"

فراز منصور کو اُن کے کمرے میں لے جا چکے تھے۔ کچھ دیر میں ڈاکٹر بھی آ گئے۔ منصور کے کمرے میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی' وہ بیگم سجاد کو سنبھالتی کمرے میں لے آئی جہاں پڑوس کی عورتیں بھی جمع ہو گئی تھیں' جوان اولاد کے حادثے کی خبر سن کر بیگم سجاد کی حالت بھی غیر ہو رہی تھی' پھٹی پھٹی نظروں سے وہ ناہید کو گھور رہی تھیں پھر انہوں نے رندھی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"ناہید بیٹی! ذرا فراز کو بلا کر دریافت کرو' زخم زیادہ گہرے تو نہیں ہیں۔"

"اندر ڈاکٹر موجود ہیں امی حضور!" ناہید اپنے آنسو پیتے ہوئے بولی۔ "اللہ کی ذات سے مایوس نہ ہوں' وہ ضرور رحم کرے گا۔"

"میرا دل نہیں مانتا ناہید! خدا کے لئے مجھے میرے بچے کے پاس لے چلو' ایک نظر اسے دیکھ لوں تو دل کو شاید سکون آ جائے۔" بیگم سجاد نے ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر اٹھنا چاہا لیکن ناہید نے انہیں روکتے ہوئے کہا۔

"وہاں بہت سارے مرد موجود ہیں امی حضور! آپ ..... آپ صرف خدا سے دعا مانگئے۔ ماں کی دعائیں ضائع نہیں جائیں گی۔" ناہید نے بہتیرا ضبط کرنے کی کوشش کی مگر دل کی گہرائیوں سے ابلتے ہوئے آنسوؤں پر قابو نہ پا سکی تو جلدی سے منہ دوپٹے میں چھپا لیا۔

"ناہید ..... ناہید بیٹی!" بیگم سجاد تڑپ کر بولیں۔ "تم کیوں رو رہی ہو ..... خدا کے لئے مجھ سے کچھ نہ چھپاؤ' مجھے بتا دو کہ منصور کیسا ہے' کیسا ہے میرا بچہ؟"

ناہید نے ساس کی رقت بھری آواز سنی تو جلدی سے چہرہ کھول لیا' اُس کا خود اپنا دل خون کے آنسو رو رہا تھا' ساس کو کیا جواب دیتی' ڈبڈبائی نظروں سے تکتی رہی' کچھ جواب دینے کی کوشش کی تو گلا رندھ گیا۔ دل تھا کہ امڈا آ رہا تھا' بڑی مشکلوں سے اس نے بیگم سجاد کو مسہری پر لٹا دیا لیکن ان کی سوالیہ نگاہیں ابھی تک اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

"امی ..... حضور!" اس نے کانپتی آواز میں آہستہ سے کہا۔ "وہ ..... ٹھیک ہو جائیں گے ..... میرا دل کہہ رہا ہے کہ خدا ہمیں اپنی رحمتوں سے ضرور نوازے گا۔ مایوس نہیں کرے گا' وہ بڑا کارساز ہے' رحیم ہے' کریم ہے۔"

ناہید کا کلیجہ غموں کے بوجھ سے پھٹا جا رہا تھا۔ منصور کا زخمی چہرہ اور لہولہان جسم بار بار اُس کی نگاہوں میں گھوم اٹھتا تھا لیکن وہ اپنے غم کو برداشت کر کے ساس کو تسلیاں دے رہی تھی' ان کی ڈھارس بندھا رہی تھی مگر وقت جوں جوں گزرتا جا رہا تھا اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جا رہا تھا۔ بار بار اس کی نگاہیں دروازے کی جانب اٹھ رہی تھیں' اسے فراز کا انتظار تھا' عبدل کا انتظار تھا' ہوا سروری کا انتظار ..... کسی بھی ایسے واقف کار کا انتظار تھا جو مردانے سے آتا اور اسے اس کے شوہر کی خیریت کا مژدہ سنا دیتا۔

قصر سجاد میں واقف کاروں اور عزیزداروں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ جو بھی اس حادثے کی اطلاع سن رہا تھا' دریافت حال کے لئے چلا آ رہا تھا۔ ناہید ایک ایک کا منہ تک رہی تھی' بیگم سجاد اپنے کانپتے ہاتھ اٹھا کر خدا سے منصور کی زندگی کی بھیک مانگ رہی تھی' کمرے میں جتنی عورتیں تھیں سوگوار نظر آ رہی تھیں اور بت بنی کھڑی آنے والے لمحوں کا انتظار کر رہی تھیں۔

وقت کی رفتار مدھم ہو گئی تھی' ایک ایک پل گزرنا مشکل ہو رہا تھا' ایک ایک لمحہ بڑا جان گسل ثابت ہو رہا تھا۔ ناہید کا دل اندر ہی اندر تڑپ رہا تھا' دل کی ایک ایک دھڑکن خدا سے اپنے سہاگ کی سلامتی کی دعا مانگ رہی تھی اور نگاہیں بار بار دروازے کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ خیریت دریافت کرنے کی خاطر آنے والوں کا تانتا بندھا ہوا تھا پھر جب شازیہ اور شاکرہ خاتون بوکھلائی ہوئی اندر داخل ہوئیں تو ناہید کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے' کسی زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑا کر وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور "امی جان" کہتی ہوئی ماں کے سینے کی کشادگی میں سمٹ کر بے اختیار سسکنے لگی' بلکنے لگی۔

شاکرہ خاتون نے بیٹی کو سسکیوں سے اس کے غموں کا اندازہ لگایا تو ان کی آنکھیں بھی نمناک ہو گئیں' آہستہ سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر تسلی دی پھر قدم اٹھاتی بیگم سجاد کے پاس آ گئیں جو ایک ہی جھٹکے سے برسوں کی مریضہ نظر آ رہی تھیں۔

"شاکرہ بہن!" بیگم سجاد نے سمدھن کو قریب دیکھ کر کپکپاتی آواز میں کہا۔ "نہ جانے ہمارے ہنستے بولتے گھر کو کس کی نظر لگ گئی۔ میں نے تو آج تک کسی کا بُرا نہیں چاہا' کسی کا دل نہیں دکھایا' پھر میرے گلشن پر یہ ویرانیاں کیوں طاری ہو رہی ہیں؟"

"خدا پر بھروسہ رکھئے بہن!" شاکرہ خاتون جو خود بھی اولاد کے دل کی غیر یقینی دھڑکنیں بہت قریب سے سن چکی تھیں بھرائی ہوئی آواز میں دلاسہ دیتے ہوئے بولیں۔ "وہ جو کچھ کرتا ہے انسان کی بھلائی کے لئے کرتا ہے' اس کے ہاں دیر ہے' اندھیر نہیں' اس کی مصلحت وہی بہتر جانتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو بہن! لیکن جس کے دل پر گزرتی ہے وہی بہتر جانتا ہے۔" بیگم

سجاد بسورتے ہوئے بولیں۔ "دل پر چوٹ لگے اور انسان نہ تڑپے' یہ بھلا کیسے ممکن ہے۔"

"میں بھی ایک جوان بیٹی کے رشتے سے آپ کے دکھ درد میں برابر کی شریک ہوں۔" شاکرہ خاتون نے کہا۔ "منصور میاں جیسے آپ کی اولاد ہیں ویسے ہی میرے ہیں' قدرت نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔" بیگم سجاد نے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا پھر دوبارہ اولاد کی زندگی کے لئے دعاؤں میں مشغول ہو گئیں۔ دوسری جانب شازیہ ناہید کو تسلی دے رہی تھی۔

"صبر کرو ناہید! اس طرح رو رو کر تو تم اپنی جان ہلکان کر لو گی۔"

"مجھے اپنا غم نہیں ہے شازیہ!" ناہید سسکتے ہوئے بولی۔ "ان کی فکر لاحق ہے ..... ان ہی کے دم سے تو سب کچھ ہے۔"

"ڈاکٹر کیا کہتے ہیں۔" شازیہ نے پوچھا۔

"خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔" ناہید تڑپ کر بولی۔ "میں نے تو انہیں صرف زخموں سے چُور دیکھا تھا' فراز بھی اب تک نہیں آئے کہ کچھ پتہ چلتا۔"

"دل کو قابو میں رکھو ناہید! اس طرح رونے دھونے سے کیا حاصل ہو گا۔"

"دل نہیں مانتا شازیہ!" ناہید گھٹی گھٹی آواز میں بولی۔ "میرا تو جیسے کلیجہ پھٹا جا رہا ہے۔"

"ایسی دیوانگی کی باتیں مت کرو ناہید!" شازیہ سمجھاتے ہوئے بولی۔ "اپنی ساس کا دھیان کرو' تمہیں اس طرح پریشان اور مضطرب دیکھ کر ان کے دل پر کیا گزرے گی' وہ منصور کی ماں ہیں ان کے دل سے پوچھو کہ ان پر کیا قیامت ٹوٹ رہی ہو گی۔"

"تم بھی خدا سے دعا کرو شازیہ کہ وہ منصور کو زندہ و سلامت رکھے چاہے اُن کے بدلے مجھے موت آ جائے۔"

"کیوں ایسی بدفال زبان پر لا رہی ہو۔" شازیہ نے قدرے خفگی سے کہا پھر ناہید کی ڈھارس بندھاتے ہوئے بولی۔ "اتنی جلدی اس کی رحمتوں سے مایوس کیوں ہو رہی ہو' وہ مالک دو جہاں ہے' جو کرے گا بہتر ہی کرے گا۔"

"میں تو سمجھ رہی ہوں لیکن دل کو کون سمجھائے جسے کسی کل چین نہیں آ رہا۔ رہ رہ کر دل دھڑکنے لگتا ہے یوں جیسے....."

اسی لمحے فراز داخل ہوئے تو سب کی نگاہیں یکدم ہی ان کی جانب اٹھ گئیں' بیگم سجاد کے متحرک ہونٹ تھم گئے' سب سے پہلے انہوں نے فراز کو دیکھتے ہی تیزی سے پوچھا۔

"منصور کیسے ہیں؟"

"زخم زیادہ گہرے نہیں ہیں امی حضور!" فراز نے خود کو سنبھالا' ماں کے قریب جا کر بولے۔ "خون زیادہ بہہ جانے سے کمزوری آ گئی ہے لیکن ڈاکٹر کا خیال ہے کہ بھائی جان بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"کیا میں منصور کو دیکھ سکتی ہوں۔" بیگم سجاد کے لہجے میں ممتا کی تڑپ موجود تھی۔ "جب تک میں اسے خود اپنی آنکھوں سے ایک نظر نہ دیکھ لوں مجھے قرار نہیں آئے گا ..... مجھے اُس کے پاس لے چلو۔"

"ڈاکٹر نے فی الحال بھائی جان کو نیند کا انجکشن دے دیا ہے تاکہ تکلیف کا احساس نہ ہو۔" فراز دل سے امنڈتے طوفان پر قابو پاتے ہوئے بولے۔ "محسن علی اور شیخ صاحب (شیخ الطاف حسین) کو بھی ان کے کمرے سے ہٹا دیا گیا ہے' ڈاکٹر نے ان کے کمرے میں مکمل خاموشی کی بڑی سختی سے تاکید کی ہے' خدا نے چاہا تو صبح تک ہوش آ جائے گا۔"

"فراز....." بیگم سجاد نے بیٹے کو بغور دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "کہیں ایسا تو نہیں کہ تم ماں کو بہلانے کی کوشش کر رہے ہو؟"

"امی حضور!" فراز ضبط نہ کر سکے' رندھی آواز میں بولے۔ "حوصلے سے کام لیجئے' خدا سے بھائی جان کی سلامتی کی دعائیں کیجئے۔ ان شاء اللہ وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ اس وقت بھائی جان کو ڈاکٹر کی مسیحائی سے زیادہ آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے' میں آپ کو صرف یہی بتانے آیا تھا تاکہ آپ پریشان نہ ہوں نہ ہوں۔"

"منصور کے کمرے میں کون ہے؟" بیگم سجاد نے کپکپاتے ہونٹوں سے دریافت کیا۔

"ڈاکٹر اور نرسیں موجود ہیں اور جب تک بھائی جان کو ہوش نہیں آ جاتا میں بھی اُن ہی کے پاس رہوں گا۔" فراز اٹھتے ہوئے بولے۔

"مجھے ایک ایک لمحے کی اطلاع دیتے رہنا فراز! جب تک منصور کو ہوش نہ آ جائے دل کو چین نہیں آئے گا۔" بیگم سجاد ایک سرد آہ بھر کر بولیں۔

"آپ پریشان نہ ہوں امی حضور! میں آپ کو بھائی جان کی سلامتی کی خبر دیتا رہوں گا۔"

ناہید اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑی فراز کی باتیں سن رہی تھی' اُس کی بھیگی آنکھیں فراز کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ فراز ماں کو تسلیاں دے رہے تھے لیکن نہ جانے کیوں اُسے فراز کی باتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا' جانے کیا بات تھی کہ اُسے فراز کے لب و لہجے میں آج اعتماد کی جھلکیاں نظر نہیں آ رہی تھیں' شاید وہ ماں کو بہلا رہے تھے' جھوٹے دلاسے دے رہے تھے' جب ہی تو اُن کی پلکوں کے گوشے بار بار بھیگ جاتے تھے اور شاید اسی لئے خود اُس کے دل کی دھڑکنیں بھی اُس کے اختیار میں نہیں تھیں' پھر جب فراز ماں کے پاس سے اٹھ کر باہر جانے لگے تو وہ بھی بے اختیار کمرے سے نکل کر تیزی سے اُن کے راستے میں حائل ہو گئی۔

فراز نے اُسے نظر اٹھا کر دیکھا تو دل مسوس کر رہ گئے۔ کیسی اجڑی اجڑی سی نظر آ رہی تھی' ویران ویران سی مگر سیماب کی طرح مضطرب اور بے چین۔ وہ اس سے نظریں نہ ملا سکے' شکست خوردہ انداز میں گردن جھکانے کی کوشش کی تو ناہید نے تڑپ کر انہیں بازوؤں سے پکڑ لیا' دھڑکتے ہوئے دل سے مخاطب کر کے بولی۔

"فراز ..... منصور کیسے ہیں؟"

"ڈاکٹر کا خیال ہے کہ....."

"میں ڈاکٹر کا نہیں تمہارا خیال پوچھ رہی ہوں۔" اُس نے فراز کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "تمہیں میری قسم فراز! مجھ سے جھوٹ مت بولنا۔"

"صبح سے پہلے یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" فراز اداس لہجے میں بولے۔ "فی الحال بھائی جان کی حالت خطرے سے باہر نہیں ہے ..... لیکن خدا نے چاہا تو انہیں صبح تک ہوش آ جائے گا' ڈاکٹر اپنی سی کوششیں کر رہے ہیں۔"

"اور تم نے امی حضور کو جھوٹی تسلیاں دے کر ٹال دیا۔" ناہید تڑپ اٹھی۔

"میں نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہے ورنہ امی حضور برداشت نہ کر پاتیں۔" فراز ہونٹ چباتے ہوئے بولے۔

"اب میرے لئے تمہارا کیا حکم ہے؟" ناہید نے حسرت بھری نگاہوں سے فراز کو گھورتے ہوئے پوچھا' اس کے لہجے میں درد تھا' کسک تھی۔

"جی....." فراز کی پلکوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ "میں سمجھا نہیں۔"

"میں تمہارے بھائی جان کو ایک نظر قریب سے دیکھنا چاہتی ہوں۔" ناہید کے لہجے میں التجا تھی۔

"آپ ..... آپ کو دکھ ہو گا۔"

"میں ہاتھ جوڑتی ہوں فراز!" وہ سسک اٹھی۔ "مجھے صرف ایک نظر انہیں دیکھ لینے دو۔"

فراز نے ناہید کی تڑپ دیکھی تو خود بھی تڑپ اٹھے' جن طوفانوں کو وہ دل کی گہرائیوں میں دبائے ہوئے تھے اس کی ہوا ناہید کو نہیں دینا چاہتے تھے' بھائی کی حالت کا اندازہ انہیں ڈاکٹر کی زبانی ہو چکا تھا جس نے منصور کی بے ہوشی اور زخموں کی زبوں حالی دیکھ کر مایوس کا اظہار کر دیا تھا لیکن وہ اس خبر کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے محسن علی اور شیخ الطاف کے سامنے بھی بڑے ضبط کا مظاہرہ کیا تھا اور ڈاکٹر سے گڑگڑا کر یہی درخواست کی تھی کہ وہ منصور کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے ..... مگر ..... ناہید کے آنسو اور اُس کی سسکیاں فراز کے صبر و ضبط کا بڑا شدید اور کٹھن امتحان لے رہی تھیں ..... ابھی وہ ناہید کے سوال کا جواب نہ دے پائے تھے کہ ایک نرس تیز قدم اٹھاتی اُن کے قریب آئی اور بولی۔

"مسز منصور کون ہیں؟"

"کیوں ..... کیا بات ہے؟" فراز نے سہمے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"مریض بے ہوشی کے عالم میں ان ہی کا نام لے رہے تھے اس لئے ڈاکٹر نے کہا ہے کہ انہیں مریض کے پاس بلا لیا جائے۔"

ناہید نے نرس کی بات سنی تو اچانک اس کا دل ایک بار پھر زور سے دھڑکا' اس نے ایک نظر فراز پر ڈالی پھر دیوانوں کی طرح پلٹی اور اپنی خوابگاہ کی جانب لمبے لمبے قدم اٹھانے لگی۔ دروازے کے قریب پہنچ کر ایک لمحے کو رکی پھر دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتی اندر داخل ہو گئی جہاں منصور زخموں سے چُور پٹیوں میں لپٹے پڑے تھے اور ان کی نیم وا آنکھیں دروازے پر جمی تھیں' یوں جیسے انہیں کسی کا انتظار ہو' اس کا دل چاہا دوڑ کر منصور سے لپٹ جائے لیکن کمرے میں ڈاکٹر' محسن علی اور شیخ الطاف حسین کی موجودگی نے اُس کے قدم جکڑ لئے۔ وہ آہستہ آہستہ ڈگمگاتے قدموں سے منصور کی مسہری کے قریب جا کر رک گئی۔ منصور پلکیں جھپکائے بغیر ٹکٹکی باندھے بدستور دروازے کی سمت نظریں جمائے ہوئے تھے۔

"آپ ..... آپ نے مجھے یاد کیا تھا۔" اس نے آہستہ سے منصور کو مخاطب کیا۔

منصور نے کوئی جواب نہیں دیا' شاید انہوں نے ناہید کی آواز نہیں سنی تھی۔

"میں ..... میں آ گئی ہوں منصور!" اس بار ناہید نے قدرے اونچی آواز میں کہا۔
منصور مہر بلب رہے' کوئی جواب نہیں دیا۔
"منصور ..... میں ناہید ہوں....." اس نے ڈرتے ڈرتے آواز بلند کی۔
"آپ ..... مجھے یاد کر رہے تھے۔"
منصور کی نظریں بدستور کھلے دروازے پر منجمد تھیں۔
"منصور ..... خدا کے لئے میری باتوں کا جواب دیجئے۔" وہ چیخ اٹھی۔ "مجھے پہچانئے منصور! میں ناہید ہوں؛ آپ کی ناہید۔"
ڈاکٹر نے ناہید کو چیختے دیکھا تو جلدی سے قریب آ کر اُسے اشارے سے خاموش رہنے کی تاکید کی' شیخ الطاف حسین بھی آہستہ سے بیٹی کے قریب آ گئے' فراز دروازے کے قریب کھڑے بڑے بھائی کی پتھرائی ہوئی نگاہوں کو وحشت زدہ نظروں سے تک رہے تھے۔ پھر ڈاکٹر کی نظریں بھی مریض کی جانب اٹھ گئیں' اس نے آہستہ سے مسہری کے قریب جا کر مریض کی نبض ٹٹولی' جلدی سے آلہ کانوں سے لگا کر مریض کی دل کی دھڑکنیں سننے کی کوشش کی پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر مریض کی آنکھیں بند کیں اور سفید چادر چہرے تک کھینچی تو ناہید دھاڑیں مارتی ہوئی منصور کی لاش سے لپٹ گئی' فراز ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے لگے' محسن علی بھی بے اختیار رو دیئے۔
شیخ الطاف حسین کو جہاں داماد کی جوان موت کا صدمہ لاحق تھا وہاں بیٹی کی بیوگی کا غم بھی انہیں خون کے آنسو رلا رہا تھا۔ انہوں نے بڑی مشکلوں سے ناہید کو پکڑ کر منصور کی لاش سے دور کیا ..... پھر ناہید کی جگر خراش آہ و بکا کی آوازیں بیگم سجاد کے کانوں تک پہنچیں تو وہ اور شاکرہ خاتون بھی برہنہ پا بھاگتی ہوئی اس کمرے میں آ گئیں جہاں ناہید بدستور پچھاڑیں کھا رہی تھی اور پھر ..... وہ گھر جو خوشیوں کا گہوارہ تھا پل بھر میں ماتم کدہ بن گیا۔

☆------☆------☆

قدرت کی کاریگری کے کھیل بھی بڑے نرالے ہوتے ہیں۔
منصور کی جوان موت نے جو خلا پیدا کر دیا تھا اس کا پُر ہونا ناممکن تھا اور اس ایک خلا نے دو خاندانوں کا سارا نظام درہم برہم کر دیا تھا۔ ایک رشتے کے ٹوٹ جانے سے بہت سارے رشتے متاثر ہوئے تھے۔ بیگم سجاد کو جوان بیٹے کے بچھڑ جانے کا غم تھا اور اس غم نے بڑھاپے میں اُن کی کمر توڑ دی تھی۔ فراز کو بڑے بھائی کے جدا ہو جانے کا صدمہ تھا۔

شیخ الطاف حسین اور شاکرہ خاتون کو اگر ایک طرف داماد کی وفات کا غم تھا تو دوسری طرف جوان بیٹی کی بیوگی اور اُس کی پہاڑ جیسی زندگی کی فکر لاحق تھی اور ناہید.....
اُس کی زندگی تو غموں کی آماجگاہ بن گئی تھی۔ شوہر کی موت نے اُس سے زندگی کا وہ سہارا چھین لیا تھا جو ایک سہاگن کے لئے دنیا کے تمام سہاروں سے زیادہ پائیدار ٹھوس اور مضبوط سہارا ہوتا ہے۔ منصور کی موت کے ساتھ ساتھ اُس کی ساری خوشیاں اُس سے روٹھ گئی تھیں۔ مسرتوں کی تمام نشانیاں تو صرف منصور کے دم سے قائم تھیں' جو اب ان کے نہ ہونے سے اپنی آب و تاب کھو بیٹھی تھیں' ماند پڑ گئی تھیں۔
اور قدرت کا یہ المیہ کم تھا کہ ناہید کو سہاگ رات سے لے کر شوہر کی جدائی کے آخری لمحوں تک کبھی کوئی خوشی نہیں ملی تھی۔ سینے میں غموں کی خلش چھپائے وہ اندر ہی اندر سلگتی رہتی لیکن مقدس رشتے کا بھرم قائم رکھنے کی خاطر اپنے ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹوں کا جال سجائے رکھتی تھی لیکن اب رشتوں کا وہ بھرم ٹوٹ چکا تھا' پہلے وہ دوسروں سے چھپ چھپ کر اپنی قسمت کی بربادیوں پر آنسو بہاتی تھی لیکن منصور کی موت نے اسے زندگی میں پہلی بار دل کھول کر اشک بہانے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ تڑپنے' سسکنے اور بلکنے کا موقع عنایت کیا تھا۔ وہ دل کھول کر روئی تھی' جو آنسو اس نے بچا بچا کر رکھے تھے جو اُس کی بدنصیبی کا سرچشمہ تھے اُس کی بربادیوں کا سرمایہ تھے ایک ہی بار بپھرے ہوئے طوفان کا روپ دھار کر اُس کی گلابی آنکھوں اور گھنیری پلکوں سے ڈھلک کر بہہ گئے تھے۔
کس قدر المناک تھا وہ ایک لمحہ جب نرس نے اسے بتایا تھا کہ زخموں سے چُور منصور بے ہوشی کے عالم میں اسے آوازیں دے رہے ہیں' زندگی کا وہ ایک لمحہ اس کی سوگوار زندگی پر بہار بن کر چھا گیا تھا' وہ دیوانی ہو گئی تھی' آرزوؤں اور تمناؤں میں جیسے طغیانی آ گئی تھی' سوئے ہوئے جذبات اچانک انگڑائی لے کر جاگ اٹھے تھے' اُس کے دل کی دھڑکنوں میں مسرتوں کی لہریں اٹھ رہی تھیں اور وہ لہریں اسے تصورات کے دوش پر ایک حقیر تنکے کی مانند بہاتی ہوئی بہت دور لے گئی تھی۔ اس وقت اس نے سوچا تھا کہ شاید قدرت کو اس کی بربادیوں اور بدنصیبیوں پر ترس آ گیا ہے۔ شاید قدرت نے منصور کے پتھر دل کو موم کر دیا ہے۔ شاید منصور کو پیش آنے والے ایک حادثے نے ان تمام حادثوں کو پل بھر میں دور کر دیا ہے جن سے وہ اس وقت تک دوچار ہوتی رہی تھی۔ شاید منصور کو اُس کی وفاؤں کا اعتبار آ گیا تھا۔ انہیں یقیناً اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں پر ندامت

ہوئی ہو گی جبھی تو انہوں نے بے ہوشی کے عالم میں اُسے یاد کیا تھا۔ آواز دی تھی۔ پہلی بار پکارا تھا۔ شاید وہ اپنے کیے پر شرمندہ تھے اور کھل کر اس کا اعتراف کرنا چاہتے تھے۔ اس نے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ پریشانیوں اور تکالیف میں گھر کر انسان یا تو اپنے معبود کو یاد کرتا ہے یا پھر اسے یاد کرتا ہے جو اسے سب سے زیادہ عزیز ہو۔

وہی ایک لمحہ ناہید کی زندگی کا سب سے یادگار اور خوشگوار لمحہ تھا اور اسی ایک لمحے کو قدرت کی ستم ظریفیوں نے اس کی زیست کا سب سے بڑا المیہ بھی بنا دیا تھا۔ وہ دل میں مسرتوں کا ہجوم لئے منصور کے پاس چلی گئی تھی' منصور کی نیم وا آنکھیں دروازے پر جمی دیکھ کر وہ بیتی ہوئی تلخ زندگی کا تمام حادثات بھول گئی تھی۔ ان زخموں کی خلش ایک پل میں دور ہو گئی تھی جو ناسور بن کر اُس کے وجود کے نہاں خانوں میں رِستے رہے تھے۔ شوہر کی ایک نظر نے جو شاید اسی کی منتظر تھی' اس کے دل کی دھڑکنوں کو تیز کر دیا تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر بڑی محبت سے منصور کو آواز دی تھی' بڑے خلوص سے پکارا تھا' پیار کی تمامتر شدتوں کو اپنے لہجے میں سمو کر اپنی موجودگی کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی لیکن وقت گزر چکا تھا' موت کے بے رحم ہاتھ منصور کو ابدی نیند سلا چکے تھے۔

مقدس رشتے کا بھرم ٹوٹ چکا تھا.....

زندگی کا شیرازہ بکھر چکا تھا.....

قدرت نے اسے بیوہ کر دیا تھا.....

شاید اسے اپنی منزل تک پہنچنے میں دیر ہو گئی تھی.....یا

قدرت نے جان بوجھ کر مقدس رشتوں کے درمیان موت کی دیوار حائل کر دی تھی۔

منصور مرتے وقت بھی اُس کی صورت آخری بار نہ دیکھ سکے اور

کیوں آواز دی تھی

وہ موت کی دہلیز پر کھڑے اس کی آمد کا انتظار کس لئے کر رہے تھے

کیا چاہتے تھے؟

اسی ایک یادگار لمحے کی خلش آج بھی ناہید کے سوگوار وجود کو تڑپا رہی تھی۔ قدرت نے اُسے حالات کا نشانہ بنا کر ایک بار پھر کانٹوں کی سیج فراہم کر دی تھی' زخموں کو نیا رنگ عنایت کیا تھا۔ آنسوؤں میں زہر کی حلاوتیں شامل کر دی تھیں۔ سانسوں میں خزاں کے سوکھے پتوں کی مہک پیدا کر دی تھی۔ زندگی کا انداز بدل دیا تھا۔ خوشیوں کو تاراج کر کے

زندہ رہنے کا ایک نیا ڈھنگ اپنانے پر مجبور کر دیا تھا..... وقت آہستہ آہستہ گرد آلود ہوتا گیا' ماضی کے نقش دھندلاتے گئے' رشتوں ناتوں کی شدتیں بتدریج کم ہوتی گئیں ..... احساسات سرد پڑتے گئے' فلک کج رفتار نے اس سے سب کچھ چھین لیا تھا ..... ہونٹوں کا تبسم ..... غزالی آنکھوں کی چمک دمک ..... جوانی کا نکھار ..... سانسوں میں گھلی ملی آرزوؤں اور تمناؤں کی مہک اور زندہ رہنے کی خواہشیں بھی لیکن وہ نایاب اور انمول شے جو اُس کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ تھی' اس کے وجود کو قائم رکھنے کا آخری سہارا تھی۔ آج بھی اُس کی گرفت میں تھی اور یہ انمول شے منصور کی یاد تھی۔

بیتے ہوئے دنوں کی یادیں.....

گزرے ہوئے لمحات کی یادیں.....

یادیں.....

جو اُس کے ذہن پر نقش تھیں' اُس کے انگ انگ میں رچی بسی تھیں۔

وہ کوئی نہ چھین سکا.....

کون چھین سکتا تھا؟

اور ان ہی یادوں کے سہارے اس نے بڑی ثابت قدمی سے شوہر کے غم میں خدا اور رسولؐ کے فرمان کے مطابق عدت کے دن پورے کئے تھے' اپنے دل کی امنگوں کو کچل ڈالا تھا' اپنی آرزوؤں کو تھپک تھپک کر ابدی نیند سے ہمکنار کر دیا تھا' خود اپنے ناتواں ہاتھوں سے اپنی خواہشات کا گلا گھونٹا تھا اور زندگی گزارنے کا ایک نیا ڈھب اپنا لیا تھا' ایسی ڈگر اختیار کی تھی جو حالات کا تقاضہ تھی اور اس ڈگر کے ہر سنگ میل پر عزم' ہمت اور حوصلے کے حروف کندہ تھے۔

مرنے والے کی رسومات ایک ایک کر کے پوری ہوتی گئیں' عدت ..... ختم ہوئی تو اُس پر آنے جانے کی بندشیں بھی ختم ہو گئیں' بیگم سجاد کی نوازشیں اس پر دوچند ہو گئی تھیں' شاید اس لئے کہ وہ منصور کی بیوہ تھی جس کی موجودگی انہیں بیٹے کے وجود کا احساس دلاتی رہتی تھی یا شاید اس لئے کہ شوہر کی موت کے چھ ماہ گزر جانے کے باوجود ابھی تک اُن کے گھر کی دہلیز سے کہیں باہر قدم نکالنے کی کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا' خود کو اسی چہار دیواری تک محدود کر لیا تھا جہاں وہ ایک دن اپنے والدین کو' اپنے ہیرن کو چھوڑ کر اور سہاگن بن کر داخل ہوئی تھی۔

صرف ایک رشتہ ہی تو ٹوٹا تھا۔
باقی رشتے تو اپنی اپنی جگہ قائم تھے ..... اور
وہ ان رشتوں کو اپنی زندگی کی آخری سانس تک نبھانے کا عہد کر چکی تھی۔
اُس نے اس عہد کو زندگی کا حاصل بنا لیا تھا۔
اور اسی پر گامزن تھی۔

وقت کے کٹھن لمحات کو گزارنے کی خاطر اس نے خود کو گھر کے بچے کھچے ہنگاموں میں مصروف کر لیا تھا' دن بھر وہ ساس کی خدمت اور ان کی تیمارداری میں لگی رہتی اور ہر طرح سے ان کا خیال رکھتی تھی' کبھی فراز کے ساتھ دو گھڑی باتیں کر کے دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی' اکثر شام کو لان پر جا کر پودوں کی دیکھ بھال اور ان کی کٹائی چھٹائی میں لگ جاتی اور بوڑھے مالی کا ہاتھ بٹاتی رہتی' کبھی نجو کے ساتھ بیٹھ کر اُس کی معصوم معصوم باتوں سے دل بہلا لیا کرتی' غرضیکہ اُس نے خود کو زندگی کے ان نئے سانچوں میں ڈھال لیا تھا جہاں گھٹن کا ایک معمولی سا احساس بھی اسے پریشان نہیں کر سکتا تھا' البتہ جب رات کو وہ سونے کے لئے اپنی خوابگاہ میں جاتی تو ان احساسات سے دامن نہیں بچا سکتی تھی جو منصور کی کمی کی وجہ سے اکثر اُسے ستانے لگتے تھے' یہی احساس تو اُس کی باقی ماندہ زیست کا سہارا تھے جن سے اُس نے کبھی منہ نہ موڑا تھا' بستر پر پڑی وہ دیر تک ان احساسات سے آنکھ مچولی کرتی رہتی پھر نیند کی نرم آغوش میں دبک کر دنیا و مافیہا کے عارضی ہنگاموں سے بے خبر ہو جاتی۔

منصور کے انتقال کے بعد سے شیخ الطاف حسین اور شاکرہ خاتون بڑی پابندی سے بیگم سجاد اور ناہید کی خیریت دریافت کرنے کی خاطر آتے رہتے تھے۔ عدت کی مدت پوری ہونے کے بعد شاکرہ خاتون نے ایک آدھ بار دبی زبان میں بیٹی کو کچھ دنوں کے لئے اپنے گھر لے جانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا جسے بیگم سجاد نے نہایت خوشی سے قبول کر لیا تھا لیکن ناہید نے بڑی خوبصورتی سے گھر جانے سے انکار کر دیا تھا۔ بیگم سجاد کا غم ابھی تازہ تھا اس لئے وہ انہیں تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی' ہر وقت ان ہی کی دلجوئی میں لگی رہتی تھی۔

آج بھی ناہید نے حسب معمول اپنی صبح کا آغاز خدا کے بابرکت نام سے کیا تھا' نماز سے فارغ ہو کر اس نے کچھ دیر تلاوت کی پھر باورچی خانے میں آ گئی۔ جلدی جلدی ناشتہ تیار کیا پھر ٹرے اٹھائے ساس کے کمرے میں آ گئی۔ منصور کی موت نے بیگم سجاد کو پہلے سے کہیں زیادہ لاغر اور کمزور کر دیا تھا اس لئے وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں رہتی تھیں۔

ناہید نے ساس کے ساتھ ناشتہ کیا پھر برتن واپس اٹھا کر باورچی خانے میں آ گئی۔ خانساماں کو دوپہر کے کھانے کی ہدایت دے کر باہر آئی تو فراز دفتر جانے کے لئے تیار تھے۔ عبدل انہیں ناشتہ کرا رہا تھا۔ فراز نے ناہید کو دیکھا تو اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بھائی کے انتقال کے بعد سے وہ ناہید کا بہت زیادہ خیال رکھنے لگے تھے اور اُسے خوش رکھنے کی کوششوں میں مصروف رہتے تھے۔

"کیا بات ہے فراز! تم اٹھ کیوں گئے؟" ناہید نے محبت بھرے بزرگانہ لہجے میں پوچھا۔

"آپ کے احترام میں کرسی چھوڑ دی تھی۔" فراز نے شوخی آمیز سعادت مندی سے جواب دیا۔

"بزرگوں کا احترام کرنا اچھی بات ہے۔" ناہید ایک ذرا سی مسکرائی پھر فراز کے قریب بیٹھ گئی۔

فراز دوبارہ ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گئے' ناہید چپ چاپ بیٹھی انہیں دیکھتی رہی' منصور کی موت نے جہاں گھر کے دوسرے تمام افراد کو متاثر کیا تھا وہاں فراز کی شوخیوں اور شرارتوں کو بھی متاثر کیا تھا۔ اب وہ زیادہ تر سنجیدہ رہتے تھے اور جانے کن سوچوں میں گم رہتے تھے۔

"تمہارے کاروبار کا کیا حال ہے ..... کیسا چل رہا ہے؟" ناہید نے یونہی پوچھ لیا۔

"خدا کے فضل سے ابھی تک تو ٹھیک ہے۔" فراز سنجیدگی سے بولے۔

"باقی کاروبار کیسا ہے؟" ناہید نے دبی زبان میں سوال کیا۔

"خواجہ صاحب نے پوری تندہی اور دیانتداری سے بھائی جان کی ذمہ داریاں سنبھال لی ہیں۔ دن میں ایک چکر میں بھی لگا لیتا ہوں۔" فراز نے کہا۔ "بھائی جان کے نہ ہونے سے کچھ کاروباری معاملات متاثر ضرور ہوئے تھے لیکن خواجہ صاحب کی سوجھ بوجھ نے حالات کو بڑی خوش اسلوبی سے سنبھال لیا ہے۔"

"ایک بات کہوں فراز!" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"جی!" فراز نے نظریں اٹھا کر ناہید کو غور سے دیکھتے ہوئے وضاحت چاہی۔

"تمہارے بھائی کے دفتر میں تو خاصی گنجائش ہے۔"

"جی ہاں۔"

"کیا یہ ممکن نہیں کہ تم اپنا دفتر بھی وہیں قائم کر لو' اس طرح تمام کاموں کی

نگہداشت زیادہ بہتر طور پر ہو سکتی ہے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" فراز بولے۔ "آپ مطمئن رہئے' میں بہت جلد اپنا دفتر تبدیل کر لوں گا۔"

فراز ناشتہ کر کے چلے گئے تو ناہید نے خود کو دوسرے کاموں میں مصروف کر لیا۔ دوپہر کو ذرا کمر سیدھی کرنے کے ارادے سے اپنے کمرے میں گئی تو بوا سروری نے آ کر اطلاع دی کہ شاکرہ خاتون اور شاکر آئے ہوئے ہیں۔ اُس نے جلدی سے اٹھ کر بکھرے بالوں کو ٹھیک کیا اور دوپٹہ سر پر ڈالتی ساس کے کمرے میں آ گئی۔ شاکرہ خاتون نے بیٹی کو حسرت بھری نظروں سے دیکھا پھر ممتا کے جذبے سے مغلوب ہو کر اُسے گلے سے لگا لیا۔ ناہید ماں سے گلے ملنے کے بعد کچھ ملول ہو گئی تھی' شاید ماں کے دل کی دھڑکنوں نے اُسے متاثر کیا تھا۔ بھرتے زخم تازہ ہونے لگے تو اُس نے خود کو بھائی سے اس کے تعلیمی مشاغل کے بارے میں گفتگو شروع کر کے مصروف کر لیا۔ شاکرہ خاتون دوبارہ بیگم سجاد سے باتوں میں محو ہو گئیں۔ دو گھنٹے بیٹھ کر جب وہ جانے کے ارادے سے اٹھیں تو انہوں نے دبی زبان میں بیگم سجاد سے کہا۔

"شاکر کے والد کی طبیعت دو تین دنوں سے کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ آپ اگر اجازت دیں تو ناہید کو ایک ہفتے کے لئے ساتھ لے جاؤں۔"

"بڑی خوشی سے لے جاؤ بہن!" بیگم سجاد نے بیٹے کی یاد کو محسوس کرتے ہوئے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ "میں نے تو پہلے ہی ناہید بیٹی کو اجازت دے دی تھی۔"

"لیکن میں آپ کو تنہا چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں امی حضور!" ناہید بولی۔ "یہاں آپ کی دیکھ بھال کون کرے گا؟"

"یہاں بوا سروری ہے' عبدل ہے' دوسرے ملازم بھی ہیں ناہید بیٹی!" بیگم سجاد نے بہو کو شفقت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "اور پھر تمہارے والد کی طبیعت بھی تو نازساز ہے' کچھ دنوں کے لئے رہ آؤ گی تو اُن کا جی بھی بہل جائے گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے امی حضور لیکن....."

"زیادہ انکار بھی اچھا نہیں ہوتا ناہید بیٹی!" بیگم سجاد بولیں۔ "شاکرہ بہن تمہاری ماں ہیں' تمہارے انکار سے یہ کیا سوچیں گی۔"

"میں بھلا کیا سوچوں گی بہن!" شاکرہ خاتون دل مسوس کر بولیں۔ "اس کا دل جہاں بہلے وہیں رہے' میں تو صرف شاکر کے والد کی بیماری کی وجہ سے اسے ساتھ لے جانا چاہتی

تھی' وہ کئی بار یاد کر چکے ہیں۔"

"کیوں نہ یاد کیا ہو گا' آخر کو باپ ہیں۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "تم دل میلا نہ کرو بہن! ناہید بیٹی تمہارے حکم سے انکار نہیں کرے گی۔"

"اگر آپ کا یہی حکم ہے امی حضور! تو میں شام کو فراز کے ساتھ چلی جاؤں گی۔" ناہید نے آہستہ سے کہا۔

پھر شاکرہ خاتون بیگم سجاد سے رخصت لے کر جانے لگیں تو ناہید ماں اور بھائی کو دروازے تک چھوڑنے آئی۔ باہر بیگم سجاد کا ڈرائیور انہیں لے جانے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ شاکرہ خاتون نے گاڑی کے قریب رک کر بیٹی کو ممتا بھری نظروں سے دیکھا۔ دبی زبان میں پوچھا۔

"یہاں تمہارا دل تو نہیں گھبراتا؟"

"دل کیوں گھبرائے گا امی جان!" ناہید دل کی گہرائیوں سے امڈتے آنسوؤں کو بمشکل روکتے ہوئے بولی۔ "یہاں امی حضور ہیں' فراز ہیں' اتنے سارے نوکر چاکر ہیں اور ..... اور پھر یہی تو میرا اپنا گھر بھی ہے' بھلا یہاں میرا دل کیوں گھبرانے لگا۔"

"تم خوش رہو بیٹی! اسی میں ہم لوگوں کی خوشی بھی ہے۔"

شاکرہ خاتون نے رخصت ہوتے وقت ناہید کو دوبارہ گلے لگایا پھر اپنی بھیگی آنکھوں کو خشک کرتی ہوئی گاڑی میں بیٹھ گئیں۔ ناہید نے شاکر کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے خدا حافظ کہا پھر ماں کے جانے کے بعد اپنے کمرے میں آ گئی' اس روز وہ سارا دن اداس اداس سی رہی' ماں اور ساس کی باتوں پر غور کرتی رہی پھر شام کو فراز آئے تو اُس نے ساس سے اجازت چاہی اور ملازموں کو اُن کے سلسلے میں ضروری ہدایت دینے کے بعد فراز کے ساتھ گاڑی میں اپنے گھر چلی گئی۔

☆======☆======☆

منصور کی موت نے گھر میں جن ویرانیوں اور اداسیوں کو جنم دیا تھا بیگم سجاد اُسے فراز کی شادی کر کے کسی حد تک کم کرنا چاہتی تھیں۔

فراز اور فرزانہ کی بات پکی ہو چکی تھی' شادی کی رسومات کی ادائیگی کے لئے چاند بھی طے ہو گیا تھا لیکن منصور کے انتقال نے دونوں گھرانوں کے افراد کو اس سلسلے میں خاموش رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ کرنل سرفراز کئی بار بیگم سجاد کے پاس اُن کی خیریت دریافت کرنے کے بہانے آ چکے تھے لیکن نہ تو انہوں نے اس مسئلے کو چھیڑا تھا نہ ہی بیگم

سجاد نے کوئی بات کی مگر ناہید کے چلے جانے سے گھر کی اداسیوں میں جو مزید اضافہ ہوا اس نے بیگم سجاد کو اس بات کا احساس دلا دیا کہ جتنی جلد ممکن ہو انہیں یہ فرض ادا کر دینا چاہئے انہوں نے آج خواجہ رشیدالدین صاحب کے ذریعہ کرنل سرفراز کو بلا بھیجا تھا اور اس وقت وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھی ان ہی سے محو گفتگو تھیں۔

"سرفراز بھائی! میں نے اس وقت دراصل آپ کو ایک خاص سلسلے میں زحمت دی ہے۔"

"ان تکلفات کو چھوڑیئے بھابی صاحبہ!" کرنل سرفراز سنجیدگی سے بولے۔ "آپ حکم دیجئے کہ میرے لائق کیا کام ہے۔"

"سب سے پہلے میں اس بات کے لئے معذرت خواہ ہوں کہ خود نہ آ سکی ورنہ میں نے جس کام کے لئے آپ کو تکلیف دی' اس کے لئے مجھے خود آپ کے پاس حاضر ہونا چاہئے تھا۔"

"آپ پھر تکلف سے کام لے رہی ہیں۔" کرنل سرفراز نے انکساری سے کہا۔ "سجاد کے رشتے سے آپ کو یوں بھی میرے اوپر پورا پورا اختیار ہے' ویسے میں بھی آپ کے لئے غیر نہیں ہوں۔"

"یہ آپ کی نوازش ہے جو ایسا سمجھتے ہیں ورنہ پریشانیوں اور نامساعد حالات میں انسان کا اپنا سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔" بیگم سجاد غمزدہ لہجے میں بولیں۔ "اپنے بھی غیروں کی طرح نگاہیں پھیر لیتے ہیں۔"

"آپ کا کہنا درست ہے بھابی صاحبہ لیکن اللہ کی مرضی کے آگے بندے کا بھلا کیا اختیار ہے۔"

"وہ تو خیر ٹھیک ہے لیکن دل تڑپے اور احساس نہ ہو یہ بھی تو انسان کے بس کی بات نہیں۔" بیگم سجاد افسردگی سے بولیں۔ "ایک پتھر بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو نگاہوں کو اُس کی کمی کا احساس ہوتا ہے ..... منصور تو میرے پیٹ کی اولاد تھے۔"

"قدرت کی یہی مرضی تھی اس لئے بجز صبر و شکر اور کیا کیا جا سکتا ہے۔"

عبدل نے ناشتے کا سامان لا کر میز پر سجایا تو گفتگو کا سلسلہ کچھ دیر کے لئے رک گیا۔

کرنل سرفراز نے اپنے ہاتھوں سے چائے بنائی اور ایک کپ بیگم سجاد کے آگے رکھتے ہوئے بولے۔

"فراز میاں کا کاروبار تو خدا کے فضل و کرم سے ٹھیک ٹھاک چل رہا ہے۔"

"آپ لوگوں کی دعائیں اور اللہ کا کرم ہے۔" بیگم سجاد بولیں۔ "دراصل میں نے فراز ہی کے سلسلے میں آپ کو زحمت دی تھی۔"

"خیریت تو ہے۔" کرنل سرفراز نے جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے کہا۔ "کیا خدانخواستہ اُن کو دفتری امور میں کوئی دشواری پیش آ رہی ہے۔"

"میرا مقصد کچھ اور تھا سرفراز بھائی!" بیگم سجاد نے جواب دیا۔ "جہاں تک دوسری ذمہ داریوں کا مسئلہ ہے تو فراز نے نہایت جانفشانی سے تمام ذمہ داریوں کو سنبھال رکھا ہے لیکن میں اُس کی ذمہ داریوں میں کچھ اضافہ کرنا چاہتی ہوں۔"

"وہ کیا۔"

"میرا اشارہ فراز اور فرزانہ بیٹی کی طرف ہے۔" بیگم سجاد کھل کر بولیں۔ "زندگی کا اب کوئی بھروسہ نہیں اس لئے میں چاہتی ہوں کہ فراز کی ذمہ داری سے بھی جتنی جلد سبکدوش ہو جاؤں' اچھا ہے' بس یہی بوجھ اور باقی رہ گیا ہے۔"

"اوہ ..... میں سمجھ رہا تھا کہ نہ جانے کیا بات ہو گی۔" کرنل سرفراز مسکراتے ہوئے بولے۔ "اگر فراز اور فرزین کا معاملہ تھا تو مجھے خواہ مخواہ درمیان میں گھسیٹنے کی کیا ضرورت تھی' جیسے آپ کے لئے فراز ویسے ہی فرزین۔ آپ نے خود ہی کوئی فیصلہ کر کے مجھے آگاہ کر دیا ہوتا' میں بھی باراتیوں میں شامل ہو جاتا۔"

"یہ آپ کی ذرّہ نوازی ہے سرفراز بھائی لیکن فیصلہ تو آپ ہی کو کرنا ہے۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "جہاں تک میری خواہش کو دخل ہے تو میں یہی چاہوں گی کہ فراز کا گھر جتنی جلدی بس جائے اچھا ہے۔ فرزین کے آ جانے سے اس گھر میں پھر رونق ہو جائے گی۔"

"اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ آپ جب دل چاہے فراز میاں کو غریب خانے پر لے آئیں اور فرزین کو بیاہ کر لے جائیں۔"

"میری تجویز ہے کہ اگر شعبان میں شروع کی کوئی تاریخ طے ہو جائے تو مناسب رہے گا۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔" کرنل سرفراز نے کہا۔ "فرزین آپ کی مانگ ہے' آپ جب جی میں آئے اسے رخصت کر لے جائیں۔"

"مجھے یقین تھا کہ آپ اس سلسلے میں مجھے مایوس نہیں کریں گے۔"

کرنل سرفراز جواب میں مسکرا دیئے پھر چائے کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے بولے۔

"یہ ہماری ناہید بیٹی آج کہاں ہے ..... نظر نہیں آ رہی۔"

"دو روز ہوئے اپنے میکے گئی ہے۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "خدا اُس کی عمر دراز کرے' بڑی ہی نیک اور سعادت مند بچی ہے۔ میرا تو اتنا خیال رکھتی ہے کہ اپنے پیٹ کی بیٹی بھی ہوتی تو شاید وہ بھی اتنا خیال نہ رکھتی۔ بڑی مشکلوں سے میرے سمجھانے بجھانے کے بعد جانے پر رضامند ہوئی ورنہ اُس نے تو صاف انکار کر دیا تھا۔ کہنے کو بہو ہے لیکن سگی بیٹیوں سے زیادہ مجھ سے پیار کرتی ہے۔"

"یہ سب خون اور تربیت کا اثر ہوتا ہے بھابی صاحبہ!" کرنل سرفراز بولے۔ "شیخ الطاف حسین تو اپنے حلقۂ احباب میں مشرقی تہذیب کا نمونہ سمجھے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انہوں نے بیٹی کو بھی اسی سانچے میں ڈھالا ہو گا۔"

"شاکرہ خاتون بھی اپنا جواب آپ ہیں ..... اللہ نے دونوں کی بڑی اچھی جوڑی بنائی ہے' میں تو روز اوّل ہی سے اُن کے گھر کے ماحول کی گرویدہ ہو گئی تھی۔"

"گویا ناہید نے مستقل آپ ہی کے پاس رہنے کا ارادہ کر لیا ہے۔"

"میرے پاس رہے یا اپنے گھر رہے' اس سے فرق کیا پڑتا ہے ..... بات تو ایک ہی ہے۔"

"آپ میرا مقصد نہیں سمجھیں۔" کرنل سرفراز دبی زبان میں بولے۔ "میں دراصل یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ ناہید خیر سے ابھی جوان ہے' خوبصورت اور خوب سیرت بھی ہے کہیں ایسا تو نہیں کہ اُس کے والدین اُس کی دوسری شادی کے بارے میں سوچ رہے ہوں۔"

"دلوں کا بھید صرف خدا ہی بہتر جانتا ہے سرفراز بھائی! لیکن جہاں تک میرا اندازہ ہے کم از کم ناہید دوسری شادی کے لئے کبھی آمادہ نہیں ہو گی۔" بیگم سجاد نے بڑے یقین سے کہا البتہ وہ کرنل سرفراز کا خیال سن کر کچھ افسردہ ضرور ہو گئی تھیں۔

"خدا کرے آپ کا اندازہ درست ہو۔" کرنل سرفراز جلدی سے بولے پھر کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میں نے سنا تھا کہ ناہید بیٹی کی گود بھی ہری ہونے والی ہے۔"

"آپ نے ٹھیک سنا تھا لیکن....." بیگم سجاد نے پلکوں تک آ جانے والے آنسوؤں کے انمول قطروں کو پونچھتے ہوئے اداس لہجے میں کہا۔ "منصور کی موت نے جہاں اس غریب کو بیوگی کا غم دیا وہاں اس صدمے سے اُس کی گود بھی ویران ہو گئی۔"

"یہ تو بہت بُرا ہوا ..... بے چاری کو اس عمر میں دو صدموں کا غم جھیلنا پڑا اور ابھی زندگی کا پہاڑ جیسا سفر بھی کاٹنا ہے۔"

"قدرت کے کھیل نیارے ہوتے ہیں سرفراز بھائی!" بیگم سجاد ایک سرد آہ بھر کر بولیں۔ "وہی غم دیتا اور وہی اس غم کو جھیلنے کا حوصلہ بھی بخش دیتا ہے۔"

"اُس کے راز وہی جانے۔" کرنل سرفراز نے کہا پھر جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

بیگم سجاد کرنل سرفراز کے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھی فراز کی شادی کے منصوبے بناتی رہیں پھر بوا سروری کے سہارے اٹھ کر اپنے کمرے میں واپس آ گئیں۔

☆======☆======☆

فراز کی ذمہ داریاں بڑے بھائی کے نہ ہونے سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ صبح وہ گھر سے اپنے دفتر جاتے پھر دوپہر میں کچھ دیر کے لئے بھائی کے آفس جا کر وہاں کے ضروری اور اہم کام نپٹاتے تھے' انہیں خواجہ رشیدالدین پر پورا اعتماد تھا لیکن اس کے باوجود وہ بھائی کے کاروبار کو نہ تو ملازموں پر چھوڑنا چاہتے تھے نہ ہی ادھر سے غافل ہو کر ماں یا ناہید کو شکایت کا کوئی موقع دینا چاہتے تھے۔

لیکن ان شب و روز کی انتھک محنت اور مصروفیات کے باوجود ایک نام اُن کے ذہن پر ہر وقت چھایا رہتا تھا اور وہ نام ناہید کا تھا۔ ناہید جسے انہوں نے ایک عرصے تک حسین خوابوں کی طرح دل کی گہرائیوں میں سموئے رکھا تھا' نقش کر لیا تھا مگر جب وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے واپس الٰہ آباد پہنچے تو اس خواب کی تعبیر کرچیں بن کر اُن کے وجود میں چبھ گئی۔ ناہید کو بھابی کے روپ میں دیکھ کر اُن کے ارمانوں کا خون ہو گیا۔ قدم ڈگمگانے لگے مگر فراز نے نہایت حوصلے سے خود کو سنبھالا اور حالات کے سانچوں میں ڈھال لیا۔ انہوں نے اس ناہید کے خیال کو کھرچ کر دل کی اتھاہ گہرائیوں سے نکال دیا جو اُن کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا تھی' جسے ہندوستان سے دور رہتے ہوئے بھی دیکھے اور پرکھے بغیر وہ اپنی منزل سمجھتے رہے تھے' اپنے تصورات میں پھولوں کی مہک کی طرح بسا رکھا تھا۔

ناہید اُن کے بھائی کی شریک حیات تھی' یہ دیکھ کر انہیں دکھ ضرور ہوا تھا مگر انہوں نے اس دکھ کو دل کے نہاں خانوں ہی میں چھپا لیا تھا اور اُس کی عزت کرنے لگے تھے۔ کبھی اُس کے احترام میں کوئی فرق نہیں آنے دیا' ہمیشہ بڑی اپنائیت سے اس کے ساتھ پیش آتے البتہ اپنائیت کے اس جذبے کا رنگ بدل دیا تھا اور خود کو دوسرے ہنگاموں میں مصروف کر لیا تھا۔

جہاں تک فرزانہ کا تعلق تھا وہ انہیں ایک آنکھ پسند نہیں تھی۔ انہیں اس بات کا علم بھی ماں کی زبانی ہوا تھا کہ ان کے مرحوم والد نے ان کی اور فرزانہ کی بات طے کر رکھی ہے۔ بیگم سجاد بچپنے کے طے شدہ رشتے کو حقیقت کا رنگ دینے کی خواہشمند تھیں۔ فراز نے اُن کی آرزوؤں اور تمناؤں کو ٹھیس نہیں پہنچائی۔ چند دنوں تک مذاق میں بات اڑاتے رہے لیکن جب ماں کا اصرار شدت اختیار کرنے لگا تو انہوں نے ہاں کر دی۔

فرزانہ کی ناپسندیدگی کی اصل وجہ اُس کی آزاد خیالی' بے پردگی اور فیشن پسندی تھی جو فراز کو مطلق پسند نہیں تھی۔ انہیں اس بات کا یقین تھا کہ فرزانہ کی رگوں میں ایک شریف باپ کا خون دوڑ رہا ہے۔ بلاشبہ اُس کا تعلق ایک اچھے گھرانے سے تھا مگر اس میں وہ خوبیاں نہیں تھیں جو فراز چاہتے تھے۔ وہ تو اپنے لئے ایسے خواب کے تمنائی تھے جو دراز پلکوں پر کھیلے پھر دل کی گہرائیوں میں اتر جائے اور اس خواب کی تعبیر ناہید تھی۔ مگر وقت کے بے رحم ہاتھوں نے اس خواب کو اُن سے چھین لیا تھا۔ ٹوٹے خوابوں کا جڑنا ناممکن تھا اس لئے انہوں نے ماں کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے اُن کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا۔

لیکن.....

بڑے بھائی کی اچانک موت نے اُن کے خیالات میں پھر ہلچل سی مچا دی تھی۔ ناہید کو پا لینے کی تمنا ایک بار پھر شدت اختیار کر رہی تھی مگر ان شدتوں میں ماضی کی گم شدہ حسرتوں کی آمیزش نہیں تھی۔ نہ ہی پچھلی محبت کی دبی دبی چنگاریوں نے شعلوں کا روپ اختیار کیا تھا بلکہ وہ ناہید کو محض ہمدردی اور انسانیت کے جذبوں کے تحت اپنانا چاہتے تھے۔ انہیں ناہید اور بڑے بھائی کے درمیان کشیدہ تعلقات کا علم تھا' انہوں نے خود اپنے کانوں سے وہ باتیں سنی تھیں جو میاں بیوی کے درمیان تلخ تعلقات کا ثبوت تھیں۔ وہ مسکراہٹیں جو ناہید کے ہونٹوں پر دوسروں کی موجودگی میں سجی رہتی تھیں مصنوعی تھیں۔ وہ قہقہے جو سب کے سامنے اس کی خوشیوں کی ضمانت نظر آتے تھے دراصل بے حد کھوکھلے اور ناپائیدار تھے اور جب فراز کو ان حالات کا علم ہوا تو اُس کا دل تڑپ اٹھا۔ وہ اپنے احساسات کو پوشیدہ نہ رکھ سکے' زہر میں ڈوبے چند جملے جب ایک بار ہمدردی کے اظہار کے طور پر اُس کے ہونٹوں تک آ گئے تو ناہید ان جملوں کو سن کر کس قدر ڈر گئی تھی۔ خوفزدہ سی ہو گئی تھی اور سہم کر اُن کے سامنے سے ہٹ گئی تھی پھر اُس نے تنہائی میں بڑے التجا آمیز انداز میں فراز سے درخواست کی تھی کہ وہ اُس کے راز کو صرف اپنی

ذات تک محدود رکھیں' اُس نے تلخیوں کے باوجود اپنی زندگی میں ٹھہراؤ کی جو صورت پیدا کر لی ہے اُس میں تلاطم پیدا کرنے کی کوشش نہ کریں' اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیں۔

اور فراز نے ناہید کی اس درخواست کو قبول کر لیا تھا' خود بھی خود فریبی کا انداز اپنا لیا تھا۔ دوسروں کے سامنے ہوتے تو وہ بھی ناہید کی طرح دل کھول کر ہنستے بولتے' قہقہے لگاتے مگر جب تنہا ہوتے تو ناہید کی تلخیوں کا احساس انہیں تڑپا دیتا۔ وہ گھنٹوں قدرت کی ستم ظریفیوں پر بیٹھے کڑھتے رہتے' کف افسوس ملتے رہتے اور آپ ہی آپ الجھتے رہتے۔ کبھی سوچتے — اگر فلک کج رفتار نے اُن کے راستے میں حائل ہونے کی کوشش نہ کی ہوتی' اگر اُن کے خواب شرمندۂ تعبیر ہو جاتے' وہ ناہید کو زندگی کا ہمسفر بنانے میں کامیاب ہو جاتے تو اُن کی زندگی کیسی حسین' کیسی خوشگوار ہوتی' اُن کے قہقہے کتنے جاندار اور زندگی سے بھرپور ہوتے' اُن کی مسکراہٹوں میں زندگی ہی زندگی ہوتی' ہر طرف بہار ہی بہار ہوتی اور زندگی کی طویل راہوں پر' ہاتھوں میں ہاتھ لئے وہ کتنے شادماں شادماں نظر آتے' ایک ایک لمحہ' ایک ایک پل زندگی کی حرارتوں سے پُر ہوتا — لیکن ایسا نہیں ہوا تھا اور جو کچھ ہوا تھا وہ ناہید کے لئے ایک المیے سے کم نہیں تھا پھر بھی اُس نے کبھی شوہر کی جفاؤں کا شکوہ نہیں کیا تھا۔ اُن کے طرزِ عمل پر اُس کی پیشانی پر کبھی کوئی شک نہیں ابھری تھی۔ اُس نے محبت کا بھرم قائم رکھنے کی خاطر اپنے وجود پر عارضی مسکراہٹوں کا خول چڑھا رکھا تھا۔ دوسروں کے سامنے ہنستی مسکراتی رہتی اور تنہائی میں اپنے دامن کی تشنگی خود اپنے ہی آنسوؤں سے بجھاتی رہتی۔

کیسی المناک زندگی تھی۔

کتنی غمناک اور حسرتوں سے بھرپور.....

حسرتیں.....

جو دل کے اندر ہی تڑپ کر اور گھٹ کر فنا ہو چکی تھیں۔

اور اب ..... اب تو قدرت نے اُس کے ہونٹوں سے عارضی اور مصنوعی مسکراہٹیں بھی چھین لی تھیں۔ اُس کے وجود سے وہ خول اتار لیا تھا جسے اس نے اپنی زندگی کا حاصل بنا لیا تھا۔ وہ بے سہارا ہو گئی تھی اور تقدیر نے اُسے سہاگن کے بجائے بیوہ کا نام دے کر زندہ رہنے پر مجبور کر دیا تھا اور فراز اُسے انسانیت کے نام پر اپنا کر اس کے درد کا درماں بننے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ اُس کے زخموں کے لئے مرہم فراہم

کرنا چاہتے تھے۔ اُس کے سوکھے اور اداس لبوں پر جاندار مسکراہٹیں جگانے کے آرزومند تھے لیکن وہ ابھی تک زبان کھولنے سے قاصر رہے تھے۔ کئی بار انہوں نے چاہا کہ ناہید سے کھل کر اپنے دل کا مدعا بیان کریں لیکن زبان نے ساتھ نہ دیا' ایک دو بار انہوں نے ماں کو ہموار کرنے کی جسارت کی مگر یہاں بھی اُن کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ چاہتے تھے کہ ماں کو ناہید کی غمزدہ اور المناک تصویر دکھا کر اُن سے اُس کے حق میں رحم کی درخواست کریں۔ ماں کو یہ بتائیں کہ وہ اب تک جو کچھ دیکھتی رہی ہیں' سوچتی اور سمجھتی رہی ہیں وہ سب فریب تھا' دھوکا تھا' سراب تھا مگر ہر بار اُن کی زبان میں لکنت آ جاتی تھی' قدم ڈگمگا جاتے تھے۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں ماں اُن کی خواہشات کو خودغرضی اور نفس پرستی کا رنگ نہ سمجھ لیں۔ وہ ان جذبوں کی توہین نہیں ہونے دینا چاہتے تھے جو انسانیت کی معراج تھے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو وہ خود اپنی نگاہوں میں بھی گر جاتے۔ مجرم بن جاتے اور ان ہی احساسات اور خیالات نے فراز کو ابھی تک مہربلب کر رکھا تھا۔

آج بھی وہ دفتر سے لوٹے تو ان ہی خیالوں میں گم تھے' سر جھکائے ماں کی مزاج پُرسی کے لئے اُن کے کمرے میں داخل ہوئے تو بیگم سجاد نے بڑے پیار سے انہیں بلا کر اپنے قریب بٹھا لیا' سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ڈھیر ساری دعائیں دے ڈالیں پھر بڑی شفقت سے بولیں۔

"آج کرنل سرفراز تشریف لائے تھے۔"

"کوئی خاص بات۔" فراز نے سنجیدگی سے پوچھا۔ کرنل سرفراز کا نام سن کر وہ اُن کی آمد کا مقصد سمجھ گئے تھے لیکن انہوں نے چہرے پر دل کی الجھنوں کا عکس نہیں آنے دیا۔

"تمہاری خیریت دریافت کر رہے تھے۔" بیگم سجاد نے کہا پھر سنجیدگی سے بولیں۔

"فراز بیٹے! میں چاہتی ہوں کہ اب تمہارے سر پر بھی سہرا دیکھنے کی آرزو پوری کر لوں' زندگی کا کیا بھروسہ ..... کون جانے سانسوں کا طلسم کب ٹوٹ جائے' اسی لئے میں نے آج تمہاری اور فرزانہ کی بات طے کر دی ہے۔ شعبان میں ابھی تقریباً سوا ڈیڑھ مہینہ باقی ہے۔ اس عرصے میں تیاریاں مکمل ہو جائیں گی۔"

"آپ کا حکم میرے لئے ایمان کا درجہ رکھتا ہے امی حضور! آپ کی خوشی میرے لئے مقدم ہے لیکن اتنی جلدی کیا ہے۔"

"کیوں نہیں ہے جلدی۔" بیگم سجاد نے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "آخر سرفراز

بھائی کب تک جوان بیٹی کو تمہارے نام پر گھر بٹھائے رکھیں گے۔ جب رشتہ طے ہے تو ایک نہ ایک دن تو شادی ہونی ہی ہے پھر دیر سویر سے کیا فرق پڑ جائے گا اور یوں بھی جب سے منصور نے جدائی کا غم دیا ہے اس گھر کی رونقیں روٹھی گئی ہیں۔ فرزانہ آ جائے گی تو میرا دماغ بھی بٹ جائے گا۔"

"آپ کی خوشی میری خوشی ہے امی حضور لیکن کیا میرا گھر آباد ہونے سے بھابی کو اپنا گھر برباد ہونے کا احساس نہ ستائے گا۔" فراز نے دبی زبان میں جواب دیا۔ "ہمیں اپنی خوشیوں کے ساتھ ساتھ دوسروں کے غموں کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔"

"تم سچ کہتے ہو فراز لیکن موت اور زندگی پر بھلا انسان کا کیا اختیار۔" بیگم سجاد نے پژمردہ آواز میں کہا۔ "مجھے خود بھی ناہید کے غموں کا احساس ہے' قدرت نے اس غریب پر جو مصیبت ڈالی ہے اُس کا صرف یہی علاج ہے کہ ہم اس سے پہلے سے زیادہ محبت اور اپنائیت کا برتاؤ کریں' ہر طرح اس کا خیال رکھیں اور جہاں تک ممکن ہو اُس کے غموں کو بانٹتے رہیں۔ اس کے سوا ہم اور کیا کر سکتے ہیں۔"

"ہم اس کے علاوہ بھی اگر چاہیں تو بہت کچھ کر سکتے ہیں۔" فراز نے دبی زبان میں ڈرتے ڈرتے کہا۔ "قدرت کی ستم ظریفیوں نے جو غم دیئے ہیں اُسے اپنا سکتے ہیں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی فراز بیٹے!" بیگم سجاد نے بیٹے کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ "تم کیا کہنا چاہتے ہو؟"

"فرزانہ بڑے باپ کی بیٹی ہے امی حضور! اُسے میرے مقابلے میں اور بھی بہتر رشتے مل سکتے ہیں لیکن بھابی کی قسمت کا فیصلہ قدرت نے آپ کو سونپ رکھا ہے۔" فراز نے ہمت کر کے کہا۔ "آپ اگر چاہیں تو بھابی کی روٹھی ہوئی خوشیاں انہیں واپس مل سکتی ہیں۔ میں اس گھر کی خوشیوں کی خاطر کسی قربانی سے دریغ نہیں کروں گا۔"

"تم ..... تم ناہید سے شادی کرنا چاہتے ہو۔" بیگم سجاد نے چونک کر بیٹے کے چہرے کے تاثرات کو پڑھنے کی کوشش کی۔

"امی حضور!" فراز نے نظریں اٹھا کر ماں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "اگر مجھ سے کوئی گستاخی سرزد ہو گئی ہو تو میں اس کے لئے معافی کا طلب گار ہوں لیکن میں نے اس وقت جس جذبے کا سہارا لے کر آپ کے سامنے زبان کھولی ہے وہ محض انسانیت اور اپنائیت کا جذبہ ہے اور کسی سفلی خواہشات سے یکسر پاک ہے۔"

بیگم سجاد نے بیٹے کی بات سنی تو ایک لمحے کو ششدر رہ گئیں۔ چند لمحے خاموش

رہیں پھر نہایت نرم اور سلجھے ہوئے انداز میں بولیں۔

"میں تمہارے جذبے کی قدر کرتی ہوں لیکن مجھے افسوس ہے کہ تم جو سوچ رہے ہو وہ اب ناممکن ہے۔"

"کیا کوئی خاص دشواری مانع ہے؟" فراز نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

"ہاں۔" بیگم سجاد تھکے تھکے لہجے میں بولیں۔ "مجھے اپنی زبان کا پاس ہے جو میں کرنل سرفراز کو دے چکی ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے اس بات کا بھی یقین ہے کہ ناہید اس رشتے کو قبول نہیں کرے گی' وہ بے حد حساس لڑکی ہے۔"

"پوچھ کر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے؟" فراز نے امید کا دامن تھامے تھامے کہا۔

"نہیں ..... میں ایسا نہیں کر سکتی۔" بیگم سجاد نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔ "دل کا شیشہ بڑا نازک ہوتا ہے' ایک بار ٹوٹ جائے تو پھر نہیں جڑ سکتا' میں نے ناہید کی طبیعت کا بہت قریب سے جائزہ لیا ہے' وہ نہایت معصوم' شریف اور اعلیٰ کردار کی مالک ہے۔ منصور کے بچھڑ جانے کے بعد بھی اُس نے اس گھر کی دہلیز سے اپنا مستقبل وابستہ کر رکھا ہے' اُس نے خود کو بدلے ہوئے حالات کے مطابق ایک نئے سانچے میں ڈھال لیا ہے۔ میں جانتی ہوں کہ وہ مرتے دم تک اس گھر کی عزت پر کبھی حرف نہیں آنے دے گی لیکن اگر اُسے اس بات کا احساس ہو گیا کہ ہم محض ترس کھا کر اس کی سُونی جھولی میں خوشیاں ڈال رہے ہیں تو اُس کی خودداری کو ٹھیس پہنچے گی' اُس کا حساس دل ٹوٹ جائے گا' عظمت کا وہ مینار سرنگوں ہو جائے گا جو اُس نے اپنی ناکام تمناؤں' آرزوؤں اور آہوں کی بنیاد پر تعمیر کیا ہے اور ایک بار اگر یہ مینار ڈھے گیا تو اس کا دل ہمیشہ کے لئے ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ اس مینار کی بلندیوں اور عظمتوں کو قائم رہنے دو فراز بیٹے! شیشے میں اگر بال آ گیا تو یہ [illegible] قوت اُسے دور نہیں کر سکے گی۔"

"... درست فرما رہی ہیں امی حضور!" فراز نے ماں کی باتوں کے وزن کو محسوس کرتے ہوئے جواب دیا۔

"فرزانہ بہت اچھی لڑکی ہے۔" بیگم سجاد نے بیٹے کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "اُسے تمہارے لئے تمہارے مرحوم والد نے پسند کیا تھا اور میں بھی زبان دے چکی ہوں' مجھے یقین ہے کہ وہ تمہارے لئے ایک اچھی بیوی ثابت ہو گی۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔" فراز نے آہستہ سے کہا وہ کچھ دیر ماں کے پاس بیٹھے باتیں کرتے رہے پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئے۔

ناہید کے سلسلے میں ماں نے اُن سے جو باتیں کی تھیں اس کا بوجھل احساس ابھی تک اُن کے ذہن پر طاری تھا۔

☆------☆------☆

بیٹی کے آ جانے سے شیخ الطاف حسین کی طبیعت پر نہایت خوشگوار اثر پڑا تھا۔ شاکرہ خاتون بھی بہت خوش تھیں اور ہمہ وقت اُس کی دلجوئی میں لگی رہتی تھیں۔ ناہید کا جی بہل جائے اس لئے انہوں نے نرجس اور شہناز کو بھی بلوا لیا تھا۔ نرجس دو روز رہ کر واپس چلی گئی تھی لیکن شہناز ابھی تک ناہید کے گھر مقیم تھی' شازیہ چونکہ پڑوس میں رہتی تھی اس لئے رات گئے اپنے گھر واپس چلی جاتی تھی اور صبح ہوتے ہی آ جاتی تھی۔

حالات نے ناہید کو جو غم دیئے تھے ان کا احساس بے تکلف سہیلیوں کی وجہ سے بہت کم ہو گیا تھا' یوں بھی ناہید نے ان حالات کا بغور جائزہ لیا تھا جو قدرت نے پیدا کر دیئے تھے۔ ان حالات سے مفر محال تھا۔ کوئی تدارک نہیں ہو سکتا تھا اس لئے ناہید نے خود کو حالات کے بدلتے سانچوں کے اعتبار سے ڈھال لیا تھا اور زندہ رہنے کا ایک نیا ڈھب اختیار کر لیا تھا۔

منصور کے انتقال کے بعد لوگوں کی زبانیں کچھ دنوں بند رہی تھیں لیکن عدت پوری ہوتے ہی پاس پڑوس میں رہنے والوں اور ملنے جلنے والوں کی زبانوں پر پڑے قفل آہستہ آہستہ کھلنے لگے تھے۔ ناہید کا ان لوگوں سے براہ راست کوئی رشتہ ناتہ نہیں تھا لیکن اس کے باوجود وہ ان لوگوں کے لئے چہ میگوئیوں کا ایک دلچسپ عنوان بن کر رہ گئی تھی۔ جہاں چار عورتیں اکٹھا ہوتیں اسی کا تذکرہ چھڑ جاتا' عجیب عجیب قسم کی باتیں شروع ہو جاتیں' قسم قسم کے خیالات کا اظہار کیا جاتا اور مستقبل کے بارے میں بے تکی پیشگوئیاں بڑے دھڑلے اور یقین کے ساتھ کی جاتیں۔

"بے چاری پر کم سنی میں مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے' ایسا غم تو خدا دشمن کو بھی نہ دے۔"

"ابھی غریب کی عمر ہی کیا ہے' جوانی میں بیوگی کا غم کیسے برداشت کرے گی۔"

"سچ پوچھو تو ابھی اُس کے ہاتھوں کی مہندی بھی پوری طرح نہیں اترنے پائی تھی۔"

"میں تو کہتی ہوں اسے دوسری شادی کر لینی چاہئے ..... پہاڑ سی زندگی شوہر کے سہارے کے بغیر کیسے گزارے گی بیچاری۔"

"کیسی معصوم، شریف اور نیک سیرت لڑکی ہے ..... کون کہہ سکے گا کہ کبھی اس کے ہاتھ پیلے بھی ہوئے تھے ..... مجھے تو ابھی تک کنواری ہی لگتی ہے۔"

"میں نے تو سنا تھا کہ اس غریب کے پیر بھی بھاری ہو گئے تھے لیکن شوہر کی جوان موت کے صدمے نے غریب کی کوکھ بھی سونی کر دی۔"

"ہائے ہائے ..... کیسی لٹی ہے بیچاری' ایک ہی وقت میں شوہر اور اولاد دونوں کا غم جھیلنا پڑ گیا۔"

"کیسی بجھی بجھی اور غمزدہ نظر آتی ہے ..... مجھے تو اسے دیکھ کر ہی دل کے دورے پڑنے لگتے ہیں۔"

"یہ سب وقتی باتیں ہیں بہن ..... کون کسی کے سوگ میں ساری زندگی بیٹھا رہتا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ سارے زخم بھر جاتے ہیں۔"

"میرا تو خیال ہے کہ وہ دوسری شادی ضرور کر لے گی ..... ابھی غم تازہ ہے اس لئے سسرال کی چوکھٹ سے لگی بیٹھی ہے لیکن جب جوانی کی امنگیں گدگدائیں گی تو اسے دوبارہ مانگ میں افشاں سجانے کا خیال بھی ضرور ستائے گا۔"

"اور نہیں تو کیا ..... دل کے ہاتھوں میں نے بڑوں بڑوں کو مجبور ہوتے دیکھا ہے ..... مہوش کی مثال لے لو' شادی کے چار سال بعد شوہر کا ساتھ چھوٹا تو کیسی بلک بلک کر روئی تھی' کیسی ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپتی تھی' اُس کے تو ایک لڑکا بھی تھا لیکن شوہر کی موت کے ایک سال بعد ہی اُس کے والدین نے دوبارہ اُس کا گھر بسا دیا' اب تو خیر سے اُس کے تین بچے ہیں اور کیسی خوشگوار زندگی گزر رہی ہے۔"

"ہاں بہن ..... یہ تو سب وقت کے ڈھکوسلے ہیں' پھر کون ماں چاہے گی کہ اُس کی جوان بیٹی تمام عمر بیوگی کے داغ کو سینے میں چھپائے بیٹھی خون کے آنسو روتی رہے' ہاں عمر ڈھل چکی ہو تو اور بات ہے۔"

"لیکن بیگم سجاد شاید ایسا نہ ہونے دیں' وہ تو یہی چاہیں گی کہ بیوہ زندگی بھر اُن کے کولھے سے لگی بیٹھی منصور کا سوگ مناتی رہے۔"

"ان کے چاہنے نہ چاہنے سے کیا فرق پڑتا ہے' بیٹے کی موت کے بعد اب ان کا کیا اختیار چلے گا ..... وہی ہو گا جو شیخ صاحب چاہیں گے اور پھر اگر ناہید کی مرضی بھی ہوئی تو کون روک سکے گا اُسے دوسری شادی سے۔"

"دوسری شادی میں حرج بھی کیا ہے ..... اس کی اجازت تو خدا اور رسولؐ نے

بھی دی ہے۔"

"مگر بیگم سجاد اپنی روایتی آن بان کو بٹہ لگتے کیسے دیکھ سکیں گی۔"

"یہ بھی تو تم نے ایک ہی کہی ..... اگر اُن کو ایسا ہی اپنے خاندان اور اُس کی عزت کا پاس ہے تو فراز سے ناہید کے دوبول کیوں نہیں پڑھوا دیتیں۔"

اور ناہید کے کانوں تک جب ان باتوں کی بھنک پہنچی تو وہ اندر ہی اندر دل مسوس کر رہ جاتی' اُس کا اختیار ہوتا تو وہ اپنے بارے میں ایسے خیالات کا اظہار کرنے والیوں کی زبانیں گدی سے کھینچ لیتی اس لئے کہ وہ کون ہوتی تھیں اُس کے مستقبل کا فیصلہ کرنے والی۔ انہیں کیا ضرورت تھی ایسی بے تکی اور فضول باتیں کرنے کی۔ کیا رشتہ لگتا تھا ان کا اس کی ذات سے۔ آخر وہ کیوں اس کی ہمدردی میں مری جا رہی تھیں۔ کب اُس نے ان عورتوں سے منت سماجت کی تھی کہ خدا کے واسطے سر جوڑ کر بیٹھو اور میرے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کرو لیکن حالات نے اُسے بے بس کر دیا تھا' وہ کسی کی زبان پکڑنے سے قاصر تھی مگر اپنی ذات پر تو اُسے مکمل اختیار تھا۔ اعتماد تھا اور اسی اعتماد کے سہارے اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ قدرت نے اُسے جن حالات سے دوچار کیا ہے وہ ان حالات کو تقدیر کا فیصلہ سمجھ کر نہایت خندہ پیشانی سے قبول کر لے گی' زندگی کا سہارا بنا لے گی۔ بیوگی کے غم کو سینے سے لگائے زندگی گزار دے گی اور اس خاندان پر کوئی حرف نہیں آنے دے گی جس سے اُس کی قسمت وابستہ ہو چکی تھی۔ اسی دہلیز پر عمر بیتا دے گی جہاں وہ ایک دن سہاگن بن کر آئی تھی اور.....

اور دنیا والوں پر ثابت کر دے گی کہ عورت زندگی میں صرف ..... اور صرف ایک بار کسی کو چاہتی ہے ..... اس کی قسمت کا فیصلہ صرف ایک بار ہوتا ہے ..... اس کے دل پر صرف کسی ایک محبوب کی تصویر کا نقش بن سکتا ہے ..... اُس کی مانگ میں صرف ایک بار ..... پہلی بار افشاں کا رنگ زیادہ نکھرتا ہے ..... ہاتھ کی مہندی اسی وقت زیادہ رچتی اور سجتی ہے جب لڑکی کو پہلی بار دلہن بنایا جاتا ہے ..... نقش مکرر' نقش اوّل سے زیادہ دلکش اور حسین کبھی نہیں ہوتا۔

ہاں ..... مجبوریاں لاحق ہوں تو اور بات ہے' زندگی شرافت اور سکون سے گزارنے کے مواقع فراہم نہ ہوں تو کوئی جائز قدم اٹھانا بھی گناہ نہیں ہے۔ انسان ڈوب رہا ہو تو موت کے تصور سے گھبرا کر ایک حقیر تنکے کے سہارے کو بھی بہت سمجھتا ہے لیکن اسے تو زندگی گزارنے کے لئے' سر چھپانے کے لئے اور نقشِ اوّل میں رنگ بھرنے کے

لئے بہتیرے مواقع میسر تھے۔ پھر اُسے دوسری شادی کی کیا ضرورت تھی؟ کون سی ایسی مجبوری اور بے بسی لاحق تھی جو اُسے اپنے اٹل فیصلوں کا رخ بدلنے پر اکسا سکتی تھی اور پھر..... پھر قدرت نے اُس کے لئے جو راہیں متعین کر دی تھیں وہ اُن راہوں سے بھلا کیسے منہ موڑ سکتی تھی۔ اسے تو بیگم سجاد کی دہلیز پار کرنے سے پیشتر ہی یہ نصیحت کی گئی تھی کہ یہی دہلیز اس کی زندگی کا مرکز ہے جہاں اسے سہاگن کے روپ میں رخصت کیا گیا تھا اور مر کر نکلنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ پھر وہ والدین کی ان نصیحتوں اور ہدایتوں سے بغاوت کیسے کر سکتی تھی۔ صرف حالات ہی تو بدلے تھے' وہ تو نہیں بدلی تھی اور اس نے کبھی نہ بدلنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا..... اٹل اور آہنی ارادہ.....

ارادہ.....

جو چٹانوں کی طرح مضبوط تھا۔

جسے شدید طوفانوں کا زور بھی اس کی جگہ سے نہیں ہٹا سکتا تھا۔

حرفِ غلط کی طرح مٹانے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔

طوفانوں کی شدتیں اور مخالف ہواؤں کے جھکڑ اُس کی ہیئت تو بدل سکتے تھے۔

ٹوٹ پھوٹ لا سکتے تھے.....

اُس کے وجود میں دراڑیں پیدا کر سکتے تھے۔

لیکن.....

وجود کے نقش کو نہیں مٹا سکتے تھے ..... کبھی نہیں' کبھی نہیں۔

اور اس وقت بھی وہ اپنے کمرے میں بیٹھی ان ہی ارادوں کے حسین تصور سے کھیل رہی تھی جب شہناز اور شازیہ دبے قدموں اندر داخل ہوئیں۔ وہ اپنے خیالوں میں اس قدر محو تھی کہ اُسے اُن کے آنے کی خبر نہ ہوئی۔ پھر جب شازیہ نے اُس کے قریب پہنچ کر اچانک اُسے آواز دی تو وہ سچ مچ ڈر گئی۔ دل کی دھڑکنیں اچانک خوف سے تیز ہو گئیں لیکن اُس نے جلد ہی ان دھڑکنوں پر قابو پا لیا' خود کو سنبھالتے ہوئے شازیہ کو گھور کر بولی۔

"یہ تُو آج صبح سے کہاں غائب تھی؟"

"میں تو خیر حاضر ہو گئی ہوں لیکن یہ بتا کہ تُو اس وقت کہاں غائب تھی؟" شازیہ نے اُسے چھیڑتے ہوئے پوچھا۔

"شاکر کے امتحانوں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔" اُس نے دل کا بھید چھپانے

کے لئے جھوٹ کا سہارا لیا۔ "آج کل وہ پڑھائی میں دلچسپی نہیں رہا ہے۔"

"پھر تو خیریت ہے ..... ورنہ میں کچھ اور سمجھ رہی تھی۔" شازیہ معنی خیز آواز میں بولی۔

"اور کیا سمجھ رہی تھیں جناب؟" ناہید نے اسے گھورتے ہوئے سوال کیا پھر جلدی سے بات بدلتے ہوئے کہا۔ "شاکر بتا رہا تھا کہ محسن بھائی نے غالباً آج بھی دفتر سے چھٹی لے رکھی ہے اور ان کی گاڑی دروازے پر ہی موجود ہے۔"

"اب میں سمجھی۔" شہناز نے مسکراتے ہوئے شازیہ کو گھورا۔ "یہی وجہ تھی جو آج یہ اتنی دیر سے تشریف لائی ہیں۔ گھر میں بیٹھی محسن بھائی سے عشق بگھار رہی ہوں گی۔"

"کیوں نہ بگھاروں عشق۔" شازیہ نے تیزی سے کہا۔ "میں نے کوئی تیری طرح اپنے شوہر کی رسی تو ڈھیلی نہیں چھوڑی کہ موصوف باہر نکل کر کالی پیلی لڑکیوں سے چونچیں لڑاتے پھریں اور میں گھر کی چاردیواری میں بند بیٹھی کڑھتی رہوں۔"

"رسی تو خیر میں نے بھی ڈھیلی نہیں چھوڑی تھی۔ میں تو سلیم صاحب کو ایسا راہ راست پر لاتی کہ دنیا دیکھتی لیکن ساس صاحبہ کا احترام مانع تھا جو وہ پٹہ تڑا کر بھاگ گئے۔" شہناز نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"اور آج کل لندن میں گلچھرے اڑا رہے ہیں۔" شازیہ نے لقمہ دیتے ہوئے کہا۔ "میری مان تو تُو بھی یہاں کسی معقول آدمی کو تلاش کر کے اُس سے فلرٹ شروع کر دے ..... وقت اچھا گزر جائے گا۔"

"شازیہ کی بچی!" ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تُو تو سچ مچ بے شرم ہو گئی ہے' جو منہ میں آتا ہے بکتی چلی جاتی ہے۔"

"اے بہن! یہ نہ بولیں گی تو اور کون بولے گا۔" شہناز بڑی بوڑھیوں کی طرح ایک ٹھنڈی سانس بھر کر بولی۔ "ان کی تو وہی مثال ہے کہ میٹھا میٹھا ہڑپ اور کڑوا کڑوا تھو ..... خدا نے ان کو ایک نیک اور سیدھا سادا شوہر عنایت کر دیا ہے کہ اِتراتی پھرتی ہیں اور دوسروں کے جنم میں کیڑے تلاش کرتی رہتی ہیں ..... میں تو جب مانتی ان کی شوخی اور طراری کہ جب ان کا مردوا بھی کسی غیر عورت کے چکر میں پھنسا ہوتا اور ان کی چھاتی پر مونگ دل رہا ہوتا' اس وقت میں پوچھتی کہ کہو بنو کیا بیت رہی ہے تمہارے دل پر۔"

"شہناز بی بی ..... اگر تمہیں اس بات کی جلن ہے تو اپنے دل کی یہ حسرت بھی

پوری کر کے دیکھ لو ..... ہاتھ کنگن کو آر سی کیا ہے۔" شازیہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔ "لے جا کر پھنسوا دو میرے مردوے کو کسی غیر عورت سے یا جادو ٹونا کروا کے اُن کا دل پلٹوا دو میری طرف سے ..... لیکن ایک بات سے خاطر جمع رکھنا' میں اتنی گری پڑی بھی نہیں ہوں کہ دیدے بند کئے بیٹھی گھر کی بربادی کا تماشہ دیکھتی رہوں گی یا سسرال والوں کی وجہ سے خاموش بیٹھی ٹسوے بہاتی رہوں گی۔ خدا کی قسم اگر میں نے اپنی اور محسن کی جان ایک نہ کر دی ہو تو کہنا۔"

"اے بوا بس رہنے دو' یہ تم میرے پیچھے پنجے جھاڑ کر کیوں پڑ گئی ہو۔" شہناز نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "بھلا میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے اور میری جوتی کو کیا غرض پڑی ہے کہ دوسروں کے پھٹے میں پیر پھنساؤں' میری بلا سے' تمہارا میاں ایک چھوڑ دس لڑکیوں سے آنکھیں لڑاتا پھرے"۔

"بس ..... اتنی جلدی بھاگ لیں میدان چھوڑ کر۔" شازیہ نے لڑاکا عورتوں کا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "ابھی تو تمہاری گز بھر کی زبان کیسی پٹر پٹر چل رہی تھی جیسے میرٹھ کی قینچی ..... مجھے میرے میاں کی شرافت کا طعنہ دیا جا رہا تھا' بُرے دن کی دعائیں مانگی جا رہی تھیں گود پھیلا پھیلا کر ..... میں نے کھری کھری سنائی تو کیسا سانپ سونگھ گیا اور کیسی معصوم بن کر کہہ رہی ہو کہ میرا پیچھا چھوڑ دو۔"

"خدا سمجھے تجھ سے۔" ناہید نے ہنسی سے بے حال ہوتے ہوئے کہا۔ "تُو نے تو سچ مچ ڈومنیوں کو بھی مات کر دیا ہے' کہاں سے سیکھی ہیں یہ باتیں۔"

"خدا کی قسم ناہید' اسے تو اس کی چرب زبانی کے سلسلے میں انعام ملنا چاہئے۔" شہناز نے اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ "میرا تو خیال تھا کہ میں ہی بڑی بوڑھیوں کی نقل اتارنے میں ماہر ہوں مگر یہ تو مجھ سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔"

"اے ابھی تُو نے دیکھا ہی کیا ہے میری بنو۔" شازیہ بولی۔ "کبھی ہتھے چڑھ گئی تو بتاؤں گی کہ کتنے بیسی کے ساٹھ ہوتے ہیں' ہاں نہیں تو' کل کی چھوکری اور میرے منہ کو آ رہی ہے۔"

"نا بابا ..... میری توبہ۔" شہناز نے دوبارہ کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔ "میں ہاری اور تُو جیتی۔"

"جاؤ پھر معاف کیا۔" شازیہ مسکرا کر بولی۔ "تم بھی کیا یاد کرو گی کہ پولیس انسپکٹر کی اکلوتی بیوی سے پالا پڑا ہے۔"

"مجھے تو محسن بھائی کی حالت پر ترس آتا ہے۔" ناہید شوخی سے بولی۔ "ان بیچارے پر کیا گزرتی ہو گی۔"

"سچ بتاؤ شازیہ! کیا کبھی محسن بھائی نے بھی تمہاری اس قسم کی باتیں سنی ہیں۔" شہناز نے پوچھا۔

"ابھی تک تو خیر اس کی نوبت نہیں آئی لیکن اگر کسی دن محسن نے بھی ہاتھ پیر نکالنے کی کوشش کی تو ان کی بخشش نہیں ہو گی۔" شازیہ بولی۔ "ایسی بے نقط سناؤں گی کہ میاں جی کو چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔"

"اور اگر محسن بھائی کو بھی جلال آ گیا تو۔" ناہید نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"آ چکا جلال۔" شازیہ بولی۔ "میں نے تو روزِ اوّل ہی سے اُن پر ایسا جادو کیا ہے کہ بیچارے میرے سامنے ہر وقت بھیگی بلی بنے رہتے ہیں۔"

"آنے دے اب محسن بھائی کو۔" ناہید نے دھونس دیتے ہوئے کہا۔ "میں بھڑکاؤں گی انہیں تیرے خلاف۔"

"اوّل تو وہ بھڑکنے سے رہے اور اگر ایسا ہو بھی گیا تو میرا کچھ نہیں بگڑے گا ..... وہی خسارے میں رہیں گے۔" شازیہ بڑی سنجیدگی سے بولی۔

"کیوں؟" شہناز نے پوچھا۔ "کیا تُو ان کا راشن پانی بند کر دے گی؟"

"راشن پانی کے لئے تو خیر وہ بیچارے یوں بھی ہمیشہ خوشامدیں کرتے رہتے ہیں لیکن اگر انہوں نے کبھی پَر نکالنے کی کوشش کی تو میاں احسن کے خواب بھی کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوں گے۔" شازیہ بدستور سنجیدہ تھیں

"یہ میاں احسن کون ذات شریف ہیں؟" ناہید نے بڑے بھولپن سے پوچھا۔ "میں آج پہلی بار یہ نام سن رہی ہوں۔"

"میں بھی بس نام ہی نام سن رہی ہوں۔" شازیہ بڑی معصومیت سے بولی۔ "جب عالم وجود میں آئیں گے تو صورت بھی دیکھ لوں گی۔"

"ہٹ بے شرم۔" ناہید نے شرماتے ہوئے کہا۔ "تُو تو پکی ہوتی جا رہی ہے۔"

"اس میں پکی اور کچی کا کیا سوال۔" شازیہ نے برجستہ جواب دیا۔ "سر اوکھلی میں دے دیا تو پھر موسل سے بھلا کیا ڈرنا۔ آخر بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی' جو ہانڈی میں ہے وہ ڈوئی میں تو آئے گا ہی۔"

"دیکھ رہی ہو ناہید!" شہناز مسکراتے ہوئے بولی۔ "اس میں تو اب حیا اور شرم نام

کو بھی باقی نہیں رہی۔"

"کوئی اور بات کرو شہناز ورنہ اسے پھر الٹی سیدھی ہانکنے کا موقع مل جائے گا۔" ناہید نے کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ تم یہاں اور کتنے دن ہو۔" شازیہ نے خود ہی سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے موضوع بدل دیا۔

"امی جان اور ابا جان تو روکنا چاہ رہے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ دو تین روز میں واپس چلی جاؤں۔" ناہید نے کہا۔ "کیوں' کوئی خاص بات ہے۔"

"محسن کہیں پکنک پر جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں' تم اور شہناز بھی ساتھ ہو گی تو لطف دوبالا ہو جائے گا۔"

"ناہید جائے نہ جائے میں تو ضرور چلوں گی۔" شہناز تیزی سے بولی۔

"کب کا پروگرام ہے؟" ناہید نے پوچھا۔

"اتوار کا۔" شازیہ بولی۔ "کل ہی کا دن تو بیچ میں ہے۔"

"امی جان سے پوچھ لو..... اگر وہ اجازت دے دیں تو چلی چلوں گی۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں ابھی جا کر خالہ جان سے پوچھے لیتی ہوں' مجھے یقین ہے کہ وہ میری بات کبھی نہیں ٹالیں گی۔" شازیہ نے خوش ہو کر کہا پھر تیزی سے اٹھی اور لمبے لمبے قدم اٹھاتی کمرے سے باہر چلی گئی۔

"خدا کی قسم' یہ شازیہ تو آفت ہے آفت۔" شہناز نے شازیہ کے جانے کے بعد کہا۔

"بڑی ہی زندہ دل اور باغ و بہار طبیعت کی مالک ہے۔" ناہید نے جواب دیا پھر دونوں سہیلیاں اس کی باتیں یاد کر کے ہنسنے لگیں۔

☆------☆------☆

آج ناہید سسرال واپس جا رہی تھی' فراز ایک روز قبل آ کر اُسے بتا گئے تھے کہ بیگم سجاد نے اُسے بلوایا ہے' اُس نے واپسی کی تیاری مکمل کر لی تھی' لباس ٹھیک کر کے وہ کچھ دیر والدین کے پاس بیٹھنے کے ارادے سے اُن کے کمرے کی طرف گئی تو دروازے پر ہی ٹھٹک کر رک گئی' اندر شیخ الطاف حسین اور شاکرہ خاتون کے درمیان اسی سے متعلق گفتگو ہو رہی تھی۔

"ناہید آج سسرال واپس جا رہی ہے۔" شاکرہ خاتون شوہر کو بتا رہی تھیں۔ "فراز

میاں اُسے لینے آئیں گے۔"

"مجھے معلوم ہے بیگم!" الطاف حسین ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولے۔ "آپ نے ناہید سے کوئی بات کی تھی؟"

"کوشش تو کی تھی لیکن ہمت نہیں پڑی۔"

"شازیہ سے کہا ہوتا' وہ پوچھ لیتی۔"

"میں نے شازیہ ہی کو درمیان میں ڈالا تھا۔"

"پھر..... ناہید نے کیا جواب دیا؟" الطاف حسین نے تیزی سے پوچھا۔

"ناہید یہی کہتی ہے کہ وہ بیگم سجاد ہی کے پاس رہے گی۔"

"اُسے یہی جواب دینا چاہئے تھا بیگم! شریف گھرانے کی لڑکیوں کی قسمت ایک بار جس گھرانے سے وابستہ ہو جائے انہیں مرتے دم تک اُسی کا ہو کر زندگی گزار دینی چاہئے۔" الطاف حسین سنجیدگی سے بولے۔ "اگر ناہید نے اس کے برعکس کوئی فیصلہ کیا ہوتا تو مجھے یقیناً دکھ ہوتا۔"

"آپ مرد ہیں اس لئے آپ کا دل بھی سخت ہے لیکن میں ماں ہوں' اپنے دل کا کیا کروں۔"

"ہمت اور صبر سے کام لیجئے بیگم!"

"کیسے صبر کروں۔" شاکرہ خاتون سرد آہ بھر کر بولیں۔ "مجھے تو رہ رہ کر یہی خیال پریشان کرنے لگا ہے کہ ناہید کیسے اس غم کو سہارے گی اور پہاڑ جیسی زندگی بغیر کسی مرد کے مضبوط سہارے کے کس طرح گزار سکے گی۔"

"قسمت کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں' انسان قدرت کی مرضی کے آگے بے بس ہے۔"

"میں یہ بھی جانتی ہوں لیکن اس دل کا کیا کروں جو کسی کروٹ مجھے چین نہیں لینے دیتا۔" شاکرہ خاتون رندھی آواز میں بولیں۔ "اور پھر ابھی ناہید کی عمر ہی کیا ہے' ابھی تو اس کے کھیلنے کودنے کے دن تھے لیکن قدرت نے اُسے بیوگی کا غم دے کر کیسا مرجھا سا دیا ہے' میں تو اس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ دیکھنے کو ترس گئی۔"

"مقدر کی بات ہے بیگم! ورنہ ہم نے تو اپنے جانتے میں اُس کے مستقبل کو سنوارنے کی کوشش کی تھی۔ یہ کسے خبر تھی کہ اجل کے سرد ہاتھ اتنی جلدی ہماری بیٹی کے ہونٹوں سے اُس کی مسکراہٹ چھین لیں گے۔" الطاف حسین نے کہا۔ "شاید اس

میں بھی مالک کو ہماری کوئی بہتری منظور ہو' اُس کے کوئی کام مصلحت کے خلاف نہیں ہوتے۔"

"آپ نے شاید ناہید کو غور سے نظر بھر کر نہیں دیکھا۔" شاکرہ خاتون نے بسورتے ہوئے کہا۔ "کیسی پھول جیسی تھی میری بچی لیکن وقت کی ایک ہی کروٹ نے اُسے کیسا اداس اور پژمردہ کر دیا ہے۔ ابھی تو اُس نے اولاد کی خوشیاں بھی نہیں دیکھی تھیں' جوانی میں بیوگی کا غم خدا دشمن کو بھی نہ دے۔"

"خود کو سنبھالئے بیگم! آپ کی یہ حالت اگر ناہید نے دیکھ لی تو اُس کے غموں میں اور اضافہ ہو جائے گا۔"

"اُس کے سامنے تو خیر میں دل پر پتھر رکھ کر خوش رہنے کی کوشش کرتی ہوں لیکن دل میں ہر وقت ایک آگ سی لگی رہتی ہے۔" شاکرہ خاتون بولیں۔ "میں تو یہ چاہتی ہوں کہ ناہید دو چار روز اور رک جائے' میں نے نرجس اور شہناز کو بھی اسی غرض سے بلوا لیا تھا کہ تنہائی میں ناہید کا دل نہ گھبرائے لیکن بیگم سجاد کے ہاں کون بیٹھا ہے جو میری بچی کے زخموں پر مرہم رکھے گا۔"

"وقت ہر زخم کے لئے تریاق بن جاتا ہے۔ رہا ناہید کے یہاں رکنے کا مسئلہ تو یہ کوئی ایسی پریشانی کی بات بھی نہیں ہے۔ ایک ہی شہر کی بات ہے' دس بارہ روز بعد دوبارہ جا کر کچھ دنوں کے لئے ناہید کو ساتھ لے آیئے گا۔"

"ماں کے دل کو تو ایک پل چین نہیں آتا ..... آپ دس بارہ دنوں کی بات کر رہے ہیں۔"

"میں بھی کوئی غیر نہیں ہوں بیگم! ناہید کا باپ ہوں۔" شیخ الطاف حسین غمزدہ لہجے میں بولے۔ "اسے پال پوس کر جوان کرنے میں میرا بھی کچھ ہاتھ ہے' آپ نے یہ کس طرح اور کیونکر سوچ لیا کہ مجھے اپنی بیٹی کے دکھوں سے کوئی واسطہ نہیں' دل اگر چیر کر دکھایا جا سکتا تو میں بھی آپ کو اپنی پریشانیوں کا اندازہ دلا سکتا۔ خدا گواہ ہے کہ آپ کی طرح مجھے بھی ناہید کی بیوگی کا صدمہ اندر ہی اندر کھائے جا رہا ہے لیکن میں خدا کو یاد کر کے اپنے آپ کو سنبھال لیتا ہوں' آپ ذرا ٹھنڈے دل سے غور کیجئے' اگر ہم نے بھی اپنے زخموں کو کھلا چھوڑ دیا تو ناہید کے دل کا کیا حال ہو گا۔ اُس کے دکھوں میں اور بھی اضافہ ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" شاکرہ خاتون نے اپنے آنسو دوپٹے کے آنچل میں جذب کرتے

ہوئے کہا۔ "میں دس پندرہ روز بعد جا کر اپنی بچی کو دوبارہ لے آؤں گی۔"

"مصلحت اسی میں ہے کہ ہم اس وقت ناہید کو اگر خوش نہیں رکھ سکتے تو کم از کم اُس کے غموں کو بڑھنے نہ دیں۔" الطاف حسین بیوی کو سمجھاتے ہوئے بولے۔ "بیگم سجاد اسے بیٹی سے کم نہیں سمجھتیں۔ یہ اور وہ دونوں گھر ناہید کے ہیں' وہ جہاں خوش رہے شوق سے رہے۔"

"میری بھی تمنا یہی ہے کہ وہ جہاں رہے خوش رہے۔"

ناہید دروازے پر کھڑی ماں باپ کی باتیں سن رہی تھی' ماں کا پیار اور باپ کی شفقت ہی تو اس کی زندگی کا سب سے انمول اور قیمتی سرمایہ تھا۔ والدین کی تربیت اور اُن کی نصیحتوں ہی نے تو اسے مشرقی تہذیب کے سانچوں میں ڈھالا تھا۔

اس وقت بھی ناہید نے بڑے حوصلے اور ضبط سے کام لیا تھا' ان آنسوؤں کو سینے کی گہرائیوں میں دبا دیا تھا جو اُس کی دراز پلکوں تک آنے کے لئے مچل رہے تھے' وہ اپنی قسمت پر شاکر رہنے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ اسے والدین کے دلوں میں رستے زخموں کا اندازہ تھا۔ وہ ان کے سامنے رخصت ہوتے وقت بھیگی آنکھوں سے جاتی تو ان کے دل کے زخم ناسور بن جاتے' تڑپ اٹھتے' اس لئے اس نے خود کو بڑی ثابت قدمی سے سنبھالا' چہرے پر پھیکا سا تبسم سجائے' دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اندر داخل ہوئی اور بڑے پیار سے ماں کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ شاکرہ خاتون نے جلدی سے منہ دوسری طرف کر کے پلکوں پر لرزتے باقی ماندہ آنسو بھی خشک کر لئے' الطاف حسین نے بیٹی کی توجہ بٹانے کی خاطر کہا۔

"سنا ہے آج ہماری بیٹی اپنے گھر جا رہی ہے۔"

"جی ہاں ابا جان!" ناہید نہایت ادب سے بولی۔ "فراز کل آ کر بتا گئے تھے کہ امی حضور (ساس) نے مجھے بلایا ہے۔"

"بڑے شوق سے جاؤ بیٹی ..... خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔"

"دوبارہ کب آؤ گی ناہید!" شاکرہ خاتون نے آنسو پیتے ہوئے پوچھا۔

"جب آپ حکم دیں گے۔" ناہید نے مسکرا کر جواب دیا۔ پھر اس نے موضوع بدلنے کی خاطر شاکر کی پڑھائی کی باتیں شروع کر دیں۔

شاکرہ خاتون نے بیٹی کو ہنستے بولتے دیکھا تو چند لمحوں کے لئے وہ بھی اپنا غم بھول گئیں' شیخ الطاف حسین بھی مسکرا کر بیٹی سے باتیں کرتے رہے۔ شاکر کالج سے واپس آیا

تو وہ بھی والدین کے کمرے میں آ گیا' ناہید نے بڑے پیار سے بھائی کا ہاتھ تھام کر اسے اپنے قریب بٹھالیا اور پڑھائی پر مزید توجہ دینے کی تاکید کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد فراز بھی آ گئے' شاکر نے جا کر فراز کو بیٹھک میں بٹھایا' شیخ الطاف حسین اور شاکرہ خاتون بھی باہر آ گئیں۔ ناہید نے چائے کا اہتمام پہلے سے کر رکھا تھا' جلدی جلدی چیزیں پلیٹوں میں سجا کر خود بھی بیٹھک میں آ گئی۔

چائے کا دور جتنی دیر چلتا رہا' فراز' الطاف حسین اور شاکرہ خاتون سے باتوں میں مصروف رہے پھر جب انہوں نے جانے کی اجازت چاہی تو ناہید بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ شاکر نے اس کا سوٹ کیس لے جا کر گاڑی میں رکھ دیا۔ الطاف حسین نے بیٹی کے سر پر بڑی محبت سے ہاتھ رکھ کر اُسے اپنی دعاؤں سے نوازا۔ شاکرہ خاتون نے بیٹی کو گلے لگایا تو اُن کی پلکوں کے گوشے ایک بار پھر بھیگنے لگے' ناہید نے ماں کی پیشانی چومی پھر باپ کو سلام کرتی ہوئی باہر آ کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ فراز نے گاڑی کے قریب آ کر شاکر سے دو چار رسمی باتیں کیں پھر گاڑی میں بیٹھ کر ہاتھ کے اشارے سے الطاف حسین کو خدا حافظ کہا اور گاڑی کو گھما کر کھلی سڑک پر لے آئے۔

ناہید پچھلی نشست پر بیٹھی تھی' آج فراز نے اُسے اگلی نشست پر بیٹھنے کو نہیں کہا تھا۔ ناہید محسوس کر رہی تھی کہ آج فراز خلاف توقع کچھ بجھے بجھے نظر آ رہے تھے' آج اُن کے چہرے پر وہ خوشی نہیں دمک رہی تھی جس کے لئے وہ دوستوں اور گھر والوں میں مشہور تھے۔ آنکھوں میں وہ شوخی اور شرارت بھی نظر نہیں آ رہی تھی جو اُن کا خاصہ تھی' جانے کیا بات تھی جو وہ اس قدر چپ چپ اور خاموش تھے۔ اتنے سنجیدہ تو وہ پہلے بھی کبھی نہیں تھے ..... پھر..... آج ان کو کیا ہو گیا تھا' ناہید بڑی توجہ سے ان کو دیکھتی رہی۔ فراز نے اس سے ایک بات بھی تو نہیں کی تھی۔ اپنی نشست پر چپ چاپ بیٹھے' نظریں سڑک پر جمائے گاڑی ڈرائیو کرنے میں مصروف تھے۔ یوں جیسے انہیں گاڑی میں کسی اور کی موجودگی کا یکسر احساس نہ ہو۔

ناہید کو فراز کی خاموشی اور چہرے پر چھائی اداس سنجیدگی سے کوفت ہونے لگی' گھٹن کا احساس شدت اختیار کرنے لگا تو اُس نے آہستہ سے اُسے مخاطب کیا۔

"فراز!"

"جی!" وہ اُداس لہجے میں بولے۔

"کیا بات ہے' تم آج اس قدر خاموش کیوں ہو؟"

"یونہی۔" فراز نے بے تکا سا جواب دیا۔

"کچھ پریشان ہو۔" اُس نے فراز کو کریدنے کی کوشش کی۔

"شاید۔" اس بار بھی فراز کا جواب بڑا مختصر اور نامکمل تھا۔

"خیریت تو ہے۔" اُس نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔ "امی حضور کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"جی ہاں ..... امی حضور بخیر و عافیت ہیں۔" فراز کی نظریں بدستور سامنے سڑک پر مرکوز تھیں۔

"تم ..... تم شاید مجھ سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو۔" وہ الجھتے ہوئے بولی۔

فراز نے کوئی جواب نہیں دیا' چہرے کی اداسی کچھ اور گہری ہونے لگی تھی۔

"فراز!" اس نے تحکمانہ انداز اختیار کیا۔ "مجھے بتاتے کیوں نہیں' آخر بات کیا ہے؟"

"امی حضور نے شعبان کے چاند میں میری شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" وہ سپاٹ آواز میں بولے۔ "کرنل سرفراز سے ساری باتیں طے ہو چکی ہیں' صرف تاریخ کا طے ہونا باقی ہے' یہ کسر آپ پوری کر دیجئے گا۔"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔" اس نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "یہ خبر تو تمہیں مجھے پہلی فرصت میں سنانی چاہئے تھی۔"

فراز خاموش ہی رہے کوئی جواب نہیں دیا۔

"کیا تم فرزین سے شادی کرنے پر خوش نہیں ہو؟" اُس نے فراز کو ٹٹولنے کی کوشش کی۔

"خوشیوں اور مسرتوں کا تعلق دل کی گہرائیوں سے ہوتا ہے ناہید صاحبہ!" فراز نے ہونٹ کاٹتے ہوئے قدرے جذباتی انداز میں کہا۔ "لیکن میں نے حالات کی نزاکتوں کے آگے سر جھکا دیا ہے' مصلحتوں نے میری زبان بند کر رکھی ہے اس لئے ..... اس لئے میں نے امی حضور کی خوشیوں کا احترام کرتے ہوئے اپنی تقدیر کا فیصلہ بھی انہیں سونپ دیا ہے' ایک فرزین پر کیا منحصر ہے' وہ جب چاہیں' جہاں چاہیں میری شادی کر سکتی ہیں' میں انکار نہیں کروں گا۔"

"جذباتی مت بنو فراز!" ناہید انہیں سمجھاتے ہوئے بولی۔ "اگر فرزین تمہیں پسند

نہیں ہے تو تم امی حضورؒ کو اپنی ناپسندیدگی سے آگاہ کر سکتے ہو۔"

"اب ان باتوں سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔" فراز اداس اور ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولے۔ "امی حضور کرنل سر فراز کو زبان دے چکی ہیں' انہیں اپنے وعدے کا پاس ہے اور ..... اور....."

"اور کیا؟" ناہید نے فراز کی خاموشی سے الجھتے ہوئے سوال کیا۔ "تم کچھ کہتے کہتے رک کیوں گئے۔ مجھے بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو' میں امی حضور سے تمہارے سلسلے میں بات کروں گی' مجھے امید ہے کہ وہ میری بات ماننے سے انکار نہیں کریں گی۔"

"آپ کی کوششیں بھی اب بے سود ثابت ہوں گی۔" فراز نے غمزدہ آواز میں کہا۔ "مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ کر دیکھ چکا ہوں لیکن امی حضور کو میری خوشیاں منظور نہیں۔ انہوں نے میری خواہشات پر عظمت کے بلند میناروں کی صلیب گاڑ دی ہے' مجھے اپنی مسرتوں کا گلا گھونٹنے کا حکم دیا گیا ہے' خاموشی کی تاکید کی گئی ہے۔"

"تم ..... تم نے امی حضور سے کیا طلب کیا تھا؟" ناہید نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔ فراز کی باتوں کا زہر اس کے وجود میں نیزے کی اَنی بن کر اترتا چلا گیا تھا' وہ فراز کی باتوں کا مفہوم سمجھ کر سہم سی گئی تھی۔ خوفزدہ ہو گئی تھی' یوں محسوس کر رہی تھی جیسے اُسے بلندیوں سے اٹھا کر پستیوں کی طرف پھینک دیا گیا ہو۔ بے دست و پا کر کے سمندر کی بپھری ہوئی طوفانی موجوں کے حوالے کر دیا ہو اور وہ ابھرنے کے بجائے ڈوبتی چلی جا رہی ہو۔ اُسے اپنا دم سینے کی اتھاہ گہرائیوں میں کہیں گھٹتا محسوس ہو رہا تھا پھر بھی نہ جانے کیوں وہ فراز سے ایک سوال کر بیٹھی تھی اور اب خود ہی اپنے سوال پر پشیمان ہو رہی تھی۔ مجرم بن گئی تھی۔

"میں نے ..... میں نے امی حضور سے زندگی کی تمنا کی تھی۔" فراز نے رک رک کر مبہم الفاظ میں جواب دیا۔

"زندگی....." ناہید ایک سرد آہ بھر کر بڑے کرب سے بولی۔ "زندگی سراب کا دوسرا نام ہے فراز ..... اور ..... اور ..... پھر زندگی پر ..... انسان کا اپنا کیا اختیار ..... کچھ نہیں ..... کچھ بھی تو نہیں۔"

فراز نے ناہید کے جملے کی خلش محسوس کی تو وہ بھی تڑپ اٹھے' ہونٹ چبا کر رہ گئے۔ انہوں نے پلٹ کر کوئی جواب دینا مناسب نہیں سمجھا' ناہید بھی خاموش ہو گئی۔ دونوں اپنے اپنے خیالوں میں گم تھے۔ ماضی' حال اور مستقبل کے تانے بانے بُن رہے

تھے' گاڑی کے اندر ایک سوگوار سی اداسی طاری تھی اور.....

باہر زندگی کے ہنگامے اپنے شباب پر تھے۔

☆======☆======☆

بزرگوں کا قول ہے کہ حد سے بڑھی ہوئی بُرائیاں اور کسی بے گناہ کا خون اپنا رنگ ضرور دکھاتا ہے۔ کچھ یہی حالت نازلی کی بھی تھی۔ اس نے زندگی کی جن حسین اور جگمگاتی شاہراہوں پر آنکھ بند کر کے دوڑنا شروع کیا تھا اُس کے پہلے ہی موڑ نے اُسے چونک کر سنبھلنے کا ایک موقع فراہم کیا تھا لیکن وہ قدم جمانے کے بجائے اور برق رفتار ہو گئی۔ راستے کے نشیب و فراز کو یکسر فراموش کر بیٹھی۔

منصور کی موت نے اُس کے انتقامی جذبوں کو اور بھڑکا دیا تھا' وہ جس حادثے کا شکار ہوئی تھی نازلی اُن کے اسباب سے واقف تھی۔ اُسے بخوبی علم تھا کہ منصور کلب میں اُس سے گفتگو کے بعد دل برداشتہ ہو کر روانہ ہوئے تھے' انہوں نے جس انداز میں نازلی سے کڑوی کسیلی باتیں کی تھیں وہ نازلی کے لئے ناقابلِ برداشت تھیں۔ اُسے کنور آفتاب کی موجودگی میں منصور کی مداخلت بھی گراں گزری تھی اور اُس نے طے کر رکھا تھا کہ منصور کو بھی کسی ایسے ہی موقع پر ذلیل کرنے کی کوشش کرے گی لیکن اس کی حسرتیں دل ہی دل میں پامال ہو کر رہ گئی تھیں۔ منصور کی موت کی خبر سن کر اس کے انتقامی جذبوں کو جو ٹھیس پہنچی تھی اُس نے نازلی کو زخم خوردہ کر دیا تھا۔ اُس نے جو منصوبے سوچ رکھے تھے وہ خاک میں مل گئے تھے اور وہ اپنے وجود کے اندر ہی اندر کسی چوٹ کھائی ہوئی زخمی ناگن کی طرح بل کھا کر رہ گئی تھی۔

نازلی کے ذہن میں جو طوفان کروٹیں لے رہا تھا اُس کی وجہ کنور آفتاب کی بے اعتنائی بھی تھی جس نے منصور کی مداخلت والے دن کے بعد نازلی کے حسین وجود میں دلچسپی لینی کم کر دی تھی اور اب کلب میں اُس کی بیشتر شامیں مونا کے ساتھ گزر رہی تھیں۔ مونا کی جگہ کنور آفتاب نے کسی اور لڑکی کا انتخاب کیا ہوتا تو شاید نازلی اُس کی بے رخی کو درگزر کر دیتی لیکن مونا کی ذات سے ماضی کی کچھ ایسی تلخیاں بھی وابستہ تھیں جسے نازلی مرتے دم تک فراموش نہیں کر سکتی تھی' اس لئے کہ مونا ہی نے اُس کی ملاقات مراد خاں سے کرائی تھی اور پہلی ہی ملاقات میں نازلی کی پاکدامنی تار تار ہو کر رہ گئی تھی' وہ حالات کا شکار ہو کر نادانستگی میں لوٹی گئی تھی لیکن وہ گوہرِ نایاب جو ایک لڑکی کی زندگی کا سب سے قیمتی اور انمول سرمایہ ہوتا ہے اس سے چھن گیا تھا اور اس کی وجہ صرف

..... اور صرف مونا تھی ..... اور وہی مونا ایک بار پھر سربلند ہو کر اس کی راہ میں حائل ہو رہی تھی۔

نازلی اپنی سطح سے گر کر مونا کی سطح پر آ گئی تھی۔ اس نے اس زہر کے تلخ گھونٹ کو اپنی بدنامی کے ڈر سے بڑی خاموشی سے پی لیا تھا' اس زخم کو سہار گئی تھی جو مونا کی وجہ سے اُس کے وجود کو گناہ آلود کر چکا تھا۔ اُس نے اپنی زندگی کے لئے نئی شاہراہوں کا انتخاب کر لیا تھا لیکن ان شاہراہوں پر بھی مونا نے جب ایک بار پھر اُس کے آڑے آنے کی کوشش کی تو نازلی کے خوبصورت وجود میں چھپا ہوا ماضی کا وہ زخم پھر تازہ ہو گیا جس پر وقت کی کھرنڈ جم چکی تھی' اس کے اندر کی وہ عورت تڑپ کر بیدار ہو گئی جسے اُس نے تھپک تھپک کر سلا رکھا تھا۔ وہ مونا کے ہاتھوں دوبارہ شکست کھانے کے لئے تیار نہ ہو سکی' وقت اور حالات کی ستم ظریفیوں نے ایک بار پہلے ہی اُسے اُس کی سطح سے نیچے گرا دیا تھا' وہ اس سطح سے مزید نیچے گر کر اپنے وجود کو چکنا چُور نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ یا تو وہ مونا کو اپنے راستے سے ہٹا دے گی یا خود زندگی کی تلخیوں سے ہمیشہ کے لئے دائمی چھٹکارا حاصل کر لے گی۔

اور آج یہی سوچ کر وہ اپنے گھر سے نکل کر سیدھی مراد خاں کے پاس آئی تھی۔ مونا نے جس انداز میں مراد خاں کے ہاتھوں اسے زخمی کیا تھا اسی انداز میں وہ بھی مراد خاں ہی کے ہاتھوں مونا کو ذلیل و خوار کرنا چاہتی تھی اسے قوی امید تھی کہ مراد خاں اُس کی کسی بات سے انکار نہیں کرے گا۔

"زہے نصیب۔" مراد خاں نے نازلی کا پُرتپاک خیرمقدم کرتے ہوئے کہا۔ "آج یہ چاند میرے گھر کیسے طلوع ہو گیا۔"

"مراد خاں!" نازلی نہایت سنجیدگی سے بولی۔ "اس وقت میں تمہارے پاس ایک اہم ضرورت سے آئی ہوں۔"

"حکم دیجئے۔" مراد خاں نے بڑی انکساری سے پوچھا۔ "ایسی کیا ضرورت ہے جو میں پوری کر سکتا ہوں۔"

"میں تم سے دراصل مونا کے بارے میں گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔" نازلی بدستور سنجیدہ تھی۔

"مونا....." مراد خاں نے قدرے سنبھلتے ہوئے دریافت کیا۔ "فرمایئے کیا بات ہے؟"

"تمہیں اس کا بخوبی علم ہے کہ میں کنور آفتاب میں انٹرسٹیڈ ہوں۔"

"جی ہاں ..... اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کنور آفتاب موٹی مرغی ہے۔"

"لیکن شاید تمہیں اس بات کا علم نہیں کہ مونا میرے راستے میں حائل ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔" نازلی نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔

"کیا مطلب؟"

"آج کل مونا کنور کو شیشے میں اتارنے میں مصروف ہے۔" نازلی ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی۔ "اور میں کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتی کہ میرے مقابلے پر مونا کی جیت ہو۔"

"آئی سی۔" مراد خاں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میں اس ضمن میں مونا سے گفتگو کروں گا۔"

"نہیں۔" نازلی تیزی سے بولی۔ "میں اسے پسند نہیں کروں گی کہ تم مونا سے بات کرو اور اُس کی خوشامد کر کے میرے راستے سے علیحدہ ہونے کی درخواست کرو۔"

"پھر؟"

"محبت اور جنگ میں ہر بات جائز ہوتی ہے۔" نازلی نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "میں چاہتی ہوں کہ تم مونا کو کسی اور ذریعہ سے میرے راستے سے ہٹا دو۔"

"آپ شاید اس بات کو فراموش کر رہی ہیں کہ مونا کے والد جج رہ چکے ہیں اور اب بھی اثر و رسوخ رکھتے ہیں۔"

"اور تمہیں یہ بات بھی فراموش نہیں کرنی چاہئے کہ میں تمہیں کئی معاملات میں کس صفائی سے بچا چکی ہوں۔" نازلی گردن اکڑا کر بولی۔ "تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ میرے والد اس وقت شہر کے سب سے بڑے اور معروف بیرسٹر ہیں۔"

"سمجھا ..... گویا آپ مونا سے مصالحت نہیں کرنا چاہتیں۔"

"میں دو ٹوک بات کرنے کی عادی ہوں مراد خاں!" نازلی سرد لہجے میں بولی۔ "تم میری ضرورت پوری کرو' میں تمہاری ضرورت کا خیال رکھوں گی' تم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ پیسہ میرے لئے ہاتھ کے میل سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔"

"میں کوشش کروں گا کہ آپ کا کام ہو جائے۔" مراد خاں نے سپاٹ آواز میں جواب دیا۔

"کوشش نہیں مراد خاں! تمہیں وعدہ کرنا ہو گا کہ مونا کا کانٹا میرے راستے سے کم سے کم وقت میں نکل جائے گا۔"

"قبل از وقت یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" مراد خاں کا انداز ٹالنے والا تھا۔

"آپ جانتی ہیں کہ میں اس قسم کے معاملات سے عموماً دور رہتا ہوں جس میں خون خرابے کا خدشہ لاحق ہو۔"

"کیا یہ تمہارا آخری جواب ہے؟" نازلی نے تلملا کر پوچھا۔ مراد خاں کا جواب سن کر اُس کی تیوری پر بل آ گئے تھے۔

"براہ راست میں کوئی وعدہ نہیں کر سکتا۔" مراد خاں نے سنجیدگی سے کہا۔ "البتہ میں کوشش کروں گا کہ آپ کا کام کسی اور سے کرا دوں۔"

"میں کسی اور کی نہیں تمہاری بات کر رہی ہوں۔" نازلی جھلا کر بولی۔

"میں بھی صاف گوئی کو زیادہ پسند کرتا ہوں مس نازلی!" مراد خاں نے روکھے لہجے میں کہا۔ "بات اگر مونا کے علاوہ کسی اور کی ہوتی تو شاید آپ کی خاطر آمادگی کا اظہار کر دیتا لیکن مجھے یاد ہے کہ میرا آپ کا تعارف بھی مونا ہی کے ذریعہ ہوا تھا۔"

نازلی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مراد خاں کو خونخوار نظروں سے گھورتی تیزی سے باہر آ گئی اور گاڑی میں بیٹھ کر کلب کی طرف روانہ ہو گئی۔ مراد خاں کے جواب نے اس کی روح کی پاکیزگی کو آج دوسری بار زخمی کیا تھا۔ اُسے ماضی کے آئینے میں خود اپنی صورت دکھا کر شرمندہ کرنے کی جسارت کی تھی اور وہ خون کا گھونٹ پی کر رہ گئی تھی۔ اُسے مراد خاں سے کسی مایوس کُن جواب کی توقع نہیں تھی' وہ مراد خاں کے ہاتھوں لٹی تھی لیکن اُس نے بعد میں اسی مراد خاں کو دولت کے بل بوتے پر پالتو کتے کی طرح اپنے قدموں پر لوٹنے اور تلوے چاٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔ حالات کا تقاضا بھی یہی تھا کہ وہ مراد خاں سے دشمنی مول نہ لیتی۔ مراد خاں کو اپنی امارت کا احساس دلانے کی خاطر اُس نے دونوں ہاتھوں سے دولت لٹائی تھی لیکن آج وہی مراد خاں اپنے اصلی رنگ میں سامنے آ گیا تھا' اُس نے ٹکا سا جواب دے کر نازلی کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی تھی' اُس کی توقعات کو روندا تھا۔

نازلی کا ذہن پہلے ہی پریشان تھا' کنور آفتاب کے سلسلے میں مونا کی مداخلت اس کے لئے کسی بھڑکتی آگ سے کم نہیں تھی اور مراد خاں کی باتوں نے اس آگ کو سرد کرنے کے بجائے پیٹرول چھڑک کر اور بھڑکا دیا تھا۔ انتقام ..... انتقام ..... انتقام۔ نازلی کے الجھے ہوئے ذہن میں صرف یہی ایک لفظ بار بار صدائے بازگشت بن کر گونج رہا تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ اب وہ از خود ہی مونا کو اپنے راستے سے دور کرنے کی کوشش

کرے گی اور مراد خاں کو بھی ایسا سبق دے گی کہ وہ بھی تازیست یاد رکھے گا۔ اسے خود اپنے اوپر بھی غصہ آ رہا تھا' وہ چاہتی تو مراد خاں کو پہلے بھی متعدد موقعوں پر قانون کے شکنجوں میں گردن گردن تک پھنسوا سکتی تھی۔ اسے علم تھا کہ محسن علی بھی مراد خاں کو قانون کی گرفت میں لینے کے لئے اپنی سی کوشش کر رہا ہے۔ وہ چاہتی تو اپنی معلومات سے محسن علی کے ہاتھ بھی مضبوط کر سکتی تھی لیکن اس نے محض آڑے وقتوں میں کام آنے کے خیال سے مراد خاں کو محفوظ رکھا تھا۔

غرضیکہ الجھے ہوئے حالات کے تانے بانوں نے نازلی کے ذہن کو بُری طرح الجھا دیا تھا۔ ان ہی خیالات کا ہجوم لئے وہ رین بو کلب پہنچی تو مونا اور کنور آفتاب کو ایک ساتھ بیٹھا دیکھ کر انتقام کی آگ، اور بھڑک اٹھی پھر مونا نے جس انداز میں نازلی سے نگاہیں چار ہونے کے بعد ایک شانِ بے رخی اور فاتحانہ انداز میں گردن جھٹکی تھی وہ نازلی کے لئے ناقابلِ برداشت تھا' وہ کانٹوں پر تڑپ کر رہ گئی' سینے میں بھڑکتی انتقام کی آگ نے آتش فشاں کا روپ اختیار کر لیا' ناگن کی طرح بل کھاتی آگے بڑھی اور مونا کو قہر آلود نظروں سے گھورتی اُسی کے برابر والی خالی میز پر بیٹھ گئی۔

"ہیلو نازلی!" کلب کے ایک پرانے ممبر شکیل نے نازلی کے قریب آتے ہوئے کہا۔ "آج آپ نے آنے میں بڑی دیر کر دی؟"

نازلی کا نام سن کر کنور آفتاب نے بھی پلٹ کر اسے دیکھا۔ پھر حقارت سے نظریں پھیر لیں تو نازلی کا پورا وجود انتقام کی آگ سے جل اٹھا۔ اس نے ایک بار پھر خون کا گھونٹ پی کر شکیل سے باتیں شروع کر کے خود کو بہلانے کی کوشش کی لیکن سینے کی گہرائیوں میں اٹھنے والا طوفان برابر شدت اختیار کرتا جا رہا تھا۔

"کیا پینا پسند کریں گی آپ؟" شکیل نے نازلی کے قریب بیٹھتے ہوئے نہایت عاجزانہ انداز میں پوچھا۔

"شراب۔" نازلی نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

"نصیب دشمناں' آج آپ کی طبیعت کچھ ناساز معلوم ہو رہی ہے۔"

"شاید۔" نازلی نے بے خبری سے کہا۔

"اگر آپ کو یہاں کچھ گھٹن محسوس ہو رہی ہو تو باہر چل کر پارک میں کیوں نہ بیٹھا جائے؟" شکیل نے نازلی کی کیفیت محسوس کرتے ہوئے اپنے لئے موقع ہموار کرنا چاہا۔

"کیوں ..... یہاں کس بات کی گھٹن ہو گی؟" نازلی یک دم ہی بپھر گئی۔

"آپ غلط سمجھیں۔" شکیل نے جلدی سے بات بناتے ہوئے کہا۔ "میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ شاید آپ کھلی فضا میں بیٹھ کر زیادہ بہتر محسوس کریں۔"

"میرا نام نازلی ہے مسٹر شکیل!" نازلی نے انتہائی مغرور انداز میں جواب دیا۔ "میں نے ہمیشہ ماحول اور حالات کو اپنا غلام بنایا ہے خود کو حالات کا غلام کبھی نہیں سمجھا۔"

"میں ..... میں جانتا ہوں مس نازلی لیکن....."

"خشک باتیں مت کرو شکیل!" نازلی نے کڑوے لہجے میں تیزی سے کہا۔ "اس قسم کی فضول باتیں زندگی کو سوگوار بنادیتی ہیں۔"

"آپ بجا فرما رہی ہیں۔" شکیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

شراب کی تلخیوں نے نازلی کے اندر کی سوئی ہوئی عورت کو بیدار کر دیا' وہ نشے میں دھت ہو کر خود کو پہلے سے بہتر اور زیادہ ثابت قدم محسوس کر رہی تھی۔ ایک دو بار اس نے کنکھیوں سے مونا اور کنور آفتاب کی جانب دیکھا۔ وہ دونوں بے حد خوش نظر آ رہے تھے۔ دبی دبی آوازوں میں نہ جانے ایک دوسرے سے کیا راز و نیاز کر رہے تھے' وہ ان کی خوشیاں دیکھ کر تلملا اٹھی' لہراتے ہوئے شکیل سے بولی۔

"وہ لوگ بزدل ہوتے ہیں جو چوروں کی طرح چھپ چھپ کر پیار کی باتیں کرتے ہیں ..... زمانے سے خوفزدہ رہتے ہیں' دوسروں سے سہمے سہمے رہتے ہیں ..... بزدل ..... ڈرپوک کہیں کے۔"

"میں بھی اسی اصول کا قائل ہوں مس نازلی! انسان ایک دوسرے سے ملے تو بہانگ دہل ملے' دوسروں سے ڈرنے یا خوفزدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔" شکیل نے نازلی کی ہاں میں ہاں ملائی تو وہ اور دلیر اور نڈر بن گئی۔

"ایسے لوگ اندر سے بالکل خالی اور کھوکھلے ہوتے ہیں۔" وہ قدرے اونچی آواز میں مونا اور کنور آفتاب کو سنانے کی خاطر بولی۔ "مرد وہ ہے جو سامنے سے آئے اور للکار کر وار کرے' پشت سے چھرا گھونپ دینا بزدلی ہے' نظریں نیچی ہو جائیں تو انسان خود اپنی نگاہوں میں بھی گر جاتا ہے ..... اور ..... نازلی نے گرنا نہیں سیکھا' دوسروں کو گرانا سیکھا ہے ..... تم اپنی ہی مثال لے لو ..... میں خوب جانتی ہوں کہ تم بہت دنوں سے میرے قریب آنے کا خواب دیکھ رہے تھے' میں نے پہلے تمہیں لفٹ نہیں دی لیکن اب مجھے تمہارے اوپر ترس آیا تو میں نے دوسروں کو ٹھوکر مار کر تمہیں سرفراز کر دیا ..... ہو سکتا ہے کل میں تمہیں بھی دھتکار دوں' اسی کو زندگی کہتے ہیں مائی ڈیئر شکیل!

اور زندگی کا سارا حسن عورت ہی کے دم سے قائم ہے ..... عورت ..... جو جوان ہو' حسین ہو' تر و تازہ ہو تو ہزاروں بھوکی نگاہیں اس کی جانب اٹھتی رہتی ہیں ..... ورنہ ..... ورنہ ..... یوں تو میں نے بھوکے کتوں کو چچوڑی ہوئی خشک اور غلاظت میں لتھڑی ہوئی ہڈیوں سے بھی دل بہلاتے دیکھا ہے ..... کیوں؟ ٹھیک ہے نا مائی سوئٹ پارٹنر۔"

"آپ نے غالباً آج کچھ زیادہ پی لی ہے۔" شکیل نے آہستہ سے کہا' کنور آفتاب اور مونا کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر وہ اپنی سبکی سی محسوس کر رہا تھا' کچھ قریبی میزوں پر بیٹھے ہوئے دوسرے ممبران بھی نازلی کی باتیں سن کر اس کی طرف متوجہ ہو رہے تھے۔

"ہش....." نازلی نے اسے بڑے پیار سے گھورتے ہوئے کہا۔ پھر مونا کو کنکھیوں سے گھورتے ہوئے بولی۔ "ابھی تم ناتجربہ کار ہو جو ایسی بات زبان تک لے آئے ورنہ عورت تو بجائے خود ایک تیز نشہ ہے جس کے آگے تمام نشے ہیچ ہیں ..... اور ..... شرابی وہی کہلانے کا مستحق ہے جو بڑھیا اور اعلیٰ قسم کی شراب استعمال کرے ..... لیکن میں نے کچھ لوگوں کو تھرڈ کلاس شراب پیتے بھی دیکھا ہے ..... ایک دم واہیات اور گھٹیا قسم کی بدبودار شراب ..... ایسے شرابیوں کو تم اناڑی بھی کہہ سکتے ہو اور دولت مند بھی ..... لیکن دولت انسان کے معیار کو بلند نہیں کر سکتی ..... دولت کے ساتھ ساتھ اگر اعلیٰ ذوق بھی ہو تو انسان ریفائنڈ ہو جاتا ہے ..... سلیقہ اور ذوق نہ ہو تو پھر دولت مند اور کباڑیئے میں کوئی فرق نہیں باقی رہ جاتا۔"

"اوہ ..... اِٹ اِز ٹو مچ۔" کنور آفتاب نے نازلی کی بات پر غصے سے دانت پیستے ہوئے مونا سے کہا۔

"دیکھتے رہو مائی ڈیئر!" مونا زہرخند سے بولی۔ "آج باسی کڑھی میں ابال آ رہا ہے۔"

"میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتا۔" کنور تلملا اٹھا۔

"آج اس کا دماغ کچھ زیادہ ہی خراب نظر آ رہا ہے۔" مونا نے کہا۔ "زیادہ چڑھا گئی ہے شاید۔"

"مس نازلی پلیز!" شکیل نے ایک بار پھر نازلی سے درخواست کی۔ "لوگوں کی نظریں ہماری جانب اٹھ رہی ہیں۔"

"میرے لئے ایک بڑا پیگ اپنے ہاتھ سے بناؤ شکیل!" نازلی لہرا کر بولی۔ "آج میں شراب میں ڈوب جانا چاہتی ہوں اور ..... اور ان لوگوں کو آئینے میں ان کی شکلیں

دکھانا چاہتی ہوں جو ابھی تک اپنی اصلیت سے ناواقف ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ باہر چل کر بیٹھتے ہیں۔" شکیل نے دبی زبان میں کہا۔ "یہاں کچھ لوگوں کو آپ کی باتیں ناگوار گزر رہی ہیں۔"

"حقیقت ہمیشہ بڑی تلخ اور کڑوی ہوتی ہے مائی ڈیئر!" نازلی نے سنجیدگی اور زہر میں بجھے لہجے میں جواب دیا۔ "اگر کچھ لوگوں کو میری کھری کھری باتیں بُری محسوس ہو رہی ہیں تو اُن سے کہو کہ وہ یہاں سے اپنی منحوس اور گھناؤنی صورتیں لے کر کہیں اور دفعان ہو جائیں ..... نازلی یہاں سے نہیں جائے گی۔"

"یہ ..... یہ اپنی اوقات بھول رہی ہے۔" کنور آفتاب پیچ و تاب کھاتے ہوئے بولا۔

"اس کی کوئی اوقات نہیں ہے مائی ڈیئر!" مونا نے حقارت سے کہا۔ "اس کی اصلیت کیا ہے' یہ میں جانتی ہوں اور میرے پاس وہ ثبوت بھی موجود ہیں جو اس کی بے حیائی اور بدچلنی کا عکس ہیں' میں نے ان گھناؤنی تصویروں کو اگر کلب کے ممبران میں تقسیم کر دیا تو یہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی۔ ساری شرافت اور بڑائی دھری کی دھری رہ جائے گی۔"

اور نازلی کے کانوں میں مونا کے یہ جملے نیزے کی اَنی بن کر ترازو ہو گئے' وہ برداشت نہ کر سکی' نشے کی شدتوں نے اُس کے دل میں بھڑکتے انتقام کے شعلوں کو ہوا دی تو وہ تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی' اس نے مونا کو قہر آلود اور نفرت بھری نگاہوں سے دیکھا' بہکے قدموں کو سنبھالتی اس کے قریب جا کر بولی۔

"تم ..... تم نازلی کو بدنام کرو گی ..... اسے کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑو گی ..... اس کی آوارگی اور بدچلنی کا ثبوت دنیا والوں کو فراہم کرو گی....."

نازلی نے بڑے سفاک لہجے میں کہا۔ "تم ..... جو خود ناٹکہ ہو دوسروں پر کیچڑ اچھالو گی ..... فاحشہ ..... بدکردار ..... آوارہ ..... میں ..... میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گی۔"

اور اچانک نازلی نے اپنے پرس میں ہاتھ ڈال کر پستول نکالا اور مونا کا نشانہ لے کر اس پر یکے بعد دیگرے دو گولیاں داغ دیں۔ مونا خون میں نہا گئی تو نازلی نے پستول کا رخ کنور آفتاب کی جانب کرتے ہوئے نہایت حقارت سے کہا۔

"تم ..... تم اس قدر سہمے سہمے کیوں نظر آ رہے ہو ..... سمجھی' تم نے مونا

کے ساتھ زندگی نبھانے کے عہد و پیمان کئے تھے ..... مایوس مت ہو کنور آفتاب' میں تمہیں اور مونا کو ہمیشہ کے لئے ایک ساتھ سلائے دیتی ہوں۔"

نازلی نے یہ کہتے ہوئے پستول کی باقی ماندہ گولیاں کنور آفتاب کے سینے میں اتار دیں۔ پھر خون میں لت پت دو انسانی جسموں کو موت و زیست کی درمیانی کشمکش میں مبتلا دیکھ کر بے اختیار دیوانہ وار قہقہے لگانے لگی۔ یوں جیسے اپنی فتح پر خوش ہو۔

شاید ..... وہ مونا اور کنور آفتاب کی بے بسی پر ہنس رہی تھی۔

شاید ..... آج اُس کا انتقام پورا ہو گیا تھا اس لئے وہ قہقہہ زن تھی۔

شاید ..... وہ اس لئے مسرور تھی کہ آج اس نے گندگی کے ایک مہلک جراثیم کو مار ڈالا تھا۔

شاید ..... اس لئے خوش تھی کہ آج اس کی زخمی روح کو قرار آ گیا تھا .....

یا.....

شاید ..... اس تہذیب کا مذاق اڑا رہی تھی جس نے آج اسے انسانیت کا دامن چھوڑ کر درندگی پر مجبور کر دیا تھا۔

☆======☆======☆

ناہید سسرال واپس آئی تو فراز کی شادی کے ہنگاموں میں گم ہو گئی۔ بیگم سجاد نے ساری ذمہ داریاں اسی پر ڈال دی تھیں اور وہ اپنے فرض کو نہایت خندہ پیشانی سے ادا کرنے میں مگن ہو گئی۔ زیورات کی پسند' کپڑوں کی سلائی نکائی اور بازار کے کام کاج سب ہی اسی کو کرنے پڑ رہے تھے۔ وہ ان مصروفیات سے بے حد خوش تھی' شب و روز گزارنے کا ایک موقع جو ہاتھ آ گیا تھا لیکن.....

اپنی گوناگوں مصروفیات کے دوران وہ فراز میں اچانک پیدا ہونے والی تبدیلی بھی محسوس کر رہی تھی۔ فراز جو ہر وقت گھر کی چہاردیواری میں زندگی سے بھرپور قہقہے بکھیرنے کا عادی تھے' اب گم صم سے رہنے لگے تھے' پہلے وہ دفتر سے گھر واپسی کے سلسلے میں بڑے پابند تھے لیکن جس روز سے ناہید میکے سے واپس آئی تھی انہوں نے دیر سے گھر آنا شروع کر دیا تھا۔ بیگم سجاد نے پوچھا تو کاروباری مصروفیات کا بہانہ کر کے ٹال گئے۔ ناہید نے ٹوکا تو بڑی بسرپور نظروں سے اسے گھور کر بولے۔ "شادی کی خوشیاں مناتا پھر رہا ہوں۔"

اور ناہید ان کے لہجے کی خلش محسوس کر کے گنگ سی رہ گئی' وہ جانتی تھی کہ فرزین

فراز کو پسند نہیں ہے' وہ چاہتے تو ماں سے انکار بھی کر سکتے تھے' اپنے لئے زندگی کا کوئی اور ہمسفر بھی چن سکتے تھے مگر انہوں نے ماں کی دلجوئی کی خاطر اپنے ہونٹ سی لئے تھے اور خود کو صرف اپنی ذات تک محدود کر لیا تھا۔ رات کو دیر سے گھر آتے' کچھ دیر ماں کے پاس بیٹھے بھولی بھالی باتیں کرتے ناہید انہیں چھیڑتی تو یونہی مسکرا کر چپ ہو جاتے پھر اپنے کمرے میں چلے جاتے تھے' پہلی جیسی شوخیاں اور شرارتیں تو نام کو باقی نہیں رہ گئی تھیں' زندگی کو ایک محدود دائرے میں سمیٹ کر اسی کے اندر بند ہو گئے تھے اور ناہید کو اس بات کا علم بھی تھا کہ فراز نے ایسا کیوں کیا ہے۔ کیوں انہوں نے خود کو بدلنے کی کوشش کی ہے اور کیوں گھر کے ہنگاموں سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔

فراز کے وہ جملے آج بھی اس کے ذہن میں محفوظ تھے جو انہوں نے میکے سے واپسی پر ناہید سے کہے تھے' انہوں نے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ ماں سے انہوں نے اپنی خوشیوں کی آرزو کی تھی' زندگی کی تمنا کی تھی' پھر وہ کچھ کہتے کہتے رک گئے تھے۔ بے حد اداس ہو گئے تھے اور ناہید کو اس خاموشی اور اداسی کا سبب ان کی آنکھوں میں ابھرنے والی ویرانیوں نے بتا دیا تھا۔ ایک ثانئے کو وہ بھی اداس ہو گئی تھی۔ شاید اس لئے کہ خود اسے بھی ماضی کی کچھ بھولی بسری باتیں یاد آ گئی تھیں لیکن ان یادوں پر گزرے ہوئے وقت اور بیتے ہوئے دنوں کی دھول کی تہیں بھی جمی ہوئی تھیں اور وہ زندگی کی اس موڑ پر آ گئی تھی جہاں پہنچ کر وہ گرد میں دبی ہوئی یادوں کو نہیں کرید سکتی تھی خود اپنی زبان سے زندگی کی مسرتوں کا تقاضہ نہیں کر سکتی تھی اس لئے کہ حالات اور قسمت کی ستم ظریفیوں نے اسے مہربلب رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اسے دوسروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا.....

پھر..... پھر وہ کیسے ان سہاروں کے خلاف بغاوت کر سکتی تھی جن کی چھاؤں میں سر چھپائے بیٹھی تھی اور اسی لئے وہ فراز کی بات سن کر سہم گئی تھی۔ فراز نے ٹھہرے ہوئے سمندر کی خاموش سطح پر کنکری اچھال کر اس کے سکون میں ارتعاش پیدا کرنے کی کوشش کی تھی لیکن ناہید نے ان لہروں کو ساحل تک نہیں پہنچنے دیا' سمندر کی تہوں میں چھپے ہوئے طوفانوں کو بیدار ہونے کا موقع نہیں دیا بلکہ اور محتاط ہو گئی۔

فلک کج رفتار کی نیرنگیوں نے اس کی زندگی کے اطراف جو جال بُن دیئے تھے وہ اس کی گرفت سے باہر نکلنے کے لئے پھڑپھڑانے کی آرزومند بھی نہیں تھی' شاید اس لئے کہ وقت اور ماحول نے اسے غموں کا عادی بنا دیا تھا' رنج کا خوگر بنا دیا تھا اور دشواریاں اس پر اس قدر آسان کر دی تھیں کہ وہ اسی کو زندگی کا حاصل سمجھنے کے لئے مجبور ہو گئی تھی'

والدین نے اسے مشرقی تہذیب کے انمول سانچوں میں ڈھالا تھا' نا مساعد حالات میں بھی خدا کا شکر ادا کرنے کی عادت ڈال دی تھی..... پھر

وہ زندگی کی تلخیوں سے بھلا کیونکر منہ موڑ سکتی تھی۔

ان حالات سے کیسے بغاوت کرتی جو خدا کے پیدا کردہ تھے۔

ان آنسوؤں کے شبنمی قطروں کو اپنی دراز پلکوں سے کیسے جھٹک سکتی تھی جو تقدیر نے سجا دیئے تھے۔

جب قسمت نے اس کی جھولی میں دکھ درد ڈال دیئے تھے تو وہ خوشیوں اور مسرتوں کی تمنا کس طرح کر سکتی تھی۔

والدین کی تربیت کو کیسے فراموش کر دیتی۔

قدرت نے اسے بیوگی کا غم عنایت کیا تھا..... پھر

وہ سہاگن بننے کے سہانے خواب کس طرح دیکھ سکتی تھی..... اور

اور ناہید نے وقت کے بخشے ہوئے زخموں کو زندگی کا سرمایہ جان کر قبول کر لیا تھا۔

خود اس کی ذات کا کوئی مسئلہ ہوتا تو شاید وہ انتہائی خاموشی سے زہر کی حلاوتوں کو بھی پی کر مہربلب رہتی لیکن فراز نے جس انداز میں کروٹ بدلی' جس طور پر ایک نئی روش کا انتخاب کیا تھا اسے محسوس کر کے وہ تڑپ اٹھی تھی۔ اتنے بڑے گھر میں ایک فراز ہی تو باقی رہ گئے تھے جن کے دم سے قہقہوں کی گونج ہوا کرتی تھی' زندگی کی حرارتوں کا احساس باقی تھا اور فراز ہی کی وجہ سے تو وہ اپنا غم بھول گئی تھی پھر وہ فراز کو اداس کیسے دیکھ سکتی تھی۔ جو بات اس کے اختیار سے باہر تھی' ناممکن تھی اس کے سلسلے میں اس نے زبان نہ کھولنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ فراز کو خوش دیکھنا چاہتی تھی' زندگی کی ہمکتی مسرتوں سے ہمکنار رکھنا چاہتی تھی اور یہی سوچ کر اس نے طے کر لیا تھا کہ کسی وقت موقع دیکھ کر وہ فراز کو سمجھانے کی کوشش ضرور کرے گی' حالات سے سمجھوتہ کر لینے کی تلقین کرے گی اور اگر ہو سکا تو ڈھکے چھپے لفظوں میں یہ بھی باور کرانے کی سعی کرے گی کہ خوشیوں اور مسرتوں کا تعلق زندگی سے ہے' جو زندگی سے محروم ہو چکے ہیں ان کا تصور فضول ہے۔ روشنیاں چھوڑ کر اگر انسان..... تاریکیوں کے پیچھے بھاگنا شروع کر دے تو خود بھی اندھیروں کا جزو بن کر رہ جاتا ہے یا پھر ٹھوکر کھا کر گرتا ہے تو زخمی ہو جاتا ہے۔

آج بھی وہ فرزین کی چوتھی کا جوڑا ٹانکتے ہوئے ان ہی خیالات میں گم تھی کہ نجو

آگئی' خلاف توقع بڑی خوش نظر آرہی تھی انگ انگ سے مسرتیں پھوٹی پڑ رہی تھیں اور بار بار نہ جانے کیوں چھوئی موئی کے معصوم پودے کی مانند خود اپنے ہی وجود میں سمٹی سمٹی جا رہی تھی' ناہید نے اس کے چہرے پر دمکتی ہوئی خوشیوں کا گنگا جمنی عکس دیکھا تو چپ نہ رہ سکی۔

"کیا بات ہے نجو۔ آج تو تُو بہت خوش نظر آرہی ہے۔"

"بابا کے پاس کوئی آیا ہے اس لئے۔ اس لئے میں بھاگ کر آپ کے پاس آگئی۔" نجو شرمائے شرمائے لہجے میں بولی پھر پُرشوق نگاہوں سے چوتھی کے زرق برق کپڑوں کو دیکھنے لگی جو ناہید کے آگے دبیز قالین پر موجود تھے۔

"کون آیا ہے مالی بابا کے پاس؟" ناہید نے اسے ٹٹولتی نگاہوں سے دیکھا۔

"وہ..... وہ..... وہی....." نجو نے اٹک اٹک کر کہا پھر شرما کر دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا۔

"سمجھی....." ناہید مسکراتے ہوئے بولی۔ "وہ آیا ہے جس کے ساتھ تیری شادی ہونے والی ہے۔"

نجو نے منہ سے کچھ نہیں کہا' چہرے ہاتھ ہٹا کر مسکراتی نظروں سے ناہید کو دیکھا اور اثبات میں گردن ہلا دی۔

"کیا تُو نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔" ناہید نے پوچھا۔

"دیکھا کیوں نہیں۔" نجو خوشی سے بولی۔ "بیسیوں مرتبہ دیکھ چکی ہوں۔"

"پھر' آج اسے دیکھ کر کیوں بھاگ آئی؟"

"اب اور بات ہے بی بی جی۔"

"جبھی تیرے دل میں لڈو پھوٹ رہے ہیں۔ اچھا' یہ بتا وہ تجھے لگتا کیسا ہے؟"

"کیا جواب دوں بی بی جی۔ مجھے لاج آتی ہے۔" نجو شرماتے ہوئے بولی۔

"لاج سے کام نہیں چلے گا پگلی۔" ناہید نے بڑے پیار سے کہا پھر کچھ سوچ کر بولی۔

"اچھا یہ بتا' کیا وہ بھی تجھے پسند کرتا ہے؟"

"نہ کرتا تو یہاں بابا کے پاس بھاگ بھاگ کر کیوں آتا۔" نجو نے تیزی سے کہا۔

"اس کا تو بس نہیں چلتا ورنہ وہ ہتھیلی پر سرسوں جمانے کی سوچ رہا ہے۔"

"اچھا....."

"اور نہیں تو کیا..... کل ہی کی تو بات ہے اس کا باپ آیا تھا بابا کے پاس اور آج

وہ خود آگیا۔"

"شاید تُو اسے کچھ زیادہ بھاگئی ہو گی جبھی تو وہ بیچارا چکر لگا رہا ہے۔"

"میں کیا جانوں....." نجو دوبارہ شرما گئی۔

"اچھا ایک بات..... اگر وہ تجھے پسند نہ ہوتا تو کیا کرتی؟"

"میں..... میں آپ سے کہہ دیتی بی بی اور آپ بابا کو میرے دل کا حال بتا دیتیں۔" نجو نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

"اور اگر پھر بھی مالی بابا اسی کے ساتھ تیری شادی کرنا چاہتے تو۔"

"تو..... تو میں کیا کر سکتی تھی' دل پر جبر کر کے کر لیتی شادی اور اپنے نصیب کو روتی رہتی۔"

"اور شادی کے بعد اگر اس نے تجھ سے نظریں پھر لیں؟"

"یہ تو قسمت کی بات ہوتی ہے بی بی جی۔" نجو سنجیدگی سے بولی۔ "اگر مقدر خراب ہو تو انسان کا کیا زور چل سکتا ہے' ویسے میرا دل گواہی دیتا ہے کہ وہ مجھ سے بے وفائی نہیں کرے گا۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو اسے بار بار چکر لگانے کی کیا ضرورت تھی۔"

"تُو ٹھیک کہتی ہے نجو' انسان تقدیر کے لکھے کو نہیں مٹا سکتا۔" ناہید ملول آواز میں بولی۔

نجو کی باتوں نے اس کے دل کے زخموں کو ہرا کر دیا تھا' وہ بھی تو تقدیر کے ہاتھوں بے بس ہو کر رہ گئی تھی ورنہ اس کے والدین نے تو اس کے مستقبل کو سنوارنے کے لئے بھرپور کوشش کی تھی۔ اس نے بھی کیسے کیسے سہانے خواب دیکھے تھے' لیکن ان خوابوں کی تعبیر کرچیں بن کر اس کے وجود کی گہرائیوں تک اتر گئی تھیں اور وہ حالات کے آگے سرنگوں ہونے پر مجبور ہو گئی تھی۔

جانے کتنی دیر تک وہ ان ہی خیالات کے تانے بانوں میں الجھی رہی پھر اسی وقت اس کے بھٹکتے خیالات کا شیرازہ منتشر ہوا جب باہر سے ہارن کی تیز آواز سنائی دی' شاید فراز آگئے تھے۔ اس نے پریشان خیالات کو جھٹک کر دوبارہ جلدی جلدی ٹنکائی شروع کر دی وہ اپنی اداسیوں کا عکس فراز کی ہنستی کھیلتی زندگی پر نہیں ڈالنا چاہتی تھی' اپنے غموں کو اس طرح ہنس ہنس کر جھیل جانا چاہتی تھی کہ کسی اور کو اس کی خبر تک نہ ہو۔

سامنے سے فراز اندر داخل ہوئے تو اس نے نظریں اٹھا کر اسے غور سے دیکھا' آج بھی ان کے چہرے پر وہی سنجیدگی مسلط تھی' آنکھیں کھوئی کھوئی سی دکھائی دے رہی

تھیں' ہونٹوں پر زندگی کا ایک ہلکا سا عکس بھی نظر نہیں آرہا تھا' دروازے کے قریب رک کر انہوں نے ایک نظر چوتھی کے جوڑے پر ڈالی پھر قدم اٹھاتے ناہید کے قریب آگئے۔

"یہ غالباً میری شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔"

"آؤ بیٹھو....." ناہید نے آہستہ سے کہا۔ فراز کے لہجے کا درد محسوس کر کے وہ اندر ہی اندر سلگ اٹھی۔

"کچھ دنوں کی بات اور ہے چھوٹے سرکار' خوب جی بھر کر گھوم پھر لو اس کے بعد میں پوچھوں گی کہ کتنے بیسی کے ساٹھ بنتے ہیں۔" نجو نے فراز کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

"کیوں..... اس کے بعد کیا ہو گا۔" فراز نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اس کے بعد..... اس کے بعد آپ گرفتار ہو جائیں گے۔" نجو شوخ ہو گئی۔

"گھر والی آجائے گی تو منٹ منٹ کا حساب لے گی۔"

"گرفتار تو میں بہت پہلے ہو چکا تھا نجو' اب تو آزادی کے دن قریب آرہے ہیں۔" فراز نے ہونٹ کاٹتے ہوئے دبی زبان میں کہا تو ناہید تڑپ اٹھی' بے خیالی میں انگلی میں سوئی چبھی تو خون کا ایک ننھا سا قطرہ اس کی اجلی رنگت پر اجاگر ہو گیا۔

ناہید نے خود کو سنبھالا' جلدی سے خون اپنے پلو میں جذب کر لیا۔ فراز اسی کی طرف متوجہ تھے' دونوں نگاہوں کا تصادم ہوا تو فراز کے ہونٹوں پر ایک بے جان سے پھیکے تبسم نے مچل کر دم توڑ دیا۔ ناہید نے جلدی سے بات بناتے ہوئے کہا۔

"تم نے سنا فراز۔ نجو کی شادی ہونے والی ہے۔"

"ہاں۔" فراز بولے۔ "اس کے چہرے پر ہمکنے والی زندگی سے بھرپور مسرتیں اس بات کی غمازی کر رہی ہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کی پسند سے ہو رہا ہے۔"

"تم تھکے تھکے نظر آرہے ہو۔ میں تمہارے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" ناہید نے کہا پھر تیزی سے اٹھ کر باورچی خانے کی سمت چلی گئی۔

فراز کی تلخ باتوں کا نشتر ابھی تک اس کے دل کی دھڑکنوں میں چبھ رہا تھا' اس کا خیال تھا کہ خود اس کی طرح فراز بھی شادی کے ہنگاموں میں گم ہو کر ماضی کی باتوں کو بھول جائیں گے۔ ایک چھوٹے سے معمولی حادثے کو فراموش کر دیں گے جو کبھی ہوا کے ایک خوشگوار جھونکے کی طرح ان دونوں کے احساسات کو چھوتا ہوا کب کا گزر چکا تھا لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔

ناہید تو کالج کے اس فراز کو یکسر فراموش کر چکی تھی' سہاگن بننے کے بعد اس نے

کسی اور کے بارے میں سوچنا بھی گناہ سمجھا' اس نے خود اپنے گھر کی باتیں بھی ایک ایک کر کے بھلا دی تھیں' نئی زندگی کی پُرپیچ راہوں کو اپنا لیا تھا جس پر قدم قدم پر تلخیاں تھیں۔

پلکوں سے ڈھلکتے ہوئے آنسو تھے جو اس کے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ابھرتے تھے۔ سسکیاں تھیں اور ارمانوں کی چتا تھی جس کی نادیدہ تپش نے اسے جھلسا دیا تھا مگر اس نے ان تمام باتوں کو ہنس ہنس کر برداشت کیا تھا' زندگی کا عطیہ سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔

زندگی کی گہما گہمیاں اس کے لئے خواب بن کر رہ گئی تھیں' کوئی مدوجزر نہیں تھا' ہر طرف جمود ہی جمود تھا۔ ٹھہراؤ تھا' لیکن جب فراز امریکہ سے واپس آئے تو جمود میں ایک لمحے کو تلاطم کا رنگ پیدا ہو گیا۔ بیتی ہوئی خوش گوار یادیں اس کے ذہن میں کچھ دنوں کے لئے تازہ ہو گئی تھیں مگر اس نے ان یادوں کو بھی تھپک تھپک کر سلا دیا تھا۔ وہ منصور کی امانت تھی۔ منصور کی شریک حیات تھی۔ منصور کے علاوہ کسی اور کا تصور بھی گناہ سمجھتی تھی۔ اس لئے اس نے بھولی بسری باتوں کو کچل ڈالا تھا۔ کچھ دنوں تک فراز اسے چھیڑتے رہے۔ خوابوں کا شہزادہ کا حوالہ دے کر تنگ کرتے رہے اور اس کے بعد رشتے اور ماحول کی نزاکتوں کو محسوس کر کے انھوں نے بھی اپنی روش بدل لی تھی۔

لیکن منصور کی موت نے گھپ اندھیروں میں اجالے کی ایک موہوم کرن کو جنم دیا تھا اور فراز اسی روشنی کی ایک کرن سے اپنی زندگی کو سنوارنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ سرد راکھ میں کہیں دبی ہوئی ایک چنگاری باقی رہ گئی تھی جو بھڑک کر شعلہ بن جانے کے لئے تڑپ رہی تھی' بکھرے اور ٹوٹے ہوئے خوابوں کا منتشر شیرازہ نئے سرے سے ترتیب پانے کے لئے مچل رہا تھا۔ مگر اس میں ناہید کا کیا قصور تھا۔ یہ بات تو کبھی اس کے تصور کے کسی گوشے میں بھی نہیں ابھری تھی کہ وہ فراز سے شادی رچا کر اپنی سوگوار زندگی کے سسکتے بلکتے لمحوں کو دوبارہ رنگینیوں سے ہمکنار کر لے گی۔ پھر اسے کس جرم کی پاداش میں اذیتوں سے دوچار کیا جا رہا تھا۔

کیوں طوفان اٹھ رہے تھے؟

کس لئے تلخیوں کا زہر اس کے وجود میں گھولا جا رہا تھا۔

لفظوں کے تیر و نشتر سے زخمی کیا جا رہا تھا۔

کچوکے دیئے جا رہے تھے۔

سوئے ہوئے احساسات کو جھنجھوڑ کر بیدار کیا جا رہا تھا۔

دبی دبی چنگاریوں کو ہوا دی جا رہی تھی۔

آخر کیوں.....

کس لئے.....

کس لئے.....

چائے کی ٹرے لئے دوبارہ بڑے ہال میں آئی تو نجو جا چکی تھی' فراز صوفے پر نیم دراز سے نظر آئے۔ ان کی نگاہیں چوتھی کے جوڑے پر مرکوز تھیں' اتنے محو تھے کہ انہیں ناہید کے آنے کی خبر تک نہ ہوئی۔ اس نے ٹرے میز پر رکھ کر فراز پر نظر ڈالی' ان کی آنکھوں میں حسرتوں کا ہجوم دیکھا تو ایک لمحے کو وہ بھی بے چین سی ہو گئی' جانے فراز کن خیالوں میں گم تھے اور عروسی جوڑے کو کیوں اتنے انہماک سے گھور رہے تھے۔ چند ثانئے وہ خاموش کھڑی اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتی رہی پھر خود کو سنبھال کر محتاط لہجے میں بولی۔

"نجو کہاں چلی گئی....."

فراز اس کی آواز سن کر یوں چونکے جیسے تصورات کے دوش پر کھیلنے والا کوئی حسین خواب چکنا چُور ہو گیا' نظریں گھما کر انہوں نے ناہید کو دیکھا پھر صوفے پر سیدھے ہوتے ہوئے بولے۔

"مالی بابا نے اسے بوا سروری سے بلوایا تھا۔"

"میرا خیال ہے وہ چلا گیا ہو گا۔" ناہید نے یونہی کہا پھر فرش پر بیٹھ کر چائے بنانے لگی۔

"کون.....؟" فراز نے پوچھا۔

"وہی جس کے ساتھ نجو کی بات چل رہی ہے۔" وہ چائے بناتے ہوئے بولی۔ "اسی کو دیکھ کر تو وہ بھاگ کر میرے پاس آ گئی تھی۔"

فراز نے کوئی جواب نہیں دیا' ناہید نے چائے بنا کر ان کے سامنے رکھی تو کپ اٹھا کر خاموشی سے ہونٹوں سے لگا لیا' ماحول پر ایک سوگوار سی خاموشی طاری تھی' ناہید نے چائے ختم کر کے دوبارہ جوڑا اٹھایا تو فراز بول اٹھے۔

"آپ یہ سب کچھ کیوں کر رہی ہیں۔"

"میں نہ کروں گی تو اور کون کرے گا۔" ناہید نے سنجیدگی سے کہا۔ "شادی میں اب دن ہی کتنے باقی رہ گئے ہیں۔"

"مجھے علم ہے..... لیکن یہ سارے کام درزی سے بھی کرائے جا سکتے تھے۔" فراز الجھ کر بولے۔

"امی حضور نے بھی یہی کہا تھا لیکن میں نے منع کر دیا۔"

"کیوں.....؟"

"اس لئے کہ تمہاری دلہن کے جوڑے میں اپنے ہاتھوں سے تیار کروں گی۔ کوئی اعتراض ہے تمہیں۔"

"اعتراض۔" فراز نے ایک پھیکا تبسم خشک ہونٹوں پر بکھیرتے ہوئے کہا۔ "جو شادی پر انکار نہ کر سکا ہو وہ بھلا ان بے جان جوڑوں پر کیا اعتراض کر سکتا ہے' اگر آپ کی یہی خوشی ہے تو بڑے شوق سے اپنے ارمان پورے کر لیجئے۔"

اور فراز کے لہجے کی اداسی محسوس کر کے ناہید کا معصوم دل دھڑک اٹھا' کتنی بے بسی اور کس قدر بیچارگی تھی اس چھوٹے سے ایک جملے میں' کتنا کرب تھا' آرزوؤں اور تمناؤں کی سسکیاں تھیں' درد کی تڑپ اور ارمانوں کا خون تھا جو سارے کا سارا ایک ہی جملے میں سمو کر رہ گیا تھا یوں جیسے فراز نے اپنی محرومیوں کے سارے اوراق ان کے سامنے بکھیر دیئے ہوں۔

ناہید نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا' چند ثانئے فراز کے چہرے پر غموں کے لرزتے سائے دیکھتی رہی پھر جی کڑا کر کے بولی۔

"فراز..... ایک بات پوچھوں۔"

"آپ کو اختیار ہے۔ جو چاہے پوچھ سکتی ہیں۔" فراز نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"تم نے اپنے اندر اچانک یہ تبدیلیاں کیوں پیدا کر لی ہیں؟"

"شاید حالات کا یہی تقاضہ تھا۔"

"کن حالات کا حوالہ دینا چاہتے ہو۔" ناہید نے سنبھل کر ٹھوس لہجے میں دریافت کیا۔

"میں معذرت خواہ ہوں۔" فراز نے چھت کو گھورتے ہوئے کہا۔ "شاید میں ان حالات کی ترجمانی نہ کر سکوں گا۔"

"اور..... شاید تم یہ بھی بھول رہے ہو کہ میں بھی اسی گھر میں سر چھپائے عزت سے بیٹھی ہوں۔" ناہید بدستور ٹھوس آواز میں بولی۔ "اگر حالات نے کوئی کروٹ بدلی۔

اس گھر کے نام پر کوئی حرف آیا۔ کسی یک طرفہ چنگاری نے اگر اس گھر کو شعلوں کی نذر کیا تو میرا بے داغ دامن بھی داغدار ہو جائے گا..... اور..... اور اگر اس گھر میں میرا وجود تمہاری خاموشی اور اداسیوں کا سبب بن گیا ہے' اور میری ذات کی سرد سلگتی بے جان لاش تمہاری مسرتوں کے آڑے آرہی ہے تو کھل کر کہو..... میں تمہاری خوشیوں کی خاطر اس کھوکھلے ستون کو خود اپنے ہاتھوں سے نیست و نابود کردوں گی جسے عظمت کے مینار کا نام دیا گیا ہے۔ بولو فراز..... جواب دو'..... ایک بار جو جی میں آئے کھل کر کہہ ڈالو..... لیکن..... اس کے بعد کچھ نہ کہنا..... اس لئے ..... اس لئے کہ میں جس دہلیز پر بیٹھی ہوں وہ ایک مشرقی عورت کے لئے اس کی زندگی کا واحد اور سب سے زیادہ معتبر سہارا ہے' اگر یہ سہارا بھی چھن گیا تو پھر مجھے موت کے دروازے پر دستک دینی پڑے گی۔ مجھے کھل کر بتاؤ فراز کہ تم اپنی خوشیوں کو برقرار رکھنے کے لئے مجھ سے کیا قربانی چاہتے ہو۔"

"ناہید۔" فراز کی آواز بھرا رہی تھی اور پلکوں پر آنسوؤں کے شبنمی قطرے لرز رہے تھے۔

"ناہید مر چکی ہے فراز۔" ناہید تڑپ کر بولی۔ "حالات نے اسے جس مدفن میں دبا دیا ہے اسے وہیں دبا رہنے دو۔ اور اب جو ہستی باقی ہے وہ تمہارے مرحوم بھائی کے رشتے سے تمہاری بھابی ہے۔ آئندہ سے تم مجھے صرف اسی نام سے یاد کرو گے۔ یہ میری درخواست ہے۔"

فراز نے کوئی جواب نہیں دیا' گم صم بیٹھے ناہید کو تکتے رہے پھر انہوں نے آہستہ سے اٹھ کر دبیز قالین پر بکھرے عروسی جوڑے کو سمیٹ کر ناہید کی گود میں ڈالا اور پلکوں پر لرزتے آنسوؤں کو رومال سے خشک کرتے ہوئے ایک نظر ناہید پر ڈالی پھر تھکے تھکے انداز میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے اپنے کمرے کی جانب چلے گئے۔

ناہید نے فراز کے جانے کے بعد خود کو دوبارہ مصروف کر لیا' بڑی توجہ اور لگن سے بیٹھی جوڑا ٹانکتی رہی لیکن اس رات جب گھر کے تمام ہنگاموں سے چھٹکارا پا کر وہ اپنی خواب گاہ میں گئی تو ان آنسوؤں پر قابو نہ پا سکی جو پلکوں تک آنے کے لئے مضطرب تھے۔ دروازے بند کرکے وہ بستر پر گر گئی تو اس کے وجود کے سارے ہی پیمانے چھلک اٹھے' وہ سسک سسک کر رونے لگی' ضبط کے بند کمرے کی ویران یکسوئی کا سہارا پا کر ٹوٹے تو آنسوؤں کے سوتے بھی پھوٹ پڑے۔

آنسو.....

جو اس کا مقدر بن رہ گئے تھے.....

آنسو.....

جو حالات نے اس کے نصیب میں رقم کر دئے تھے.....

آنسو.....

جو پلکوں سے ڈھلکتے تھے تو دل کا بوجھ کم کر دیتے تھے.....

آنسو.....

جو اس کے اپنے اختیار میں تھے..... اپنے بس میں تھے۔

آنسو.....

جو اس کے مونس تھے!..... غم خوار تھے!..... زندگی کا سہارا تھے.....!

☆======☆======☆

دو دن تک وہ فراز سے کتراتی رہی۔

روز روز کے خدشوں کے پیشِ نظر اس نے ایک ہی دفعہ کھل کر فراز سے گفتگو کر لی تھی پھر دوبارہ اپنے خول میں بند ہو کر بیٹھ گئی تھی لیکن اس کی محنت رائیگاں نہیں ہوئی تھی' فراز نے اس کی باتوں کو محسوس کر کے اپنی روش دوبارہ بدلنے کی کوشش کی تھی' اب وہ پہلے ہی کی طرح پابندی سے گھر واپس آنے لگے تھے ملازموں کے ساتھ بھی وہی پہلے جیسے انداز میں ہنسنا بولنا شروع کر دیا تھا ماں کے پاس دیر تک بیٹھے بھولی بھولی شوخ شرارتیں شروع کر دی تھیں لیکن ناہید ابھی تک ان سے دور دور تھی۔

اسے خوشی تھی کہ فراز نے ان راہوں کو اپنا لیا ہے جن پر وہ پہلے گامزن تھے مگر ابھی وہ خود کو نہیں سنبھال سکی تھی۔ ابھی اس کے اپنے دل کی دھڑکنیں معدوم نہیں ہوئی تھیں' فراز کی خوشیاں اسے حد سے زیادہ عزیز تھیں' وہ انہیں ہر وقت ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتی تھی' کسی معصوم اور شریر بچے کی طرح ہر وقت شرارتوں میں مصروف دیکھنے کی آرزو مند تھی۔ فراز کے قہقہے سن کر وہ اپنا دکھ درد بھول جاتی تھی' ان کی شوخ باتوں میں نہ جانے کیسا جادو تھا کہ وہ اپنے زخمی وجود کی کراہوں کو بھی یکسر فراموش کر بیٹھی تھی اور جب سے اس نے فراز سے دو بدو بیٹھ کر باتیں کی تھیں اس دن سے تو وہ خود اپنی سدھ بدھ بھول گئی تھی۔

اس نے فراز کے دل میں بھڑکتے شعلوں کو بجھانے کی بھرپور کوشش کی تھی' ان

چنگاریوں کو راکھ کے ڈھیر تلے ہمیشہ کے لئے دبا دینے کی سعی کی تھی جو اس کی محبت کے دم سے اس کے دل کے نہاں خانوں میں سلگ رہی تھیں' حالات نے اسے وقت کی رفتار سمجھنے کی عادت ڈال دی تھی' ماضی کی تلخ یادوں نے اسے ذہنی طور پر بہت ٹھوس اور مضبوط بنا دیا تھا' درد کی لذتوں اور زخموں کی ٹیس نے اسے زندگی کی کربناک تلخیوں کو برداشت کرنے اور ہنس ہنس کر سہہ جانے کا عادی بنا دیا تھا' منصور کی موت کے بعد سے تو وہ اور زیادہ سہم گئی تھی اور زیادہ محتاط ہو گئی تھی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ اپنی تہذیب کو کبھی رسوا نہیں ہونے دے گی۔ تقدیر نے جو بیوگی کا غم دیا ہے اسے زندگی کا عطیہ سمجھ کر اپنے وجود سے ہمیشہ کے لئے وابستہ کر لے گی اور شمع کی طرح اس طور جل جل کر خود کو ختم کر لے گی کہ محفل کو روشنی بھی دے گی اور کسی کو اس بات کا ہلکا سا احساس بھی نہ ہونے دے گی کہ اس کے اپنے اوپر کیا گزر رہی ہے۔ کیا بیت رہی ہے۔ اس نے عہد کر لیا تھا کہ وہ اپنی زندگی کے لئے والدین کی تربیت کو مشعل راہ بنالے گی۔ جس دہلیز پر ایک دن وہ سہاگن بن کر باجے گاجے کے شور میں عروسی لباس پہن کر سینے میں آرزوؤں اور تمناؤں کا ہجوم سمیٹے داخل ہوئی تھی' اسی دہلیز پر وہ اپنی زندگی کے باقی ماندہ دن بھی گزار دے گی۔ اسی دہلیز سے ایک دن وہ اپنی حسرتوں اور ناکام تمناؤں کو دل کے نہاں خانوں میں چھپائے کافوری لباس کا کفن پہن کر یوں خاموشی سے اپنے آخری سفر پر روانہ ہو جائے گی کہ کسی کو اس کی ذات سے وابستہ تلخیوں اور ناکامیوں کا احساس تک نہ ہو سکے گا۔

اور اسی لئے جب فراز نے بھائی کی موت کے بعد اسے پالینے کی آرزو کی تو وہ تڑپ اٹھی۔ اس نے فراز اور فرزین کی شادی کی خبر سن کر بڑے سکون کا سانس لیا تھا مگر جب اس نے فراز کی اداسیوں کو محسوس کیا' ان کی خاموشیوں کا مفہوم بھانپا اور ان کے دل میں اپنے پیار کی خلش کو سمجھا تو سہم کر گنگ سی ہو گئی۔ پھر اس نے حال کے آئینے میں اپنے مستقبل کا عکس دیکھا تو کانپ اٹھی۔ فراز جن چنگاریوں کو کریدنے کی کوشش کر رہے تھے' ہوا دینا چاہتے تھے وہ بھڑک کر شعلہ بن جاتیں تو سب کچھ جل کر راکھ ہو سکتا تھا۔ اس نے حالات پر غور کیا وقت کی نزاکتوں کو جانچا تو لرز اٹھی' حالات نے اسے آتش فشاں کے دہانے پر لاکھڑا کیا تھا اور وقت کی ایک کروٹ' ایک ذرا سی ٹھیس اس آتش فشاں کا منہ کھول سکتی تھی' لہٰذا اس نے فراز سے دوٹوک فیصلہ کرنے کی ٹھان لی اور اسے اپنے ارادوں میں مایوسی نہیں ہوئی' فراز کے سلسلے میں ناکامیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔

فراز نے اس کی باتوں کو نہایت خاموشی سے سنا تھا اور اپنی روش بدل دی تھی لیکن

ناہید۔ وہ آگ کے جن بھڑکتے شعلوں سے اس گھر کی عزت کو محفوظ رکھنا چاہتی تھی' اس کے ناموس کو بچانا چاہتی تھی ان ہی شعلوں کی ایک چنگاری نہ جانے کب سے خود اس کے دل میں راکھ کے ڈھیر اور حسرتوں کے ہجوم..... کے تلے دبی رہ گئی تھی۔ فراز سے کھل کر باتیں کرنے سے پہلے اس نے اس چنگاری کے بارے میں کبھی بھول کر بھی نہیں سوچا تھا' اسے خوابوں میں بھی کبھی اس چنگاری کے وجود کا احساس نہیں ہو سکا تھا' تصور کے کسی گوشے میں بھی اس کا خیال نہیں ابھرا تھا لیکن وقت کی ایک ہی گردش نے ہوا دے کر اسے روشن کر دیا تھا اور ناہید سر تا پا کانپ اٹھی تھی۔ خود اپنی نگاہوں مجرم بن کر رہ گئی تھی۔ جن راہوں پر اس نے فراز کو ثابت قدم رکھنے کی کوشش کی تھی ان ہی..... پُر پیچ راستوں پر خود اس کے قدم لڑکھڑا گئے تھے۔

شاید قدرت اسے پھر کسی امتحان میں ڈالنا چاہتی تھی۔ فلک کج رفتار کی نیرنگیاں شاید ایک بار پھر اسے مشکل مرحلوں سے گزارنے کی آرزو مند تھیں' اسے تشنگی کا احساس دلا کر سراب کے دھوکوں سے ہمکنار کرنا چاہتی تھیں' اسے احساس دلانا چاہتی تھیں کہ وہ بیوہ ہونے کے باوجود جوان ہے۔ سہاگن بننے کے باوجود اس کی تمنائیں اور معصوم معصوم خواہشات ابھی تک اس کے دل کی دھڑکنوں میں دفن ہیں اور..... اور ناہید کے قدم ڈگمگانے لگے تھے لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا' ایک بار پھر حالات کے آگے سینہ سپر ہونے کی ٹھان لی۔ ان طوفانوں کی جانب سے نہایت حقارت سے نظریں پھیر لیں جو اس کے احساسات کو ورغلانے کی کوشش کر رہے تھے' ان تمناؤں کو روند ڈالا جو اس کے وجود کو گدلانے کی خاطر کروٹیں بدل رہی تھیں اور اسی لئے وہ دو روز تک فراز کے قرب سے بچ بچ کر کترا کترا کر گزر جاتی تھی۔

آج بھی ساس کو شام کی چائے پلانے کے بعد اپنے کمرے میں چلی آئی تھی۔ فراز غسل خانے میں تھے' کچھ دیر پہلے ہی دفتر سے واپس لوٹے تھے۔ بیگم سجاد کے کمرے میں بس ایک لمحے کو اس کا فراز سے آمنا سامنا ہوا تھا مگر وہ برتن سمیٹ کر باہر آگئی تھی۔ فراز کی باتوں کی آواز باورچی خانے تک اس کا پیچھا کرتی رہی لیکن اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا' برتن رکھے' خانساماں کو رات کے کھانے کے بارے میں ضروری ہدایات دیں پھر اپنے کمرے میں جا کر فرزین کے جوڑے تیار کرنے بیٹھ گئی۔

وہ جوڑے تیار کرنے میں محو تھی جب بوا سروری نے کمرے میں داخل ہو کر اسے محسن اور شازیہ کی آمد کی اطلاع دی تھی۔ جوڑے ایک طرف رکھ کر وہ آہستہ سے اٹھی'

سنگار میز کے پاس جا کر بکھرے بالوں کو سنوارا پھر ڈرائنگ روم میں آ گئی جہاں فراز' شازیہ اور محسن علی بیٹھے باتیں کر رہے تھے' شازیہ نے ناہید کو دیکھ اٹھا کر بے اختیار اس سے لپٹ گئی' محسن علی بھی احتراماً اٹھ کھڑے ہوئے۔ البتہ فراز اپنی نشست پر بیٹھے رہے۔

"یہ آپ کس خوشی میں اٹھ گئے۔" شازیہ نے ناہید کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھاتے ہوئے شوہر سے پوچھا۔

"کیوں۔ کیا آپ کو بھائی بہن کی محبت پر کوئی اعتراض ہے۔" محسن بیٹھتے ہوئے بولے۔

"منہ دیکھے کی باتیں رہنے دیجئے۔" شازیہ شوخی سے بولی۔ "صاف صاف یہ کیوں نہیں کہتے کہ رات کا کھانا کھا کر اٹھنے کا ارادہ ہے!"

"اس کے بغیر تو میں محسن بھائی کو یوں بھی نہ جانے دوں گی۔" ناہید نے جلدی سے محسن کی طرفداری میں کہا۔

"کچھ سنا آپ نے....." محسن نے بیوی سے کہا۔ "بہن ہو تو ایسی ہو....."

"گویا تم کھانے کے لالچ میں اس وقت کی چائے سے بھی دست بردار ہونے کو تیار ہو۔" فراز بولے۔

"ازراہِ نوازش آپ بھی اگر بہن بھائی کے سلسلے میں اپنی چونچ بند رکھیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔" محسن علی نے فراز کو گھورتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ناہید بہن کہہ چکی ہیں کہ مجھے کھانا کھلائے بغیر نہیں جانے دیں گی' رہا اس وقت کی چائے اور اس کے ساتھ دیگر لوازمات کا مسئلہ تو وہ مجھے آپ لوگوں کی سفارش کے بغیر بھی مل جائے گا۔ کیوں ناہید بہن۔"

"اس کو کہتے ہیں جوتیوں سمیت آنکھوں میں گھسنا۔" شازیہ نے مسکراتے ہوئے شوہر پر چوٹ کی۔ "وہی بات..... مان نہ مان میں تیرا مہمان....."

"آپ ان باتوں کا کوئی خیال نہ کیجئے گا محسن بھائی۔" ناہید نے جلدی سے کہا۔ "یہ لوگ تو خواہ مخواہ بھائی بہن کو لڑوانا چاہتے ہیں۔"

"آپ مطمئن رہیں۔" محسن علی نہایت سنجیدگی سے بولے۔ "میں ان لوگوں کو خوب سمجھتا ہوں اور مجھے اس بات کا مکمل یقین ہے کہ آپ چائے کا اہتمام کر کے ان دونوں جلنے والوں کو شرمندگی سے بھی ضرور دو چار کریں گی۔"

"آپ نے تو سچ مچ ندیدے پن کی حد کر دی۔" شازیہ نے شوہر کو گھورتے ہوئے

کہا۔

"آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔" فراز نے مسکراتے ہوئے لقمہ دیا لیکن محسن علی یوں لاپرواہ بیٹھے رہے جیسے انھوں نے سرے سے شازیہ اور فراز کی بات ہی نہ سنی ہو۔

ناہید مسکراتے ہوئے اٹھ کر باورچی خانے میں چلی گئی۔ چائے کا اہتمام کر کے واپس آئی تو محسن علی اور فراز کے درمیان فرزین کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی اور شازیہ بھی اس وقت شوہر کے ساتھ مل کر فراز کو چھیڑنے میں مصروف تھی' وہ مسکراتے ہوئے شازیہ کے قریب بیٹھ گئی' محسن علی فراز سے کہہ رہے تھے۔

"شوہر کی حیثیت سے میرا تجربہ تم سے زیادہ ہے اس لئے میرا مشورہ ہے کہ بیوی کو شروع میں زیادہ ڈھیل مت دینا۔ ورنہ بعد میں سر پکڑ کر روؤ گے۔"

"کیا مطلب؟" شازیہ اچانک سنبھل کر بولی۔ "آپ کو میری وجہ سے اب تک کتنے آنسو بہانے پڑے ہیں جو آپ فراز بھائی کو اپنی مثال دے رہے ہیں۔"

"بخدا میرا یہ مقصد نہیں تھا۔" محسن علی نے بیوی کو معاً سنجیدہ دیکھا تو وضاحت کرتے ہوئے بولے۔ "میں تو فراز کو تھوڑی نصیحت کرنے کے موڈ میں تھا' اس لئے کہ یہ حضرت روزِ اول ہی سے حسن پسند واقع ہوئے ہیں اور....."

"اور تم اپنی مثال سامنے رکھ کر مجھے یہ بتانا چاہتے ہو کہ اگر میں نے بھی تمہاری طرح اپنی شریک حیات کے سلسلے میں ڈھیل سے کام لیا تو میرا حشر بھی تمہاری ہی طرح ہو گا۔" فراز نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شازیہ کو بھڑکانے کی خاطر کہا۔ "یہ تو سراسر بہتان اور الزام تراشی ہے شازیہ بہن پر..... میں نے تو آج تک تمہیں ہمیشہ اپنی من مانی کرتے دیکھا ہے اور شازیہ بہن نے کبھی تمہارے سلسلے میں کوئی ایسا جارحانہ قدم بھی نہیں اٹھایا جسے ایک بیوی کی بددماغی یا زیادتی کہا جا سکے۔"

"یار فراز..... خدا کے لئے تم....."

"فراز بھائی کو بلا وجہ کیوں بدنام کر رہے ہیں۔" شازیہ نے تیزی سے شوہر کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "بات تو آپ ہی نے شروع کی تھی۔"

"اور اس کا صاف صاف مطلب یہی تھا کہ تم یعنی کہ محسن علی اپنی بیوی سے خوش نہیں ہو۔" فراز نے دوسرا لقمہ دیا تو شازیہ اور بھڑک اٹھی۔

"خوش نہیں ہیں تو نہ سہی....." وہ شوہر کو شکایت بھری نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔ "میں ایسی پردے کی بوبو بھی نہیں ہوں کہ محض شوہر صاحب کی خوشنودی کی

خاطر سہم کر اپنے ناکردہ گناہوں کی معافی مانگنے بیٹھ جاؤں گی..... جب کچھ کہا نہیں تو ڈر کس بات کا..... انھیں اگر کسی بات کی شکایت ہے تو ہوا کرے اس لئے کہ جب مجھے اس بات کا علم نہیں تو میری جوتی کو کیا غرض پڑی ہے کہ ہاتھ جوڑنے بیٹھ جاؤں۔"

"آپ تو بلا وجہ خفا ہو رہی ہیں۔" محسن علی نے بیوی کی سنجیدگی اور خفگی کو محسوس کرتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "میرے منہ سے تو یونہی مذاقاً ایک بات نکل گئی تھی اور آپ نے اس کا بڑا منا لیا ہے۔"

"دعا دو شازیہ بہن کی شرافت کو جو انھوں نے صرف برا مان کر بات یہاں تک محدود رکھی ہے۔" فراز بولے۔ "اگر کوئی ٹیڑھے دماغ کی خاتون ہوتی تو تمہارا گریبان ہوتا اور اس کا ہاتھ..... دھری کی دھری کی جاتی ساری انسپکٹری۔"

"سن رہے ہیں آپ محسن بھائی۔" ناہید نے درمیان میں بولتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ کے دوست ہیں جو بی جمالو کا پارٹ ادا کر رہے ہیں اور ایک نظر اپنی بیگم صاحبہ پر بھی ڈال لیجئے جو فراز کے بہکانے میں آکر لڑ پڑنے پر تلی بیٹھی ہیں۔"

"میں نے تو بات نہیں شروع کی تھی۔" شازیہ بولی۔ "فضول باتوں کی ابتدا خود ان ہی کی جانب سے ہوئی تھی۔"

"اور نہیں تو کیا....." فراز مسکرا کر بولے۔ "نہ محسن حماقت کی شروعات کرتے نہ شازیہ بہن کو جلال آتا۔ کچھ دیر پہلے تک تو یہ دونوں مل کر میری کھنچائی کر رہے تھے۔"

"شاید اسی لئے تم نے ان دونوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔" ناہید نے براہِ راست فراز سے کہا تو وہ مسکرا دیئے' ناہید شازیہ سے بولی۔ "اور تیری عقل پر تو پتھر پڑ گئے تھے جو فراز کی چال بھی نہ سمجھ سکی اور آستین چڑھا کر محسن بھائی سے لڑنے پر آمادہ ہو گئی۔"

ناہید کے کہنے پر شازیہ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہوا' اس نے نظر اٹھا کر شوہر کو دیکھا جو بڑی مسمسی صورت بنائے بیٹھے تھے۔

"آپ کی خفگی دور ہو گئی ہو تو میں ذرا اس فراز کے بچے سے دو دو ہاتھ کر لوں جس کی چالبازی نے ہم دونوں کو لڑوانے کی کوشش کر کے خود کو صاف بچا لیا ہے۔" محسن علی نے بیوی کی پیشانی پر سلوٹوں کا کھنچاؤ کم ہوتا دیکھ کر بڑے نرم لہجے میں کہا۔

"کیوں فراز بھائی۔" شازیہ نے مسکراتے ہوئے فراز سے دریافت کیا۔ "معاف کر دیا جائے ان حضرت کو۔"

"میرا خیال ہے کہ فی الحال جتنی تنبیہہ ہو گئی ہے وہی ان کے لئے بہت کافی ہے' ویسے اس بات کا خیال رہے کہ شخص مذکور کا تعلق محکمہ پولیس سے ہے اور یہ پولیس والے بڑے حرفوں کے بنے ہوتے ہیں۔ اپنا معاملہ ہو تو بھیگی بلی بن جاتے ہیں لیکن معاملہ رفع دفع ہونے کے بعد پھر آنکھیں دکھانی شروع کر دیتے ہیں۔" فراز نے کہا۔

"اور محسن بھائی۔" ناہید جلدی سے بولی۔ "آپ بھی ذرا اس شازیہ کی بچی سے محتاط رہئے گا جس کی کھوپڑی میں دماغ کے بجائے بھس بھرا ہوا ہے اور خاص طور پر ایسے حالات میں کہ جب بھس کو چنگاری دکھانے والے بھی اپنے ہی آدمی ہیں۔"

"آپ کا ارشاد بجا ہے لیکن آپ بھی جانب داری سے کام لے رہی ہیں۔" محسن بولے۔

"کیا مطلب....." ناہید نے تعجب سے پوچھا۔

"آپ جسے آدمی کہہ رہی ہیں کیا اسے آدمیت کے زمرے میں شامل کیا جا سکتا ہے۔"

"اب یہ آپ کی زیادتی ہے محسن بھائی۔" ناہید نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "کم از کم میرے سامنے تو آپ کو فراز کے لئے ایسی بات نہیں کہنی چاہئے تھی۔"

"ہرے۔" فراز نے خوشی کا نعرہ بلند کیا۔ "اب بولئے محسن صاحب'..... کھانی پڑی نا منہ کی۔"

"میں اسے قرب قیامت کی علامت کہوں گا۔" محسن بڑی ڈھٹائی سے بولے۔ "حیرت ہے کہ بہنیں بھائیوں کا ساتھ نہیں دے رہی ہیں۔"

"یہ بھی شکر ادا کرو کہ یہ بات تم نے بعد میں کہی ورنہ چائے سے بھی محروم ہونا پڑتا۔" فراز بولے۔

"فراز بھائی....." شازیہ نے جلدی سے شوہر کی جان چھڑانے کی خاطر کہا۔ "یہ باتیں تو خیر ہوتی رہیں گی لیکن..... یہ بتایئے کہ فرزین کے ساتھ شادی پر آپ رضامند کیسے ہو گئے۔ میں نے تو سنا ہے کہ وہ بے انتہا آزاد خیال اور فیشن کی دلدادہ ہے۔"

"سنا تو میں نے بھی یہی ہے۔" فراز آہستہ سے بولے۔

"پھر بات کیسے بنے گی؟"

"اسی انداز میں گزر کرنے کی کوشش کروں گا جس طرح تم محسن کو بھگت رہی ہو۔" فراز نے مسکرا کر بات اڑانے کی کوشش کی۔

"آپ نہیں جانتیں اس شخص کو۔" محسن علی نے کہا۔ "میں جانتا ہوں کہ یہ شخص اندر سے کس قماش کا ہے' فرزین کو دلہن بن کر آلینے دیجئے اس گھر میں' یہ شخص جو اس وقت سینہ تانے بیٹھا ہے اگر فرزین کے پاؤں دھو دھو کر نہ پیے اور ہر وقت زن مرید شوہروں کی طرح بیوی کی جی حضوری میں نہ لگا رہے تو میرا نام بدل دیجئے گا۔"

"کیوں فراز....." ناہید نے دبی زبان میں فراز سے پوچھا۔ "کیا تم بھی شادی کے بعد محسن بھائی کی پیروی کرو گے؟"

"ناہید کی بچی....." شازیہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔ "بڑی زبان چل گئی ہے تیری' میرے میاں نے بھلا تیرا کیا بگاڑا ہے جو تُو پنجے جھاڑ کر ان کے پیچھے پڑ گئی ہے۔"

اور ابھی شازیہ اور ناہید کی نوک جھونک شروع ہی ہوئی تھی کہ ملازم چائے کی ٹرالی لئے آگیا' محسن علی نے لپک کر بسکٹ کی پلیٹ جھپٹ لی' فراز نے کیک کی پلیٹ اٹھا کر شازیہ کی طرف بڑھا دی اور ناہید ٹرالی اپنے قریب گھسیٹ کر سب کے لئے چائے بنانے میں مصروف ہو گئی.....!

☆------☆------☆

کرنل سر فراز اپنی کوٹھی کے لان پر بیٹھے کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے' جب فرزین کی جھلملاتی کار پھاٹک سے اندر داخل ہو کر پورٹیکو میں آکر رکی تھی۔ ملازم نے لپک کر کار کا دروازہ کھولا تو فرزین تیزی سے باہر آگئی' سفید رنگ کے چست ٹریک سوٹ میں اس کے جسمانی نشیب و فراز کچھ زیادہ ہی اجاگر ہو رہے تھے۔ چہرے پر مسرتوں کے سارے ہی رنگ موجود تھے۔ وہ تنہا نہیں تھی۔ اس کی عزیز سہیلی شہلا بھی اس کے ہمراہ تھی۔ دونوں کو بیڈ منٹن کھیلنے کا شوق جنون کی حد تک تھا' دونوں ہی ایک ساتھ کلب جاتی تھیں' شہلا کی کوٹھی قریب ہی تھی۔ اس لئے فرزین سے اس کا شب و روز کا ساتھ تھا۔ کلب سے واپسی پر وہ فرزین کے ساتھ..... ایک کپ چائے پیتی پھر فون کر کے اپنی گاڑی منگا لیتی تھی۔ دونوں ہم عمر تھیں اس لئے آپس میں ایک دوسرے سے خاصی بے تکلف بھی تھیں' شہلا کے والد اور کرنل سر فراز میں پڑوسی ہونے کے ناتے سے اچھی خاصی صاحب سلامت تھی اس لئے انہوں نے بھی کبھی فرزین اور شہلا کی دوستی پر..... اعتراض نہیں کیا تھا۔

گاڑی سے اتر کر فرزین نے باپ پر ایک نظر ڈالی پھر شہلا سے بولی۔

"تم اندر ڈرائنگ روم میں چل کر بیٹھو' میں ڈیڈی سے پکچر کی اجازت لے کر ابھی

آئی۔"

"کیا مطلب.....؟" شہلا نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا انکل تمہیں میرے ساتھ پکچر جانے سے منع کر دیں گے۔"

"پہلے تو ڈیڈی نے کبھی میرے کہیں آنے جانے پر روک ٹوک نہیں کی تھی لیکن آج کل وہ میرا کچھ زیادہ ہی خیال کرنے لگے ہیں۔"

"کوئی خاص بات ہے.....؟" شہلا نے پوچھا۔

"کیا تُو بھول گئی....." فرزین ایک شوخ تبسم اپنے گداز ہونٹوں پر بکھیر کر بولی۔ "پندرہ روز بعد میری شادی ہونے والی ہے۔"

"آئی ایم سوری فرزین۔" شہلا نے جلدی سے کہا۔ "میرے ذہن سے یہ بات بالکل نکل گئی تھی کہ انکل تیرے پیروں میں بیڑیاں پہنانے والے ہیں۔"

"مجھے بھی دیکھنا ہے کہ تُو کب تک شادی کے مسئلے پر سنجیدہ نہیں ہوتی۔"

"شاید کبھی بھی سنجیدہ نہ ہو سکوں گی۔" شہلا سنجیدگی سے بولی۔ "جب زندگی یونہی پُرسکون اور آزادی کے ساتھ بیت رہی ہو تو بلاوجہ بیٹھے بٹھائے دوسروں کی غلامی اور بندشوں کو قبول کرنے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔"

"او۔ کے۔ میں تجھ سے اس مسئلے پر بحث نہیں کروں گی'..... تُو چل کر اندر بیٹھ میں ڈیڈی کو رام کر کے ابھی آتی ہوں۔"

شہلا نے نظر بھر کر فرزین کو دیکھا پھر لاپرواہی سے شانے اُچکاتی اور ریکٹ کو لہراتی کوٹھی کے اندر چلی گئیں فرزین نے گاڑی سے دوپٹہ نکال کر شانوں پر بے دلی سے ڈالا پھر تیز تیز قدم اٹھاتی باپ کے قریب آگئی۔

"ہیلو ڈیڈی....." اس نے باپ کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے مترنم لہجے میں باپ کو مخاطب کیا۔

کرنل سر فراز نے بیٹی کی آواز سن کر اس کی جانب غور سے دیکھا' کتاب بند کر چھوٹی میز پر رکھ دی پھر بڑے پیار سے بولے۔ "آج تنہا کیسے' کیا شہلا نہیں آئی۔"

"وہ اندر چلی گئی ڈیڈی۔" فرزین نے بڑی معصومیت سے کہا۔ "مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔"

"اوہ..... کوئی کام آن پڑا ہے شاید۔" کرنل سر فراز نے بیٹی کو شفقت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"بڑی چھوٹی سی بات ہے ڈیڈی لیکن آپ کی اجازت ضروری ہے۔"

"کہو..... کیا بات ہے؟"

"میں آج شہلا کے ساتھ لیٹ شو جانا چاہتی ہوں۔" فرزین نے دبی زبان میں کہا۔

"شہلا نے سیٹیں بھی بک کرالی ہیں۔" کرنل سرفراز نے بیٹی کو غور سے دیکھا پھر کسی سوچ میں غرق ہو گئے۔

"کیا بات ہے ڈیڈی..... آپ خاموش کیوں ہو گئے۔" فرزین نے باپ کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے قدرے الجھے انداز میں دریافت کیا۔

"فرزین بیٹی....." کرنل سرفراز نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔ "پندرہ روز بعد بیگم سجاد اپنے بیٹے کی برات لے کر تمہیں وداع کرانے آنے والی ہیں۔"

"آئی نو دیٹ ڈیڈی۔" فرزین کا لہجہ کڑوا ہو گیا۔ "سو وہاٹ؟"

"تمہیں شاید اس بات کا احساس نہیں ہے بیٹی کہ بیگم سجاد پرانے خیالات کی ہیں اور اپنی تہذیب پر جان چھڑکتی ہیں۔" کرنل سرفراز نے فرزین کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "یہ لباس جو تم اس وقت پہنے بیٹھی ہو یہ بھی اس تہذیب اور ماحول کی نفی کرتا ہے جس میں تمہیں آئندہ زندگی گزارنی ہے۔ آج اگر تمہاری ماں زندہ ہوتی تو وہ بھی تمہیں حالات کی اونچ نیچ اور زمانے کے سرد و گرم سے آگاہ کرتی لیکن حالات نے اب یہ فرض مجھے سونپ دیا ہے۔ میں نے آج تک کبھی تمہارے کسی معاملے میں دخل اندازی نہیں کی' کسی بات پر روک ٹوک نہیں کی' تم میرا خون ہو' مجھے اپنے خون پر مکمل اعتماد ہے لیکن اب میں تمہیں مشورہ دوں گا کہ تم خود کو ان سانچوں کے مطابق بدلنے کی کوشش کرو جس میں تمہیں اپنی زندگی گزارنی ہے' اسی میں تمہاری بہتری ہے اور....."

"اوہ ڈیڈی....." فرزین نے الجھتے ہوئے باپ کی بات کاٹی۔ "جو کچھ آپ مجھے سمجھا رہے ہیں وہ شادی کے بعد کی باتیں ہیں' اس وقت تو میں نے آپ سے شہلا کے ساتھ پکچر جانے کی اجازت مانگی تھی۔"

"تم غلط انداز میں سوچ رہی ہو فرزین بیٹی۔ لڑکیوں کی بات پکی ہو جائے تو وہ پرایا دھن بن جاتی ہیں۔" کرنل سرفراز نے سنجیدگی سے کہا۔ "یہ درست ہے کہ فی الحال تم اپنے باپ کے گھر میں ہو' یہاں تم اپنی من مانی کر سکتی ہو لیکن اب تمہیں اپنے اصلی گھر کا زیادہ خیال رکھنا چاہئے جہاں تمہیں بیاہ کر جانا ہے۔ میں تم کو یہی مشورہ دوں گا کہ خود کو بدلنے کی کوشش کرو۔"

"پکچر کے سلسلے میں آپ کا کیا حکم ہے۔" فرزین نے روٹھے انداز میں سوال کیا۔

"آج تم بڑے شوق سے چلی جاؤ لیکن آئندہ سے تمہیں گھر کی چار دیواری تک محدود ہو جانا چاہئے۔"

"کیا مطلب..... کیا کلب آنا جانا بھی بند کر دوں۔"

"ہاں....." کرنل سرفراز بولے۔ "ہماری تہذیب میں جوان لڑکیوں کا اس طرح بے پردہ گھر سے نکلنا اور کھلے بندوں گھومنا پھرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔"

"ڈیڈی..... کیا مجھے فراز کے گھر میں بھی اپنے اوپر کوئی اختیار نہیں ہو گا۔" فرزین نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

"یہ تمہارے اپنے اختیار کی بات ہو گی۔" کرنل سرفراز نے کہا۔ "شوہر مجازی خدا ہوتا ہے' تمہیں اس کا پابند ہونا ہو گا البتہ اگر تم نے شوہر کا دل جیت لیا' اس کا اعتماد حاصل کر لیا تو پھر شوہر کی اجازت سے تم اپنا ہر شوق پورا کر سکتی ہو۔"

"یہ تو سراسر غلامی ہوئی۔"

"یہ غلامی نہیں عبادت ہے۔" کرنل سرفراز نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔ "میں تمہاری شادی کسی ایسے گھرانے میں بھی طے کر سکتا تھا جو اس ماحول سے مطابقت رکھتا جس میں تم نے آنکھ کھولی ہے' پرورش پائی ہے' پروان چڑھی ہو لیکن میں اپنے مرحوم دوست کو زبان دے چکا تھا اس کے علاوہ بیگم سجاد کا گھرانہ سارے الہ آباد میں سب سے زیادہ پُروقار اور شریف گھرانہ سمجھا جاتا ہے' مجھے یقین ہے کہ اگر تم نے خود کو حالات کے سانچوں میں ڈھال لیا تو نہایت آرام و آسائش سے زندگی گزارو گی۔ وہاں تمہیں کسی گھٹن کا احساس نہیں ہو گا۔"

"او۔ کے ڈیڈی....." فرزین نے بے دلی سے کہا پھر اٹھ کر اندر چلی گئی۔

شہلا ڈرائنگ روم میں ایک انگریزی رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ فرزین کو دیکھ کر اس نے رسالہ ایک طرف ڈال دیا پھر اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا رہا..... انکل نے دے دی اجازت؟"

"اجازت کے ساتھ ساتھ آئندہ کے لئے کچھ بندشیں بھی عائد کر دی ہیں۔" فرزین نے تھکے ہوئے انداز میں خود کو ایک صوفے پر گراتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھی نہیں..... بندشوں سے تمہاری کیا مراد ہے۔"

"مسز سجاد کا گھرانہ انتہائی دقیانوسی اور بیک ورڈ واقع ہوا ہے اس لئے اب مجھے بھی وہی طور پر طریقے اپنانے ہوں گے۔"

"اس گھرانے کے بارے میں تم یا تمہارے ڈیڈی بہتر جانتے ہوں گے۔ ویسے میں اتنا ضرور کہوں گی کہ فراز بہت سوئیٹ اور گریس فل پرسنالٹی کا مالک ہے۔" شہلا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "لیکن اگر اس نے تم کو اپنی عالیشان کوٹھی کے اندر قید کر دیا تو یہ تمہارے ساتھ ظلم ہو گا۔"

"میرا اپنا بھی یہی خیال ہے لیکن ڈیڈی کے سامنے زبان نہیں کھول سکتی۔"

"وہائی نوٹ....." شہلا سنجیدہ ہو گئی۔ "یہ تمہاری اپنی زندگی کا مسئلہ ہے اس لئے تمہیں بولنے کا پورا پورا اختیار ہونا چاہئے ورنہ پھر تم میں اور اس بے زبان جانور میں کیا فرق رہ جائے گا جسے قربانی کے لئے منڈی میں لا کر فروخت کر دیا جاتا ہے۔"

"یہ ہماری مشرقی تہذیب ہے۔" فرزین نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔ "اس میں عورت کو محکوم اور مرد کو حاکم سمجھا جاتا ہے۔"

"نان سنس۔" شہلا نے کڑوا سا منہ بنا کر کہا۔ "اسی لئے تو میں شادی کے تصور ہی سے خوف کھاتی ہوں' ڈیڈی نے جب بھی اس مسئلے کو اٹھانے کی کوشش کی' میں نے سختی سے انکار کر دیا۔"

"تمہاری بات اور ہے شہلا۔"

"کیوں..... میری بات اور کیا ہے؟"

"تمہارے ڈیڈی اور ممی اس ماحول میں سانس لے رہے ہیں جس میں تم نے آنکھ کھولی ہے اس لئے خیالات کا توازن یکساں ہے لیکن میرے ساتھ ایسا نہیں ہے۔"

"رائٹ..... میں تمہاری بات مانے لیتی ہوں لیکن انکل تمہارے رشتے کی بات بھی کسی ایسے گھرانے میں کر سکتے تھے جو تمہارے ماحول اور خیالات سے مطابقت رکھتا۔" شہلا نے تیزی سے کہا۔ "فراز کے گھرانے میں ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ اس کے علاوہ تمہارے لئے کسی اور خاندان کا انتخاب نہیں کیا جا سکتا تھا۔"

"لیو اٹ۔" فرزین اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔ "جو ہونا تھا ہو چکا..... جو ہو گا دیکھا جائے گا' فی الحال ان فضول باتوں میں وقت کیوں برباد کیا جائے۔"

"کیا مطلب.....؟" شہلا نے حیرت سے پوچھا۔ "کیا تم زندگی کے ساتھ اتنا بڑا جوا کرنے کو آمادہ ہو' فلش میں بلائنڈ کرنا اور بات ہے لیکن شادی تو پوری زندگی کا مسئلہ

ہے' اسے آنکھ بند کر کے طے نہیں کیا جا سکتا۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو لیکن میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ ڈیڈی کے سامنے میں زبان نہیں کھول سکتی۔" فرزین نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اب بتاؤ..... اس شادی سے انکار کی اور کیا صورت ممکن ہے۔"

"تم آمادہ ہو تو ہزار راستے نکل سکتے ہیں۔"

"مثلاً....."

"مثلاً یہ کہ تم فراز سے مل کر صاف صاف کہہ سکتی ہو کہ تمہیں یہ رشتہ نامنظور ہے اور اگر یہ شادی ہوئی تو تم اس ماحول میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤ گی جسے وہ اپنی فرسودہ تہذیب کا تاج محل سمجھتے ہیں۔"

"میرے لئے فراز کے سامنے بھی زبان کھولنا مشکل ہے۔" فرزین نے اس بار خوابیدہ لہجے میں کہا۔

"وہ کیوں.....؟"

"اس لئے کہ تم خود بھی ابھی اس بات کا اقرار کر چکی ہو کر فراز بڑے سوئیٹ اور گریس فل پرسنالٹی کے مالک ہیں۔" فرزین نے اپنے ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے جواب دیا..... "ان کے سامنے جا کر تو میں ایسا محسوس کرتی ہوں جیسے کسی نے مجھے سحرزدہ کر دیا ہو۔"

"اوہ..... گویا جناب کو فراز سے عشق ہو گیا ہے۔"

"شاید ایسا ہی ہو....." فرزین آہستہ سے بولی۔

"اگر ایسا ہے تو میں اسے زندگی کی سب سے بڑی حماقت کہوں گی۔" شہلا تلملا کر بولی۔

"ہو سکتا ہے تم ٹھیک کہہ رہی ہو..... لیکن کبھی کبھی ایسی حماقت کرنے کو دل مجبور کر دیتا ہے۔" فرزین نے مسکرا کر کہا۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟"

"میرا خیال صرف اتنا ہے کہ تمہیں فوری طور پر کسی برین اسپیشلسٹ سے مل کر اپنے ذہنی فتور کا علاج کرانا چاہئے' ورنہ اگر یہ مرض بڑھ گیا ہے تو پھر کسی کام کی نہ رہو گی۔"

فرزین نے شہلا کو غور سے دیکھا' کہا کچھ نہیں' مسکرا کر رہ گئی۔

ملازم نے آ کر بتایا کہ چائے لگا دی گئی ہے تو وہ شہلا کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھانے کے

کمرے میں لے گئی' چائے پینے کے دوران بھی دونوں بے تکلف سہیلیوں کے درمیان فراز کی باتیں ہوتی رہیں۔ فرزین کو شہلا کی جلی کٹی باتوں پر لطف محسوس ہو رہا تھا' شہلا جھلا گئی تو چائے ختم کر کے یہ کہتی ہوئی اٹھ گئی..... "میری طرف سے جہنم میں جاؤ..... لیکن پکچر کے لئے وقت پر تیار ہو جانا' میں گاڑی لے کر ٹھیک وقت پر آجاؤں گی۔"

فرزین اسے چھوڑنے کے لئے دروازے تک آئی تھی' جب شہلا چلی گئی تو وہ مسکراتی' گنگناتی اپنے کمرے میں آکر لباس تبدیل کرنے لگی' فراز کے حسین تصور نے نہ جانے اسے کن خوبصورت وادیوں میں پہنچا دیا تھا.....!

☆======☆======☆

فراز کی شادی میں صرف ایک ہفتہ باقی رہ گیا تھا اس لئے ناہید کی مصروفیات بھی پہلے سے دوچند ہو گئی تھیں۔ شازیہ اور محسن نے آج کل اسی گھر میں ڈیرہ جمالیا تھا اس لئے ہر وقت گھر میں ہنگامے گونجتے رہتے تھے' شہناز آجاتی تو شازیہ اور اس کے قہقہے اُبلنے لگتے تھے' محسن علی اور فراز ہر وقت ایک ساتھ نظر آتے تھے' ابھی مراثنوں کی نوبت نہیں آئی تھی لیکن شازیہ نے ان کی کمی بھی پوری کر دی تھی' وہ روزانہ شہناز یا کسی اور سہیلی کو جاکر ساتھ لے آتی تھی اور پھر رات گئے تک گانے بجانے اور دھما چوکڑی کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔

ناہید کبھی ساس کا خیال رکھتی اور کبھی مہمانوں کی خاطر تواضع میں مصروف ہو جاتی اس کے علاوہ بھی سینکڑوں کام ہوتے تھے جن میں وہ شب و روز الجھی رہتی تھی۔ بیگم سجاد کی صحت پہلے کے مقابلے میں زیادہ بہتر نظر آتی تھی۔ غالباً اولاد کے سر پر سہرا دیکھنے کی تمنا نے انہیں سنبھالا دے رکھا تھا لیکن ان خوشیوں اور مسرتوں کے ہنگاموں میں اکثر وہ منصور کو یاد کر کے ملول بھی ہو جاتی تھیں مگر اس بات کا خیال بھی ان کے مانع رہتا کہ کہیں ان کی ممتا بھری نگاہوں میں چھلک اٹھنے والے آنسو ناہید کے دل کو بھی ٹھیس نہ پہنچا دیں۔ اس وقت بھی وہ اپنے کمرے میں لیٹی منصور کے تصور میں اشک بداماں تھیں کہ باہر سے ناہید کی آواز سنائی دی اور انہوں نے جلدی سے آنسوؤں کو دوپٹے کے پلو میں جذب کر لیا۔

ناہید انہیں دوا پلانے آئی تھی۔ دوا پلا کر جانے لگی تو بیگم سجاد نے اسے بڑے پیار سے روکتے ہوئے کہا۔

"کچھ ذمہ داریاں ملازموں کو بھی سونپ دو ناہید بیٹی' اس طرح دن رات کاموں میں الجھی رہو گی تو تمہاری صحت بھی خدانخواستہ خراب ہو جائے گی۔"

"سارے کام کاج تو ملازم ہی کرتے ہیں امی حضور' میں تو صرف دیکھ بھال کر لیتی ہوں۔" ناہید نے نہایت معصومیت سے جواب دیا۔

"یہ تمہاری لیاقت اور شرافت ہے بیٹی جو تم ایسا کہہ رہی ہو' ورنہ میں کیا نہیں دیکھتی کہ تمہیں دو گھڑی کا آرام بھی میسر نہیں آرہا' جب دیکھو کسی نہ کسی کام میں الجھی رہتی ہو....." بیگم سجاد نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "تمہاری جگہ اگر میری اپنی کوئی لڑکی ہوتی تو شاید وہ بھی اتنی ڈھیر ساری ذمہ داریوں سے اکتا جاتی۔"

"کیا میں آپ کی بیٹی نہیں ہوں....." ناہید نے ساس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑی سادگی سے پوچھا۔

"کیوں نہیں ہو۔" بیگم سجاد بولیں۔ "خدا شاہد ہے کہ میں نے تمہیں کبھی اپنی اولاد سے کم نہیں سمجھا۔"

"پھر..... آپ ایسی باتیں کیوں کرتی ہیں۔" ناہید نے کہا۔ "فراز کی شادی میں اب دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ خدا سے دعا کیجئے کہ فراز کی شادی خیر و خوبی سے ہو جائے' اس کے بعد تو آرام ہی آرام ہو گا۔"

"میرے دل سے تو ہر وقت یہی دعا نکلتی ہے کہ خدا کرے فرزانہ بھی تمہاری جیسی نیک' شریف اور سلیقہ شعار ثابت ہو اور فراز کو زندگی کا سکھ چین نصیب ہو لیکن غیب کا حال تو صرف خدا کو معلوم ہے۔"

"آپ فکر نہ کیجئے امی حضور' مجھے یقین ہے کہ فرزین ہر اعتبار سے فراز کے لئے ایک بہترین رفیق ثابت ہو گی۔"

"خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔" بیگم سجاد نے ناہید کو سنجیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا پھر بولیں۔ "یہ فراز آج کہاں ہے' صبح سے دکھائی نہیں دیا۔"

"محسن بھائی اور شازیہ کے ساتھ صبح سے بازار گئے ہوئے ہیں۔" ناہید نے کہا۔ "غالباً محسن بھائی اور شازیہ فراز کی مرضی سے ان کی شادی کے لئے کوئی تحفہ خریدنا چاہتے ہیں۔"

"جبھی آج گانے بجانے کی آواز بھی نہیں آرہی ..... شازیہ کے آجانے سے تو اچھی خاصی رونق آگئی ہے۔" بیگم سجاد بولیں۔ "بڑی محبت کرنے والی لڑکی ہے' خدا نے

اس کی اور محسن میاں کی جوڑی بھی بڑی اچھی بنائی ہے' دونوں ہی بڑے ملنسار اور زندہ دل واقع ہوئے ہیں۔"

"آپ کا خیال درست ہے امی حضور۔" ناہید مسکرا کر بولی۔ "طبیعتوں کی یکسانیت اور درگزر کے جذبے نے واقعی ان دونوں کو مثالی بنا دیا ہے۔"

"محسن میاں اور فراز میں بھی بہت گاڑھی چھنتی ہے۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "میں تو ان دونوں کی باتیں سن سن کر ہی ہنستی رہتی ہوں..... فراز کے تو جو دل میں آتا ہے بک دیتا ہے لیکن محسن میاں نے کبھی اس کی بات کا برا نہیں منایا۔"

"اچھا..... اب آپ آرام کیجئے۔ میں ذرا خانساماں سے دوپہر کے کھانے کے بارے میں دریافت کر لوں۔" ناہید نے کہا۔ "محسن بھائی اور فراز آتے ہی کھانے کا نعرہ بلند کریں گے۔"

"فراز آجائے تو اسے ذرا میرے پاس بھیج دینا۔ مجھے اس سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"جی اچھا....." ناہید نے بڑی سعادت مندی سے جواب دیا۔

"اور ہاں..... اب تو فراز تمہیں زیادہ تنگ نہیں کرتا۔" بیگم سجاد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بالکل نہیں..... رہا دیور بھابی کا مذاق تو وہ چلتا رہتا ہے۔" ناہید نے بڑے پیار سے کہا پھر ساس کو آرام کرنے کی تلقین کرتے ہوئے ان کے کمرے سے باہر آگئی۔

دوپہر کو محسن اور فراز وغیرہ تحفوں سے لدے پھندے واپس لوٹے تو محسن نے صوفے سے کمر ٹکاتے ہی کھانے کا شور کر دیا اور جب تک کھانا میز پر نہیں آگیا وہ برابر شور کرتے رہے' کھانے کے دوران حسب معمول فراز اور شازیہ نے مل کر محسن کو اپنے مذاق کا ہدف بنا رکھا تھا لیکن محسن علی نے ایک دفعہ بھی پلٹ کر ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دی' نہایت سنجیدگی اور انہماک سے پلیٹیں صاف کرنے میں مصروف رہے' جب پیٹ بھر کر کھا چکے تو بڑی معصومیت سے شازیہ اور فراز کی جانب دیکھ کر بولے۔

"آپ لوگ غالباً ابھی کچھ فرما رہے تھے....."

"آپ کا سر....." فراز غصے سے بولے۔

"درست فرمایا آپ نے..... میرے سر میں چونکہ آپ لوگوں کی حماقت بھری باتیں سن کر درد ہونے لگا ہے اس لئے فی الحال میں آرام کے موڈ میں ہوں۔" محسن علی

نے کہا پھر بڑی لاپرواہی سے اٹھے اور پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فراز کے کمرے کی سمت چلے گئے۔ اس لئے کہ وہ اور فراز ایک ہی کمرے میں رہتے تھے۔

ناہید اور شازیہ نے مل کر جلدی جلدی باقی کاموں کو نپٹایا پھر کچھ دیر آرام کرنے کی غرض سے اپنے کمرے میں آگئیں۔ شازیہ بستر پر لیٹ کر ناہید کو ان چیزوں اور تحفوں کی تفصیل بتانے لگی جو آج خریدے گئے تھے۔ ناہید آنکھیں بند کئے ہوں۔ ہاں کرتی رہی' شازیہ نے اسے نیند میں ڈوبا دیکھا تو کچھ سوچ کر ایک لمحے کو چپ ہوئی پھر اس نے ناہید کو اچانک بڑے بھرپور انداز میں لپٹایا تو ناہید نے آنکھیں کھول کر اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"یہ کیا وحشت ہے....."

"وحشت نہیں' اسے محبت کہتے ہیں۔" شازیہ نے اپنے ہاتھوں کے حلقے کو تنگ کرتے ہوئے بڑے ہی رومانی انداز میں کہا۔

"باز آجا شازیہ....." ناہید نے جھلا کر کہا۔ "کچھ دیر آرام کر لینے دے ورنہ شام ہوتے ہی پھر کام کاج کی مصروفیت سے سر اٹھانے کا موقع نہیں ملے گا۔"

"مجھے محسن کے بغیر نیند نہیں آرہی اس لئے....."

"خدا سمجھے تجھ سے۔" ناہید نے شرماتے ہوئے شازیہ کا ہاتھ جھٹک کر علیحدہ کیا پھر دوسری طرف کروٹ بدل لی تو شازیہ مسکراتی رہی پھر اس نے بھی سونے کے ارادے سے آنکھیں موند لیں۔

شام کو اس کی آنکھ دیر سے کھلی' گھڑی پر نظر ڈالی تو پانچ بج رہے تھے۔ شازیہ ابھی تک لمبی تانے محو خواب تھی' اس نے اٹھ کر جلدی جلدی منہ ہاتھ دھویا' کپڑے بدلے اور بالوں کو سنوارتی باہر آگئی' فراز کے کمرے سے پُرزور قہقہے بلند ہو رہے تھے۔ وہ سیدھی باورچی خانے میں گئی' چائے تیار کر کے مردانے میں بھجوائی پھر ساس کے لئے چائے کی ٹرے لئے ان کے کمرے میں گئی تو وہ بیٹھی بوا سروری سے باتیں کر رہی تھیں' چہرہ خاصا ہشاش بشاش نظر آرہا تھا' وہ نہایت ادب سے سلام کر کے ان کے قریب بیٹھ گئی اور چائے بنانے لگی۔

چائے کے اہتمام سے فراغت پا کر وہ یونہی ٹہلتی ہوئی باہر لان پر آگئی' سورج کی آخری کرنیں یوکلپٹس کے درخت کو آخری بوسہ دے رہی تھیں' بوڑھا مالی کیاری میں لگے مہکتے پودوں کو پانی دینے میں مصروف تھا' بڑا ہی خوبصورت موسم تھا' کچھ دیر سبزے پر ٹہلنے

کے بعد اس کی کسلمندی دور ہو گئی۔ دیر تک سونے سے سر میں جو بھاری پن پیدا ہو گیا تھا وہ بھی دور ہو گیا' تازہ ہوا کے فرحت بخش جھونکوں نے اس کی طبیعت پر بڑا خوشگوار اثر ڈالا تھا۔ سبزے سے ہٹ کر وہ پکے چبوترے پر آئی تو نجو سامنے آگئی۔ آج بھی وہ بے حد مسرور نظر آرہی تھی۔

"سنا نجو..... کیا رہا تیرا۔" اس نے یونہی پوچھ لیا۔ "مالی بابا نے کوئی بات پکی کی یا نہیں۔"

"بابا نے تو کچھ بتایا نہیں۔لیکن....." نجو کہتے کہتے شرما کر چپ ہو گئی۔

"لیکن کیا....." اس نے نجو کو کریدا۔

"ماسی آئی تھی دوپہر کو..... وہ بتا رہی تھی اگلے مہینے کی دس..... دس تاریخ طے ہوئی ہے۔" نجو نے لجا کر کہا پھر منہ پر ہاتھ رکھ کر دوبارہ اپنے کوارٹر کی سمت بھاگ گئی' خوشیاں تو جیسے..... اس کے انگ انگ سے پھوٹی پڑ رہی تھیں۔

وہ چبوترے پر کھڑی نجو کو دیکھتی رہی پھر اندر جانے کے لئے پلٹی ہی تھی کہ ہارن کی آواز سن کر چونک اٹھی' پلٹ کر دیکھا تو شہناز اور نرجس گاڑی سے اتر رہی تھیں' وہ قدم بڑھاتی ان کے استقبال کے لئے گاڑی کے قریب آگئی' نرجس آج بہت دنوں بعد آئی تھی۔ وہیں کھڑے کھڑے وہ نرجس سے چچا اور چچی کے بارے میں پوچھنے لگی پھر بڑے پیار سے انہیں اندر لے آئی' شازیہ سامنے بیٹھی چائے پی رہی تھی۔

"کب اٹھیں تم....." ناہید نے مسکراتے ہوئے دریافت کیا۔

"کیا مطلب.....؟" شہناز نے شازیہ کو چھیڑتے ہوئے کہا۔ "کیا اب دن کو بھی اپنے دولہا کے پاس گھس رہتی ہیں۔"

"کیوں..... تجھے کس لئے چبھن ہو رہی ہے۔" شازیہ تڑاق سے بولی۔ "اپنے خصم کو تو دنگا فساد کر کے سات سمندر پار بھیج دیا اور اب دوسروں کو تاکتی پھر رہی ہیں۔"

"کہہ لو بی بی ..... کبھی ہمارا موقع بھی آئے گا۔ جب پوچھوں گی۔" شہناز نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"مجھے بھی یہی دیکھنا ہے میری بنو کہ بلی کے بھاگوں چھینکا کب ٹوٹتا ہے۔"

"خدا سمجھے تم دونوں سے۔" ناہید مسکرا کر بولی۔ "دو گھڑی سنجیدگی سے نہیں بیٹھ سکتیں' جہاں ملیں ایک دوسرے سے اور شروع ہو گئی دانتا کل کل۔"

"ذرا سننا شہناز۔" شازیہ نے حیرت سے کہا۔ "یہ بوا ناہید بھی اب بالغوں جیسی

زبان بولنا سیکھ گئی ہیں۔"

"ساس کا رنگ اختیار کر رہی ہیں شاید۔" شہناز بولی۔

"چپ رہ شہناز کی بچی۔" ناہید نے اسے جلدی سے ٹوکا۔ "امی حضور کا کمرہ برابر ہی میں ہے۔"

"میں ان کو سلام کر کے ابھی آئی۔" نرجس نے کہا پھر بیگم سجاد کے کمرے میں چلی گئی تو ناہید شہناز کے لئے ملازم کو چائے کی ہدایت کرنے کے لئے باورچی خانے میں چلی گئی۔

"اور سناؤ..... اب کیا حال ہے تمہارے شہزادہ سلیم صاحب کا۔" شازیہ نے چائے ختم کرتے ہوئے پوچھا۔ "کب تک واپس آرہے ہیں۔"

"ان کی واپسی تو مشکل ہے البتہ میں بھیجی جا رہی ہوں ان کے پاس۔"

"کیا مطلب.....؟"

"مطب تو ابھی نہیں معلوم لیکن اتنا ضرور سنا ہے کہ انہیں ایک سال کے لئے جلا وطن کیا گیا ہے اور اس عرصے میں ان کی واپسی ناممکن ہے۔"

"اور تُو ہے کہ اس بے وفا کے بغیر کانٹوں پر لوٹ رہی ہے۔" شازیہ نے بھناتے ہوئے جواب دیا۔ "جب وہ تجھے ساتھ لے کر نہیں گئے تو تیرے جانے کی کیا ضرورت ہے' وہ تو یہی سوچیں گے' بیگم صاحب ایک مہینہ بھی نہیں گزار سکیں میرے بغیر اور دوڑی دوڑی چلی آئیں۔ میری مان تو اس وقت تک کے لئے اپنے جانے کا ارادہ ترک کر دے' جب تک سلیم خود تجھے لینے نہیں آتے یا اپنے پاس بلانے کا اصرار نہیں کرتے۔"

"سوچا تو میں نے بھی یہی تھا لیکن پھر خیال بدل دیا۔"

"وہ کیوں....."

"تم نہیں جانتیں سلیم کو..... انہیں زیادہ دنوں کے لئے اگر لندن جیسی جگہ پر بے لگام چھوڑ دیا گیا تو وہ کوئی اور کر لیں گے۔"

"اوہ..... گویا تُو جا رہی ہے میاں کی نکیل بن کر۔" شازیہ بولی۔ "تیری جگہ میں ہوتی تو ایسی صورت میں ہرگز نہ جاتی اور جس دن اس خبر کی تصدیق ہو جاتی کہ اس نے کوئی اور کر لی ہے' اس روز میں بھی یہاں کسی معقول آدمی کا ہاتھ تھام کر بیٹھ رہتی۔"

"تیری بات اور ہے لیکن میں....." شہناز اپنا جملہ مکمل نہ کر سکی۔ فراز اور محسن کو غالباً شہناز اور نرجس کی آمد کی اطلاع ہو گئی تھی اس لئے وہ بھی زنانخانے میں

آگئے اور ابھی ان کے درمیان گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا تھا کہ ناہید بھی واپس آگئی۔ "آپ تنہا کیسے نظر آرہی ہیں۔" محسن نے شہناز سے پوچھا۔ "میں نے تو سنا تھا کہ نرجس بھی ساتھ آئی ہے۔"

"آپ نے غلط نہیں سنا۔" شہناز بولی۔ "نرجس ذرا امی حضور کو سلام کرنے گئی ہے۔"

"اور کچھ سنا آپ نے....." شازیہ نے شوہر کو مخاطب کرتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "شہناز بتا رہی ہیں کہ ان کے شوہر شہزادہ سلیم نے لندن میں کسی گوری چٹی میم سے شادی رچالی ہے اور اب یہ تشریف لے جا رہی ہیں وہاں شوہر کے قدموں میں بیٹھ کر ٹسوے بہانے کے لئے۔"

"کیوں شہناز بہن....." محسن نے چونک کر شہناز کی طرف دیکھا تو وہ مسکرا دی۔

"تعجب ہے محسن بھائی کہ آپ ابھی تک شازیہ کو نہیں سمجھ سکے۔ یہ تو ڈومنی ہے ڈومنی' جو منہ میں آتا ہے بک دیتی ہے۔"

"لیکن آخر یہ بات شروع کس طرح ہوئی تھی۔" فراز نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے صرف اتنا کہا تھا کہ میں بھی لندن جانے کی سوچ رہی ہوں۔" شہناز بدستور مسکراتے ہوئے بولی۔

"اور یہ کس نے کہا تھا کہ اگر میں نہ گئی تو وہ دوسری کر لیں گے۔" شازیہ نے نہایت سنجیدگی سے شہناز کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"وہ تو میں نے یونہی ایک امکانی بات کہہ دی تھی۔" شہناز نے جواب دیا۔ "یہ کب کہا تھا کہ وہ کسی گوری چٹی میم کو گھر بٹھا چکے ہیں۔"

"اور اگر سچ مچ بٹھا ہی لیا ہو تو تم وہاں جا کر کیا کر لو گی۔" شازیہ نے بڑی بوڑھیوں جیسے انداز میں کہا۔ "میرے منہ نہ لگنا بی بی۔ اس سے جا کر باتیں بناؤ جو تمہیں جانتا نہ ہو۔"

"سن رہے ہیں فراز بھائی آپ اس کی باتیں۔" شہناز نے مسکراتے ہوئے فراز کو مخاطب کیا۔

"واہ بوا واہ....." شازیہ تیزی سے بولی۔ "تمہاری تو وہی مثل ہے کہ چت بھی اپنی پٹ بھی اپنی..... فراز آگئے تو کیسی چالاکی سے فراز بھائی بنا لیا اور فراز کے آنے

سے پہلے یہ کون کہہ رہا تھا کہ فراز کو قسمت سے چاند جیسی دلہن جڑ رہی ہے ورنہ یہ فرزین کے قابل نہ تھے۔"

"وہ..... یہ میں نے کب کہا تھا۔" شہناز نے گھبرائے ہوئے انداز میں صفائی پیش کرتے ہوئے کہا۔ "شازیہ کی بچی..... کچھ تو خدا کے غضب سے ڈرا کر۔"

"آپ بھی کس کی باتوں میں آرہی ہیں۔" محسن نے شہناز کو پریشان دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا۔ "یہ تو مذاق کر رہی ہیں۔"

"میں تو خیر مذاق کر رہی ہوں لیکن یہ آپ کس مد میں میری موجودگی میں دوسری عورتوں سے سنجیدہ ہونے کی مشق فرما رہے ہیں؟" شازیہ نے پلٹ کر محسن کو گھورا تو وہ گڑ بڑا گئے۔

"ارے..... ارے..... میں نے تو یونہی درمیان میں ایک بات کہہ دی تھی۔" محسن نے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا تو شہناز نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"آخر آپ اس قدر ڈرتے کیوں ہیں شازیہ سے۔ اگر بیوی کا اتنا ہی خوف ہے تو آئندہ سے اکیلے میں بات کیا کیجئے گا۔"

"کیا مطلب.....؟" شازیہ آستین چڑھاتے ہوئے اٹھی۔ "تم میرے اکلوتے میاں سے تنہائی میں باتیں کرو گی۔"

"مجھے کیا غرض پڑی ہے۔ ہاں اگر محسن صاحب خود سے چاہیں گے باتیں کرنا تو میں انکار بھی نہیں کروں گی۔" شہناز نے آخری جملہ کچھ اس انداز میں محسن علی کی جانب دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا کہ محسن سچ مچ سٹپٹا کر رہ گئے۔

"اور محسن چاہتے بھی یہی ہیں۔" فراز نے شازیہ کو چڑھانے کی خاطر کہا۔ "ابھی پرسوں ہی کی بات ہے جب یہ میرے ساتھ لان پر بیٹھے شہناز بہن کی جامہ زیبی کے سلسلے میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہے تھے اور خدا جانے کیا کیا قصیدے گنگنا رہے تھے۔"

"اور شہناز نے بھی آج گاڑی سے اترتے ہی سب سے پہلے مجھ سے یہی دریافت کیا تھا کہ محسن بھائی گھر پر ہیں یا نہیں۔" ناہید فراز کا ساتھ دیتے ہوئے بولی۔

"ناہید بہن۔ خدا کے لئے آپ تو ایسا مذاق نہ کریں ورنہ یہ آپ کی پڑوسن حقیقتاً میرا ناطقہ بند کر دیں گی۔" محسن علی نے بڑے معصوم انداز میں ناہید سے درخواست کی تھی۔

"تم ہو اسی قابل کہ تمہارے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر رکھا جائے۔" فراز بولے۔ "میں تو تمہیں صرف کھانے کے معاملے میں ندیدہ سمجھ رہا تھا لیکن اب تو تم نے دوسرے معاملات میں بھی گھٹیا پن کا مظاہرہ شروع کر دیا ہے۔ لعنت ہے ایسے شخص پر جو اپنی اچھی خاصی خوبصورت' حسین اور سلیقہ شعار بیوی کے ہوتے اِدھر اُدھر بھی تاک جھانک کرتا پھرے۔"

محسن علی نے تنگ آکر ہاتھ جوڑ دیئے تو شازیہ بھی بے اختیار ہنس پڑی۔ کچھ دیر تک اسی قسم کی دلچسپ باتیں ہوتی رہیں پھر محسن اور فراز اٹھ کر باہر چلے گئے تو بوا سروری نے ڈھولک لا کر شازیہ کے سامنے رکھ دی' نرجس بیگم سجاد کے کمرے سے واپس آئی تو سب سے مل جا کر ڈھولک کی تھاپ پر شادی بیاہ کے گیت شروع کر دیئے اور رات گئے تک یہ ہنگامہ جاری رہا۔

☆======☆======☆

قصرِ سجاد آج پھر بقعہ نور بنا ہوا ہے۔ وسیع لان پر اجلی کرسیوں اور صوفوں کی قطار بڑے سلیقے سے جمائی گئی ہے' خواجہ رشید الدین کو برات کی واپسی کا انتظار ہے' اور زنان خانے میں بوا سروری ملازموں کو ضروری ہدایات دیتی پھر رہی ہیں۔ باہر خواجہ صاحب اپنی ٹولی اور کچھ مہمانوں کے درمیان کھڑے بار بار اپنی دستی گھڑی پر نظر ڈال رہے ہیں۔

اچانک دور سے گاڑیوں کی قطار نظر آئی تو "برات آگئی" کا شور بلند ہونے لگا۔ دروازے کے باہر موجود بینڈ جاگ اٹھا اور فضا نغموں کی مسحور کن دھن کی آواز سے گونجنے لگی' دولہا کی سجی ہوئی گاڑی سب سے آگے تھی' ملازموں نے بڑھ کر جلدی سے پورا پھاٹک کھول دیا' اندر جو خواتین موجود تھیں' دروازے کے پاس آکر جمع ہو گئیں۔

دولہا کی گاڑی کوٹھی کے اندر آکر رکی تو خواجہ صاحب نے لپک کر گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ سب سے پہلے فراز سہرا باندھے ہوئے نیچے اترے پھر انھوں نے ماں کو سہارا دے کر پچھلی سیٹ سے باہر اتارا' فرزین عروسی لباس میں ملبوس بدستور گھونگھٹ میں سر جھکائے بیٹھی تھی' اس کے برابر میں ناہید تھی' جس نے نئی نویلی دلہن کو دونوں ہاتھوں سے تھام رکھا تھا' فراز نے بڑھ کر اس کی جانب کا دروازہ کھولا تو ناہید فرزین کو لئے نیچے اتری اور اسی لمحے شوخ وشنگ لڑکیوں کے جھرمٹ نے آکر فراز اور فرزین کو اپنے گھیرے میں لے لیا۔ شہناز اور شازیہ آگے آگے تھیں۔ باہر بینڈ کی نغمہ سرائی تیز ہونے لگی تھی۔

"فراز بیٹے ....." بیگم سجاد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "دلہن کو گود میں اٹھا کر اندر لے چلو۔"

فراز ماں کی ہدایت پاکر آگے بڑھے تو شازیہ اور شہناز نے آگے بڑھ کر ان کا راستہ روک لیا' دو ایک اور لڑکیاں بھی قریب آگئیں۔

"اب اتنے بھولے بھی نہ بنئے فراز بھائی۔" شازیہ شوخی سے بولی۔ "اس طرح تو ہم آپ کو دلہن کو ہاتھ بھی نہ لگانے دیں گے۔"

"کیسے معصوم بن کر چلے تھے دلہن کو گود میں اٹھانے کے لئے۔" شہناز نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "جب تک ہمارا نیگ نہیں ملے گا ہم کباب میں ہڈی بنے رہیں گے۔"

ناہید پھولوں سے لدی پھندی دلہن کو پکڑے کھڑی بڑے ہی دل آویز انداز میں مسکرا رہی تھی' بیگم سجاد نے آگے بڑھ کر بٹوے سے ایک سو ایک روپے نکال کر شازیہ کو دیئے تو شازیہ نے بڑے ادب سے جھک کر سلام کیا لیکن شہناز بول پڑی۔

"واہ خالہ جان۔ آپ نے تو بس ایک سو ایک روپے میں ٹال دیا۔ ہم تو پانچ سو سے ایک کوڑی کم نہیں لیں گے۔"

"ایک سو ایک روپے میں تو دلہن کے سہرے کی ایک لڑی بھی بہت سستی ہے۔" ایک دوسری لڑکی نے احتجاج کیا۔

"آپ چاہیں تو نیگ کے طور پر مجھے قبول کرلیں۔" فراز نے احتجاج کرنے والی لڑکی سے کہا تو وہ شرم سے دوہری ہو گئی۔

"اب آپ ہمارے کس کام کے۔" شہناز تیزی سے بولی۔ "پہلے کہا ہوتا تو اور بات تھی۔"

بیگم سجاد نے دوبارہ بٹوہ کھولا اور سو سو کے مزید چار نوٹ نکال کر شازیہ کے حوالے کئے تو تمام لڑکیاں ہنستی مسکراتی دولہا دلہن کے درمیان سے ہٹ گئیں' فراز نے ایک نظر ناہید پر ڈالی پھر آگے بڑھ کر دلہن کو گود میں اٹھالیا۔

"ذرا سنبھل کر فراز بھائی۔" شہناز نے آہستہ سے فراز کے قریب آتے ہوئے کہا۔ "کہیں بندش کمزور پاکر بھاگ نہ لیں۔"

"ذرا دلہن تو دیکھو' کیسے لگاؤ سے دولہا کے سر سے سر جوڑ رکھا ہے۔" لڑکیوں کے جھرمٹ سے آواز آئی۔ "ابھی سے شروع کر دی کانا پھوسی۔" دوسری لڑکی نے کہا۔

"اور ذرا دولہا پر بھی ایک نظر ہو۔" تیسری لڑکی بولی۔ "کیسے چاؤ سے سینے سے لگا رکھا ہے پھولوں کی گٹھری کو۔"

"اے بی بی تمہیں کیوں بُرا لگ رہا ہے۔" ایک اور لڑکی نے تیسری سے کہا۔ "جب تمہاری باری آئے گی تو تم بھی اپنے دل کے ارمان پورے کر لینا۔"

اور فراز قہقہوں کے درمیان قدم اٹھاتے اندر آگئے' ناہید' شازیہ' شہناز اور نرجس ان کے ساتھ ساتھ تھیں' بوا سروری نے جلدی سے آگے بڑھ کر حجلۂ عروسی کے پٹ کھول دیئے' فراز نے آگے بڑھ کر دلہن کو مسہری کے قریب گود سے اتارا تو نرجس اور شازیہ نے اسے تھام کر آہستہ سے پھولوں کی سیج پر بٹھا دیا' ناہید دلہن کا بھاری غرارہ اور گھونگھٹ درست کرنے لگی تو فراز آہستہ سے پلٹ کر باہر نکلے اور مردانے میں آگئے جہاں محسن علی اور ان کے دوسرے بے تکلف دوست موجود تھے۔ محسن علی نے فراز کو دیکھتے ہی بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"انتہائی حماقت کا ثبوت دیا تھا آپ نے دلہن کو گود میں اٹھا کر اور وہ بھی اس طرح کہ وہ بے چاری لٹک کر رہ گئی تھی جناب کی پشت پر۔"

"پہلا اتفاق تھا اس لئے چُوک ہو گئی۔" فراز بڑی معصومیت سے بولے۔ "آئندہ خیال رکھوں گا۔"

"چلو معاف کیا۔" محسن نے کہا۔ "لیکن میں نے جو دوسرے مشورے دیئے ہیں ان کا خیال رکھنا۔"

"یہ غلط ہے محسن ....." انور نے جو محسن علی اور فراز کے مشترکہ دوست تھے' جلدی سے کہا۔ "ہمیں بھی تو پتہ چلے کہ تم نے فراز کو کیا کیا مشورے دیئے ہیں۔"

"آپ از راہِ مہربانی اپنی چونچ بند ہی رکھیں۔" محسن نے پلٹ کر انور کو ڈانٹا۔ "بزرگوں کے سامنے بچوں کا زبان کھولنا انتہائی نامناسب بات ہے اور ایسی صورت میں کہ جب آپ خدا کے فضل و کرم سے ابھی تک کنوارے واقع ہوئے ہیں۔"

"گویا آپ مجھے اپنے قیمتی مشوروں اور ذاتی تجربوں سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔" انور مسکراتے ہوئے بولے۔

"فی الحال یہی سمجھ لیجئے۔" محسن نے جیب سے سگریٹ نکال کر جلاتے ہوئے کہا۔ "البتہ جب خدانخواستہ کسی لڑکی کی قسمت آپ کے ساتھ پھوٹنے والی ہو تو آجایئے گا میرے پاس۔ دو چار گُر کی باتیں آپ کے کانوں میں بھی ڈال دوں گا۔"

"ایک مشورہ میں بھی دوں گا جناب کو۔" ترمذی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "گھر پہنچتے ہی بھابی سے اپنی نظر ضرور اتروا لیجئے گا۔ اس لئے کہ خلاف توقع آپ کچھ زیادہ ہی نپے تلے جملے بول رہے ہیں۔"

"آپ بھی بولے۔" محسن نے پلٹ کر ترمذی کو گھورتے ہوئے کہا۔ "اجازت ہو تو سب کی موجودگی میں وہ واقعہ دہرا دوں جو حضور کے ساتھ خسرو باغ میں پیش آیا تھا۔"

"کیوں ترمذی....." فراز نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ "یہ خسرو باغ والا کیا واقعہ ہے؟"

"آپ بھی کس کی باتوں میں آگئے۔" ترمذی نے بات اڑانے کی کوشش کی۔ "یہ پولیس والے تو اپنی ساکھ بنانے کے لئے الٹی سیدھی ہانکتے ہی رہتے ہیں۔"

"میں نہیں مانتا۔" جمشید بولے۔ "محسن علی نے جس وثوق سے خسرو باغ کا حوالہ دیا تھا اس سے یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ کوئی نہ کوئی بات ضرور ہے۔"

"آپ صرف ایک بات کہہ رہے ہیں۔" محسن تیزی سے بولے۔ "ارے جناب' مجھے تو اس پوری کہانی کا علم ہے جس کا انجام....."

"محسن..... محسن....." ترمذی نے جلدی سے جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔ "تم شاید بھول گئے ہو کہ میں تمہیں اور بھابی کو اب کی اتوار کو شام کھانے پر مدعو کر چکا ہوں۔"

"آئی ایم سوری۔" محسن پینترا بدل کر بولے۔ "میں تو ان لوگوں کو محض ایک فرضی کہانی سنا کر محظوظ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"اور اگر میں مسلسل ایک ہفتے کے لئے اپنے یہاں قیام و طعام کی دعوت دوں تو....." جمشید نے محسن کو مخاطب کیا۔

"تو..... تو مجھے سوچنا پڑے گا کہ کہانی کو ایک نیا موڑ دے ڈالوں۔"

اور محسن نے یہ بات اتنے بھولپن اور معصومیت سے کہی تھی کہ سب ہی بے اختیار اس کی اداکاری پر ہنسنے لگے۔ کچھ معزز مہمان گھر جانے کے اٹھ کھڑے ہوئے تھے اس لئے فراز دوستوں کو چھوڑ کر انہیں رخصت کرنے کے لئے چلے گئے۔ ایک ایک کر کے مہمانوں کی واپسی کا سلسلہ جاری ہوا تو فراز کچھ زیادہ ہی مصروف ہو گئے' شیخ حامد حسین اور شیخ الطاف حسین بھی جانے کے لئے اٹھے تو فراز لپک کر ان کے قریب آگئے۔

"خدا تمہیں یہ شادی مبارک کرے فراز میاں۔" الطاف حسین نے فراز کو دعائیں

دیئے ہوئے کہا پھر اندر سے زنانی سواریاں آگئیں تو انہوں نے بڑی گرمجوشی سے رخصتی مصافحہ کیا اور نہایت محبت سے فراز کے سر پر شفقت بھرا ہاتھ پھیرتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔

"میری جانب سے بھی دلی مبارکباد قبول کرو۔" حامد حسین نے فراز کے قریب آتے ہوئے کہا پھر جیب سے ایک سو اکیاون روپے کا چیک نکال کر دیتے ہوئے بولے۔

"یہ میری جانب سے فرزین بٹی کو دے دینا۔"

فراز نے شکریہ ادا کرتے ہوئے چیک جیب میں ڈال لیا پھر انہیں گاڑی میں بٹھانے کے لئے باہر آئے۔

رات گیارہ بجے تک سارے مہمان رخصت ہو گئے صرف محسن علی باقی رہ گئے تو فراز انہیں دوسرے کمرے میں چھوڑ کر اندر آگئے جہاں شازیہ اور شہناز اپنی ٹولی جمائے بیٹھی تھیں' فراز نے وہیں ایک صوفے پر تھکے ہوئے انداز میں بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہے کوئی اللہ کی بندی جو ایک پیالی گرما گرم چائے کی پلا دے۔"

"میں لاتی ہوں چائے۔" ناہید اٹھ کر باورچی خانے کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

"یہ اس وقت چائے کی خواہش کیسے ستا رہی ہے آپ کو۔" شہناز نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بری طرح تھک گیا ہوں مہمانوں کو رخصت کرتے کرتے۔"

"اگر ابھی سے یہ عالم ہے تو بعد میں کیا ہو گا۔" شہناز نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"میرا خیال ہے کہ ایک تھرمس چائے بنوا کر حجلۂ عروسی میں رکھ دی جائے۔" شازیہ بولی۔ "کیا پتہ ادھر بھی تھکن بڑھ گئی ہو۔"

"محسن اپنے کمرے میں جا چکے ہیں۔" فراز نے شازیہ کو گھورتے ہوئے شوخی سے جواب دیا۔ "کہہ رہے تھے کہ آپ کو ذرا جلدی بھیج دیا جائے۔"

"جاؤ بی بی....." شہناز نے ایک سرد آہ بھر کر شازیہ کو مخاطب کیا۔

"شازیہ باجی....." ایک لڑکی نے شرارت بھرے لہجے میں کہا۔ "اگر اجازت ہو تو ایک پیالی چائے محسن بھائی کو بھی بھیج دی جائے۔"

"اجازت ہے۔" شازیہ تڑ سے بولی۔ "لیکن کسی ملازم کے ہاتھ بھجوانا' رات کو محسن کو ذرا کم نظر آتا ہے۔"

"اللہ شازیہ باجی' کیسی باتیں کرتی ہیں آپ۔" لڑکی شرما کر جھینپے انداز میں بولی۔

"میں نے تو آپ کے فائدے کی بات کہی تھی۔"

فراز خاموش بیٹھے مسکراتے رہے' ناہید نے چائے لا کر دی تو انہوں نے پیالی جلدی سے ہونٹوں سے لگالی۔ شازیہ اور شہناز میں چشمک جاری تھی کہ بیگم سجاد آگئیں۔ فراز ماں کے احترام میں اٹھے تو باقی لڑکیاں بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"فراز بیٹے..... رات خاصی بھیگ چکی ہے' کیا سونے کا ارادہ نہیں ہے۔"

"چائے پی رہا تھا امی حضور۔" فراز بڑی معصومیت سے بولے۔

بیگم سجاد فراز کو اپنے کمرے میں جانے کی تاکید کر کے چلی گئیں تو شازیہ نے آگے بڑھ کر فراز کی چٹاچٹ بلائیں لیتے ہوئے بوڑھیوں جیسے انداز میں کہا۔

"جاؤ فراز میاں خدا تمہارا نگہبان' محاذ جنگ کا معاملہ ہے' ذرا ہاتھ پاؤں بچا کے رکھنا' جب تک تمہاری صورت دوبارہ نہیں دیکھ لوں گی دل کو چین نہیں آئے گا' مگر تم فکر مت کرنا' میرے دل میں تمہاری سلامتی کی دعائیں برابر جاری رہیں گی۔"

"میں نے کہا دادی اماں..... بچے کے بازو پر امام ضامن کا روپیہ تو باندھ دو۔" شہناز بسورتے ہوئے بولی۔ "ساتھ خیریت کے واپس آجائے تو مسکینوں میں خیرات کر دینا۔"

فراز کچھ دیر کھڑے شازیہ اور شہناز کی دلچسپ باتیں سنتے رہے پھر خدا حافظ کہہ کر حجلۂ عروسی کی جانب بڑھے تو ناہید بھی ان کے ساتھ ساتھ تھی' شہناز نے جملہ کسا۔

"اے بی ناہید..... یہ تم کہاں چلیں پیچھے پیچھے' کیا کباب میں ہڈی بننے کا ارادہ ہے۔"

ناہید نے پلٹ کر مسکراتی نظروں سے شہناز کو دیکھا' منہ سے کچھ نہیں بولی۔ فراز کو حجلۂ عروسی کے دروازے تک چھوڑ کر واپس جانے کے لئے پلٹی تو فراز نے اسے روکتے ہوئے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"اب تو آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہے؟"

"مجھے پہلے بھی کوئی شکایت نہیں تھی۔" ناہید جلدی سے بولی۔

"جو کچھ ہوا ہے آپ ہی کے حکم اور مرضی سے ہوا ہے۔" فراز بڑے پیار سے بولے۔ "اب ساری ذمہ داری بھی آپ ہی کو قبول کرنی پڑے گی۔"

"ایسی فال منہ سے کیوں نکالتے ہو۔" ناہید نے ٹوکا۔ "امی حضور کی دعائیں اور خدا کی رحمتیں بھی تمہارے ساتھ ہیں۔"

"اور کیا بھابی کی محبت اس میں شامل نہیں ہے؟" فراز نے آہستہ سے پوچھا۔

"فراز....." ناہید نے پہلی بار فراز کی زبان سے بھابی لفظ سنا تو جیسے اس کے سر سے کوئی بوجھ اتر گیا' خوشی سے دل جھوم جھوم اٹھا' فرط محبت سے بولی۔ "خدا تمہیں ہمیشہ خوش و خرم رکھے' زندگی کی ہزاروں بہاریں دیکھنا نصیب کرے۔ رہا بھابی کا پیار تو وہ تمہیں پہلے بھی حاصل تھا لیکن آج..... آج تم نے اپنی زبان سے مجھے بھابی کہہ کر میرا سر فخر سے بہت بلند کر دیا ہے۔" اور پھر اس سے پہلے کہ فراز کوئی جواب دیتے وہ تیزی سے پلٹ کر واپس چلی گئی۔

بھابی.....

کتنا پیار' کس قدر مٹھاس تھی اس چھوٹے سے لفظ میں.....

کتنا مقدس تھا یہ رشتہ.....

اور اس رشتے کو دل سے قبول کر کے فراز نے جیسے اس کے سر سے ایک بڑا بوجھ اتار دیا تھا۔

نئی امنگوں کو جنم دیا تھا۔

ایک نئے ماحول کی داغ بیل ڈال دی تھی..... اور ناہید کا معصوم دل اس نئے ماحول کے آغاز پر ہی جھوم جھوم اٹھا تھا' اس گھٹن کا احساس لمحوں میں چھٹ گیا تھا جس نے ایک عرصے سے اسے مضطرب کر رکھا تھا۔ آج وہ خود کو بہت ہلکا محسوس کر رہی تھی.....!

☆======☆======☆

جو محل ریت کی بنیادوں پر تعمیر کے جاتے ہیں وہ ایک ہی جھٹکے میں منہدم بھی ہو جاتے ہیں۔

نازلی کے ارتکاب جرم نے بالکل اسی انداز میں بیرسٹر افتخار احمد کی بنی بنائی ساکھ کو ملیامیٹ کر دیا تھا' جس شان و شوکت اور عزت و وقار کو بنانے میں سالوں لگے تھے' وہ پل بھر میں مٹی میں مل گئی تھی۔ وہی بیرسٹر افتخار احمد جو کل تک دوسروں کے سامنے غرور سے سر اونچا کر کے اور سینہ تان کر چلا کرتے تھے' اب ملنے جلنے والوں سے چھپنے لگے تھے۔ وقت کی ایک ہی کروٹ نے حالات کا رخ یکسر موڑ کر رکھ دیا تھا' ساری شہرت خاک میں مل گئی تھی اور حالات کی کشمکش نے ان کی کمر توڑ دی تھی۔

نازلی ابھی تک جیل میں تھی۔ وہ بیرسٹر افتخار احمد جیسے سرمایہ دار اور بڑے باپ کی

بیٹی تھی۔ اگر کسی راہگیر کو اپنی کار تلے کچل دیتی یا کسی اوسط درجے کے آدمی کو مار دیتی تو شاید اس کی ضمانت ہو چکی ہوتی لیکن اس نے جن افراد کو گولی کا نشانہ بنایا تھا وہ بھی اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ مونا ایک ریٹائرڈ جج کی اکلوتی بیٹی تھی اور کنور آفتاب بھی کروڑ پتی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ ٹکر برابر کی تھی اس لئے بیرسٹر افتخار احمد کو دانتوں پسینہ آگیا تھا' انہوں نے نازلی کی ضمانت کی جان توڑ کوشش کی اور ہر طرف ہاتھ پیر مارے لیکن ابھی تک ان کی کوششیں بار آور ثابت نہیں ہو سکی تھیں۔

نازلی کے حادثے نے جہاں ان کی شہرت اور ساکھ کو دھچکہ پہنچایا تھا وہاں ان کی آنکھوں کی پٹی بھی کھول دی تھی' انہیں شدت سے اس بات کا احساس بھی تھا کہ قدرت کی بے آواز لاٹھی انہیں ان کے کئے کی سزا دے رہی ہے' وہ اپنے آپ پر نادم تھے اور ان حرکتوں پر پشیمان بھی تھے جو انہوں نے دوسروں کے ساتھ روا رکھی تھیں مگر یہ شرمندگی اور احساس ندامت بعد از وقت تھا' وقت کے ہاتھوں تقدیر نے انہیں جو زخم دیئے تھے انہیں مندمل ہونے میں ایک مدت' ایک عرصہ درکار تھا' نازلی کی جگہ اگر ان کی کوئی اولاد نرینہ ہوتی اور اس نے کسی سنگین جرم یا قتل کا ارتکاب کیا ہوتا تو شاید وہ اس دھچکے کو برداشت کر جاتے لیکن نازلی لڑکی تھی'..... ایک غیر شادی شدہ لڑکی جس کے لئے اخبارات نے ایسے ایسے حاشیے تراشے تھے اور ایسی ایسی کہانیاں بنائیں کہ افتخار احمد کی اپنی نگاہیں بھی شرم سے جھک گئی تھیں اور..... اور انہیں اس بات کا غم بھی اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا کہ انہوں نے نازلی کی شادی کے لئے جو حسین اور خوبصورت خواب دیکھ رکھے تھے وہ اب تا قیامت شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتے تھے۔

کل تک وہ عدالت میں کھڑے ہو کر قانونی نکتوں سے کھیلا کرتے تھے' مجرموں کو بے گناہ اور بے گناہوں کو مجرم ثابت کرنے میں ان کو ملکہ حاصل تھا۔ جس کیس میں ان کا وکالت نامہ داخل ہو جاتا اس میں ان کے فریق کی کامیابی یقینی سمجھی جاتی تھی لیکن آج..... آج حالات نے انہیں خود ان کی نظروں میں مجرم بنا دیا تھا' نازلی کو جو آزادی دی گئی تھی' اسے جس تہذیب کے سانچوں میں ڈھالا گیا تھا اس کا انجام سامنے آچکا تھا۔ غلطی ایک لڑکی کی نہیں..... ایک باپ کی تھی۔ ایک سرپرست کی تھی جس نے دولت کے بل بوتے پر جھوٹی خوشیوں کو خرید لیا تھا' جس نے اولاد کی تربیت سے غفلت برتی تھی' جس نے اپنی تہذیب کو فراموش کر کے دوسروں کی تہذیب اپنانے کی کوشش تھی' لیکن پھر بھی وہ ایک باپ تھا۔ باپ جو اولاد کے دکھ درد کو محسوس کر کے تڑپ اٹھا تھا' اولاد کے

مستقبل کی تباہی و بربادی کا احساس جسے گھن کی طرح اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔ وقت نے جسے حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا' اور حالات نے جسے بے بس کر دیا تھا۔

بیرسٹر افتخار احمد نے چھوٹی عدالتوں سے ضمانت کی درخواستیں منظور ہو جانے کے بعد بڑی عدالت میں درخواست دی تھی۔ تنہا نازلی کو قانون کے آہنی شکنجوں سے چھٹکارا دلانے کی جان توڑ کوشش کر رہے تھے لیکن ان کے مقابلے پر وکیلوں اور بیرسٹروں کی پوری ٹولی تھی جو مونا اور کنور آفتاب کی طرف سے کیس کی پیروی کر رہی تھی اور ہر قیمت پر نازلی کو پھانسی کے پھندے تک لے جانے کی خواشمند تھی۔

بڑی عدالت میں دو روز بعد ضمانت کی درخواست پر فیصلہ کیا جانے والا تھا اس لئے افتخار احمد ہر وقت الجھے الجھے نظر آتے تھے اور شب و روز قانون کی موٹی موٹی کتابوں سے سر کھپاتے رہتے تھے۔ کل تک قتل اور غارت گری کے پیچیدہ سے پیچیدہ کیس بھی ان کے لئے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے لیکن آج اپنی لڑکی کی ضمانت کا مسئلہ بھی ان کے لئے بے حد پریشان کن بن گیا تھا۔

آج بھی وہ صبح ہوتے ہی ایک کپ چائے پینے کے بعد اپنی لائبریری میں آ گئے تھے اور قانون کی کتابوں کی ورق گردانی میں منہمک ہو گئے تھے' خاصی دیر تک وہ کتابوں سے سر کھپاتے رہے پھر اچانک انہیں اندھیرے میں امید کی ایک کرن نظر آ گئی تو جلدی سے اٹھ کر باہر آئے' بڑی سرعت سے ضروریات سے فارغ ہو کر کپڑے تبدیل کئے اور سیدھے کچہری کی طرف بھاگے' دفتر پہنچ کر انہوں نے نازلی سے ملاقات کرنے کی اجازت کی درخواست ٹائپ کروائی پھر عدالت کا حکم نامہ لے کر سیدھے جیل پہنچے' سپرنٹنڈنٹ جیل سے ان کے مراسم پرانے تھے اس لئے ملاقات کا انتظام خاطر خواہ ہو گیا۔

افتخار احمد ملاقاتی کمرے میں داخل ہوئے تو نازلی وہاں پہلے سے ایک کرسی پر سر جھکائے بیٹھی تھی' جیل کے ماحول کا اثر اس کے چہرے سے عیاں تھا' بے حد جھنک کر رہ گئی تھی' یوں لگتا تھا جیسے برسوں کی مریضہ ہو۔ افتخار احمد کا دل کٹ کر رہ گیا' کچھ دیر دروازے پر کھڑے بیٹی کے چہرے کی ویرانیوں کو اداس نگاہوں سے دیکھتے رہے پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے قریب جا کر تھکے ہوئے انداز میں دوسری کرسی پر بیٹھ گئے۔

نازلی بدستور سر جھکائے بیٹھی رہی' اس نے ازخود نظر اٹھا کر باپ کو خوش آمدید کہنے کی کوشش نہیں کی تھی' حسرت اور محرومیوں کی تصویر بنی خاموش بیٹھی رہی تو افتخار احمد نے ہمت کر کے اسے آہستہ سے مخاطب کیا۔

"نازلی بیٹی....."

"جی....." نازلی نے اخلاقاً جواب دیا لیکن بدستور سرنگوں رہی۔

"میں نے ہائیکورٹ میں ضمانت کی درخواست پیش کر دی ہے۔" افتخار احمد نے بیٹی کو دلاسہ دینے کی خاطر ٹھوس آواز میں کہا۔ "کل اس درخواست پر فیصلہ ہو گا' مجھے قوی امید ہے کہ تم ضمانت پر رہا ہو جاؤ گی۔"

"شکریہ ڈیڈی....." نازلی نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "مجھے یقین تھا کہ آپ میری رہائی کی بھرپور کوشش کر رہے ہوں گے۔"

"ہمت سے کام لو نازلی بیٹی۔" افتخار احمد بولے۔ "یہ الجھنیں وقتی ہیں' ایک بار تمہاری ضمانت منظور ہو جائے اس کے بعد میں ان لوگوں سے بہ آسانی نپٹ لوں گا جو تمہیں نقصان پہنچانے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ اگر انہیں ناکوں چنے نہ چبوائے تو نام نہیں۔"

"مجھے یقین ہے ڈیڈی..... لیکن....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"لیکن کیا بیٹی....." افتخار احمد نے بے چینی سے پوچھا۔ "تم کچھ کہنا چاہ رہی تھیں' چپ کیوں ہو گئیں۔"

"آپ..... آپ شاید اس حقیقت کو فراموش کر رہے ہیں کہ میرے دامن پر دو انسانوں کے خون کے دھبے موجود ہیں۔"

"اس کا فیصلہ عدالت کرے گی کہ تم مجرم ہو یا نہیں۔" افتخار احمد جلدی سے بولے۔ "کیا تمہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے۔"

"آپ پر....." نازلی نے پہلی بار باپ کو نظریں اٹھا کر دیکھا پھر ایک پھیکی سی بے جان مسکراہٹ اپنے خشک ہونٹوں پر بکھیر کر بولی۔ "مجھے آپ پر مکمل اعتماد ہے ڈیڈی' ..... لیکن..... خود پر اعتماد نہیں ہے۔"

"اس کی وجہ یہ گندا ماحول ہے جس نے تمہارے ذہن کو پراگندہ کر دیا ہے۔"

"نہیں ڈیڈی....." نازلی نے تیزی سے کہا۔ "اس کی وجہ وہ جرم ہے جو مجھ سے دیدہ و دانستہ سرزد ہوا ہے..... یا..... پھر وہ تہذیب ہے جس میں اس قسم کے واقعات آئے دن ہوتے رہتے ہیں۔"

"ان فضول باتوں کو اپنے ذہن سے نکال پھینکو۔" افتخار احمد نے کہا۔ "جو ہونا تھا ہو چکا۔ اب جو ہونا ہے ہمیں اس کے بارے میں سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔"

"آپ نے کیا سوچا ہے۔" نازلی نے باپ کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھا۔

"تم..... تم اگر میرے کہنے پر عمل کرو تو تم پر کسی قسم کی کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

"قانون کا کوئی باریک نکتہ ہو گا....." نازلی سپاٹ آواز میں بولی۔

"ہاں....." افتخار احمد نے دبی زبان میں کہا۔ "جو جرم ذہنی انتشار کی حالت میں سرزد ہوتے ہیں۔ قانون اس میں رعایت کی گنجائش رکھتا ہے۔"

"میں سمجھی نہیں ڈیڈی....." نازلی نے چونکتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہیں وقتی طور پر خود کو ذہنی مریضہ بنانا ہو گا۔" افتخار احمد بڑی راز داری سے بولے۔ "باقی باتیں مجھ پر چھوڑ دو۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ دنیا کی کوئی عدالت تمہیں ذہنی مریضہ ثابت ہو جانے کے بعد سزا نہیں دے سکے گی۔"

"لیکن عدالت کو اس بات کا کون یقین دلائے گا کہ میں پاگل ہوں۔" نازلی نے ہونٹ کاٹتے ہوئے سوال کیا۔

"پاگل ہوں تمہارے دشمن۔" افتخار احمد نے سرگوشی کی۔ "دولت اور اثر و رسوخ ایسے ہی موقعوں پر کام آتے ہیں۔ ذہنی امراض کے ماہر کرنل عابدی سے میرے بڑے دیرینہ تعلقات ہیں' متعدد موقعوں پر میں ان کے کام آ چکا ہوں' مجھے قوی امید ہے کہ تمہارے سلسلے میں وہ میری بات سے انکار نہیں کریں گے۔ ان کے سرٹیفکیٹ کو چیلنج بھی نہیں کیا جا سکے گا۔"

"گویا مجھے پھانسی کے پھندے سے نجات حاصل کرنے کے لئے خود کو پاگل بنانا ہو گا۔"

"صرف اس وقت تک کے لئے جب تک عدالت تمہارے حق میں کوئی آخری فیصلہ صادر نہیں کر دیتی۔"

"اور..... اس کے بعد؟" نازلی نے بڑی حسرت سے پوچھا۔

"اس کے بعد تم آزاد فضا میں سانس لے سکو گی۔" افتخار احمد بولے۔ "خدا نے چاہا تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اور..... اگر میں عدالت کے روبرو کھڑے ہو کر اقبال جرم کر لوں تو؟" نازلی سنجیدگی سے بولی۔

"مجھے تم سے اس قسم کی توقع نہیں ہے کہ تم جان بوجھ کر خود کو پھنسانے کی کوشش

کرو گی۔" نازلی نے باپ کے چہرے پر ابھرنے والی جھلاہٹ دیکھی تو حسرت سے مسکرا دی' آہستہ سے بولی۔

"میں نے اقبال جرم کے بعد اپنے انجام کے بارے میں دریافت کیا تھا۔"

"قانون تمہارے ساتھ ایسی شکل میں..... ذرہ برابر رعایت نہیں کرے گا' لیکن تم زندگی سے اس قدر مایوس کیوں ہو گئی ہو۔" افتخار احمد نے بیٹی کو سمجھاتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "جذبات کی رو میں بہک کر جو فیصلے کئے جاتے ہیں وہ وقتی اور عارضی ہوتے ہیں۔ تم سے جو جرم سرزد ہوا ہے وہ بھی انتقامی جذبے کی پیداوار تھا اور انتقام کی حالت میں انسان دیوانہ بن جاتا ہے اور دیوانگی کی کیفیت میں جو فعل سرزد ہو وہ قابل گردن زدنی نہیں کہا جا سکتا۔"

"یہ باتیں آپ ہی بہتر سمجھ سکتے ہیں ڈیڈی اس لئے کہ آپ بیرسٹر ہیں۔" نازلی نے مضمحل انداز میں جواب دیا۔

"تم مطلق پریشان مت ہو بیٹی۔ صرف میرے کہنے پر عمل کرو اور پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔"

"جو ہونا ہے مجھے اس کا تھوڑا بہت اندازہ ہے۔"

"کیا مطلب....." افتخار احمد نے بیٹی کے لہجے کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے افسوس ہے ڈیڈی۔" نازلی کرسی سے اٹھتے ہوئے بولی۔ "میں عدالت کے روبرو غلط بیانی نہیں کروں گی۔"

"نازلی!" افتخار احمد نے پریشان ہو کر کہا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو بیٹی۔ اس طرح تو بنا بنایا کھیل چوپٹ ہو جائے گا' عدالت کے سامنے اگر تم نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا تو میرے پاس بولنے کو کیا رہے گا۔"

"کچھ یہی حال میرا بھی ہے۔" نازلی روکھائی سے بولی۔ "اگر میں نے خود کو بچانے کی خاطر دروغ گوئی سے کام لیا تو میرا ضمیر تازیست مجھے کچوکے لگاتا رہے گا۔"

"لیکن بیٹی....."

"نہیں ڈیڈی۔" نازلی کسی آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑی۔ "میں اپنے فیصلے پر اٹل ہوں' میرے ارادوں میں اب کسی لچک کی کوئی گنجائش نہیں اس لئے کہ میرا دامن خالی ہو چکا ہے۔ اس پر خون کے دھبے ہیں جو مجھے کبھی سکون و چین کا سانس نہیں لینے دیں گے۔ میں نے زندگی کے جتنے بھی خواب دیکھے۔ وہ ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے' چکنا

چُور ہو گئے اور ان خوبصورت خوابوں کی کرچیں میرے وجود میں گہرائیوں میں چبھ گئیں' میری زندگی ایک سراب تھی جس کے پیچھے میں آنکھ بند کر اب تک بھاگتی رہی ہوں' لیکن اب میں بہت تھک چکی ہوں' بے حد اکتا گئی ہوں' مجھے سکون کی ضرورت ہے ڈیڈی۔ میں آرام چاہتی ہوں..... اور ..... اور یہ سکون اور آرام مجھے صرف موت دے سکتی ہے' زندگی کی مجھے کوئی تمنا نہیں' کوئی آرزو نہیں اس لئے آپ مجھے بچانے کی کوشش ترک کر دیں' اگر ہو سکے تو اپنی نازلی کو معاف کر دیجئے گا ڈیڈی۔" نازلی نے بھیگی پلکوں سے آخری بار پلٹ کر باپ کی صورت دیکھی پھر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر کمرے سے نکل گئی۔

"نازلی....." بیرسٹر افتخار احمد کے ہونٹوں سے ایک کراہ نکل کر کمرے کی ویرانیوں میں مدغم ہو گئی' وہ تصویرِ حیرت بنے کھڑے دروازے کو دیکھتے رہے پھر کسی ہارے ہوئے جواری کی طرح آہستہ سے پلٹے اور تھکے تھکے انداز میں واپس آ گئے.....!

☆------☆------☆

فراز کی شادی کو ایک ماہ گزر چکا تھا۔

بیگم سجاد نے اولاد کے سر پر سہرا دیکھنے کی آرزو پوری کر لی تھی' شروع شروع میں وہ بے حد خوش تھیں لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کی خوشیاں ماند پڑتی جا رہی تھیں' حسرتیں دل کی دل ہی میں تڑپ کر رہ گئی تھیں' فرزین کے سلسلے میں انہوں نے جو توقعات وابستہ کر رکھی تھیں وہ پوری ہوتی نظر نہیں آ رہی تھیں' وہ بہو کی ایک ایک حرکتوں کا جائزہ لے رہی تھیں' اس کے اٹھنے بیٹھنے اور رہن سہن کے طور طریقوں کو دیکھ رہی تھیں اور جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا ان کے دل کی خلش کم ہونے کی بجائے بڑھتی جا رہی تھی۔

فرزین نے بیاہ کر آنے کے بعد ہی آہستہ آہستہ اپنے جوہر دکھانے شروع کر دیئے تھے۔ چند دنوں تک وہ اپنے خول کے اندر سمٹی رہی پھر اس نے ہاتھ پاؤں نکالنے شروع کر دیئے' صبح دیر سے سو کر اٹھنا' ملازموں سے بستر پر صبح کی چائے طلب کرنا اور گھر کے کام کاج کو پلٹ کر نہ دیکھنا' یہ تمام باتیں ایسی تھیں جو بیگم سجاد کو مطلق پسند نہیں تھیں۔ مگر وہ دل پر جبر کر کے سب کچھ دیکھ رہی تھیں اور برداشت کر رہی تھیں۔ انہیں اس بات کا بھی ملال تھا کہ ناہید صبح سے شام تک کولہو کے بیل کی طرح گھر کے کاموں میں جتی رہتی تھی لیکن فرزین نہایت لاپرواہی سے یا تو اپنے کمرے میں آرام کرتی رہتی یا باہر آ کر

ڈرائنگ روم میں بیٹھی انگریزی کتابوں اور رسالوں کی ورق گردانی کرتی رہتی' کبھی ساس سے سامنا ہوتا تو یونہی رسمی طور پر ہاتھ اٹھا کر سلام کر لیتی ورنہ کترا کر گزر جاتی' یوں جیسے اسے اس گھر اور گھر کے افراد سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔ البتہ جب فراز کے آنے کا وقت ہوتا تو وہ بناؤ سنگار کر کے دروازے پر آ جاتی۔ فراز کی گاڑی کا ہارن سنتی تو ہونٹوں پر ایک شرمیلا اور دل آویز تبسم سجا کر ان کا استقبال کرتی اور جب تک فراز گھر پر رہتے ان کے ساتھ ساتھ لگی رہتی' میٹھی میٹھی پیاری پیاری باتیں کرتی رہتی' زندگی سے بھرپور قہقہے لگاتی رہتی' لیکن دوسری صبح جیسے ہی فراز دفتر کے لئے روانہ ہو جاتے وہ اپنے گھر کے لئے اجنبی سی بن جاتی تھی۔

اور بیگم سجاد کی جہاندیدہ نظریں بہو کی حرکات و سکنات کا بغور جائزہ لے رہی تھیں' وہ سمجھ رہی تھیں کہ فرزین صرف شوہر کا دل جیتنے کی خاطر ایسا کر رہی ہے ورنہ اسے اور کسی سے کوئی دلچسپی' کوئی لگاؤ نہیں' فراز کی موجودگی میں وہ بے حد محتاط رہتی تھی' گھر کے دوسرے افراد سے بھی یوں پیش آتی جیسے بہت گھل مل گئی ہو لیکن فراز جیسے ہی دہلیز سے باہر قدم نکالتے وہ بیگانگت کا رنگ اختیار کر لیتی۔ ناہید اس سے رشتے میں بڑی تھی لیکن اس کے باوجود وہ اس پر حکم چلاتی رہتی' نئے نئے کھانوں کی فرمائش کرتی اور اس انداز میں پیش آتی جیسے وہ اس پر اپنی خوشیوں اور اس کی مجبوریوں کے رنگ اُجاگر کرنا چاہتی ہو۔

بیگم سجاد بہو کے لچھن دیکھ رہی تھیں مگر مہربلب تھیں اس لئے کہ فراز خوش تھے اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ بیٹے اور بہو کے درمیان ان کی کسی مداخلت یا دخل اندازی سے کوئی بدمزگی پیدا ہو لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی محسوس کر رہی تھیں کہ فرزین جو کچھ کر رہی ہے صرف فراز کا دل جیتنے کی خاطر کر رہی ہے' شوہر کو اپنی مٹھی میں لینے کی خاطر کر رہی ہے اور ..... اور جب وہ اس کے آگے کی بات سوچتیں تو ان کا دل بڑی تیزی سے دھڑکنے لگتا' واہمے ڈرانے لگتے' سوچوں کی حدیں وسعت اختیار کرتیں تو وہ سہم کر رہ جاتی تھیں' خیالات کی رو ان کے بوڑھے وجود کو بہا کر بہت دور لے جاتی' وہ گھنٹوں بستر پر پڑی سوچتی رہتیں۔

کل کیا ہو گا.....!

کیا فرزین کی محبت کا ڈھونگ ماں اور بیٹے کے درمیان حائل ہو جائے گا.....!

کیا فراز بیوی کی محبت میں ڈوب کر ماں کی شفقتوں کو فراموش کر دیں گے.....!

کیا فرزین ماں اور بیٹے کے درمیان جدائی کی خلیج پیدا کر سکتی ہے.....

اگر ایسا ہوا تو کیا ہو گا.....؟

خاندان کا شیرازہ بکھر کر رہ جائے گا.....!

اور جب مستقبل کے وسوسے طوفانی شکل اختیار کر جاتے تو وہ بے اختیار خدا کے حضور سربسجود ہو جاتیں اور فراز اور فرزین کی بھلائی اور اپنے خاندانی عزت و وقار کی لاج برقرار رکھنے کے لئے خدا سے لو لگا کر گڑگڑاتی رہتی تھیں اپنے ناکردہ گناہوں کی معافی مانگتی رہتیں۔ مستقبل کی خوشیوں کی خاطر دامن پھیلا کر اپنے معبود سے اس کی رحمتوں کی بھیک طلب کرتی رہتیں۔ حساس دل کی دھڑکنیں کبھی زیادہ پریشان کرتیں تو اپنے کمرے سے نکل کر باہر آجاتیں' بوا سروری سے باتوں میں مصروف ہو جاتیں یا پھر ناہید سے اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے دل بہلا لیا کرتی تھیں۔

آج بھی وہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی فراز اور فرزین کے مستقبل کے بارے میں سوچ رہی تھیں جب ناہید صبح کا ناشتہ لئے ان کے کمرے میں داخل ہوئی' ناشتے کے دوران وہ چپ چپ سی رہیں لیکن جب ناہید خالی برتن سمیٹ کر جانے لگی تو وہ چپ نہ رہ سکیں۔

"ناہید بیٹی..... کیا فراز دفتر چلے گئے۔" انہوں نے پوچھ ہی لیا۔

"جی ہاں امی حضور....." ناہید نے ساس کے لہجے کی خلش محسوس کی تو خالی برتن میز پر رکھ کر بڑے پیار سے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔ "کیا کوئی کام تھا فراز سے؟"

"نہیں..... یونہی پوچھ رہی تھیں۔" بیگم سجاد نے دل کی دھڑکنوں کو سمیٹتے ہوئے کہا۔ "فرزین کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں....." ناہید نے آہستہ سے جواب دیا۔

"ناشتہ کر لیا اس نے.....؟"

"ابھی نہیں....." ناہید نے کہا۔ "فرزین ذرا دیر سے ناشتے کی عادی ہے' میں نے ملازم کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ جیسے ہی سو کر اٹھے ناشتہ لگا دیا جائے۔"

"کیا مطلب ..... کیا فرزین ابھی تک سو کر نہیں اٹھی۔" بیگم سجاد نے چونک کر پوچھا۔

"ابھی فراز کی شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں امی حضور۔" ناہید نے بڑی سادگی سے کہا۔ "آہستہ آہستہ فرزین بھی صبح اٹھنے کی عادی ہو جائے گی۔"

"فراز اور فرزین کے بارے میں تم نے کیا اندازہ لگایا ہے؟" بیگم سجاد نے دھڑکتے ہوئے دل سے سوال کیا۔

"کس سلسلے میں امی حضور.....؟"

"وہ..... وہ دونوں تو ایک دوسرے سے خوش ہیں نا۔"

"بڑی اچھی جوڑی ہے امی حضور۔" ناہید مسکراتے ہوئے بولی۔ "فراز تو ہر وقت فرزین کو چھیڑتے رہتے ہیں اور طرح طرح سے تنگ کرتے رہتے ہیں لیکن فرزین صرف مسکرا کر چپ ہو جاتی ہے۔ میں نے اسے فراز کی شرارتوں کے بارے میں سب کچھ بتا دیا ہے' فرزین بھی فراز کا بے حد خیال رکھتی ہے' دونوں بہت خوش ہیں' خدا نے چاہا تو ان کی خوشیاں ہمیشہ برقرار رہیں گی بڑا مثالی جوڑا ثابت ہو گا۔"

"خدا تمہاری زبان مبارک کرے۔" بیگم سجاد نے کہا پھر آہستہ سے بولیں۔ "کسی وقت موقع دیکھ کر فرزین کو سمجھانے کی کوشش کرنا کہ اب اسے بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرنا چاہئے۔ گھر کے کام کاج میں ہاتھ بٹانا چاہئے۔ آخر تم میں کب تک سب کچھ کرتی رہو گی۔"

"میں کیا کرتی ہوں امی حضور۔" ناہید نے ساس کی نظروں میں نظریں ڈال کر بڑے پیار سے کہا۔ "دن بھر ملازموں پر حکم چلانے کے سوا اور کیا کام ہے مجھے۔"

"یہ تمہاری شرافت ہے ناہید بیٹی ورنہ حقیقت کیا ہے یہ میرا دل ہی جانتا ہے۔"

"امی حضور..... ایک بات پوچھوں۔" ناہید نے ساس کے چہرے پر پھیلنے والی سنجیدگی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"کہو..... کیا بات ہے۔"

"آپ تو خوش ہیں نا فراز اور فرزین کی شادی سے۔"

"خوش نہ ہوتی تو یہ شادی کیسے انجام پاتی۔"

"پھر..... آپ ہر وقت کیا سوچتی رہتی ہیں' گم صم کیوں رہنے لگی ہیں۔"

"خیال ہے تمہارا۔" بیگم سجاد اپنے درد کو ایک پھیکی مسکراہٹ میں چھپا کر بولیں۔

"جی اچھا نہیں رہتا اس لئے چپ رہتی ہوں۔"

"مجھ سے تو خفا نہیں ہیں....." ناہید نے بڑے بھولپن سے دریافت کیا۔

"تم سے....." بیگم سجاد کی نگاہوں میں عقیدت کا رنگ چھلک آیا' ناہید کو بڑے پیار سے گھورتے ہوئے بولیں۔ "تم سے میں بہت زیادہ خفا ہوں۔"

"اگر مجھ سے نادانستگی میں کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو تو معاف کر دیجئے۔" ناہید مجسم التجا بن گئی۔

"ایک شرط پر....."

"حکم دیجئے..... مجھے آپ کی کسی شرط سے انکار کی جرأت نہیں ہو گی۔"

"یوں نہیں۔" بیگم سجاد کے ہونٹوں پر ممتا بھری مسکراہٹ پھیل گئی۔ "پہلے وعدہ کرو کہ جو کچھ میں کہوں گی تم مان لو گی۔"

"وعدہ....." ناہید نے بڑے خلوص سے کہا۔

"گھر کی مصروفیت میں سے کچھ وقت نکال کر اپنی صحت کا بھی خیال رکھا کرو۔" بیگم سجاد نے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "یہ میری خوشی ہو گی۔"

"امی حضور۔" ناہید نے بڑے معصوم انداز میں روٹھتے ہوئے کہا۔ "یہ کیوں نہیں کہتیں کہ آپ مجھے اپنی خدمت سے محروم کرنا چاہتی ہیں' مجھے اپنی بیٹی نہیں سمجھتیں۔"

"کیسی باتیں کرتی ہو ناہید۔" بیگم سجاد نے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے جواب دیا۔ "دل اگر چیر کر دکھایا جا سکتا تو میں تمہیں دکھاتی کہ اس دل میں تمہاری کتنی محبت' کتنی عقیدت اور کتنا احترام موجود ہے' خدا گواہ ہے کہ میں تمہیں فراز سے زیادہ چاہتی ہوں۔"

"پھر آپ فراز سے کیوں نہیں کہتیں کہ وہ دفتر جانا کم کر دیں۔ صبح سے شام تک سر کھپاتے رہتے ہیں' آخر اتنے سارے کارندے کس دن کے لئے بھرتی کر رکھے ہیں جو انہیں دم بھر کر مہلت نہیں دیتے۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہی ہوں۔" بیگم سجاد مسکرا کر بولیں۔ "میں نے تم سے یہ تو نہیں کہا کہ بالکل ہی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جاؤ۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے بیٹی' تمہیں ہر بات کا پورا پورا اختیار ہے لیکن زندہ رہنے کے لئے انسان کو سکون اور آرام کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔"

"آپ کی خدمت ہی تو میری زندگی ہے امی حضور اور یہ زندگی مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔"

"اچھا بھئی' جو تمہاری خوشی وہ میری۔" بیگم سجاد نے اپنی ہار تسلیم کرتے ہوئے کہا' پھر کچھ سوچ کر بولیں۔ "فرزین کو کسی وقت محبت سے سمجھانا کہ وہ بھی گھر کی دلچسپیوں میں تھوڑا بہت حصہ لیا کرے۔"

"آپ بالکل فکر نہ کریں امی حضور۔ ابھی نئی نئی شادی ہے' کچھ وقت اور گزر جائے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔"

ناہید نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا' مسکراتی ہوئی اٹھی' برتن دوبارہ اٹھائے اور خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ بیگم سجاد اس کے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک بیٹے اور بہو کے بارے میں سوچتی رہیں' ناہید سے گفتگو کرنے کے بعد ان کے دل کا بوجھ خاصا ہلکا ہو گیا تھا لیکن اس بات کا رہ رہ کا خیال آ رہا تھا کہ فراز آج ان کو سلام کئے بغیر دفتر چلے گئے تھے۔ آج سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ یہ پہلا اتفاق تھا جو ان کے ذہن میں کانٹے کی طرح چبھ رہا تھا.....!

☆======☆======☆

ڈوبتے سورج کی آخری کرنیں قصر سجاد کی عالیشان اور پُر شکوہ کوٹھی کو آخری بوسہ دے رہی تھیں۔ باہر سبزے پر سر شام ہی سے چھڑکاؤ کیا جا چکا ہے اور آرام کرسیاں نہایت سلیقے سے رکھی ہوئی ہیں۔ بوڑھا مالی کیاریوں کے پاس بیٹھا پودوں کی کاٹ چھانٹ میں مصروف ہے۔

فرزین لباس تبدیل کر کے اپنی سنہری گھڑی پر نظر ڈالتی سبزے پر آ گئی۔ فراز کے آنے میں ابھی کچھ دیر تھی اس لئے وہ اپنی خوابگاہ سے نکل کر سیدھی ادھر آ گئی۔ بوڑھے مالی نے اٹھ کر سلام کیا تو فرزین نے اس کے لباس پر نگاہ ڈالی اور سلام کا جواب دیئے بغیر ایک آرام کرسی پر دراز ہو گئی۔ ہلکے آسمانی رنگ کے شلوار سوٹ میں وہ خاصی دلکش اور اسمارٹ نظر آ رہی تھی۔ کھلے بالوں کو اس نے ربن باندھ کر آزاد چھوڑ دیا تھا جو اس کے شانوں پر بکھرے بڑے بھلے لگ رہے تھے۔ چہرے پر میک اپ کے ہلکے گلابی رنگوں نے اس کے حسن کو چار چاند لگا دیئے تھے۔ چنے ہوئے دوپٹے کو اس نے رسی کی شکل میں بل دے کر بس یونہی لباس کی تکمیل کی خاطر گلے میں ڈال رکھا تھا۔ بڑی بڑی بادام جیسی ..... آنکھوں میں کاجل کی ایک باریک لکیر موجود تھی جس نے آنکھوں کے حسن کو دو چند کر دیا تھا۔

فرزین کی نظریں بار بار دستی گھڑی کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ اسے فراز کی آمد کا بڑی شدت سے انتظار تھا' ایک ہفتے سے گھر کی چہار دیواری میں بند رہتے رہتے جیسے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ اس نے طے کر رکھا تھا کہ آج فراز سے پکچر چلنے کی فرمائش کرے گی۔

شہلا نے اسے فون پر بتایا تھا کہ ریجنٹ میں ایک بڑی خوبصورت فلم چل رہی ہے۔

جب بھی باہر سے کسی گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دیتی' اس کی نظریں پھاٹک کی جانب اٹھ جاتی تھیں اور ابھی وہ فراز کے انتظار میں محو تھی کہ ناہید بھی اسے تلاش کرتی سبزے پر آگئی۔ اس وقت ناہید نے بھی اتفاق سے ہلکے آسمانی رنگ ہی کا غرارہ سوٹ پہن رکھا تھا' میک اپ نہ ہونے کے باوجود اس کے قدرتی حسن میں ایک شگفتگی اور تازگی موجود تھی اور انگ انگ سے معصومیت ٹپک رہی تھی' فرزین کو کرسی پر بیٹھا دیکھ کر وہ قدم اٹھاتی اس کے قریب چلی گئی۔ بڑی اپنائیت سے بولی۔

"سناؤ فرزین کس کا انتظار ہو رہا ہے؟"

"فراز کا ....." فرزین نے قدرے جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ "روزانہ ساڑھے پانچ بجے تک آجاتے ہیں' لیکن آج ابھی تک غائب ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کسی ضروری کام میں الجھ گئے ہوں۔" ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کچھ دیر میں آجائیں گے..... اتنی جلدی بھی کیا ہے۔"

"جلدی یا دیر کی بات نہیں ہے..... انسان کو وقت کی پابندی ہر حال میں کرنی چاہیے۔" فرزین اکتائے لہجے میں بولی۔ "مجھے تو ایسے افراد سے شدید چڑ ہے جو کسی کو انتظار میں مبتلا رکھ کر خوشی محسوس کرتے ہوں۔"

"لیکن فراز کی بات تو دوسروں سے مختلف ہے۔" ناہید نے دبی زبان میں کہا' فرزین کی بات سن کر وہ سنجیدہ سی ہوگئی تھی۔

"کیوں .....؟" فرزین نے پلٹ کر تیزی سے پوچھا۔ "فراز کی بات اور کیوں ہے؟"

"اس لئے کہ وہ تمہارا شوہر ہے۔" ناہید نے آہستہ سے جواب دیا۔

"میں جانتی ہوں۔" فرزین لاپرواہی سے بولی پھر دوبارہ پھاٹک کی جانب دیکھنے لگی۔

"چائے پی تم نے .....؟" ناہید نے پوچھا۔

"جی نہیں....."

"میں نے بھی ابھی نہیں پی۔" ناہید نے کہا۔ "تم کہو تو یہیں منگوالوں' دونوں ساتھ پی لیں گے' اس طرح وقت بھی گزر جائے گا۔"

"آپ کو خواہش ہو رہی ہے تو بڑے شوق سے منگوالیں۔" فرزین نے تیکھے انداز میں جواب دیا۔ "میں فراز کے ساتھ پی لوں گی۔"

"ایک پیالی میرے ساتھ پی لینے میں کیا حرج ہے۔" ناہید بڑے پیارے سے بولی۔ "فراز آجائیں تو ان کے ساتھ دوبارہ پی لینا۔"

"بے جا اصرار سے کیا فائدہ۔" فرزین نے پلٹ کر ناہید سے سپاٹ آواز میں کہا۔ "میں آپ سے پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ رسمی باتیں اور بے جا تکلفات مجھے پسند نہیں۔"

"مجھے تمہاری صاف گوئی بے حد پسند آئی تھی۔" ناہید نے جلدی سے کہا پھر بڑے پیار سے سمجھاتے ہوئے بولی۔ "شادی سے پہلے کی بات اور ہوتی ہے فرزین' لڑکیاں اپنے والدین کے پاس ہوتی ہیں تو انھیں اپنے گھر' اپنے ماحول پر بڑا مان ہوتا ہے لیکن شادی کے بعد انھیں خود کو بدلے ہوئے ماحول اور نئے سانچوں میں ڈھالنا ہوتا ہے۔ شروع شروع میں ہر لڑکی کو ایک اجنبیت کا احساس ہوتا ہے' گھٹن محسوس ہوتی ہے' اپنے دل پر جبر کرکے خود کو ان باتوں کا عادی بنانا ہوتا ہے جس سے وہ دلہن بننے سے پہلے ناواقف ہوتی ہے۔ مگر جب وہ ان باتوں اور سسرال کے ماحول کی عادی ہو جاتی ہے تو کسی الجھن اور اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوتا اور سچ تو یہ ہے فرزین کہ لڑکیوں کی حقیقی زندگی کا آغاز سسرال کی دہلیز سے ہوتا ہے۔"

"اور اس کے بعد آپ مجھے یہ سمجھائیں گی کہ لڑکیاں قربانی کا بے زبان جانور ہیں جنھیں بزرگوں کے درمیان ہونے والی سودے بازی کے بعد نکاح کے دو بول پڑھوا کر ایک اجنبی کے حوالے کر دیا جاتا ہے اور پھر اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ شوہر کو اپنا مجازی خدا سمجھے' شوہر کی ہر جائز ناجائز باتوں پر اپنا سر تسلیم خم کر دے۔ منہ سے اف بھی نہ کرے..... ساس کے پاؤں دھو دھو کر پیئے' سسر کے سامنے ہمیشہ اپنے چہرے کو گھونگھٹ میں چھپائے رکھے اور ..... اور اسی انداز میں ایک روز گھٹ گھٹ کر اللہ کو پیاری ہو جائے۔" فرزین نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "بیوی مرجائے تو شوہر صاحب دوسری شادی رچا کر بیٹھ جائیں اور اگر شوہر مرجائے تو بیوی کو بیوہ بنا کر بٹھا دیا جائے..... مجھے تو یہ باتیں انتہائی بے ہودہ اور لغو لگتی ہیں۔"

ناہید نے فرزین کی باتیں سنیں تو ایک لمحے کو دم بخود سی رہ گئی پھر اپنے ہونٹوں پر ایک تبسم بکھیر کر بولی..... "تم ٹھیک کہتی ہو فرزین' عورت کے مقابلے میں مرد کو زیادہ خود مختاری حاصل ہے لیکن عورت چاہے تو مرد کو اپنا پرستار بھی بنا کر اپنی ہر خواہش کی تکمیل کر سکتی ہے۔ رہا ساس اور سسر کا مسئلہ تو بزرگوں کی عزت اور ان کا احترام کرنا ہمارا فرض ہے اپنے گھروں میں بھی ہمیں اکثر والدین کی سخت سست برداشت کرنی پڑتی ہے

اور یوں بھی بزرگ اپنے چھوٹوں کو ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر روکنے ٹوکنے کا حق رکھتے ہیں۔"

"درست فرمایا آپ نے....." فرزین نے الجھتے ہوئے کہا۔ "لیکن بزرگوں کا بھی کچھ فرض ہے..... جب وہ اپنی اولاد کی پرورش اپنی مرضی کے مطابق ایک خاص انداز اور مخصوص ماحول میں کرتے ہیں تو رشتہ کرتے وقت بھی انھیں ان باتوں کا بطور خاص خیال رکھنا چاہئے کہ جہاں وہ بات طے کر رہے ہیں وہاں کا ماحول کس قسم کا ہے..... لڑکی اس ماحول سے مطابقت رکھتی ہے یا نہیں..... کیا ضروری ہے صرف اپنے برابر کے گھرانوں کی تلاش کی جائے یا پھر محض زبان سے نکلی ہوئی کسی پرانی بات کا پاس رکھنے کی خاطر لڑکی کو زبردستی دیرینہ تعلقات کی بھینٹ چڑھا دیا جائے اور اسے مجبور بھی کیا جائے کہ وہ اپنے احساسات کی نقاب ..... کشائی بھی نہ کرے اور گھر کی چہار دیواری میں بند بیٹھی گھٹتی رہے اور ٹی بی کے جراثیم اپنا کر خون تھوک تھوک کر مرجائے۔"

"فرزین ....." ناہید سہم کر بولی

"دقیانوسی قسم کے بزرگ ہماری زبانوں پر قفل ڈالنے کی خاطر ہمیشہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو درمیان میں لے آتے ہیں ....." فرزین نے بدستور جھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ "لیکن میں پوچھتی ہوں کہ جب خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں کو بھی شادی بیاہ کے سلسلے میں ایک جائز حق دے رکھا ہے تو پھر ہم سے ہمارا حق کیوں چھینا جاتا ہے۔ ہماری حق تلفی کیوں کی جاتی ہے..... کیوں ہمیں بزرگوں کی عزت و ناموس اور خاندانی وقار کا واسطہ دے کر زبردستی جہنم میں دھکیل دیا جاتا ہے۔"

"فرزین ....." ناہید نے لرزیدہ آواز میں کہا۔

"اور اگر ہمیں بے زبان جانوروں ہی کی طرح ہنکانا مقصود ہوتا ہے تو پھر ہمارے بزرگ ہمیں تعلیم کیوں دلاتے ہیں' بُرے اور بھلے کی تمیز کیوں سکھائی جاتی ہے' سیاہ سفید کا فرق کیوں بتایا جاتا ہے..... خیالات اور ماحول کی ہم آہنگی کا درس کیوں دیا جاتا ہے..... کیا صرف اس لئے کہ ہم سب کچھ جانتے بوجھتے حالات کا شکار ہونا قبول کرلیں اور دیدہ دانستہ زہر کے پیالے کو ہونٹوں سے لگا کر غٹاغٹ پی جائیں..... واہ ..... یہ بھی خوب تعلیم و تربیت ہے۔" فرزین نے انتہائی نفرت و حقارت سے برا منہ بناتے ہوئے کہا۔ "It is nonsence! I hate it!"

"فرزین ....." ناہید نے بمشکل خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ "تمہیں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں..... یہ باتیں زندگی کو جہنم بنا دیتی ہیں..... زندگی میں ایسی تلخیاں گھول دیتی ہیں جو شیشے کے بال کی طرح دلوں میں جم کر رہ جاتی ہیں..... میں تم سے درخواست کرتی ہوں فرزین کہ ان باتوں کا ذکر کسی اور کے سامنے کبھی نہ کرنا..... ہو سکے تو ان خیالات کو ذہن سے نکال دو۔"

"میں جانتی ہوں کہ آپ مجھے اس بات کا مشورہ کیوں دے رہی ہیں۔" فرزین کے گداز ہونٹوں پر تبسم کھیلنے لگا۔ "اس لئے کہ آپ اپنے حالات سے خوفزدہ ہیں اور شاید ایک دوست بن کر مجھے محفوظ راستوں کی نشاندہی کرنا چاہتی ہیں۔"

"ہاں فرزین ..... ہاں۔" ناہید نے جلدی سے کہا۔ "میں تمہاری دوست ہوں اور دوست بن کر ہی تمہیں زندگی کے نشیب و فراز کے بارے میں سمجھانا چاہتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تم اور فراز ہمیشہ خوش رہو' تم دونوں کی زندگی مثالی ثابت ہو۔ تمہارے گلشن میں بہار ہو' ہر سمت ہریالی ہو..... پودوں سے نئی کونپلیں پھوٹیں اور پروان چڑھیں..... کبھی خزاں کا کوئی منحوس جھونکا تمہاری زندگی کی بہاروں میں داخل نہ ہو سکے۔"

"ایک بات کہوں ناہید بھابی۔" فرزین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کہو فرزین ..... دوستوں کے درمیان تکلف نہیں ہونا چاہئے۔" ناہید نے اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"شروع شروع میں جب میں بیاہ کر آئی تھی تو آپ کو بہت بور سمجھتی تھی..... لیکن آج معلوم ہوا کہ آپ کے سینے کے اندر ایک دل بھی ہے۔"

"اب کیا خیال ہے تمہارا میرے بارے میں؟" ناہید نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

فرزین کی باتوں کے زہر کو وہ خندہ پیشانی سے پی گئی تھی۔

"اب تو آپ میری دوست بن گئی ہیں۔" فرزین نے بے تکلفی سے کہا۔

"مجھ سے دوست ہی کے ناتے سے ایک وعدہ کرو فرزین۔" ناہید نے بڑے خلوص سے کہا۔ "تم کبھی مجھ سے مشورہ کئے بغیر کوئی ایسی ویسی بات زبان سے نہیں نکالو گی..... اور ..... میں ایک دوست کی حیثیت سے تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ کبھی اپنی زبان تک کوئی ایسی بات نہیں آنے دوں گی جو فراز کی اور تمہاری زندگی پر اثر انداز ہو....."

"ناہید بھابی....." فرزین نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔ "آپ جو باتیں مجھے سمجھانا چاہتی ہیں وہ میں جانتی ہوں..... جان بوجھ کر کوئی اپنے پیروں پر کلہاڑی نہیں مارتا..... اپنی خوشیاں اور اپنے گھر کی مسرتیں ہر شخص کو عزیز ہوتی ہیں..... ڈیڈی نے شادی سے پہلے کچھ نصیحتیں مجھے بھی کی تھیں جو ابھی تک میرے ذہن میں محفوظ ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجھے اپنی عزت بھی بہت عزیز ہے..... میرا خیال ہے کہ آپ میری باتوں کا مفہوم بخوبی سمجھ رہی ہوں گی۔ میں ایک دوست کی حیثیت سے آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ پہل میری جانب سے نہیں ہوگی لیکن اگر پانی سر سے اونچا ہو گیا تو شاید....."

"ایسی باتیں کیوں سوچ رہی ہو فرزین۔" ناہید نے فرزین کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "یہاں تمہیں ہر قسم کا آرام وسکون حاصل ہے۔ ملازمین ہیں' نوکر چاکر ہیں' فراز جیسا محبت کرنے والا نیک دل' شوخ و شنگ شوہر ہے اور میری جیسی ایک پُر خلوص دوست بھی ہے' آخر کمی کس چیز کی ہے....."

"سکون صرف آرام و آسائش یا دولت کی ریل پیل سے حاصل نہیں ہوتا میری پیاری بھابی....." فرزین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "انسان کی کچھ اپنی خواہشات بھی ہوتی ہیں جسے وہ اپنی مرضی سے پورا کرنا چاہتا ہے لیکن اس خواہش کی تکمیل اگر دوسرے کی مرضی سے ہو تو انسان اس سے بددل ہو جاتا ہے..... مجھے یہ بات بھی بڑی مضحکہ خیز سی لگتی ہے کہ ہمارے بزرگ اپنے بچوں کو بوڑھی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔"

"اس لئے فرزین کہ ان کی نگاہیں ہم سے زیادہ تجربہ کار ہوتی ہیں۔ وہ اس دور سے گزر چکے ہوتے ہیں جس سے ہم گزر رہے ہوتے ہیں۔"

"میں اس منطق کو قبول نہیں کرتی۔" فرزین بولی۔ "یہ بھلا کہاں کا انصاف ہے کہ آپ خود تو اپنے دور میں ہر کام اپنی مرضی سے کریں اور جب بوڑھے ہو جائیں تو اسی کام سے دوسروں کو منع کریں۔ رہا تجربے کا سوال تو زندگی کے دقیق اور اہم مسئلوں پر ہم کو اپنے بزرگوں سے ضرور استفادہ کرنا چاہئے لیکن یہ کیا کہ سر سے ذرا دوپٹہ ڈھلکا اور ہوائی دیدہ ہونے کی تہمت عائد کر دی گئی۔ ہونٹوں پر ذرا لپ اسٹک کا رنگ گہرا ہوا اور فیشن پرستی اور بے غیرتی کا الزام تھوپ دیا گیا..... گھر سے باہر بغیر برقعہ نکلو تو دیدے کا پانی مر جانے کی مثال دی جاتی ہے..... آپ ایمانداری سے بتایئے ناہید بھابی! کیا یہ سب باتیں خرافات نہیں ہیں' کیا ایک انسان پر اُس کے اپنے گھر کی چاردیواری کے اندر بھی

اس قسم کی پابندیاں عائد کر دینا ظلم نہیں ہے؟"

"تم غلط نہیں کہہ رہی ہو فرزین! لیکن انسانی قدروں کے بھی کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔" ناہید دبی زبان میں بولی۔ "ہمیں چھوٹے بڑوں کی تمیز بھی رکھنی چاہئے اس لئے کہ اگر آج ہم اپنے بزرگوں کے اخلاقی تقاضوں کو پورا نہیں کریں گے تو کل ہماری اولادیں بھی خود ہم سے ہمارے خلاف بغاوت کا حق طلب کرنے بیٹھ جائیں گی' وہ بھی اس تہذیب کا مذاق اڑائیں گی جسے ہمارے بزرگوں نے سینہ بہ سینہ زندہ رکھا ہے اور....."

اور باہر سے فراز کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو فرزین ناہید کی پوری بات سنے بغیر اٹھ کر پھاٹک کی جانب لپکی۔ فراز نے گاڑی احاطے کے اندر لا کر روکی تو فرزین نے بڑے پیار سے آگے بڑھ کر اُس کا دروازہ کھولا۔ فراز مسکراتے ہوئے گاڑی سے نیچے اترے تو فرزین نے بڑے والہانہ انداز میں اُن کی کمر میں ہاتھ ڈالا پھر وہ دونوں مسکراتے ہوئے اندر چلے گئے۔

ناہید بدستور کرسی پر بیٹھی فرزین کی باتوں پر غور کرتی رہی' جانے کیوں اُس کا دل رہ رہ کر تیزی سے دھڑکنے لگتا تھا۔ شاید وہ اس طوفان کی شدت کو محسوس کر کے خوفزدہ ہو گئی تھی جو فرزین کے وجود کے اندر پوشیدہ تھا۔

☆------☆------☆

ملازم نے مغرب کی نماز کے بعد ہی میز پر برتن لگا کر کھانے چن دیئے تھے۔ ناہید جا کر ساس کو لے آئی' بیگم سجاد کی طبیعت آج کچھ بہتر نظر آ رہی تھی۔ ناہید نے فراز اور فرزین کو کھانے کی اطلاع کرائی تو وہ بھی آ گئے۔ فرزین نے شام والا شلوار سوٹ بدل لیا تھا اور اس وقت بنارسی ساڑھی میں ملبوس نظر آ رہی تھی' فراز ڈھیلے ڈھالے لباس میں تھے۔

بیگم سجاد نے بہو کی تیاری کو غور سے دیکھا' فراز کے قریب بیٹھی وہ بڑی لاپرواہی سے اپنی پلیٹ میں نرگسی کوفتے نکال رہی تھی' فراز ماں اور بیوی کے درمیان بیٹھے تھے اور کچھ الجھن میں دکھائی دے رہے تھے' کھانے کے دوران کچھ دیر تک ایک سوگوار سی خاموشی طاری رہی پھر فراز نے دبی زبان میں ماں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے امی حضور!"

"خدا کا فضل و کرم ہے..... پہلے سے خاصی بہتر ہے۔" بیگم سجاد نے جواب دیا۔

"میں نے آج ڈاکٹر صمد سے فون پر بات کی تھی' وہ کہہ رہے تھے اب صرف

کمزوری باقی رہ گئی ہے' کچھ دنوں میں وہ بھی دور ہو جائے گی۔"

"سب سے بڑی کمزوری تو بڑھاپا ہے' فراز بیٹے! جس کا ڈاکٹروں کے پاس بھی کوئی علاج نہیں۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "مریض کو دلاسہ دینے کی اور بات ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ اگر آپ تبدیلی آب و ہوا کے لئے کچھ دنوں کو کسی پہاڑی مقام پر چلی جائیں تو صحت پر خوشگوار اثر پڑے گا۔"

"ڈاکٹر بھی یہی مشورہ دے رہا تھا۔" بیگم سجاد نے ایک اچٹتی نظر بہو پر ڈالتے ہوئے فراز سے کہا۔ "لیکن میرے ساتھ کون گھسٹتا پھرے گا۔"

"آپ آمادہ ہو جائیں امی حضور! تو میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔" ناہید نے بڑے خلوص سے کہا۔ "عبدل کو اوپر کے کام کے لئے ساتھ لے چلیں گے۔"

"تم میرے ساتھ چلی جاؤ گی تو یہاں گھر کی دیکھ بھال کون کرے گا؟"

"یہی فکریں تو آپ کو الجھائے رکھتی ہیں۔" فراز بولے۔ "آپ کو گھر کی دیکھ بھال سے زیادہ اپنی صحت پر توجہ دینی چاہئے امی حضور! اس لئے کہ ہمیں جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ آپ کی صحت اور زندگی ہے۔"

"یہ تمہاری لیاقت ہے جو ایسا سوچتے ہو ورنہ اب تو میرا وجود صرف ایک کمرے تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔" بیگم سجاد نے گلاس اٹھا کر ایک گھونٹ پانی پیتے ہوئے کہا۔ "اب تو ایک ہی جگہ پڑے پڑے خود میری طبیعت بھی اکتانے لگی ہے۔"

"اسی لئے تو عرض کر رہا ہوں امی حضور کہ آب و ہوا کی تبدیلی آپ کے لئے نہایت مفید ثابت ہو گی۔" فراز بولے۔ "آپ آج ہاں کر دیجئے' میں کل ہی آپ کی روانگی کے سارے اہتمام کئے دیتا ہوں۔ رہا گھر کا مسئلہ تو کھانا پکانے کے لئے خانساماں موجود ہے' اوپر کے کاموں کے لئے ملازمین ہیں' مالی ہے' ڈرائیور ہے پھر آپ کو فکر کس بات کی ہے۔"

"فکر تو کسی بات کی نہیں ہے' خدا کا دیا سب کچھ موجود ہے لیکن ایک آرزو باقی رہ گئی ہے' وہ پوری ہو جائے تو پھر میں حج کرنے ضرور جاؤں گی۔"

"اور میں بھی آپ کے ہمراہ چلوں گی امی حضور!" ناہید نے جلدی سے کہا۔

"ضرور چلنا بیٹی!" بیگم سجاد ناہید کو دیکھتے ہوئے بڑی اپنائیت سے بولیں۔ "خدا ہر مسلمان کو یہ سعادت نصیب کرے۔"

"آمین!" ناہید بولی۔

"بھابی!" فرزین نے کھانے کا چٹخارہ لیتے ہوئے پہلی بار زبان کھولی۔ "یہ نرگسی کوفتے کس نے پکائے ہیں؟"

"یہ میں نے تیار کئے تھے ..... کیوں' کیا پسند نہیں آئے؟" ناہید نے مسکراتے ہوئے فرزین کی طرف دیکھا۔

"بے حد لذیذ اور خوش ذائقہ ہیں۔" فرزین نے نوالہ لیتے ہوئے تعریف کی۔

"مجھے تو ان میں ایسی کوئی خاص بات نہیں نظر آئی جس کی تعریف کی جا سکے۔" فراز نے ناہید کو چھیڑنے کی خاطر کہا پھر ماں سے پوچھا۔ "آپ کا کیا خیال ہے امی حضور!"

"میرا خیال ہے کہ تمہارے منہ کا مزہ خراب ہو گا ورنہ نرگسی کوفتے تو فرزین بیٹی کے کہنے کے مطابق نہایت لذیذ اور خوشذائقہ بنے ہیں۔" بیگم سجاد نے ناہید کی حمایت کی تو فراز مسکرا دیئے۔

"سبزیوں کی ترکاری بھی نہایت لاجواب ہے۔" فرزین نے کہا۔

"ترکاری خانساماں نے تیار کی ہے۔" ناہید نے کہا پھر شامی کباب کی پلیٹ اٹھا کر ساس کے آگے کرتی ہوئی بولی۔ "امی حضور! یہ کباب بھی چکھ کر دیکھئے' یہ بھی میں نے اپنے ہاتھوں سے بنائے ہیں۔"

"گویا ترکاری کی ہانڈی خانساماں نے پیروں سے تیار کی ہے۔" فراز نے پھر ناہید کو چھیڑا تو فرزین بول پڑی۔

"یہ آپ بلاوجہ ناہید بھابی کو تنگ کرنے پر کیوں تلے ہوئے ہیں۔"

"اس کی عادت ہے بیٹی!" بیگم سجاد نے مسکراتے ہوئے فرزین سے کہا۔ "اب تو شادی کے بعد کچھ سدھر گیا ہے ورنہ اس سے پہلے تو اپنی بھابی کا ناک میں دم کئے رہتا تھا۔"

"اور اب یہ ہر وقت فرزین کا ناطقہ بند کئے رہتے ہیں۔" ناہید نے ساس سے کہا۔

"ابھی کل ہی کی بات ہے امی حضور! فرزین نے پیازی رنگ کی گل بوٹوں والی ساڑھی باندھ رکھی تھی' بالکل چینی گڑیا جیسی لگ رہی تھی۔ جانتی ہیں فراز نے کیا کہا۔"

"کوئی حماقت کی بات کہی ہو گی۔" بیگم سجاد بولیں۔

"دیکھتے ہی کہنے لگے کہ سارنگی پر اتنا قیمتی غلاف کس نے چڑھا رکھا ہے۔"

"بُری بات ہے فراز!" بیگم سجاد نے بیٹے کو گھورتے ہوئے کہا۔ "تمہیں فرزین کو ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا۔"

"یہ تو ایک چھوٹی سی بات تھی امی حضور! جو ناہید بھابی نے کہہ دی ورنہ یہ تو مجھے ہر وقت میرے دبلا ہونے کا مذاق اڑاتے رہتے ہیں۔" فرزین نے بھی پہلی بار ساس سے کہا۔

"کیوں فراز! یہ میں کیا سن رہی ہوں۔" بیگم سجاد نے فراز کو گھورا تو وہ بڑی معصومیت سے بولے۔

"امی حضور! ان دونوں نے میرے خلاف سازباز کر رکھی ہے اور بلاوجہ الٹی سیدھی شکایتیں کر رہی ہیں ورنہ آپ تو جانتی ہیں کہ میں تو صرف اپنے کام سے کام رکھتا ہوں۔"

"میں خوب جانتی ہوں کہ تم کتنے سیدھے اور بھولے بھالے ہو۔" بیگم سجاد نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ "خبردار ..... اگر آئندہ تم نے میری فرزین کی شان میں کوئی گستاخی کی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔"

ناہید اور فرزین دونوں ہی فراز کو دیکھ کر مسکرا رہی تھیں۔

"اب تو خوش ہو گئیں۔" فراز نے ناہید کو گھورتے ہوئے کہا۔ "جھوٹی سچی لگا کر امی حضور سے ڈانٹ سنوا کر آ گیا چین۔"

"میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی تھی ..... کیوں فرزین!" ناہید نے فرزین کی جانب دیکھتے ہوئے اشارہ کیا تو فرزین نے بھی اُس کی ہاں میں ہاں ملانی شروع کر دی۔

کھانے کے دوران اسی قسم کی دلچسپ باتیں ہوتی رہیں پھر سب اٹھ کر ڈرائنگ روم میں آ گئے تو ملازم نے چائے کی ٹرالی لا کر ناہید کے سامنے روک دی' ناہید نے سب کے لئے چائے بنانی شروع کر دی' بیگم سجاد بڑے صوفے پر بیٹھی تھیں' اُن کی نگاہیں بار بار فرزین کے لباس کی جانب اٹھ رہی تھیں' یہ بات اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ آخر اس وقت فرزین نے بنارسی ساڑھی کیوں پہن رکھی ہے' ایک بار اُن کے جی میں آئی تھی کہ بہو سے اس تیاری کا سبب پوچھ لیں لیکن پھر مصلحتاً خاموش رہیں' مبادا کہیں اُن کی بات کا بُرا نہ منا لے۔

ناہید نے چائے بنا کر سب کو پیش کی' چائے کے دوران بھی کچھ دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر اچانک فرزین نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالتے ہوئے فراز سے کہا۔

"کیا آپ کا لباس تبدیل کرنے کا ارادہ نہیں ہے؟"

فراز فرزین کے اس اچانک سوال پر کچھ گڑبڑا سے گئے۔ بیگم سجاد کی بوڑھی نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ بیٹے اور بہو نے کہیں جانے کا پروگرام بنایا ہے۔ لہٰذا انہوں نے فراز کی مشکل حل کرتے ہوئے پوچھا۔

"کیوں فراز! کیا اس وقت کہیں باہر جانے کا پروگرام ہے؟"

"جی ہاں امی حضور! وہ ذرا یونہی ..... فرزین کی ایک سہیلی کل امریکہ جا رہی ہیں اس لئے فرزین چاہتی ہیں کہ آج ہی اُن سے مل لیا جائے۔" فراز نے جلدی سے ایک بہانہ تراشتے ہوئے پوچھا۔ "اگر آپ اجازت دیں تو ہو آؤں تھوڑی دیر کو۔"

"بڑی خوشی سے جاؤ۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "میں نے پہلے کبھی تمہیں کہیں آنے جانے سے روکا ہے جو آج منع کروں گی۔"

"پہلے کی بات اور تھی امی حضور! لیکن اب فرزین بھی میرے ساتھ ہیں اس لئے....."

"ایسی کوئی بات نہیں ہے فراز بیٹے!" بیگم سجاد بولیں۔ "جس طرح تم میری اولاد ہو اسی طرح اب فرزین بھی میری بیٹی ہے اور پھر اگر تم فرزین کو ساتھ لے جا رہے ہو تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے ..... بڑے شوق سے جاؤ۔"

"ہو سکتا ہے ہماری واپسی میں دیر ہو جائے اس لئے آپ انتظار نہ کیجئے گا۔" فراز نے کہا۔ "میں ملازم سے کہہ جاؤں گا۔"

"فراز!" فرزین نے جو ابھی تک ماں بیٹے کی باتیں خاموشی سے سن رہی تھی جلدی سے کہا۔ "کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ امی حضور کو صاف صاف بتا دیں کہ ہم اس وقت کسی سہیلی سے ملنے نہیں بلکہ پکچر دیکھنے جا رہے ہیں۔"

اور فرزین کی بات سن کر فراز نے چونکتے ہوئے فرزین کو گھورا' بیگم سجاد نے فراز کی بوکھلاہٹ کو معنی خیز نظروں سے دیکھا اور ناہید بھی اپنی جگہ کرسی پر پہلو بدل کر رہ گئی۔

کچھ دیر تک ماحول پر ایک ناخوشگوار سی سنجیدگی طاری رہی پھر فراز نے آہستہ سے کہا۔

"امی حضور! فرزین ٹھیک کہہ رہی ہے' ہم دراصل اس وقت فلم دیکھنے جا رہے ہیں۔"

"تم اگر پہلے ہی یہ بات کہہ دیتے تو بھی میں تمہیں منع نہ کرتی۔" بیگم سجاد نے ہونٹ کاٹتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میں معذرت خواہ ہوں ..... لیکن مجھے اس بات کا اندیشہ تھا کہ آپ فلم کا نام سن کر شاید اجازت نہ دیں۔"

"اب تمہاری شادی ہو چکی ہے فراز میاں!" بیگم سجاد نے فرزین کو کنکھیوں سے

دیکھتے ہوئے بیٹے سے کہا۔ "تمہیں اب اپنے آپ میں زیادہ اعتماد پیدا کرنے کی ضرورت ہے' اپنے ساتھ ساتھ اب تمہیں فرزین کی خواہشات کا بھی احترام کرنا چاہئے۔ یہ درست ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں کبھی سینما نہیں دیکھا اور نہ ہی میں ان فضولیات کو اچھا سمجھتی ہوں لیکن ضروری تو نہیں ہے کہ جو چیز مجھے ناپسند ہو میں اُسے دوسروں پر بھی حرام کر دوں ..... تم اگر فرزین کو فلم دکھانے لے جا رہے ہو تو میری طرف سے تمہیں پوری اجازت ہے لیکن تم نے مجھ سے غلط بیانی کر کے اچھا نہیں کیا۔ تم سے زیادہ خوداعتمادی تو فرزین میں ہے جس نے بڑی صاف گوئی سے کھل کر اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔"

"میں معافی چاہتا ہوں امی حضور!" فراز نے ماں کو کبیدہ خاطر دیکھا تو سٹپٹا گئے۔ "آئندہ ایسی غلطی نہیں ہو گی۔"

"ٹھیک ہے بیٹے!" بیگم سجاد بولیں۔ "خدا تم دونوں کو ہمیشہ خوش رکھے۔"

"اور آئندہ سے امی حضور سے سچ بولنے کی توفیق عطا فرمائے۔" فرزین نے شوخی سے کہا تو فراز اور زیادہ گڑبڑا گئے' جلدی سے اٹھے اور فرزین کو گھورتے ہوئے کپڑے تبدیل کرنے کے ارادے سے اپنے کمرے کی جانب چلے گئے۔

"میں تم سے بہت خوش ہوں فرزین بیٹی!" بیگم سجاد نے فراز کے جانے کے بعد بہو سے کہا۔ "تمہاری صاف گوئی مجھے پسند آئی۔"

"میں نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ آپ کو سچ بات سے آگاہ کر دوں' ورنہ اگر بعد میں آپ کو حقیقت معلوم ہوتی تو یقینی طور پر آپ کو زیادہ صدمہ ہوتا۔" فرزین سنجیدگی سے بولی۔

"تم خاصی سمجھدار ہو بیٹی!"

"لیکن فراز کے سامنے ایک بھی نہیں چلتی۔" ناہید نے ماحول کا رنگ بدلنے کی خاطر مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ تو اس وقت اتفاق تھا جو فراز بوکھلا کر اٹھ گئے۔"

"امی حضور!" فرزین نے ناہید کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے براہِ راست ساس سے پوچھا۔ "کیا یہ حقیقت ہے کہ آپ نے کبھی کوئی پکچر نہیں دیکھی؟"

"ہاں بیٹی! یہ سچ ہے۔" بیگم سجاد نے بہو کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔ "خدا بخشے ابا جان کو اور امی جان کو ..... انہوں نے صرف ایک بار مجھے نصیحت کی تھی کہ لغو قسم کے ناچ گانے دیکھنا بُری بات ہے اور میں نے بزرگوں کی نصیحت کو اپنی گرہ میں باندھ لیا تھا۔"

"لیکن میرے ڈیڈی تو اسے بالکل معیوب نہیں سمجھتے۔" فرزین تیزی سے بولی۔ "بلکہ وہ تو خود مجھے اپنے ساتھ فلم دکھانے لے جاتے تھے۔"

"اپنے اپنے دل کی بات ہوتی ہے۔" بیگم سجاد نے آہستہ سے کہا۔

"آپ کا کہنا بھی بجا ہے لیکن انسان کے لئے تھوڑی بہت تفریح بھی ضروری ہے۔" فرزین نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

بیگم سجاد نے بہو کی بات سنی تو چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا' جواب میں کچھ کہنا چاہا لیکن مصلحت درپیش آ گئی تو ہاتھ مل کر چپ ہو گئیں۔ ناہید کو بھی فرزین کی یہ بے تکلفی کچھ پسند نہیں آئی تھی لیکن ساس کی موجودگی میں اُس نے بھی فرزین کو ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ سٹپٹا کر رہ گئی۔

"اچھا امی حضور! اب آپ آرام کریں' میں ذرا جا کر دیکھتی ہوں کہ فراز کیا کر رہے ہیں۔" فرزین نے ساس کے چہرے کے رنگ کو بدلتے دیکھا تو اکتائے ہوئے لہجے میں بولی پھر لاپرواہی سے اٹھی اور ساڑھی کا پلو سمیٹتی چلی گئی۔

☆======☆======☆

ناہید ساس کے کمرے سے نکل کر باورچی خانے کی طرف جا رہی تھی کہ اچانک شہناز کو آتا دیکھ کر رک گئی۔ لپک کر بولی۔

"ارے شہناز! تم' یہ اچانک کیسے آنا ہوا' نرجس کہاں ہے؟"

"بس رہنے دو۔" شہناز نے قدرے خفگی سے جواب دیا۔ "صورت دیکھ کر تو چمکنے لگیں' ویسے کبھی پلٹ کر بھی خبر نہ لی کہ زندہ ہوں یا مر گئی۔"

"مریں تمہارے دشمن۔" ناہید نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "سچ بتاؤ' کیا تنہا آئی ہو۔"

"ڈرائیور ساتھ ہے لیکن بوڑھا آدمی ہے بیچارا اس لئے خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔"

"خدا سمجھے تم سے۔" ناہید نے شوخی سے کہا۔ پھر شہناز کا ہاتھ پکڑے ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ "اب سناؤ سب خیریت ہے نا؟"

"اپنی تو خیریت ہے لیکن نرجس کی خیریت نظر نہیں آتی۔" شہناز سنجیدگی سے بولی۔

"کیوں ..... کیوں" ناہید نے تیزی سے پوچھا۔ "نرجس کو کیا ہوا؟"

"فی الحال تو کچھ نہیں ہوا لیکن عنقریب جو کچھ ہونے والا ہے اس سے دل ڈرتا

ہے۔"

"پریشان مت کرو شہناز! جلدی سے بتاؤ کہ نرجس کیسی ہے؟"

"کہہ تو دیا کہ وہ خیریت سے ہے اور چشم بددور بڑی بھلی چنگی ہے۔"

"پھر..... کیا ہونے والا ہے۔" ناہید نے الجھتے ہوئے کہا۔ "پہیلیاں کیوں بجھوا رہی ہو؟"

"ہماری ساس صاحبہ نے نرجس کے لئے بڑے زور شور سے رشتوں کی تلاش شروع کر رکھی ہے۔" شہناز بولی۔ "ایک صاحبزادے تو اُن کے معیار پر پورے بھی اتر چکے ہیں اور میرا خیال ہے کہ نرجس کا قرعہ اُن ہی کے حق میں نکلے گا۔"

"کیا بات ابھی پکی نہیں ہوئی؟"

"اندر اندر کھچڑی تو پک رہی ہے مگر تم تو جانتی ہو کہ میں محترمہ ساس صاحبہ کی نظروں میں روز اوّل ہی سے کھٹک رہی ہوں چنانچہ ابھی تک مجھے تاریکی میں رکھا جا رہا ہے' ویسے معتبر ذرائع سے یہی معلوم ہوا ہے کہ ایک دو مہینے کے اندر نرجس کی شادی ہو جائے گی۔"

"لڑکا کیا کرتا ہے؟" ناہید نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔

"سنا ہے اُس نے اسی سال مقابلے کا امتحان پاس کیا ہے اور عنقریب کسی بڑے عہدے پر تعیناتی ہونے والی ہے۔"

"اور کوئی اتہ پتا؟"

"صاحبزادے کا نام عقیل ہے' باپ ریٹائر ہو چکے ہیں لیکن پہلے کانپور میں انکم ٹیکس کمشنر رہ چکے ہیں' اچھا خاصا کھاتا پیتا گھرانہ ہے اور باحیثیت لوگ ہیں۔"

"کیا تم نے بھی لڑکے کو دیکھا ہے؟"

"کیوں نہیں۔" شہناز بولی۔ "میں تو کرید میں لگی رہتی ہوں کہ کب وہ آئے او کب اُس کے دیدار نصیب ہوں۔ ایمان سے ناہید! ہے واقعی دیکھنے کے قابل' بڑا اسمارٹ اور سویٹ لڑکا ہے۔ نرجس تو اُسے ایک نظر دیکھتے ہی اس پر دل و جان سے لٹو ہو گئی ہے۔"

"مجھے تو تیرے ارادے بھی کچھ نیک نظر نہیں آتے۔" ناہید شوخی سے بولی۔

"ایمان کی بات تو یہی ہے کہ اگر میرے پیروں میں تمہارے سلیم بھائی کی زنجیر ہوتی تو میں نرجس کو عقیل کی ہوا بھی نہ لگنے دیتی' درمیان ہی سے لے اڑتی۔" شہنا

بڑے روہانسے لہجے میں بولی۔ "سچ ناہید! اُسے دیکھ کر ہی دل میں گدگدی ہونے لگتی ہے۔"

"پھر تو ہمیں نرجس کو خوش قسمت کہنا چاہئے جو اتنا اچھا رشتہ مل رہا ہے۔"

"میری تو خدا سے یہی دعا ہے کہ نرجس کا رشتہ عقیل سے ہو' ڈیڈی کہہ رہے تھے کہ ہو سکتا ہے کہ عقیل کی تعیناتی ڈپٹی کمشنر کی حیثیت سے ہو لیکن خدا چہرو چار بگھار و پانچ رکھے ہماری ساس صاحبہ کو' ابھی تک وہ لڑکے کو ٹھونک بجانے میں لگی ہوئی ہیں اور خاندانی شجروں کے چکر میں الجھی ہوئی ہیں۔ کون جانے کل دماغ کی کوئی رگ کھنچ جائے اور وہ نرجس کے رشتے کی باگ ڈور کسی اور خاندان کی طرف موڑ دیں۔" شہناز بولی۔ "اگر ان کی جگہ میں ہوتی تو یہ رشتہ کسی قیمت پر ہاتھ سے نہ جانے دیتی بلکہ رخصتی پہلے کر دیتی لڑکی کی تاکہ لڑکے پر قبضہ ہو جاتا' نکاح کی رسم بعد میں ادا ہوتی رہتی۔"

"یہ تو خیر مذاق کی بات ہے لیکن اگر رشتہ واقعی اتنا اچھا اور مناسب ہے تو چچی جان کو اس میں دیر نہیں کرنی چاہئے۔" ناہید نے پوچھا۔ "چچا جان کا کیا خیال ہے اس رشتے کے بارے میں؟"

"وہ....." شہناز ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولی۔ "وہ بیچارے تو آج تک خود اپنے ہی رشتے پر کفِ افسوس ملتے رہتے ہیں' نرجس کے سلسلے میں اُن کی کیا چل پائے گی' جو کچھ فیصلہ ہو گا وہ ہماری ساس صاحبہ کی مرضی سے ہو گا اور اگر کسی نے انہیں عقل کی کوئی بات سمجھانے کی کوشش کی تو ہو سکتا ہے کہ محض اپنی آن کی خاطر وہ عقیل کے بارے میں سوچنا ہی ترک کر دیں۔"

"اے شہناز کی بچی!" ناہید نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ "ذرا زبان کو لگام..... تُو مستقل میرے سامنے میری چچی کی بُرائیاں کئے جا رہی ہے۔"

"میرے باپ کی توبہ۔" شہناز جلدی سے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے سہمے ہوئے انداز میں بولی۔ "مجھے کیا پڑی ہے کہ جانتے بوجھتے بھڑ کے چھتے کو ہاتھ لگاؤں۔"

اور شہناز نے یہ جملہ کچھ ایسی ہی بے ساختگی اور معصومیت سے کہا تھا کہ ناہید بے اختیار ہنس دی۔ اُن کے درمیان ابھی عقیل اور نرجس کے رشتے کی بات ہو رہی تھی کہ فرزین آ گئی۔ اس وقت اُس نے سر تا پا سفید لباس پہن رکھا تھا اور بے حد اسمارٹ نظر آ رہی تھی' شہناز اٹھ کر اُس سے بڑے تپاک سے ملی۔ شادی کے موقع پر اور اُس کے بعد بھی فرزین اور شہناز وغیرہ کی ملاقات ہو چکی تھی اس لئے فرزین دو تین ملاقاتوں ہی میں

شہناز اور شازیہ سے خاصی بے تکلف ہو گئی تھی۔

"آپ کب تشریف لائیں؟" فرزین نے شہناز کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "مجھے خبر بھی نہیں کی۔"

"آج کی آمد محض اتفاقیہ ہے۔" شہناز بولی۔ "کچھ چیزیں خریدنے نکلی تھی' ادھر سے گزری تو سوچا ناہید اور آپ سے ملتی چلوں۔"

"آپ کا اپنا گھر ہے' جب چاہیں بڑے شوق سے تشریف لائیں۔" فرزین بے حد اخلاق سے بولی۔ "مجھے خاص طور پر آپ سے اور شازیہ بہن سے مل کر بڑی مسرت ہوتی ہے۔"

"ذرہ نوازی ہے آپ کی ورنہ میں بھلا کس قطار شمار میں ہوں۔"

"آپ کچھ تکلف سے کام لے رہی ہیں اس وقت۔" فرزین مسکرا کر بولی۔ "ورنہ ناہید بھابی تو آپ کی زندہ دلی کے گن گاتی رہتی ہیں۔"

"تمہیں دیکھ کر کچھ سنجیدہ ہو گئی ہے ورنہ ابھی کچھ دیر پہلے تک تو خاصی چہک رہی تھیں۔" ناہید نے شہناز کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں شہناز بہن!" فرزین نے شہناز سے پوچھا۔ "کیا ناہید بھابی ٹھیک کہہ رہی ہیں؟"

"ان کی تو عادت ہے بڑھا چڑھا کر باتیں کرنے کی۔" شہناز بولی۔ "جسے چاہے آسمان پر چڑھا دیں ..... ویسے ان کے کاٹے کا منتر بھی نہیں' آپ ذرا بچ کر رہئے گا۔"

"شروع کر دی بکواس۔" ناہید نے شہناز کو گھورتے ہوئے کہا۔ "میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے جو تم میرے خلاف زہر اُگل رہی ہو۔"

"خیر بہن! تم نہ مانو یہ تمہاری ہٹ دھرمی ہو گی ورنہ یہ حقیقت ہے کہ میں بھی تمہاری باتوں میں آ کر آج تک اپنے نصیبوں کو رو رہی ہوں۔" شہناز سنجیدگی سے بولی۔

"کیا مطلب ..... میں نے جناب کا کیا بگاڑا ہے؟" ناہید نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"بگاڑنا بنانا تو خیر خدا کے ہاتھ میں ہے لیکن بُرا نہ ماننا بہن! تم نے کوئی کسر بھی نہیں اٹھا رکھی۔" شہناز نے جلا کٹا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "تم ہی نے تو اپنے سلیم بھائی کی شان میں قصیدے پڑھ پڑھ کر میرے معصوم دل میں محبت کی شمع ..... روشن کی تھی ..... اب یہ میری حماقت تھی جو میں نے تمہاری چکنی چپڑی باتوں میں آ کر قاضی

کے آگے ہاں کہہ دی ..... نکاح نامے پر دستخط کر دیئے اور آج تک اپنے کئے کی سزا بھگت رہی ہوں۔"

"خدا سمجھے تجھ سے۔" ناہید مسکرا کر بولی۔ "میں نے کب دیکھا تھا تمہیں شادی سے پہلے۔"

"جب نہ دیکھنے پر یہ عالم ہے تمہارا تو دیکھ لیتیں تو نہ جانے اور کیا کیا گل کھلاتیں۔" شہناز نے تیزی سے کہا۔ "واہ ..... یہ بھی کوئی شادی میں شادی ہوئی کہ شوہر صاحب تو کوسوں دور لندن میں بیٹھے رنگ رلیاں منا رہے ہیں اور میں بیچاری' دکھیاری یہاں بیٹھی اُن کے انتظار ہی انتظار میں گھلی جا رہی ہوں۔"

"اچھا....." فرزین نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ کے شوہر لندن گئے ہوئے ہیں؟"

"ہاں بہن!" شہناز نے سرد آہ بھر کر کہا۔ "انہیں گئے ہوئے تو آج تین ماہ ہو رہے ہیں۔"

"یہ تو واقعی بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے آپ کے ساتھ۔" فرزین بولی۔ "آپ کو تو اپنے شوہر کے ساتھ جانا چاہئے تھا۔"

"ظالم سماج راستے میں حائل ہو گیا ورنہ میں بھلا رکنے والی تھی۔"

"کیا آپ کے شوہر اب آپ کو نہیں بلوا سکتے۔" فرزین نے کہا پھر بڑے خوابناک لہجے میں بولی۔ "میں تو لندن کے بارے میں سوچتی بھی ہوں تو خوابوں کی دنیا میں کھو جاتی ہوں۔"

"اپنی اپنی قسمت ہے فرزین بہن!" شہناز نے کہا۔ "آپ کی تو نئی نئی شادی ہوئی ہے۔ فراز بھائی جیسا شوہر قدرت نے عطا کیا ہے آپ تو جب چاہیں گھر بیٹھے لندن کا لطف اٹھا سکتی ہیں لیکن میرے دل پر کیا بیت رہی ہے' آپ نہیں سمجھ سکتیں۔"

"شہناز کی بچی!" ناہید نے اُسے ٹوکتے ہوئے کہا۔ "لگتا ہے تیرے اوپر بھی شازیہ کا اثر ہو گیا ہے جو منہ میں آتا ہے بک دیتی ہے۔"

"دل جلے گا تو دھواں بھی ضرور اٹھے گا۔" شہناز نے بدستور سنجیدگی سے جواب دیا۔

"آپ خود کیوں نہیں چلی جاتیں بہن۔" فرزین بولی۔ "میرا خیال ہے آپ کا یہ مطالبہ نہایت حق بجانب ہو گا۔"

"سو فیصد جائز ہے لیکن میری ساس صاحبہ شاید اسے پسند نہ کریں۔"

"اوہ It is really nonsence" فرزین ایک دم کڑوا سا منہ بنا کر بڑی حقارت سے بولی۔ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ بڑی بوڑھیاں میاں بیوی کے ذاتی معاملات میں اس قدر کیوں دخیل ہو جاتی ہیں ..... کیا یہ ہمارے ساتھ سراسر ظلم نہیں ہے۔"

"ارے ..... آپ تو سچ مچ سنجیدہ ہو گئیں۔" شہناز مسکرا دی۔ "میں تو یونہی مذاق کر رہی تھی۔"

ناہید نے فرزین کی بات سن کر اُسے غور سے دیکھا' پھر ہاتھ مسل کر چپ ہی رہی۔

"ہو سکتا ہے کہ آپ نے اس وقت محض مذاق کیا ہو لیکن جو کچھ میں کہہ رہی ہوں وہ بھی اپنی جگہ درست ہے۔" فرزین نے سنجیدگی سے کہا۔ "اپنے زمانے میں تو یہ بڑی بوڑھیاں خوب مزے کر لیتی ہیں لیکن جب اُن کے دل اور جذبات مردہ ہو جاتے ہیں تو نہ جانے کیوں یہ بزرگی کا لبادہ اوڑھ کر ہمارے جنم میں کیڑے تلاش کرنے بیٹھ جاتی ہیں اور قدم قدم پر ایسی روک ٹوک شروع کر دیتی ہیں کہ زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں فرزین لیکن یہ بات بھی آپ کو تسلیم کرنی پڑے گی کہ ہمارے یہی بزرگ ہمیں زندگی کا قرینہ بھی سکھاتے ہیں' اپنی تہذیب سے روشناس کراتے ہیں اور ہمارے لئے نہ صرف یہ کہ مشعل راہ بنتے ہیں بلکہ ہماری زندگی کا سب سے قیمتی اور انمول سرمایہ ہوتے ہیں۔" شہناز نے بڑی سنجیدگی سے اپنے دلائل پیش کرتے ہوئے کہا۔ "جس دن ان بزرگوں کا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ گیا' میں یقین دلاتی ہوں کہ منزل کا نشان بھی ہمیں نہ مل سکے گا' ہم صراط مستقیم سے بھٹکتے پھریں گے اور کوئی ہماری رہنمائی کرنے والا نہ ہو گا۔"

"پلیز شہناز بہن!" فرزین نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ "آپ جیسی خوش طبع اور دلچسپ خاتون کی زبان سے یہ فرسودہ باتیں اچھی نہیں لگ رہی ہیں' آپ تو بس ہنسنے ہنسانے کی باتیں کرتی اچھی لگتی ہیں۔"

"آپ سنایئے۔" شہناز نے بڑی خوبصورتی سے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔ "ہمارے فراز بھائی کیسے ہیں' آپ کی اُن کے ساتھ کیسی گزر رہی ہے؟"

"ابھی تک تو خدا کے فضل و کرم سے سب ٹھیک ٹھاک ہے ..... آئندہ کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔" فرزین لاپرواہی سے بولی۔

"کیوں؟" شہناز نے دبی زبان میں پوچھا۔ "کیا آپ کو اپنے آپ پر اعتماد نہیں

ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" فرزین تیزی سے بولی۔ "مجھے اپنے آپ پر بھی اعتماد ہے اور فراز پر بھی' لیکن اگر آپ پُرسکون دریا کی سطح پر کوئی کنکری اچھال دیں تو بھنور اور لہریں ضرور پیدا ہوتی ہیں۔"

"تیراک مشاق ہو تو طوفانوں میں گھر جانے کے بعد کنارہ تلاش کر لیتا ہے۔" شہناز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "لطف تو یہی ہے کہ انسان حالات کے بھنور میں پھنس کر بھی پریشان نہ ہو ..... مسکراتا رہے۔"

"کبھی فرصت ملی تو آپ کی باتوں پر غور کروں گی۔" فرزین نے روکھے لہجے میں جواب دیا پھر کسی بہانے سے وہاں سے اٹھ گئی تو شہناز نے ناہید سے کہا۔

"مجھے فرزین کی باتوں سے بغاوت کی بو آتی ہے۔"

"ابھی ناسمجھ ہے۔" ناہید نے جلدی سے کہا۔ "وقت اور حالات کے ساتھ ساتھ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو ورنہ ہمارے فراز بھائی تو بلاوجہ پریشان ہو جائیں گے۔"

"ماں کے نہ ہونے سے فرزین کی تربیت صحیح طور پر نہ ہو سکی۔" ناہید نے سنجیدگی سے کہا۔ "کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو ماں کے علاوہ کوئی اور نہیں سمجھا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ فرزین کو ابھی زندگی کا تجربہ نہیں ہو سکا لیکن مجھے یقین ہے کہ وقت اس کے لئے مشعل راہ بن جائے گا۔"

"کیا خالہ جان کے سامنے بھی اسی طرح گفتگو کرتی ہے؟" شہناز نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"نہیں' ابھی تک تو ایسی کوئی بات نہیں ہوئی۔ میں فرزین کو زندگی کے نشیب و فراز کے بارے میں سمجھاتی رہی ہوں۔ آہستہ آہستہ وہ حالات سے مفاہمت کا انداز اپنا لے گی۔"

"اچھا بھئی ..... میں اب چلتی ہوں' ڈیڈی راہ دیکھ رہے ہوں گے۔" شہناز اٹھتے ہوئے بولی۔ "پھر کسی روز اطمینان سے آؤں گی۔"

ناہید نے اُسے چائے کے لئے بہتیرا روکنا چاہا لیکن وہ دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی' جاتے جاتے اُس نے ناہید کو اس بات کی تاکید کر دی تھی کہ وہ عقیل والی بات اس وقت تک کسی اور کے سامنے زبان پر نہ لائے جب تک نجمہ بیگم از خود اس رشتے کا باضابطہ

اعلان نہ کر دیں۔

☆------☆------☆

شیخ حامد حسین مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر جیسے ہی کمرے میں آئے نجمہ بیگم بھی پیچھے آ گئیں۔ چہرہ خاصا ہشاش بشاش نظر آ رہا تھا۔ حامد حسین نے بیوی کے چہرے کے تاثرات دیکھے تو سمجھ گئے کہ وہ کسی خاص بات کے ارادے سے اُن کے کمرے میں آئی ہیں' ورنہ جب سے سلیم لندن گیا تھا وہ شوہر سے کچھ روٹھی روٹھی سی نظر آتی تھیں اور اس کی وجہ سلیم سے شہناز تھی جسے حامد حسین بیٹے کے پاس لندن بھیجنے کے حق میں تھے جبکہ نجمہ بیگم روزِ اوّل ہی سے اس بات کی مخالفت کر رہی تھیں۔ غرضیکہ سلیم کے جانے کے بعد سے دونوں کے درمیان ایک کھچاؤ سا پیدا ہو گیا تھا۔ چنانچہ حامد حسین نے بیوی کو غور سے دیکھا لیکن خود سے اُن کے آنے کا سبب دریافت نہیں کیا' بستر پر کمر سیدھی کرنے کے ارادے سے لیٹ کر یونہی اخبار اٹھا لیا اور سرخیوں پر سرسری نگاہ ڈالنے لگے۔

"واہ ..... یہ بھی ایک ہی رہی۔" نجمہ بیگم نے شوہر کی عدم توجہی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "میں آپ سے کچھ ضروری بات کرنے آئی تھی اور آپ اخبار اٹھا کر بیٹھ گئے۔"

"کہئے....." حامد حسین نے اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

"آپ تو اس طرح دریافت کر رہے ہیں جیسے بہت جلدی میں کہیں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" بیگم شوہر کے قریب بڑے چاؤ سے بیٹھتے ہوئے بولیں۔

"سر میں خفیف سا درد ہے اس لئے طبیعت کچھ مکدر ہو رہی ہے۔ بہرحال' میں ہمہ تن گوش ہوں۔"

"مجھے اس وقت دراصل نرجس کے سلسلے میں بات کرنی ہے۔"

"کیا اسے اعلیٰ تعلیم کے لئے باہر بھیجنے کا ارادہ دوبارہ تازہ ہو گیا ہے۔"

"پہلے میرا یہی خیال تھا مگر اب میں سوچتی ہوں کہ بچی کی عمر نکلی جا رہی ہے اس لئے اس کی شادی کر دی جائے۔" نجمہ بیگم بولیں۔ "آج کل اُس کے رشتے بھی بہت آ رہے ہیں اور خدا کے فضل سے ایک سے ایک اچھا رشتہ مل رہا ہے۔"

"پھر ..... آپ نے کس کے حق میں اپنا فیصلہ کیا ہے۔" حامد حسین بدستور سنجیدہ تھے۔

"یوں تو خیر تمام اعلیٰ خاندان اور کھاتے پیتے گھرانے کے رشتے ہیں لیکن میں فی الحال صرف عقیل کے سلسلے میں غور کر رہی ہوں۔" نجمہ بیگم نے کہا۔ "سنا ہے اُس کی تقرری بھی کسی بڑے عہدے پر ہونے والی ہے۔"

"اور خدانخواستہ اگر اُس کی تعیناتی آپ کی توقع کے خلاف ہوئی تو کیا آپ اپنا ارادہ ملتوی کر دیں گی؟"

"ایسی بُری فال زبان سے کیوں نکال رہے ہیں۔" نجمہ بیگم تیزی سے بولیں۔ "اوّل تو عقیل کے والد کا اچھا خاصا اثر و رسوخ ہے دولت اور جائداد بھی اتنی ہے کہ انہیں بیٹے کی ملازمت کی کوئی فکر نہیں ہونی چاہئے لیکن اگر خدا نہ کرے خدا نہ کرے اُس کی تقرری کسی مناسب جگہ نہ ہوئی تو بھی وہ ہزاروں میں ایک ہے۔ اس کے علاوہ مجھے تو اُس کا بھولپن اور معصومیت بہت پسند ہے' اخلاق و کردار کا بھی اچھا ہے۔"

"یہی رائے آپ کی اوّل اوّل شہناز کے بارے میں تھی لیکن....."

"شروع کر دیں آپ نے میری جان جلانے والی باتیں۔" نجمہ بیگم تنک کر بولیں۔ "میں نے تو اپنے جانتے میں سلیم کی قسمت سنوارنے کی کوشش کی تھی لیکن جو کچھ سامنے آ رہا ہے وہ آپ بھی بخوبی جانتے ہیں اور پھر میں نے شہناز کو جیسا دیکھا اور محسوس کیا تھا ویسا ہی کہہ بھی دیا تھا..... یہ کیا خبر تھی کہ بہو بیگم کی وجہ سے ایک دن آپ کا طعنہ بھی سننا پڑے گا۔"

"اپنا اپنا خیال ہے بیگم! ورنہ شہناز آج بھی معصوم' شریف اور سلیقہ شعار لڑکی ہے۔" حامد حسین نے دبی زبان میں کہا۔ "آپ اگر آج بھی اس کے ساتھ محبت کا سلوک کریں تو مجھے یقین ہے کہ وہ آپ کے پاؤں دھو دھو کر پیئے گی۔"

"لیکن میں نے آپ کی بہو کو ایسے کوئی پتھر بھی نہیں مارے کہ وہ ہر وقت میری طرف سے منہ پھلائے بیٹھی رہیں۔" نجمہ بیگم نے جلے کٹے انداز میں جواب دیا۔

"یہ آپ کی زیادتی ہے جو ایسا سوچ رہی ہیں۔" حامد حسین نے بہو کی حمایت کرتے ہوئے کہا۔ "شہناز آپ کی جو عزت کرتی ہے وہ میں جانتا ہوں اور خدا جانتا ہے۔"

"خیر ہو گا..... اس وقت تو آپ اس مسئلے کو رہنے ہی دیجئے۔" نجمہ بیگم اکتائے لہجے میں بولیں۔ "فی الحال ہمیں نرجس کے مستقبل کے بارے میں سر جوڑ کر کچھ سوچنا ہے' دوسری باتیں بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔"

"جو آپ مناسب سمجھیں۔"

"صرف میرے سوچنے اور سمجھنے سے کیا ہو گا' آپ پر بھی اولاد کے مستقبل کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔"

"بجا فرمایا آپ نے۔" حامد حسین نے زہرخند سے کہا۔ "فرمایئے ..... کیا ذمہ داری سونپنا چاہتی ہیں آپ مجھے؟"

"لڑکی کا معاملہ ہے اس لئے چھان بین تو بہرحال آپ ہی کو کرنی ہو گی' دیگر باتیں بھی مردوں کے درمیان طے پائیں گی۔ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ ذرا آپ بھی عقیل کے خاندان اور گھرانے کے بارے میں اپنے ذرائع سے دریافت کرلیں تاکہ بات کو آگے بڑھایا جاسکے۔"

"ایمان کی بات ہے بیگم کہ اب تک جتنے رشتے ہماری نرجس کے لئے آئے ہیں اُن میں سے عقیل میاں ہی کا رشتہ مجھے زیادہ واجبی اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔" حامد حسین نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "عقیل کے والد کفیل الدین صاحب کو کون نہیں جانتا' صاحب عزت بھی ہیں اور صاحب جائیداد بھی اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اُن کے گھرانے میں بھی ہماری تہذیب کو بے حد دخل حاصل ہے۔ رہا عقیل میاں کا مسئلہ تو مجھے بھی لڑکا بہت پسند ہے' نہایت ملنسار اور شریف ہے' اس کی طبیعت میں انکساری اور بزرگوں کا ادب کرنے کا جو عنصر شامل ہے اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری نرجس بہت خوش و خرم رہے گی۔ ویسے جو خدا کو منظور ہو' غیب کا حال تو اس کے سوا اور کوئی نہیں جان سکتا۔"

"میں نے سنا ہے کہ کفیل الدین صاحب کے دو مکان یہاں الہ آباد میں بھی ہیں جن کا معقول کرایہ آتا ہے۔"

"یقیناً آپ کی اطلاع درست ہو گی لیکن میں آپ کا مقصد نہیں سمجھ سکا۔" حامد حسین نے بیوی کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ تو ہر بات کی کھال ادھیڑنے بیٹھ جاتے ہیں' کبھی دوراندیشی سے بھی کام لے لیا کیجئے۔" نجمہ بیگم بولیں۔ "میں نے الہ آباد والے مکانوں کا تذکرہ اس لئے کیا تھا کہ اگر یہ بات پہلے سے طے کرلی جائے کہ کفیل الدین صاحب ایک مکان ہماری نرجس کے نام کردیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔"

"اس میں کیا مصلحت ہے آپ کی؟"

"لڑکیوں کا معاملہ لڑکوں کے مقابلے میں زیادہ نازک اور قابلِ غور ہوتا ہے۔" نجمہ

بیگم نے کہا۔ "خدا نہ کرے کہ شادی کے بعد کوئی ایسی ویسی بات ہو لیکن اگر خدانخواستہ کوئی ناچاقی ہو جائے تو لڑکی کے پاس عزت کی زندگی گزارنے کے لئے کچھ نہ کچھ سہارا تو ہونا چاہئے۔"

"آپ اپنے خیال کے مطابق ممکن ہے درست سوچ رہی ہوں مگر میں اس قسم کی لغویات کو پسند نہیں کرتا۔"

"تو کیا آنکھ بند کرکے لڑکی کی شادی کردیں گے۔"

"یہ میں نے کب کہا؟" حامد حسین وضاحت کرتے ہوئے بولے۔ "جہاں تک لڑکے اور اُس کے خاندانی شجرے کا تعلق ہے تو یہ ہمارا اوّلین فرض ہے کہ اس بارے میں مکمل چھان بین کرکے اپنا اطمینان پہلے کرلیں' اِس کے بعد رشتے کی بات آگے بڑھائی جائے لیکن یہ رشتے کے ساتھ ساتھ سودے بازی بھی کی جائے' یہ مجھے منظور نہیں اور پھر ہماری نرجس کو بھی کسی بات کی کیا کمی ہے۔ ہمارے پاس خدا کا دیا جو کچھ ہے وہ سب بچوں ہی کا ہے۔"

"لیکن اگر کچھ بندشیں بھی عائد کردی جائیں تو زیادہ مناسب رہتا ہے۔"

"یہ صرف آپ کا خیال ہے بیگم ورنہ نصیب کے لکھے کو کون مٹا سکتا ہے۔" حامد حسین بولے۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مکان کی بات کرنے سے ایک نہایت معقول اور مناسب رشتہ ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ شادی کے بعد کفیل الدین صاحب ہماری توقعات سے کہیں زیادہ جائیداد ہماری نرجس کے نام منتقل کردیں۔"

"ہاں یہ تو ہے۔" نجمہ بیگم نے بات کو سمجھتے ہوئے کہا۔ "لیکن میں چاہتی تھی کہ اگر ہمارا اطمینان قبل از وقت ہو جاتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔"

"خدا پر بھروسہ ہو تو وہ انسان کی تمام مشکلیں خود ہی آسان کردیتا ہے۔" حامد حسین بولے۔ "اگر آپ کا دل عقیل کے سلسلے میں ٹھکتا ہے تو اللہ کا نام لے کر بات شروع کیجئے۔ رہیں دوسری معلومات تو وہ میں اپنے ذرائع سے پتہ کرلوں گا۔ آگے جو ہماری بیٹی کے نصیب۔"

"ٹھیک ہے ..... اگر آپ کا یہی مشورہ ہے تو میں خدا کا نام لے کر عورتوں میں بات شروع کرتی ہوں۔"

"اور میں کسی وقت جاکر بھائی صاحب اور بھابی صاحبہ سے بھی مشورہ کرلوں گا' میرا خیال ہے کہ کفیل الدین صاحب کے خاندان سے وہ بھی ضرور واقفیت رکھتے ہوں گے۔"

"آپ مناسب سمجھتے ہیں تو بھائی صاحب کو اس رشتے کے بارے میں بتا دیں ورنہ میرا تو خیال تھا کہ پہلے لڑکے والوں سے بات پکی کر لی جائے اس کے بعد عزیز و رشتے داروں کو بتایا جائے۔"

"کیوں ..... کیا اس میں بھی کوئی خاص مصلحت ہے؟"

"آپ تو میری ہر بات کو آج کل غلط سمجھنے لگے ہیں۔" نجمہ بیگم جھلا کر بولیں۔ "کیا آپ نہیں جانتے کہ لڑکیوں کے لئے کسی اچھے رشتے کا ملنا کس قدر دشوار ہے۔"

"میں آپ کی بات تسلیم کرتا ہوں مگر آپ شاید بھول رہی ہیں کہ قدرت نے مرد و زن کے جوڑوں کا جو تعین کر دیا ہے وہ اٹل ہے۔ اگر نرجس کی قسمت میں عقیل کا رشتہ لکھا جا چکا ہے تو لوگ لاکھ کوشش کیوں نہ کریں یہ رشتہ ٹل نہیں سکتا اور اگر قدرت کو منظور نہیں تو پھر ہماری رازداری اور مصلحتیں بھی ہمارے کسی کام نہیں آ سکتیں' ہاں دوسروں کو شکایت کا موقع البتہ مل سکتا ہے۔"

"خیر ..... آپ ہر بات میں ٹانگ نہ اڑایا کریں۔" نجمہ بیگم نے تنک کر کہا۔ "کبھی میری بھی کسی بات کو مان لیا کیجئے۔"

"میری کیا مجال ہے جو آپ کی کسی بات سے انکار کروں۔" حامد حسین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "میں نے تو اگر خدا جھوٹ نہ بلائے تو نکاح نامے پر دستخط کرتے ہی اپنی خاکساری قبول کر لی تھی اور آج تک اسی عہد کو نبھا رہا ہوں۔"

"بس رہنے دیجئے۔" نجمہ بیگم غرارہ سنبھال کر اٹھتے ہوئے بولیں۔ "اتنے خاکسار بھی نہیں آپ جتنا زبان سے جتاتے رہتے ہیں۔"

"میری خاکساری کا اندازہ تو آپ اس بات سے بھی لگا سکتی ہیں کہ آج کل میں کس قدر مجرد زندگی گزار رہا ہوں۔" حامد حسین نے بے تکلفی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ نے تو اب دو گھڑی تنہائی میں میرے پاس بیٹھنا بھی ترک کر دیا ہے۔"

"اور اس وقت اتنی دیر سے کون بیٹھا تھا آپ کے پاس؟" نجمہ بیگم نے پوچھا۔

"اس وقت تو آپ خالصتاً نرجس کے رشتے کی بات کے ارادے سے میرے قریب آئی تھیں۔" حامد حسین شوخی سے بولے۔ "کبھی بھولے سے اس بات کی بھی تجدید کر لیا کیجئے کہ ہمارا اور آپ کا بھی کوئی رشتہ ہے۔"

"کچھ شرم کیجئے ..... آپ تو ابھی سے سٹھیانے لگے۔" نجمہ بیگم نے شوہر کو گھورتے ہوئے کہا پھر شرماتے ہوئے غرارہ سنبھالتی حامد حسین کے کمرے سے نکل کر باہر

ہال میں آ گئیں جہاں نرجس اور شہناز بیٹھی تھیں۔

شاید شوہر کی گفتگو کا اثر تھا جو آج انہوں نے بہو کے سلام کا جواب حقارت سے منہ پھیر کر نہیں دیا تھا بلکہ سنجیدگی سے "جیتی رہو" کہتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب چلی گئی تھیں۔

☆------☆------☆

فرزین سے شادی کرنے میں فراز کی اپنی مرضی یا خواہش کا کوئی دخل نہیں تھا۔ انہوں نے ماں کے حکم کی تعمیل میں سر تسلیم خم کر دیا تھا اور اس وعدے کی لاج رکھ لی تھی جو بزرگوں کے درمیان ہوا تھا۔ وقت کی رفتار اور حالات کے تقاضوں نے بھی انہیں فرزین سے شادی پر مجبور کر دیا تھا ورنہ حقیقت یہی تھی کہ وہ دل و جان سے ناہید سے پیار کرتے تھے۔ محبت کا وہ معصوم پودا جو اُن کے دل کے نہاں خانوں میں ایک مدت سے پرورش پا رہا تھا' اپنی جڑیں خاصی مضبوط کر چکا تھا۔ وطن سے سینکڑوں میل دور رہ کر بھی انہوں نے محبت کے اس پودے کو سرسبز و شاداب رکھا تھا۔

فراز کو یقین تھا کہ اُن کی خاموش اور یکطرفہ محبت اور پرستش ایک روز ضرور رنگ لائے گی۔ امریکہ سے تعلیم مکمل کر کے وہ وطن واپس لوٹے تو اُن کے خیالوں میں خوابوں کی ایک حسین دنیا آباد تھی لیکن جب انہوں نے ناہید کو بھابی کے روپ میں اپنے ہی گھر میں دیکھا تو بڑی خندہ پیشانی سے اس صدمے کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کر لیا۔ مگر قدرت کو شاید اُن کے صبر کا مزید امتحان درکار تھا جو منصور ایک حادثے کا شکار ہو گئے۔ ناہید پر غموں کا پہاڑ ٹوٹ گیا۔ ہنستے بولتے ماحول میں سوگواری کا رنگ پیدا ہو گیا۔ ہونٹوں کی مسکراہٹوں کی جگہ سسکیوں اور آہوں کی گونج ابھری تو فراز بھی تڑپ اٹھے' جہاں انہیں بڑے بھائی کی جواں موت کا غم تھا وہاں ناہید کی بربادی بھی اُن کے پیش نظر تھی۔

وقت کی خلیج پاٹنے کی خاطر فراز نے بڑے اعلیٰ کردار کا ثبوت پیش کیا مگر اُس وقت بھی وہ دل کی اس خلش پر قابو نہ پا سکے تھے جو ایک نیا رنگ اختیار کر رہی تھی' ایک نئے انداز سے دوبارہ سر اُبھار رہی تھی' بھولے بسرے گرد آلود خوابوں کی دنیا ایک نئی کروٹ لے کر پھر بیدار ہو رہی تھی' فراز نے حالات پر غور کیا' دل کے جذبوں کو ٹٹولا تو محسوس ہوا کہ ناہید کی محبت اُن کے وجود پر پوری طرح چھائی ہوئی ہے۔ انہوں نے ناہید کو اپنانے کا فیصلہ کر لیا' خوابوں کی دنیا کو از سر نو سنوارا' سجایا پھر ایک دن ہمت کر کے ماں کے سامنے دل کی بات زبان تک لے آئے مگر بیگم سجاد نے اولاد کی بات کو سطحی سمجھ کر رد کر دیا۔ وہ

بیٹے کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں جھانک کر محبت کے اس جذبے کو محسوس نہ کر سکیں جو عقیدت اور پرستش کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ انہوں نے فراز کے سامنے فرزین کا مسئلہ پیش کر دیا جو ٹھیکرے کی مانگ تھی۔ فراز نے دبی زبان میں ماں کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن قدرت کو اُن کی خوشیاں منظور نہیں تھیں۔ چنانچہ انہوں نے دل پر پتھر رکھ کر ماں کی خوشنودی کی خاطر فرزین سے شادی کرنے کی ہامی بھرلی۔ اس شادی میں جہاں ماں کے حکم اور مرحوم باپ کی خواہشات کو دخل تھا۔ وہاں ناہید کی وہ التجا بھی شامل تھی جو اُس نے فراز کے دل کی کیفیت محسوس کرنے کے بعد بڑے سہمے ہوئے انداز میں کی تھی اور فراز اس التجا کے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور ہو گئے تھے۔

وقت نے ایک نئی کروٹ بدلی' حالات نے ایک نیا رنگ اختیار کیا۔ فرزین نے دلہن کے روپ میں قصر سجاد کی دہلیز عبور کی تو فراز نے اپنی زندگی کو نئے سانچوں میں ڈھالنے کا ارادہ کر لیا۔ نئی زندگی کے آغاز سے پہلے انہوں نے حجلۂ عروسی میں قدم رکھتے وقت نہایت خلوص دل سے اپنی محبت کو ایک نیا انداز بخش دیا تھا۔ رشتے کی نوعیت کو یکسر بدل دیا تھا اور پہلی بار ناہید کو بھابی کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ وہ اس نئے رشتے کے تقدس کو قائم و دائم رکھنا چاہتے تھے۔ کل تک انہوں نے ناہید کو صرف اپنی پسند سمجھ کر چاہا تھا لیکن اب اُسے بزرگی کی سند دے دی تھی' وہ اس کا احترام اپنے اوپر فرض سمجھنے لگے تھے۔ اس لئے کہ وہ ناہید کے اندر چھپے ہوئے عظمت کے اس مینار کو پرکھ چکے تھے جس کا تذکرہ ایک بار بیگم سجاد نے کیا تھا۔ فراز اسی خوبصورت مینار کی سربلندیوں کو ہر قیمت پر برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ اُس کے مقابلے میں خود سرنگوں ہو کر زندگی گزار دینے کا تہیہ کر چکے تھے لیکن.....

وقت کے ساتھ ساتھ فرزین کے رنگ ڈھنگ بھی کھلتے جا رہے تھے' فراز سے اُسے ازدواجی رشتے میں منسلک ہوئے چھ ماہ گزر چکے تھے۔ شادی سے قبل فرزین کو باپ کی طرف سے ہر آزادی میسر تھی' فراز کو علم تھا کہ فرزین کس ماحول میں سانس لینے کی عادی ہے۔ انہیں بیوی کی فیشن پرستی اور آزاد خیالی سے بھی بیر تھا لیکن گھر کے سکون' ماں کی خواہشات اور بڑی بھاوج کے احترام نے ابھی تک اُن کے ہونٹوں کو منجمد کر رکھا تھا۔ فرزین جیسے جیسے اپنے بال و پر پھیلا رہی تھی' فراز کی دُوربین نگاہیں اُس کی ایک ایک حرکات و سکنات کا جائزہ لے رہی تھیں۔ فرزین نے آہستہ آہستہ ساس کا احترام ختم کر دیا تھا۔ فراز کے دل پر چوٹ لگی۔ انہوں نے بیوی کو سمجھانا چاہا۔ اُس کو باور کرانے کا ارادہ

کیا کہ اس گھر میں بیگم سجاد کی ذات ہی اُس کے وجود کی ضمانت ہے۔ انہوں نے کئی بار فرزین کو ٹوکنے کا ارادہ کیا لیکن ہر بار مصلحتوں کی وجہ سے چپ ہو گئے۔ انہیں خدشہ تھا کہ اگر بات بڑھی تو گھر کا سکون بھی برباد ہو کر رہ جائے گا۔ وہ اندر ہی اندر گھٹتے رہے اور فرزین نے شوہر کی خاموشی کا غلط مطلب اخذ کرتے ہوئے اپنے ہاتھ پیر اور پھیلانے شروع کر دیئے۔ پہلے وہ ناہید کے ساتھ بے حد گھل مل گئی تھی' اُس کا بے حد احترام کرتی تھی۔ اُس کی باتوں کو غور سے سنتی اور اُس پر عمل کرنے کی کوشش کرتی تھی لیکن اب اس نے ناہید کو بھی خاطر میں لانا کم کر دیا تھا۔

فراز نے بیوی کو ہر قسم کی چھوٹ دے رکھی تھی لیکن انہیں اس بات کا بخوبی علم تھا کہ فرزین کو بگاڑنے میں کرنل سرفراز کی تربیت سے زیادہ شہلا کے مشوروں کا دخل تھا۔ فرزین کے سر سے ماں کا سایہ چونکہ اٹھ گیا تھا اس لئے اُس کے ذہن میں ابھی تک وہ پختگی نہیں تھی جو ایک بالغ لڑکی میں ہونی چاہئے تھی۔ شہلا چونکہ اُس کی واحد اور قریب ترین سہیلی تھی اس لئے فرزین پر اُس کی باتوں کا زیادہ گہرا رنگ چڑھتا تھا اور وہ صرف شہلا ہی کو اپنا بہترین اور مخلص دوست سمجھتی تھی۔ شادی کے بعد خود فرزین نے ہی فراز کو شہلا کے بارے میں تفصیل سے بتایا تھا۔ فراز نے بھی شہلا سے تین چار ملاقاتوں میں اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ انتہائی آزاد خیال اور خودسر قسم کی لڑکی واقع ہوئی ہے۔ والدین کی بخشی ہوئی آزادی نے اُسے بگاڑ دیا تھا۔ دولت کی فراوانی نے اُسے اس درجہ مغرور بنا دیا تھا کہ وہ اپنے مقابلے میں کسی دوسرے کی برتری تسلیم کرنے کو تیار نہیں تھی۔ دوسروں کو شبہ کی نظروں سے دیکھنا اور ذرا ذرا سی باتوں کو محسوس کرنا اس کی عادت تھی اور عورتوں کے مقابلے میں مردوں کی برتری سے تو اُسے خدا واسطے کا بیر تھا۔

یہی وجہ تھی کہ فراز نے بیوی کو اب تک خاصی ڈھیل دے رکھی تھیں وہ فرزین کے مقابلے میں شہلا کو ان باتوں کا زیادہ ذمہ دار سمجھتے تھے جنہوں نے اُن کے پُرسکون ماحول میں زہر گھول رکھا تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ ناہید کی رہبری اور رفاقت فرزین کے حق میں ایک روشن مثال ثابت ہو گی لیکن جب فرزین نے شہلا کی باتوں میں آ کر ناہید کی شخصیت کو بھی نظرانداز کرنا چاہا تو فراز تلملا اٹھے۔

فراز مرد تھے' انہیں بیوی کو روکنے ٹوکنے کا اختیار تھا۔ وہ چاہتے تو بیک جنبش زبان شہلا کی آمدورفت کا سلسلہ بھی ختم کر سکتے تھے لیکن اس طرح بات بڑھ جانے کا خدشہ بھی لاحق تھا۔ انہیں یہ خیال بھی تھا کہ اگر ان باتوں کی بھنک ماں کے کان تک پہنچی تو انہیں

صدمہ ہو گا۔ اس کے علاوہ فرزین کے پاؤں بھی تین ماہ سے بھاری تھے اور اس کیفیت میں فراز اس سے کھل کر باتیں کرنے سے کترا رہے تھے۔ مبادہ ان باتوں کا اثر اس معصوم وجود پر ہو تا جو فرزین کے جسم میں اُن کی نشانی بن کر کلبلا رہا تھا۔

آج بھی فراز ان ہی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے میں مصروف تھے کہ فرزین کھلے بالوں کو شانوں پر بکھرائے آسمانی رنگ کے شلوار سوٹ میں ملبوس مسکراتی ہوئی لان پر آ گئی۔ فراز نے اُسے غور سے دیکھا۔ فرزین کے چہرے پر خوشیاں دمک رہی تھیں' اُس کے انداز میں معصومیت تھی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی وہ فراز کے قریب آ کر دوسری کرسی پر اُن کے سامنے بیٹھ گئی۔

"آپ یہاں موجود ہیں اور میں آپ کو اندر کمروں میں تلاش کرتی پھر رہی تھی۔" فرزین نے شوہر کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم نہا رہی تھیں' میں نے کمرے میں تنہائی محسوس کی تو اُٹھ کر یہاں چلا آیا۔" فراز آہستہ سے بولے۔

"چائے پی آپ نے؟"

"نہیں۔" فراز بولے۔ "تمہارے ساتھ ہی پیوں گا۔"

"او کے۔" فرزین نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "آپ بیٹھئے' میں ملازم سے کہتی ہوں کہ چائے ادھر لان پر ہی لے آئے۔"

فراز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ فرزین مہکتے وجود کی طرح اُن کے قریب سے گزر کر اندر چلی گئی تو فراز پھر اُس کے بارے میں سوچنے لگے۔ فرزین ملازم کو چائے کا کہہ کر واپس لوٹی تو ناہید بھی اُس کے ساتھ تھی۔ فراز نے ایک نظر ناہید کو دیکھا' ہمیشہ کی طرح اس وقت بھی وہ ۔بے حد پُروقار اور بلند نظر آ رہی تھی۔ سادہ کپڑوں میں بے حد حسین دکھائی دے رہی تھی۔

"تم نے بلاوجہ فرزین کو کیوں تکلیف دی۔" وہ فراز سے بولی۔ "چائے کے لئے مجھے آواز دے لی ہوتی۔"

"میں بھی کوئی غیر تو نہیں ہوں ناہید بھابی!" فرزین نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے قدرے طنز سے کہا۔ "فراز دراصل میرے ساتھ چائے پینے کے موڈ میں تھے اس لئے غالباً آپ کو زحمت دینی مناسب نہیں سمجھی۔"

"میرا مقصد کچھ اور تھا فرزین!" ناہید نے فرزین کی باتوں کا زہر بڑی خندہ پیشانی

سے پیتے ہوئے جواب دیا۔ "تمہیں فی الحال زیادہ کام کاج نہیں کرنا چاہئے۔"

"کیوں؟" فرزین نے ناہید کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"اس لئے کہ تم ابھی نادان ہو' ناسمجھ ہو۔" ناہید اُس کے قریب بیٹھتے ہوئے بڑی اپنائیت سے بولی۔ "ابھی تمہیں اونچ نیچ کا اندازہ بھی نہیں ہے اس لئے تمہیں موجودہ حالت میں صرف بزرگوں کے مشوروں پر عمل کرنا چاہئے۔"

"اوہ ..... آئی سی۔" فرزین نے ناہید کا مفہوم سمجھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "میں بھول گئی تھی کہ حالات نے میرے اوپر بندشیں عائد کر دی ہیں۔"

"اور ابھی تمہیں ان بندشوں سے متعلق ذرا ذرا سی باتوں کا خیال رکھنا ہو گا۔" ناہید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اس لئے کہ ان ہی بندشوں سے اس گھر کی بے پناہ خوشیاں اور لازوال مسرتیں وابستہ ہیں۔"

ملازم چائے کی ٹرالی لے آیا تو ناہید نے اپنے ہاتھوں سے چائے تیار کر کے فراز اور فرزین کو پیالیاں دیں پھر جانے کے لئے اٹھنے لگی تو فراز نے دبی زبان میں کہا۔

"کیا آپ چائے نہیں پئیں گی؟"

"تم دونوں پیو' میں اندر امی حضور کے ساتھ پی لوں گی۔" ناہید نے نہایت سادگی سے جواب دیا پھر مسکراتی ہوئی الٹے قدموں اندر چلی گئی۔

"فراز!" فرزین نے ناہید کے جانے کے بعد کچھ سوچتے ہوئے دبی زبان میں کہا۔ "ایک بات پوچھوں۔"

"پوچھو۔" فراز نے کہا۔

"آپ بُرا تو نہ مانیں گے؟"

"کیا کوئی بہت خاص بات ہے؟" فراز نے فرزین کو گہری نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں ..... لیکن اس بات کا تعلق براہ راست ہماری ذات سے وابستہ ہے۔"

"کہو۔"

"کیا آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ میں اتنی جلدی ماں بن جاؤں۔"

فراز چونک اٹھے۔ فرزین نے جس انداز میں یہ سوال کیا تھا وہ قابلِ غور تھا' چند ثانئے وہ فرزین کو دیکھتے رہے' پھر چائے کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے آہستہ سے دبی زبان میں پوچھا۔

"تمہاری کیا مرضی ہے؟"

"میرا خیال ہے کہ ہمیں ابھی ان جھمیلوں میں نہیں پڑنا چاہئے۔" فرزین نے کہا۔ "دو چار سال تک صرف لائف انجوائے کرنی چاہئے۔"

"اِی حضور کو اس بات سے شدید صدمہ پہنچے گا۔" فراز نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"میں سمجھتی ہوں لیکن....." فرزین کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔

"لیکن کیا؟" فراز نے پوچھا۔

"میں نے سنا ہے کہ زچگی کے بعد عورت کے فِگرز بدنما ہو جاتے ہیں۔"

فراز کے دل پر ایک چرکہ لگا' جب سے فرزین کی گود ہری ہونے کی خبر بیگم سجاد کو ملی تھی اُن کی حالت سنبھل گئی تھی' آنے والی خوشیوں کے استقبال کے سلسلے میں انہوں نے نہ جانے کیا کیا منصوبے بنا ڈالے تھے۔ اپنی بیماری کو فراموش کر کے بہو کے وجود سے وابستہ مسرتوں میں گم ہو گئی تھیں۔ ہر نماز میں بہو کے لئے دعائیں مانگتی تھیں لیکن فرزین — اُسے ساس کی خوشیوں اور شوہر کی مسرتوں سے زیادہ اپنے حُسن کے نکھار اور جسمانی خدوخال کے متاثر ہونے کا خیال لاحق تھا — قدرت اُسے اولاد جیسی نعمت سے نواز رہی تھی' ممتا کے جذبوں کو بیدار کر رہی تھی مگر فرزین کو اپنی فِگر اور لائف انجوائے کرنے کا خیال پریشان کر رہا تھا۔

فراز نے فوری طور پر کوئی جواب نہیں دیا' پیالی ٹرالی پر رکھ کر انہوں نے ایک بار پھر فرزین کے سراپا کو بڑے غور سے دیکھا۔

"آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ کیا جواب دوں۔" فراز تھکے تھکے لہجے میں بولے۔

"میں نے لیڈی ڈاکٹر سے مشورہ کر لیا ہے۔" فرزین نے نہایت سادگی سے کہا۔ "ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ ابھی سب کچھ ممکن ہے' وقت اور بیت گیا تو مشکل ہو گی۔"

"فرزین!" اچانک فراز نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ "میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔"

"بڑے شوق سے کیجئے۔"

"تم کو اولاد سے زیادہ اپنے فِگرز کی اس قدر فکر کیوں ہے؟"

"دنیا کی ہر لڑکی کو ہوتی ہے۔" فرزین تیزی سے بولی۔

"لیکن اولاد کی تمنا دنیا کی ہر خواہش پر افضل ہوتی ہے۔"

"آپ بھی ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن ابھی ہماری شادی کو دن ہی کتنے ہوئے ہیں ..... ممتا کے جذبوں کو چار پانچ سال بعد بھی بیدار کیا جا سکتا ہے۔" فرزین نے قدرے تیکھے لہجے میں کہا۔ "دوسروں کی خوشیوں کی خاطر ہمیں اپنی مسرتوں کو برباد نہیں کرنا چاہئے ..... یہ فطری بات ہے کہ ہر لڑکی شادی کے بعد دو چار سال تک زندگی کی بھرپور مسرتوں سے لطف اندوز ہونا چاہتی ہے' زندگی کی رنگینیوں سے جی بھر کر افادہ حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اپنے شوہر کے ساتھ ایک نئی دنیا' ایک نئے ماحول اور ایک نئی فضا میں ہمک ہمک کر آزادی کا سانس لینا چاہتی ہے ..... گھومنا پھرنا چاہتی ہے' سیر سپاٹے کرنا چاہتی ہے۔ آپ غیر تو نہیں جو میں اپنے دل کی باتیں آپ سے بھی نہ کہہ سکوں ..... ذرا ٹھنڈے دل سے سوچئے فراز! جو کچھ میں کہہ رہی ہوں اَن نیچرل تو نہیں ہے۔"

"مجھے لڑکیوں کے جذبات سمجھنے کا کچھ زیادہ تجربہ نہیں رہا فرزین! لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ جو لوگ قدرت سے جنگ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں وہ زندگی کی خوشیوں سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔" فراز سپاٹ آواز میں بولے۔

"یہ آپ کا خیال ہے فراز! یا آپ کسی اور کے خیالات کی ترجمانی کر رہے ہیں۔" فرزین نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟" فراز اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے بولے۔ فرزین کا کہا ہوا ایک ایک لفظ اُن کے دل کی گہرائیوں میں نشتر بن کر چبھ گیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ محض دوسروں کی خاطر اپنے جذبات کو کچل رہے ہیں۔"

"فرزین....." فراز تڑپ اٹھے' بولے۔ "مجھے تم سے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔"

"مجھے یقین تھا کہ میری صاف گوئی آپ کو ناگوار گزرے گی لیکن میں اتنا ضرور کہوں گی فراز! کہ اگر میں چاہتی تو نہایت خاموشی اور انتہائی آسانی سے اپنی خواہشات کی تکمیل کر سکتی تھی ..... کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوتی اور میں اس وجود سے چھٹکارا بھی حاصل کر لیتی جو دنیا میں آنے سے پہلے ہی ہمارے درمیان تلخیوں کا سبب بن گیا ہے ..... کیوں فراز! کیا میں غلط کہہ رہی ہوں؟"

"تم ..... تم ..... تم کیا چاہتی ہو؟" فراز نے غصے سے ہونٹ کاٹتے ہوئے سوال کیا۔ فرزین کی باتوں نے اُن کے غصے کو ہوا دی تھی۔

"میں....." فرزین کے خوبصورت گداز ہونٹوں پر ایک تلخ تبسم ابھرا' زہرخند سے بولی۔ "میں آپ کی اس شاندار کوٹھی کی ویرانیوں کو اب ضرور دُور کر دوں گی ..... اس کی سوگواریوں کو معصوم قہقہوں سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دوں گی ..... اس گھر میں ایک بچے کی قلقاریوں کی معصوم آوازیں ضرور گونجیں گی ..... لیکن یہ سب کچھ دوسروں کی خوشیوں کے احترام میں ہو گا' میری مسرتوں کا کوئی دخل نہیں ہو گا۔"

"فرزین!" فراز تلملا کر رہ گئے' بات کو طول نہیں دینا چاہتے تھے اس لئے اندر ہی اندر سلگتے رہے۔

"کہئے فراز! آپ کچھ کہتے کہتے کیوں رُک گئے؟" فرزین نے لاپرواہی سے پوچھا۔

"فرزین!" فراز نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ "کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ ہم ایک دوسرے سے کوئی سمجھوتہ کرلیں۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"تلخیوں کو ہوا دی جائے تو وہ بڑھ کر ناسور بن جاتی ہیں۔" فراز سنجیدگی سے بولے۔ "مفاہمت کی کوئی صورت ہو تو بڑی سے بڑی بات درگزر کی جاسکتی ہے۔"

"مجھے احساس ہے فراز!" فرزین نے دبی زبان میں کہا۔

"کس بات کا؟"

"اس بات کا کہ آپ بھی میری ہی طرح حالات کا شکار ہیں۔"

"تمہارا خیال غلط ہے فرزین!" فراز جھلا کر بولے۔ فرزین کی بات کا مطلب سمجھ کر اُن کا چہرہ تپ اٹھا تھا۔ "بات حالات کی نہیں بلکہ اس فرض کی ہے جو ہم دونوں پر عائد ہوتا ہے اور میں اسی لئے تم کو یہ باور کرانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ہمیں دوسروں سے زیادہ خود اپنے فرائض کا احساس ہونا چاہئے ..... رہا بزرگوں کا احترام تو وہ ہم دونوں کے لئے ضروری ہے۔"

"آپ کو اگر میری بات سے دکھ پہنچا ہے تو مجھے افسوس ہے لیکن جہاں تک میرا خیال ہے میں نے کوئی ایسی بات بھی نہیں کہی تھی جو بے بنیاد ہو۔" فرزین نے روکھے انداز میں جواب دیا۔ "پھر بھی ..... اگر آپ کو مجھ سے کوئی شکایت ہے تو میں اُس کی وجہ ضرور دریافت کروں گی۔"

"فی الحال میں اس بحث کو طول دینا نہیں چاہتا۔" فراز نے زہر کا گھونٹ پیتے ہوئے

جواب دیا۔

"آپ کی مرضی۔" فرزین شانے اچکاتے ہوئے لاپرواہی سے بولی۔

"بات مرضی کی نہیں مجبوری کی ہے۔" فراز تلملا اٹھے' کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے لیکن کہہ نہ سکے۔

پورٹیکو میں سرخ رنگ کی اسپورٹس کار آکر رکی تو فراز کی جھلاہٹ دوچند ہو گئی۔ شہلا گاڑی سے اتر کر ادھر ہی آرہی تھی۔ فرزین اُس کے استقبال کے لئے اٹھی تو فراز بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ شہلا کو دیکھ کر فرزین کے چہرے پر خوشی کی جو لہر نمودار ہوئی تھی وہ فراز کے لئے سوہانِ روح تھی۔ انہوں نے شہلا کو ناگوار نظروں سے دیکھا پھر کچھ سوچ کر اندر جانے کے ارادے سے قدم بڑھا دیئے۔

"خیریت تو ہے مسٹر فراز!" شہلا نے فراز کو جاتا دیکھ کر معنی خیز انداز میں مخاطب کیا۔ "مجھے دیکھتے ہی کہاں چل دیئے اٹھ کر؟"

"مجھے دفتر کے چند ایک اہم کام نپٹانے ہیں۔" فراز روکھے انداز میں بولے۔

"ایسا بھی کیا؟" شہلا نے فراز کے چہرے پر چھائی سنجیدگی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "کچھ دیر تو ہمارے ساتھ بھی بیٹھئے۔"

"تمہارے ساتھ بیٹھنے کو فرزین موجود ہیں۔" فراز نے زہرخند سے کہا۔ پھر بیوی کو معنی خیز نظروں سے گھورتے ہوئے بولے۔ "ہو سکتا ہے کہ میری موجودگی تم دونوں کی گفتگو کے درمیان مداخلت کا سبب ثابت ہو۔"

"آج بڑی اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہے ہیں آپ۔" شہلا مسکرائی۔ "کہیں فرزین سے اَن بن تو نہیں ہو گئی۔"

"فرزین آپ کی بے تکلف سہیلی ہیں مس شہلا! یہی آپ کے سوال کا جواب زیادہ بہتر طور پر دے سکیں گی۔" فراز نے اکھڑے ہوئے لہجے میں جواب دیا پھر فرزین کو خفگی سے گھورتے ہوئے لمبے لمبے قدم اٹھاتے کوٹھی کے اندر چلے گئے تو شہلا نے فرزین سے پوچھا۔

"سچ بتانا فرزین! یہ تمہارے شوہر کا موڈ اس قدر آف کیوں ہے؟"

"کسی اور ٹاپک پر بات کرو شہلا!" فرزین اُسے کرسیوں کی طرف لاتے ہوئے بولی۔ "میں پہلے ہی بہت بور ہو رہی تھی' اچھا ہوا جو تم اس وقت آگئیں۔"

"آئی سی۔" شہلا نے اپنا پرس لان پر رکھا پھر ایک کرسی پر آرام سے بیٹھتے ہوئے

بولی۔ "گویا میرا اندازہ ٹھیک ہی تھا لیکن بات کیا ہے؟"

"فراز میرے مشورے سے متفق نہیں ہیں۔" فرزین نے خشک لہجے میں جواب دیا۔ "انہیں باپ بننے کی آرزو میری صحت سے زیادہ ہے۔"

"اوہ ..... وہاٹ نان سنس۔" شہلا نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔ "اگر ایسا ہو گیا تو تمہاری تمام آزادی ختم ہو کر رہ جائے گی ..... لائف ایک دم ڈل اور بورنگ ہو جائے گی۔"

"میں نے یہی سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن فراز کا منہ پھول گیا۔"

"پھر تمہارا کیا فیصلہ ہے؟"

"ابھی میں نے کوئی آخری فیصلہ نہیں کیا۔" فرزین سنجیدگی سے بولی۔ "ایک بار پھر کوشش کروں گی کہ فراز میری بات مان جائیں۔"

"اور اگر فراز نے پھر تمہارا کہا ٹال دیا تو؟"

"پھر تم ہی بتاؤ ..... مجھے کیا کرنا چاہئے؟"

"فراز کو ذرا پیار و محبت سے اپنی مٹھی میں لینے کی کوشش کروں۔" شہلا بولی۔ "مجھے یقین ہے کہ تم اگر ذرا دوراندیشی اور ذہانت سے کام لو تو فراز پوری طرح تمہارے قبضے میں آ جائیں گے۔"

"تمہارے کہنے کے مطابق پہلے ہی تمام حربے آزما چکی ہوں لیکن فراز پر اپنی ماں اور ناہید کا رنگ زیادہ چڑھا ہوا ہے۔"

"ایسی صورت میں تو تمہیں اور زیادہ عقلمندی سے کام لینا چاہئے۔" شہلا بولی۔ "میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تم فراز کو لے کر کہیں علیحدہ رہنے کی کوشش کرو' جب تک تم ان دقیانوسی لوگوں میں پھنسی رہو گی یہ تمہاری ایک نہ چلنے دیں گے۔"

"میرا خیال ہے کہ فراز علیحدہ رہنے پر کسی طور راضی نہیں ہوں گے۔"

"اگر تم نے اتنی جلدی ہمت ہار دی تو تمام زندگی اپنی بدنصیبی پر بیٹھی آنسو بہاتی رہو گی۔" شہلا تیزی سے بولی۔ "ذرا حوصلے سے کام لو ..... فراز کو اپنے حق میں رام کرنے کی کوشش کرو۔ میرا دعویٰ ہے کہ اگر عورت حسین ہو' خوبصورت ہو اور جوان ہو تو دنیا کے ہر مرد کو اپنے اشاروں پر نچا سکتی ہے ..... ہاں یہ ضرور ہے کہ ایسا کرنے کے لئے کبھی کبھی محبت کی چاشنیوں کے ساتھ خفگی کی تلخیوں سے بھی کام لینا پڑتا ہے۔"

"میں نے بھی یہ سوچ رکھا ہے لیکن اگر گھی سیدھی انگلیوں سے نکل آئے تو زیادہ

مناسب رہے گا۔ اسی لئے میں نے ابھی تک تلخیوں سے کام نہیں لیا۔"

"تم بیٹھی سیدھی انگلیوں گھی نکالنے کی کوشش کرتی رہو لیکن اتنا غور سے سن لو کہ اگر وقت ہاتھ سے نکل گیا تو پھر کچھ نہ ہو سکے گا ..... بعد میں بیٹھی منے میاں کا گومُوت صاف کرتی نظر آؤ گی۔"

"آئی' ہیٹ آل دِس۔" فرزین تیزی سے بولی۔ "اوّل تو میں کسی قیمت پر ایسا نہیں ہونے دوں گی ..... اور اگر ایسا ہوا تو اس کا خمیازہ بھی ان ہی لوگوں کو بھگتنا پڑے گا جو اولاد کی آرزو میں مرے جا رہے ہیں۔"

"اسی لئے تو میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ لیڈی ڈاکٹر کی مٹھی گرم کر کے چپ چپاتے اس الجھن سے نجات حاصل کر لو۔" شہلا نے کہا۔ "کسی کو خبر بھی نہ ہوتی۔"

"یہ کام آسان ضرور تھا لیکن فراز کی ماں کو خبر ہو جاتی ..... لیڈی ڈاکٹر زرینہ سے اُن کے بہت گہرے اور دیرینہ تعلقات ہیں۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر تمہیں اپنی کرنی کو بھگتنا بھی پڑے گا۔"

"میرا نام بھی فرزین ہے۔" فرزین غصے سے بولی۔ "اگر میں نے بھی ان لوگوں کو ناکوں چنے نہ چبوائے تو میرا نام نہیں۔"

"کیا کرو گی؟"

"یہ آنے والا وقت بتائے گا۔"

"خود تمہاری ہی زندگی اجیرن بن جائے گی۔" شہلا نے مسکرا کر کہا۔ "اسی لئے کہتی تھی کہ شادی بیاہ کے بکھیڑوں سے دور رہو۔"

"بکواس کیوں کر رہی ہو؟" فرزین نے تلملا کر جواب دیا۔ "فراز کو دیکھ کر سویٹ اور چارمنگ کا خطاب کس نے دیا تھا؟"

"میں اب بھی یہی کہتی ہوں کہ فراز بے حد ہینڈسم اور چارمنگ شخصیت کے مالک ہیں۔ تم خوش نصیب ہو جو تمہیں فراز جیسا ہم سفر نصیب ہو گیا لیکن یہ کسے معلوم تھا کہ یہاں کا ماحول اس قدر زہر آلود ہو گا۔"

"یہی تو مصیبت ہے کہ فراز بذات خود بُرے نہیں ہیں ..... اُن کی والدہ اور ناہید نے انہیں اپنے شکنجوں میں جکڑ رکھا ہے۔"

"فرزین!" شہلا نے آگے جھک کر قدرے رازداری سے کہا۔ "کہیں ناہید اور فراز کا اندر ہی اندر کوئی چکر تو نہیں چل رہا۔"

"نہیں ..... میرا خیال ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" فرزین سپاٹ آواز میں بولی۔ "ہاں ..... یہ ضرور ہے کہ فراز' ناہید کی بہت زیادہ عزت کرتے ہیں۔"

"کیا خبر کہ وہ سب کے سامنے محض دنیا دکھاوے کے لئے عزت اور احترام کا ڈھونگ رچاتے ہوں اور تنہائی میں محبت کی پینگیں بڑھاتے ہوں۔" شہلا نے بڑے معنی خیز انداز میں کہا۔ "ایمان سے کہنا' کیا ناہید ایسی نہیں ہے کہ اُسے ٹوٹ کر چاہا جائے۔"

"ہو گی ..... مگر فراز ایسے نہیں ہیں۔"

"یہی تمہاری حماقت ہے جو تم فراز پر اس قدر آنکھ بند کر کے اعتماد کر رہی ہو۔" شہلا تیزی سے بولی۔ "مرد کی ذات بڑی پہلودار اور پُراسرار ہوتی ہے۔ یہ اوپر سے جو کچھ نظر آتے ہیں اندر سے اتنے ہی مختلف ہوتے ہیں۔"

فرزین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شہلا نے اس وقت ناہید اور فراز کے سلسلے میں جس شبہے کا اظہار کیا تھا اُس نے اس سلسلے میں کبھی غور کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی تھی۔ مگر اس وقت حالات کے الجھے ہوئے تانے بانوں نے اُسے ذہنی طور پر اس قدر پریشان کر رکھا تھا کہ وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ یوں بھی گھر کے حالات نے فرزین کی نظروں میں ایک تکون کی صورت اختیار کر رکھی تھی۔

فراز ناہید کی ہر بات کا خیال رکھتے تھے ..... ناہید کی ایک ادنیٰ سی درخواست بھی اُن کے لئے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔

ناہید بھی فراز سے بڑی اپنائیت سے پیش آتی تھی ..... فراز ذرا افسردہ نظر آتے تو وہ بھی ملول ہو جاتی تھی۔

بیگم سجاد بھی فرزین کے مقابلے میں ناہید کو زیادہ چاہتی تھیں ..... فراز اُن کے کسی حکم سے سرتابی کی جسارت نہیں کر سکتے تھے۔

فراز.....!

ناہید.....!!

بیگم سجاد.....!!!

فرزین کے الجھے ہوئے ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں' شہلا نے جس شبہے کا اظہار کیا تھا وہ آہستہ آہستہ فرزین کے ذہن میں اپنی جڑیں مضبوط کرتا جا رہا تھا' شعور اور لاشعور کا درمیانی بند ٹوٹ گیا تھا۔ ماضی' حال اور مستقبل آپس میں گڈمڈ ہو رہے تھے۔ فرزین خیالات اور وسوسوں کے ہجوم میں الجھتی گئی۔ اُس نے اپنے ماضی کے بارے میں

سوچا تو تڑپ اٹھی۔

ماضی ..... جہاں وہ آزاد اور خودمختار تھی' کوئی فکر' کوئی الجھن نہیں تھی۔

ماضی کی سرحدوں کو پھلانگ کر اُس نے حال پر نظر ڈالی تو سسک اٹھی۔

حال ..... جہاں وہ بے بس ہو کر رہ گئی تھی' افراد کی تکون نے اُس کی مسرتوں کو جکڑ لیا تھا۔ وہ اندر ہی اندر گھٹتی جا رہی تھی ..... پھر

فرزین نے حال کے دریچوں سے مستقبل میں جھانکنے کی کوشش کی تو ساری جان سے لرز اٹھی' دل کی دھڑکنیں معدوم ہونے لگیں۔

مستقبل ..... جہاں اُسے گھپ اندھیروں میں کچھ نہیں سجھائی دے رہا تھا۔

ہر طرف تاریکی تھی.....

پُرہول سناٹوں کا راج تھا.....

"کبھی تم نے یہ بھی غور کیا ہے کہ اس گھر میں تمہارا اپنا کیا مقام ہے ..... کیا حیثیت ہے؟"

شہلا کی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی تو پریشان خیالات کا شیرازہ کسی نازک شیشے کی مانند ٹوٹ کر بکھر گیا۔ ریزہ ریزہ ہو گیا اور یہ ریزے اُس کے وجود کی اتھاہ گہرائیوں میں نیزے کی انی بن کر چبھ گئے تھے۔ شہلا کا سوال قاتل زہر کی مانند اُس کی روح کی گہرائیوں میں سرایت ہو رہا تھا۔ اس نے خود کو سنبھالا' دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے آہستہ سے گھنیری پلکیں اٹھائیں' سپاٹ نظروں سے شہلا کو دیکھا پھر کپکپاتے ہونٹوں پر ایک معنی خیز تبسم کی دبیز تہیں جما لیں۔

معنی خیز تبسم.....!

جس کے اندر ہزاروں طوفان مچل رہے تھے۔

نفرت اور حقارتوں کے جذبے تڑپ رہے تھے۔

انتقام کی چنگاریاں چٹک رہی تھیں۔

کسی آتش فشاں کی ہلاکت خیزیاں پوشیدہ تھیں۔

☆------☆------☆

بیرسٹر افتخار نے اپنی نازوں کی پلی اکلوتی بیٹی نازلی کو بچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا تھا۔

عدالت کی کارروائی پوری آب و تاب سے جاری تھی' جس روز نازلی کے کیس کی

تاریخ ہوتی' کورٹ میں تل دھرنے کی جگہ ملنی مشکل ہو جاتی۔ بیرسٹر افتخار کا شمار چوٹی کے بیرسٹروں میں ہوتا تھا۔ جج اور مجسٹریٹ بھی اُن کی قدر کرتے تھے۔ دوسرے بیرسٹر اور وکیل بھی اس کیس میں دلچسپی لے رہے تھے۔ وہ دیکھنا چاہتے تھے کہ بیرسٹر افتخار اپنی بیٹی کے مقدمے کو کس انداز میں پیش کرتے ہیں۔

شروع شروع میں وکیلوں کے درمیان بحث اور دلیلوں کا سلسلہ جاری رہا۔ مونا اور کنور آفتاب کی جانب سے جو وکیل کھڑا ہوا تھا اُس کا شمار بھی ذہین اور اونچے وکلا میں ہوتا تھا۔ جتنی دیر وہ اپنے مؤکلوں کے قتل کے واقعات اور نازلی کے قاتل ہونے کے دلائل پیش کرتا۔ بیرسٹر افتخار خاموش کھڑے اُسے پوری توجہ سے سنتے رہتے اور جہاں جھول محسوس کرتے اس نکتے کو ذہن نشین کرتے جاتے۔ پھر جب اُن کی باری آتی تو وہ اپنے مخالف کے تمام دلائل اپنے تجربے اور ساکھ کی روشنی میں اتنی خوبصورتی سے رد کر جاتے کہ مخالف وکیل بھی تلملا اٹھتا۔

جہاں تک گواہوں اور عینی شاہدوں کا تعلق تھا انہیں قوی امید تھی کہ بیرسٹر افتخار کو منہ کی کھانی پڑے گی۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی نگاہوں سے نازلی کو ارتکاب جرم کرتے اور مقتولین کو تڑپ تڑپ کر دم توڑتے دیکھا تھا لیکن جب کوئی گواہ یا عینی شاہد کٹہرے میں بیان دینے آتا اور اُس کا سامنا بیرسٹر افتخار سے ہوتا تو اُس کے قدم اکھڑنے لگتے تھے۔ وہ بیرسٹر افتخار کے سوالات سے نروس ہو کر بُری طرح گڑبڑا جاتے تھے۔

نازلی کو ہر پیشی پر عدالت کے روبرو پیش کیا جاتا تھا۔ یہی ایک ایسا نازک معاملہ تھا جس میں بیرسٹر افتخار کو ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ انہیں یہ منظور نہیں تھا کہ نازلی ہر پیشی پر عدالت کے سامنے آئے اور حاضرین کے لئے تماشہ بنے۔ اس ضمن میں انہوں نے عدالت سے درخواست بھی کی تھی لیکن مخالف وکیل نے نفسیاتی پہلوؤں کے دلائل پیش کرتے ہوئے عدالت سے پُرزور گزارش کی تھی کہ نازلی کی عدالت کے روبرو پیشی ضروری ہے اور عدالت نے گواہوں کے بیان کی روشنی میں اور حقائق کی ٹھوس بنیادوں کی وجہ سے نازلی کی پیشی کو ضرور قرار دیا تھا۔

بیرسٹر افتخار اوّل اوّل بیٹی کے تلخ اور جذباتی فیصلے سے گھبرا گئے تھے۔ نازلی نے جیل میں جب باپ سے ملاقات کی تھی تو یہی کہا تھا کہ وہ عدالت کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کر لے گی مگر بعد میں جب بیرسٹر افتخار نے دوسری ملاقاتوں میں نازلی کو خاندانی عزت اور وقار کا واسطہ دیا تو اُس نے اپنے باپ کے سامنے چپ سادھ لی تھی اور بیرسٹر

افتخار کو یقین آ گیا تھا کہ نازلی وقت کے ساتھ ساتھ زندگی کی رنگینیوں کو موت کی کربناکیوں پر ترجیح دینے پر ضرور آمادہ ہو جائے گی۔ البتہ کچھ سوچ کر انہوں نے ابھی تک عدالت میں نازلی کے ذہنی توازن کے سلسلے میں کوئی بات زبان سے نہیں نکالی تھی۔ شاید اس لئے کہ یہ حربہ اُن کے ترکش کا آخری تیر تھا جسے وہ سنبھال کر رکھنا چاہتے تھے۔

نازلی جتنی دیر عدالت میں رہتی گم صم سی نظریں جھکائے رہتی۔ جیل کے پراگندہ ماحول نے جہاں اس کی صحت کو متاثر کیا تھا وہاں اُس کا رنگ و روپ بھی بگڑ گیا تھا۔ اب نہ وہ اُس میں پہلی جیسی شوخی نظر آتی تھی' نہ پہلے جیسا بانکپن باقی تھا۔ بڑی ویران اور اجڑی اجڑی سی نظر آتی تھی۔ یوں جیسے اُس کی رگوں میں دوڑنے والی سرخیاں ماند پڑ گئی ہوں۔ جیسے زندگی کی تمام حرارتیں دم توڑ چکی ہوں۔ اب نہ تو اُس کے جسم پر شوخ اور بھڑکیلے لباس نظر آتے تھے' نہ چہرے کے حُسن میں وہ دلکشی باقی رہ گئی تھی جو اُسے محفلوں میں ممتاز کرتی تھی۔ یہی وجہ تھی جو بیرسٹر افتخار کو عدالت میں اُس کی موجودگی منظور نہیں تھی۔ گواہوں پر جرح کرتے کرتے یا وکیل مخالف سے گرما گرم بحث کرتے کرتے جب اُن کی نگاہیں بیٹی کی سمت اٹھ جاتی تھیں تو وہ ایک لمحے کو گڑبڑا جاتے تھے۔ اس کے علاوہ جب نازلی کے بارے میں قتل سے متعلق کوئی ایسی بات درمیان میں آ جاتی جو اُس کے کردار کی نشاندہی کرتی تو تلملا کر ہونٹ چبانے پر مجبور ہو جاتے۔ مخالف وکیل نے اُن کی اس کمزوری کو تاڑ لیا تھا' چنانچہ آج بھی اس نے عدالت کے روبرو اپنے دلائل پیش کرتے ہوئے بیرسٹر افتخار کی اسی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"جناب والا! گواہوں کے بیانات کی روشنی میں یہ بات بڑے یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ ملزمہ نازلی کا کردار بے داغ نہیں تھا۔ وہ صرف مغربی تہذیب کی دلدادہ نہیں تھی' صرف کلبوں اور ہوٹلوں میں گھومنا پھرنا اس کا مقصد نہیں تھا بلکہ ملزمہ اپنے لئے ایسے ساتھیوں کا انتخاب بھی کرتی تھی جو بڑے گھرانے اور اعلیٰ خاندان سے متعلق ہوتے تھے۔ اس سلسلے میں مرحوم سجاد علی صاحب کے صاحبزادے منصور کا نام بھی سامنے آ چکا ہے جو ایک حادثے کا شکار ہو چکے ہیں۔ ملزمہ نے مرحوم منصور سے بھی محبت کی پینگیں بڑھا رکھی تھیں اور....."

"میں اعتراض کرتا ہوں جناب والا!" بیرسٹر افتخار نے عدالت سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ "مخالف وکیل ایک ایسے شخص کے ساتھ میری مؤکلہ کا تعلق ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں جو اس دنیا میں موجود نہیں۔ پولیس کے بیان میں کہا گیا ہے کہ منصور

ایک حادثے کا شکار ہوئے تھے۔ اگر وہ زندہ ہوتے تو اور بات تھی لیکن موجودہ حالات میں مخالف وکیل کو اس بات کی اجازت نہیں ملنی چاہئے کہ وہ محض قیاس کی بنیادوں پر کسی باعزت خاتون کو بلاوجہ کسی سے منسوب کریں۔"

اعتراض معقول تھا اس لئے عدالت نے اسے تسلیم کر لیا۔ مخالف وکیل نے خم ہو کر اپنی غلطی کا اعتراف کیا' مسکراتی نظروں سے بیرسٹر افتخار کو دیکھا پھر ایک نظر عدالت میں موجود نازلی پر ڈالتے ہوئے بولا۔

"اگر وکیل صفائی کو میری بات سے دکھ پہنچا ہے تو میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ ملزمہ نازلی نے کنور آفتاب کا قتل محض تفریح طبع کے لئے نہیں کیا ..... مقتولہ مونا کی دردناک موت اس بات کی دلیل ہے کہ ملزمہ اس کے اور مرحوم کنور آفتاب کے تعلقات کو برداشت نہیں کر سکتی تھی اور یہ ناقابلِ برداشت بات اس شبہے کو ہوا دیتی ہے کہ ملزمہ کے سینے میں رقابت کی آگ بھڑک رہی تھی ..... گواہوں کے بیان کے مطابق مرحوم کنور آفتاب مونا سے قبل نازلی کا دوست تھا لیکن جب اُس نے ملزمہ کی دوستی ترک کر دی اور مونا میں دلچسپی لینا شروع کر دی تو ملزمہ کے سینے میں انتقام کے شعلے بھڑک اٹھے اور اُس نے بے شمار لوگوں کی موجودگی میں مونا اور کنور آفتاب دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جیسا کہ عینی شاہدوں اور گواہوں کے بیان سے ثابت ہو چکا ہے ..... لہٰذا میں عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ ملزمہ کو سخت سے سخت سزا دے تاکہ دوسروں کو اس سزا سے عبرت حاصل ہو اور ایسے مہلک جراثیم کا ہمارے معاشرے سے خاتمہ ہو سکے جو ہماری تہذیب کے اجلے دامن پر ملزمہ نازلی کی صورت میں ایک بدنما اور بھدے داغ کی حیثیت رکھتے ہیں ..... مجھے اس کے سوا اور کچھ نہیں کہنا۔"

مخالف وکیل نے اپنا بیان ختم کیا تو عدالت برخاست ہو گئی۔ بیرسٹر افتخار احمد کے چہرے پر نظر آنے والی خون کی تمازت اُن کے غصے اور جھلاہٹ کی ترجمان تھی لیکن انہوں نے بھری عدالت میں بڑے صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا۔ پھر پولیس والے نازلی کو واپس لے جانے کی خاطر آگے بڑھے تو افتخار احمد نے منشی کو کتابیں اور فائلیں سنبھالنے کا اشارہ کیا اور قدم اٹھاتے بیٹی کے قریب پہنچ گئے۔ نازلی نے باپ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھا پھر بڑے اداس انداز میں گردن جھکا لی۔

"تم اداس مت ہو بیٹی!" افتخار احمد دبی زبان میں بولے۔ "خدا پر بھروسہ رکھو

..... مجھے یقین ہے کہ تم پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔"

"میں آپ سے بے حد شرمندہ ہوں ڈیڈی!" نازلی نے رندھی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

"حوصلے سے کام لو بیٹی! سب ٹھیک ہو جائے گا۔" افتخار احمد نے بیٹی کی ہمت بڑھانے کی خاطر کہا۔

"میں کچھ اور کہنا چاہ رہی تھی ڈیڈی!" نازلی آنسو پیتے ہوئے بولی۔

"کہو' کہو بیٹی! کیا بات ہے؟"

"آپ کو میری وجہ سے جو زحمت اور خفت اٹھانی پڑ رہی ہے اس پر مجھے ندامت ہے۔"

"تم میرا جگر گوشہ ہو نازلی! کیسی بات کر رہی ہو۔"

"نہیں ڈیڈی!" نازلی جذباتی بن گئی۔ "میری وجہ سے خاندان کی عظمت اور آپ کی شہرت پر جو حرف آ رہا ہے مجھے اُس کا احساس ہے۔"

"جو کچھ ہونا تھا ہو چکا' اب ان باتوں پر غور کرنے سے کیا فائدہ۔" افتخار احمد نے بیٹی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "بھول جاؤ ان تمام باتوں کو اور صرف خود کو پُرسکون رکھنے کی کوشش کرو۔ کل تمہارا بیان ہو گا' سارے مقدمے کا دار و مدار تمہارے بیان پر ہی ہے اس لئے جو باتیں میں نے سمجھائی ہیں اُن کا خیال رکھنا ورنہ....." افتخار احمد کچھ کہتے کہتے رک گئے۔

"ورنہ کیا ہو گا ڈیڈی!" نازلی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"سارا کھیل بگڑ جائے گا نازلی! میری ساری محنت اکارت ہو جائے گی اور ..... اور میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا۔"

"آپ مطمئن رہیں ڈیڈی! کھیل نہیں بگڑے گا۔" نازلی نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ پھر نظریں جھکا کر تیزی سے پولیس کے ساتھ باہر آ گئی۔ راہداری سے گزرتے ہوئے اُسے ہزاروں نظروں کا نشانہ بننا پڑا تھا۔ الٹے سیدھے فقرے اور جملے سننے پڑے تھے' طنز کے تیر و نشتر برداشت کرنے پڑے تھے لیکن آج اُس نے ان باتوں پر اپنے چہرے سے کسی ناگواری کا احساس نہیں جھلکنے دیا تھا۔ میلی نظروں کی غلاظت کو محسوس کر کے حقارت سے منہ نہیں پھیرا تھا۔ بے ہودہ جملوں کے تیر و نشتر آج بھی اُس کے وجود سے ٹکرائے تھے لیکن آج اُس کی نگاہوں میں غیظ و غضب کی چنگاریاں نہیں سلگی تھیں۔ آج نہ جانے کیا

بات تھی کہ اُسے ان باتوں سے کسی غیریت یا انجانے پن کا احساس نہیں ہوا تھا۔ بڑی اپنائیت محسوس ہو رہی تھی۔ یوں جیسے یہ ماحول' یہ باتیں اور اس ماحول کے لوگ اس کے لئے اجنبی نہ تھے۔ جانے پہچانے تھے۔ دیکھے بھالے تھے۔ وہ اس ماحول اور اس ماحول کے لوگوں کو ایک عرصے سے جانتی تھی لیکن آج تک اُس نے اُن پر توجہ نہیں دی تھیں شاید اس لئے کہ چھوٹے بڑے اور سیاہ و سفید کا فرق آڑے آتا رہا تھا۔ مگر آج حالات نے اس فرق کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا تھا۔

نازلی کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ تڑپ اٹھی۔ دراز پلکیں اٹھا کر اُس نے راہداری میں موجود لوگوں کو دیکھا۔ وہ سب ہی تو اس قبیلے کے لوگ تھے جس میں وہ اب تک سانس لیتی رہی تھی۔ وہ ایک ایک چہرے کو تکتی رہی۔ ہر نگاہ کو پڑھتی رہی' وکیلوں کی نظریں بھی اس کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ اُن میں سے یقیناً کچھ وکیل اُس کے والد کے واقف کار بھی رہے ہوں گے۔ یہ سوچ کر اُس نے نظریں جھکالیں اور قدم اٹھاتی عدالت کے بیرونی احاطے میں آکر اس گاڑی کے زنانہ حصے میں بیٹھ گئی جو اُسے واپس جیل پہنچانے کے لئے تیار تھی۔

جیل تک واپس کا سفر اتنا طویل نہ تھا۔ وہ واپس اپنی کال کوٹھری میں پہنچی تو مانوس سرمئی اندھیروں نے بڑھ کر اُس کے قدم چومے۔ کل تک اُسے ان اندھیروں سے شدید بیر تھا' ان اندھیروں کو دیکھ کر اُسے ہول ہوتی تھی' دل الٹنے لگتا تھا۔ اس کا جی چاہتا تھا کہ اندھیرے کی ان آہنی دیواروں کا طلسم توڑ کر روشنیوں کی طرف بھاگ نکلے لیکن آج ..... آج ان اندھروں کو دیکھ کر اُسے وحشت کا احساس نہیں ہوا تھا بلکہ بڑا سکون سا محسوس ہو رہا تھا۔

سنتری آہنی سلاخوں میں باہر سے تالا ڈال کر چلا گیا تو اُس نے منہ کھول کر اور ہاتھ پھیلا کر ایک لمبی سانس لی' یوں جیسے طویل مسافت کی تھکن اتار دی ہو۔ جیسے ایک عرصے تک زندگی کی طویل اور پُر پیچ راہوں پر بھٹکتے رہنے کے بعد اُس نے اپنی منزل کا سراغ پا لیا ہو۔ روشنیوں کی چکاچوند نے جیسے آج تک اُسے گمراہیوں سے ہمکنار کئے رکھا تھا۔

بڑی دیر تک وہ کال کوٹھری کی ویرانیوں میں پھیلے اندھیروں کو مسکراتی نظروں سے دیکھتی رہی پھر ایک انگڑائی لے کر سنگلاخ فرش پر دیوار کے سہارے بیٹھ گئی اور آنکھیں موند کر اپنے خیالوں میں گم ہو گئی۔ حالات کا دائرہ سمٹا تو واقعات بڑی تیزی سے اس میں مدغم ہونے لگے۔ ذہن کے روشن پردے پر ماضی' حال اور مستقبل کی صورتیں ابھر کر بڑی

سرعت سے ایک دوسرے سے گڈمڈ ہونے لگیں۔

اُس کا ماضی خوشیوں کی آماجگاہ تھا' ہر فکر سے بے نیاز تھا' آزاد تھا' ہر سمت قہقہے تھے' روشنیاں بکھری پڑی تھیں اور وہ ان روشن راستوں پر زندگی سے بھرپور قہقہے بکھیرتی' مسکراتی' مہکتی' گنگناتی' مستانہ وار دوڑتی رہی تھی۔ قدم قدم پر ہزاروں خوشیاں اُس کی منتظر رہتی تھیں۔ دولت کی فراوانی اور مغربی تہذیب کی جگمگاہٹوں نے اسے احساسات کی وادیوں سے بہت بلند کر رکھا تھا لیکن زندگی کے ایک اچانک موڑ پر اُس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ وہ حالات کے بھنور میں پھنس کر اس درجہ بوکھلائی کہ اپنا ذہنی توازن برقرار نہ رکھ سکی۔ دو انسانوں کے خون سے اپنے ہاتھ رنگ لئے۔

پھر خون کے ان ہی چھینٹوں نے اُسے حال کی تلخیوں سے روشناس کرا دیا۔ قانون کے آہنی اور اندھے ہاتھوں نے اُسے اجالوں سے نکال کر ویران تاریکیوں کا ایک حصہ بنا دیا تو اُس کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وحشتوں نے گھیرا تنگ کیا تو وہ اندر ہی اندر چیخ اٹھی۔ اس ماحول سے جس میں اُسے قید کر دیا گیا تھا اُس کا جی الٹنے لگا۔ شروع شروع میں وہ بھی قفس میں قید کسی آزاد پنچھی کی طرح پھڑپھڑاتی تھی' اس نے بھی آزادی کی خاطر قفس کی دیواروں کی قوت کو آزمایا تھا۔ پھر رفتہ رفتہ بے بسی کے احساس نے اسے قفس کے ماحول میں بھی زندہ رہنے کا سلیقہ سکھا دیا تھا۔ اس کی بے چینیوں کو سکون ملا تو وہ خود اپنے بدلتے حالات کا تجزیہ کرنے پر مجبور ہو گئی۔ اُس کے اندر کی عورت کروٹ لے کر بیدار ہوئی تو وہ تڑپ اٹھی۔ یہ عورت مشرقی تہذیب کے پاکیزہ لباس میں ملبوس تھی' سرتا پا نور ہی نور تھی' وفا کی پتلی تھی' تقدس کی معراج تھی' تہذیب و تمدن کا ایسا شاہکار تھی جو لازوال تھا اور اسی عورت نے جب نازلی کو اپنے آئینے میں اُس کا دوسرا روپ دکھایا تو نازلی کی گردن شرم سے جھک گئی۔ اُسے اپنے ماضی سے نفرت محسوس ہونے لگی۔ ماضی کا ایک ایک لمحہ داغدار نظر آنے لگا۔ اس نے بڑی سنجیدگی سے سوچا کہ اس کا ماضی ایک ایسا شیشہ ہے جس میں بال آگیا ہے۔ ایسا نمایاں بال جسے نہ حال کی چیرہ دستیاں ختم کر سکتی تھیں نہ مستقبل کے بدلے ہوئے حالات اس کے دامن سے وہ دھبے مٹا سکتے تھے جو بدنامی کی چھاپ بن کر اپنا نقش گہرا کر چکے تھے۔ پھر اُس نے طے کر لیا کہ وہ اپنا وجود خود اپنے ہاتھوں سے مٹا دے گی۔ خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دے گی۔ وقت کے ہاتھوں جو انصاف ہو گا اُسے سربلند کر کے قبول کرے گی۔ زندگی کا جھوٹا بھرم برقرار رکھنے کے لئے جھوٹ نہیں بولے گی۔ یوں بھی کاتب تقدیر نے جو کچھ رقم کر دیا تھا اُسے بھلا کون مٹا

سکتا ہے۔

اور وہ اپنے فیصلے پر آہنی چٹانوں کی طرح اٹل ہو گئی۔

دوسرے دن جب عدالت میں اُس کی پیشی ہوئی تو اُس نے بڑے خلوص دل سے اور نیک نیتی سے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ عدالت میں موجود افراد اُس کے اقبال جرم پر ششدر رہ گئے۔ افتخار احمد کو سکتہ ہو گیا۔ انصاف کرنے والوں کو بھی نازلی کے بیان پر تعجب تھا لیکن نازلی.....

وہ کٹہرے کے اندر سربلند نظر آ رہی تھی
اُس کی پیشانی پر نور کی کرنیں جگ مگ کر رہی تھیں
اس کے چہرے پر معصومیت رقص کر رہی تھی
اُس کی نیلگوں آنکھوں میں خوشیاں رقص کر رہی تھیں، مسرتیں جھوم رہی تھیں
اس لئے کہ آج اُس نے اپنی گم کردہ منزل کا نشان پا لیا تھا۔
اُس کا اقبالی بیان اُسے موت سے ہمکنار کرنے کے لئے بہت کافی تھا لیکن وہ رنجیدہ یا ملول نہیں تھی، بہت مسرور تھی کہ آج اُس نے اپنی روح کی آلودگیوں کو سچے دل سے دھو ڈالا تھا۔

موت کا تصور اب اُس کے لئے بھیانک نہیں تھا۔
اس لئے کہ اُس نے زندگی کی عظمتوں کا سراغ پا لیا تھا۔
روح کی پاکیزگیوں کا نشان حاصل کر لیا تھا۔
موت تو صرف جسم اور روح کے درمیان ایک نازک تعلق کا نام ہے۔
ایک کمزور رشتہ جو کسی پل، کسی لمحے بھی ٹوٹ سکتا ہے۔
جسم عارضی تھا۔
روح ابدی تھی۔
نازلی نے ابدی روح کی عظمتوں کو پا لیا تھا پھر
وہ سرنگوں کیوں ہوتی۔

☆------☆------☆

نازلی کے اقرار جرم اور اُس کی روداد کو مقامی اخباروں نے جلی سرخیوں کے ساتھ شائع کیا تھا۔ کچھ اخبارات نے تو نازلی کے معاشقوں کو خوب خوب رنگ دیا تھا۔ نمک مرچ لگا کر چونکا دینے والی سرخیاں لگائی تھیں۔ غرضیکہ نازلی کی داستان اب گھر کی چہار دیواری

سے نکل کر ہر خاص و عام تک پہنچ گئی تھی اور اونچے خاندانوں میں بیرسٹر افتخار احمد، مرحوم سجاد علی اور شیخ حامد حسین کے گھرانے کے بارے میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئی تھیں۔ جو لوگ جس خاندان سے ذاتی پرخاش رکھتے تھے انہیں اس خاندان کو بدنام کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

مراد خاں اور سلیم کا نام درمیان میں آ جانے سے شہناز کے والد شہاب الدین کی ساکھ بھی متاثر ہوئی تھی لیکن وہ چونکہ براہ راست ان معاملات سے متعلق نہیں تھے اس لئے انہیں اپنے حلقۂ احباب اور ملنے جلنے والوں کے سامنے زیادہ شرمندگی نہیں اٹھانی پڑی تھی۔ انہیں اس بات کا افسوس ضرور تھا کہ داماد کی وجہ سے انہیں بھی کچھ لوگوں کی نگاہوں کا نشانہ بننا پڑا تھا۔

شہاب الدین کے مقابلے میں شیخ حامد حسین کو سلیم کی وجہ سے زیادہ شرمندگی اٹھانی پڑ رہی تھی۔ وہ تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے کاروباری حلقوں میں زیادہ مشہور تھے۔ اعلیٰ حلقوں میں بھی دور دور تک شناسائی تھی اور بڑے بڑے افسران سے میل ملاقات تھی۔ اپنی اسی شہرت اور ساکھ کو بدنامی کے داغ سے بچانے کی خاطر انہوں نے سلیم کو لندن بھیج دیا تھا اور ہر ممکن کوشش کی تھی کہ کسی طرح مراد خماں کا قصہ پاک ہو جائے لیکن نازلی کے بیان نے اُن کے سارے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا تھا۔

بات صرف مراد خاں کی حد تک محدود رہتی تو اور بات تھی لیکن نازلی کے ساتھ سلیم کا نام آ جانے سے انہیں زیادہ صدمہ ہوا تھا۔ ان خبروں کی وجہ سے جہاں اُن کی ساکھ کو صدمہ پہنچا تھا اور کاروبار متاثر ہونے کا خدشہ لاحق تھا، وہاں اس بات کا بھی غم تھا کہ سلیم کی وجہ سے انہیں شہناز کے والد کے سامنے بھی گردن جھکانی پڑ رہی تھی اور اس بات کی فکر بھی لاحق تھی کہ کہیں بیٹے کی کرنی بیٹی کو نہ بھرنی پڑے۔ نرجس اور عقیل کے رشتے کی بات عورتوں کے درمیان تقریباً پایۂ تکمیل تک پہنچ چکی تھی۔ نجمہ بیگم بیٹی کے لئے جیسا رشتہ چاہتی تھیں اور داماد میں جو خوبیاں تلاش کرتی پھر رہی تھیں وہ تمام کی تمام انہیں عقیل میں نظر آ رہی تھیں اس لئے انہوں نے محض رسمی طور پر اپنی زبان بند کر رکھی تھی ورنہ اندر ہی اندر اُن کی یہی خواہش تھی کہ جتنی جلد ممکن ہو نرجس اور عقیل کو نکاح کے دو بول پڑھوا کر ازدواجی رشتے میں جکڑ دیا جائے۔

دوسری جانب بیگم کفیل الدین نے بھی نرجس کو بہو بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا، بات تقریباً طے ہو چکی تھی، صرف مردوں کے مل بیٹھنے اور شادی کی تاریخ طے ہونے کی دیر رہ

گئی تھی لیکن نازلی کے قصے نے نجمہ بیگم اور حامد حسین دونوں ہی کو متاثر کیا تھا۔ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ فکرمند تھے اور نرجس کے مستقبل کے لئے خدا سے دست بدعا تھے۔ البتہ نازلی کے واقعات سے اتنا فائدہ ضرور ہوا تھا کہ نجمہ بیگم جو بہو سے دل برداشتہ تھیں اور اُسے اولاد کی خوشیوں کا دشمن اور حلق کا داروغہ سمجھتی تھیں' اب اس کے سلسلے میں نرم پڑ چکی تھیں۔ جو گرہ اُن کے دل میں پڑی تھی' اُسے حالات کی ایک ہی کروٹ نے کھول دیا تھا۔

اس وقت بھی جب وہ مغرب کی نماز ادا کر کے کمرے سے باہر آئیں تو شہناز اور نرجس لاؤنج میں بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں۔ نجمہ بیگم نے نرجس کے چہرے پر سنجیدگی دیکھی تو دل ہی دل میں تڑپ اٹھیں لیکن چہرے سے احساس نہیں ہونے دیا۔ بیٹی کے قریب آ کر بڑے پیار سے بولیں۔

"یہ نند بھاوج میں چپکے چپکے کیا کھچڑی پک رہی ہے۔"

"کچھ بھی نہیں امی جان!" نرجس بڑی معصومیت سے بولی۔ "ہم تو یونہی عام باتیں کر رہے تھے۔"

"تمہارے ابو کہاں ہیں؟" نجمہ بیگم نے یونہی پوچھ لیا۔

"اپنے کمرے میں ہیں۔" نرجس نے جواب دیا۔ پھر کچھ سوچ کر گردن جھکا لی۔

"تم کس سوچ میں ہو شہناز بیٹی!" نجمہ بیگم نے بہو کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔

"کوئی خاص بات نہیں ہے امی حضور!" شہناز نے بات بنائی۔ "شام کو ٹھنڈے پانی سے نہالی تھی اس لئے سر میں خفیف سا درد ہو رہا ہے۔"

"ٹھنڈے پانی سے نہانے کی کیا ضرورت تھی۔ ابھی موسم بدل رہا ہے اس لئے تمہیں احتیاط کرنی چاہئے۔ ملازم سے کہہ دیا ہوتا وہ پانی گرم کر دیتا۔"

"معمولی سا درد ہے۔" شہناز بولی۔ "آپ فکرمند نہ ہوں' کچھ دیر نرجس سے ہنسوں بولوں گی تو چلا جائے گا۔"

"اچھا بیٹی! تم اور نرجس ہنسو بولو' میں ذرا تمہارے ابو سے بھی اُن کی خیریت دریافت کر لوں۔ دو تین روز سے اُن کا جی بھی کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" نجمہ بیگم نے بہو سے کہا پھر قدم اٹھاتی شوہر کے کمرے میں چلی گئیں۔

شیخ حامد حسین نے لوگوں کی نظروں سے بچنے کی خاطر دو تین روز سے طبیعت کی

خرابی کا بہانہ تراش کر خود کو اپنے کمرے تک محدود کر لیا تھا' حالات کی یلغار نے اُن کے ذہن پر جو شدید دباؤ کی کیفیت پیدا کر دی تھی وہ ابھی تک اس سے چھٹکارا نہیں پا سکے تھے۔ اس وقت بھی اپنے بستر پر لیٹے خیالوں میں گم تھے جب نجمہ بیگم اُن کے کمرے میں داخل ہوئی تھیں۔ حامد حسین نے بیوی کو آتے دیکھ لیا تھا لیکن منہ سے کچھ نہ بولے۔ چپ چاپ اپنے خیالوں میں کھوئے رہے۔

"کیا سوچ رہے ہیں آپ؟" نجمہ بیگم نے شوہر کے قریب بیٹھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ "دو تین روز سے آپ نے گھر سے باہر بھی قدم نہیں نکالا۔"

"کیا منہ لے کر جاؤں گا باہر۔" حامد حسین ٹوٹی آواز میں بولے۔ "میں تو کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ اس سے تو بہتر تھا کہ سلیم پیدا ہوتے ہی مر گیا ہوتا۔ آج کو اس بدبخت کی وجہ سے یہ شرمندگی تو نہ اٹھانی پڑتی۔"

"قسمت میں جو رقم ہوتا ہے وہ ہر حال میں پورا ہوتا ہے۔" نجمہ بیگم بولیں۔ "اب تو جو ہونا تھا ہو چکا..... ہمیں آئندہ کے لئے بھی تو کچھ سوچنا چاہئے۔"

"آئندہ بھی جو قدرت کو منظور ہو گا وہی ہو گا۔" حامد حسین نے جھلاتے ہوئے جواب دیا۔ "ہمارے سوچنے نہ سوچنے سے کیا فرق پڑے گا۔"

"پھر بھی اس طرح گھر کی چاردیواری میں تو بند رہ کر زندگی نہیں گزاری جا سکتی۔" نجمہ بیگم نے کہا۔ "سلیم سے جو نادانیاں سرزد ہوئی ہیں اس کا مجھے بھی ساری زندگی قلق رہے گا لیکن نرجس بھی ہمارا ہی خون ہے' ہمیں اس کی ذمہ داریوں سے بھی سبکدوش ہونا ہے۔ یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے تو کچھ بھی نہ ہو گا۔"

"آپ کا کیا خیال ہے بیگم! کیا ان حالات میں کفیل الدین صاحب نرجس اور عقیل کی شادی پر آمادہ ہو جائیں گے؟"

"کیوں نہ ہوں گے آمادہ۔" نجمہ بیگم بولیں۔ "اوّل تو یہ کہ بیگم کفیل الدین نرجس کو پسند کر چکی ہیں اور ڈھکے چھپے لفظوں میں نرجس کو بہو بنانے کا اظہار کر چکی ہیں ..... پھر جو کچھ ہوا ہے اس میں بھلا بیچاری نرجس کا کیا قصور ہے؟"

"آپ صرف نرجس کی ماں بن کر سوچ رہی ہیں لیکن ٹھنڈے دل سے غور کیجئے اگر آپ عقیل کی والدہ ہوتیں تو کیا ان تمام لغویات کے علم میں آ جانے کے بعد بھی اس رشتے پر تیار ہو جاتیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ یہ صرف ہماری سوچ ہو۔" نجمہ بیگم نے کہا۔ "عقیل میاں کے گھر

والوں کے دل میں کیا ہے اس کا اندازہ تو اُن سے ملنے کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے۔"

"گویا آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں بیٹی کا باپ ہوتے ہوئے بھی اُن کے دروازے پر جاؤں اور اُن سے یہ دریافت کروں کہ ہماری بیٹی کے بارے میں انہوں نے کیا فیصلہ کیا ہے۔" حامد حسین نے بیوی کو گھورتے ہوئے تلخ لہجے میں کہا۔ "میں مرتے مر جاؤں گا لیکن ایسا نہ کروں گا..... خواہ نرجس کی شادی ہو یا نہ ہو۔"

"آپ تو بلاوجہ لڑنے بیٹھ جاتے ہیں' میں نے یہ کب کہا ہے کہ آپ خود وہاں جائیں۔" نجمہ بیگم تیزی سے بولیں۔ "عقیل کے گھر والوں کا عندیہ معلوم کرنے کے لئے مشترکہ واقف کاروں کو بھی درمیان میں لایا جا سکتا ہے اور پھر خدانخواستہ سلیم نے کسی کا قتل تو نہیں کیا کہ ہم کسی کو منہ نہ دکھا سکیں۔ یہ بھی کیا ضروری ہے کہ اس نازلی نے جو کچھ سلیم کے بارے میں بیان دیا ہو وہ سچ ہی ہو۔ بیرسٹر افتخار احمد کا خاندان تو مرحوم سجاد علی کی زندگی میں بھی ان کے کنبے پر کیچڑ اچھالنے کے درپے رہتا تھا۔ نازلی بھی تو بیرسٹر افتخار احمد ہی کی بیٹی ہے۔ کیا خبر اُس نے باپ کے کہنے میں آ کر بیگم سجاد علی کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی بلاوجہ بدنام کرنے کی ٹھان لی ہو۔"

"وہ کس خوشی میں؟" حامد حسین نے بیوی کی بے سر و پا باتوں سے الجھتے ہوئے پوچھا۔ "بھلا آپ کی کیا رشتہ داری ہوتی ہے بیگم سجاد علی سے جو نازلی نے دیدہ و دانستہ آپ کو بھی نتھی کرنے کی سازش کی ہو گی۔"

"رشتہ داری نہ سہی ..... لیکن ناہید کے ناتے سے کچھ نہ کچھ تعلق تو ضرور ہے۔" نجمہ بیگم نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔ "رہا نازلی کا سوال تو جو عورت گڑے مردے اُکھاڑ سکتی ہے اور مرے ہوؤں پر الزام لگانے سے دریغ نہ کرے وہ بھلا زندوں سے کیا رعایت کرے گی۔"

"چلئے ..... مانے لیتا ہوں آپ کی یہ منطق لیکن اگر اسے الزام لگانا تھا تو وہ فراز میاں کے کردار کو بھی داغ لگا سکتی تھی۔ سلیم سے اسے کیا پُرخاش تھی اور پھر آپ یہ کیوں بھول رہی ہیں کہ نازلی نے مراد خاں کو بھی حالات کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے جو سلیم کا بھی دوست ہے اور سلیم کو بگاڑنے میں اسی حرامزادے کا ہاتھ ہے ..... ہو سکتا ہے کہ اسی نے سلیم کی اور نازلی کی بھی دوستی کرا دی ہو اور....."

"اور ایک نازلی بیگم کے بیان کی وجہ سے ہمارے خاندان کو ایسا داغ لگ گیا ہے جو شاید قیامت تک مٹائے نہ مٹے گا۔" نجمہ بیگم جلے کٹے انداز میں بولیں۔ "نرجس کا نصیب

بھی کبھی اچھا نہ ہو گا اس لئے کہ نازلی بیگم نے جو کچھ سولی پر لٹکنے سے پیشتر کہہ دیا ہے وہ مستند ہے ..... اور جو کچھ ہم کہیں گے اُسے جھوٹ سمجھا جائے گا ..... واہ' یہ بھی ایک ہی رہی' کرے کون اور بھگتے کون۔"

"خدا کے لئے بیگم ..... میرے حال پر رحم کیجئے۔" حامد حسین اکتاتے ہوئے بولے۔ "حالات کو ٹھنڈے دل سے سمجھنے کی کوشش کیجئے اور کوئی ایسی سبیل اختیار کیجئے جو موجودہ حالات کی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے میں ہمارے کام آ سکے۔ اس طرح اگر آپس کی چپقلش بڑھتی رہی تو حالات سدھرنے کے بجائے اور خراب صورت اختیار کرتے چلے جائیں گے۔"

"یہی تو میں بھی کہنا چاہ رہی تھی کہ اس طرح گھر میں بند پڑے رہنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔" نجمہ بیگم قدرے نرم پڑتے ہوئے بولیں۔ "باہر نکلئے لوگوں سے ملئے جلئے اور جو کچھ سانپ کے خاندان میں جنم لینے والی سنپولن نے کہا ہے اس کی تردید کی کوشش کیجئے۔"

"سلیم کے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے۔ میرا مقصد یہ ہے کہ کیا موجودہ حالات میں اُس کا واپس یہاں آنا مناسب ہو گا۔" حامد حسین نے بات کا رخ بدلتے ہوئے پوچھا۔

"فی الحال تو وہ ان ہنگاموں سے دور ہی رہے تو مناسب ہے لیکن نرجس کی شادی پر تو اس کی شرکت لازمی ہو گی۔"

"میں نے بھی یہی سوچا کہ اُسے کسی طرح یہاں کی صورت حال سے آگاہ کر دیا جائے اور فوری واپسی سے منع کر دیا جائے۔ جب نرجس کا رشتہ طے ہو جائے گا تو شادی سے قبل اُسے تار دے کر بلوا لیا جائے گا۔" حامد حسین ایک سرد آہ بھر کر بولے۔ "جب تک خدا نے چاہا تو حالات بدل چکے ہوں گے۔"

"اور میں سوچ رہی ہوں کہ نرجس کو کچھ دنوں کے لئے بھابی صاحبہ کے ہاں بھیج دوں' وہاں شازیہ کا لمنا جلنا رہے گا تو اس کا جی بھی بہل جائے گا۔" نجمہ بیگم نے کہا۔ "یہاں تو ہر وقت اداس اداس رہتی ہے۔"

"وہ کس لئے؟"

"یہ سوال بھی خوب کیا آپ نے۔" نجمہ بیگم نے شوہر کو گھورتے ہوئے کہا۔ "جب ہم اُس کے لئے فکرمند ہیں تو کیا وہ حالات کا رخ نہیں سمجھ رہی ہو گی۔"

"بڑا مناسب فیصلہ کیا ہے آپ نے۔" حامد حسین نے بات سمجھتے ہوئے کہا۔ "میں

آج کل میں کسی وقت اُسے جا کر بھائی صاحب کے ہاں چھوڑ آؤں گا۔"

"کسی وقت موقع نکال کر ذرا ناہید کی طرف ہو لیجئے گا۔" نجمہ بیگم بولیں۔ "خدا جانے اس غریب کے دل پر ان واقعات کا کیا اثر ہوا ہو گا' ایک تو بیچاری کو شوہر کی جوان موت ہی کا کیا کم غم تھا کہ اب نازلی بیگم نے ایک نیا چرکا لگا دیا ہے۔ خدا غارت کرے اسے' جہنم کا کندہ نصیب ہو۔"

"بُری بات ہے بیگم ..... انسان کو کسی کے لئے ایسی باتیں زبان سے نہیں نکالنی چاہئیں۔"

"اور وہ جو الٹے سیدھے بیان داغ رہی ہے' کیا اس کے لئے یہ سب کچھ جائز ہے۔"

"وہ اس کا فعل ہے۔" حامد حسین نے کہا پھر بستر سے اٹھتے ہوئے بولے۔ "شہناز سے اپنے طور سے کہئے گا کہ ذرا نرجس کا خیال رکھے ورنہ وہ بہت حساس لڑکی ہے۔"

"شہناز سے تو میں نے پہلے ہی کہہ دیا ہے مگر وہ بیچاری تو خود ہی الجھی ہوئی ہے۔ بہرحال آپ کی طرف سے اور تاکید کر دوں گی۔"

"میں جانتا ہوں کہ شہناز کے دل پر کیا گزر رہی ہو گی' اس غریب کو تو میکے اور سسرال دونوں طرف سے پریشانی لاحق ہو گئی ہے۔" حامد حسین نے دبی زبان میں کہا پھر کچھ توقف سے بولے۔ "اگر آپ مناسب سمجھیں تو اُسے سلیم کے پاس بھیج دیا جائے' اس طرح اُس کا غم بھی کچھ ہلکا ہو جائے گا اور سلیم کو حالات سے آگاہی بھی ہو جائے گی۔ جب خدا نے چاہا اور نرجس کی تاریخ پکی ہو گئی تو ان دونوں کو ایک ساتھ ہی واپس بلا لیا جائے گا۔"

"آپ کا مشورہ نہایت مناسب ہے۔" نجمہ بیگم بولیں۔ "سچ پوچھئے تو میں اب بھی اس بات کو مناسب نہیں سمجھتی کہ سلیم لندن میں تنہا رہے۔ یہاں تو صرف ایک نازلی نے ہمارا جینا دوبھر کر دیا ہے' لندن میں تو نہ جانے ایسی کتنی نازلیاں موجود ہوں گی جو میرے بچے کو ورغلا سکتی ہیں۔"

"خدا کا شکر ہے کہ میری بات آپ کی سمجھ میں آ گئی ورنہ میرا تو یہی خیال تھا کہ آپ اب بھی میری بات کی مخالفت کریں گی۔"

"مجھے کوئی پاگل کتے نے تو نہیں کاٹا ہے جو ہر بات میں آپ کی مخالفت کروں۔" نجمہ بیگم نے تنک کر کہا۔ "البتہ ایک بات مجھے ہمیشہ کھلتی ہے اور وہ یہ کہ آپ بیٹے کے

مقابلے میں بہو کو زیادہ چاہتے ہیں اور ہر معاملے میں اسی کی حمایت لینے بیٹھ جاتے ہیں۔"

"یہ آپ کا اپنا سوچنے کا انداز ہے بیگم ورنہ خدا گواہ ہے کہ میں سلیم کو کس قدر چاہتا ہوں۔" حامد حسین ایک لمبی سانس لے کر بولے۔ "وہ میرا اکلوتا لڑکا ہے' میرے بعد تمام تر ذمہ داریوں کا بوجھ اسی کے کاندھوں پر ہو گا اور اسی لئے میں چاہتا تھا کہ اس کی اصلاح بہتر طور پر ہو' وہ اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کرنا سیکھ لے لیکن خدا غارت کرے مراد خاں اور اُس کے ساتھیوں کو جنہوں نے اُسے غلط راہ پر ڈال دیا۔ رہا شہناز کا مسئلہ تو اگر وہ سلیم کو غلط راہ پر جانے سے روک ٹوک کر رہی تھی تو یہ نہ صرف سلیم کے حق میں بہتر تھا بلکہ اس میں ہمارا بھی فائدہ تھا مگر آپ کی محبت اور لاڈ پیار نے اُسے خودسر اور گستاخ کر دیا۔"

"یہ بات اگر آپ نے پہلے بھی اتنی ہی محبت اور خلوص سے سمجھائی ہوتی تو میری سمجھ میں آ جاتی ورنہ میں کوئی شہناز کی دشمن تو نہیں ہوں۔" نجمہ بیگم نے دل ہی دل میں شرمندہ ہوتے ہوئے کہا۔ "اگر شہناز مجھے پسند نہ ہوتی تو بھلا اس گھر کی بہو کیسے بن جاتی۔ بہرحال یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے' آپ شہناز کو ضرور سلیم کے پاس لندن بھیج دیں اور میں دو ایک اپنی ملنے والیوں کے ذریعے بیگم کفیل الدین کے دل کا حال معلوم کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔ اگر اُن کا خیال اب بھی نرجس کے لئے ہے تو میں اس معاملے کو جتنی جلد ممکن ہو نپٹانے کی کوشش کروں گی اور اگر میں نے یہ محسوس کیا کہ بدلتے حالات نے اُن کے خیالات بھی بدل دیئے ہیں تو پھر میں بھی انہیں ٹکا سا جواب بھجوا دوں گی۔ اگر وہ خود کو اپنی جگہ لاٹ صاحب سمجھ رہی ہیں تو میں بھی کسی گرے پڑے خاندان کی نہیں ہوں' انہیں اگر اپنا بیٹا عزیز ہے تو ہماری نرجس بھی لاکھوں میں ایک ہے۔ اس کے لئے بھی رشتوں کی کمی نہیں ہے۔"

"ہواؤں سے لڑنے سے کیا فائدہ' پہلے آپ معلوم تو کرا لیں کہ عقیل کے گھر والوں کا اب کیا ارادہ ہے۔" حامد حسین نے بیوی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے میں کل ہی بیگم شیرازی سے مل کر انہیں درمیان میں ڈالتی ہوں' بیگم کفیل الدین بھی ان کی واقف کاروں میں سے ہیں' مجھے یقین ہے کہ بیگم شیرازی زیادہ بہتر طور پر اُن کے دل کو ٹٹول سکیں گی۔"

"خدا کرے یہ رشتہ طے ہو جائے۔" حامد حسین نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "اس میں نہ صرف نرجس کی بہتری ہے بلکہ ہماری عزت کا بھرم بھی رہ جائے گا۔"

"کیا مطلب؟" نجمہ بیگم نے وضاحت طلب نظروں سے شوہر کے چہرے کے تاثرات کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بھلا عقیل اور نرجس کے رشتے سے ہماری عزت کے بھرم کا کیا تعلق ہے۔"

"آپ ان باتوں کو نہیں سمجھیں گی بیگم! یہ صرف میرے سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے۔"

نجمہ بیگم شوہر کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئی تھیں' وہ اس سلسلے میں شوہر سے مزید وضاحت کرنا چاہتی تھیں لیکن شہناز کے آ جانے سے بات درمیان ہی میں رہ گئی۔ شہناز نے نجمہ بیگم کو اُن کی کسی ملنے والی کے آنے کی خبر دی تو وہ جلدی سے اٹھیں اور شہناز کے ساتھ ہی شوہر کے کمرے سے باہر آ گئیں۔

☆------☆------☆

شوہر کی جوان موت نے ناہید کو جو غم عنایت کیا تھا وہ اُس نے تقدیر کا عطیہ سمجھ کر قبول کر لیا تھا۔ سہاگ کا جوڑا پہننے کے بعد وہ دلہن ضرور بنی تھی لیکن دلہن کی تمام آرزوئیں' ارمان اور امنگیں سرخ جوڑے کے اندر ہی گھٹ گھٹ کر دم توڑ گئی تھیں۔ منصور نے سہاگ رات سے لے کر اپنی زندگی کی آخری سانس تک کبھی اُس سے پیار نہیں کیا تھا۔ سیدھے منہ بات کرنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ ہمیشہ قابلِ نفرت سمجھا تھا لیکن ناہید نے کبھی پلٹ کر شکایت نہیں کی تھی۔ اپنا حق مانگنے کے لئے اس نے کبھی شوہر کے سامنے زبان نہیں کھولی تھیں اپنے دل میں کسی ایسے جذبے کو سر نہیں ابھارنے دیا تھا جو بعد میں پروان چڑھ کر بغاوت کا روپ اختیار کر لیتا۔ اس نے منصور کو ہمیشہ شوہر سمجھا تھا۔

خدا.....

جو صرف پرستش کے قابل ہوتا ہے۔

جس کے لئے عبادت کی جاتی ہے' جس کے حضور میں سجدہ کیا جاتا ہے۔

جس سے صرف رحم و کرم کی بھیک مانگی جاتی ہے۔

جس کے آگے گڑگڑایا جاتا ہے۔

شکایت نہیں کی جاتی۔

فریاد کی جا سکتی ہے ..... لیکن

شکوہ نہیں کیا جاتا ..... اور

ناہید نے بھی منصور کی صرف پرستش کی تھی' اس کے سامنے ہمیشہ سرنگوں رہی

تھی' ایک بار بھی تو شکوہ نہیں کیا تھا اور جب زندگی نے منصور کے ساتھ وفا نہ کی اور وہ روح و جسم کے تعلق سے آزاد ہو کر دنیا کے ہنگاموں سے ہمیشہ کے لئے بے نیاز ہو گئے تو ناہید کو اپنی تنہائی کا شدت سے احساس ہوا تھا' وہ بچھڑ جانے والے ہمسفر کے لئے پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ اپنی بربادی پر تڑپ تڑپ اٹھی تھی لیکن پھر اس نے اپنے آنسوؤں کو دراز پلکوں کے پیچھے چھپا لیا تھا۔ وہ آنسو اُس کے غموں کا علاج نہیں کر سکتے تھے۔ اُس کے درد کا درماں نہیں بن سکتے تھے۔ اس لئے اُس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ وقت اور حالات کے آگے سینہ سپر ہو گئی تھی۔ آہنی چٹان بن گئی تھی۔ دل کے زخموں پر وقت کا مرہم لگا لیا تھا پھر رفتہ رفتہ تنہائیوں اور ویرانیوں میں زندہ رہنے کا ڈھنگ سیکھ لیا تھا لیکن.....

نازلی کے بیان کو جب اخباروں نے اچھالا اور منصور کا نام پھر سے لوگوں کے لئے چہ میگوئیوں کا موضوع بنا تو وہ ایک بار پھر تڑپ اٹھی۔ زخم جو وقت کے ہاتھوں بھرنے لگے تھے پھر سے ہرے ہو گئے۔ صبر و ضبط کا پیمانہ چھلک کر دوبارہ گھنیری پلکوں تک آ گیا۔ وہ راز جو منصور نے اپنی زندگی میں اس سے پوشیدہ رکھا تھا' دل کی اتھاہ گہرائیوں میں چھپا رکھا تھا' کچھ اس انداز سے افشا ہوا کہ اس کی اپنی کائنات کا سارا نظام درہم و برہم ہو کر رہ گیا۔ مرحوم سجاد علی کا خاندان جو کل تک تہذیب اور شرافت کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا' لوگ جس خاندان کی مثال دیا کرتے تھے۔ آج وہی گھرانہ لوگوں کے لئے بحث و تفریح کا عنوان بن گیا تھا۔ جو لوگ سجاد علی کے گھرانے کو جانتے تھے وہ نازلی کے بیان کو دروغ گوئی اور مکر و فریب کی گھناؤنی سازش قرار دے رہے تھے لیکن وہ لوگ جو بیرسٹر افتخار احمد کے حامی تھے منصور کے نام کو آڑ بنا کر سجاد علی کے باعزت گھرانے کے اجلے دامن پر کیچڑ اچھالنے پر تُل گئے تھے۔

ناہید کو جہاں مرحوم شوہر کے نام سے منسوب کی جانے والی باتوں کا دکھ تھا وہاں اس بات کا صدمہ بھی لاحق تھا کہ کچھ لوگ اس کی جانب بھی انگلیاں اٹھانے لگے تھے۔ حالات نے ایک بار پھر اسے وقت کی چکی میں ڈال دیا تھا جسے زمانے کی گردش چلا رہی تھی' اُسے اپنے زخموں کی کھرنڈ اکھڑنے کا ملال بھی تھا اور بیگم سجاد علی کی فکر بھی لاحق تھی جنہیں اولاد کی بدنامی کے صدمے اور خاندان کی برسوں کی بنی بنائی ساکھ کی بنیادیں ہلنے کے غم نے دوبارہ بستر سے لگا دیا تھا۔

سارا سارا دن وہ اپنے غموں کو چھاتی میں چھپائے ساس کے قریب بیٹھی ان کی دلجوئی میں لگی رہتی' رات کو تھکی ماندی اپنی خواب گاہ میں آتی تو سینے کی گہرائیوں میں چھپا آنسوؤں کا طوفان ٹھاٹھیں مارنے لگتا۔ ساری ساری رات وہ کھلی پلکوں کے نیچے سے گزار دیتی' کبھی بیتے دنوں کی باتیں یاد آتیں تو بلک بلک اٹھی۔ کبھی منصور کی بدنامی کا خیال ستاتا تو اٹھ کر دبیز قالین پر ٹہلنے لگتی۔ اکثر جب دل کو کسی کل چین نصیب نہ ہوتا تو منصور کے تصور سے ہمکلام ہو کر کہتی — منصور ..... کاش آپ نے اپنی ناہید پر اعتماد کیا ہوتا۔ ایک بار محبت کی نظر سے دیکھا ہوتا تو ناہید تمام زندگی کے لئے غلام بن کر رہ جاتی ..... لیکن آپ نے تو اپنی ناہید کو قدموں کی دھول بھی نہیں سمجھا' کاش آپ نے اپنے دل کا راز خلوص دل سے افشا کر دیا ہوتا۔ یقین کیجئے منصور' آپ کی ناہید آپ کی خوشیوں کے درمیان کبھی حائل نہ ہوتی ..... آپ کی مسرتوں کو برقرار رکھنے کے لئے وہ اپنی جان پر کھیل جاتی ..... اپنے کمزور وجود کو آپ کے راستے سے ہمیشہ کے لئے ہٹا دیتی ..... صرف ایک بار آپ نے اپنی ناہید کو آزمانے کی کوشش تو کی ہوتی ..... ناہید کو قربانی پیش کرنے کا موقع تو دیا ہوتا۔

پھر آنسوؤں کے تار بندھتے تو اس کا گلا رندھ جاتا' منصور کا تصوراتی ہیولا آنسوؤں کی بوچھاڑ میں دھندلانے لگتا' ذہن میں پریشان خیالوں کا ہجوم آپس میں زیادہ گڈمڈ ہوتا تو دل کی دھڑکنیں معدوم ہونے لگتی تھیں۔ غرضیکہ وقت اور حالات کی گردش نے اُس کے بے سہارا وجود کو بُری طرح جھنجھوڑ ڈالا تھا۔ نازلی کے فتنے نے جو بھونچال اٹھایا اس نے صرف اسی کو نہیں بلکہ پورے گھر کے سکون کو برباد کر دیا تھا۔ ہر فرد اپنی اپنی جگہ سہما سہما نظر آ رہا تھا اور سب ہی کو بیگم سجاد کی فکر لاحق تھی جو صدموں کی تاب نہ لا کر بُری طرح نڈھال ہو گئی تھیں۔ ہر وقت آنکھیں کھولے خلاؤں میں گھورا کرتیں' اپنی سوچوں میں گم رہتی تھیں پھر روتے روتے بے ہوش ہو جاتیں۔ ڈاکٹر دن میں دو تین بار بلائے جاتے تھے' دوائیں بدلی جاتیں' قیمتی قیمتی انجکشن لگائے جاتے لیکن مرض گھٹنے کے بجائے اور بڑھتا جا رہا تھا۔ شاید اس لئے کہ ممتا کا جذبہ دنیا کے تمام جذبوں سے زیادہ مقدس اور بلند ہوتا ہے اور جب اس جذبے کو ٹھیس پہنچتی ہے تو ماں کا ممتا بھرا دل ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے۔

بیگم سجاد کی بڑھتی ہوئی بیماری نے ناہید کو اپنا غم بھول جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ شب و روز بیگم سجاد کی تیمارداری میں لگی رہتی تھی۔ فراز بھی اپنا بیشتر وقت ماں کے کمرے

میں بسر کرتے تھے۔ گھر کے ملازمین اور نوکر چاکر سب ہی پریشان پریشان نظر آتے تھے۔ ہر شخص افسردہ تھا' ملول تھا' ہر دل کو وقت کے دھارے نے سکتے کی کیفیتوں سے دوچار کر دیا تھا لیکن فرزین کی حالت دوسروں سے مختلف تھی۔ دنیا دکھاوے کو اُس نے بھی اپنے چہرے پر افسردگی کا خول چڑھا رکھا تھا۔ پُرسش احوال کے لئے آنے جانے والے لوگوں کے سامنے وہ بھی خود کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہی متاثر ثابت کرنے میں پیش پیش رہتی تھی لیکن درپردہ حالات کی اس نئی کروٹ سے بے حد خوش تھی۔ شاید اس لئے کہ وقت نے اُس کے ہاتھوں میں سسرال کی کمزوری پیش کر دی تھی۔ رہا بیگم سجاد کا مسئلہ تو فرزین کو روز اوّل ہی سے اُن کی بزرگانہ نصیحتوں اور بات بات پر روک ٹوک سے شدید چڑ تھی اور شاید اسی لئے جب کہ دوسری تمام زبانیں بیگم سجاد کی زندگی کی خاطر خدا سے دعاؤں میں مصروف تھیں' فرزین اُس گھڑی کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی کہ کب ساس کی آنکھیں بند ہوں اور کب اُسے آزادی کا سانس لینا نصیب ہو۔

اس وقت بھی جب فراز اور ناہید' بیگم سجاد کے کمرے میں موجود تھے وہ اپنی خوبصورت خوابگاہ میں آرام دہ بستر پر لیٹی ایک رومانی ناول کی ورق گردانی میں محو تھی۔ کچھ دیر پہلے وہ مجبوراً ساس کے کمرے میں گئی تھی۔ دل پر جبر کئے بیٹھی رہی لیکن دواؤں کی خوشبو اور گھٹے گھٹے بیمار ماحول نے جلد ہی اُسے اکتا دیا تھا' وہ ناہید سے پیٹ میں درد کا بہانہ کر کے ابکائیاں دباتی اپنی خوابگاہ میں واپس آ گئی۔ کمرے میں آتے ہی اُس نے سنگھار میز کے سامنے کھڑے ہو کر پہلے اپنے حلئے کا جائزہ لیا' چند لمحوں کی فرضی المیہ اداکاری نے اس کے چہرے کے نقوش کو کس قدر متاثر کر دیا تھا۔ برش اٹھا کر اس نے بالوں کی آوارہ لٹوں کو سنوارا' چہرے پر ہلکا میک اپ کیا پھر ایو ننگ اِن پیرس کی مہک سے لباس کو معطر کر کے نرم و گداز بستر پر آ گئی۔ اسے شدید بوریت محسوس ہو رہی تھی۔ وقت کاٹے نہیں کٹ رہا تھا۔ ایک ایک لمحہ جاں گسل بن گیا تھا۔ کچھ دیر وہ یونہی اپنے آپ سے الجھتی رہی پھر وقت گزارنے کی خاطر ریک سے ایک ناول اٹھا کر اُس کے اوراق الٹنے لگی۔

خوابگاہ کے دروازے پر قدموں کی آہٹ ابھری تو فرزین نے جلدی سے ناول بند کر کے تکیے کے نیچے سرکا دیا' چہرے کی شادابی پر سہمے ہوئے تاثرات ابھر آئے' اُس نے دھڑکتے دل سے پلٹ کر دروازے کی سمت دیکھا تو جان میں جان آ گئی' شہلا دروازے کے درمیان کھڑی اُسے مسکراتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ فرزین نے یوں ایک طویل سانس لی جیسے اُس کے ذہن سے کوئی بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔

"ہیلو فرزین!" شہلا نے قریب آتے ہوئے کہا۔ "یہ چوری چوری کیا پڑھا جا رہا تھا۔"

"تیرا کلیجہ۔" فرزین نے خفگی سے جواب دیا۔ "یہ بتا تُو اتنے دنوں سے کہاں غائب تھی۔"

"ڈیڑی کے ساتھ سیرو تفریح کی غرض سے شہر سے باہر گئی تھی لیکن دیکھ لے' تیری یاد پندرہ بیس دن کے اندر ہی واپس کھینچ لائی۔" شہلا نے اپنا پرس ایک جانب اچھال کر فرزین کے قریب بیٹھتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے پوچھا۔ "اور سناؤ' یہ اخبارات میں تمہارے سسرال والوں کا کیا ذکر خیر ہو رہا ہے۔"

"کچے چٹھے سامنے آ رہے ہیں۔" فرزین بُرا سا منہ بنا کر بولی۔ "ڈھکی چھپی پولیں کھل رہی ہیں۔"

پھر شہلا کے اصرار پر فرزین نے نازلی کے بیان سے لے کر بیگم سجاد کی علالت تک کے تمام واقعات ایک ایک کر کے دہرا ڈالے' شہلا بڑی توجہ سے ہمہ تن گوش تھی۔ فرزین خاموش ہوئی تو اُس نے کہا۔

"تو یوں کہو کہ تمہارے جیٹھ صاحب محترمہ نازلی بیگم کے عشق میں دیوانے ہو کر حادثے کا شکار ہوئے تھے۔"

"بظاہر تو یہی حالات سامنے آ رہے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ فراز اور اُن کے گھر والے نازلی کے بیان کو افتخار احمد اور مرحوم سجاد علی کی دیرینہ دشمنی سے تعبیر کر رہے ہیں۔" فرزین زہریلے لہجے میں بولی۔ "اور ہماری ساس صاحبہ تو باقاعدہ اٹواٹی کھٹواٹی لے کر پڑ گئی ہیں۔ سارے گھر کا ماحول جہنم کدہ بن گیا ہے' جسے دیکھو رونی صورت بنائے گھوم رہا ہے' میرا تو دم گھٹنے لگا ہے۔"

"آئی سی۔" شہلا نے کہا پھر سوچ کر پوچھا۔ "ناہید بیگم کے کیا حال احوال ہیں ..... میرا مطلب یہ ہے کہ مرحوم شوہر کی کارستانیوں کا علم ہونے کے بعد اُن پر کیا گزر رہی ہے۔"

"انہیں ساس کی تیمارداری سے اتنی فرصت کہاں ہے کہ اپنا رونا شروع کریں۔" فرزین نے کہا۔ "خدا کی قسم' میرا تو یہاں ایک ایک پل گزارنا عذاب جان بن گیا ہے۔ فراز بھی ہر وقت ماں کے پاس رہتے ہیں' میں تنہا بور ہوتی رہتی ہوں۔"

"تم ایسا کیوں نہیں کرتیں کہ کچھ دنوں کے لئے بیماری کا بہانہ کر کے اپنے گھر چلی

جاؤ۔" شہلا نے تجویز پیش کی۔

"خیال تو میرا بھی یہی ہے لیکن اوّل تو فراز سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا' دوسرے یہ کہ ابھی تک میں یہ طے نہیں کر سکی کہ ایسے حالات میں کچھ کہنا مناسب بھی ہو گا یا نہیں۔"

"اس میں بھلا نامناسب کیا ہے؟" شہلا بولی۔ "کسی وقت موقع دیکھ کر فراز سے کہہ دو کہ لیڈی ڈاکٹر نے تمہیں مکمل آرام کا مشورہ دیا ہے اور یہ بھی اگر پوری طرح احتیاط نہ کی گئی تو پھر وہ چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو جائے گا جس کے ارمان میں تمہارے سسرال والے مرے جا رہے ہیں۔"

"نائس آئیڈیا۔" فرزین چہک کر بولی۔ "یہ طریقہ نہایت مؤثر اور کار آمد ثابت ہو گا۔ اسی لئے تو میں نے تمہیں ہمیشہ سے استاد مان رکھا ہے۔"

"دیکھ لو۔" شہلا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "استادوں کے کہنے پر عمل کرو گی تو ہمیشہ عیش کرو گی۔"

"کوشش تو کرتی ہوں لیکن ڈر بھی لگتا ہے۔" فرزین بولی۔

"ڈر ..... وہ کس بات کا؟" شہلا نے حیرت سے پوچھا۔

"فراز کی ناراضگی کا۔" فرزین نے بڑی معصومیت سے کہا۔ "اگر وہ خفا ہو گئے تو پھر پاپا بھی مجھ سے ناراض ہو جائیں گے۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر خاموشی سے بھگتو سسرال والوں کو اور ایک ایک کی جوتیاں سیدھی کر کے اُن کی خوشنودی حاصل کرتی رہو۔" شہلا نے نفرت سے کہا۔

"مجھے صرف فراز کا خیال ہے۔" فرزین نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "دوسروں کی تو مجھے ذرہ برابر بھی فکر نہیں ہے' مریں یا جئیں' میری بلا سے۔"

"یہ کیسے ممکن ہے۔" شہلا نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "اگر تمہیں فراز کا خیال ہے تو پھر اُن لوگوں کا بھی خیال رکھنا ہو گا جو فراز کو عزیز ہیں۔"

"کیا مطلب؟" فرزین چونکی۔

"مطلب تو بہت صاف اور واضح ہے فرزین ڈیئر! تم نہ سمجھو تو اور بات ہے۔" شہلا نے سنجیدگی سے جواب دیا پھر بولی۔ "کیا تم اس بات کو قبول کر لو گی کہ ناہید جیسی حسین اور خوبصورت بیوی کی موجودگی میں منصور نے محض تفریحاً نازلی سے محبت کی پینگیں بڑھائی ہوں گی' میں نہیں مان سکی۔ میں نے نازلی کو بھی سینکڑوں بار دیکھا ہے' صورت

شکل اور خوبصورتی کے معاملے میں وہ ناہید کے پاؤں کا دھوون بھی نہیں ..... پھر ذرا غور تو کرو' ایسی کیا بات تھی جو منصور نے ہیرے کی موجودگی میں کسی پتھر کا انتخاب کر لیا۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھی۔" فرزین نے جھلاتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ تم کہنا چاہتی ہو کھل کر کیوں نہیں کہتیں۔"

"سن سکتی ہو تو ذرا دل تھام کر سنو۔" شہلا نے بڑے گہرے انداز میں کہا۔ "مجھے نہایت معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ فراز اور ناہید کسی زمانے میں کالج میں ایک ساتھ پڑھ چکے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے تھے لیکن فراز بعد میں ملک سے باہر چلے گئے اور اُن کی محبت کی بیل منڈیر نہ چڑھ سکی۔ پھر شومئی قسمت سے ناہید کی شادی منصور کے ساتھ ہو گئی۔ جہاں تک میں نے سنا ہے منصور نہایت شریف اور کم سخن واقع ہوئے تھے لیکن یہ بات تو دنیا کا کوئی بھی مرد برداشت نہیں کر سکتا کہ اُس کی شریک حیات اپنے ہی گھر میں دوسرے بھائی سے محبت کی پینگیں بڑھا رہی ہو۔ یقیناً جب منصور کو حالات کا علم ہوا ہو گا تو دل برداشتہ ہو گئے ہوں گے۔ بات اگر فراز کے سوا کسی اور کی ہوتی تو عین ممکن تھا کہ منصور اسے گولی مارنے سے بھی دریغ نہ کرتے' مگر بات چونکہ چھوٹے بھائی کی تھی اس لئے وہ اندر ہی اندر سلگتے رہے پھر دل بہلانے کی خاطر انہوں نے نازلی کو وقتی طور پر اپنا لیا ہو گا ..... اور پھر نفرت اور حقارت کی یہی چنگاریاں بیچارے منصور کو لے ڈوبی ہوں گی۔"

"تمہیں ان باتوں کا علم کیسے ہوا۔" فرزین نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔ شہلا کی باتوں نے اُس کے چہرے کا رنگ اڑا دیا تھا۔

"میری ایک سہیلی نے' وہ بھی ناہید کی ہم جماعت رہ چکی ہے۔" شہلا بولی۔ "اب رہا باقی باتوں کا مسئلہ تو انسان نے خدا کو بھی نگاہوں سے نہیں دیکھا' عقل سے پہچانا ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو میں ناہید بیگم سے ضرور پوچھوں گی کہ وہ اپنا سہاگ تو برباد کر چکی ہیں لیکن اب میرے شوہر کے پیچھے کیوں پڑی ہیں۔" فرزین نے غصے سے تلملاتے ہوئے جواب دیا۔ "میں اتنی آسانی سے اپنا گھر برباد نہیں ہونے دوں گی۔ اگر ناہید بیگم کی ایسی تیسی نہ پھیر دی تو میرا نام بھی فرزین نہیں۔"

"یہ تمہاری سب سے بڑی حماقت ہو گی۔" شہلا نے جلدی سے کہا۔ "ابھی ان باتوں کو صرف دل کی گہرائیوں تک محدود رکھو اور کوشش کرو کہ کسی طرح فراز تمہیں

لے کر علیحدہ رہنے پر آمادہ ہو جائیں' اس طرح سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی اور یوں بھی یہ وقت ایسا نہیں کہ تم اس قصے کو لے کر بیٹھو۔ ترپ کا پتہ استعمال کرنے کے لئے تمہیں کسی مناسب وقت کا انتظار کرنا ہو گا ورنہ بات بننے کے بجائے اور بگڑ جائے گی۔"

"مائی گاڈ....." فرزین نے غصے سے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔ "میں تو خوابوں میں بھی اس بات کا تصور نہیں کر سکتی تھی کہ یہ ناہید بیگم جو بظاہر اوپر سے اتنی میٹھی اور معصوم نظر آتی ہیں اندر سے اس قدر خوفناک اور زہریلی ہوں گی۔"

"فی الحال صبر سے کام لو مائی ڈیئر!" شہلا بولی۔ "فراز اور تمہاری ساس دونوں کو اپنی خاندانی عزت اور وقار کا بے حد خیال ہے اور تم نے اگر عقل مندی اور دوراندیشی سے کام لیا تو سسرال والوں کی یہی کمزوری تمہارے کام بھی آ سکتی ہے۔"

"تم کہتی ہو تو کچھ دنوں اور صبر کئے لیتی ہوں' ورنہ میرا دل تو چاہ رہا تھا کہ اسی وقت جا کر ناہید بیگم کا مزاج درست کر دیتی اور جب تک اس کو اس گھر کی دہلیز سے باہر نہ نکال دیتی چین سے نہ بیٹھتی۔"

"اور یہی تمہاری حماقت ہوتی۔" شہلا نے ٹھوس آواز میں کہا۔ "محبت کا پودا تناور ہو جائے تو اسے اتنی آسانی سے جڑ سے نہیں اکھاڑا جا سکتا' اسے کاٹنے کے لئے تدابیر اور ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم ابھی ناہید سے بگاڑ کرنے کی غلطی بھی نہ کرنا' فراز اُس کا جتنا خیال رکھتے ہیں یہ تم بھی جانتی ہو' اس لئے کیوں نہ تم ناہید ہی کو بنیاد بنا کر اپنے مقصد میں کامیابی کی کوشش کرو۔"

"وہ کس طرح؟" فرزین نے شہلا کو وضاحت طلب نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ناہید سے اور گھل مل جاؤ اور باتوں باتوں میں ڈھکے چھپے اشاروں کے ذریعے اُسے باور کرانے کی کوشش کرو کہ تمہیں اُس کے اور فراز کے تعلقات اور ماضی سے شروع ہونے والے تمام واقعات کا علم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ناہید بیگم کو جب علم ہو گا کہ تم اُن کے کردار کے تاریک پہلوؤں کا راز جان گئی ہو تو وہ سٹپٹا جائیں گی۔ وہ پوری طرح تمہاری مٹھی میں آ جائے تو تم اُس کے سامنے یہ شرط رکھ سکتی ہو کہ یا تو وہ خود کوئی ایسی سبیل کریں کہ تم اور فراز علیحدہ ہو جاؤ ورنہ وہ راز جو صرف تمہیں معلوم ہے وہ پورے زمانے کو بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ کیوں ..... کیا خیال ہے تمہارا؟"

"خیال بُرا نہیں لیکن میں اُس کے قرب کو برداشت نہیں کر سکوں گی۔"

"پھر جو تمہارے جی میں آئے وہ کر دیکھو لیکن میری یہ بات بھی یاد رکھو کہ اگر تم نے حماقت اور جلدبازی سے کام لینے کی کوشش کی تو بساط الٹ بھی سکتی ہے۔" شہلا لاپرواہی سے بولی۔ "فراز اس وقت بڑے بھائی کی جگ ہنسائی اور ماں کی بیماری سے الجھے ہوئے ہیں' اگر تم نے اس وقت ایک نئی الجھن کھڑی کی تو عین ممکن ہے کہ ناہید کے بجائے خود تم کو اس گھر کی دہلیز سے باہر نکلنا پڑے۔"

"اگر ایسا ہوا تو میں ناہید اور فراز دونوں کو شوٹ کر دوں گی۔" فرزین تڑپ کر بولی' اس کا چہرہ خون کی تمازت اور غصے کی شدت سے تپ اٹھا تھا۔

"اور خود پھانسی کے پھندے پر لٹک جاؤں گی۔"

"کچھ بھی ہو ..... لیکن میں یہ بات کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتی کہ فراز میری موجودگی میں کسی اور سے بھی منسوب ہوں۔" فرزین نے غصے سے کہا۔

"سوچ لو۔" شہلا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اگر فراز نے تم سے ثبوت مانگا تو کیا تم آسانی سے اُن کے اور ناہید بیگم کے داغدار کردار کو ثابت کر سکو گی۔"

"پھر۔" فرزین جھلا کر بولی۔ "تم ہی بتاؤ کہ میں اس زہریلی ناگن کا سر کس طرح کچلوں جو میرے سہاگ کو ڈسنے کی کوشش کر رہی ہے۔"

"ناگن کا زہر نکال لو ..... وہ تمہاری مٹھی میں ہو گی۔" شہلا نے مشورہ پیش کیا۔

"آل رائٹ۔" فرزین ہونٹ چباتے ہوئے بولی۔ "میں تمہارے مشوروں پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی۔"

شہلا بڑی دیر فرزین کے پاس بیٹھی اُس کی زندگی میں زہر گھولتی رہی اور ان باتوں کا یقین دلاتی رہی جس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا پھر اُس نے دوبارہ آنے کا وعدہ کیا اور پرس اٹھا کر اٹھلاتی بل کھاتی واپس چلی گئی اور فرزین اُس کے جانے کے بعد بھی اس آگ میں جلتی رہی جو شہلا اُس کے سینے میں بھڑکا کر گئی تھی۔ سینے کی تپش کی سرخیاں ہر لمحہ فرزین کے چہرے پر پھیل کر گہری ہوتی جا رہی تھیں۔

☆------☆------☆

ڈاکٹر دو گھنٹے پیشتر بیگم سجاد کو نیند کا انجکشن لگا کر گیا تھا اور یہی ہدایت کر گیا تھا کہ گھر کے کسی ایک فرد کو اس وقت تک اُن کے قریب رہنا چاہئے جب تک وہ دوبارہ نیند سے بیدار نہیں ہو جاتیں۔

فراز اور ناہید دونوں ہی بیگم سجاد کے کمرے میں موجود تھے' بوا سروری بھی کمرے کے ایک کونے میں بیٹھی تسبیح پڑھنے میں مصروف تھیں' بیگم سجاد جو حالات کی گردش سے ہڈیوں کا پنجر نظر آ رہی تھیں' بستر پر انجکشن لگنے کے بعد سے بے خبر سو رہی تھیں۔ چہرے پر شدید نقاہت اور زردی پھیلی ہوئی تھی' آنکھوں کے حلقے اندر کو دھنسے آ رہے تھے' سر کے سیاہ و سفید بال الجھے الجھے تھے۔ غرضیکہ وہ غموں سے پوری طرح نڈھال اور چُور نظر آ رہی تھیں۔ ڈاکٹر نے بھی یہی کہا تھا کہ اُن کے دل پر صدموں کا شدید اثر ہے اور اگر یہی حالت کچھ دنوں اور برقرار رہی تو مریضہ کی حالت تشویشناک ہو جائے گی۔ چنانچہ ناہید اور فراز دونوں ہی پریشان تھے اور اپنی اپنی کرسیوں پر سکتے کی حالت سے دوچار بیٹھے مریضہ کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔

کمرے کے ماحول پر ایک عجیب سوگوار سی خاموشی طاری تھی۔ بوا سروری تسبیح پڑھتے پڑھتے نیند کی شدت سے بے حال ہو کر فرش پر ڈھلک کر سو گئی تھیں۔ پھر کلاک نے رات کے بارہ کے عمل کا اعلان کیا تو فراز یوں چونکے جیسے ابھی تک خواب کی کیفیت سے دوچار ہوں۔ نظریں گھما کر انہوں نے ناہید کی طرف دیکھا جو تصویر حیرت بنی بیٹھی بیگم سجاد کو گھورے جا رہی تھی۔ تین راتوں سے متواتر جاگتے جاگتے اُس کے چہرے کی رنگت بھی بدل گئی' بڑی سوگوار سوگوار سی نظر آ رہی تھی۔ جیسے اُس کے وجود میں زندگی کی کوئی رمق' کوئی لہر باقی نہ رہ گئی ہو۔ آنکھیں بھی ویران ویران اور مستقل جاگتے رہنے سے گدلی گدلی دکھائی دے رہی تھیں' چہرے کا تمام حسن' تمام دل آویزی جیسے ست کر رہ گئی تھی۔ فراز کو اُس کی حالت پر ترس آ گیا۔ آہستہ سے مخاطب کرتے ہوئے بولے۔

"ناہید بھابی!"

"جی!" ناہید نے ہڑبڑا کر کہا' فراز کی آواز سن کر اُس کی محویت کا طلسم ٹوٹ گیا تھا' نظریں گھما کر اُس نے فراز کو دیکھا' بڑی حیرت سے بولی۔ "تم ابھی تک یہیں بیٹھے ہو' سوئے نہیں۔"

"آپ بھی تو جاگ رہی ہیں۔" فراز نے آہستہ سے کہا۔ "تین راتوں سے ایک پل بھی تو آرام نہیں کیا۔"

"میری بات اور ہے فراز!" وہ ایک طویل سانس لے کر بولی۔ "لیکن تمہیں فرزین کا بھی خیال رکھنا چاہئے' شاید وہ تمہارا انتظار کر رہی ہو' جاؤ جا کر سو رہو' صبح تم امی حضور کے پاس کچھ دیر کے لئے بیٹھ جانا تو میں آرام کر لوں گی۔"

"آپ کو بھی اپنی صحت کا خیال رکھنا چاہئے۔" فراز اداس لہجے میں بولے۔ "اس طرح مستقل جاگتی رہیں تو طبیعت خراب ہو جائے گی۔"

"تمہیں مجھ سے زیادہ فرزین کا خیال رکھنا چاہئے۔" ناہید نے بڑے خلوص سے کہا۔ "وہ جس حالت میں ہے اُس میں تمہیں اس کی زیادہ فکر ہونی چاہئے۔"

"آپ بجا فرما رہی ہیں بھابی! لیکن امی حضور کی حالت....." فراز اس کے آگے کچھ نہ کہہ سکے۔ ماں کے چہرے پر نظر ڈالی تو الفاظ حلق ہی میں رندھ کر رہ گئے' پلکوں کے گوشے نم آلود ہونے لگے۔

"بُری بات ہے فراز!" ناہید نے جلدی سے ٹوکتے ہوئے کہا۔ "تم مرد ہو' حوصلے سے کام لو اور پھر ہمیں خدا کی رحمتوں سے مایوس نہیں ہونا چاہئے' وہ بڑا رحیم و کریم ہے' ہماری ضرورتوں کو ہم سے بہتر جانتا ہے' مجھے یقین ہے کہ وہ امی حضور کو اپنے حبیب پاک کے طفیل شفا عنایت کرے گا۔"

"بھابی!" فراز نے پلٹ کر ناہید کو دیکھا' جذبات میں طغیانی آئی تو آنسو چھلک کر پلکوں تک آ گئے' ضبط کا یارا نہ رہا تو دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ کر سسکنے لگے۔

ناہید گھبرا کر اٹھی' تیزی سے فراز کے قریب آئی' بڑی شفقت سے اُن کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

"یہ کیا حماقت ہے فراز! تم تو بچوں کی سی حرکت کر رہے ہو۔"

"اب صبر نہیں کیا جاتا بھابی!" فراز بھرائی آواز میں بولے۔ "امی حضور کی حالت دن بدن ابتر ہوتی جا رہی ہے۔"

"خدا سے لو لگائے رکھو فراز! اس طرح آنسو بہانے سے کیا حاصل ہو گا۔" ناہید نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا پھر جلدی سے کمرے میں رکھی ہوئی صراحی سے پانی انڈیل کر لائی۔ "لو' پانی پی لو۔"

فراز نے پانی پیا تو قدرے سنبھل گئے لیکن آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی بدستور موجود تھی' دوبارہ ماں کے زرد چہرے پر نظریں جما کر دیکھنے لگے تو ناہید نے بڑے پیار سے کہا۔

"میری بات مان لو فراز! جاؤ' جا کر کچھ دیر آرام کر لو۔"

"کس دل سے آرام کروں ..... امی حضور کا خیال کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتا۔"

"میں جو امی حضور کے پاس موجود ہوں۔" ناہید بولی۔ "اس طرح اگر دونوں جاگتے رہے تو پھر امی حضور کی تیمارداری کون کرے گا؟"

"آج آپ آرام کر لیں ناہید بھابی! میں امی حضور کے پاس رہوں گا۔" فراز نے آنسو پیتے ہوئے جذباتی لہجے میں کہا۔

"کیوں ..... آج کیا بات ہے؟" ناہید نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"آج ..... آج دل کو قرار نہیں مل رہا ..... جانے خدا کو کیا منظور ہے۔" فراز کی آواز پھر بھرانے لگی۔

"خود کو سنبھالو فراز!" ناہید تڑپ کر بولی۔ "ایسی فال زبان سے کیوں نکال رہے ہو' تمہیں آج کیا ہو گیا ہے۔ بجائے اس کے کہ دوسروں کی ڈھارس بندھاؤ' خود ہمت ہار رہے ہو۔"

"کیا کروں بھابی! کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

"کچھ سمجھنے کی کوشش ہی مت کرو' صرف خدا سے امی حضور کی صحت یابی کی دعائیں کرو' وہ غفورالرحیم ہے' ضرور رحم کرے گا۔" ناہید نے کہا پھر دوبارہ اصرار کرتے ہوئے بولیں "فرزین خوابگاہ میں تنہا ہو گی ..... جاؤ' تم جا کر سو رہو' اگر ضرورت پڑی تو میں تمہیں جگا لوں گی۔"

"بھابی!"

"بُری بات ہے فراز!" اس بار ناہید نے بڑے بزرگانہ انداز میں کہا۔ "میں تمہاری بڑی ہوں' تمہیں میری بات رد نہیں کرنی چاہئے' چلو' اٹھو جلدی سے۔"

فراز نے ایک نظر ناہید کے چہرے پر ڈالی' ماں کے بیمار چہرے کی جانب دیکھا پھر تھکے تھکے انداز میں کرسی سے اٹھے' مضمحل قدموں سے دروازے کی طرف بڑھے لیکن ماں کی نحیف آواز سن کر رک گئے۔

"منصور ..... میرے لاڈلے ..... تُو ..... تُو بے قصور ہے ..... بے گناہ ہے۔"

بیگم سجاد خواب کی حالت میں بول رہی تھیں' فراز تڑپ کر ماں کے قریب آ گئے۔ ناہید کے دل کی دھڑکنیں بھی تیز ہو گئیں' وہ بھی ساس کی مسہری کے قریب آ گئی۔ بیگم سجاد کچھ دیر تک نحیف آواز میں رک رک کر اٹک اٹک کر بولتی رہیں' پھر ہڑبڑا کر جاگ اٹھیں۔

"امی حضور ..... امی حضور!" فراز جھک کر ماں کے اور قریب ہو گئے۔

بیگم سجاد پھٹی پھٹی ویران نگاہوں سے فراز کو دیکھنے لگیں۔ کچھ کہنے کے لئے اُن کے ہونٹ پھڑپھڑائے لیکن اسی لمحے ابکائی آئی اور خون کے چند قطرے لاغر ہونٹوں سے ڈھلک کر گردن پر بہنے لگے' فراز نے ماں کا خون ابلتے دیکھا تو تڑپ کر ڈاکٹر کو فون کرنے کے لئے باہر کی سمت بھاگے' ناہید جلدی سے ساس کے قریب بیٹھ گئی اور اُن کی پیشانی سہلانے لگی۔

"نن ..... نا ..... ہید....." بیگم سجاد نے بمشکل بڑی مدھم آواز میں کچھ کہنا چاہا۔

"آپ پریشان نہ ہوں امی حضور! میں آپ کے پاس موجود ہوں۔" ناہید نے رندھی آواز میں کہا' ساس کے منہ سے خون کے قطرے بہتے دیکھ کر وہ بھی بوکھلا گئی تھی۔

بیگم سجاد ویران اور حسرت بھری نگاہوں سے ناہید کو چند لمحے دیکھتی رہی پھر آہستہ سے پلکیں بند کرلیں' ناہید نے اپنے دوپٹے سے ہونٹوں اور گردن کا خون صاف کیا۔ فراز ڈاکٹر کو فون کر کے دوبارہ ماں کے پاس آ گئے تھے' ناہید نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں چپ رہنے کی تلقین کی تو فراز نے جذبات سے مغلوب ہو کر دوبارہ اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔

ناہید کی حالت بھی غیر ہونے لگی تھی۔ دل کی گہرائیوں سے امڈتے آنسوؤں کو روکنے کی خاطر اُس نے اپنا نچلا ہونٹ بڑی شدت سے دانتوں کے درمیان بھینچ لیا پھر کچھ سوچ کر آہستہ سے جھکی اور ساس کے سینے سے کان لگا کر اُن کے دل کی دھڑکنوں کی آواز سننے کی کوشش کرنے لگی۔

ایک ممتا بھرے دل کی آواز ..... جو کہیں دور سے ابھر رہی تھی لیکن ہر لمحہ معدوم ہوتی جا رہی تھی۔

☆======☆======☆

بیگم سجاد کی طبیعت زیادہ خراب ہونے کے سبب انہیں ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ ناہید اور بوا سروری بھی سپیشل وارڈ میں اُن کے ساتھ مقیم ہیں۔ فراز رات گئے تک ماں کے پاس رہتے ہیں پھر فرزین کی وجہ سے واپس گھر آ جاتے ہیں۔

مرحوم سجاد علی الہ آباد کی ان جانی پہچانی شخصیت میں سے تھے جنہیں موت کے بعد

بھی اچھے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ابھی تک اُن کے عقیدت مندوں کی تعداد باقی تھی۔ چنانچہ ہسپتال کے ڈاکٹر خاص توجہ سے بیگم سجاد کی مسیحائی میں شب و روز مصروف نظر آتے ہیں اور بڑی تندہی سے اُن کا علاج کر رہے ہیں۔

بیگم سجاد کو جوان اولاد کی موت نے اتنا غم نہیں دیا تھا جتنا موت کے بعد اُن کی بدنامی نے نڈھال کر دیا تھا۔ نازلی کے سلسلے میں اُن کو صرف اتنا معلوم تھا کہ وہ اس خاندان کی لڑکی ہے جو ایک عرصے سے مرحوم سجاد علی اور ان کے خاندان والوں کی مخالفت کرتا چلا آ رہا تھا لیکن یہ بات اُن کے وہم و گمان میں بھی نہیں آئی تھی کہ منصور کوئی ایسا قدم بھی اٹھا سکتے ہیں جو خاندان کی رسوائی اور جگ ہنسائی کا سبب بنے اور یہی صدمہ تھا جو انہیں اندر ہی اندر گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا۔ اس کے علاوہ انہیں ناہید کی بیوگی کا غم بھی تھا۔

تین روز تک وہ ہسپتال میں بے ہوشی کی حالت سے دوچار رہیں۔ دل کے شدید دورے نے انہیں جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ ہسپتال کے بڑے بڑے ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ تھا کہ انہیں زیادہ سے زیادہ ذہنی آرام و سکون کی ضرورت ہے چنانچہ وہ نیند کا انجکشن لگا لگا کر بیگم سجاد کے ذہن کو پُرسکون رکھنے کی کوششوں میں مصروف تھے مگر بڑھتی ہوئی کمزوری کے پیش نظر اب خواب آور دواؤں کا استعمال قدرے کم کر دیا تھا۔ بیگم سجاد کے خاص معالج ڈاکٹر احتشام نے فراز اور ناہید کو مریضہ کی حالت کا احساس دلاتے ہوئے اس بات کی خاص طور پر تاکید کر دی تھی کہ مریضہ کی دلجوئی کا بطور خاص خیال رکھا جائے اور اُن کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کی جائے جو صدمہ کا سبب ہو۔

ناہید مرحوم سجاد علی کے گھرانے کی بہو تھی۔ قدرت نے اُسے جوانی میں شوہر کی جدائی کا غم عنایت کیا تھا اور بیوگی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا تھا' وہ چاہتی تو منصور کے بعد سسرال والوں سے کنارہ کشی بھی اختیار کر سکتی تھی اور والدین کی اس خواہش کا احترام بھی کر سکتی تھی جو اُس کی اجاڑ مانگ میں پھر سے افشاں بھرنے کا ارادہ کر رہے تھے لیکن اُس نے نہایت ادب سے والدین کی اس خواہش کو رد کر دیا تھا اور خود کو اسی چوکھٹ سے وابستہ کر لیا تھا جہاں وہ ایک روز والدین کی مرضی سے عروسی جوڑا پہن کر شہنائیوں کی گونج میں دلہن بن کر آئی تھی۔

وقت نے ناہید کے معصوم وجود کو جو چرکے لگائے تھے وہ شدید تھے لیکن اُس نے ان زخموں کو رفو کر لیا تھا اور خود کو حالات کے نئے سانچوں میں ڈھالنے کے لئے ثابت

قدم ہو گئی مگر نازلی کے حادثے نے اُس کے غموں کو بھی ہرا کر دیا تھا۔ زخموں پر وقت کے ہاتھوں جو کھرنڈ آ گئی تھی وہ نازلی کے اقبالی بیان کی ٹھیس پا کر اکھڑ گئی تھی اور ان زخموں کی ٹیسوں نے اُسے ایک بار پھر تڑپا دیا تھا۔ مگر ابھی وہ پوری طرح تڑپ بھی نہیں پائی تھی کہ ساس کی حالت ابتر ہو گئی اور اس نے اپنا غم سینے کی گہرائیوں میں چھپا کر ساس کی خدمت بڑے خلوص سے شروع کر دی تھی۔

اس وقت بھی وہ ساس کے سرہانے ایک آرام کرسی پر بیٹھی فلک کج رفتار کی ستم ظریفیوں پر غور کر رہی تھی۔ فراز کچھ دیر پہلے ہی ہسپتال سے گئے تھے۔ بوا سروری بھی کمر سیدھی کرنے کی غرض سے فرش پر لگے بستر پر لیٹ چکی تھیں لیکن ناہید جاگ رہی تھی' حالات نے اُس کی نیندیں چرا لی تھیں' واقعات کی نئی کروٹ اُس کے لئے سوہانِ روح بن گئی تھی۔ اگر بیگم سجاد کا کمزور وجود نہ ہوتا تو وہ بالکل ہی بے سہارا ہو جاتی۔ جانے کیا حال ہوتا لیکن اس نے ساس کے کمزور وجود کو سہارا بنا لیا تھا اور اُن کے دکھوں کو اپنا کر اپنے غموں کو فراموش کر دیا تھا۔

"پا..... نی....."

سپیشل وارڈ کے ہوا دار کمرے میں بیگم سجاد کی نحیف آواز ابھری تو اُس کے خیالات کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ وہ ساس کی آواز سن کر جلدی سے اٹھی' تپائی پر رکھی صراحی سے پانی انڈیل کر تیزی سے اُن کے قریب آ گئی' بیگم سجاد پتھرائی ہوئی ویران نظروں سے اُسے دیکھ رہی تھیں۔ کتنی حسرت' کتنی بے بسی اور کس قدر کرب تھا اُن کی آنکھوں میں۔ وہ ان آنکھوں کو دیکھ کر ایک لمحے کو سہم گئی۔ پھر اُس نے جلدی سے چمچے سے ساس کو پانی پلایا اور گلاس واپس تپائی پر رکھ کر اُن کے قریب بیٹھ کر بڑے پیار سے آہستہ آہستہ ان کا سر دبانے لگی۔

"ناہید بیٹی! تم سوئیں نہیں ابھی تک۔" بیگم سجاد نے نحیف آواز میں پوچھا۔

"میں اپنی نیند پوری کر چکی ہوں امی حضور!" اُس نے ساس کی خوشنودی کی خاطر جھوٹ کا سہارا لیتے ہوئے کہا۔ "فراز جاتے ہوئے مجھے جگا گئے تھے۔"

"بوا سروری ..... کہاں ہیں۔"

"سو رہی ہیں۔" اُس نے کہا۔ "کوئی کام ہو تو مجھے بتا دیجئے امی حضور!"

"یونہی ..... پوچھ رہی تھی۔" بیگم سجاد نے لاغر آواز میں جواب دیا پھر چھت کو گھورنے لگیں۔ جانے کیا سوچ رہی تھیں۔

"خدا کا شکر ہے امی حضور کہ اب آپ کی حالت پہلے سے بہت بہتر ہے۔" ناہید نے ساس کو باتوں میں لگانے کی کوشش کی۔ "ڈاکٹر احتشام بتا رہے تھے کہ دو ایک روز میں آپ کو گھر جانے کی اجازت مل جائے گی۔"

"تمہاری ..... مسیحائی ..... ناہید بیٹی!" بیگم سجاد نے بہو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔"

"آپ جلدی سے صحت مند ہو جائیں ..... مجھے اس کے سوا اور کچھ نہیں چاہئے۔" وہ بڑی معصومیت سے بولی۔

"فرزین کیسی ہے؟" بیگم سجاد نے پوچھا۔

"ٹھیک ہے امی حضور!" ناہید نے جلدی سے کہا۔ "دوپہر کو آئی تھی لیکن اس وقت آپ سو رہی تھیں' کچھ دیر بیٹھ کر واپس چلی گئی۔"

"ہوں....." بیگم سجاد نے اداس لہجے میں 'ہوں' کہا پھر دوبارہ چھت کی طرف دیکھنے لگیں۔

ناہید بڑی توجہ سے ساس کی کیفیت کا اندازہ لگا رہی تھی' آج کئی دن بعد وہ ہوشمندی کی باتیں کر رہی تھیں ورنہ ہر وقت بے ہوشی کی حالت سے دوچار رہتی تھیں اور خواب کی حالت میں منصور کو یاد کر کے جنونی انداز میں بڑبڑانے لگتی تھیں۔ کچھ دیر تک وہ ساس کو بڑی توجہ سے دیکھتی رہی' پھر آہستہ سے بولی۔

"اب آپ کیسا محسوس کر رہی ہیں امی حضور!"

"ٹھیک ہوں۔" بیگم سجاد نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

"مولا کا لاکھ لاکھ شکر ہے ..... ورنہ آپ کی حالت دیکھ کر تو سب ہی پریشان ہو گئے تھے۔" ناہید نے بڑی اپنائیت اور پیار سے کہا۔

"شاید..... خدا کو یہی منظور تھا۔" بیگم سجاد نے کپکپاتی آواز میں کہا تو ناہید جلدی سے باتوں کا رخ بدلتے ہوئے بولی۔

"فراز آج آپ سے ایک مشورہ کرنا چاہتے تھے۔"

"کیا؟" بیگم سجاد نے آہستہ سے پوچھا۔

"اپنے ہونے والے بچے کے سلسلے میں۔" اس نے اپنے ہونٹوں پر ایک معصوم تبسم سجاتے ہوئے جواب دیا۔ "جانے انہیں کیسے یقین ہے کہ فرزین کے ہاں بیٹا ہو گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" بیگم سجاد کے لہجے میں ممتا کا رنگ آ گیا۔

"آج فرزین کو ستانے کے لئے کہہ رہے تھے کہ وہ اپنے بیٹے کو فضلو کہہ کر پکارا کریں گے۔"

"شرارت کر رہا ہو گا۔" بیگم سجاد کے خشک ہونٹوں پر پہلی بار ایک لاغر سا تبسم ابھرا۔ "فضلو بھی کوئی نام ہے۔"

"آپ نے کیا نام سوچا ہے امی حضور!" ناہید نے ساس کو بہلانے کی خاطر بڑے بھولپن سے پوچھا۔

"ابھی میں نے غور نہیں کیا..... خدا خیر و عافیت سے فرزین کی گود ہری کر دے پھر نام بھی رکھ لیا جائے گا۔" بیگم سجاد نے رک رک کر کہا۔ آنے والی خوشیوں کے تصور نے ان کے مغموم وجود پر بڑا خوشگوار اثر ڈالا تھا' ویران آنکھوں میں زندگی کے اثرات ابھرنے لگے تھے۔

"تم نے کیا سوچا ہے؟" بیگم سجاد نے پوچھا۔

"میں نے....." ناہید نے زبردستی مسکرانے کی کوشش کی۔ "میں نے ایک دو نام سوچے تو ہیں لیکن پتہ نہیں آپ کو پسند بھی آئیں گے یا نہیں۔"

"کیا نام سوچے ہیں..... میں بھی تو سنوں۔"

"فراز اور فرزین کی مناسبت سے میں نے لڑکے کا نام فیاض سوچا ہے اور اگر لڑکی ہوئی تو تبسم بھی رکھا جا سکتا ہے۔"

"فیاض..... خوبصورت نام ہے۔"

"لیکن فراز نے تو یہ دونوں نام سن کر کڑوا سا منہ بنا لیا تھا۔" ناہید نے بڑے معصوم انداز میں روٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ کیوں؟"

"کہہ رہے تھے کہ اگر لڑکے کا نام فیاض رکھا گیا تو وہ بڑے ہو کر باپ دادا کی جائیداد دونوں ہاتھوں سے لٹایا کرے گا۔" ناہید نے ساس کو خوش کرنے کی خاطر فرضی باتیں بناتے ہوئے کہا۔

"تمہیں تنگ کرنے کو کہہ دیا ہو گا ورنہ فیاض تو نہایت مناسب نام ہے۔" بیگم سجاد زیر لب مسکراتے ہوئے بولیں۔

"اور تبسم کے نام پر جانتی ہیں کیا کہا فراز نے۔" ناہید بولی۔ "کہنے لگے کہ واہ تبسم بھی بھلا کوئی نام ہے' اس سے بہتر تو قہقہہ ہے' کم از کم پتہ تو چلے کہ آدمی کھل کر ہنس رہا

ہے۔"

"احمق ہے۔" بیگم سجاد نے بہو کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "مجھے تو دونوں ہی نام پسند ہیں' ویسے فرزین نے کیا سوچا ہے؟"

"فراز کسی کو موقع دیں تو کوئی سوچے بھی' وہ تو ہر نام کا مذاق اڑانے بیٹھ جاتے ہیں۔"

"اتنا بڑا ہو گیا..... لیکن ابھی تک اس کا بچپنا نہیں گیا' خدا سلامت رکھے اسے' اب تو اسی کے دم کی رونق باقی رہ گئی ہے۔"

"امی حضور!" ناہید نے ساس کو دوبارہ سنجیدہ ہوتے محسوس کیا تو جلدی سے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ اب سونے کی کوشش کریں' رات خاصی بیت چکی ہے اور یوں بھی آپ کا زیادہ باتیں کرنا تکان کا سبب بن جائے گا۔"

"خدا تمہیں سدا سکھی رکھے ناہید بیٹی! جتنی خدمت تم نے میری کی ہے اتنی تو شاید میری پیٹ کی اولاد بھی نہ کرتی۔"

"میں بھی آپ کی بیٹی ہوں۔" ناہید نے کہا پھر ساس کے قریب لیٹ گئی۔

"کیوں نہیں..... میں نے تمہیں کبھی غیر تو نہیں سمجھا۔"

"ایک درخواست کروں امی حضور!" ناہید نے ساس کے سر کو سہلاتے ہوئے بڑی اپنائیت اور چاؤ سے پوچھا۔

"کہو۔"

"پہلے وعدہ کیجئے کہ آپ انکار نہیں کریں گی۔"

"تمہیں توقع ہے کہ میں تمہاری کسی بات کو رد کر سکتی ہوں۔"

"ایسے نہیں امی حضور! پہلے وعدہ کیجئے۔" ناہید نے بڑے معصوم انداز میں ضد کی۔

"اچھا..... چلو وعدہ کرتی ہوں' اب کہو کیا بات ہے۔"

ناہید آہستہ سے اٹھ کر بیٹھ گئی' ساس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑی محبت سے بولی۔

"اپنے سارے غم' تمام دکھ مجھے دے دیجئے اور خود خوش رہا کیجئے۔"

"ناہید!" بیگم سجاد کی آواز فرط جذبات سے گلوگیر ہو گئی۔

"آپ کو میری قسم ہے امی حضور! جو آپ دل پر ذرا بھی اثر لیں۔" ناہید تیزی سے بولی۔ "جو کچھ ہونا تھا ہو چکا' جو ہو گا اُسے ہم خدا کی مہربانی سمجھ کر صبر و شکر سے برداشت

کرلیں گے لیکن اگر خدا نخواستہ آپ کو کچھ ہو گیا تو....."

ناہید کی اپنی آنکھیں بھی نمناک ہونے لگیں تو اُس نے جلدی سے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔ جانے کیوں ساس کو بہلاتے بہلاتے وہ خود تڑپ اٹھی تھی۔ ان آنسوؤں پر قابو نہ پا سکی جو نہ جانے کب سے پلکوں کی اوٹ میں تھمے ہوئے تھے۔

"مجھے کچھ نہیں ہو گا بیٹی!" بیگم سجاد نے اپنے لاغر ہاتھ سے ناہید کے بازو کو تھامتے ہوئے کہا۔ "میں ..... میں تم لوگوں کی خاطر زندہ رہوں گی لیکن یہ کیا ناہید بیٹی! تم کیوں رونے لگیں۔"

"آپ جو جلدی سے صحت یاب نہیں ہو رہیں۔" ناہید بڑے بھولپن سے بولی پھر گلابی نظروں میں امڈتے آنسوؤں کو دوپٹے کے پلو میں جذب کرنے لگی۔

"اچھا..... تم کہتی ہو تو تمہاری خاطر میں بہت جلد صحت یاب ہو جاؤں گی۔"

"پکا وعدہ کیجئے امی حضور! نہیں تو میں پھر رو پڑوں گی۔"

بیگم سجاد نے جواب میں جن نظروں سے بہو کو دیکھا اُن میں ممتا بھری شفقتوں کے نہ جانے کتنے انمول خزانے بکھرے نظر آ رہے تھے۔ آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر انہوں نے ناہید کے سر کو اپنے سینے پر رکھ لیا اور ناتواں انگلیوں سے اُس کے الجھے بالوں کی لٹ سلجھانے لگی' ناہید کچھ دیر تک یونہی ساس کے سینے پر آہستہ سے سر رکھے بیٹھی رہی پھر سر اٹھا کر بولی۔

"اب آپ سو جائیں امی حضور! ڈاکٹر احتشام نے تاکید کی تھی کہ آپ کو زیادہ سے زیادہ آرام کی ضرورت ہے۔"

"کیا بجا ہو گا اس وقت؟" بیگم سجاد نے پوچھا۔

"بارہ بج رہے ہیں۔" ناہید نے آہستہ سے جواب دیا اور سرہانے کھسک کر ساس کا سر دبانے لگی۔

بیگم سجاد نے پلکیں اٹھا کر بہو کو محبت بھری نگاہوں سے دیکھا پھر آنکھیں موند لیں۔

☆======☆======☆

حسب معمول فراز دوسری صبح ماں کے پاس پہنچے تو اُن کی حالت میں نمایاں تبدیلی دیکھ کر کھل اٹھے۔

ناہید نے منہ اندھیرے ہی بیدار ہو کر ہسپتال کے کمرے کی صفائی کر دی تھی۔ نرس بیگم سجاد کو ناشتہ کرانے کے بعد ضروری ادویات دے کر دوسرے مریضوں کو دیکھنے چلی گئی

تو ناہید نے ڈاکٹر احتشام سے اجازت لے کر ساس کو تکیئے کے بل پلنگ کی پشت سے ٹیک لگا کر بٹھا دیا تھا اور پشت پر کھڑی کنگھے سے اُن کے الجھے بالوں کو سنوار رہی تھی۔

اس وقت بیگم سجاد پہلے کے مقابلے میں بدرجہا بہتر نظر آ رہی تھیں' چہرے پر کمزوری کے اثرات اب بھی موجود تھے لیکن وہ پہلی جیسی ویرانی اور زردی نہ تھی۔ فراز نے ماں کو صحت مند حالت میں دیکھا تو خوشی سے ان کی آنکھیں بھر آئیں' ایک نظر ناہید پر ڈالی جو مریم کے تقدس کی جیتی جاگتی تصویر بنی ماں کے سرہانے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ پھر قدم اٹھاتے ماں کے قریب پہنچ کر بڑے ادب سے سلام کیا اور اُن کے پاس بیٹھتے ہوئے بولے۔

"امی حضور! آپ کو اس حالت میں دیکھ کر مجھے جتنی مسرت ہوئی ہے اُس کو زبان سے ادا نہیں کیا جا سکتا۔"

"یہ سب ہماری بیٹی کی مسیحائی کا نتیجہ ہے فراز! تمہیں ناہید کا شکر گزار ہونا چاہئے۔"

"میں جانتا ہوں امی حضور!" فراز بڑی عقیدت سے ناہید کو دیکھتے ہوئے بولے۔ "بھابی جان نے جس طرح شب و روز آپ کی خدمت اور تیمارداری کی ہے اور آپ کی صحت کے لئے دعائیں مانگی ہیں یہ سب اُسی کا نتیجہ ہے۔"

"امی حضور نے آپ کو میرا شکریہ ادا کرنے کو کہا تھا۔" ناہید نے دبی زبان میں کہا۔

"کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا ہو۔" فراز بولے۔ "خدا کی قسم' آپ نے جو احسان ہم سب پر کیا ہے ہم اُسے کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔"

"سن رہی ہیں آپ امی حضور!" ناہید نے ساس سے شکایتی انداز میں کہا۔ "یہ فراز کتنی بھونڈی بات کہہ رہے ہیں' بھلا بیٹی اگر ماں کی خدمت کرے تو اس میں احسان کا کون سا پہلو نکلتا ہے' میں نے جو کچھ کیا ہے وہ میرا فرض تھا' میری عبادت تھی۔"

بیگم سجاد زیر لب مسکرانے لگیں' فراز نے ناہید کے ہونٹوں پر بھی تبسم مچلتے دیکھا تو خود بھی شوخ ہو گئے۔

"گویا یوں کہئے کہ آپ جنت میں اپنے لئے ایک شاندار کوٹھی کی تعمیر میں مصروف تھیں۔" وہ ناہید کو گھورتے ہوئے بولے۔

"جی ہاں ..... کوئی اعتراض ہے آپ کو۔" ناہید نے شوخی سے پوچھا۔

"اعتراض تو خیر نہیں ہے لیکن زمین کی ملکیت چونکہ میرے نام ہے اس لئے کوٹھی میں میرا بھی برابر کا حصہ ہو گا۔"

"یہ امی حضور کی مرضی پر منحصر ہے۔" ناہید بولی پھر فراز کی بات کا مفہوم سمجھ میں آیا تو تیزی سے کہا۔ "زمین کی ملکیت کے سلسلے میں آپ کو غلط فہمی ہے اُسے برائے مہربانی اسی وقت دور کر دیجئے۔ اس لئے کہ امی حضور پر اب صرف اور صرف میرا حق ہے اور وہ بھی بلا شرکت غیرے ..... کیوں امی حضور! ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟"

"ہاں بیٹی!" بیگم سجاد نے بہو کو خوش کرنے کے لئے کہا۔ "میں صرف تمہاری ہوں۔"

"اور میں کس کا ہوں؟" فراز نے بھی ماں سے سوال کیا۔

"تم بھی میرے ہو لیکن ناہید بیٹی کے بعد۔" بیگم سجاد نے بدستور مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ پھر فرزین کے بارے میں دریافت کیا۔

"وہ شام کو میرے ساتھ آئے گی۔" فراز بولے۔ "ویسے میرا خیال ہے کہ اگر ڈاکٹر اجازت دے دیں تو آپ گھر چلی چلئے' یہاں ہسپتال کا ماحول آپ کے لئے زیادہ مناسب نہیں ہو گا۔"

"تم ڈاکٹر احتشام سے معلوم کر لو ..... دیکھو وہ کیا کہتے ہیں۔"

اسی وقت ڈاکٹر احتشام بھی راؤنڈ پر آ گئے۔ بڑے ہی خوش اخلاق اور ہمدرد انسان تھے۔ مرحوم سجاد علی کے مخصوص مداحوں میں سے تھے اس لئے بیگم سجاد کو ہشاش بشاش دیکھ کر انہیں بھی بے حد مسرت ہوئی۔ سب سے پہلے انہوں نے الفاظ کے ذریعے اپنی خوشی کا اظہار کیا پھر مریضہ کی نبض دیکھنے کے بعد کچھ نئی دوائیں تجویز کرتے ہوئے فراز سے کہا۔

"فراز صاحب! میں آپ کو بیگم صاحبہ کی صحت مندی پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ خدا کے فضل و کرم سے اب اِن کی حالت بالکل نارمل ہے۔"

"شکریہ ڈاکٹر!" فراز مسرور انداز میں بولے۔ "یہ سب آپ کی توجہ کا نتیجہ ہے۔"

"جی نہیں۔" ڈاکٹر احتشام نے ناہید کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ سب ناہید صاحبہ کا کمال ہے ..... میں نے تو صرف دوائیں تجویز کی تھیں اصل مسیحائی اور دیکھ بھال کا فرض تو انہوں نے انجام دیا ہے۔"

"ڈاکٹر انکل!" ناہید نے جلدی سے پوچھ لیا۔ "اگر آپ کی اجازت ہو تو امی حضور کو گھر لے جائیں۔"

"بظاہر تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن میرا مشورہ ہے کہ اگر دو ایک روز کے

لئے بیگم صاحبہ یہیں رہیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔" ڈاکٹر نے کہا۔

"کیوں ..... کیا اس میں کوئی مصلحت ہے؟" فراز نے سوال کیا۔

"جی ہاں۔" ڈاکٹر احتشام مسکراتے ہوئے بولے۔ "آپ کے والد میرے دوستوں میں سے تھے۔ بیگم صاحبہ یہیں رہیں گی تو مجھے دو ایک روز مزید خدمت کا موقع بھی مل جائے گا اور اسی بہانے چیک اَپ بھی ہوتا رہے گا تاکہ کوئی امکانی خطرہ بھی باقی نہیں رہے۔"

"جیسی آپ کی مرضی ڈاکٹر۔" بیگم سجاد بولیں۔ "خدا گواہ ہے کہ مجھے آپ کی مہربانی سے ہسپتال میں بھی گھر جیسا آرام ملا ہے۔"

"میں نے صرف اپنا فرض نبھانے کی کوشش کی ہے' پھر بھی اگر کوئی کوتاہی نادانستگی میں سرزد ہو گئی ہو تو اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔" ڈاکٹر احتشام نے بڑے خلوص سے کہا۔

"آپ شرمندہ کر رہے ہیں ڈاکٹر!"

ڈاکٹر احتشام چلے گئے تو فراز ماں کے قریب بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ ناہید نے ساس کے بال سنوارنے کے بعد بستر کے قریب رکھی ہوئی آرام کرسی پر قبضہ جما لیا اور ماں بیٹے کی باتیں سننے لگی۔ فراز کے چہرے پر آج اسے کئی دن بعد وہی شوخی وہی رنگ نظر آ رہا تھا جو ان کا خاصا تھا۔ وہ بڑے معصوم اور بھولپن سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ناہید کو بیٹھے بیٹھے شرارت سوجھی تو ساس کو مخاطب کر کے بولی۔

"امی حضور! ذرا فراز سے بچے کے نام کے سلسلے میں بھی پوچھ لیجئے۔ میرے تجویز کردہ نام پر تو یہ ناک بھوں چڑھانے لگتے ہیں۔"

"کیوں فراز! یہ ناہید بیٹی کیا کہہ رہی ہے؟"

فراز نے پلٹ کر ناہید کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھا پھر اس کا اشارہ پا کر سمجھ گئے کہ اصل بات کیا ہے چنانچہ بڑی مسمسی صورت بنا کر بولے۔

"امی حضور! میں نے تو بھابی جان سے صرف اتنا کہا تھا کہ جو نام آپ تجویز کریں گی وہ سب کو منظور ہو گا۔ اب خدا جانے انہوں نے آپ سے کیا الٹی سیدھی لگا دی اور ایک ذرا سی بات کا بتنگڑ بنا دیا۔"

"پھر شروع کر دیں تم نے شرارت کی باتیں۔" بیگم سجاد نے فراز کو پیار بھرے انداز میں گھورتے ہوئے کہا۔ پھر ناہید کی دلجوئی کی خاطر بولیں۔ "مجھے تو اپنی بیٹی کے تجویز کردہ

نام بہت پسند آئے ہیں۔"

"ذرا میں بھی سنوں ..... کیا نام تجویز ہوئے ہیں۔"

"تجاہل عارفانہ ملاحظہ فرمایئے امی حضور!" ناہید تیزی سے بولی۔ "ابھی کل رات ہی تو میری ان کی بات ہوئی ہے اور اس وقت کتنی معصومیت سے دریافت کر رہے ہیں کہ کیا نام تجویز کئے گئے ہیں۔"

"تم فکر مت کرو ناہید! جو نام تمہارا تجویز کردہ ہو گا وہی رکھا جائے گا۔ یہی سزا ہے اس شریر کی۔"

"شکریہ امی حضور!" ناہید فراز کو چڑانے کی خاطر شوخی سے بولی۔ "مجھے آپ سے اسی فیصلے کی امید تھی۔"

"واہ' یہ کیسے ممکن ہے۔" فراز سمجھ رہے تھے کہ ناہید نے یہ مسئلہ کیوں اٹھایا ہے۔ پوتے کی باتوں کے تذکرہ نے بیگم سجاد کے چہرے پر زندگی کے نکھار کو کچھ اور اجاگر کر دیا تھا' لہٰذا انہوں نے بھی دلچسپی لیتے ہوئے احتجاج کیا۔ "اولاد میری ہو ..... اور نام دوسرے تجویز کریں' یہ تو وہی مثل ہوئی کہ کس کی بکری اور کون ڈالے گھاس۔"

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں فراز!" ناہید نے مسکراتے ہوئے دوسری چوٹ کی۔ "میں بکری کا نہیں' بکری کے بچے کا ذکر رہی تھی۔"

"سن رہی ہیں آپ؟" فراز نے ماں کی سمت احتجاجی نظروں سے دیکھتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "پہلے یہ میرے ہونے والے ہونہار اور لاڈلے بیٹے کے الٹے سیدھے نام تجویز کر رہی تھیں اور اب اس کی معصوم اور فرشتہ صفت ماں کو جانور کے نام سے یاد کر رہی ہیں۔"

"تم بھی تو اس غریب کو پریشان کرنے سے نہیں چوکتے۔" بیگم سجاد جو ناہید کے برجستہ جواب پر خاصی لطف اندوز ہو رہی تھیں' بیٹے کے احتجاج پر مسکراتے ہوئے بولیں۔ "اس نے اگر مذاق میں فرزین کو بکری کہہ دیا تو تمہیں کیوں بُرا لگ رہا ہے؟"

"آج بکری کہا ہے ..... کل کو کچھ اور بھی کہہ سکتی ہیں۔" فراز بولے۔ "آپ کی ان ہی طرفداریوں نے بھابی جان کی جسارتوں میں اضافہ کیا ہے۔"

"بُری بات ہے فراز!" بیگم سجاد نے فراز کو ٹوکتے ہوئے کہا۔ "تمہیں مذاق میں بھی ایسے کلمات زبان سے ادا نہیں کرنے چاہئے اس لئے کہ ناہید صرف ہماری عزت ہی نہیں بلکہ میری بیٹی بھی ہے۔"

"آئی ایم سوری امی حضور!" فراز نے جلدی سے ماں سے معذرت چاہ لی پھر ناہید کی سمت دیکھتے ہوئے بولے۔ "اگر آپ کو بھی میرے کلمات سے کوئی دکھ پہنچا ہے تو میں آپ سے بھی معافی کا خواستگار ہوں ..... بھابی آپا!"

"فراز! تم سیدھی طرح نہیں مانو گے۔" بیگم سجاد نے اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے کہا۔ "یہ بھابی آپا کہنے کی کیا تک تھی؟"

"اس میں گستاخی کا کون سا پہلو نکل آیا۔" فراز نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ "میں نے تو سابقہ اور موجودہ رشتے کی مناسبت سے یہ القاب وضع کیا تھا۔"

ناہید بھی "بھابی آپا" کی ترکیب پر مسکرا دی پھر وہ کوئی مناسب جواب دینے کے لئے پَر تول رہی تھی کہ محسن اور شازیہ آ گئے۔ ناہید نے اٹھ کر دونوں کا استقبال کیا۔ شازیہ' بیگم سجاد کے قریب ہی بیٹھ کر اُن سے باتیں کرنے لگی۔ محسن علی ناہید کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گئے' فراز بدستور اسی جگہ جمے رہے جہاں پہلے سے براجمان تھے۔

کل تک سپیشل وارڈ کے جس کمرے میں اداسی اور پریشانی کا راج تھا آج وہاں زندگی ہمکتی نظر آ رہی تھی' محسن اور شازیہ کو بھی بیگم سجاد کی صحت یابی پر بے حد مسرت ہوئی تھی۔

"خدا کا شکر ہے کہ آج آپ کی کیفیت کل کے مقابلے میں لاکھوں گنا بہتر ہے۔" محسن علی نے بیگم سجاد سے کہا۔

"تم لوگوں کی دعاؤں اور ناہید بیٹی کی مسیحائی کا کرشمہ ہے محسن میاں ورنہ سانس کا کیا بھروسہ۔" بیگم سجاد نے جواب دیا۔

"ڈاکٹر کا کیا کہنا ہے۔" محسن نے فراز سے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے کہ کیا امی حضور کو ابھی مزید یہاں رکھا جائے گا۔"

"امی حضور کی مکمل صحت یابی کی تصدیق خود ڈاکٹر احتشام نے بھی کر دی ہے لیکن ایک دو روز یہاں رکھنے کا مشورہ بھی دیا ہے۔" ناہید نے محسن کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ "اچھا ہے ..... اس دوران زیادہ بہتر دیکھ بھال بھی ہو جائے گی۔"

"گویا دو روز بعد امی حضور یہاں سے گھر منتقل ہو جائیں گی۔" محسن بولے۔

"جی ہاں۔" فراز نے کہا۔ "لیکن یہ آپ بار بار امی حضور کے گھر منتقل ہونے کے سلسلے میں کیوں تفتیش فرما رہے ہیں۔"

"اس لئے کہ ہسپتال میں خاطر و مدارات کا کوئی سلسلہ نہیں ہوتا۔" شازیہ نے

مسکراتے ہوئے کہا۔ "دوسرے یہ کہ ہسپتال دور ہونے کی وجہ سے پٹرول کا خرچ بھی بڑھ گیا ہے۔"

"کیوں محسن میاں! یہ شازیہ بٹی کیا کہہ رہی ہیں۔" بیگم سجاد نے دبی زبان میں پوچھا۔

"بھائی کی موجودگی میں چہک رہی ہیں۔" محسن بولے۔ "اس لئے میں بھلا کیا عرض کر سکتا ہوں البتہ بزرگوں کا یہ قول ضرور سنا ہے کہ خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔"

"ناہید بٹی!" بیگم سجاد نے مسکراتے ہوئے ناہید سے کہا۔ "اور کچھ نہیں تو محسن میاں کو سیب ہی کاٹ کر دو۔"

ناہید مسکراتی ہوئی کرسی سے اٹھی تو محسن علی نے منع کرتے ہوئے کہا۔

"رہنے دیجئے ناہید بہن! اس وقت کچھ کھانے کی خواہش نہیں ہو رہی ہے' اب تو جب امی حضور خدا کے فضل سے ہسپتال کو خیرباد کہہ کر گھر جائیں گی تب ہی سیر ہو کر اطمینان سے کھاؤں گا۔"

"سن رہے ہیں فراز بھائی!" شازیہ بولی۔ "یہ ابھی سے بات پکی کر رہے ہیں۔"

"دوسرے معاملات میں نہ سہی کھانے پینے کے معاملات میں شروع ہی سے میں اس کی دوراندیشی کا قائل ہوں۔" فراز بولے۔ "اور سونے پر سہاگہ یہ کہ اسے ملازمت بھی ملی تو پولیس کے محکمے میں چنانچہ وہی مثل صادق آتی ہے کہ ایک تو کریلا اور وہ بھی نیم چڑھا۔"

"بُری بات ہے فراز!" بیگم سجاد نے ٹوکا۔ "تمہیں کم از کم میری موجودگی میں محسن میاں کو ایسی بات نہیں کہنی چاہئے۔"

"اور شازیہ کو بھی تو ذرا ڈانٹیں امی حضور جو بی جمالو بنی بیٹھی فراز کو لقمہ دے رہی ہیں۔" ناہید نے محسن کی حمایت لیتے ہوئے کہا۔

"میں نے ایسی کوئی غلط بات تو کی نہیں جو خالہ جان بلاوجہ مجھے ڈانٹیں۔" شازیہ نے تیزی سے کہا۔ "رہا تمہارے بھائی صاحب کا مسئلہ تو یہ راستے بھر اسی قسم کی باتیں کرتے آئے ہیں' کہہ رہے تھے کہ خالہ جان کا جشن صحت بڑی دھوم دھام سے منانے کے لئے فراز بھائی کو ہموار کریں گے اور نہایت شاندار ٹی پارٹی لی جائے گی۔"

"خیر یہ تو آپ اپنی طرف سے کہہ رہی ہیں لیکن جہاں تک جشن صحت کا معاملہ ہے

وہ اگر میں نہ کہوں تب بھی فراز ضرور منائیں گے۔" محسن نے کہا۔

"آپ کا اندازہ بالکل درست ہے۔" فراز شوخی سے بولا۔ "امی حضور کے صحت یاب ہونے کی خوشی میں دیگیں ضرور چڑھیں گی اور غریبوں مسکینوں میں کھانا بھی تقسیم کیا جائے گا۔ آپ چاہیں تو بڑے شوق سے پھاٹک کے باہر قطار میں کھڑے ہو سکتے ہیں' مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔"

"خالہ جان! سن رہی ہیں آپ۔" محسن علی نے بیگم سجاد سے شکایتی انداز میں کہا۔ "یہ فراز مجھے آپ کی موجودگی میں کیا کہہ رہے ہیں۔"

"فراز! تم نے واقعی اس وقت محسن میاں کی دل شکنی کی ہے۔" بیگم سجاد نے فراز کو گھورتے ہوئے کہا۔ "چلو معذرت کرو۔"

"جو حکم امی حضور!" فراز بڑی سعادت مندی سے بولے پھر محسن کو کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "آئی ایم سوری انسپکٹر صاحب!"

"جاؤ معاف کیا..... تم بھی کیا یاد کرو گے کہ محسن علی سے پالا پڑا ہے۔"

"آپ نے اچھا کیا محسن بھائی جو فراز کی غلطی کو فراموش کر دیا۔" ناہید نے اپنے یاقوتی لبوں پر تبسم بکھیرتے ہوئے کہا۔ "حسنِ سلوک اور دریا دلی اسی کو کہتے ہیں۔"

"سوچ لو ناہید بی بی!" شازیہ نے ناہید کو گھورتے ہوئے کہا۔ "خالہ جان کا خیال ہے جو خاموش ہوں ورنہ سمجھ لیتی تم دونوں بھائی بہن کو۔"

"اور سناؤ محسن میاں! تمہارے والدین تو خیریت سے ہیں۔" بیگم سجاد نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی ہاں خالہ جان! خدا کے فضل و کرم سے دونوں ٹھیک ہیں۔"

"اللہ اُن کا سایہ تم لوگوں کے سروں پر تاقیامت رکھے۔"

"آمین!" ناہید نے کہا۔

"فراز بتا رہے تھے کہ تمہارا تبادلہ کہیں باہر ہونے والا ہے' کیا رہا؟"

"فی الحال تو روک دیا گیا ہے خالہ جان! آگے جو اللہ کی مرضی۔" محسن علی بڑے ادب سے بولے۔

"میری مانو محسن میاں تو تم بھی اپنا کوئی ذاتی کاروبار شروع کر لو۔ ملازمت میں بھلا کیا رکھا ہے۔" بیگم سجاد بولیں۔ "روز روز اسی بات کا دھڑکا لگا رہتا ہے کہ نہ جانے کب اوپر سے تبادلے کے احکام موصول ہو جائیں اور شہروں شہروں بھٹکنا پڑے۔"

"آپ کا خیال نہایت مناسب ہے خالہ جان!" شازیہ نے بھی سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "میں نے بھی انہیں یہی مشورہ دیا تھا۔"

"میں بھی امی حضور کے مشورے کی تائید کرتا ہوں اور محسن کی ہر امکانی مدد کے لئے تیار ہوں لیکن کاروباری معاملات میں اوّل تو انسان کا نہایت دوراندیش اور سوجھ بوجھ کا مالک ہونا ضروری ہے دوسرے یہ کہ پیٹ پر پتھر باندھ کر شب و روز محنت بھی کرنی پڑتی ہے۔" فراز نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "جہاں تک محسن کی دوراندیشی اور سوجھ بوجھ کا تعلق ہے تو اس میں کوئی کلام نہیں۔ رہا محنت کا سوال تو وہ یہ بھی کرلیں گے' البتہ پیٹ پر پتھر باندھنے والی بات ان کے لئے تو ممکن نظر نہیں آتی۔"

"یہ کوئی ایسی گتھی بھی نہیں ہے جسے سلجھایا نہ جاسکے۔" شازیہ نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "اس کا بھی کوئی نہ کوئی حل تلاش کیا جاسکتا ہے۔"

"مثلاً۔" محسن علی نے بڑی سنجیدگی سے متبسمی انداز میں بیوی سے سوال کیا۔

"مثلاً یہ کہ آپ پیٹ پر اگر پتھر کے بجائے ٹفن کیریئر باندھ لیں تو ساری دشواریاں ختم ہو سکتی ہیں۔" فراز نے برجستہ کہا تو ناہید اور شازیہ کے علاوہ خود بیگم سجاد بھی اپنی بے اختیار ہنسی پر قابو نہ پا سکیں۔

محسن علی بھی دوست کی بات پر زیر لب مسکرانے لگے' ناہید اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"یہ غلط ہے فراز! امی حضور نے اس وقت ایک سنجیدہ موضوع پر گفتگو شروع کی تھی اور تم نے اسے بھی مذاق کا رنگ دے دیا۔"

"لیکن فراز بھائی نے تو اس وقت ایک پیچیدہ مسئلے کا نہایت مناسب حل پیش کیا ہے۔" شازیہ نے ناہید سے کہا۔ "اگر تمہارے بھائی صاحب کو منظور نہیں تو نہ سہی' ہم کون سی زبردستی کر رہے ہیں۔"

"ایسے موقعوں کے لئے یہ مثل کہی گئی ہے کہ 'نیکی کر اور دریا میں ڈال۔" فراز بڑی معصومیت سے بولے۔

"اور نہیں تو کیا۔" شازیہ تیزی سے بولی۔ "ایک تو مشورہ دو اوپر سے جلی کٹی بھی سنو۔ اگر محسن کو فراز بھائی کی تجویز منظور نہیں تو ہمیں کیا پڑی ہے سچ بول کر بُرا بننے کی۔ یہ اگر چاہیں تو کوئی اور حل تلاش کرلیں' ہمیں بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"میرے پاس فراز کے مشورے سے زیادہ مؤثر اور مناسب حل موجود ہے۔" محسن

علی نے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"اگر کوئی حرج نہ ہو تو ذرا ہمیں بھی آگاہ کر دیجئے کہ آپ کے ذہن کی رسائی کہاں تک ہوئی ہے۔" شازیہ نے اس بار براہِ راست شوہر سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ اگر پیٹ پر ٹفن کیریئر باندھنے کے بجائے ایک درمیانہ درجہ کا ہوٹل کھول لیا جائے تو سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔"

"زندہ باد....." محسن کی بات پر فراز نے نعرہ بلند کیا اور اٹھ کر بے اختیار ان کی بلائیں لیتے ہوئے بولے۔ "خدا کی قسم نہایت مناسب خیال ہے' آج زندگی میں پہلی بار تم نے ایک عقلمندی کی بات کہی ہے۔"

"تسلیمات عرض کرتا ہوں۔" محسن علی نے بڑی انکساری سے سلام کرتے ہوئے جواب دیا تو ایک بار سب بے اختیار ہنس پڑے۔

☆------☆------☆

شہناز کی والدہ بیگم شہاب الدین ہر چند کہ بیٹی کے سسرال سے بہت قریب تھیں لیکن آج طویل عرصے کے بعد نجمہ بیگم کی عالیشان کوٹھی میں آئیں تو خود نجمہ بیگم کو بھی تعجب ہوا تھا۔ حالات اگر سازگار ہوتے تو شاید وہ سمدھن کو دیکھتے ہی تیوری پر بل ڈال لیتیں لیکن نرجس اور عقیل کی شادی کا معاملہ درپیش تھا اس لئے انہوں نے خلافِ توقع بیگم شہاب الدین کا استقبال بڑی گرمجوشی سے کیا۔

نرجس گھر پر نہیں تھی' شیخ حامد حسین اُسے دو روز قبل ہی طے شدہ پروگرام کے تحت اپنے بڑے بھائی کے گھر چھوڑ آئے تھے' صرف شہناز گھر پر موجود تھی چنانچہ ماں کی خاطر مدارات بھی اُسی کو کرنی پڑی۔ کچھ دیر سمدھنوں کے درمیان اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر بیگم شہاب الدین نے پوچھا۔

"نرجس بیٹی نظر نہیں آرہی' کیا گھر پر نہیں ہے؟"

"وہ اپنے تایا کے گھر گئی ہوئی ہے۔" نجمہ بیگم نے قدرے تاسف سے جواب دیا۔ "پرسوں الطاف بھائی آئے تھے۔ بہت اصرار کر کے لے گئے۔ میں نے سوچا کہ اسی بہانے اس کی طبیعت بھی بہل جائے گی اس لئے دو چار دنوں کے لئے بھیج دیا۔"

"نرجس کی شادی کا کیا بنا۔" بیگم شہاب الدین نے دبی زبان میں پوچھا۔ "میں نے سنا تھا کہ صرف شادی کی تاریخ طے ہونا باقی رہ گئی ہے۔"

"ہاں بہن!" نجمہ بیگم نے کنکھیوں سے بہو کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "رشتے ناتے تو اوپر

سے طے ہوتے ہیں' خدا کو منظور ہوا تو تاریخ بھی پکی ہو جائے گی۔"

"ایک بات پوچھوں بہن!"

"ضرور پوچھئے۔" نجمہ بیگم نے پہلو بدلتے ہوئے جواب دیا۔ "اپنوں سے تکلف کیسا؟"

"مجھے دراصل معتبر ذرائع سے معلوم ہوا تھا کہ بیگم کفیل الدین نازلی کے بیان کے بعد سے نرجس اور عقیل کی بات سے کچھ پہلوتہی اختیار کر رہی ہیں۔"

"کرتی ہیں تو بڑے شوق سے کریں۔" نجمہ بیگم اپنا اصلی رنگ اختیار کرتے ہوئے بولیں۔ "نرجس ہمارے اوپر بوجھ تو ہے نہیں کہ ہم اُن کے انکار سے بوکھلا جائیں گے۔ خدا سلامت رکھے اُسے' عقیل سے اچھے اور بھی سینکڑوں رشتے مل سکتے ہیں۔ پریشان تو وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی لڑکیوں میں خدانخواستہ کوئی عیب ہو یا جسمانی نقص کی وجہ سے رشتے نہ آتے ہوں۔ خدا رکھے' اپنی نرجس کے ساتھ کوئی ایسی بات بھی نہیں ہے۔ جسے ہزار مرتبہ غرض ہو گی خود ہی ہماری چوکھٹ پر آ کر ناک رگڑے گا اور جوتیاں گھسے گا' ہمیں پریشان ہونے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔"

"تم میرا مطلب غلط سمجھیں بہن!" بیگم شہاب الدین نے جلدی سے کہا۔ "میں اصل میں یہ کہنا چاہتی تھی کہ اگر عقیل اور نرجس کی بات طے ہو جائے تو زیادہ اچھا ہے۔ کفیل الدین صاحب کا گھرانہ ہمارا بھی دیکھا بھالا ہے۔ اچھے خاصے کھاتے پیتے اور بھلے لوگ ہیں اور پھر عقیل ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے نہایت شریف اور بھلا لڑکا ہے۔ ویسے یہ بات میں بھی مانتی ہوں کہ ہماری نرجس میں کوئی کمی' کوئی کھوٹ نہیں' خدا نے چاہا تو اُسے دوسرے رشتے بھی مل جائیں گے لیکن پرکھے ہوئے رشتے زیادہ مناسب ہوتے ہیں۔"

"وہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں لیکن ہم لڑکی والے ہیں اس لئے خود سے تو وہاں جا کر یہ درخواست کرنے سے رہے کہ بات پکی کر لی جائے۔" نجمہ بیگم نے بدستور تیکھے انداز میں جواب دیا۔ "بیگم کفیل الدین نے خود ہی بات چلائی تھی اور خود ہی کھنچ گئی ہیں۔ ہم نے نہ انہیں یہاں پہلے آنے سے منع کیا تھا نہ اب روکا ہے۔ وہ اگر خود سے آتی ہیں تو بڑے شوق سے آئیں' نہیں آتی ہیں تو نہ آئیں۔ رہا نازلی کا بیان تو اُس حرافہ نے تو الہ آباد کے سارے معزز خاندانوں پر کیچڑ اچھالی ہے' جو شریف لوگ مرکھپ گئے انہیں بھی نہیں چھوڑا تو بھلا ہم کس شمار میں ہیں۔ میں نے تو نرجس کے والد سے کہا بھی تھا کہ افتخار احمد پر ہتک عزت کا دعویٰ دائر کر دیں۔ ذرا افتخار احمد کو بھی تو پتہ چلے کہ کتنے بیسی کے

ساٹھ ہوتے ہیں لیکن نرجس کے والد یہ کہہ کر درگزر کر گئے کہ غلاظت میں اینٹ پھینکنے سے کچھ حاصل نہ ہو گا' چھینٹے اپنے ہی اوپر آئیں گے۔"

"حامد بھائی کا کہنا ٹھیک ہے بہن! بُرے کے ساتھ انسان کو بُرا نہیں بننا چاہئے' نقصان اپنا ہی ہوتا ہے۔"

"میں بھی اسی وجہ سے خاموش ہو گئی ورنہ افتخار احمد کی حیثیت کیا ہے۔" نجمہ بیگم بولیں۔ "کل تک جوتیاں چٹخاتے پھرتے تھے' کوئی کوڑی کے مول نہیں پوچھتا تھا۔ سجاد علی مرحوم کے مرنے سے دو چار مقدمے ملنے لگے تو اپنی اوقات ہی بھول گئے۔ ذرا عزت کیا ملی کہ زمین پر پاؤں ہی نہیں دھرتے تھے لیکن قدرت کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے۔ خود اپنی ہی بیٹی کے ہاتھوں پورے الہ آباد میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ بیٹی بھی گئی اور عزت بھی اور خدا نے چاہا تو ابھی اور رسوا ہوں گے۔"

"خیر..... ہمیں دوسروں سے کیا' جو جیسا کرے گا ویسا ہی بھرے گا۔ یہ تو ہونے سے رہا کہ انسان جَو بوئے اور گیہوں کاٹے۔" بیگم شہاب الدین نے بھی موقع کی نزاکت کے تحت نجمہ بیگم کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا پھر اصل بات کی طرف آتے ہوئے بولیں۔ "ہمیں تو اس وقت صرف اپنی بچی کی فکر ہونی چاہئے۔ ویسے میں تو یہی کہوں گی کہ عقیل نرجس کے لئے ہر اعتبار سے نہایت مناسب ہے' گھرانا بھی بہت اچھا ہے..... آگے جو آپ کی مرضی۔"

"مرضی کی بات نہیں ہے بہن!" نجمہ بیگم قدرے نرم پڑتے ہوئے بولیں۔ "بات صرف عزت کی ہے ورنہ جو سچ پوچھئے تو عقیل مجھے بھی بہت پسند ہے..... نرجس کے والد کو بھی یہ رشتہ ہر لحاظ سے پسند ہے لیکن ہم خود سے تو بات آگے بڑھانے سے رہے اس لئے کہ خاموش رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے..... جو خدا کو منظور ہو گا وہی ہو گا۔ انسان کے سوچنے نہ سوچنے سے کیا ہوتا ہے۔"

"پھر بھی..... یوں ہاتھ پر ہاتھ دھرے رہنے سے کیا نتیجہ نکلے گا۔"

"اور ہم کر بھی کیا سکتے ہیں؟"

"ملنے جلنے والے ایسے ہی موقعوں پر کام آتے ہیں بہن!" بیگم شہاب الدین نے سنجیدگی سے کہا۔ "دراصل شہناز کے ابو اور عقیل کے والد میں بڑی پرانی دوستی ہے' ہم نے شروع میں درمیان میں پڑنا اس لئے مناسب نہ سمجھا تھا کہ خدا جانے لوگ کیا سمجھیں۔ بُرا نہ ماننا بہن! مثل یہی مشہور ہے کہ اچھا کس نے کیا خدا نے اور بُرا بندے

نے' اسی وجہ سے ہم دور دور رہے تھے۔ مگر اب جو شہناز کی زبانی حالات کا علم ہوا تو مجھے مجبوراً درمیان میں آنا پڑا۔ یوں بھی خدا گواہ ہے کہ میں نرجس اور شہناز میں کوئی فرق نہیں سمجھتی اور پڑوسی ہونے کے اعتبار سے بھی مجھے نرجس پر پورا حق ہے چنانچہ میں شہناز کی ایماء پر کل بھی بیگم کفیل الدین سے ملی تھی اور نرجس اور عقیل کے رشتے کے سلسلے میں اُن کا عندیہ بھی لینے کی کوشش کی تھی۔"

"پھر....." نجمہ بیگم نے تیزی سے پوچھا۔ "کیا خیال ہے عقیل کی والدہ کا؟"

"آپ کو یہ سن کر یقیناً حیرت ہو گی کہ بیگم کفیل الدین کو نرجس اس قدر بھا گئی ہے کہ اُن کا بس چلے تو آج ہی اسے دلہن بنا کر اپنے ساتھ بیاہ لے جائیں۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر انہوں نے خاموشی کیوں اختیار کر رکھی ہے۔" نجمہ بیگم نے اپنی مسرتوں کو چھپاتے ہوئے کہا۔ "ہم تو ہر طرح سے تیار تھے۔"

"تیار تو وہ بھی ہیں البتہ نازلی کے واقعے نے ذرا مردوں کو محتاط کر دیا تھا لیکن اب یہ مسئلہ طے ہو گیا ہے۔" بیگم شہاب الدین نے خوشخبری سناتے ہوئے کہا۔ "شہناز کے ابو اور کفیل الدین صاحب کے درمیان بھی بات ہو چکی ہے اور آپ کو یہ سن کر خوشی ہو گی کہ عقیل کی والدہ کل شام آپ کے دولت خانے پر شادی کی تاریخ طے کرنے کی غرض سے تشریف لا رہی ہیں۔ اس وقت میں آپ کو یہی بتانے کے لئے حاضر ہوئی تھی۔ آپ مناسب سمجھیں تو نرجس بیٹی کو بھی اُس کے تایا کے ہاں سے بلوالیں۔"

نجمہ بیگم جو شروع شروع میں سمدھن کو دیکھ کر چیں بہ جبیں ہو رہی تھیں اور دل ہی دل میں یہ سمجھ رہی تھیں کہ شاید بہو کے ذریعے گھریلو حالات کی بھنک دوسروں کو بھی ہو گئی ہے اور بیگم شہاب الدین اسی سلسلے میں اُن کی سبکی کے ارادے سے آئی ہیں۔ اصل بات معلوم ہونے کے بعد خوشی سے کِھل اٹھیں۔ شہناز کو بڑی پیار بھری نظروں سے دیکھ کر بولیں۔

"بیٹی! تم اتنی بڑی خوشخبری سننے کے بعد بھی بیٹھی ہوئی ہو ..... جاؤ' جا کر مٹھائی لاؤ اور میری طرف سے اپنی ماں کا منہ میٹھا کراؤ۔"

شہناز ساس کی محبت محسوس کر کے مسکراتی ہوئی اٹھی اور اندر چلی گئی تو بیگم شہاب الدین نے انکساری سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"مٹھائی تو مجھے کھلانی چاہئے بہن جو قدرت نے میری لاج رکھ لی اور میری نرجس بیٹی کی بات بگڑنے نہیں پائی۔ میں تو مٹھائی اپنے ساتھ لانے کو سوچ رہی تھی لیکن یہ سوچ

کر ارادہ ملتوی کر دیا کہ نہ جانے آپ لوگوں کا کیا خیال ہو۔"

"اب یہ آپ مجھے شکایت کا موقع دے رہی ہیں۔" نجمہ بیگم نے بڑی اپنائیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ "نرجس جیسے میری بیٹی ویسے آپ کی۔ پھر آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ آپ اس کے بارے میں اگر کوئی فیصلہ کریں گی تو ہم اسے قبول نہیں کریں گے۔"

"یہ آپ لوگوں کی شرافت اور حُسن لیاقت کی دلیل ہے بہن! جو آپ مجھے اس قابل سمجھتی ہیں۔" بیگم شہاب الدین بولیں۔ "میں واقعی معذرت خواہ ہوں جو مٹھائی ہمراہ نہ لا سکی' آپ کی شکایت بے جا نہیں ہے۔"

"صرف معذرت سے کام نہیں چلے گا بہن!" نجمہ بیگم نے بڑے پُرخلوص انداز میں جواب دیا۔ "اگر آپ نرجس کو واقعی اپنا سمجھتی ہیں تو پھر اُس کی ساری ذمہ داری بھی قبول کرنی ہو گی۔"

"یہ میری خوش قسمتی ہو گی۔ میں پیچھے ہٹنے والیوں میں سے نہیں ہوں۔" بیگم شہاب الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پھر ٹھیک ہے۔" نجمہ بیگم بولیں۔ "اگر یہ بات ہے تو کل نرجس کی تاریخ بھی آپ ہی کو بیگم کفیل الدین کے ساتھ بیٹھ کر طے کرنی ہو گی۔ میں اپنی شہناز کی طرف سے گفتگو میں شریک ہو جاؤں گی' بشرطیکہ آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو۔"

"میں تیار ہوں ..... لیکن اس شرط پر کہ میری نرجس بیٹی کی تاریخ طے کرنے میں آپ کا مشورہ بھی شامل حال ہو گا۔"

"چلئے آپ اصرار کرتی ہیں تو میں آپ کی بچی کی خوشی میں مشورے کے ساتھ بھی شامل ہونے کی ہامی بھرے لیتی ہوں۔"

شہناز نے پہلے ہی ناشتے کا اہتمام کر لیا تھا' وہ ملازم کے ہمراہ چائے اور دیگر لوازمات کی ٹرالی لئے کمرے میں داخل ہوئی تو نجمہ بیگم نے اٹھ کر خود اپنے ہاتھوں سے سمدھن کا منہ میٹھا کرایا اور پھر جتنی دیر تک وہ بیٹھی رہیں اُن کے ساتھ بڑے چاؤ اور بڑے پیار سے بات کرتی رہیں اور بعد میں پھاٹک تک اُن کو رخصت کرنے بھی بنفس نفیس تشریف لے گئیں۔ غرضیکہ آج وہ ہر طرح سے مارے خوشی کے سمدھن کے آگے بچھی جا رہی تھیں۔ شہناز بھی بے حد مسرور تھی' صرف اس لئے نہیں کہ آج ساس کی نظریں اُس کے حق میں بدل گئی تھیں بلکہ اس لئے بھی کہ آج نرجس اور عقیل کی شادی کا مسئلہ پھر

تازہ ہو گیا تھا۔

نرجس .....

جو اُس کی بے حد عزیز سہیلی تھی۔

نرجس ..... جو رشتے کے اعتبار سے اُس کی نند تھی۔

نرجس ..... جو اُس کی منہ بولی بہن بھی تھی.....!!

شام کو شیخ حامد حسین گھر واپس آئے تو نجمہ بیگم نے پہلی فرصت میں انہیں سمدھن کی آمد اور باتوں کی پوری تفصیل خوش ہو کر سنا ڈالی۔ حامد حسین بھی بیٹی کا گھر بسنے کی خوشخبری سن کر بے حد مسرور ہوئے' اُن کے دل پر جو بوجھ طاری تھا وہ قدرت کی مہربانی سے چھٹ گیا۔ سب سے پہلے انہوں نے وضو کر کے دو رکعت نمازِ شکرانہ ادا کی پھر بیوی کے قریب بیٹھتے ہوئے بولے۔

"بیگم شہاب الدین نے ہمارے ساتھ جو سلوک کیا ہے وہ ایک طرح سے اُن کا فرض بھی تھا لیکن ہم شاید اُن کے اس احسان کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔"

"سب قدرت کے کرشمے ہیں۔" نجمہ بیگم بولیں۔ "میں تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ شہناز کی والدہ میرے ساتھ اتنی مہربانی کا برتاؤ کریں گی۔"

"خیر خدا جو کرتا ہے اُس میں اُس کی مصلحت بھی ہوتی ہے۔" حامد حسین دبی زبان میں بولے۔ "آپ نے اب تک شہناز کے ساتھ جو سلوک روا رکھا تھا اُس کے پیش نظر ظاہر ہے کہ آپ کو بیگم شہاب الدین سے کسی سلوک کی توقع نہیں ہونی چاہئے تھی لیکن بہرحال خدا نے آپ کی سن لی اور ہم جس معاملے کو ناقابلِ حل سمجھ رہے تھے وہ قدرت کے رحم و کرم سے طے ہو گیا۔ میری طرف سے بھی مبارکباد قبول کیجئے۔"

"میں نے کل بطور خاص شہناز کی والدہ کو بھی دعوت دے دی ہے' آپ الطاف بھائی اور بھابی صاحبہ کو بھی جا کر مطلع کر دیجئے اور نرجس کو ساتھ لیتے آیئے۔" نجمہ بیگم نے کہا۔ "اس موقع پر نرجس کا گھر پر ہونا ضروری ہے' ممکن ہے تاریخ طے ہونے کی خوشی میں عقیل کی والدہ کوئی رسم ادا کریں۔"

"بہتر ہے ..... میں عشاء کی نماز کے بعد بھائی صاحب کی طرف چلا جاؤں گا۔ ویسے آپ بھی ہمراہ چلیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔"

"ٹھیک ہے' میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی۔"

"کل کے انتظامات کے سلسلے میں آپ نے کیا سوچا ہے۔"

"آپ اس کی فکر نہ کریں۔" نجمہ بیگم بولیں۔ "میں نے شہناز کو کل کے انتظامات کے سلسلے میں تمام باتیں سمجھا دی ہیں' وہ سب کر لے گی۔ رہا بازار سے چیزیں لانے کا مسئلہ اور دوسرے قریبی عزیزداروں اور مہمانوں کا معاملہ تو اُس کے لئے نوکر چاکر موجود ہیں البتہ آپ کل ذرا دفتر سے جلدی واپس آ جائیں تو مناسب ہو گا۔ ہو سکتا ہے کوئی کام عین وقت پر یاد آ جائے۔"

"جو حکم آپ کا۔" حامد حسین نے کہا پھر زیر لب مسکراتے ہوئے بولے۔ "مجھے تو نرجس بیٹی کی خوشی کے علاوہ اس بات کی بھی بے حد مسرت ہے کہ خداوند کریم نے اسی بہانے شہناز کی مشکل بھی آسان کر دی۔"

"کیوں شرمندہ کر رہے ہیں آپ۔" نجمہ بیگم نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا۔ "جو ہونا تھا وہ ہو چکا لیکن اتنا ضرور ہے کہ میں شہناز اور اُس کے گھر والوں کو ٹھیک طور پر سمجھ نہیں سکی تھی۔"

"کوئی مضائقہ نہیں ..... صبح کا بھولا اگر شام کو گھر پلٹ آئے تو اُسے بھولا نہیں کہتے۔"

"اچھا بس رہنے بھی دیجئے ..... آپ کو تو کوئی بات ملنی چاہئے بتنگڑ بنانے کے لئے۔" نجمہ بیگم غرارہ سنبھالتی ہوئی اٹھیں۔ "مجھے ابھی اور بھی بہت سے کام کرنے ہیں' آپ کی طرح فالتو تو ہوں نہیں کہ بیٹھی باتیں کرتی رہوں۔"

"بہت خوب۔" حامد حسین نے معنی خیز انداز میں کہا۔ "گویا اس گھر میں ایک میں ہی فالتو نظر آ رہا ہوں آپ کو۔"

"اور نہیں تو کیا۔" نجمہ بیگم نے شوہر کی طرف دیکھ کر بڑے قاتلانہ انداز میں مسکراتے ہوئے جواب دیا پھر قدم اٹھاتی کمرے سے باہر چلی گئی تو کچھ دیر تک اس "کایا پلٹ" پر بیٹھے مسکراتے رہے پھر آنکھیں بند کر کے کمر سیدھی کرنے کے لئے لیٹ گئے۔

☆======☆======☆

وقت کے بے رحم ہاتھوں نے بیگم سجاد کے دل پر جو چرکہ لگایا تھا اُس کی ٹیس کم ہوئی تو وہ ہسپتال سے گھر واپس آ گئیں لیکن فرزین کے ذہن میں جو آندھیاں اور جھکڑ چل رہے تھے وہ روز بروز شدت اختیار کرتے جا رہے تھے۔ شہلا کی باتوں نے اُس کے سینے میں جو آگ بھڑکائی تھی وہ شعلوں کا انداز اختیار کرتی جا رہی تھی لیکن اُسے بھی وقت کا انتظار تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے فوری طور پر حالات کے دھاروں کا رخ موڑنے کی

کوشش کی تو بات بگڑ جائے گی اس لئے وہ اپنے وجود کے اندر ہی اندر کسی آتش فشاں کی مانند آہستہ آہستہ سلگ رہی تھی۔

فرزین کی پرورش جس ماحول اور جس انداز میں ہوئی تھی اُس نے ابھی تک اس کو زمانے کے گرم و سرد سے لاتعلق رکھا تھا۔ ماں کے انتقال کے بعد اُس کی تربیت بھی باپ کے ذمہ آن پڑی تھی' حالات کی اونچ نیچ کا اندازہ اور زندگی کے نشیب و فراز کے بارے میں بھی ابھی تک اُسے کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اس نے جب سے آنکھ کھولی تھی خود کو آزاد ماحول اور خودمختار حالات سے دوچار دیکھا تھا لیکن بہرحال وہ عورت تھی۔ اکثر وہ بھی کسی تصوراتی محبوب کے خیالوں میں گم ہو کر گھنٹوں سہانے سہانے خواب دیکھا کرتی تھی اور پھر خود ہی اپنے خیالات سے شرما کر پھولوں سے لدی شاخ کی مانند دوہری ہو جاتی۔ کبھی وہ سوچتی ـــــ شادی کے بعد وہ اپنی نئی اور الگ تھلگ دنیا کو بڑے حسین خوابوں سے سجائے گی۔ گھر کی آرائش نئے انداز سے کرے گی ..... گھر جو صرف اُس کا اپنا ہو گا۔ جہاں وہ ہو گی' اُس کا محبوب ہو گا ..... محبوب' جس کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے کبھی ہرے بھرے کھیتوں اور لہلہاتے سبزہ زاروں میں محبت کے نغمے الاپا کرے گی اور کبھی وہ برف پوش پہاڑیوں پر جا کر فلک بوس چوٹیوں سے دنیا کے حسین نظاروں کا لطف اٹھائے گی اور شریک زندگی کے ساتھ اونچی اونچی پگڈنڈیوں اور سنگلاخ پہاڑی راستوں کے نشیب و فراز پر کسی ہرنی کی طرح اچھلتی پھرے گی اور پھر ـــــ جب خوابوں کی وسعتیں اپنا دامن کشادہ کرتیں اور معصوم خیالات کی روش پر ایک ننھا سا وجود فرشتوں کی پاکیزگی لئے اُس کی نگاہوں کے سامنے ہمکتا ہوا ابھرتا تو وہ چھوئی موئی کے پودے کی طرح شرما کر' لجا کر خود اپنے ہی وجود میں سمٹ جانے کے لئے بے چین ہو جاتی۔

فراز کو جب اُس نے پہلی بار دیکھا تو اُسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ ایک طویل عرصے سے اسی محبوب کے خواب دیکھا کرتی تھی۔ پھر جب فراز سے اُس کی شادی کی بات چلی تو اُس کی روح کسی ساز کے تاروں کی مانند گنگنا اٹھی تھی۔ پہروں وہ فراز کے بارے میں سوچتی رہتی پھر شرما کر اپنے ہی خیالوں سے بچنے کے لئے دونوں ہاتھوں سے چہرہ ڈھانپ لیا کرتی تھی۔

اور جب وہ عروسی جوڑے کی مہکاروں میں بسی رخصت ہو کر اپنی نئی دنیا میں آئی تو اُس نے سوچا تھا کہ اُس کے خوابوں کی تکمیل کا وقت آ گیا ہے' وہ بہت جلد فراز سے گھل مل گئی' سسرال والوں کی ایک ایک شے سے مانوس ہونے لگی۔ فراز اُس کا خیالی محبوب

تھا اور جب اُس نے خیالی محبوب کو حقیقت کے روپ میں پا لیا تو اُس کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ وہ بے حد مسرور تھی لیکن شہلا کی باتوں نے اُسے زندگی کی تلخیوں کا بھیانک روپ دکھایا تو وہ سنبھل کر محتاط ہو گئی۔ وہ بھلا کیسے برداشت کر سکتی تھی کہ اُس کی خوشیوں میں کوئی اور بھی حصہ دار بنے۔ اُس نے شہلا کی باتوں میں آ کر محتاط ہونے کی کوشش کی' اس لئے کہ وہ فراز پر صرف اپنا تسلط جمانا چاہتی تھی۔ اپنی دنیا اور اپنی محبت میں کسی اور کی شرکت اُسے منظور نہیں تھی۔ اُس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی گئی تھی کہ اگر اُس نے شوہر کو لے کر علیحدہ ہونے کی کوشش نہ کی تو پھر اُس کی اپنی کوئی اہمیت نہیں رہے گی۔ دوسرے اُس کی مسرتوں میں داخل ہونے کی سعی کرتے رہیں گے اور ابھی فرزین صرف ایک ہی مسئلے پر غور کر رہی تھی کہ شہلا نے اسے اولاد جیسی نعمت سے منہ پھیر لینے کی تلقین شروع کر دی اور یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ بچے کی پیدائش سے عورت کی صحت اور اُس کا حسن متاثر ہوتا ہے اور شوہر کی محبت میں بھی کمی آ جاتی ہے۔

فرزین نے شہلا کے مشورے کے عین مطابق اس نعمت سے جو فراز کی محبت کی شکل میں اُس کی کوکھ میں جنم لے رہی تھی چھٹکارا پانے کی کوشش کی مگر جب فراز اور ناہید نے اسے روکا تو وہ مان گئی۔ اولاد کی محبت اور اُس کے معصوم تصور نے فرزین کی ممتا کو بیدار کیا تو حمل ساقط کرانے سے باز آ گئی لیکن شہلا کی زہریلی باتوں نے اُس کے ذہن کو پھر پراگندہ کر دیا' اُس نے فراز اور ناہید کے ہم جماعت ہونے کی خبر دے کر فرزین کے سکون کو پھر منتشر کر دیا۔ یہ حربہ نہایت کارآمد ثابت ہوا۔ فرزین اس تصور ہی سے سہم اٹھی کہ اُس کا شوہر کسی اور کی محبت کا دم بھی بھرتا رہے۔ آنکھوں پر شک و شبہے کا اثر گہرا ہوا تو وہ فراز اور ناہید کی ایک ایک نقل و حرکت کو مشکوک سمجھنے لگی۔ اُس کے اندر کی عورت بھڑک کر بیدار ہو گئی' اُس نے طے کر لیا تھا کہ یا تو وہ فراز کو لے کر علیحدہ ہو جائے گی یا پھر اس گھر کو جہنم بنا دے گی جہاں کوئی دوسری عورت اُس کے شوہر کو اُس سے چھیننا چاہتی تھی اور فرزین کے اس فیصلے میں ایک عورت کی فطرت کو بڑا دخل تھا۔

عورت ..... جو صرف عورت ہی نہیں بلکہ بیوی بھی تھی۔

بیوی ..... جس نے اپنے شوہر کو ٹوٹ کر چاہنے کی آرزو کی تھی۔

جس نے اپنی گھریلو زندگی کو جنت نگاہ بنانے کے خواب دیکھے تھے۔

اپنی ازدواجی زندگی کو بے مثال بنانے کی آرزو کی تھی۔

ان خاکوں میں دھنک رنگ شامل کرنے کی تمنا کی تھی جو اُس کے خوابوں میں

جانے کب سے محفوظ تھے۔

وہ ان خوابوں کو حقیقت کے سانچوں میں ڈھالنا چاہتی تھی۔

پھر.....

وہ اپنی ہار کیسے تسلیم کر سکتی تھی؟

دوسروں کے مقابلے میں اپنی شکست کا اعتراف کیوں کر لیتی؟

ان خوابوں کو خود اپنے ہاتھوں سے کیوں چکنا چُور کر ڈالتی جو اُس کے اپنے ذہن' اپنی سوچ کے پیداوار تھے۔

وہ ان خوابوں کو دوسروں کے حوالے کیسے کر دیتی؟

کیوں کر دیتی؟

یہ اور بات تھی کہ اُس نے حالات کو سمجھنے میں جلد بازی سے کام لیا تھا۔

ایک بے بنیاد شبہے پر اپنی خوشیوں کو قربان کر دینے کا فیصلہ کر بیٹھی۔

لیکن اُس نے جو فیصلہ بھی کیا تھا وہ اپنی جگہ اٹل تھا..... آہنی تھا۔

اور اس وقت بھی وہ اپنی خواب گاہ میں بیٹھی شہلا کے پیدا کردہ پریشان کُن وسوسوں سے الجھ رہی تھی' جب فراز کسی خیال میں کھوئے ہوئے کمرے میں داخل ہوئے۔ فرزین نے شوہر کو غور سے دیکھا' ان کے چہرے پر سنجیدگی دیکھ کر اُس کی الجھنوں میں اور اضافہ ہو گیا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر فراز کو تکتی رہی' بالوں کی ایک پریشان لٹ اُن کے ماتھے پر بکھری بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔ خود فرزین نے اس آوارہ لٹ کو متعدد بار فراز کے مردانہ حُسن اور وجاہت میں ایک حسین اضافے کے نام سے تعبیر کیا تھا لیکن اس وقت نہ جانے کیوں وہ چاہنے کے باوجود اس کی تعریف نہ کر سکی۔

فراز تھکے تھکے نظر آ رہے تھے' ہلکے گرے کُلر سوٹ میں بڑے جامہ زیب دکھائی دے رہے تھے۔ الماری کے قریب رک کر انہوں نے کوٹ اتار کر ایک طرف ڈالا پھر ٹائی کھول کر پھینکی اور غسل خانے میں چلے گئے۔ فرزین کو شوہر کی یہ خود فراموشی بھی کچھ عجیب سی محسوس ہوئی تھی۔ عام حالات میں فراز جب بھی گھر واپس لوٹتے اُن کے چہرے پر مسکراہٹ کھیلتی ہوتی تھی' خوابگاہ میں داخل ہو کر وہ ہمیشہ فرزین کو بڑی اپنائیت سے دیکھ کر کہتے۔

"سنائیے' کیا حال ہے..... کیسا دن گزرا؟"

"آپ کی آمد کے انتظار میں وقت گزرنے کا احساس کسے رہتا ہے۔" وہ بڑے پیار

سے جواب دیتی پھر خود اٹھ کر بڑے چاؤ سے فراز کو کپڑے تبدیل کرنے میں مدد دیتی۔

"غسل خانے میں آپ کی ضرورت کا تمام اہتمام موجود ہے' جلدی سے نہا دھو کر لباس تبدیل کر لیجئے' اتنی دیر میں خادمہ آپ کے لئے چائے تیار کراتی ہے۔" وہ ہونٹوں پر ایک دل آویز مسکراہٹ بکھیر کر جواب دیتی۔

"خادمہ نہیں..... میرے خوابوں کی ملکہ۔"

فراز شرارت کے ارادے سے اپنا چہرہ اُس کے قریب لاتے تو وہ شرما کر جلدی سے ایک طرف ہو جاتی پھر فراز غسل خانے میں چلے جاتے وہ جلدی جلدی اُن کے کپڑے بڑے سلیقے سے ہینگر میں لٹکا کر الماری میں رکھتی پھر چائے کا اہتمام کر کے بڑی بے چینی سے فراز کے غسل خانے سے باہر آنے کا انتظار کرنے لگتی۔

لیکن آج فراز نے اپنے روزمرہ کے معمول کو بھی فراموش کر دیا تھا۔ نہ اس کی جانب پیار بھری نظروں سے دیکھا نہ اُس کی پیشانی کو چوما' یوں نظرانداز کر گئے تھے جیسے خوابگاہ میں انہیں اس کی موجودگی کا ذرا بھی احساس نہ ہو' خلاف معمول آج انہوں نے غسل خانے میں جانے سے پیشتر جوتے بھی نہیں اتارے تھے۔

فرزین اپنی جگہ خاموش بیٹھی غسل خانے کے کھلے دروازے کو گھورتی رہی۔ اندر سے پانی گرنے کی آواز آ رہی تھی شاید فراز منہ دھو رہے تھے۔ آج غالباً انہوں نے نہانے کا ارادہ بھی ملتوی کر دیا تھا— کوئی بات ہے ضرور— فرزین نے سوچا' فراز کا بدلا بدلا چہرہ اور معمولات کی تبدیلیوں کو محسوس کر کے فرزین کے احساسات کو دھچکہ سا لگا تھا۔ ماں کی بیماری کے دوران بھی فراز نے اسے کبھی اس طرح تو نظرانداز نہیں کیا تھا' پھر— آج کیا بات تھی' وہ کون سا ایسا اہم مسئلہ تھا جس نے انہیں فرزین سے بھی بے نیاز بنا دیا تھا' وہ کیا راز تھا جس نے آج اُن کے ہونٹوں کی شریر مسکراہٹ کی جگہ سنجیدگی کی دبیز تہیں جما دیں' اُن کے معمول میں وہ نمایاں فرق کیوں آ گیا تھا' کیا وجہ تھی؟— فرزین کا ذہن الجھتا رہا' اُس کے خیالات کا ہر موڑ ہر زاویہ اُس کے دل میں پرورش پانے والے شبہات اور شکوک کو تقویت پہنچا رہا تھا۔ گھٹن کا احساس شدید ہوا تو وہ تیزی سے اٹھ کر باغ کی سمت کھلنے والی کھڑکی کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی' خنک ہوا کا ایک معطر جھونکا اُس کے وجود سے ٹکرایا لیکن اس میں سلگنے والی چنگاریوں کو اور ہوا دے گیا۔

ناہید.....!

ناہید.....!!

ناہید .....!!!

اُس کے ذہن میں بار بار صرف یہی نام ابھر رہا تھا۔ اُس نے اپنے ہونٹ سختی سے دانتوں تلے بھینچ لئے' شبہات اُس کے وجود کو جھلسا رہے تھے' شکوک کی دھند میں اُسے دو انسانی ہیولے آپس میں گڈمڈ ہوتے نظر آ رہے تھے' ان ہیولوں کے نقوش مدھم مدھم تھے لیکن اُس کے دل کی دھڑکنیں اس کا پتہ دے رہی تھیں کہ وہ کون تھے۔ وہ خوابوں میں ڈوبی ان تصوراتی ہیولوں کو گھورتی رہی' دھند کے اندھیروں وہ ایک تناور درخت کے سائے تلے ایک دوسرے میں مدغم ہو رہے تھے' انہیں اس بات کا احساس بھی نہیں تھا کہ دو روشن آنکھیں ان دھندلکوں کی کثافتوں کو چیر کر انہیں گھور رہی تھیں' اُن کی ایک ایک نقل و حرکت کا جائزہ لے رہی تھیں' اُن کی سرگوشیوں کا مفہوم بھانپ رہی تھیں۔

پشت پر قدموں کی آہٹ سنائی دی تو فرزین کے خوابوں کا شیرازہ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا اور وہ ریزے ایک ایک کر کے اُس کے وجود میں چبھنے لگے' اُسے زخمی کرنے لگے' آہستہ سے پلٹ کر اُس نے دیکھا۔ فراز آئینے کے سامنے کھڑے آوازہ لٹ کو سنوار رہے تھے۔ اُس نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی' ساکت و جامد کھڑی فراز کی بے رخی کا اندازہ لگاتی رہی۔

بالوں کو سنوار کر انہوں نے برش میز پر ڈالا پھر معاً یوں چونک کر مسہری کی جانب دیکھا جیسے کوئی بھولی بسری یاد تازہ ہو گئی ہو' جیسے کسی گم شدہ چیز کا نشان ڈھونڈ رہے ہوں۔ مسہری خالی دیکھ کر وہ تیزی سے پلٹے تو فرزین سے اُن کی نگاہیں چار ہو گئیں' مسکرا کر بولے۔

"کہاں تھیں آپ؟" اُن کے لہجے میں روزمرہ کا پیار موجود تھا۔

"آپ کب واپس آئے؟" وہ تلخی سے بولی' انداز میں تلوار کی سی کاٹ شامل تھی۔

"زیادہ دیر نہیں ہوئی۔" وہ مسکراتے ہوئے اُس کے قریب آ گئے' آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے پیار سے بولے۔ "کہاں کھوئی کھوئی سی نظر آ رہی ہیں۔"

"کچھ پانے کی کوشش کر رہی ہوں۔" اُس نے زہر خند سے جواب دیا۔

"کسی معصوم وجود کا سراغ ..... کیوں؟" فراز نے شرارت سے سرگوشی کی۔ "یہی بات ہے نا؟"

"آپ نے ابھی تک لباس تبدیل نہیں کیا۔" وہ فراز کے ہاتھوں کو شانے سے ہٹاتے ہوئے بولی۔ "لباس تبدیل کر کے چائے پی لیجئے' میرے علاوہ کسی اور کو بھی آپ کا

انتظار ہو گا۔"

"اور کون؟" فراز نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"امی حضور کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔" اُس نے اپنی دانست میں بھرپور طنز کیا۔

"امی حضور کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" فراز نے سنجیدگی سے پوچھا۔ ماں کے حوالے پر وہ یکلخت پریشان سے ہو گئے تھے۔

"فکر مت کیجئے ..... سب بخیر و عافیت ہیں۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا پھر سنگھار میز کے سامنے آ گئی۔ بڑی بے نیازی سے کنگھا اٹھایا اور سلیقے سے بنے بالوں کو زبردستی الجھا کر ازسرنو سنوارنے لگی۔ فراز کو جلانے کی خاطر اُس نے آہستہ آہستہ گنگنانا بھی شروع کر دیا تھا لیکن اندر ہی اندر سلگ بھی رہی تھی۔

"خیریت تو ہے۔" فراز نے اُس کے قریب جا کر بڑے رومانی انداز میں پوچھا۔ "یہ کس کے قتل کا سامان کیا جا رہا ہے؟"

"کیوں؟" وہ بالوں کو سنوارتے رک گئی' فراز کو تیکھی نظروں سے گھورتے ہوئے بولی۔ "کیا آپ کو میرا گنگنانا پسند نہیں آیا؟"

"میرے دل پر ہاتھ رکھ کر محسوس کیجئے۔" فراز نے پیار سے کہا۔ "آپ کو خود ہی اس کی دھڑکنوں سے اندازہ ہو جائے گا۔"

"دل کا بھلا کیا اعتبار۔" وہ تلخی سے مسکرائی پھر دوبارہ بالوں کو سنوارنے لگی۔

"آج ہواؤں کا رخ کچھ بدلا بدلا نظر آ رہا ہے۔" فراز نے کہا۔

"بدلتے موسم کے ساتھ ساتھ ہر شے کی اصلیت اور رنگ بھی بدل جاتے ہیں۔" وہ روکھے لہجے میں بولی۔

"کیا شہلا کا فون آیا تھا؟" فراز نے دبی زبان میں سوال کیا۔

"یہ آپ کو اس وقت میری سہیلی کا خیال کیسے آ گیا؟" وہ جل ہی تو گئی۔

"اس قسم کے گھسے پٹے مکالمے اسی کو زیادہ یاد ہیں۔" فراز نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ضروری تو نہیں کہ ہر شخص آپ کے معیار کے عین مطابق ہو۔" وہ تنک کر بولی۔ "شہلا جیسی بھی ہے میری عزیز سہیلی ہے۔"

"بات کیا ہے فرزین!" فراز نے اُس کے لہجے کی تلخی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ "آج تم کچھ اکھڑی اکھڑی باتیں کر رہی ہو۔"

"خیال ہے آپ کا ورنہ میں تو بے حد مسرور ہوں۔" وہ بے نیازی سے بولی۔

"مسرتوں کا یہ انداز تو نہیں ہوتا جو تم نے آج اختیار کر رکھا ہے۔" فراز بدستور سنجیدہ تھے۔

"ہو سکتا ہے کسی معصوم وجود کا چڑچڑاپن میرے مزاج میں شامل ہو گیا ہو۔" اُس نے بے رخی سے طنز کیا۔ "بڑی بوڑھیوں کا بھی یہی قول ہے کہ لڑکی ماں بننے والی ہو تو اکثر تلون مزاج ہو جاتی ہے۔"

فراز محسوس کر رہے تھے کہ آج فرزین کا رنگ بدلا بدلا سا ہے۔ وہ اُن کی ہر بات کا الٹا جواب دے رہی تھی' کڑوی کسیلی اور تلخ باتیں کئے جا رہی تھی۔ اُن کے جی میں تو آئی تھی کہ وہ بھی پلٹ کر کوئی سخت بات کہہ دیں لیکن ماں اور بھاوج کے خیال سے چپ ہو گئے' چند لمحے اپنی جگہ کھڑے فرزین کو گھورتے رہے پھر قدم بڑھاتے ہوئے آرام کرسی پر جا کر نیم دراز ہو گئے۔

فرزین نے آئینے میں فراز کو دیکھا' اُن کے چہرے پر الجھن دیکھ کر نہ جانے کیوں اُسے ایک انجانی خوشی کا احساس ہوا تھا شاید اس لئے کہ اُس کی باتوں کے تیر و نشتر نے انہیں زخمی کر دیا تھا' جبھی تو اپنا سا منہ لے کر خاموش ہو گئے تھے۔ اُس نے جلدی جلدی بال سنوارے پھر مسکراتے ہوئی فراز کے سامنے آ گئی۔

"کیا ہوا۔" اُس نے فراز کو مزید زخمی کرنے کے ارادے سے پوچھا۔ "یہ آپ ہنستے ہنستے اچانک سنجیدہ کیوں ہو گئے۔"

"آج محسن میرے دفتر آئے تھے۔" فراز نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "ایک ہفتے بعد نازلی کو موت کی سزا دے دی جائے گی۔"

"پھر..... آپ کو کیا پریشانی لاحق ہے۔" وہ لاپرواہی سے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"محسن نازلی کے مرنے سے پہلے اُس سے ایک اہم بیان حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"آئی سی....." فرزین کے گلابی ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ ابھر آئی۔ تیکھے انداز میں بولی۔ "کیا نازلی کا کوئی دوسرا وضاحتی بیان آپ کے خاندان کی بکھری ہوئی ساکھ کو بحال کر دے گا۔"

"تم غلط سمجھ رہی ہو۔" فراز نے تیزی سے کہا۔ "محسن نازلی سے جو بیان لینا چاہتے ہیں اس کا تعلق مراد خاں نامی ایک شخص سے ہے' ہمارے خاندان کا اُس سے کوئی تعلق

نہیں۔"

"پھر..... آپ کو کیا تشویش ہے؟" فرزین نے سوال کیا۔

"مراد خاں سے براہ راست میرا کوئی واسطہ نہیں لیکن اگر اُس کی سرکوبی نہ کی گئی تو الہ آباد کے کچھ اور معزز خاندان بلاوجہ رسوا ہوں گے۔"

"کوئی ایسا خاندان تو نہیں جو آپ کو بھی عزیز ہے۔" فرزین نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔

"فرزین!" فراز تڑپ کر بولے۔ "جو کچھ کہنا ہے کھل کر کہہ ڈالو۔ کچھ پتہ تو چلے کہ تمہارے دل میں کیا ہے؟"

"ڈونٹ بی سو سینٹی مینٹل فراز! (Dont be so Sentimental)" اُس نے فراز کی تلملاہٹ کو محسوس کرتے ہوئے بڑی معصومیت سے کہا۔ "میں نے کوئی ایسی بات تو نہیں کہی کہ آپ بُرا مان گئے۔"

"میں اتنا بچہ بھی نہیں ہوں فرزین کہ تمہاری باتوں کا مقصد بھی نہ سمجھ سکوں۔" فراز اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے بولے۔ "فی الحال میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ وہم کا علاج لقمان کے پاس بھی نہیں تھا۔"

"میں تسلیم کرتی ہوں لیکن تالی بہرحال ایک ہاتھ سے نہیں بج سکتی۔" فرزین نے سنجیدگی سے کہا۔ "ہر بات کی کوئی نہ کوئی بنیاد ضرور ہوتی ہے۔"

فراز بیوی کا جواب سن کر تلملا گئے' کچھ کہنا چاہتے تھے کہ ناہید آ گئی۔ فرزین نے ایک اچٹتی نظر ناہید پر ڈالی پھر بڑی حقارت سے نظریں پھیر لیں' سینے میں دبی دبی چنگاریاں بھڑکنے لگی تھیں۔ ناہید کی آمد نے اُسے تلملا اٹھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے کنکھیوں سے فراز کو دیکھا جو ناہید پر نظر پڑتے ہی بڑے دل آویز انداز میں مسکراتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"مجھے ابھی بوا سروری کی زبانی معلوم ہوا کہ تم دفتر سے واپس آ گئے ہو۔" ناہید نے نہایت اپنائیت سے کہا۔ "میں امی حضور کے کمرے میں تھی۔"

"تشریف رکھئے۔" فراز بولے۔ "آج کا دن تو بڑا مبارک ہے کہ آپ خود چل کر ہمارے کمرے تک آ گئیں۔"

"میں صرف یہ کہنے آئی تھی کہ کل تم ذرا خواجہ صاحب کو یاد سے کہہ دینا کہ وہ گھر آ جائیں' امی حضور کو کچھ ضروری کام درپیش ہیں۔" ناہید نے کہا پھر فرزین پر نظر ڈالتے

ہوئے پوچھا۔ "تم نے ملازم سے چائے کا کہہ دیا یا میں کہہ دوں۔"

"کیوں فراز!" فرزین نے چبھتے ہوئے لہجے میں شوہر سے پوچھا۔ "آپ کا کیا خیال ہے' چائے پئیں گے؟"

"ضرور پیئوں گا لیکن بھابی کے ہاتھوں کی۔" فراز نے بڑے بھولپن سے کہا۔ "چلئے بھابی!"

پھر وہ بڑی اپنائیت سے ناہید کا ہاتھ تھام کر بچوں جیسے انداز میں اُسے کھینچتے باہر چلے گئے۔

"تم بھی آ جاؤ فرزین!" ناہید نے دروازے پر رک کر بڑے پیار سے فرزین کو بھی بلایا لیکن فرزین نے کوئی جواب نہیں دیا۔

آج فراز نے پہلی بار اس کی موجودگی میں ناہید کا ہاتھ بے تکلفی سے تھاما تھا اور فرزین اندر ہی اندر سلگ کر رہ گئی تھی۔ اس کے اختیار میں ہوتا تو شاید وہ ناہید کو شوٹ کرنے سے بھی دریغ نہ کرتی۔ ناہید کا وجود ہی تو تھا جس نے اُسے کانٹوں پر لوٹنے پر مجبور کر دیا۔

☆------☆------☆

نازلی نے عدالت کے روبرو جو اقبالِ جرم کیا تھا اُس پر اُسے کوئی ملال نہیں تھا۔ اقبالی بیان میں اس کے جذباتی ابال سے زیادہ اس کے ضمیر کی آواز کو بڑا دخل تھا۔ اُس نے اپنے سر سے وہ بوجھ ہمیشہ کے لئے اتار پھینکا تھا جو اُس کے وجود کا ناسور بن کر کچوکے لگایا کرتا تھا۔ وہ اپنے فیصلے پر نادم نہیں' سرشار تھی۔ پھانسی کے بھیانک تصور نے اسے خوفزدہ نہیں کیا تھا۔ وہ اور سربلند ہو گئی تھی۔ البتہ بیرسٹر افتخار احمد نے جب سے بیٹی کے حق میں عدالت کا فیصلہ سنا تھا سکتے کی کیفیت سے دوچار ہو کر رہ گئے تھے۔

افتخار احمد کو اپنی بیرسٹری پر بڑا ناز تھا' اب تک وہ ان ہی عدالتوں سے سینکڑوں مجرموں کو اپنی ذہانت اور شہرت کے بل بوتے پر صاف بَری کرا چکے تھے اور بے شمار بے گناہوں کو مجرم ثابت کر چکے تھے۔ ججوں اور مجسٹریٹوں سے ان کے تعلقات بڑے وسیع اور دیرینہ تھے۔ آئے دن ان کی کوٹھی پر دعوتوں کا اہتمام ہوتا رہتا تھا جس میں عدلیہ اور سول انتظامیہ کے چیدہ چیدہ صاحب حیثیت افراد شامل کئے جاتے تھے اور اُن کی دل کھول کر خاطر و تواضع کیا کرتے تھے اور افتخار احمد ازاں بعد ان ہی افراد سے اپنا ہر جائز و ناجائز کام نکالا کرتے تھے۔

نازلی کے سلسلے میں بھی افتخار احمد نے اپنے اثر و رسوخ سے کام لیا تھا اور بیٹی کے مقدمے کو ایک ایسے منصف کی عدالت میں پیش کیا تھا جن سے اُن کے بڑے گہرے تعلقات تھے' انہیں قوی امید تھی کہ وہ نازلی کو اقدام قتل کے کیس سے بَری کرانے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن جب نازلی نے عدالت کے روبرو کھڑے ہو کر اپنے جرم کا اعتراف کر لیا تو انصاف کا دیوتا بھی اسے سزا دینے پر مجبور ہو گیا اور افتخار احمد کو شدید ذہنی جھٹکا پہنچا تھا۔

چھوٹی عدالت کے فیصلے نے نازلی کو سزائے موت سنائی تھی لیکن یہ فیصلہ حرفِ آخر نہیں تھا' ابھی افتخار احمد کے پاس اپیل کی گنجائش باقی تھی لیکن اس بات کا خدشہ بھی لاحق تھا کہ اگر نازلی نے بڑی عدالت میں بھی اپنا بیان تبدیل نہ کیا تو اُن کی رہی سہی ساکھ بھی ختم ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ سب سے پہلے یہ یقین کر لینا چاہتے تھے کہ نازلی ان کے مشوروں پر عمل کرے گی۔

موت کی سزا کے بعد بھی وہ دو بار بیٹی سے مل چکے تھے اور اُسے ہموار کرنے کی کوشش کر چکے تھے لیکن نازلی نے نہایت واضح طور پر انہیں بتا دیا تھا کہ اس نے جو بیان ایک بار دیا ہے اسی پر زندگی کی آخری سانسوں تک قائم رہے گی۔ افتخار احمد کو بیٹی کے فیصلے سے دکھ پہنچا تھا اور وہ ہر قیمت پر اولاد کو موت کے آہنی چنگل سے نجات دلانے کے آرزو مند تھے اسی لئے انہوں نے ہمت نہیں ہاری تھی اور شب و روز اسی ادھیڑ بُن میں لگے رہتے تھے کہ کسی طرح بیٹی کو اُس کے اٹل فیصلے سے منہ موڑنے پر آمادہ کر سکیں۔

جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا افتخار احمد کی الجھن اور پریشانیوں میں بھی اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ پھر جب دن ایک ایک کر کے پورے ہوتے گئے اور صرف ایک ہفتہ باقی رہ گیا تو افتخار احمد کی راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔ انہیں اپنی غلطیوں کا احساس تھا' اولاد کو انہوں نے جو تعلیم دی تھی وہ اس پر پشیمان تھے لیکن قدرت نے انہیں اس غلطی کی جو سزا دینا چاہی تھی وہ اسے قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپیل کے مسودے کو آخری شکل دی اور فائل لے کر بیٹی کو ایک بار پھر سمجھانے کی خاطر اس سے ملنے پہنچ گئے۔

نازلی نے باپ سے ملاقات کی تو اس وقت بھی اُس کے چہرے پر حزن و ملال کی کوئی چیز' کوئی تاثر موجود نہیں تھا۔ ملاقاتی کمرے میں پہنچ کر اس نے باپ کو بڑے ادب سے سلام کیا پھر ان کے روبرو کسی سعادتمند اولاد کی طرح سر جھکا کر بیٹھ گئی۔ افتخار احمد نے بیٹی کو دیکھا تو اُن کا دل بھر آیا' آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"کیسی ہو میری لاڈلی!"

"میں بہت پُرسکون ہوں ڈیڈی!" نازلی نے نہایت ٹھوس اور سادہ آواز میں جواب دیا۔ "آپ تو ٹھیک ہیں۔"

"میں....." افتخار احمد نے بھیگی پلکیں اٹھا کر بیٹی کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا "میں تین راتوں سے ایک پل کے لئے بھی نہیں سو سکا۔"

"خدا پر اعتماد رکھئے ڈیڈی! وہ جو کچھ کرتا ہے انسان کی بہتری کے لئے کرتا ہے۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو میری بچی لیکن یہ کیوں بھول رہی ہو کہ میں ایک باپ ہوں۔"

"مجھے احساس ہے ڈیڈی کہ میری وجہ سے آپ کو بہت دکھ اٹھانے پڑے ہیں۔"

"لیکن اگر تم چاہو تو ایک دل گرفتہ باپ کے دکھوں کا مداوا کر سکتی ہو۔" افتخار احمد بھیگے لہجے میں بولے۔ "اب بھی وقت ہے نازلی بیٹی! تم اگر اب بھی میرا کہا مان جاؤ تو میں بساط پر بچھی بازی کا رخ پلٹ سکتا ہوں۔"

"فائدہ؟" نازلی نے دبی زبان میں کہا۔

"مجھے میری اولاد کا سکھ چین نصیب ہو جائے گا۔" افتخار احمد پلکوں سے ڈھلکتے آنسوؤں کو رومال میں جذب کرتے ہوئے بولے۔ "آج میں بڑی امیدوں سے آیا ہوں' میری بات مان جاؤ میری لاڈلی! اپنی خاطر نہ سہی اپنے باپ کی خوشیوں کی خاطر اپنا بیان بدلنے پر آمادہ ہو جاؤ' میں تمہارا باپ ہو کر تم سے درخواست کرتا ہوں' مجھے مایوس مت کرنا بیٹی! ورنہ میرا دل ٹوٹ جائے گا۔"

"میں آپ سے بے حد شرمندہ ہوں ڈیڈی! لیکن میں نے عدالت میں جو بیان دیا تھا وہ اپنے ضمیر اور اپنے خدا کو گواہ بنا کر دیا تھا اس لئے میں مجبور ہوں۔" نازلی نے باپ کو روتے دیکھا تو اس کی پلکوں پر بھی آنسوؤں کے شبنمی قطرے ابھر آئے۔

"بات کو سمجھنے اور حالات کو پرکھنے کی کوشش کرو نازلی!" افتخار احمد نے بڑے جذباتی انداز میں اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔ "غلطیاں انسان ہی سے سرزد ہوتی ہیں لیکن خدا اپنے بندوں پر توبہ کے دروازے کبھی بند نہیں کرتا۔ ہر گناہ کا کفارہ ادا کیا جا سکتا ہے۔ وہ غفور الرحیم ہے' جزا و سزا اسی کے ہاتھ ہے' اسے منظور نہ ہو تو ایک سوکھا پتہ بھی اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا۔ تم سے جو غلطی سرزد ہوئی ہے اس میں بھی اسی کی رضا شامل تھی' تم اس کے حضور ہاتھ باندھ کر معاف بھی مانگ سکتی ہو' تمام عمر اُس کی عبادت میں

گزار سکتی ہو' اُس کی رحمتوں سے مایوس کیوں ہو۔ جو گناہ سرزد ہوا ہے اس کا کفارہ ادا کرنے کے لئے تاحیات سربسجود رہ سکتی ہو۔"

"میں سمجھ رہی ہوں ڈیڈی! لیکن میں جو بیان دے چکی ہوں وہ صداقت اور حقیقت پر مبنی ہے اور میں صداقت اور حقیقت سے دوبارہ منہ موڑ کر اپنے آپ کو مزید گناہگار نہیں بنا سکتی۔ جو غلطیاں سرزد ہو چکی ہیں ان کی فہرست بھی بہت طویل ہے' اب ان میں مزید اضافہ کی گنجائش باقی نہیں۔"

"تمہارا باپ تمہاری جدائی کے غم میں رو رو کر مر جائے گا۔" افتخار احمد سسک اٹھے۔

"موت اور زیست خدا کے اختیار کی بات ہے ڈیڈی!" نازلی نے آہستہ سے جواب دیا۔ "میں گنہگار اس قابل تو نہیں کہ آپ کو مشورہ دے سکوں لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ اگر انسان سچے دل سے خدا کے سامنے سربسجود ہو جائے تو اُس کے قلب کو وہ سکون ملتا ہے جو قارون کی دولت بھی مہیا نہیں کر سکتی۔"

"گویا تم آج بھی اپنے باپ کو مایوس کر دو گی۔"

"میں نے اپنا فیصلہ خدا کے سپرد کر دیا ہے ڈیڈی!" نازلی بڑے اعتماد سے بولی۔ "اگر اسے میری زندگی منظور ہوئی تو دنیا کی کوئی طاقت' کوئی عدالت مجھے موت سے ہمکنار نہیں کر سکتی لیکن اگر خدا ہی کو منظور نہ ہو تو پھر میرے بیان تبدیل کر دینے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

افتخار احمد بیٹی کی بات سن کر لاجواب ہو گئے تھے' خاموش بیٹھے سسکیاں لیتے رہے اور نازلی کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے۔

"ڈیڈی!" نازلی نے تھوڑے وقفے کے بعد کہا۔ "آج محسن علی بھی مجھ سے ملنے آئے تھے۔"

"خیریت۔" افتخار احمد نے بدستور سسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"وہ مجھ سے ایک تحریری بیان حاصل کرنا چاہتے تھے۔ پہلے بھی اصرار کر چکے تھے لیکن میں نے انہیں ٹال دیا تھا مگر آج اُن کا کہا مان لیا اور بیان لکھ کر دے دیا۔"

"کیسا بیان میری لاڈلی!" افتخار احمد تڑپ کر بولے۔ "اب کسی بیان کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔"

"محسن علی پولیس انسپکٹر ہونے کے باوجود بڑے نیک دل اور ملنسار واقع ہوئے

ہیں۔" نازلی نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ "دراصل وہ مراد خاں نامی ایک شخص کو اس کے کیفرکردار تک پہنچانے کے خواہشمند ہیں۔ مراد خاں کے بارے میں آپ کو صرف اتنا بتا سکتی ہوں کہ میری بربادی میں بھی اُسی کا ہاتھ تھا۔"

"میری لاڈلی!" افتخار احمد تڑپ اٹھے۔

"میری درخواست ہے ڈیڈی کہ مراد خاں کو قانون کے ہاتھوں سزا دلوانے میں آپ بھی محسن علی کا ہاتھ ضرور بٹائیں۔" نازلی نے کہا۔ "اس لئے کہ اگر وہ آزاد رہا تو اُس کی آزادی کچھ دوسرے خاندانوں کے لئے بھی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔"

افتخار احمد نے جواب میں گردن کے اشارے سے ہامی بھرلی' پھر ڈیوٹی پر موجود ملاقاتی افسر نے ملاقات کا وقت ختم ہونے کا اعلان کیا تو باپ بیٹی دونوں ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ افتخار احمد کی آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑی لگی تھی' نگاہوں میں حسرتیں تڑپ رہی تھیں۔

"میری ایک آخری التجا اور بھی ہے ڈیڈی!" نازلی نے دوپٹے کے پلو سے بھیگی پلکوں پر تھرتھراتے آنسوؤں کو خشک کرتے ہوئے کہا۔ "میرے بیان سے مرحوم سجاد علی اور اُن کے گھر والوں کو بھی اذیت پہنچی ہو گی' اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں خود وہاں جا کر معافی مانگ لیتی لیکن یہ ممکن نہیں اس لئے میری درخواست ہے کہ اگر ہو سکے تو آپ بیگم سجاد سے مل کر میری طرف سے معذرت طلب کریں ..... اس لئے کہ میں اپنے دل و دماغ پر کوئی بوجھ لے کر اس دنیا سے نہیں جانا چاہتی ..... یہ میری آخری خواہش ہے ڈیڈی!"

"نازلی! میری بچی۔" افتخار احمد چیخ اٹھے' تڑپ کر بے اختیار نازلی کو سینے کی گہرائیوں میں چھپا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

یہ وہ لمحہ تھا کہ نازلی بھی اپنے آنسوؤں کو نہ روک سکی' ضبط کے بند ٹوٹے تو اُس کی غزالی آنکھوں سے بھی سیلاب اشک رواں ہو گیا۔ پھر جب افتخار احمد سسکیاں بھرتے اُس سے جدا ہوئے اور ملاقات کے کمرے سے باہر چلے گئے تو نازلی نے بھی تھکے ہوئے انداز میں اپنا سر جھکا لیا' آہستہ سے پلٹی اور آہنی سلاخوں کی جانب قدم اٹھانے لگی۔

☆------☆------☆

جب سے فراز نے فرزین کی موجودگی میں ناہید کا ہاتھ تھاما تھا اس کے سینے پر سانپ لوٹ رہا تھا۔ شہلا کی باتوں نے اس کے ذہن پر شبہ اور شکوک کا جو نقش چھوڑا تھا وہ اور

گہرا ہو گیا۔ اُسے فراز سے محبت تھی لیکن وہ دیدہ و دانستہ اپنی محبت کسی اور کی جھولی میں بھی نہیں ڈال سکتی تھی اور یہ بات بھی اُس کو گوارا نہیں تھی کہ وہ دیکھتے بھالتے ہر بات کو نظرانداز کر جائے۔ بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ آگ لگے اور دھواں نہ اٹھے۔ چنانچہ فرزین نے طے کر لیا تھا کہ اب وہ اس مسئلے کو جلد از جلد نپٹانے کی کوشش کرے گی ورنہ اگر رائی کا پربت بن گیا تو بات اُس کے اختیار میں نہ رہے گی۔

فرزین کے دل میں پیدا ہونے والے وسوسے اور خدشات اُسے کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتے تھے۔ دل و دماغ پراگندہ ہوں تو انسان چڑچڑے پن کی کیفیتوں سے دوچار ہو جاتا ہے' سکون میسر نہ ہو تو بے چینیاں بڑھ جاتی ہیں اور شک و شبہات تو ایسے جراثیم سمجھے جاتے ہیں جو انسان کو گھن کی طرح اندر ہی اندر کھا جاتے ہیں' کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ کچھ یہی کیفیت فرزین کی تھی' اُس نے فراز پر اپنی خفگی کا اظہار کرنے کی خاطر بے نیازی کا برتاؤ شروع کر دیا تھا۔

فراز دفتر سے دن بھر کے تھکے ماندے گھر واپس آتے تو وہ روزمرہ کے معمول کے مطابق مسکراتے ہوئے اُن کا استقبال کرنے کے بجائے کسی کام کا بہانہ کر کے کمرے سے باہر چلی جاتی۔ فراز اس سے محبت سے پیش آتے تو وہ سنجیدگی سے ہوں ہاں کر کے انہیں ٹالنے کی کوشش شروع کر دیتی یا کسی کام میں مصروف ہو کر انہیں نظرانداز کر جاتی اور پھر یہی باتیں رفتہ رفتہ اُس کی عادتیں بن گئیں۔ وہ فراز سے قریب ہونے کے باوجود آہستہ آہستہ اُس سے دور ہوتی گئی اور اس دوری نے اس کے ذہن کو متاثر کیا تو اسے اس وجود سے بھی نفرت محسوس ہونے لگی جو اُس کے شکم میں فراز کی محبت کی نشانی کے سہارے کلبلا رہا تھا۔

اُس نے متعدد بار سوچا کہ کچھ دنوں کے لئے میکے چلی جائے' باپ کو ان حالات سے آگاہ کر دے جو اس کے لئے سوہانِ روح بنتے جا رہے تھے لیکن ہر بار وہ یہی سوچ کر اپنے ارادے ترک کر دیتی کہ شاید آنے والا کل اپنے اندر کچھ ایسی تبدیلیاں لے کر نمودار ہو جو اُس کے لئے خوشیوں کے خزانے بکھیر دے۔ ہر صبح وہ یہی امید لے کر بیدار ہوتی تھی لیکن رفتہ رفتہ دن گزرتے رہے اور حالات میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی بلکہ اب تو پانی اُس کے حق میں سر سے بلند ہونے لگا تھا۔ فراز بھی کھنچے کھنچے سے رہنے لگے تھے' کبھی وہ دل پر جبر کر کے فراز سے کچھ کہتی تو وہ اُسے ٹال جاتے یا اُس کے سامنے سے کترا کر گزر جاتے اور فرزین اندر ہی اندر تڑپ کر رہ جاتی۔

آج صبح بھی وہ بیدار ہوئی تو فراز دفتر جانے کے لئے تیار ہو چکے تھے اور آئینے کے سامنے کھڑے بال سنوار رہے تھے۔ اُس نے شوہر کو غور سے دیکھا' چپ چپ اور خاموش فراز کو دیکھ کر اُسے ان پر ترس آ گیا۔ ایک توبہ شکن انگڑائی لیتی وہ بستر سے اٹھی' جانے کس جذبے سے مغلوب ہو کر پوچھ بیٹھی۔

"آپ نے ناشتہ کیا؟"

"جی۔" فراز نے کنگھا سنگھار میز پر اچھالتے ہوئے اُس کی جانب پلٹ کر دیکھا' اُن کی آنکھیں سلگ رہی تھیں۔ ایک تلخ سی مسکراہٹ لبوں پر بکھیر کر بولے۔ "آج آپ کو میرے ناشتے کا خیال کیسے آ گیا؟"

"کیوں؟" فرزین نے یکلخت سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "کیا اب مجھے یہ بھی اختیار نہیں کہ آپ سے ناشتے کے بارے میں بھی دریافت کر سکوں۔"

"اپنے دل سے دریافت کیجئے۔" فراز نے بے رخی سے جواب دیا پھر بریف کیس ٹھیک کرنے لگے۔

"دل کو درمیان میں مت لائیے فراز! ورنہ بات بڑھ جائے گی۔" وہ ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی۔

"اس کا انحصار بھی آپ ہی کی مرضی پر ہے۔" فراز بریف کیس بند کر کے صوفے سے اٹھتے ہوئے بولے۔

"گویا آپ مجھے حالات کا ذمہ دار ٹھہرانے کی کوشش کر رہے ہیں۔" اس نے فراز کو تیکھی نظروں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"جی نہیں۔" فراز زہرخند سے بولے۔ "مجھ میں اتنی جسارت کہاں کہ آپ کو موردِ الزام ٹھہراؤں' یا یوں سمجھ لیجئے کہ میں اس گھر کو پُرسکون دیکھنے کا خواہشمند ہوں۔"

"آپ زیادتی سے کام لے رہے ہیں فراز!" وہ تڑپ اٹھی۔ "کہنے کو میرے پاس بھی بہت کچھ ہے لیکن....."

"لیکن کیا؟" فراز نے بیوی کی اچانک خاموشی پر نشتر چبھوتے ہوئے کہا۔ "جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ بھی کہہ ڈالئے فرزین! میرے ہوتے ہوئے آپ اپنے ذہن پر کوئی بوجھ ڈالیں یا دل میں غبار رکھیں' یہ کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔"

"آپ دفتر جا رہے ہیں' اس وقت میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی۔" وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔ "پھر کسی وقت تفصیل سے باتیں ہوں گی۔"

"میں اس عارضی اور وقتی عنایت کے لئے بھی آپ کا شکرگزار ہوں۔" فراز کے ہونٹوں پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ ابھر آئی' دبی زبان میں بولے۔ "جب آپ کو فرصت ہو مجھ سے باتیں کرنے کی' مطلع کر دیجئے گا۔"

"فراز!" وہ شوہر کے بھرپور طنز پر کسی زخمی ناگن کی طرح بل کھا کر رہ گئی۔

"میرا خیال ہے کہ آج آپ خلاف توقع جلدی بیدار ہو جانے کی وجہ سے مجھ سے الجھ رہی ہیں۔ نیند پوری کر لیجئے فرزین! میں جاتے ہوئے ملازموں کو تاکید کرتا جاؤں گا کہ آپ کو ڈسٹرب نہ کیا جائے۔ او کے' خدا حافظ!" فراز نے بڑے بھولپن سے کہا پھر ہاتھ کے اشارے سے "وِش" کرتے ہوئے خواب گاہ سے باہر چلے گئے۔

اور جاتے جاتے فراز کے لبوں پر جو طنزیہ تبسم بیدار ہوا تھا اُس نے فرزین کے سینے میں اٹھتے طوفانوں کو اور ہوا دی تھی' وہ غصے میں کھڑی پیچ و تاب کھاتی رہی' آپ ہی آپ سلگتی رہی۔ فراز کی باتوں میں پوشیدہ تیر و نشتر نے اُس کی روح کی پاکیزگی کو زخمی کیا تھا' اُس کے وجود کو کچوکے لگائے تھے' اُس کی انا کو ٹھیس پہنچائی تھی' ان زخموں کو کریدا تھا جو پھوڑے کی مانند اندر ہی اندر رس رہے تھے' ٹیس پہنچا رہے تھے۔

وہ اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑی وقت کے دوش پر محیط حالات پر غور کرتی رہی' شکوک اور شبہات کا لاوا ابل ابل کر اس کے دل و دماغ پر شعلے برساتا رہا۔ اُسے فراز سے اتنے تلخ رویے کی امید نہیں تھی اس لئے کہ فراز کو وہ غلطی پر محسوس کر رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ فراز اپنے طور و طریقوں پر شرمندگی کا اظہار کریں گے' ندامت سے سر جھکا لیں گے اور آئندہ کے لئے محتاط رہنے کی کوشش کریں گے لیکن فراز نے الٹا اُسے باتوں باتوں میں موردِ الزام ٹھہرانے کی سعی کی تھی اور کس قدر ڈھٹائی سے جملوں اور الفاظ کے تیر و نشتر برساتے اسے "وِش" کر کے گردن اکڑائے چلے گئے تھے۔ یوں جیسے وہ بڑے پارسا رہے ہوں' جیسے انہیں اپنی غلطی اور کوتاہیوں کا مطلق احساس نہ ہو۔

فرزین کے ذہن میں آندھیوں کی شدت بڑھتی رہی' شہلا نے جو آگ لگائی تھی اُس کی دبی دبی چنگاریاں شعلوں کے روپ میں بھڑک اٹھی تھیں اور اس شعلے کی تپش اُسے اندر ہی اندر جھلسا رہی تھی' تڑپا رہی تھی' وہ کسی ٹھہرے ہوئے طوفان کی طرح مخالف ہواؤں کے تیز و تند جھکڑوں کی قوت کا اندازہ لگاتی رہی' اس کے دماغ میں وقت کی نزاکتوں کا تجزیہ جاری تھا۔ اُس نے آج تک خود کو خاموش رکھا تھا' فراز اور ناہید کی باتوں کو درگزر کرتی رہی تھی۔ اپنے احساسات کو مستقبل کی خوشیوں کی خاطر کچلتی رہی تھی

لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ ..... فراز نے اس کی خاموشی کو غالباً اُس کی بزدلی سے تعبیر کر لیا تھا' شاید اُن کا خیال تھا کہ وہ اپنی دنیا کو برباد ہوتے دیکھتی رہے گی اور کوئی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے گی' کوئی گلہ شکوہ نہ کرے گی لیکن فراز غلطی پر تھے' وہ شاید بھول گئے تھے کہ فرزین کے سینے کے اندر بھی ایک دل دھڑک رہا ہے جو جذبات اور احساسات سے عاری نہیں ہے' سرد و گرم کی تمیز رکھتا ہے ..... پھر..... اُن کی بے رخی کیا معنی رکھتی تھی' کیا سوچ کر انہوں نے اپنی غلطی کو یکسر نظرانداز کر دیا تھا۔ کیوں ندامت سے سر جھکا لینے کے بجائے اُس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُس کی روح کی پاکیزگیوں کو مجروح کرنے کی جسارت کی تھی۔

کیوں.....

کس لئے.....

کیا محض اس لئے کہ اُس نے آج تک فراز کی ہر بات کو نظرانداز کر دینے کا ڈھنگ اختیار کر کے ان سے محبت کی تھی۔ ان کی ہر ادا کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھ لیا تھا' پیار کی لازوال بلندیوں سے تعبیر کیا تھا۔ کیا اس کا جرم صرف اتنا تھا کہ ابھی تک کھل کر فراز سے دو ٹوک فیصلہ کرنے سے گریز کیا تھا' کیا صرف اس لئے کہ وہ ان کی بیوی تھی جسے مشرق نے مردوں کے لئے پاؤں کی جوتی کی حیثیت دے رکھی تھی ..... جب چاہا پیروں سے اتارا اور پھینک دیا..... ایک سے دل بھر گیا تو دوسری کو پیروں کی زینت بنا لیا۔

نہیں.....

نہیں' نہیں' نہیں.....

وہ چیخ اٹھی' وہ ایسا کبھی نہیں ہونے دے گی' وہ اپنی محبت پر دوسروں کا تسلط کبھی تسلیم نہیں کرے گی۔ اپنے حق کے لئے اپنے پیار اور اپنے مستقبل کے لئے وہ فراز کو بتائے گی کہ وہ عورت ہے — عورت جو وفا کی پتلی کے روپ میں مرد کی محبت کا جواب دے تو زندگی گل و گلزار سے تعبیر ہوتی ہے اور رشکِ ارم بن جاتی ہے — لیکن وہی عورت اگر اپنی نگاہوں کے زاویے بدل لے اور جفاؤں کو شعار بنا لے تو ناگن بن جاتی ہے۔ زندگی جہنم سے زیادہ بدتر اور اذیتناک ہے' ہر خوشیوں کو ڈس لیتی ہے اور فضاؤں کو اتنا زہر آلود بنا سکتی ہے کہ مرد اس ماحول میں آسانی سے سکون کا ایک سانس بھی نہیں لے سکتا..... گھٹ گھٹ کر اپنی موت آپ مرجاتا ہے۔

فرزین نے بھی حالات کی رو میں بہک کر یہی فیصلہ کر لیا کہ وہ فراز کی زندگی کو تلخیوں سے دوچار کر دے گی' اگر وہ ان کی بانہوں میں سمٹ کر محبت کی لازوال مسرتوں سے لطف اندوز نہیں ہو سکتی تو کسی اور کو بھی یہ حق نہیں حاصل ہونے دے گی۔ وہ فراز کو کسی لمحے کسی پل اتنی فرصت نہیں دے گی کہ وہ محبت کا تصور بھی کر سکیں اور اس فیصلے پر پہنچ کر فرزین نے یہی مناسب سمجھا تھا کہ چند روز کے لئے باپ کے ہاں چلی جائے اور سکون سے بیٹھ کر وہ اسباب پیدا کر سکے کہ جو فراز کی زندگی کو بھی جہنم بنا دینے کے لئے مؤثر ثابت ہوں۔

غسل خانے میں جا کر اُس نے نہایت اطمینان سے منہ ہاتھ دھویا۔ ضروری سامان ایک اٹیچی کیس میں ڈال کر ملازم کو بلا کر اُسے گاڑی میں رکھنے کی ہدایت کی پھر سنگھار میز کے قریب جا کر اپنی زلفوں کو آخری ٹچ دینے لگی' بال سنوار کر پلٹی تو دروازے پر ناہید کو کھڑے دیکھ کر جل ہی تو گئی۔ نفرت اور حقارت کا جذبہ دل کی گہرائیوں سے امڈ کر آنکھوں میں سمٹ آیا۔ اُس نے خود سے ناہید سے کلام نہیں کیا' تیوری پر بل ڈالے اُسے گھورتی رہی۔

"تم کہیں جا رہی ہو فرزین!" ناہید نے گفتگو کی ابتدا کی' لہجہ بڑا نرم اور محبت سے بھرپور تھا۔ "مجھے عبدل نے بتایا ہے کہ تم نے اپنا اٹیچی کیس گاڑی میں رکھوایا ہے۔"

"جی ہاں۔" فرزین سپاٹ آواز میں بولی۔ "میں دو چار روز کے لئے ڈیڈی کے پاس جا رہی ہوں۔"

"بڑی خوشی سے جاؤ' وہ بھی تمہارا اپنا گھر ہے لیکن عبدل کہہ رہا تھا کہ تم نے آج ناشتہ بھی نہیں کیا۔" ناہید نے فرزین کے لہجے کی چبھن محسوس کرنے کے باوجود نہایت اپنائیت سے کہا۔

"جی ہاں ..... مجھے خواہش محسوس نہیں ہوئی ناشتے کی۔" فرزین بے رخی سے بولی۔

"آج فراز بھی ناشتہ کئے بغیر دفتر چلے گئے۔" ناہید نے دبی زبان میں پوچھا۔ "کوئی خاص بات تو نہیں ہے۔"

"فراز نے ناشتہ نہیں کیا تو میں کیا کر سکتی ہوں۔" فرزین نے کہا۔ "میرا خیال تھا کہ شاید آپ نے فراز کو ناشتہ کرا دیا ہو گا۔" اس کا لہجہ خاصہ تلخ تھا۔

"فرزین!" ناہید نے فرزین کی بے رخی کو محسوس کرتے ہوئے سنجیدگی سے دریافت

کیا۔ "کیا فراز سے تمہاری کوئی بات ہوئی ہے۔"

"جی ہاں۔" فرزین حقارت سے بولی۔ "لیکن ..... آپ کو اس قدر تشویش کیوں ہو رہی ہے؟"

"تم خلافِ توقع اس وقت غصے میں بھری نظر آ رہی ہو۔" ناہید سہمے سہمے لہجے میں بولی۔ "مجھے بتاؤ فرزین! آخر بات کیا ہے؟"

"کیا یہ ضروری ہے؟" فرزین نے نفرت سے سوال کیا۔

"تم نے مجھے دوست کہا ہے فرزین!" ناہید نے بڑے پیار سے کہا۔ "اور دوست وہی ہے جو دوست کے کام آئے ..... مجھے بتاؤ تو سہی آخر فراز نے کیا کہا ہے جو تم روٹھ کر جا رہی ہو۔"

"میں ہمیشہ کے لئے تو نہیں جا رہی ہوں۔" فرزین نے ناہید کو معنی خیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ "دو چار روز میں واپس آ جاؤں گی ..... اس لئے کہ یہاں میری موجودگی اس وقت تک اشد ضروری ہے جب تک میں فراز کی بیوی ہوں۔"

"فرزین!" ناہید سر تا پا لرز اٹھی' کانپتی آواز میں بولی۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟

"میں جو کچھ کہہ رہی ہوں ٹھیک ہی کہہ رہی ہوں۔" فرزین نے غصے سے جواب دیا۔

"کیا ..... کیا تم مجھے بھی نہیں بتاؤ گی کہ بات کیا ہے۔" ناہید نے اصرار کیا۔

"بہت خوب۔" فرزین زہرخند سے بولی۔ "میرا تو خیال تھا کہ آپ کو پہلے سے حالات کا بخوبی اندازہ ہو گا اور شاید اس دن کا انتظار بھی۔"

"میں سمجھی نہیں فرزین!" ناہید نے وضاحت طلب لہجے میں پوچھا۔ "تمہاری باتیں مجھے الجھا رہی ہیں۔"

"آپ کو الجھنے کی کیا ضرورت ہے؟" فرزین تلملا اٹھی۔ "جو کچھ ہوا ہے میرے اور فراز کے درمیان ہوا ہے' ضروری تو نہیں کہ میاں بیوی کے معاملات دوسروں کے علم میں بھی لائے جائیں' اگر آپ کو اتنی ہی تشویش لاحق ہے تو فراز کو فون کر کے دریافت کر لیجئے گا ..... شاید وہ آپ کو اپنے دل کی بات کھل کر بتا دیں۔"

"فرزین! ..... تم ....."

"ڈونٹ ٹیز می اینی مور پلیز!" (Dont Tease Me Anymore Please)

فرزین نے اپنی نگاہوں سے نفرت کے شعلے اگلتے ہوئے نہایت نفرت سے کہا پھر غصے میں

ہونٹ چباتی کترا کر ناہید کے برابر سے باہر چلی گئی۔

ناہید بوکھلائے انداز میں اُس کے تعاقب میں باہر آئی لیکن اتنی دیر میں فرزین گاڑی میں بیٹھ کر رخصت ہو چکی تھی۔ جاتے ہوئے اُس نے ساس سے اجازت حاصل کرنی بھی ضروری نہیں سمجھی تھی اور ناہید' وہ باہر دالان میں پاکھے سے لگی کھڑی سہمی نظروں سے کوٹھی کے کھلے پھاٹک کو دیکھ رہی تھی اور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے قصر سجاد کے در و دیوار آج پھر ہل رہے ہیں۔

جیسے بنیادوں میں کوئی شگاف پڑ گیا ہو.....

کوئی دراڑ پیدا ہو گئی تھی جس نے بنیادوں کو جھنجھوڑ ڈالا تھا.....

ہر شے متزلزل نظر آ رہی تھی.....

ہر سمت دھند کا سماں طاری تھا اور.....

دھند کے ملگجے اندھیروں کی آڑ لئے ایک طوفان آہستہ آہستہ ٹھاٹھیں مارتا' بھاڑ سا منہ کھولے برق رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا۔

☆======☆======☆

نجمہ بیگم آج سرِ شام ہی سے گھر کی جھاڑ پونچھ اور نرجس کے سسرال والوں کی آؤ بھگت کی تیاریوں میں مصروف نظر آ رہی تھیں۔ گھر کے تمام نوکر چاکر ان کا ہاتھ بٹا رہے ہیں۔ شہناز مہمانوں کی خاطر و مدارات کے سلسلے میں بار بار خانساماں اور ملازموں کو ہدایت دے رہی ہے۔ غرضیکہ ہر شخص نجمہ بیگم کی خوشیوں میں برابر کا شریک نظر آ رہا ہے۔

پانچ بجے نجمہ بیگم نے تمام انتظامات کا آخری بار جائزہ لیا پھر لباس تبدیل کرنے کے لئے اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ جاتے جاتے وہ بہو کو بڑے لاڈ سے چوتھی کا جوڑا پہننے کی تاکید کر گئی تھیں۔ ساڑھے پانچ بجے شیخ حامد حسین دفتر سے واپس لوٹے تو شیخ الطاف حسین' شاکرہ خاتون اور شاکر بھی اُن کے ہمراہ تھے۔ نجمہ بیگم نے بڑے تپاک سے سب کا استقبال کیا۔ پھر اُن کو لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئیں۔ کچھ دیر بعد شازیہ اور محسن بھی آ گئے۔ نجمہ بیگم نے نہایت اصرار سے ان دونوں کو بلایا تھا لیکن اس میں ان کے خلوص سے زیادہ ان کی غرض شامل تھی۔ جب سے انہیں شوہر کی زبانی اس بات کا علم ہوا تھا کہ محسن علی مراد خاں کی گرفتاری کے سلسلے میں جان توڑ کوشش کر رہے ہیں' اُن کی محبت محسن علی کے سلسلے میں بڑی عود کر آئی تھی۔ چنانچہ اس وقت بھی انہوں نے بڑے پیار سے دونوں کا استقبال کرتے ہوئے محسن سے بطور خاص کہا۔

"مجھے بڑی خوشی ہے محسن میاں کہ تم کسی بہانے آئے تو ہمارے یہاں۔"

"آپ شرمندہ کر رہی ہیں خالہ جان! بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ بلائیں اور ہم نہ آئیں۔" محسن علی نے الطاف حسین کے برابر بیٹھتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ کہہ کر تو تم ہمیں مزید شکایت کا موقع دے رہے ہو۔" نجمہ بیگم مسکرا کر بولیں۔ "جیسے الطاف بھائی ویسے ہم' یہ بھی تمہارا اپنا گھر ہے' تم بن بلائے بھی جب چاہو بڑے شوق سے آسکتے ہو۔"

"میں واقعی شرمندہ ہوں۔" محسن علی نے انکساری سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔"

"خدا خوش رکھے تم کو' مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی۔" نجمہ بیگم نے کہا پھر شاکرہ خاتون کے قریب بیٹھ گئیں۔

"خالہ جان! یہ شہناز اور نرجس کہاں غائب ہیں۔" شازیہ نے پوچھا۔

"نرجس اپنے کمرے میں ہے اور شہناز بھی غالباً وہیں ہو گی۔"

شازیہ نے بزرگوں کے پاس بیٹھنا مناسب نہیں سمجھا تھا اس لئے نرجس کی طرف چلی گئی جہاں شہناز بھی موجود تھی اور نرجس کو بنانے سنوارنے میں مصروف تھی۔ شازیہ چند لمحے دروازے پر کھڑی مسکراتی نگاہوں سے نرجس کو دیکھتی رہی جو آج خلافِ توقع کچھ زیادہ ہی حسین نظر آ رہی تھی۔ چہرے پر معصومیت اور نور برس رہا تھا۔ ہلکے پیازی رنگ کے شلوار سوٹ میں چینی کی گڑیا جیسی لگ رہی تھی۔ شازیہ دیر تک چپ نہ رہ سکی' آہستہ آہستہ قدم آگے بڑھاتے ہوئے بولی۔

"چشم بددور' دشمنوں کی آنکھوں میں خاک' آج یہ کس کے قتل کی تیاریاں ہو رہی ہیں؟"

نرجس نے پلٹ کر شازیہ کو دیکھا تو جانے کیوں شرما کر نظریں جھکا لیں۔ شہناز نے مسکراتی نظروں سے شازیہ کا استقبال کرتے ہوئے پوچھا۔

"جناب کی سواری کب آئی؟"

"زیادہ دیر نہیں ہوئی۔"

"خدا کا شکر ہے کہ تم آگئیں ورنہ میں تو سمجھ رہی تھی کہ شاید اپنی اہمیت جتانے کی خاطر حسب معمول دیر سے آؤ گی۔" شہناز نے شوخی سے کہا۔

"ارادہ تو کچھ ایسا ہی تھا لیکن محسن کو بھنک مل گئی تھی کہ یہاں ناشتے وغیرہ کا بھی

زوردار انتظام ہے اور اس لئے انہوں نے پانچ بجے ہی سے چلو چلو کی رٹ لگا رکھی تھی۔" شازیہ بولی تو شہناز کے علاوہ نرجس بھی ہنس دی۔

"تم نے خواہ مخواہ بے چارے محسن کو بدنام کر رکھا ہے کھانے کے معاملے میں۔" شہناز نے کہا تو شازیہ یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔

"اے شہناز کی بچی! خبردار۔" وہ شہناز کو گھورتے ہوئے بولی۔ "شرم نہیں آتی تجھے دوسروں کے مردوں کو بے چارہ کہتے ہوئے۔ ایسی ہی بے قراری ہے تو اپنے مردوے کو تار دے کر واپس کیوں نہیں بلا لیتی۔"

"سوچا تو تھا لیکن کفایت شعاری کے خیال سے ارادہ ترک کر دیا۔" شہناز بولی۔ "ویسے جو سچ پوچھو تو مجھے محسن صاحب سلیم کے مقابلے میں زیادہ اچھے لگتے ہیں۔ کیسی پیاری پیاری اور معصوم باتیں کرتے ہیں' ہر وقت ہنستے ہنساتے رہتے ہیں' میرے بس میں ہو تو ہر وقت اُن کے سامنے بیٹھی اُن کی پیاری پیاری باتیں سنتی رہوں اور....."

"اور تیری آنکھیں نہ پھوڑ دوں گی۔" شازیہ تیزی سے بولی۔ "بڑی آئی کہیں سے میرے میاں کی پیاری پیاری باتیں سننے والی۔"

"جو چپ رہے گی زبان خنجر' لہو پکارے گا آستیں کا۔" شہناز بڑے شاعرانہ انداز میں بولی۔ "آنکھیں تو بے معنی سی چیز ہے شازیہ بیگم! پیار کا تعلق تو براہ راست دل کی دھڑکنوں سے ہوتا ہے جہاں محبوب کا عکس دائمی طور پر نقش ہو جاتا ہے ..... جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی۔"

"اے ..... اے شہناز کی بچی!" شازیہ نے چونکتے ہوئے کہا۔ "ذرا حواسوں میں رہنا ..... میں تو سمجھی تھی کہ تُو صرف مذاق کر رہی ہے لیکن تیرے ارادے اور تیور تو سچ مچ خراب نظر آ رہے ہیں۔"

"ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا۔" شہناز نے آنکھیں بند کر کے جھومتے ہوئے کہا پھر شازیہ کو دیکھ کر ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "مجھے تم بھی بہت عزیز ہو جانِ من! اس لئے کہ تمہارے سراپا میں مجھے محسن کا عکس نظر آتا ہے۔ بقول شاعر — جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تُو ہی تُو ہے۔"

"بس' اب زبان کو تالو سے لگا لے شہناز کی بچی۔" شازیہ بگڑے ہوئے تیور سے بولی۔ "مجھے مذاق میں بھی یہ بات پسند نہیں کہ کوئی میرے محسن کے حُسن کی اس انداز میں تعریف کرے۔ خدا کی قسم اب اگر تُو نے کچھ کہا تو لڑائی ہو جائے گی۔"

"اچھا۔" شہناز نے بڑے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "تم کہتی ہو تو سہیلی ہونے کے ناتے سے دل پر پتھر رکھ کر خاموش ہوئی جاتی ہوں لیکن دل کی دھڑکنوں پر خود میرا بھی اختیار نہیں۔"

"سن رہی ہو نرجس! اس ندیدی کی باتیں۔" شازیہ نے اس بار نرجس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "کس ڈھٹائی اور بے شرمی سے میرے اکلوتے میاں کا نام لے لے کر ٹھنڈی آہیں بھر رہی ہے۔ میری مانو تو تم روزِ اوّل ہی سے عقیل کا اور اس کا پردہ کرا دینا' کیا خبر کل یہ عقیل کو دیکھے تو اس پر ریجھ جائے۔"

"کیوں شہناز!" نرجس نے مسکراتے ہوئے شہناز سے پوچھا۔

"ناممکن۔" شہناز بولی۔ "میں وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے۔ ایک بار دل کے آئینے پر جس کی تصویر بنا لی ہے' وہ اس وقت تک قائم رہے گی جب تک شیشہ چکنا چُور نہ ہو جائے اور اُس کی کرچیں وجود کو زخمی نہ کر دیں ..... لیکن زخمی ہونے کے بعد بھی ..... مرتے دم تک ..... زندگی کی آخری سانسوں تک میرے دل کی معدوم ہوتی ہوئی دھڑکنوں پر صرف ایک ہی نام رہے گا ..... محسن ..... محسن ..... محسن۔"

"تُو اس طرح نہیں مانے گی۔" شازیہ نے کہا پھر دوڑ کر شہناز سے لپٹ گئی اور اُس کے گلے پر دونوں ہاتھ جماتے ہوئے بولی۔ "اب بتا ..... تُو محسن کو کیا سمجھتی ہے؟"

"سرمایۂ حیات ..... قدرت کا حسین و جمیل عطیہ اور ..... اور محسن بھائی۔"

شہناز نے مسکراتے ہوئے محسن بھائی کہا تو شازیہ نے اس کے گلے سے ہاتھ اٹھا لئے اور پھر اطمینان کا سانس لیتے ہوئے بولی۔

"خدا کا شکر ہے کہ تُو نے محسن بھائی کہہ کر میرا وہم دور کر دیا ورنہ اس وقت تو میں نے اپنی اور تیری جان ایک کر دینے کی ٹھان لی تھی۔"

"کیا پتہ شازیہ باجی کہ شہناز نے محض اوپری دل سے بھائی کہہ دیا ہو اور اندر ہی اندر بدستور پرستش کر رہی ہو۔" نرجس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیکھ رہی ہو شازیہ!" شہناز نے شازیہ کو مخاطب کرتے ہوئے بڑی حیرت سے کہا۔ "یہ نرجس کیسی لغو باتیں کر رہی ہے' ابھی کنوارپنے میں یہ لچھن ہیں تو شادی کے بعد کیا گل کھلائیں گی؟"

"زمانے کی ہوا کا اثر ہے بہن!" شازیہ نے بڑی بوڑھیوں کا انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "آج کل کی لڑکیوں کے دیدے کا تو پانی ہی مر گیا ہے۔ نہ چہرے پر حیا باقی رہی

ہے نہ آنکھوں میں شرم۔ ایسی ایسی باتیں کرتی ہیں کہ بزرگوں کی روحیں بھی شرما جائیں گی۔"

"سچ کہہ رہی ہو آپا!" شہناز نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔ "ہم نے تو ایسی باتیں کبھی نہ دیکھیں۔ جوانی ہم پر بھی آئی تھی لیکن کیا مجال جو بزرگوں کے سامنے کبھی آنچل سر سے بھی ڈھلکا ہو یا کسی سے نظریں ملا کر گفتگو کرنے کی جرأت کی ہو۔ جو ملا کھا لیا' جو ملا پہن لیا ..... اور ایک آج کل کا زمانہ ہے ..... ناس جائے اس فیشن کا جس نے لڑکیوں کا ستیاناس مار کر رکھ دیا ہے۔"

"اے' اس میں نیشن نگوڑ مارے کا بھلا کیا قصور؟" شازیہ بولی۔ "میں کہتی ہوں بہن کہ اگر اپنا سونا کھرا ہو تو سارے زمانے کی کسوٹیاں بھی اسے کھوٹا ثابت نہیں کر سکتیں لیکن جب اپنی پیٹ کی اولاد ہی گھر کی عزت اور باپ دادا کے نام کی شہرت کو مٹی میں ملانے کے درپے ہو جائے تو کیا کیا جا سکتا ہے۔ ایسی کایا پلٹی ہے خدا کی پناہ ..... اب نرجس ہی کو لے لو' کل تک کیسا سوگوار سا چہرہ لئے' سر جھاڑ منہ پھاڑ لئے پھرتی تھی' ہونٹوں کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے چہرے پر پپڑیاں سی جم گئی ہوں اور آج یہی نرجس بی بی کیسی کھلی پڑ رہی ہیں' کیسی چیرو چار بگھار و پانچ نظر آ رہی ہیں۔ کیسا سرخی پوڈر چہرے پر تھوپ کر بیٹھی ہیں کہ آؤ سسرال والو اور مجھے پسند کر کے ڈولی میں بٹھا کر لے چلو۔"

"سب قربِ قیامت کی دلیل ہے آپا!" شہناز نے سرد آہ بھر کر کہا پھر بڑی رازداری سے بولی۔ "تمہیں تو شاید اصل بات کا پتہ ہی نہیں ہے' میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ جب عقیل کے گھر والوں نے نازلی کا بیان پڑھنے کے بعد چپ سادھ لی تھی تو نرجس بیگم نے اپنے اوپر کھانا پینا حرام کر لیا تھا' راتوں کو عقیل کی یاد میں چونک چونک کر بیدار ہوتی تھیں اور دھاڑیں مار مار کر روتی تھیں۔ سارے گھر کا جینا دوبھر کر رکھا تھا اور ایک ہی رٹ لگا رکھی تھی کہ کسی طرح پرانے رشتے کو ازسرِنو تازہ کر کے عقیل کو میرے پلو سے باندھ دیا جائے ورنہ زہر کھا کر سو رہوں گی۔ ماں باپ نے عزت کا واسطہ دیا' لاکھ سمجھایا' لاکھ منایا لیکن یہ اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئیں ..... اور تو اور ..... جب ماں باپ نے اس خیال سے چپ سادھ لی کہ بیٹی کچھ دنوں رو پیٹ کر دل کا غبار ہلکا کر لے گی تو یہ والدین کو اپنی آتشِ عشق کی شدتوں کا یقین دلانے کے لئے گھر سے فرار ہو کر اپنے تایا جان کے ہاں چلی گئیں۔"

"اللہ کی مار ایسی جوانی پر۔" شازیہ نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے پوچھا۔ "پھر کیا

ہوا؟"

"ہونا کیا تھا آپا!" شہناز نے کہا۔ "جوان لڑکی یوں گھر سے بوریا بستر لے کر رفو چکر ہو جائے تو بوڑھے والدین کی راتوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں اور چار و ناچار انہیں اولاد کی مرضی کے آگے گھٹنے توڑنے پڑتے ہیں۔ چنانچہ تمہاری خالہ جان کو بھی اپنی ضد چھوڑنی پڑی' ایک طرف امی جان اور بیگم شیرازی کو دوڑایا گیا' عقیل کے گھر والوں کے پاس کہ جا کر وہ انہیں ہموار کریں اور میں نے تو یہاں تک سنا ہے کہ پیروں فقیروں سے تعویذ گنڈے بھی کرائے گئے ہیں تب کہیں جا کر حالات سازگار ہوئے ہیں۔"

"کیوں بی بی!" شازیہ نے اس بار براہ راست نرجس کو پھٹی پھٹی نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔ "اے' ایسے کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں عقیل میں کہ تم اس کی یاد میں ریشہ خطمی ہوئی جا رہی ہو اور والدین کی عزت کا خیال بھی باقی نہ رہا۔"

"تم عزت کی بات کرتی ہو آپا! نرجس بی بی نے تو یہاں تک اعلان کر دیا تھا کہ اگر پندرہ یوم کے اندر اندر اونٹ کسی کروٹ نہ بیٹھا تو یہ عقیل کا ہاتھ تھام کر نو دو گیارہ ہو جائیں گی اور کسی دوسرے شہر میں جا کر سول میرج کر لیں گی۔" نرجس کے بجائے شہناز نے کہا تو نرجس چپ نہ رہ سکی۔

"خدا سمجھے گا تم سے شہناز۔" وہ جھینپتے لہجے میں بولی۔ "میں نے یہ کب کہا تھا۔"

"اچھا بی بی! اگر یہ نہیں کہا تھا تو جو کہا تھا وہ بتا دو۔" شازیہ نے دریافت کیا۔

"آپ دونوں سے تو اللہ ہی بچائے۔" نرجس نے مسکراتے ہوئے شازیہ سے کہا۔ "جس کا پیچھا لے لیں اُسے جان بچانی دوبھر ہو جاتی ہے۔"

"گویا تمہیں عقیل پسند نہیں ہیں۔" شہناز بولی۔ "اور تم مارے باندھے اُس کے ساتھ نکاح کرنے پر تلی بیٹھی ہو۔"

"میں نے یہ بھی نہیں کہا۔" نرجس نے جواب دیا۔ "جو تمہارے دل میں آ رہا ہے کہتی جا رہی ہو ورنہ میرا تو ان باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔"

"اسے کہتے ہیں یک نہ شد دو شد۔" شہناز تڑاک سے بولی۔ "ایک طرف تو کنگھی چوٹی کر کے بنی سنوری بیٹھی ہیں عقیل کے گھر والوں سے خود کو پسند کروانے کے لئے اور دوسری طرف کس قدر بے شرمی سے کہہ رہی ہیں کہ تعلق کسی اور سے ہے..... ذرا میں بھی تو سنوں کہ وہ دوسری ذاتِ شریف کس خوش نصیب کی ہے۔"

"شازیہ باجی!" نرجس نے تنگ آتے ہوئے شازیہ سے کہا۔ "خدارا آپ ہی میری

کچھ مدد کیجئے ورنہ یہ شہناز تو میرا جینا دوبھر کر دے گی۔"

"نہ بی بی! مجھے تو بخشو۔" شازیہ نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے جواب دیا۔ "جو عورت اپنے میاں کو ملک سے باہر روانہ کر کے دوسروں کے شوہروں میں دلچسپی لیتی پھرے اس کے منہ نہ لگنا ہی بہتر ہے ورنہ پھر یہ میرے محسن کی شان میں قصیدے پڑھنے شروع کر دے گی۔"

"ہرے....." نرجس نے نعرہ بلند کیا۔ "اب ہوئی نا ایمان کی بات۔"

"مجھے تم سے یہ امید نہیں تھی بہن!" شہناز نے شازیہ سے شکایت آمیز انداز میں کہا۔ "اتنی جلدی تمہارا خون سفید ہو جائے گا اور تم نظریں بدل لوگی' میں نے کبھی خواب میں نہ سوچا تھا۔"

غرضیکہ ہم عمر سہیلیوں میں اسی قسم کی دلچسپ چھیڑ چھاڑ جاری رہی پھر شازیہ نے پوچھا۔

"کیا خالہ جان نے ناہید کو نہیں بلایا تھا۔"

"بلایا تو تھا لیکن بیگم سجاد کی طبیعت چونکہ ناساز ہے اس لئے ناہید نے معذرت کر لی تھی۔" شہناز بولی۔

"قدرت نے اس غریب کو جن حالات کا نشانہ بنایا ہے خدا دشمن کو بھی ایسے حالات سے محفوظ رکھے۔" شازیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"سنا ہے کہ فرزین بیگم بھی آج کل سسرال والوں کے لئے دردِ سر بنی ہوئی ہیں۔" شہناز نے دبی زبان میں پوچھا۔

"ہاتھ پیر تو خیر فرزین نے شروع ہی سے نکالنے شروع کر دیئے تھے لیکن ادھر ساس کی بیماری کی وجہ سے انہیں اور کھل کھیلنے کا موقع مل گیا ہے۔"

"سچ پوچھو شازیہ تو مجھے روزِ اوّل ہی سے فراز اور فرزین کا جوڑ پسند نہیں تھا۔" شہناز نے اپنے خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "فراز کے لئے تو کوئی نازک سی حسین اور سگھڑ لڑکی ہونی چاہئے تھی۔"

"ہمارے سوچنے نہ سوچنے سے کیا ہوتا ہے۔" شازیہ نے کہا۔ "جوڑے تو قسمت سے بنتے ہیں' رہا فرزین کا سوال تو فراز کے والد اور فرزین کے باپ میں یہ رشتہ پہلے ہی سے طے تھا۔ فراز کی امی چونکہ پرانے خیال اور تہذیب کی دلدادہ ہیں اس لئے انہوں نے شوہر کی مرضی پوری کر دی۔ ویسے ایمان کی بات تو یہ ہے کہ کرنل سرفراز بذاتِ خود

انتہائی نیک اور سوجھ بوجھ کے مالک ہیں' میرا خیال ہے کہ ابھی تک انہیں حالات کا علم نہیں ہوا ہے ورنہ وہ بیٹی کو ضرور سمجھاتے اور تنبیہہ کرتے۔"

"کرنل سرفراز کے سمجھانے سے بھی کیا فرق پڑے گا۔" شہناز سنجیدگی سے بولی۔ "میں شہلا کو خوب جانتی ہوں' نہایت آزاد خیال اور بے باک قسم کی لڑکی ہے۔ والدین کی اکلوتی ہے اس لئے وہی مثل صادق آتی ہے کہ ایک تو کریلا اور وہ بھی نیم چڑھا۔ دراصل فرزین پر اسی نے اپنا سکہ جما رکھا ہے اور جب تک اس کا پتہ درمیان سے صاف نہ ہو گا' فراز بھائی کو ذہنی سکون میسر نہیں آ سکتا۔"

"تمہارا خیال کسی حد تک درست ہے' ویسے فراز بھائی کی خاموشی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنی والدہ اور ناہید کے خیال سے بات نہیں بڑھانا چاہتے' دوسرے نازلی کے بیان نے حالات کو چونکہ بڑا نازک موڑ دے دیا ہے اس لئے بھی فراز بھائی اب تک درگزر سے کام لے رہے ہیں لیکن جس روز بھی پانی سر سے اونچا ہوا اور انہوں نے پینترا بدلا' فرزین بیگم کے دماغ کے سارے کیڑے جھڑ جائیں گے۔"

"بہرحال' جو کچھ ہو رہا ہے اچھا نہیں ہو رہا۔" شہناز بولی۔ "مجھے تو سب سے زیادہ ناہید کی فکر ہے' وہ غریب بلاوجہ حالات کی چکی میں پس رہی ہے۔"

"نصیب نصیب کی بات ہے' ورنہ جو سچ پوچھو تو ناہید جیسی لڑکی اس زمانے میں چراغ لے کر بھی ڈھونڈو تو نہیں ملے گی۔"

"اس میں کیا شک ہے۔" شہناز نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ "ورنہ ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے ..... چاہتی تو دوسرا نکاح کر کے اپنا گھر بسا سکتی تھی لیکن اس نے یہ بھی گوارا نہ کیا اور سسرال کی دہلیز سے لگی بیٹھی ہے۔"

"مجھے تو واقعی ترس آتا ہے ناہید باجی پر۔" نرجس نے کہا۔ "بیچاری کو کیسے کیسے صدمے برداشت کرنے پڑ رہے ہیں۔"

"خیر بی بی! تم تو اس وقت اپنا دل میلا مت کرو۔" شازیہ نے سنجیدگی کی بساط الٹتے ہوئے کہا۔ "تمہارے سسرال والے بس کسی پل دھمکنے ہی والے ہیں' اگر آنکھوں کا کاجل پھیلا دیکھا تو نہ جانے کیا شک کر بیٹھیں گے۔"

"اللہ شازیہ باجی! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" نرجس نے جھینپتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک تو کہہ رہی ہیں شازیہ۔" شہناز نے بھی ماحول کا رنگ بدلتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "عقیل جیسے خوبصورت' جامہ زیب اور کڑیل جوان کو دیکھ کر تو کسی بھی لڑکی کی

رال ٹپک سکتی ہے۔"

"رومال پیش کروں جناب کو۔" نرجس نے برجستہ جواب دیا تو شازیہ بے اختیار ہنس پڑی۔

اور ابھی یہ چھیڑ چھاڑ جاری تھی کہ بوا کریمن نے اندر داخل ہو کر بتایا کہ عقیل کے گھر والے آ گئے ہیں چنانچہ شہناز جلدی سے باورچی خانے کی طرف دوڑی تاکہ ملازموں کو ناشتے کے سلسلے میں مزید ہدایت دے سکے۔ شازیہ نے نرجس کو کمرے میں رہنے کی تاکید کی پھر باہر آ گئی جہاں بیگم شیرازی' بیگم شہاب الدین کے علاوہ عقیل کی والدہ اور ایک اور معزز خاتون بیٹھی گفتگو میں مصروف تھیں۔

کچھ دیر تک خواتین میں اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر شاکرہ خاتون نے بڑی خوبصورتی سے اصل گفتگو کا آغاز کیا۔ بیگم شیرازی نے بات ذرا کھل کر کی اور بیگم شہاب الدین نے اپنے دیرینہ مراسم کے تحت دباؤ ڈالا تو عقیل کی والدہ نے بھی کھل کر کہہ دیا کہ نرجس انہیں دل و جان سے عزیز ہے اور عقیل کو اگر نجمہ بیگم اپنی فرزندی میں لینا قبول کر لیں تو یہ اُن کی عزت افزائی ہو گی۔ نجمہ بیگم تو خدا سے یہی چاہتی تھیں کہ یہ رشتہ کسی طرح طے ہو جائے اس لئے کہ عقیل انہیں نرجس کے لئے ہر اعتبار سے پسند تھا لیکن وہ چونکہ لڑکی کی ماں تھیں اس لئے انہوں نے فوراً ہی ہامی بھرنے سے گریز کیا اور نہایت دوراندیشی سے کام لیتے ہوئے بات شوہر پر ٹال دی۔ چنانچہ بات زنانخانے سے مردانے میں پہنچائی گئی جہاں شیخ الطاف حسین اور شہاب الدین نے مل جل کر کفیل الدین صاحب سے تاریخ طے کی اور اُس کی اطلاع اندر بھجوا دی۔

بیگم شہاب الدین نے تاریخ طے ہونے کی خوشی میں اٹھ کر نجمہ بیگم کی طرف سے عقیل کی والدہ کا منہ میٹھا کرایا تو دوسری خواتین کی جانب سے مبارک سلامت کا سلسلہ شروع ہو گیا اور باقی باتیں رسومات کے سلسلے میں طے ہونے لگیں۔ اس کے بعد شہناز نے ساس کے اشارے پر ناشتے کا اہتمام شروع کر دیا۔ ناشتے کے دوران بھی عقیل اور نرجس ہی کی باتیں ہوتی رہیں۔

ناشتے کے بعد عقیل کی والدہ جو پہلے ہی سے تیاری کر کے آئی تھیں دوسری بزرگ خواتین کے ساتھ نرجس کے کمرے میں گئیں اور اُس کی انگلی میں یاقوت کی انگشتری پہنا کر ایک سو ایک روپے سلامی کے نرجس کے ہاتھ پر رکھے اور دعائیں دیتی ہوئی رخصت ہو گئیں۔

☆------☆------☆

بیگم سجاد کی حالت سنبھلتے سنبھلتے ایک بار پھر بگڑ گئی تھی۔

فرزین کے میکے چلے جانے کے سلسلے میں ہر چند کہ فراز اور ناہید نے یہی کہا تھا کہ وہ اُن کی اجازت سے گئی ہے اور دو چار روز بعد واپس آ جائے گی لیکن بیگم سجاد کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔ وہ حالات کے گرم و سرد سے واقف تھیں' جہاندیدہ تھیں اور دل ہی دل میں خوب سمجھ رہی تھیں کہ ضرور کوئی بات ہے جو ان سے پوشیدہ رکھی جا رہی ہے اس لئے کہ اگر فرزین ہنسی خوشی میکے گئی ہوتی تو کم از کن اُن سے مل کر گئی ہوتی لیکن وہ تو بس اچانک ہی چلی گئی تھی اور اُس کے جانے کی اطلاع انہیں بہو کی زبانی ہوئی تھی اور بہو نے ہر چند اپنے جذبات اور احساسات پر قابو رکھتے ہوئے وہ خبر اُن کو سنائی تھی مگر بیگم سجاد تاڑ گئی تھیں کہ ضرور کچھ دال میں کالا ہے اور میاں بیوی میں کوئی رنجش ضرور ہوئی ہے۔

بیگم سجاد کو فرزین کے یوں اچانک چلے جانے پر جو صدمہ لاحق ہوا تھا اس کا اظہار انہوں نے زبان سے نہیں کیا لیکن اپنی گرتی ہوئی حالت کو بھی نہ سنبھال سکیں۔

فرزین کو بڑے چاؤ اور لاڈ پیار سے بیاہ کر لائی تھیں' اُن کی اس خواہش میں مرحوم شوہر کی مرضی کو بھی دخل تھا جن کی پرستش وہ آج بھی دل ہی دل میں کیا کرتی تھیں اور شوہر کی ایک دیرینہ خوشی اور آرزو کی تکمیل کی خاطر انہوں نے بہو کے انتخاب میں بہت ساری باتوں کو نظرانداز کر دیا تھا۔ فرزین کی آزاد خیالی اور بیباکانہ گفتگو کو انہوں نے یہ سوچ کر نظرانداز کر دیا تھا کہ اُس کے سر سے ماں کا سایہ اٹھ گیا تھا اور پرورش باپ نے کی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ شادی کے بعد فرزین خود کو حالات کے نئے سانچوں میں ڈھال لے گی لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔ انہیں بہو کی عادتیں اور اُس کے اطوار دیکھ کر دھچکہ لگا تھا۔ جسے وہ یہ سوچ کر بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کر گئی تھیں کہ برسوں کی عادتیں ایک دو روز میں دور نہیں ہوں گی لیکن انہیں یقین تھا کہ وقت اور ماحول کی نزاکتیں رفتہ رفتہ فرزین کو اپنی بے راہ روی کا احساس ضرور دلائیں گی اور وہ آہستہ آہستہ تبدیل ہو جائے گی مگر اُن کی یہ توقعات بھی پوری نہیں ہوئی تھیں اور اب جبکہ فرزین ان سے ملے بغیر اور پوچھے بنا میکے چلی گئی تو اُن کی رہی سہی امیدیں بھی ٹوٹ گئیں۔ سوچوں کے تمام زاویے بے معنی ہو گئے اور توقعات کے تمام بندھن جو مستقبل کی خوشیوں سے وابستہ تھے' ٹوٹ کر بکھر گئے۔

اس وقت بھی وہ اپنے بستر پر دراز نیم وا نظروں سے کھڑکی سے باہر لان کے مغربی

گوشے میں لگے ہوئے سرو کے اس بلند درخت کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں جو نہ جانے کتنی بہاریں اور خزاں کے موسم دیکھ چکا تھا لیکن آج بھی سربلند تھا البتہ اُس کے تراشیدہ پتوں کا بانکپن بدلتے موسموں اور سرد و گرم کی وجہ سے اپنی رعنائیاں کھونے لگا تھا' شاخوں پر وہ پہلی جیسی سبزی اور ہریالی باقی نہیں رہی تھی' جابجا سیاہی کے دھبے نمایاں طور پر دور ہی سے نظر آنے لگے تھے لیکن ہمیشہ کی طرح وہ آج بھی اپنی جڑوں میں ماضی اور حال سینکڑوں داستانیں چھپائے سربلند تھا البتہ کبھی کبھی مخالف ہوا کا کوئی تیز و تند جھونکا اُسے لرزیدہ کر کے گزر جاتا تھا۔

شوہر کی موت کے بعد سے سرو کا یہی درخت بیگم سجاد کی نگاہوں کا مرکز بن کر رہ گیا تھا۔ شاید اس لئے کہ اس بے زبان درخت سے ماضی کی چند خوشگوار یادیں وابستہ تھیں۔ اس درخت کو مرحوم سجاد علی نے اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا' اس کو سینچا تھا' پروان چڑھایا تھا۔ شاید اسی لئے بیگم سجاد نے شوہر کی موت کے بعد اپنی مسہری کا رخ بھی تبدیل کر دیا تھا تاکہ سرو کا وہ درخت ہمیشہ اُن کی نگاہوں کے سامنے رہے لیکن آج ..... آج نہ جانے کیوں اسی سرو کے سربلند درخت کو دیکھ کر اُن کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تھے۔ وہ سوچ رہی تھیں۔

آخر کب تک اس کی سربلندی برقرار رہے گی؟

کب تک وہ اپنی بوڑھی اور کمزور ہوتی ہوئی جڑوں پر اپنے وجود کے بوجھ کو برداشت کرتا رہے گا۔

آخر..... کب تک.....

ایک نہ ایک دن تو وہ بھی جھکنے پر مجبور ہو جائے گا۔

موسموں کے بدلتے رنگ ایک نہ ایک دن تو اُسے بھی خمیدہ کر دیں گے۔

اس کی سربلندی ..... سرنگوں ہو جائے گی۔

اور.....

اور ایک دن ایسا بھی ضرور آئے گا جب اُس کی جڑیں اُس کا ساتھ چھوڑ دیں گی.....

اُس کے وجود کے بوجھ کو برداشت کرنے سے انکار کر دیں گی.....

اس دن ..... اسی لمحے وہ ٹوٹ کر زمیں بوس ہو جائے گا.....

اُس کی سربلندی فنا ہو جائے گا.....

خشک ہو کر خاک کے ڈھیر میں ملیامیٹ ہو جائے گا۔
مٹی کے حقیر ذرات میں تبدیل ہو جائے گا.....
اور.....
اور صرف یادیں باقی رہ جائیں گی۔
یادیں..... ...
جو وقت کے ساتھ ساتھ اپنی شدتیں بتدریج کم کرتی جاتی ہیں.....
پھر.....
ماضی کے دھندلکوں میں گم ہو جاتی ہیں ..... گہنا جاتی ہیں ..... گردِ راہ بن کر فضاؤں میں بگولوں کی طرح چکراتی رہتی ہیں۔

بیگم سجاد کی پلکوں سے آنسوؤں کے دو شبنمی قطرے ڈھلک کر بستر میں جذب ہو گئے' انہوں نے ایک سرد آہ بھر کر سرو کے درخت سے نظریں ہٹالیں اور شوہر کی تصویر کو دیکھنے لگیں جو آج بھی دیوار پر آویزاں سنہری فریم میں مسکراتی نظر آرہی تھی۔ نظروں کے ساتھ ساتھ سوچوں کے زاویے بھی تبدیل ہوئے تو انہوں نے ناہید کے بارے میں غور کیا ..... کتنی باشعور' سلیقہ مند اور عظیم تھی ناہید جو زندگی کی تمام خوشیاں روٹھ جانے کے باوجود بڑی ثابت قدم نظر آتی تھی ..... وہ رشتہ جس کے دم سے وہ اس دہلیز سے وابستہ ہوئی تھی' ٹوٹ چکا تھا لیکن آج بھی وہ اسی گھر کی ایک فرد نظر آتی تھی' کیسی اپنائیت تھی اس کے اندر' کس قدر معصوم اور پُروقار تھا اُس کا وجود' بالکل برگد کے اس بوڑھے درخت کی مانند جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں تھکے ماندے مسافر بھی دو گھڑی بیٹھ جائیں تو تھکن کا ہر احساس بھول جاتے ہیں۔

منصور کی جوان موت نے اس کے یاقوتی لبوں کی تمام مسکراہٹیں چھین لی تھیں' بیوگی کا غم بخش دیا تھا' سہاگ کی ہر نشانی روٹھ گئی تھی لیکن آج تک اُس نے اپنی خدمت' اپنے طور طریقوں سے اس گھر کے کسی بھی فرد کو اپنے اور پرائے کا فرق سمجھنے کا موقع نہیں دیا تھا۔ حالات اور ماحول سے مفاہمت اختیار کر لی تھی۔ وقت کے تقاضوں کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا تھا اور دوسروں کی خوشی کی خاطر خود بھی مسکراتے رہنے کی عادت سی ڈال لی تھی۔

بیگم سجاد کا دل بھر آیا۔ خون کے قطرے دل کی گہرائیوں سے امڈ امڈ کر آنسوؤں کی شکل میں پلکوں تک آتے رہے اور چہرے کی جھریوں کے نشیب و فراز سے ڈھلک ڈھلک

کر بستر میں جذب ہوتے رہے۔ وہ فراز کے بارے میں سوچنے لگیں۔ فراز ..... جو ان کی خوشیوں کا آخری مرکز تھا' منصور کی موت نے جس کے ناتواں کاندھوں پر گھر اور دفتر کی تمام ذمہ داریوں کا بوجھ ڈال دیا تھا' بے حد مصروف کر دیا تھا ..... بیگم سجاد نے اپنے خاندان کے اس آخری سرمائے کو پھلتا پھولتا دیکھنے کی آرزومند تھیں۔ ان ہی آرزوؤں کی تکمیل کی خاطر انہوں نے فراز کا گھر بسایا تھا۔ مرحوم شوہر کے خوابوں کے خاکے میں فرزین کا رنگ بھر کر اپنے گھر کی عزت بنا لیا تھا اور فراز کی ان باتوں کو قطعی نظرانداز کر دیا تھا جو اس نے فرزین سے رشتہ ہونے سے قبل کی تھیں اور پھر ماں کی خواہش اور ان کے حکم کے آگے سر جھکا کر نہایت سعادت مندی سے فرزین سے شادی کرنے پر رضامند ہو گئے تھے۔ بیگم سجاد اُس وقت اولاد کی فرماں برداری پر پھولی نہیں سمائی تھیں لیکن آج ..... آج انہیں غلطی کا بڑی شدت سے احساس ہو رہا تھا اور یہی احساس انہیں اندر ہی اندر گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا' کھوکھلا کئے دے رہا تھا۔

وہ سوچ رہی تھیں کہ فراز کی خواہش کو اپنے حکم تلے روند کر انہوں نے اچھا نہیں کیا' انہیں اولاد کی خوشیوں کا احترام کر لینا چاہئے تھا' ناہید کی عظمتیں دیکھی بھالی تھیں ..... اس کی بلندیاں پرکھی ہوئی تھیں ..... وہ زندگی کے ہر امتحان میں قسمت کی محرومیوں کے باوجود سرفراز رہی تھی ..... ہر کسوٹی نے اسے کھرا سونا ثابت کیا تھا' اگر فراز سے اُس کی شادی ہو جاتی تو اس میں حرج بھی کیا تھا۔ اس طرح فراز کی خواہش کی تکمیل بھی ہو جاتی اور ناہید کی ویران زندگی میں پھر سے بہار آجاتی۔ ناہید اور فراز کا جوڑا یقیناً ایک مثالی جوڑا ثابت ہو سکتا تھا لیکن ..... لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا' جو ہونا تھا ہو چکا تھا' تقدیر کو جو زخم عنایت کرنے تھے وہ بخشے جا چکے تھے' اب صرف ان زخموں کی ٹیس کو ہنس ہنس کر برداشت کرنے کی عادت ڈالنی تھی اور خاندان کی عزت کے بھرم اور ساکھ کو برقرار رکھنا تھا۔ قدرت اور حالات نے فراز اور ناہید کے درمیان فرزین کی صورت میں جو خلیج پیدا کر دی تھی وہ کسی طور پاٹی نہیں جا سکتی تھی اس لئے کہ فراز کی شادی بیگم سجاد کی مرضی سے ہوئی تھی اور وہ اس رشتے کو توڑنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں۔ آج تک ان کے پورے خاندان میں طلاق کا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا تھا پھر وہ بھلا اس سلسلے میں کیسے سوچ سکتی تھیں۔

بیگم سجاد کی بوڑھی آنکھوں سے اشک رواں تھے کہ ناہید ہاتھوں میں یخنی کا پیالہ اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔ بیگم سجاد اپنے خیالوں میں غرق تھیں اس لئے بہو کو نہ

دیکھ سکیں۔ ناہید نے ساس کی آنکھوں کو نمناک دیکھا تو چہرے کی ساری تازگی یکلخت رخصت ہو گئی۔ جلدی سے یخنی کا پیالہ رکھ کر قریب گئی' آہستہ سے آواز دی۔

"امی حضور!"

"کون؟" بیگم سجاد اس طرح چونکیں جیسے کچی نیند سے بیدار ہوئی ہوں۔ ناہید کو دیکھا تو جلدی سے آنسو خشک کرتے ہوئے بولیں۔ "تم کب آئیں کمرے میں' مجھے ذرا آہٹ بھی محسوس نہیں ہوئی۔"

"آپ رو رہی تھیں امی حضور!" ناہید نے بڑی اپنائیت اور سادگی سے پوچھا۔

"نہیں تو بیٹی!" بیگم سجاد نے بڑی شفقت سے ناہید کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب بٹھاتے ہوئے کہا۔ "آنکھیں دکھ رہی تھیں شاید پانی بہہ رہا ہو۔"

"میں نہیں مان سکتی امی حضور! آپ کو میری قسم جو کوئی بات چھپائیں۔" ناہید بولی۔ "بتایئے نا' کیا سوچ رہی ہیں آپ؟"

"اپنی قسم دوبارہ مت دینا ناہید!" بیگم سجاد نے سنجیدگی اور پیار کے ملے جلے انداز میں کہا۔ "تم نہیں جانتیں کہ میں تمہیں کتنا عزیز رکھتی ہوں۔"

"اگر یہ بات ہے تو پھر بتایئے کہ آپ کیوں آزردہ تھیں؟"

"میں ..... میں فرزین کے بارے میں سوچ رہی تھی ناہید بیٹی!" بیگم سجاد حسرت بھری آواز میں بولیں۔ "مجھے اس بات کا ملال ہے کہ وہ مجھ سے ملے بغیر چلی گئی۔"

"اس میں ایسی پریشانی کی کیا بات ہے جو آپ بلاوجہ اپنا جی ہلکان کر رہی ہیں۔" ناہید نے کہا۔ "دو ایک دن میں فرزین آ جائے گی تو میں اُسے سمجھا دوں گی کہ وہ آپ سے ملے بغیر نہ جایا کرے۔"

"مجھے احساس ہے کہ تم میرا کتنا خیال رکھتی ہو۔" بیگم سجاد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مریض کو بہلانے کی خاطر تیمارداری کرنے والے اکثر یہی انداز اختیار کرتے ہیں لیکن یہ بہلاوے بڑے عارضی ہوتے ہیں ناہید بیٹی!"

"میں سمجھی نہیں امی حضور!" ناہید نے بھولپن سے انجان بننے کی کوشش کی۔

"میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکی کہ فرزین کو اس گھر میں کیا تکلیف ہے یا اُسے مجھ سے یا فراز سے کیا شکوہ ہے؟"

"لیکن....."

"میں ماں ہوں ناہید بیٹی!" بیگم سجاد نے ناہید کی بات کاٹتے ہوئے حسرت بھرے

لہجے میں کہا۔ "اور ایک ممتا بھرے دل کی دھڑکنیں کبھی جھوٹ نہیں بولتیں۔ کیا تم میرے سر پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتی ہو کہ فرزین کے میکے جانے میں اُس کے اور فراز کے درمیان پیدا ہونے والی کسی رنجش کو دخل نہیں ہے۔"

ناہید نے ساس کو ایک نظر غور سے دیکھا' دروغ گوئی کی جرأت نہ کر سکی تو نظریں نیچی کر کے ہونٹ کاٹنے لگی۔

"بیٹی!" بیگم سجاد نے دبی زبان میں پوچھا۔ "کیا تمہیں علم ہے کہ فرزین اور فراز کے درمیان کیا رنجش ہے؟"

"میں یقین سے نہیں کہہ سکتی امی حضور!"

"پھر بھی ..... تم نے کچھ نہ کچھ اندازہ تو لگایا ہی ہو گا۔"

"میرا اندازہ ہے کہ فرزین اور فراز کے درمیان خیالات کی ہم آہنگی کا فقدان ہے لیکن یہ کوئی ایسی تشویشناک بات بھی نہیں' آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" بیگم سجاد سرد آہ بھر کر بولیں پھر دبی زبان میں کہا۔ "تم بھی تو فرزین کی طرح اس گھر کی عزت بن کر آئی تھیں ..... ہو سکتا ہے کہ منصور اور تمہارے درمیان بھی کسی وجہ سے اختلاف پیدا ہو گئے ہوں لیکن خدا گواہ ہے کہ نازلی منحوس کے بیان سے قبل مجھے کسی ایسی بات کا شبہ تک نہیں ہوا تھا' تم نے کبھی مجھے شکایت کا موقع نہیں دیا بلکہ جس انداز میں اس گھر کی عزت کو اپنایا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے ..... فرزین کو تم سے سبق حاصل کرنا چاہئے تھا۔"

"آپ اپنے ذہن پر زیادہ بوجھ نہ ڈالیں امی حضور! میں آپ کے لئے یخنی تیار کر کے لائی ہوں' اٹھ کر اسے پی لیں پھر آرام کریں۔" ناہید نے بات کو ٹالنے کی خاطر کہا اور یخنی کا پیالہ لے کر دوبارہ بڑے چاؤ سے اُن کے قریب بیٹھ گئی۔ بیگم سجاد نے بہو کی خوشی کی خاطر یخنی چمچے کے ذریعے پینی شروع کر دی لیکن ان کا ذہن بدستور بہو میں الجھا ہوا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ فرزین ہم سے دوری کی خواہشمند ہے۔" بیگم سجاد نے یخنی کا پیالہ خالی کرتے ہوئے کہا۔ "کچھ بہوویں ایسی ہوتی ہیں جو ساس نندوں کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتیں' ممکن ہے اس بات کا اظہار اُس نے فراز پر بھی کیا ہو اور فراز نے جواب میں پلٹ کر اُسے کوئی سخت بات کہہ دی ہو۔"

"آپ کو فی الحال صرف سکون اور آرام کی ضرورت ہے۔" ناہید نے ساس کو دوبارہ

آرام سے بستر پر لٹاتے ہوئے کہا۔ "اس طرح اگر آپ نے ذہن پر زور دیا تو خدانخواستہ آپ کی طبیعت پر بُرا اثر پڑے گا۔"

"ایک بات پوچھوں بیٹی!" بیگم سجاد نے کچھ توقف سے کہا۔

"ضرور پوچھئے امی حضور!" ناہید نے یخنی کا برتن ہٹاتے ہوئے جواب دیا پھر سرہانے بیٹھ کر ساس کی کشادہ پیشانی کو آہستہ آہستہ سہلانے لگی۔

"فرزین نے جاتے وقت تم سے کچھ تو کہا ہو گا۔"

"جی ہاں' اُس نے کہا تھا کہ دو چار روز باپ کے ساتھ رہ کر واپس آ جائے گی۔"

"اور کچھ ..... میرا مطلب ہے کہ فرزین نے اپنی اچانک روانگی کی کوئی وجہ بھی بتائی ہو گی۔"

"جی نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔"

"فراز نے کچھ بتایا۔"

"میں نے فراز کو کریدنے کی کوشش نہیں کی تھی۔" ناہید بولی۔ "آپ کی بیماری اور کام کی زیادتی کی وجہ سے فراز پہلے ہی الجھے الجھے رہتے ہیں۔"

بیگم سجاد نے فوری طور کوئی جواب نہیں دیا' چند لمحے پُرخیال انداز میں چھت کو تکتی رہیں پھر بولیں۔

"اگر فراز اپنی بیوی کو لے کر کسی دوسری جگہ رہیں تو اس میں بظاہر کوئی حرج بھی نہیں ہے ..... خسرو باغ والی کوٹھی کے کرائے دار جانے والے ہیں' میں خود فراز سے کہوں گی کہ وہ اس کوٹھی کو اپنے اور فرزین کے لئے ٹھیک کرالیں۔"

"آپ چاہیں تو مشورہ دے کر دیکھ لیں لیکن مجھے یقین ہے کہ فراز بڑی خوبصورتی سے ٹال جائیں گے اور کسی قیمت پر آپ سے علیحدہ نہیں ہوں گے۔" ناہید بولی۔

"چاہتی تو میں بھی یہی ہوں کہ فرزین کے یہاں زچگی اسی گھر میں ہو اور فراز کی خوشیاں دیکھ لوں لیکن....."

"امی حضور!" ناہید نے ساس کے چہرے پر تردد کے اثرات پھیل کر گہرے ہوتے دیکھے تو اُن کی بات کاٹتے ہوئے بولی۔ "کیا آپ کو فراز سے' مجھ سے' فرزین سے اور اس گھر کی خوشیوں میں اضافہ کرنے والے مہمان سے کوئی محبت نہیں ہے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو ناہید! تم نے یہ اندازہ کیسے لگا لیا کہ مجھے تم لوگوں سے محبت نہیں ہے۔" بیگم سجاد نے حیرت سے پوچھا۔

"اگر میری بات آپ کو ناگوار گزری ہے تو میں دست بستہ معافی کی خواستگار ہوں۔" ناہید نے جلدی سے وضاحت کرتے ہوئے جواب دیا۔ "میرا مقصد یہ تھا امی حضور کہ ہم سب کو آپ کی ضرورت ہے' اس لئے آپ خوش رہنے کی کوشش کیا کریں اور اپنی صحت کو دیگر تمام باتوں پر افضل سمجھا کریں۔ میں تو خدا سے یہی دعا کرتی ہوں کہ وہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر تاقیامت قائم رکھے اور ..... اور خاص طور پر میرے لئے' اس لئے کہ آپ کے سوا میرا کون باقی رہ گیا ہے۔"

ناہید کی آواز آخری جملے کی ادائیگی کرتے ہوئے بھرائی تو بیگم سجاد نے جلدی سے کہا۔

"ایسا کیوں سوچتی ہو بیٹی! خدا سلامت رکھے تمہارے والدین کو' وہ جو موجود ہیں اور ابھی تو میں بھی زندہ ہوں۔"

"مجھ سے وعدہ کیجئے امی حضور کہ آئندہ آپ کبھی کسی بات کا اثر دل پر نہیں لیں گی۔" ناہید بڑی معصومیت سے بولی۔

"جو بات اپنے اختیار کی نہ ہو اُس کا وعدہ کیسے کیا جا سکتا ہے۔" بیگم سجاد نے کہا۔ "البتہ یہ وعدہ کرتی ہوں کہ جو بات دل میں ہو گی تم سے ضرور کہہ ڈالوں گی۔"

"میرے لئے یہ بھی بہت ہے۔"

"تمہارا وجود میرے لئے اور اس گھر کے لئے ایک اہم اور بنیادی ستون کی حیثیت رکھتا ہے ناہید بیٹی!" بیگم سجاد نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے تم سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں اور مجھے یقین ہے کہ میرے بعد تم ایک بزرگ کی حیثیت سے اس گھر اور ہمارے خاندان کے وقار کی حفاظت کرو گی۔"

"امی حضور! آپ نے شروع کر دیں پھر وہی باتیں۔" ناہید نے بڑی معصوم خفگی سے کہا۔ "کیا آپ چاہتی ہیں کہ اب میں بھی رونا شروع کر دوں۔"

"تم کیوں روؤ ..... روئیں تمہارے دشمن۔ تم تو میری بڑی اچھی اور پیاری سی بیٹی ہو۔" بیگم سجاد نے ہاتھ اٹھایا تو ناہید نے جلدی سے جھک کر اپنا سر ساس کے سینے پر رکھ دیا اور بیگم سجاد بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولیں۔ "خدا تمہیں ہمیشہ شاد و آباد رکھے' ہمیشہ خوش رکھے۔"

"اور آپ کا شفیق سایہ ہمارے سروں پر تاقیامت قائم رکھے۔" ناہید نے اپنا سر اٹھاتے ہوئے بڑے بھولپن سے کہا۔

"اچھا بھئی ..... اگر خدا کو تمہاری دعا منظور ہوئی تو میں تمہارے لئے قیامت تک زندہ رہوں گی۔" بیگم سجاد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا تو ناہید بھی کسی تازہ اور شگفتہ پھول کی مانند کھل اٹھی اور بے اختیار محبت اور اپنائیت کی شدتوں سے مغلوب ہو کر ایک بار پھر ساس کے سینے سے لپٹ گئی۔

بڑی دیر تک دونوں میں پیار و محبت کی باتیں ہوتی رہیں پھر ناہید ساس کو دوپہر کا کھانا کھلا کر اور دوا پلا کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ ساس کی باتیں رہ رہ کر اُس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔ اپنی معصوم باتوں سے اُس نے وقتی طور پر بیگم سجاد کے دکھ کو ہلکا کر دیا تھا لیکن وہ جانتی تھی کہ جو صدمہ اُن کو لاحق ہو گیا ہے وہ اس وقت تک دور نہیں ہو سکتا جب تک فرزین خود اپنی کوتاہیوں کی تلافی نہ کر لے۔ خاصی دیر تک وہ فراز اور فرزین کے درمیان پیدا ہونے والی کشیدگیوں کے بارے میں غور کرتی رہی پھر نیند کا ایک جھونکا آیا اور اُس کے تھکے ہوئے ذہن کو سکون بخشنے کے لئے اپنی آغوش میں سمیٹ کر دنیا و مافیہا سے بے خبر کر گیا۔

☆======☆======☆

شام کو فراز قدرے دیر سے دفتر سے لوٹے تھے' بجھے بجھے سے دکھائی دے رہے تھے' لباس تبدیل کر کے انہوں نے ملازم سے چائے کو کہا پھر ماں کے کمرے کی طرف جانے لگے تو ناہید سے راستے میں ٹکراؤ ہو گیا' وہ ساس کے کمرے سے نکل کر باورچی خانے کی سمت جا رہی تھی' فراز کو دیکھا تو رک گئی۔ فراز نے بھاوج کو دیکھ کر مسکرانے کی کوشش کی لیکن اس کرب کے نشانات نہ مٹا سکے جو چہرے پر دل و دماغ کی ترجمانی کر رہا تھا۔ ناہید نے فراز کو پریشان دیکھا تو خود بھی ایک لمحے کو ہول گئی۔

"تم کب آئے فراز!" اُس نے اپنے اضطراب کو چھپاتے ہوئے پوچھا۔ "میں بہت دیر سے تمہاری راہ تک رہی تھی۔"

"ابھی آیا ہوں۔" فراز سنجیدگی سے بولے۔ "دفتر میں کچھ مصروفیات بڑھ گئی تھیں۔"

"چائے پی؟"

"ملازم سے کہہ دیا ہے۔" فراز نے کہا پھر پوچھا۔ "امی حضور کی طبیعت کیسی ہے؟"

"معمولی سا افاقہ ہے لیکن....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"لیکن کیا؟" فراز نے جلدی سے پوچھا۔ "خدانخواستہ کہیں آپ مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہی ہیں۔"

"نہیں ..... ایسی تو کوئی خاص بات نہیں ہے ..... آؤ' ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔ تمہارے انتظار میں ابھی تک میں نے بھی چائے نہیں پی۔" ناہید نے کہا۔ پھر عبدل کو آواز دے کر چائے ڈرائنگ روم میں لانے کی تاکید کی اور قدم آگے بڑھا دیئے۔

فراز نے ایک ثانئے کو کچھ سوچا پھر تھکے تھکے قدم اٹھاتے وہ بھی ناہید کے پیچھے پیچھے ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ ناہید کی بات نے انہیں اندر سے اور الجھا دیا تھا' یقیناً کوئی بات تھی جو وہ اُن سے کہنا چاہتی تھی۔ شاید اسی لئے اس نے ڈرائنگ روم میں چائے پینے کی تجویز پیش کی تھی۔ فراز نے ازخود کریدنا مناسب نہیں سمجھا' صوفے پر خاموش بیٹھے رہے۔

"کس سوچ میں گم ہو؟" کچھ توقف کے بعد ناہید نے سوال کیا۔

"آج تھکن کا احساس کچھ زیادہ ہے اس لئے چپ ہوں ..... اور کوئی بات نہیں۔" فراز نے خود کو سنبھالتے ہوئے جواب دیا۔

"فرزین نے کب تک آنے کو کہا ہے۔" وہ آہستہ سے بولی۔ "اُسے میکے گئے دو روز ہو گئے ہیں' اس کے بغیر گھر سُونا سُونا لگتا ہے' کوئی فون بھی نہیں کیا' فرزین نے۔"

"فرزین کی مرضی پر منحصر ہے۔" فراز سنجیدہ ہو گئے۔ "جاتے وقت بھی اُس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا۔"

"میکے جانے کی اجازت تو لی ہو گی۔" ناہید نے پوچھا۔

"نہیں۔" فراز بدستور سنجیدہ تھے۔ "شاید اُس نے ضرورت محسوس نہ کی ہو۔"

"کیا مطلب؟" ناہید نے انجان بننے کی خاطر چونکتے ہوئے دریافت کیا۔ "کیا تمہارے اور فرزین کے درمیان کوئی بات ہوئی تھی؟"

فراز نے کوئی جواب نہیں دیا' صوفے سے ٹک کر خلاء میں گھورنے لگے۔

"لیکن تم نے تو امی حضور سے کہا تھا کہ وہ تم سے پوچھ کر دو چار روز کے لئے میکے گئی ہے۔" ناہید نے کہا۔

"اور آپ نے میری بات کی تصدیق بھی کی تھی۔" فراز بولے۔ "کیا آپ نے بھی محض امی حضور کا دل رکھنے کی خاطر میرے جھوٹ پر صداقت کی چھاپ نہیں لگائی تھی۔"

"میرا خیال تھا کہ تم نے ٹھیک ہی کہا ہو گا۔"

ناہید نے جلدی سے کہا پھر ملازم چائے لے کر آ گیا تو وہ اپنے اور فراز کے لئے چائے بنانے لگی۔ فراز چپ چپ بیٹھے خلاؤں میں نہ جانے کیا تلاش کر رہے تھے۔ وہ دزدیدہ نظروں سے اُن کے چہرے کے تاثرات پڑھتی رہی پھر چائے کا کپ اُن کی جانب بڑھاتے ہوئے اُس نے ملازم کے جانے کے بعد دوبارہ فراز کو کریدنے کی خاطر دبی زبان میں پوچھا۔

"کیا فرزین سے کچھ اَن بن ہو گئی ہے؟"

"ابھی صرف ابتدا ہوئی ہے۔" فراز نے چائے کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے جواب دیا۔

"بات کیا ہوئی تھی؟"

"وہ امی حضور اور آپ کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔" فراز نے بغیر کسی تمہید کے بڑے سپاٹ انداز میں کہا۔ "علیحدہ رہنے کا مطالبہ کرتی رہتی ہیں۔"

"اور تم نے ایک اتنی سی بات پر فرزین کو ناراض کر دیا۔" ناہید نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر فرزین نے علیحدہ اپنا ایک گھر بنانے کی فرمائش کی ہے تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے' تمہیں اس کی بات پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے تھا۔ یا پھر امی حضور کی بیماری ختم ہونے تک اس مطالبے کو ٹال دیا ہوتا۔"

"آپ کا کیا خیال ہے ..... کیا میں عام حالات میں بھی فرزین کے مطالبے پر غور کر سکتا تھا؟"

"مرد اور عورت کے نظریات میں بڑا فرق ہوتا ہے فراز!" ناہید نے بزرگوں جیسے لہجے میں جواب دیا۔ "تمہاری جگہ اگر میں ہوتی تو شاید میں بھی امی حضور سے علیحدگی کا تصور نہیں کر سکتی تھی لیکن اگر ٹھنڈے دل سے غور کرو تو فرزین بھی اپنی جگہ حق بجانب ہے' تم اسے عام لڑکیوں سے الگ تو نہیں کر سکتے۔ دنیا کی ہر لڑکی کی خواہش ہوتی ہے کہ اُس کا اپنا علیحدہ ایک گھر ہو' جہاں اُس کی اپنی ملکیت ہو' اپنا راج ہو' ہر چیز پر اُس کا مکمل اختیار ہو' وہ ہو ..... اُس کا اپنا رفیق سفر ہو اور زندگی کے اس طویل سفر پر کوئی دوسرا روک ٹوک کرنے والا نہ ہو ..... یہ فطری باتیں ہیں فراز! اور فرزین تو ابھی بالکل بچہ ہے' بالکل معصوم۔ اگر اس کی ماں زندہ ہوتی تو اور بات تھی' وہ فرزین کو حالات کے نشیب و فراز اور زمانے کی اونچ نیچ کا احساس دلا سکتی تھی لیکن....."

"لیکن وہ اتنا بچہ بھی نہیں ہیں کہ حالات کی نزاکتوں کو بھی محسوس نہ کر سکیں۔" فراز تیزی سے بولے۔ "کیا اُن کو اتنا احساس بھی نہیں ہے کہ اس گھر پر کیا قیامتیں ٹوٹی ہیں ..... کیا امی حضور کی بیماری بھی اُن کو نظر نہیں آ سکی ..... اور ..... کیا وہ اس گھر' اس خاندان کا ایک حصہ نہیں ہیں ..... اگر ہیں تو پھر اُن کو بھی وقت کی نزاکتوں کا خیال رکھنا چاہئے تھا۔ معاف کیجئے گا بھابی! میں آپ کی عزت کرتا ہوں' قدر کرتا ہوں لیکن فرزین کے سلسلے میں آپ نے جو صفائی پیش کرنے کی کوشش کی ہے اُسے تسلیم نہیں کر سکتا ..... اور ..... اور کچھ ایسی باتیں بھی ہیں جن کا ذکر نہیں کرنا چاہتا۔"

"اور کیا باتیں ہو سکتی ہیں؟" ناہید نے دل کی اچانک تیز ہوتی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے بڑی معصومیت سے کہا۔ "ابھی تمہاری اور فرزین کی شادی کو دن ہی کتنے گزرے ہیں۔"

"میرے ذہن سے سوچئے تو شاید صدیاں بیت گئی ہیں۔" فراز بڑے کرب سے بولے پھر خالی پیالی کو ہاتھ بڑھا کر ٹرالی پر رکھ دیا۔

"تمہیں فرزین کے دوسرے پہلوؤں کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہئے۔" ناہید نے کہا۔ "وہ اس وقت جس حالت میں ہے اُس میں اکثر لڑکیاں ذہنی طور پر بے حد چڑچڑی ہو جاتی ہیں لیکن یہ اثرات وقتی ہوتے ہیں۔ آنے والی خوشیاں ماضی کے تلخ واقعات کو یکسر مٹا دیتی ہیں' حالات کو ٹھنڈے دل سے سمجھنے کی کوشش کرو۔ مجھے کم سے کم تم سے تو اتنی طفلانہ باتوں کی توقع کبھی نہیں تھی۔"

"بھابی!" فراز نے ناہید کو بغور دیکھتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ "ایک بات پوچھوں۔"

"پوچھو۔" وہ جواب میں مسکرا دی۔

"اگر فرزین آپ کی جگہ ہوتی تو اس وقت کہاں ہوتی۔"

"فراز!" ناہید کی مسکراہٹ یکدم ہی معدوم ہو گئی' تڑپ کر بولی۔ "میری بات اور ہے۔"

"اور کیوں ہے؟" فراز جذباتی بن گئے۔ "کیا آپ بھی فرزین ہی کی طرح عورت نہیں ہیں' کیا آپ کے سینے میں دل نہیں ہے؟"

"فراز!" وہ سسک اٹھی۔

"فراز بھی ایک انسان ہے بھابی!" فراز کے لہجے میں زخموں کی ٹیس ابھر آئی۔ "اُس نے تو کبھی کسی کی دل آزاری نہیں کی' ہمیشہ ہنستا ہنساتا رہا۔ پھر..... پھر دوسرے

کے گناہوں کا کفارہ اسے کیوں ادا کرنا پڑ رہا ہے ..... وہ حالات کی چکی میں کیوں پس رہا ہے ..... آخر کیوں ..... کس لئے؟"

"شاید اس لئے کہ قدرت کو یہی منظور تھا۔" ناہید خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔ "قدرت کو جو منظور ہوتا ہے وہ ہر حال میں پورا ہو کر رہتا ہے۔"

"پھر ..... آپ مجھے نصیحتیں کیوں کر رہی ہیں؟ قدرت کو جو منظور ہے اُسے پورا ہونے دیجئے۔" فراز زہرخند سے بولے۔ "تاریخ اگر اپنے آپ کو دہرا رہی ہے تو دہرانے دیجئے ..... ہمیں قدرت کی خوشنودی کی خاطر آغاز کو نظرانداز کر کے صرف انجام پر نظر رکھنی چاہئے۔"

"فراز!" ناہید خود کو نہ سمیٹ سکی تو بکھر گئی۔

"جی!" فراز نے تلخ لہجے میں کہا۔ "کیا حکم ہے میرے لئے؟"

"اگر ہو سکے تو فرزین کو سمجھا بجھا کر واپس لے آؤ۔"

"اگر اُس نے انکار کر دیا تو بات اور خراب ہو جائے گی۔" فراز نے ناہید کی خاطر دبی زبان میں جواب دیا۔

"تمہیں اس وقت اپنی انا سے زیادہ امی حضور کی بیماری کا خیال رکھنا چاہئے۔" ناہید بولی۔ "انہیں اس بات کا ملال ہے کہ فرزین اُن سے ملے اور پوچھے بغیر چلی گئی۔ ہم نے انہیں مطمئن کرنے کے لئے اپنی سی کوشش ضرور کی ہے لیکن یہ مت بھولو کہ وہ ماں ہیں اور ماں کی ممتا کو اگر ٹھیس پہنچ جائے تو ایک معمولی سا زخم بھی ناسور بن جاتا ہے۔ جھوٹے بہلاووں سے دنیا کے تمام رشتوں ناتوں کو تو بہلایا جا سکتا ہے لیکن ماں کے دل کی دھڑکنوں کو مطمئن نہیں کیا جا سکتا۔"

"بھابی!" فراز بیمار سے لہجے میں بولے۔ "کیا امی حضور کو حالات کا علم ہو گیا ہے؟"

"علم نہیں صرف اندازہ ہوا ہے اور یہ اندازے اگر غلط ثابت نہ کئے گئے تو بعد کے پچھتاوے زندگی کے لئے بڑے اذیتناک بن جائیں گے۔"

فراز نے جواب نہیں دیا' ہونٹ چباتے اٹھے اور زخم خوردہ انداز میں ٹہلنے لگے۔ چہرے پر دل کے سارے درد سمٹ آئے تھے۔ ناہید نے احساسات کو جو نیا رنگ دیا تھا اُس کی کرناک پرچھائیاں اُن کے چہرے پر بھڑکتی آگ کے شعلوں کی طرح کپکپا رہی تھیں' دل و دماغ میں جو جنگ جاری تھی وہ آنکھوں میں نمودار ہونے والی سرخیوں سے عیاں تھی۔ جانے کس کشمکش سے دوچار تھے۔

ناہید انہیں حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ عظمتوں کے وہ ستون جو اُس کے وجود کو سربلندی عطا کئے ہوئے تھے' لرزہ براندام ہو رہے تھے۔ آج سے پہلے اُس نے فراز کو کبھی اتنا اداس' اتنا پریشان' اتنا الجھا ہوا نہیں دیکھا تھا ایک لمحے کو اُس نے اپنے دل کی دھڑکنوں پر غور کیا تو سر تا پا لرز اٹھی۔ ماضی کے دھندلکوں سے ایک ہیولا ابھرنے لگا۔ خواہشات' امیدیں اور آرزوئیں جو وقت اور حالات سے سر ٹکرا ٹکرا کر فنا ہو گئی تھیں' سسک سسک کر دم توڑ چکی تھیں' جانے کیسے زندگی کا سراغ پھر سے تلاش کرنے لگیں۔ اس کا دل چاہا کہ فراز کے سارے دکھوں کو اپنا لے' ان کے ہونٹوں کی کپکپاہٹوں کو نوچ ڈالے' آنکھوں میں ابھرنے والی ان سرخیوں کو کھرچ ڈالے جو غموں اور دکھوں کی ترجمان تھیں اور دنیا جہان کی جتنی خوشیاں' جتنی مسرتیں اور قہقہے ممکن ہوں سمیٹ کر فراز کی جھولی میں ڈال دے۔

بس ایک لمحے کو اُس کے دل میں جانے کیسے کیسے حسین خواب ابھرے تھے' کتنے ادھورے خوابوں نے تکمیل کی آرزو میں سر ابھارنے کی سعی کی تھی لیکن وہ فوراً ہی سنبھل گئی' ماضی کا گلا گھونٹ کر حال میں واپس آ گئی۔ دل کی دھڑکنوں کو سنبھالا' فراز کو گھورتی ہوئی ٹھوس آواز میں بولی۔

"لمحوں کی قدر کرنا سیکھو فراز! لمحے ایک بار گزر جائیں تو واپس پلٹ کر نہیں آتے۔"

"بھابی!" فراز نے پلٹ کر اُسے دیکھا' کچھ کہنا چاہا لیکن زبان نے ساتھ نہ دیا تو تڑپ کر بے بسی کا شکار نظر آنے لگے۔

"میں جانتی ہوں فراز کہ فرزین نے جو کچھ کیا ہے اُس سے تمہارے لطیف احساسات کو ٹھیس پہنچی ہے لیکن امی حضور کی خاطر تمہیں حالات اور وقت کی رفتار کے ساتھ مفاہمت کرنی پڑے گی۔" اُس نے فراز کو بڑے خلوص سے سمجھانے کی کوشش کی۔ "فرزین کو جا کر واپس لے آؤ ..... وہ ابھی ناسمجھ ہے لیکن تم تو ناسمجھ نہیں ہو ..... اسے سمجھانے کی کوشش کرو' پیار و محبت سے حالات کا احساس دلاؤ۔ مجھے یقین ہے کہ تمہاری محبت اُسے اپنی روش بدلنے پر اکسا سکتی ہے۔"

"اگر یہ آپ کا حکم ہے تو میں انکار نہیں کر سکتا۔" فراز مضمحل لہجے میں بولے' آواز میں غموں کی شدتیں شامل تھیں۔

"مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی۔"

"میں کوشش کروں گا کہ فرزین میری خاطر نہ سہی کم از کم امی حضور کی خاطر آ جائے ..... رہا مستقبل کی خوشیوں کا تعلق تو جس درخت پر ایک بار بجلی گر جائے وہ دوبارہ کبھی سرسبز نہیں ہو سکتا۔" فراز کے لہجے میں ٹوٹے دل کی پکار تھی۔

"اتنی جلدی مایوس مت ہو فراز!" ناہید بولی۔ "فرزین اب بھی سنبھل سکتی ہے بشرطیکہ تم اُسے سہارا دو اور....."

"اور میں یہ بھی سمجھ رہا ہوں کہ اگر وہ میرے ساتھ نہ آئی تو امی حضور کے دل پر اس بات کا بہت گہرا اثر ہو گا۔" فراز تیزی سے بولے۔

"اگر تم مناسب سمجھو تو میں جا کر اسے واپس لے آؤں' مجھے یقین ہے کہ وہ میرا کہا نہیں ٹالے گی۔"

"نہیں ..... میں آپ کا وہاں جانا مناسب نہیں سمجھتا۔"

"کیوں؟" ناہید نے پوچھا۔

"اس لئے کہ امی حضور کی خاطر میں تو اُس کے سامنے جھک سکتا ہوں لیکن آپ کی سربلندیوں کو میں کسی قیمت پر سرنگوں نہیں ہونے دوں گا۔" فراز نے اداس لہجے میں کہا۔ "پہلے بھی جو کچھ ہوا ہے آپ ہی کے حکم پر ہوا ہے اور آئندہ بھی وہی ہو گا جو آپ چاہیں گی۔"

"میں جانتی ہوں۔" ناہید نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔ "لیکن اتنا خیال رکھنا کہ بھرم ایک بار ٹوٹ جائے تو اس کا دوبارہ قائم کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے۔"

"میں اپنے لب سی لوں گا' درگزر کی عادت ڈال لوں گا لیکن آپ کو کبھی کسی شکایت کا موقع نہ دوں گا۔"

"ایک بات پوچھوں فراز!" ناہید نے دبی زبان سے کہا۔

"آپ کو ہر بات کا اختیار ہے بھابی!"

"کیا فرزین سے تمہاری صرف علیحدہ رہنے کے مسئلے پر اَن بن ہوئی تھی؟"

"میرا خیال ہے کہ کھل کر وہ اس سے زیادہ آگے بڑھنے کی جسارت کبھی نہ کر سکے گی۔" فراز گہری سنجیدگی سے بولے۔ "یہ اور بات ہے کہ وہ اپنے ذہن و دماغ میں وسوسوں کو پروان چڑھاتی رہے اور پاکیزگی کو اپنے شکوک و شبہات کی گھٹیا اور رکیک بنیادوں پر پرکھتی رہے لیکن ایک بات یقینی ہے ..... جس روز مجھے ان باتوں کا شبہ بھی ہو گیا وہ دن اس گھر اور اس چھت کے نیچے فرزین بیگم کا آخری دن ہو گا۔"

"فراز!"

"کچھ جذبے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا تعلق انسان کی صرف اپنی ذات اور اپنی سوچ سے ہوتا ہے' ان جذبوں میں وہ کسی اور کی دخل اندازی اور مداخلت پسند نہیں کرتا۔ اس لئے میں معذرت خواہ ہوں۔" فراز بڑے ٹھوس لہجے میں بولے۔ "وقت اور حالات نے ان جذبوں کو جو رنگ دیا ہے' وہ مجھے اپنی زندگی' اپنی ذات اور اپنے وجود سے بھی زیادہ عزیز ہیں' ان مقدس اور پاکیزہ جذبوں کے سربلند مینار صرف اس روز سرنگوں ہو سکتے ہیں جس دن میں اور میرا وجود ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ اس سے پہلے دنیا کی کوئی قوت ان جذبوں کو کوئی نقصان' کوئی گزند نہیں پہنچا سکتی۔ میں آپ سے بھی ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتا ہوں کہ میرے اور ان جذبوں کے درمیان کبھی کوئی حتمی حکم نہ صادر کیجئے گا ورنہ ..... شاید ان جذبوں کو ٹھیس پہنچے اور اگر وہ ڈھے گئے تو پھر میں خود اپنی نظروں میں اتنا گر جاؤں گا کہ پھر کوئی طاقت میرے وجود کو سہارا نہ دے سکے گی ..... یہ میری التجا ہے اور مجھے قوی امید ہے کہ آپ میری اس ادنیٰ سی خواہش کو رد نہیں کریں گی۔"

"صرف اس شرط پر کہ تم فرزین کو ابھی جا کر اپنے ساتھ لے آؤ گے۔" ناہید نے بڑی معصومیت سے کہا' فراز کی باتوں نے اُس کے دل و دماغ پر جو اثر کیا وہ ان تاثرات کو بڑی خوبصورتی سے درگزر کر گئی تھی۔

"میں اپنی سی بھرپور کوشش کروں گا۔" فراز نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔ "امی حضور کی خاطر مجھے سب کچھ منظور ہے' خواہ اس کے لئے مجھے اپنی سطح سے گرنا ہی کیوں نہ پڑے۔"

"قبل از وقت ایسی باتیں نہیں سوچا کرتے فراز!" ناہید کے لب و لہجے میں بزرگی کا انداز آ گیا۔ "بُری بات ہے۔ اس طرح تو انسان خود اپنے ماحول کے اطراف ایسی دھند پیدا کر لیتا ہے جو گھٹن کا احساس دلانے لگتی ہے اور وہ خود اپنے آپ سے دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ تم تو خاصے دلیر اور بہادر تھے' یہ اچانک اتنی مایوسیوں کی باتیں کیوں کرنے لگے؟"

"امی حضور نے ٹھیک ہی کہا تھا۔" فراز بولے۔ "آپ حقیقتاً عظمتوں کا وہ بلند اور روشن مینار ہیں جس کے وجود سے اس گھر میں روشنی برقرار ہے۔"

"بہت خوب۔" ناہید مسکرا دی۔ "تم نے تو اب فلسفے میں بھی خاصی سوجھ بوجھ حاصل کر لی ہے۔"

"یہ بھی حالات اور وقت کی کرشمہ سازیاں ہیں۔"

"اور چائے پیو گے ..... بناؤں؟" ناہید نے بڑے خلوص سے پوچھا۔

"جی نہیں ..... فی الحال تو خواہش نہیں ہو رہی۔"

"اچھا تو پھر جلدی سے لباس تبدیل کرو' گاڑی نکالو اور مسکراتے ہوئے جاؤ اور فرزین کو پیار سے سمجھا بجھا کر واپس اپنے ساتھ لے آؤ۔" ناہید نے کہا۔ "میں اتنی دیر امی حضور کے پاس بیٹھتی ہوں۔"

فراز نے اثبات میں گردن کو ذرا سی جنبش دی' آہستہ سے اٹھے' ناہید کو بڑی عقیدت بھری نظروں سے دیکھا پھر نظریں جھکائے چھوٹے قدموں سے اپنے کمرے کی سمت واپس چلے گئے۔

ناہید بدستور ڈرائنگ روم میں بیٹھی فراز کی باتوں پر غور کرتی رہی۔ پھر جب فراز کے گاڑی اسٹارٹ کرنے کی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ ذہن میں گڈمڈ ہوتے خیالات کو جھٹک کر اٹھی اور بیگم سجاد کی خوابگاہ کی طرف چلی آئی۔

☆======☆======☆

قصر حامد آج بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔

نجمہ بیگم کی مرادیں بر آئی تھیں اس لئے انہوں نے بیٹی کی شادی میں دونوں ہاتھوں سے خرچ کیا تھا۔ پوری کوٹھی برقی قمقموں کی روشنی سے جگمگ جگمگ کر رہی تھی۔ باہر شامیانے میں مردوں کے لئے بندوبست کیا گیا تھا اور کوٹھی کے لان پر قناتیں لگا کر اُسے خواتین کے لئے مخصوص کر دیا گیا تھا۔ سفید لباس میں ملبوس بیرے مہمانوں کی تواضع کے لئے اِدھر اُدھر چکراتے پھر رہے تھے۔ زنان خانے کا سارا انتظام شہناز نے اپنے سر لے لیا تھا لیکن خود نجمہ بیگم بھی پھرکی کی طرح سارے گھر میں ناچتی پھر رہی تھیں۔

قدرت نے آج اُن کے دل کی مراد پوری کی تھی اس لئے وہ بے انتہا مسرور نظر آ رہی تھیں اور بات بات پر کھلی پڑ رہی تھیں۔ اُن کا ہاتھ بٹانے کے لئے جہاں اور عورتیں تھیں وہاں قریبی رشتے کے پیش نظر بیگم شہاب الدین بھی پیش پیش تھیں۔ شام کے پانچ بجے جب سارے انتظام مکمل ہو گئے تو نجمہ بیگم اپنی سمدھن کو لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئیں' جہاں ناہید اور شازیہ پہلے ہی سے جھاڑ پونچھ میں مصروف تھیں۔ نجمہ بیگم نے ناہید کو بڑی محبت بھری نظروں سے دیکھا پھر بڑے پیار سے بولیں۔

"ناہید بیٹی! کیا گھر کی ملازمائیں نہیں تھیں جو تم اور شازیہ کام میں جتی ہوئی ہو؟"

"میں نے کام ہی کیا کیا ہے چچی جان!" ناہید نے نہایت سادگی سے جواب دیا۔ "ایک ذرا سا سامان کی تھوڑی سی ترتیب ہی تو بدلی ہے۔"

"اور اسی ایک ذرا سے کام کرنے میں نہ جانے کتنی بار یہ بھی کہہ چکی ہیں کہ میری تو کمر ٹوٹ گئی۔" شازیہ نے دبی زبان میں کہا۔

"یہ جملہ میں نے کہا تھا؟" ناہید نے شازیہ کے سفید جھوٹ پر اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ہو سکتا ہے بوا کریمن نے کہا ہو ..... لیکن مجھے آواز تمہاری ہی جیسی لگی تھی۔" شازیہ نے نہایت معصومیت سے جواب دیا۔

"خدا تم دونوں کی جوڑی ہمیشہ سلامت رکھے' جہاں مل بیٹھتی ہو محفل کو گلزار بنا دیتی ہو۔" نجمہ بیگم نے شازیہ کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا پھر ناہید کی سمت دیکھتے ہوئے بولیں۔ "اب جا کر ذرا تم دونوں بھی اپنا حلیہ درست کر لو اور نرجس کے پاس جا کر بیٹھو' کوئی کام ہو گا تو میں آواز دے لوں گی۔"

"جی اچھا۔" ناہید نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔

"خالہ جان!" شازیہ نے نجمہ بیگم سے پوچھا۔ "برات کس وقت آئے گی۔"

"مغرب کے بعد کا وقت طے ہوا ہے لیکن ایسے موقعوں پر دیر سویر بھی ہو جاتی ہے ..... کیوں' کیا کوئی خاص بات ہے؟"

"جی نہیں ..... یونہی پوچھ رہی تھی۔" شازیہ بولی۔

"تمہاری ساس کی طبیعت اب کیسی ہے ناہید بیٹی!" اس بار بیگم شہاب الدین نے ناہید کو مخاطب کیا۔

"پہلے سے کچھ افاقہ ہے۔" ناہید نے آہستہ سے جواب دیا۔

"خدا اُن کا سایہ تمہارے اور فراز کے سروں پر ہمیشہ دائم و قائم رکھے' بڑی نیک اور شریف خاتون ہیں۔" بیگم شہاب الدین نے کہا پھر پوچھا۔ "تم اب نرجس کی شادی میں آئی ہو تو دو ایک دن تو رہو گی نا۔"

"یہ گھر بھی میرا اپنا ہے خالہ جان! لیکن اگر میں رک گئی تو امی حضور پریشان ہوں گی۔" ناہید بولی۔ "میں اُن سے کہہ کر آئی تھی کہ نرجس کی رخصتی کے بعد واپس آ جاؤں گی۔"

"اسی خیال کے پیش نظر تو میں نے بھی تمہاری بات تسلیم کر لی ہے ورنہ بھلا یہ کیسے ممکن تھا کہ بہن کی خوشی میں تم کھڑے کھڑے آ کر واپس چلی جاتیں۔" نجمہ بیگم نے ناہید کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ "خدا تمہیں خوش رکھے۔"

"اپنی ساس سے میرا دست بستہ سلام کہہ دینا۔" بیگم شہاب الدین نے ناہید کی پاکیزگی کو دل ہی دل میں سراہتے ہوئے بڑی اپنائیت سے کہا۔ "ذرا نرجس اپنے گھر چلی جائیں تو پھر کسی وقت فرصت سے آؤں گی۔"

"کیا آپ بھی امی حضور سے واقف ہیں؟" ناہید نے معصومیت سے پوچھا۔

"الہ آباد میں بھلا کون ایسا ہو گا جو مرحوم سجاد علی کے گھرانے کو نہ جانتا ہو۔" بیگم شہاب الدین نے کہا۔ "براہِ راست تو میں بیگم سجاد سے واقف نہیں ہوں لیکن اب چونکہ

تم نے خالہ کہا ہے اس لئے تمہاری ساس کی مزاج پُرسی کے لئے آنا میرے اوپر بھی فرض ہو گیا ہے۔"

"اور نرجس کے رشتے سے بھی ناہید سے آپ کا تعلق نکلتا ہے۔" شازیہ بولی۔

"کیوں نہیں بیٹی! اسی طرح تو آپس میں ایک دوسرے سے تعلقات استوار ہوتے ہیں۔" بیگم شہاب الدین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے شرمندگی ہے جو پہلے بیگم سجاد سے ملنے نہیں گئی' اب ضرور جاؤں گی۔"

شازیہ اور ناہید کمرے سے باہر نکل کر لباس تبدیل کرنے کے ارادے سے جا رہی تھیں تو سامنے سے سلیم آ گئے۔ شازیہ سے نگاہیں چار ہوئیں تو سلیم نے نظریں جھکا لیں۔

"آپ کب واپس آئے لندن سے سلیم بھائی!" ناہید نے پوچھا۔

"دو روز قبل ہی آیا ہوں اور آتے ہی نرجس کی شادی کے کاموں میں الجھ گیا' ورنہ تمہاری طرف ضرور آتا۔" سلیم نے معذرت طلب انداز میں کہا۔

"لندن پسند آیا آپ کو؟" ناہید نے یونہی دریافت کر لیا۔

"کاروبار کے سلسلوں میں مصروف تھا اس لئے لندن دیکھنے کا زیادہ موقع نہیں ملا۔ ویسے دور کے ڈھول سہانے والی مثل لندن پر بھی صادق آتی ہے۔ بظاہر تو مجھے وہاں ایسی کوئی نمایاں بات نظر نہیں آئی جس کی تعریف کی جا سکے۔"

"اب کیا ارادہ ہے آپ کا؟" ناہید نے دبی زبان میں پوچھ لیا۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"میرا مطلب یہ تھا کہ نرجس کی شادی کے بعد واپس لندن جانے کا ارادہ ہے یا یہیں رہیں گے؟"

"اس کا دار و مدار ابا جان کی مرضی پر منحصر ہے۔" سلیم نے نہایت سعادت مندی سے جواب دیا۔

"ناہید! تم نرجس کے پاس چلو میں ذرا سلیم صاحب سے دو دو ہاتھ کر کے آتی ہوں۔" شازیہ نے کہا تو ناہید مسکراتی ہوئی نرجس کے کمرے کی سمت چلی گئی۔ کوریڈور میں صرف سلیم اور شازیہ رہ گئے تو سلیم دوبارہ نظریں نیچی کرتے ہوئے بولے۔

"میں آپ لوگوں کا بے حد شکر گزار ہوں۔"

"وہ کس سلسلے میں؟" شازیہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"مراد خاں کی گرفتاری کے سلسلے میں محسن بھائی نے میرے لئے جو کچھ کیا ہے وہ

میں تاقیامت نہیں بھول سکتا۔"

"تمہیں کس نے بتایا؟"

"ابا جان نے مجھے تمام حالات سے باخبر کر دیا ہے۔" سلیم نظریں نیچی کئے ہوئے بولے۔ "جو کچھ ہو چکا ہے میں اس پر سخت نادم ہوں۔"

"آئندہ کے لئے تم نے کیا سوچا ہے؟" شازیہ نے پوچھا۔ "کیا پھر ان ہی راستوں پر چلنے کا ارادہ ہے جس نے تمہیں اپنے ملک سے اور عزیز و اقارب سے دور کر دیا تھا ..... تمہارے گھر اور سسرال والوں کو جو صدمے برداشت کرنے پڑے وہ علیحدہ ہیں۔"

"میں نادم ہوں۔" سلیم نے ندامت سے کہا۔ "آئندہ آپ لوگوں کو میری طرف سے شکایت کا کوئی موقع نہیں ملے گا۔"

"مجھے تم سے اسی جواب کی توقع تھی۔" شازیہ بولی۔ "جو کچھ ہو چکا اُسے یکسر فراموش کر کے از سرِ نو حالات کو اپنے حق میں سنوارنے کی کوشش کرو ..... عزت و ناموس بڑی چیز ہے سلیم صاحب! تمہیں اپنے خاندانی وقار کا خیال بھی رکھنا ہو گا۔"

"میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں شازیہ باجی کہ اب کسی غلط راستے پر قدم نہیں اٹھاؤں گا۔" سلیم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"محسن سے ملے تھے؟"

"جی ہاں لیکن تفصیل سے کوئی بات نہیں ہو سکی۔"

"نرجس کی شادی سے نپٹ لو پھر میری طرف آنا' مجھے تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔"

"میں ضرور حاضر ہوں گا۔" سلیم نے نظریں اٹھا کر بڑے خلوص بھرے لہجے میں کہا۔ "بھلا اپنے محسنوں کو کیسے بھول سکتا ہوں۔"

"مجھے تمہارا یہ انداز بھی کچھ اچھا نہیں لگ رہا' جہاں اپنائیت ہو وہاں غیریت کی باتیں اچھی نہیں لگتیں' شہناز سے میرے تعلقات سگی بہنوں جیسے ہیں' تمہیں اس کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔"

"میں کوشش کروں گا کہ اپنے طرزِ عمل سے اپنی سابقہ خامیوں کا کفارہ ادا کر سکوں۔"

"اور مجھے یقین ہے کہ تم اپنی کوششوں میں ناکام نہیں ہو گے۔"

سلیم جواب میں کچھ کہنا چاہتے تھے کہ شہناز آ گئی' شازیہ کو اپنے شوہر کے ساتھ

گفتگو کرتے دیکھا تو قدم اٹھاتی قریب آ گئی۔ "یہ جنابہ یہاں اکیلے میں کھڑی میرے میاں سے کیا راز و نیاز فرما رہی ہیں؟" شہناز نے شازیہ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"ماضی کی کچھ حسین یادوں کو تازہ کر رہی تھی۔" شازیہ رومانٹک بن گئی۔

"شرم نہیں آتی تجھے۔" شہناز غرائی۔ "کس دیدہ دلیری سے میرے سامنے ماضی کی حسین یادوں کی بات کر رہی ہے۔"

"کیوں سلیم صاحب! میں غلط تو نہیں کہہ رہی؟" شازیہ نے سلیم کو گھورتے ہوئے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"جی ..... میں سمجھا نہیں۔" سلیم سٹپٹا گئے۔

"گھبرائیے نہیں۔" شازیہ نے بڑی شوخی سے کہا۔ "میں شہناز کو یہ ہرگز نہیں بتاؤں گی کہ آپ لندن میں کیا گل کھلا کر واپس آئے ہیں۔"

"مان نہ مان' میں تیرا مہمان۔" شہناز نے شازیہ کی شرارت کو محسوس کرتے ہوئے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ "تجھے کیا پڑی ہے میرے میاں کے بارے میں سوچنے کی' میں جانوں اور وہ ..... رہا گل بوٹے کھلانے کا معاملہ تو تم کون ہوتی ہو دوسروں کے گھریلو معاملات میں ٹانگ پھنسانے والی ..... واہ بوا واہ ..... ایک تو چوری اور اوپر سے سینہ زوری۔ اپنے میاں کو تو باہر مردانے میں چھوڑ آئیں اور یہاں زنان خانے میں کھڑی چوری چوری دوسرے مردوں کے ساتھ ماضی کی حسین یادیں تازہ کر رہی ہیں ..... اچھا صلہ دیا ہے تم نے مجھے بہن بنا کر۔"

"تم غلطی سمجھ رہی ہو شہناز!" سلیم جلدی سے بولے۔ "شازیہ باجی تو....."

"آپ چپ رہئے جی۔" شہناز نے شوہر کو گھورتے ہوئے کہا۔ "ایک تو جوتیوں سمیت آنکھوں میں گھسنے کی کوشش فرما رہے تھے' پکڑے گئے رنگے ہاتھوں تو کیسی معصومیت سے فرما رہے ہیں کہ شازیہ باجی تو....."

"اب جانے بھی دو بہن!" شازیہ بولی۔ "جب اپنا سکہ ہی کھوٹا نکل جائے تو دوسروں سے شکوہ کرنے سے کیا حاصل؟"

"سکہ کھوٹا ہو گا تیرا ..... خبردار جو میرے سامنے میرے اکلوتے میاں کو بُرا بھلا کہنے کی کوشش کی۔"

اسی لمحے باہر سے شیخ حامد حسین کی آواز سنائی دی تو شہناز جلدی سے شازیہ کا ہاتھ تھام کر نرجس کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ سلیم چند ثانیئے اپنی جگہ کھڑے شازیہ کی باتوں

پر غور کرتے رہے پھر ندامت سے سر جھکا کر باہر چلے گئے۔

نصف رات تک قصر حامد کے ہنگامے اپنے پورے شباب پر رہے پھر جب نرجس کی رخصتی کا وقت آیا تو بڑی بوڑھیوں کی دیکھا دیکھی لڑکیوں پر بھی سنجیدگی طاری ہو گئی۔ نجمہ بیگم بیٹی کو سہارا دے کر دولہا کی گاڑی تک لے آئیں پھر افشاں سے دمکتی پیشانی پر رخصتی بوسہ لے کر نرجس کو گاڑی میں بٹھا دیا۔ بینڈ والوں نے رخصتی دھن چھیڑی تو ماحول پر ایک عجیب سی خوشگوار اداسی کا رنگ چھا گیا۔ دولہا کی ماں نے آگے بڑھ کر نجمہ بیگم سے جانے کی اجازت چاہی تو نجمہ بیگم کی پلکوں پر تھمے تھمے آنسو بے اختیار ابل پڑے' سمدھنوں کے درمیان کچھ رسمی گفتگو ہوئی پھر عقیل کی والدہ بھی گاڑی میں بہو کے پہلو سے لگ کر بیٹھ گئیں۔ شیخ حامد حسین قریب کھڑے بیٹی کی جدائی کا منظر دیکھ رہے تھے' عقیل اُن سے اجازت لے کر اور ساس کو سلام کر کے گاڑی میں بیٹھے تو پھولوں سے لدی مہکتی کار حرکت میں آئی' بینڈ پر رخصتی کی دھن نے شدت اختیار کر لی' ہر نظر دولہا کی گاڑی پر مرکوز تھی جو آہستہ آہستہ قصر حامد کے صدر دروازے سے نکل رہی تھی۔

ایک منزل کو الوداع کہہ رہی تھی۔

دوسری منزل کی جانب رواں دواں تھی۔

ایک نیا گھر بسانے کے لئے ..... ایک نئی زندگی کا آغاز کرنے کے لئے

ایک گھر کی خوشیاں ..... دوسرے گھر کی مسرتوں میں اضافہ کرنے کے لئے رخصت ہو رہی تھیں۔ ایک مہمان الوداع ہو رہا تھا۔

ایک نئی دنیا آباد کرنے کی خاطر.....

نئی دنیا ..... جس کا حسین تصور دنیا کی ہر نوجوان لڑکی کو گدگداتا ہے .....

سہانے سہانے خوابوں کی وادیوں میں سیر کراتا ہے۔

آج ..... ان ہی خوابوں کا آغاز ہو رہا تھا۔

☆======☆======☆

فراز کے جانے سے فرزین دوبارہ سسرال واپس آ گئی تھی لیکن ناہید کے سمجھانے بجھانے پر فراز نے اپنے طرز عمل میں جو نرمی اور لچک پیدا کی تھی اُس نے فرزین کو کچھ اور خودسر اور مغرور کر دیا تھا' اُس کا خیال تھا کہ فراز اس کے بغیر خوش نہیں رہ سکتے اور پوری طرح حُسن کی بارگاہ میں عشق سرنگوں ہو گیا ہے اور اس یقین نے فرزین کو ان حالات پر اور زیادہ حاوی ہو جانے کا درس دیا جنہوں نے فراز کو بیوی کے آگے جھکنے پر

مجبور کر دیا تھا۔

بیگم سجاد کو بہو کے واپس آ جانے کی خوشی ضرور تھی لیکن وہ جانتی تھیں کہ جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے' وہ سب دکھاوا ہے' بناوٹ ہے' سراب ہے' نگاہوں کا فریب ہے مگر وہ سب کچھ سمجھنے بوجھنے کے باوجود خود کو اس فریب میں مبتلا کئے ہوئے تھیں اس لئے کہ اسی فریب سے فراز کی زندگی وابستہ تھی۔ اسی فریب سے اس خاندانی وقار کا بھرم بھی برقرار تھا جسے وہ شوہر کی موت کے بعد سے آج تک اپنے ناتواں ہاتھوں سے سمیٹے بیٹھی تھیں۔ وہ جانتی تھیں کہ اگر اس حسین فریب کا بھرم ٹوٹ گیا تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ گھر سکون' خاندان کا وقار اور عزت و ناموس کا وہ شیرازہ بھی جسے انہوں نے اپنے خونِ جگر سے سینچا تھا' پروان چڑھایا تھا۔

ایک بار منصور کی جوان موت نے ان کے بوڑھے وجود کو ڈانواں ڈول کیا تھا لیکن فراز کے سہرے کی تمنا نے اُن کے ڈگمگاتے وجود کو سہارا دیا تھا۔ دوسری بار نازلی کے عدالتی بیان نے کشتیٔ حیات کے پتوار ان کے ہاتھوں سے چھین لئے تھے اور بھنور کے پھیروں میں پھنس کر وہ بے حال ہو گئی تھیں۔ نازلی نے اُن کے خاندانی وقار پر جو کاری ضرب لگائی تھی اس کا گھاؤ ابھی تک دل کی گہرائیوں پر نقش تھا' دوسروں کی خوشیوں کی خاطر بیگم سجاد نے اس مہلک زخم کو دل کے نہاں خانوں میں سجا لیا تھا جس کی ٹیسیں آج بھی اُن کی تنہائیوں کو ڈستی رہتی تھیں' کچوکے لگاتی رہتی تھیں لیکن جب ناہید' فراز یا فرزین سامنے ہوتے تو وہ اپنے بے جان ہونٹوں پر سہمی سہمی مسکراہٹیں سجا لیتی تھیں۔ زندگی گزارنے کا ایک بہانہ تلاش کر لیا تھا' اس امید پر کہ آنے والے کل کی خوشیاں شاید ماضی کی تلخیوں کو گرد آلود کر دیں۔

کتنی تمناؤں' کتنی آرزوؤں اور کتنے خلوص سے انہوں نے فراز کے سر پر سہرا باندھا تھا' کیسے ارمان سے فرزین کو بہو بنا کر لائی تھیں۔ فرزین کو بہو بنانے کا خواب مرحوم سجاد علی نے دیکھا تھا' بیگم سجاد نے نہایت سلیقے سے ان خوابوں میں زندگی کے سارے ہی رنگ بھر دیئے تھے۔ شوہر کے ادھورے خوابوں کی تکمیل کے بعد انہیں کیسا سکون ملا تھا' وہ ان خوابوں کو زندگی کا حاصل سمجھ رہی تھیں۔ ہزاروں امیدیں وابستہ کر بیٹھی تھیں لیکن فرزین نے سسرال کی دہلیز عبور کرتے ہی اپنا جو رنگ دکھایا تھا ان رنگوں کی شوخیوں نے بیگم سجاد کی تمام امیدوں کو دھندلا دیا تھا۔

تمنائیں ایک ایک کر کے دم توڑتی گئیں.....

آرزوئیں سینے کی گہرائیوں میں سسکتی رہیں.....
امیدیں خاک ہو گئیں.....
اور مستقبل کے خواب ایک ایک کر کے ٹوٹتے رہے.....
بکھرتے رہے.....
کرچیوں میں تبدیل ہوتے رہے.....

اور جس روز فرزین اُن سے اجازت لئے اور ملے بغیر اپنے میکے چلی گئی اس روز تو خوابوں کی کرچیں نیزے کی اَنی بن کر بیگم سجاد کے دل میں ترازو ہو گئی تھیں۔ ابھی ایک بیٹے کی موت کا غم باقی تھا کہ دوسرے بیٹے کی پامال ہوتی خوشیوں کا سوال سامنے آ گیا اور اُن کا کمزور وجود آندھی کی شدتوں کی زد میں آئے ہوئے کسی معصوم اور ناتواں پودے کی مانند کانپ اٹھا۔ وہ ماں تھیں' فراز اُن کی زندگی کا آخری چشم و چراغ تھے' وہ اُسے روشن دیکھنا چاہتی تھیں اس لئے انہوں نے ناہید کے ذریعے حالات کو سنوارنے کی کوشش کی۔ فرزین واپس آ گئی تو مستقبل کی دم توڑتی خوشیوں نے پھر سے ممتا بھرے دل میں کلبلانا شروع کر دیا۔ انہوں نے فرزین کو اپنے کمرے میں بلوایا۔ فرزین اپنے چہرے پر فتح مندی کی مسرتیں سجائے اُن کے کمرے میں داخل ہوئی۔ دل پر جبر کر کے ساس کو سلام کیا پھر ذرا دور ایک خالی کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"آپ کی طبیعت اب کیسی ہے امی حضور!"

"تم آ گئی ہو تو طبیعت بھی سنبھل گئی ہے۔" بیگم سجاد نے بزرگی کو بالائے طاق رکھ کر بڑی اپنائیت سے کہا۔

"فراز نے آپ کی علالت کا احساس دلایا اس لئے چلی آئی ورنہ....." فرزین نے جملہ مکمل نہیں کیا' وہ بوڑھی ساس کو اپنی حیثیت اور اپنی برتری کا احساس دلانا چاہتی تھی۔

"مجھے تم سے اسی بات کی توقع تھی فرزین بیٹی!" بیگم سجاد بہو کا جواب سن کر دل مسوس کر رہ گئیں لیکن زبان پر شیرینی رچائے ہوئے بولیں۔ "تم نے بڑی ذہانت اور دوراندیشی کا ثبوت دیا ہے ورنہ دنیا والے تو ذرا ذرا سی باتوں کا بتنگڑ بنا دیتے ہیں' زمانے کی زبان پر بھلا کون ہاتھ رکھ سکا ہے۔"

"مجھے دنیا والوں سے زیادہ اپنی انا کا خیال ہے۔" فرزین تیوری پر بل ڈال کر بولی۔ "فراز نے میرے ساتھ ناروا سلوک کیا تھا۔"

"وہ نادان ہے بیٹی! لیکن تم تو سمجھدار ہو۔" بیگم سجاد نے بہو کی پیشانی شکن آلود دیکھی تو اور نرم پڑ گئیں۔ "میاں بیوی کے درمیان تو نوک جھونک ہوتی ہی رہتی ہے لیکن عقلمندی کا تقاضہ یہی ہے کہ بات گھر کی چاردیواری سے باہر نہ نکلے ..... اسی میں خاندان کا بھرم بھی برقرار رہتا ہے اور گھر کی عزت بھی۔"

"آپ پرانے زمانے کی باتیں کر رہی ہیں ..... اب زمانہ بدل چکا ہے۔" فرزین تیزی سے بولی۔ "بیوی اگر میاں کی زیادتیاں برداشت کرتی رہے تو پھر میاں صاحب اُسے گھر کی لونڈی سمجھنے لگتے ہیں' اٹھتے بیٹھتے حکم چلاتے ہیں اور ..... اور اپنی من مانی کرنے لگتے ہیں۔"

"میں فراز کو کسی وقت سمجھاؤں گی فرزین بیٹی!" بیگم سجاد نے دل کی ڈانواں ڈول دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "وہ پہلے ایسا نہیں تھا' ہو سکتا ہے بھائی کی موت اور میری علالت نے اُسے الجھا دیا ہو۔ پھر بھی' اسے تمہارا خیال رکھنا چاہئے تھا' میں بات کروں گی اُس سے۔"

"آپ کی مرضی لیکن فراز مجھے جو حیثیت دینا چاہتے ہیں وہ اس میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔" فرزین ٹھوس لہجے میں بولی۔

"تمہارا غصہ ابھی تک نہیں اترا۔" بیگم سجاد بڑے پیار سے بولیں۔ "جو ہو چکا' اسے بھول جاؤ فرزین بیٹی! میں یقین دلاتی ہوں کہ آئندہ تمہیں فراز سے کوئی شکایت نہیں ہو گی۔"

"مجھے فراز سے براہ راست کوئی شکایت نہیں ہے۔" فرزین نے حقارت سے جواب دیا۔ "جو کچھ ہو رہا ہے اس کے ذمہ دار اور لوگ ہیں۔"

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" بیگم سجاد نے حیرت سے سوال کیا' بیمار دل کی دھڑکنیں کچھ اور بے ترتیب ہو گئیں۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں ..... لیکن آپ کو شاید ابھی ان باتوں کی خبر نہیں ہوئی جن سے میں باخبر ہو چکی ہوں۔" فرزین ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی۔

"مجھے بتاؤ بیٹی! آخر بات کیا ہے؟"

"بات بہت بڑی ہے امی حضور!" فرزین نے ساس کی نمناک نظروں میں جھانکتے ہوئے زہرخند سے کہا۔ "آپ کا بوڑھا ذہن اور علیل وجود شاید اس راز کے بوجھ کو برداشت نہ کر سکے۔"

"فرزین!" بیگم سجاد کا پورا وجود کانپ اٹھا۔

"ابھی ان باتوں کا وقت نہیں آیا۔" فرزین نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "جب وقت آئے گا تو میری زبان بھی بند نہ رہے گی۔"

"بیٹی!" بیگم سجاد نے سہمے لہجے میں پوچھا۔ "کیا تم مجھے بھی نہیں بتاؤ گی کہ فراز سے کیا غلطی سرزد ہو گئی ہے۔"

"آپ فی الحال اپنے علاج معالجے پر توجہ دیں۔" فرزین لاپرواہی سے بولی۔ "رہا فراز کا معاملہ تو مجھ پر چھوڑ دیں' میں جب تک ان سے منسوب ہوں وہ میرے حقوق پر ڈاکہ نہیں مار سکیں گے۔"

"میاں بیوی کا رشتہ بڑا نازک ہوتا ہے فرزین! تم ابھی بچی ہو' ان باتوں کو نہیں سمجھ سکو گی۔" بیگم سجاد نے بہو کی تیوری پر آئی سلوٹوں کو بغور محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "شیشے میں ایک بار بال آ جائے تو اُس کی خوبصورتی دوبارہ واپس نہیں آتی۔ ابھی ابتدا ہے اور خیر سے تمہاری گود بھی ہری ہونے والی ہے' اس گھر کی ویرانیاں جب معصوم قہقہوں اور بھولی بھولی باتوں سے گونجیں گی تو خزاں کی جگہ بہاریں لے لیں گی۔ تم عورت ہو ..... عورت چاہے تو مرد کو اپنی محبت سے مٹھی میں کر سکتی ہے ..... تلخیاں دور ہو سکتی ہیں ..... بس' ایک ذرا سی سوجھ بوجھ کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"اور اگر عورت سر جھکا کر اور نظریں نیچی کر کے بھی اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کرے تو مرد اُسے خودسری سے تعبیر کرتا ہے' بے شرمی اور بے وفائی کا طعنہ دیتا ہے۔" فرزین نے نفرت سے جواب دیا۔ "گستاخی معاف امی حضور! میں فراز کے مقابلے میں اتنی گری پڑی اور گئی گزری بھی نہیں ہوں کہ اُن کی جائز و ناجائز کو شربت کے گھونٹ کی طرح حلق کے نیچے اتارتی رہوں۔ کبھی آپ فراز کو بھی یہ مشورہ ضرور دیں کہ وہ بھی اپنے رویے میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کریں۔"

"میں فراز کو ضرور تنبیہہ کروں گی بیٹی لیکن ..... ایک درخواست تم سے بھی کروں گی۔"

"فرمایئے۔" فرزین نے تیکھی نگاہوں سے بیمار ساس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"تمہیں بھی اپنے اندر تھوڑی سی لچک پیدا کرنی ہو گی۔"

"مجھے اس کا احساس روزِ اوّل ہی سے ہے لیکن صرف اس حد تک کہ لچک اتنی زیادہ بھی نہ ہو کہ انسان ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے۔" فرزین نے لاپرواہی سے جواب

دیا۔ "عورت اور مرد گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں' توازن اگر کسی ایک کا بھی خراب ہو تو گاڑی کے الٹ جانے یا کسی حادثے سے دوچار ہو جانے کا اندیشہ لاحق رہتا ہے۔"

"راستے ہموار ہوں تو کسی متوقع حادثے کا تدارک قبل از وقت بھی کیا جا سکتا ہے۔" بیگم سجاد دبی زبان میں بولیں۔ "میں تمہیں دوراندیشی کا مشورہ دیتی ہوں فرزین بیٹی!"

"میں کوشش کروں گی کہ فراز آسانی سے راہِ راست پر آ جائیں' وعدہ نہیں کرتی۔" فرزین یہ کہتے ہوئے اٹھی اور ایک فاتحانہ تبسم اپنے ہونٹوں کے گداز پر بکھیرتی کمرے سے باہر چلی گئی۔

بیگم سجاد سکتے کی کیفیتوں سے دوچار تھیں' فرزین کی باتوں نے انہیں تصویرِ حیرت بنا دیا تھا' دیر تک کھلے دروازے کی جانب ٹکٹکی باندھے گھورتی رہیں۔ آج انہیں پہلی بار اپنی کمزوری کا احساس ہوا تھا۔ آج پہلی بار قصرِ سجاد کی چاردیواری کے اندر ان سے کسی نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرنے کی جسارت کی تھی۔ آج پہلی بار اُن کے دل کو شدید دھچکہ لگا تھا۔ وہ خود کو بڑا بے بس محسوس کر رہی تھیں' کل تک انہیں طوفانوں کی شدت کا اندازہ نہیں تھا مگر آج ..... آج انہیں اپنا وجود طوفان کی شدتوں میں کسی حقیر تنکے سے بھی زیادہ کمزور' ناتواں اور بے بس نظر آ رہا تھا۔ ریت کے ایک صحرائی ٹیلے کی طرح جو تیز و تند ہواؤں کے رحم و کرم پر زندہ رہتا ہے۔ اپنی جگہ بدلتا رہتا ہے ..... جس کا وجود مر مر کر زندہ ہوتا رہتا ہے ..... بن بن کر بگڑتا رہتا ہے۔

آج بیگم سجاد کو بڑی شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ اب زندگی بے مقصد ہو گئی ہے۔ وہ وقعت' عزت اور احترام جس نے آج تک انہیں سربلند کئے رکھا تھا آہستہ آہستہ گھٹتا جا رہا تھا' بتدریج ختم ہو رہا تھا اور پھر احساسات نے وسوسوں اور خدشوں کو ہوا دی تو اُن کی کپکپاتی اور بیمار نگاہوں سے آنسوؤں کا سیلاب سارے بند توڑ کر بہہ نکلا۔ فرزین کی گفتگو کا ایک ایک لفظ تیر و نشتر بن کر اُن کے لاغر وجود کو زخمی کرتا رہا ..... تڑپا رہا۔ پھر فراز کا مستقبل ایک سوال بن کر ممتا کی تڑپ کے سامنے آیا تو کانپ کانپ اٹھیں۔

آنسوؤں کا سیل رواں ہر شے کو دھندلا رہا تھا' دل فرزین کی باتوں سے اور آنے والے کل کے اندیشوں سے دھڑک رہا تھا اور ذہن میں رہ رہ کر بار بار ایک ہی سوال گونج رہا تھا۔

فراز کا کیا بنے گا؟

کیا فراز کے مستقبل کے لئے جو حسین خواب بڑے ارمانوں سے بنے گئے تھے وہ کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوں گے۔

کیا آرزوؤں کی تکمیل کا تصور ادھورا رہ جائے گا۔

وہ خاکے جس میں دھنک رنگ بھرے گئے تھے کیا پھر سے پھیکے پھیکے ہو جائیں گے۔

کیا تاریخ پھر اپنے آپ کو دہرائے گی۔

نہیں.....

نہیں ..... نہیں ..... نہیں.....

"امی حضور! آپ رو رہی ہیں۔"

بیگم سجاد کے کانوں میں ناہید کی آواز گونجی تو خیالات کا شیرازہ منتشر ہو گیا' پلکوں سے ڈھلکتے آنسوؤں کو دامن سے پونچھ کر انہوں نے ناہید کو دیکھا جو بڑی سوگوار سی نظر آ رہی تھی۔

"تم کمرے میں کب آئیں ناہید بیٹی! مجھے آہٹ تک محسوس نہیں ہوئی۔"

"آپ رونے میں جو مصروف تھیں۔" ناہید بڑے بھولپن سے بولی' لہجے میں بڑی معصوم سی پاکیزہ شکایت بھی تھی۔

"یونہی ..... دل بھر آیا۔" بیگم سجاد نے مسکرانے کی ناکام کوشش کی۔

"فرزین سے کوئی بات ہوئی ہے۔" ناہید نے دبی زبان میں کریدا۔

"تمہارا اندازہ غلط ہے۔" بیگم سجاد نے جلدی سے بات بنانے کی کوشش کی۔ "کچھ بھولی بسری باتوں نے رلا دیا تھا۔"

"اور آپ نے جو مجھ سے نہ رونے کا وعدہ کیا تھا۔"

"کچھ باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن پر انسان کا بس نہیں چلتا' اختیار سے باہر ہو جاتی ہیں۔"

"امی حضور!.....ایک بات پوچھوں۔"

"پوچھو!"

"کیا اشک بہانے یا رونے دھونے سے مسئلے حل ہو جاتے ہیں۔"

"دل کا بوجھ تو ہلکا ہو جاتا ہے۔" بیگم سجاد نے سرد آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"شکریہ امی حضور!" ناہید ملول لہجے میں بولی۔ "آئندہ سے میرا دل گھبرایا تو میں بھی رو کر دل کا غبار دھو ڈالوں گی۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا بیٹی!" بیگم سجاد نے کہا۔ "میرے ہوتے خدا نہ کرے جو تمہاری آنکھیں بھیگیں۔"

"پھر آپ ایسا کیوں کرتی ہیں ..... کیا آپ کو میرے خلوص پر اعتماد نہیں رہا؟"

"خدا تمہیں سلامت رکھے ناہید! تمہاری وجہ سے تو اس گھر کا بھرم قائم ہے اور ..... اور میرے بعد تم ہی کو اس گھر کی ذمہ داریاں سنبھالنی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ تم اس گھر کے وقار اور خاندان کی عزت کو ہمیشہ بلند رکھو گی اور قدرت نے رشتے کے اعتبار سے ایک بزرگ کے فرائض جو تمہارے کاندھوں پر ڈالے ہیں تم نہایت دیانتداری اور خلوص سے اس سے عہدہ برا ہونے کی کوشش کرو گی۔"

ناہید نے کوئی جواب نہیں دیا' وہ محسوس کر رہی تھی کہ فرزین اور بیگم سجاد کے درمیان ہونے والی گفتگو میں یقیناً کوئی موڑ ایسا آیا ہو گا جس نے ایک ممتا بھرے دل کو ٹھیس پہنچائی ہو گی ورنہ ان آنکھوں کے آبگینے یوں ہی تو نہ چھلک اٹھے ہوں گے' وہ مہر بلب کھڑی ساس کی باتیں سنتی رہی پھر اُس کی اپنی پلکوں کے گوشے بھی بھیگنے لگے۔ ساس کی باتوں نے اُسے بھی دھچکہ پہنچایا تھا۔

"ارے ..... یہ تم کیوں افسردہ ہو گئیں۔" بیگم سجاد نے ناہید کو افسردہ دیکھا تو بے چین ہو کر بولیں۔ "خدا نخواستہ میں ابھی تو تم سے دور نہیں ہو رہی۔ میں نے تو محض تمہیں آئندہ کے لئے تمہارے فرائض بتانے چاہے تھے لیکن تم تو رونے لگیں۔"

"نہ روؤں تو اور کیا کروں امی حضور! قدرت نے ایک سہارا چھین لیا تو میں نے آپ کے قدموں کی ٹھنڈی چھاؤں تلے پناہ حاصل کر لی تھی۔ اب آپ بھی ایسی باتیں کر رہی ہیں تو سوائے اپنی بدنصیبی پر آنسو بہانے کے اور کیا کر سکتی ہوں۔"

"ناہید ..... میری بچی!"

بیگم سجاد نے بڑے پیار سے اپنے ناتواں ہاتھ اٹھائے تو ناہید بے اختیار ان ہاتھوں کی شفقت بھری پناہ میں چلی گئی اور ساس کے سینے پر سر رکھ کر سسکنے لگی۔ منصور کی یاد نے جہاں ناہید کو تڑپایا تھا وہاں ایک ماں کو بھی بھلا کیسے قرار آ سکتا تھا۔ بیگم سجاد نے ناہید کی موجودگی میں جن آنسوؤں کو پلکوں کی اوٹ کے پیچھے روک لیا تھا وہ ایک بار پھر سیلاب کی صورت اختیار کرنے لگے تو ناہید اپنا درد بھول گئی' جلدی سے اٹھ بیٹھی' ساس کی آنکھوں میں غموں کی شدتوں کا اندازہ لگایا تو بے اختیار ہاتھ باندھ کر بولی۔

"امی حضور! آپ کو میری قسم ..... خدا کا واسطہ' ان آنسوؤں کو روک لیجئے۔"

"ناہید!" بیگم سجاد نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا لیکن ان سسکیوں اور کرب کو نہ روک سکیں جو اُن کے ناتواں وجود کو جھنجھوڑے ڈال رہا تھا' کسی کروٹ چین نہیں لینے دے رہا تھا' وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھیں لیکن بولنے کا یارا نہیں ہو رہا تھا اور پھر.....
ایک زور کی ابکائی آئی تو دل کا خون مرجھائے ہونٹوں کی زینت بن گیا۔

"امی حضور!" ناہید نے ساس کے منہ سے خون بہتے دیکھا تو ساری جان سے لرز اٹھی' چیخ کر بولی۔ "خدا کے لئے خود کو سنبھالئے امی حضور! دوسروں کو نہ سہی لیکن مجھے تو آپ کی ضرورت ہے۔"

"بب ..... بے ..... ٹی۔" بیگم سجاد نے پھر کچھ کہنا چاہا لیکن ہچکیاں آڑے آ گئیں البتہ بھیگی ہوئی نگاہیں بدستور ناہید کے چہرے پر مرکوز تھیں ..... پھر.....
بوجھل پپوٹوں اور بھیگی پلکوں نے نگاہوں کے ان دریچوں کو بھی بند کر دیا تو ناہید دم بخود سی رہ گئی۔ چند ثانئے بت بنی کھڑی سہمی سہمی خوفزدہ نظروں سے ساس کو تکتی رہی پھر فراز کو فون کرنے کے لئے دیوانوں کی طرح باہر کی جانب بھاگی۔

☆======☆======☆

فرزین کی تلخ باتوں نے بیگم سجاد کو جو چرکہ لگایا تھا وہ اسے برداشت نہ کر سکیں۔
فراز کو ماں کی اچانک بیماری کی اطلاع ملی تو وہ تڑپ اٹھے تھے۔ ناہید کے فون نے انہیں بے چین کر دیا تھا۔ فوری طور پر ڈاکٹروں کو طلب کیا گیا اور ان کے مشورے پر بیگم سجاد کو دوبارہ ہسپتال میں داخل کر دیا گیا جہاں ڈاکٹر اُن کو آکسیجن دینے میں مصروف تھے۔
شاکرہ خاتون کو سمدھن کی بیماری کی اطلاع ملی تو وہ بھی شوہر کو لے کر ہسپتال آ گئی تھیں لیکن ڈاکٹروں نے انہیں بھی مریضہ کے قریب جانے کی اجازت نہیں دی تھی۔ فراز اور فرزین بھی باہر ورانڈے میں موجود تھے' صرف ناہید' بیگم سجاد کے پاس اندر موجود تھی جہاں ڈاکٹر اُن کی جان بچانے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے ..... اور

وقت.....

وقت کی رفتار بڑی تیز ہو گئی تھی۔
لمحے اپنا سفر بڑی تیزی سے طے کر رہے تھے۔
موت اور زیست کی کشاکش جاری تھی۔
فتح کس کی ہو گی؟
شکست کا منہ کسے دیکھنا ہو گا..... یہ سوائے خدا کے اور کسی کو نہیں معلوم تھا۔

فراز ہسپتال کے ورانڈے میں بڑے مضطرب نظر آ رہے تھے۔ بار بار آکسیجن روم کے بند دروازے کی جانب تڑپ کر دیکھتے پھر بے چین ہو کر ٹہلنے لگتے۔ فرزین ایک بنچ پر خاموش بیٹھی تھی۔ نہ اُس کے چہرے سے کسی غم کا اظہار عیاں تھا' نہ ہی خوشی کی کوئی علامت نظر آ رہی تھی' حالات کی گردش نے جیسے اُس کے احساسات کو بھی وقتی طور پر منجمد کر دیا تھا۔ شیخ الطاف حسین اور شاکرہ خاتون بھی ایک طرف سر جھکائے کھڑے تھے۔

"ناہید کے دل پر نہ جانے کیا گزر رہی ہو گی۔" شاکرہ خاتون نے ایک سرد آہ بھر کر دبی زبان میں شوہر سے کہا۔

"صبر سے کام لو بیگم اور مریضہ کے لئے دعا مانگو۔" الطاف حسین تھکے تھکے انداز میں بولے۔

"وہ قادر مطلق ہے' ضرور کرم کرے گا۔" شاکرہ خاتون نے آہستہ سے جواب دیا۔

"لیکن ..... ناہید کی قسمت میں نہ جانے کیا لکھا ہے' مجھ سے اب اُس کی حالت دیکھی نہیں جاتی ..... کیسی بجھی بجھی سی نظر آتی ہے۔"

"اس کا صدمہ مجھے بھی ہے ..... لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ ہر آزمائش میں پوری اترے گی۔" الطاف حسین نے کہا۔ "قدرت شاید اُس کا امتحان لے رہی ہے۔"

"میری بچی۔" شاکرہ خاتون نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا' لہجے میں آنسوؤں کی نمی بھی شامل تھی۔

"مایوسی گناہ ہے بیگم!" الطاف حسین نے اپنے غموں کو پلکوں کی کپکپاہٹ میں چھپاتے ہوئے کہا۔ "اُس کی رحمتوں سے لو لگائے رکھئے۔"

فراز کبھی ٹہلنے لگتے تھے۔ کبھی ٹہلتے ٹہلتے رک کر بے چین نظروں سے اس دروازے کو دیکھنے لگے جس کے دوسری طرف ایک ماں کی ممتا زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ وہ کبھی پلٹ کر فرزین کو گھورنے لگتے۔ گھورتے رہتے پھر دوبارہ ٹہلنے لگے۔
آج وہ بھی بڑے مضطرب اور پریشان نظر آ رہے تھے۔ وقت کی پرچھائیاں سمٹ کر اُن کے چہرے پر جیسے جم سی گئی تھیں۔ آنکھوں میں غموں کی شدتیں تڑپ رہی تھیں۔ ہونٹ رہ رہ کر کپکپاتے تھے پھر ساکت ہو جاتے۔ سلیقے سے جمے سنورے بال بھی آج اجاڑ اور بے ترتیبی سے بکھرے نظر آ رہے تھے۔ کتنے نڈھال اور اداس اداس سے نظر آ رہے جیسے آج دنیا جہان کے سارے غم سمٹ کر ان کے وجود میں سرایت کر جانے کے لئے تڑپ رہے تھے۔

ورانڈے کے قریب آسمانی رنگ کی گاڑی رکی تو سب ہی کی نظریں اُس کی سمت اٹھ گئیں۔ محسن علی اور شازیہ آئے تھے' فراز نے محسن علی کو دیکھا تو ٹہلتے ٹہلتے رک گئے' پلکوں کی چلمن بھیگنے لگی' دل کی دھڑکنیں ایک دوست اور غمگسار کو دیکھ کر شدتیں اختیار کرنے لگیں۔ شازیہ گاڑی سے اتر کر شاکرہ خاتون کی جانب بڑھی تو فرزین بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر اُس کے قریب چلی گئی۔ محسن علی سیدھے فراز کی طرف آ گئے۔

"اب کیسی طبیعت ہے امی حضور کی؟" انہوں نے فراز سے دریافت کیا۔

"ڈاکٹروں نے صرف بھابی جان کو اندر رہنے کی اجازت دی ہے۔" فراز اداس لہجے میں بولے۔

"ڈاکٹروں کا کیا کہنا ہے؟"

"امی حضور کی حالت تشویش ناک ہے۔" فراز بھرائی آواز میں بولے۔ "انہیں آکسیجن دی جا رہی ہے۔"

"ہمت سے کام لو فراز!" محسن علی نے فراز کے غموں کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے یقین ہے کہ امی حضور ٹھیک ہو جائیں گی۔"

"خدا تمہاری زبان مبارک کرے ..... لیکن ..... نہ جانے کیوں میرا دل بیٹھا جا رہا ہے ..... جانے قدرت کو کیا منظور ہے۔" فراز نے بہت ضبط کرنے کی کوشش کی لیکن آنسوؤں کے چند قطرے اُن کی پلکوں سے ڈھلک گئے۔

"اللہ پر بھروسہ رکھو فراز! وہ جو کچھ کرتا ہے انسان کی بھلائی کے لئے کرتا ہے۔"

"ہاں ..... اُسے جو منظور ہو گا وہی ہو گا۔" فراز ٹوٹے لہجے میں بولے پھر رومال نکال کر آنسو خشک کر لئے۔

"میرا خیال ہے کہ امی حضور کو پھر گزری ہوئی باتیں یاد آ گئی ہوں گی۔" محسن نے آہستہ سے کہا۔

شاید....." فراز نے حسرت بھرے انداز میں جواب دیا۔ پھر شیخ الطاف حسین کو قریب آتا دیکھ کر خود کو سنبھالنے لگے۔

"فراز میاں! ذرا کسی سے معلوم تو کرو کہ ہمیں اندر جانے کی اجازت کب ملے گی۔" الطاف حسین نے فراز کے قریب آتے ہوئے کہا۔

"کوئی ڈاکٹر باہر آئے تو اُسی سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔" فراز اداس لہجے میں بولے۔

اور ٹھیک اسی وقت آکسیجن روم میں بیگم سجاد نے ایک آخری سنبھالا لیتے ہوئے آنکھیں کھولی تھیں۔ ڈاکٹروں کے چہرے کامیابی کی امید سے ہمکنار نظر آنے لگے' ناہید جو بستر کے قریب حسرت و یاس کی تصویر بنی کھڑی تھی ساس کو ہوش میں آتا دیکھ کر کھل اٹھی' جلدی سے بھیگی پلکوں پر تھمے آنسوؤں کے شبنمی قطروں کو پونچھتے ہوئے آہستہ سے بولی۔

"امی حضور! خدا کا شکر ہے آپ کو ہوش آ گیا' اب آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔"

"فراز ..... اور ..... فرزین ..... کہاں ہیں؟" بیگم سجاد نے اٹک اٹک کر نہایت نحیف آواز میں پوچھا۔

ناہید نے جواب دینے کے بجائے قریب کھڑے ڈاکٹر کی جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ جانے اُس نے ساس کے لہجے میں کیا بات محسوس کی تھی کہ ساری جان سے لرز اٹھی تھی۔ ڈاکٹر نے ناہید کی سوالیہ نگاہوں کو نظرانداز کر کے مریضہ کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا۔ کانوں سے آلہ لگا کر دل کی حرکتوں کو گننے لگا۔ ناہید کی نظریں ڈاکٹر کے چہرے پر مرکوز تھیں پھر ..... پھر جب ڈاکٹر کان سے آلہ نکال کر اور مریضہ کی نبض سے ہاتھ اٹھا کر سیدھا کھڑا ہوا تو ناہید کے دل کی دھڑکنیں دوچند ہو گئیں۔ شاید اس لئے کہ اس نے ڈاکٹر کے چہرے پر اچانک ابھرنے والے تاثرات سے مریضہ کی کیفیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔

ڈاکٹر کے چہرے پر مایوسی تھی.....

ناامیدی تھی.....

مریضہ کے لئے ہمدردی کے جذبے ابھر آئے تھے.....

جذبے ..... جو بڑے عارضی دکھائی دے رہے تھے.....

"ڈاکٹر!" ناہید نے سہمی آواز میں ڈاکٹر کو مخاطب کیا' وہ مجسم سوال بن گئی تھی۔

"اب آپ اپنے عزیزوں کو اندر بلا سکتی ہیں۔" ڈاکٹر نے سپاٹ آواز میں جواب دیا پھر دوبارہ مریضہ کو دیکھنے لگا۔

ناہید دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتی تیزی سے دروازے کی طرف بڑھی' ڈیوٹی نرس نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا' ورانڈے میں جو لوگ دروازے پر نظریں جمائے کھڑے تھے لپک کر قریب آ گئے۔

"خیریت تو ہے۔" فراز نے پہلا سوال کیا۔

"امی حضور ہوش میں آ گئی ہیں ..... ڈاکٹر نے سب کو ملنے کی اجازت دے دی ہے۔" ناہید نے بمشکل کہا' ایک نظر اپنے والدین پر ڈالی پھر جلدی سے پلٹ کر ساس کے قریب آ گئی۔

فراز نے ماں کو ہوش میں دیکھا تو آہستہ سے ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر بڑی معصومیت سے بولے۔

"امی حضور! مجھے یقین تھا کہ ہماری دعائیں رائیگاں نہیں جائیں گی۔"

بیگم سجاد کے سوکھے ہونٹوں پر ایک جاندار مسکراہٹ تڑپ کر نڈھال ہو گئی' ممتا بھری نگاہیں فراز کو تکتی رہیں۔

"خدا نے چاہا تو آپ بہت جلد روبہ صحت ہو جائیں گی۔" فراز نے ماں کو یقین دلانے کی کوشش کی۔

بیگم سجاد نے نظریں گھما کر آنے والوں کو باری باری دیکھا پھر فرزین کو دیکھنے لگیں۔

"امی حضور!" فرزین نے سپاٹ لہجے میں آہستہ سے کہا۔ "دو چار دنوں میں ہم آپ کو پھر گھر لے چلیں گے۔"

بیگم سجاد نے بہو کا جواب سنا تو اُن کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے' سوکھے ہونٹ خشک پتوں کی طرح صرف کھڑکھڑا کر رہ گئے۔"

بیمار آنکھوں میں حسرتیں اور تمنائیں گلے ملتی نظر آ رہی تھیں۔

"امی حضور!" ناہید بولی۔ "ابھی تو آپ کو فراز اور فرزین کی خوشیاں بھی دیکھنی ہیں۔"

بیگم سجاد نے نگاہوں کا زاویہ بدل کر ناہید کو دیکھا' پلکوں کی جنبش سے قریب آنے کا اشارہ کیا تو ناہید بڑے والہانہ انداز میں ساس کے قریب چلی گئی' فراز بدستور ماں کی کشادہ پیشانی کو بڑے پیار سے سہلا رہے تھے۔

"ناہید ..... بیٹی!" بیگم سجاد نے ڈوبتی سانسوں کو سمیٹ کر نحیف لہجے میں کہا۔ "میں نے ..... تم ..... سے کچھ کہا تھا ..... یاد ہے۔"

"امی حضور! آپ کو اس وقت آرام کی ضرورت ہے۔" ناہید سہم کر بولی۔

"بھرم ..... ٹوٹنے نہ پائے ..... تم ..... تم ..... وعدہ کرو۔"

"ایسی باتیں مت کیجئے امی حضور!" ناہید تڑپ اٹھی۔ "آپ کو سکون کی ضرورت ہے' دل پر کوئی بوجھ نہ ڈالیں۔"

"فراز!"

"جی ..... امی حضور!" فراز نے ماں کے شفقت بھرے سینے کو رک رک کر چلتے دیکھا تو وہ بھی کانپ اٹھے' ماں کا ہاتھ پکڑ کر اُن کے اور قریب ہوتے ہوئے بولے۔ "کیا حکم ہے؟"

بیگم سجاد نے کچھ کہنا چاہا لیکن آواز گھٹ کر رہ گئی ..... وقت کی نبضیں ڈوب رہی تھیں' موت کی پرچھائیاں اپنا دامن سمیٹ رہی تھیں' بیگم سجاد نے اپنا ہاتھ ذرا سا اٹھایا' ناہید کا ہاتھ تھاما' فراز پر نظریں جمائیں اور ایک آخری ہچکی لے کر بڑے سکون سے ابدی نیند کی آغوش میں چلی گئیں۔

رشتوں اور ناتوں کا فسوں ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔

احساسات کی وادیاں ویران ہو گئیں۔

جذبوں کی دھڑکنیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے معدوم ہو کر رہ گئیں۔

روح اور جسم کا تعلق ختم ہوا تو وقت کی رفتار بھی تھم کر رہ گئی' ساکت و جامد ہو گئی۔

ڈاکٹر نے سفید چادر اٹھا کر مریضہ کا چہرہ ڈھانپا تو کمرے میں کہرام مچ گیا۔ ناہید تڑپ کر ساس کے وجود سے لپٹ گئی اور دھاڑیں مارنے لگی۔ فراز چیخ اٹھے۔ فرزین کی آنکھیں بھی چھلک اٹھیں۔ شازیہ اور محسن بھی سسکنے لگے۔ شاکرہ خاتون اور الطاف حسین کے چہرے بھی آنسوؤں سے تربتر ہو رہے تھے۔ پھر شازیہ اور شاکرہ خاتون نے پچھاڑیں کھاتی ہوئی ناہید کو بمشکل بیگم سجاد کی نعش سے علیحدہ کیا۔ محسن علی نے پوری قوت سے فراز کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ فرزین بدستور اپنی جگہ کھڑی آنسو بہاتی رہی۔ مسیحاؤں نے قدرت کے ہاتھوں اپنی شکست کے اعتراف میں سر نگوں کر لئے تھے۔

موت اور زندگی کا یہ سنگم بھی کتنا عجیب تھا۔

ایک طرف سسکیاں تھیں.....

تڑپ تھی۔

اضطراب تھا' جو زندہ لوگوں کو خون کے آنسو رلا رہا تھا ..... اور

دوسری جانب

خاموشی تھی.....

سکون تھا ..... ابدی اور لازوال سکون

جس نے موت کا لبادہ اوڑھ کر خود کو دنیا کی تمام الجھنوں سے بے نیاز کر لیا تھا۔

اور قدرت.....؟

اپنی کرشمہ سازیوں کا تماشہ دیکھ رہی تھی۔

☆======☆======☆

ساس کی موت سے ناہید پر غموں کا جو پہاڑ ٹوٹا تھا اُس کا اندازہ لگانا دوسروں کے بس کی بات نہیں تھی۔ شوہر کی موت پر اُسے ایک تعلق ختم ہو جانے کا صدمہ ضرور ہوا تھا لیکن بیگم سجاد کی موت پر ان غموں کی شدتوں میں دوچند اضافہ ہو گیا تھا۔ شاید اس لئے کہ ان کی شخصیت اس بوڑھے برگد کی مثال تھی جس کی چھاؤں تلے کوئی بھی تھکا ہارا مسافر سکون سے بیٹھ کر سستا سکتا تھا' اطمینان کی سانس لے سکتا تھا لیکن جب یہ سایہ بھی اٹھ گیا تو ناہید کو بڑی شدت سے اپنی تنہائی کا احساس ہوا تھا۔

بیگم سجاد کی شخصیت نے اُسے ماں کا پیار عطا کیا تھا' اس کی بیوگی کو سہارا بخشا تھا' اپنی ذات کی لازوال محبتوں کے دامن میں پناہ دی تھی اور ناہید نے اُن کی شفقتوں کے بے کراں سمندر میں ڈوب کر ہر غم' ہر دکھ درد کو بھلا دیا تھا لیکن قدرت نے جب یہ آخری سہارا بھی اس سے چھین لیا تو وہ سہم کر رہ گئی' گم صم رہنے لگی' اُس نے اپنی مصروفیات بھی محدود کر لی تھیں' بڑی بردبار اور سنجیدہ سی نظر آنے لگی تھی' یوں جیسے اُس کی خوشیوں اور مسرتوں کا تعلق صرف ساس کی ذات سے منسوب تھا جو قدرت کے ایک اشارے پر ٹوٹ گیا تھا۔

شاکرہ خاتون بیٹی کی دلجوئی کی خاطر قصر سجاد میں مقیم تھیں' بیٹی پر جو غم ٹوٹے تھے اُس نے اُن کے احساسات کو بھی جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اگر ان کے اختیار میں ہوتا تو وہ اولاد کے لئے سارے دنیا جہان کی خوشیاں سمیٹ کر اس کے قدموں میں ڈال دیتیں۔ داماد کی موت کے بعد بھی انہوں نے ناہید کا دوبارہ گھر بسانے کی کوشش کی تھی لیکن ناہید نے دوسری شادی سے انکار کر دیا تھا۔ اس نے دبی زبان میں والدین کو اس تربیت کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی جو اس کی گھٹی میں شامل کی گئی تھی' ان نصیحتوں کو دہرایا تھا جو گھر سے وداع ہوتے وقت اس کے پلو میں باندھی گئی تھیں۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ شوہر کی دہلیز سے مر کر ہی رخصت ہو گی اور شاکرہ خاتون اندر ہی اندر تڑپ کر خاموش ہو گئی تھیں' احساس کی شدتیں اور ممتا کی تڑپ گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ بتدریج کم ہوتی گئیں لیکن بیگم سجاد کی موت نے ایک بار پھر ان سوئے ہوئے جذبات کو ہوا دے کر

بیدار کر دیا تھا۔ ہر وقت اُن کے ذہن میں ایک ہی سوال ابھرتا اور خیالات کی رو میں بھٹک کر شاخ در شاخ پھیلتا چلا جاتا۔ ہر لمحہ ہر پل ناہید کے مستقبل کا خیال انہیں ستاتا رہتا۔ وہ سوچتیں۔

ناہید کا کیا بنے گا۔

کیا اُس کی اجڑی ہوئی مانگ میں افشاں کے ٹکڑے دوبارہ کبھی نہ جگمگائیں گے۔

کیا مسرتیں ہمیشہ اس سے یونہی روٹھی رہیں گی۔

آرزوؤں اور مسرتوں کے خواب اسی طرح اس کے جوان وجود کو رہ رہ کر ڈستے رہیں گے۔

وہ حالات کی ستم ظریفیوں کو کب تک برداشت کر سکے گی۔

کبھی تو اُسے اپنی تنہائیوں کا احساس ستائے گا۔

کبھی تو بے سہارا زندگی کو ایک سہارے کی ضرورت محسوس ہو گی۔

کبھی تو سوئے ہوئے جذبات میں طغیانی آئے گی۔

مگر کب؟

اس وقت جب حالات سازگار نہ رہیں گے۔

اس وقت ..... جب وقت کی جوان دھڑکنیں دل کے نہاں خانوں میں تڑپ تڑپ کر دم توڑ چکیں گی۔

سسک سسک کر نڈھال ہو جائیں گی۔

آرزوئیں پامال ہو چکی ہوں گی' حسرتیں خون خون نظر آئیں گی' لہو کی گردشیں وقت کے ساتھ ساتھ مدھم ہوتی چلی جائیں گی۔

اور خیالات کے دھاروں میں بھٹک کر شاکرہ خاتون بہت دور نکل جاتیں .....

اچانک خیالات کا شیرازہ ٹوٹ کر بکھرتا تو تڑپ کر رہ جاتیں۔ کبھی ناہید کے قریب بیٹھی اُسے حسرت بھری نگاہوں سے تکتی رہتیں' کبھی تصور میں اپنے سامنے بٹھا کر حالات کے نشیب و فراز کا احساس دلانے لگتیں' زمانے کی اونچ نیچ سمجھاتیں اور ڈھکے چھپے اشاروں میں کسی سہارے کی ضرورت پر زور دیتیں۔ کبھی نماز کے بعد بے اختیار خدا کے حضور سجدہ ریز ہو جاتیں۔ گڑگڑا کر اولاد کے لئے کسی محفوظ پناہ کی بھیک مانگنے لگتیں۔ اس کے مستقبل کے لئے دعائیں کرتیں لیکن ابھی تک اُن کی ہر کوشش رائیگاں ہوئی تھی۔ ہر دعا بے اثر ثابت ہوئی تھی۔ شاید اس لئے کہ ناہید کا وجود آہنی ارادوں کا جامہ پہنے ماں کے

سامنے سینہ سپر ہو جاتا تھا۔ ان ٹھوس چٹانوں کی مانند جو طوفان کی شدتوں اور بپھری ہوئی موجوں کے بار بار ٹکرانے سے ٹوٹتی گھٹتی رہتی ہیں۔ شکلیں تبدیل ہوتی رہتی ہیں۔ ریزہ ریزہ ہو کر اپنی عمر گھٹاتی رہتی ہیں لیکن جب تک فنا کی معراج کو نہیں پالیتیں اپنا قیام' اپنی جگہ نہیں تبدیل کرتیں' پائے استقامت میں ایک ذرا لغزش بھی نہیں آنے دیتیں' زندہ رہتی ہیں تو لوگوں کی توجہ اور دلچسپی کا مرکز بنی رہتی ہیں۔ فنا ہو جاتی ہیں تو کہانی بن کر دلوں میں بسیرا کر لیتی ہیں' خوشبو بن کر ہواؤں میں شامل ہو جاتی ہیں۔

شاکرہ خاتون کو بیٹی کے پاس آئے پندرہ دن بیت چکے تھے۔ الطاف حسین اور شاکر بلا ناغہ آتے تھے' ناہید والدین کے سامنے اپنے غموں کو دل کی گہرائیوں میں چھپا لیتی' ہمیشہ کی طرح بڑے ادب و احترام سے پیش آتی' معصوم اور بھولی بھولی باتیں کرتی رہتی لیکن جب ماں یا باپ اُسے حالات کا احساس دلا کر مستقبل کے لئے ہموار کرنے کی سعی کرتے تو وہ آہستہ سے نظریں جھکا لیتی مہر بلب ہو جاتی۔ زبان پر ایک حرف نہ آنے دیتی البتہ اُس کے چہرے کے بدلتے تاثرات خاموش احتجاج بن کر ابھرتے تو والدین خود ہی خاموشی اختیار کر لیتے۔

آج بھی شاکرہ خاتون بیٹی کے کمرے میں بیٹھی اس کے مستقبل کے بارے میں سوچ رہی تھیں کہ شیخ الطاف حسین آ گئے' شاکر کو فراز نے باہر روک لیا تھا۔ ناہید باورچی خانہ میں خانساماں کو چائے کی ہدایت کرنے گئی ہوئی تھی اس لئے شاکرہ خاتون نے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شوہر سے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ بیسویں کے بعد ناہید کو کچھ دنوں کے لئے اپنے ساتھ لے چلوں۔ ہو سکتا ہے کہ ماحول کی تبدیلی اس کے لئے خوشگوار ثابت ہو۔"

"یہی خیال میرے ذہن میں بھی ہے لیکن کیا ناہید آمادہ ہو جائے گی۔" الطاف حسین نے پُرخیال لہجے میں پوچھا۔

"اگر آپ کسی وقت اسے ذرا محبت سے سمجھائیں تو وہ آپ کا کہا کبھی نہیں ٹالے گی۔"

"میں جانتا ہوں ..... لیکن ..... میں ناہید کو مجبور نہیں کر سکتا۔"

"میں سمجھ رہی ہوں کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں مگر ناہید ابھی بچی ہے ..... اس میں اتنی سوجھ بوجھ نہیں ہے کہ وہ خود سے کوئی فیصلہ کر سکے۔"

"میں آپ کی بات سے اتفاق نہیں کر سکتا۔" الطاف حسین تھکے تھکے انداز میں

بولے۔ "ناہید نے نامساعد حالات میں زندہ رہنے کا جو سلیقہ اختیار کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے ..... آپ ان باتوں کو اس کی ناسمجھی سے تعبیر نہیں کر سکتیں۔"

"تو کیا آپ بھی یہی چاہتے ہیں کہ وہ اسی طرح اندر ہی اندر گھٹتی رہے۔" شاکرہ خاتون اداس لہجے میں بولیں۔ "اب تو بیگم سجاد کا سہارا بھی ٹوٹ گیا جو ناہید کو اپنی اولاد سے زیادہ پیار کرتی تھیں' اب وہ کس کے سہارے یہاں زندہ رہے گی؟"

"اس اعتماد کے سہارے جسے اُس نے اپنی زندگی کا شعار بنا لیا ہے اور پھر آپ یہ کیوں فراموش کر رہی ہیں کہ بیگم سجاد مرتے وقت اُس کے اوپر ایک بڑی اور نہایت اہم ذمہ داری ڈال گئی ہیں۔" الطاف حسین نے کہا۔ "ابھی زخم تازہ ہیں اس لئے ناہید کو بھی ساس کی جدائی کا صدمہ لاحق ہے لیکن وقت ان زخموں کے لئے بھی تریاق بن جائے گا۔"

"بیگم سجاد کی بات اور تھی۔" شاکرہ خاتون نے دبی زبان میں کہا۔ "لیکن فرزین جداگانہ طبیعت کی مالک ہے' نہایت خودسر' مغرور اور آزاد خیال کی مالک' میں نے تو یہاں تک اندازہ لگایا ہے کہ اُسے ساس کی موت کا کچھ زیادہ غم بھی نہیں ہوا۔"

"فرزین سے ہمارا کیا واسطہ ..... آپ کیوں اس کی برائیوں اور کوتاہیوں کا ذکر کر کے خود کو گنہگار کرتی ہیں' فرزین جانے اور فراز' ہمیں دوسروں کے نجی معاملات سے بھلا کیا غرض۔"

"لیکن ناہید کو بہرحال ان ہی حالات سے سامنا کرنا ہو گا۔" شاکرہ خاتون بولیں۔ "ہم بھلا اپنی بیٹی کو کیسے نظرانداز کر سکتے ہیں۔"

"کیا آپ نے ناہید کے سامنے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔"

"نہیں ..... میں نے ناہید سے کچھ نہیں کہا۔"

"اچھا کیا۔" الطاف حسین بولے۔ "اُسے اگر ہمارے خدشات کا علم ہو گیا تو اس کی پریشانیاں بڑھ جائیں گی۔"

"تو آپ کیا سمجھتے ہیں ..... کیا ناہید کو ان باتوں کا علم نہیں ہو گا؟"

"ضرور ہو گا بلکہ ہمارے مقابلے میں وہ اس گھر اور اس کے مکینوں کے بارے میں زیادہ جانتی ہو گی لیکن جب اُس نے اپنی زبان سے فرزین کے طور طریقوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا تو ہمیں بھی اُس کی کرید نہیں کرنی چاہئے۔"

"آپ باپ ہیں' دل پر جبر کر سکتے ہیں لیکن میری ممتا کو تو کسی کروٹ چین نصیب

نہیں ہوتا' ہر وقت یہی خیال لگا رہتا ہے کہ ناہید کا کیا ہو گا۔ کب تک وہ تقدیر کے ہاتھوں ظلم کا نشانہ بنتی رہے گی۔" شاکرہ خاتون نے دوپٹے سے اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے بڑے اداس لہجے میں کہا۔ "نہ جانے ہم سے نادانستگی میں ایسی کون سی غلطی سرزد ہو گئی ہے جس کی سزا ہماری ناہید کو بھگتنی پڑ رہی ہے۔"

"خود کو قابو میں رکھنے کی کوشش کیجئے۔" الطاف حسین نے سرد آہ بھر کر بیوی سے کہا۔ "اگر ناہید نے آپ کے آنسو دیکھ لئے تو اُسے اور زیادہ صدمہ ہو گا۔"

"آپ ہی بتایئے' میں کیسے اپنے دل پر پتھر رکھ لوں' کیسے اولاد کی پریشانیوں سے منہ موڑ لوں۔"

"ناہید کہاں ہے؟" شیخ الطاف حسین نے پوچھا۔

"شاید باورچی خانے میں خانساماں کو شام کے کھانے کے لئے کہنے گئی ہے۔" شاکرہ خاتون قدرے الجھے ہوئے انداز میں بولیں۔ "میں پندرہ روز سے دم سادھے اور چپ بیٹھی حالات کا جائزہ لے رہی ہوں' ایک غریب ناہید ہے جو گھر کی ایک ایک بات کا خیال رکھتی ہے اور ایک فرزین بیگم ہیں جن کو اپنے ذاتی مشاغل سے فرصت نہیں ملتی' یا تو ہر وقت آئینے کے سامنے خود کو بناتی سنوارتی رہیں گی یا اپنی سہیلیوں کے ساتھ کٹی پتنگ کی طرح سارے شہر میں ڈولتی پھریں گی۔ ورنہ چپر کھٹ میں لیٹی آرام کرتی رہیں گی۔ کیا مجال جو گھر کے کسی کام کاج میں ذرا ہاتھ بٹائیں۔"

"کیا فراز میاں کو ان باتوں کا علم نہیں ہے؟" الطاف حسین نے دبی زبان میں پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ فراز بھی خوب واقف ہیں لیکن بیوی کو طرح دے جاتے ہیں۔" شاکرہ خاتون نے کہا۔ "البتہ ناہید کا بے حد خیال رکھتے ہیں۔"

"والدین کی تربیت اور خون کا بھی بڑا تعلق ہوتا ہے۔ جہاں تک کرنل سرفراز کا تعلق ہے وہ نہایت بھلے اور معقول آدمی ہیں۔" الطاف حسین نے کہا۔ "ہو سکتا ہے کہ ماں کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے سبب فرزین کی تربیت بہتر طور پر نہ ہو سکی ہو۔"

"فرزین اچھی ہے یا بری' یہ فراز جانیں لیکن مجھے تو اپنی ناہید کی فکر ہے' وہ غریب بھلا ان ذمہ داریوں کو کیسے سنبھال سکے گی جو بیگم سجاد اُسے مرتے وقت سونپ گئی ہیں۔"

"پھر آپ کا کیا ارادہ ہے؟"

"میری تو عقل خبط ہو کر رہ گئی ہے' سمجھ میں نہیں آتا کہ ناہید کو کس طرح قائل

کروں۔"

"میرا مشورہ ہے کہ اُسے اُس کے حال پر چھوڑ دیجئے۔" الطاف حسین نے سنجیدگی سے کہا۔ "اگر اس کی خوشی اسی میں ہے کہ وہ اس گھر کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھا کر خود کو بھلا لے تو ہمیں اُس کے ارادوں میں حائل نہیں ہونا چاہئے۔"

"لیکن اُس کے مستقبل کا کیا بنے گا..... کب تک وہ اپنے غموں کو بھلاتی رہے گی۔"

"مستقبل کا بنانا یا بگاڑنا خدا کے اختیار میں ہے بیگم! ہم صرف اولاد کے حق میں دعائیں کر سکتے ہیں۔"

شاکرہ خاتون نے کچھ کہنا چاہا لیکن ناہید کو آتا دیکھ کر چپ ہو گئیں۔ ناہید نے باپ کو دیکھا تو جلدی سے دوپٹہ سر پر ڈال لیا' باپ کے قریب آ کر بڑے پیار سے بولی۔

"آپ کب آئے..... شاکر کہاں ہے؟"

"شاکر کو فراز میاں نے باہر روک لیا اور میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔" الطاف حسین نے بیٹی کو شفقت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا پھر بڑے پیار سے بولے۔

"ہماری بیٹی کیا کر رہی تھی؟"

"خانساماں کو کھانے کی ہدایت کرنے گئی تھی۔"

"تمہاری ساس کا بیسواں کب ہے؟"

"پرسوں..... میں نے آپ کو بتایا تو تھا ابا جان!" ناہید معصومیت سے بولی۔

"ایک بات کہوں ناہید بیٹی!"

"حکم دیجئے ابا جان!"

"تمہاری ماں بیسویں کے بعد گھر جانے کا ارادہ رکھتی ہیں اور اُن کا خیال ہے کہ تمہیں بھی چند روز کے لئے ساتھ لے چلیں۔"

"میں ضرور چلوں گی لیکن دو ایک روز سے زیادہ نہ رک سکوں گی۔" ناہید نے نہایت ادب سے کہا۔ "یہاں کا نظام بھی تو میرے چلے جانے سے درہم برہم ہو جائے گا۔"

"کیوں..... کیا فرزین دو چار روز کے لئے بھی گھر کی ذمہ داریاں قبول نہیں کر سکتیں۔" شاکرہ خاتون اپنی جھلاہٹ برداشت نہ کر سکیں۔

"فرزین کا جی اچھا نہیں ہے امی جان!" ناہید نے ماں کی بات کو محسوس کرتے ہوئے

بڑی سادگی سے کہا۔ "ڈاکٹروں نے اسے آرام کا مشورہ دیا ہے۔"

"گھومنے پھرنے میں تو انہیں کبھی تکان محسوس نہیں ہوتی۔" شاکرہ خاتون تلملا کر بولیں۔ "کیا لیڈی ڈاکٹر نے انہیں صرف گھریلو کام کاج کے لئے منع کیا ہے؟"

"گھریلو کام کاج کے لئے نوکر چاکر بھی موجود ہیں امی جان! اس لئے فرزین کچھ نہیں کرتی ورنہ....."

"ورنہ اُن کا بس چلے تو شاید آسمان میں پیوند لگانے کو بھی پھٹ سے آمادہ ہو جائیں۔" شاکرہ خاتون بیٹی کا جواب سن کر جل گئیں۔ "گھر میں نوکر چاکر ہونے کا یہ مطلب بھی نہیں ہوتا کہ انسان پورا گھر اُن کو سونپ کر غافل ہو جائے۔"

"فرزین ابھی ناسمجھ ہے امی جان!" ناہید بڑے بھولپن سے مسکرا کر بولی۔ "رفتہ رفتہ اُسے بھی سلیقہ آ جائے گا۔"

"اور اگر نہ آیا تو میری بیٹی سکھا دے گی۔" الطاف حسین نے جلدی سے درمیان میں بولتے ہوئے کہا پھر گفتگو کا رخ بدلنے کی خاطر بولے۔ "ذرا جا کر فراز میاں کو بھی یہیں بلا لاؤ' اُن کی خیریت بھی دریافت کر لوں۔"

"ابھی لاتی ہوں بلا کر۔" ناہید نے کہا پھر ماں کو کنکھیوں سے دیکھتی چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی کمرے سے باہر چلی گئی۔

"سنا آپ نے۔" شاکرہ خاتون نے ناہید کے جانے کے بعد شوہر سے کہا۔ "فرزین بیگم کو ڈاکٹروں نے آرام کا مشورہ دیا ہے۔"

"ختم کیجئے بیگم! ہمیں بلاوجہ بُرا بننے کی کیا ضرورت ہے؟"

"دنیا سے نرالی زچگی ہونے والی ہے۔" شاکرہ خاتون بولیں۔ "ابھی سے یہ حال ہے تو آئندہ نہ جانے کون سے رنگ نکھریں گے۔"

"میں سمجھ رہا ہوں کہ آپ کے دل پر کیا گزر رہی ہے لیکن ناہید کو جب یہیں زندگی گزارنی ہے تو آپ کیوں آپس میں دل بُرے کرواتی ہیں۔" الطاف حسین نے بیوی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوتا ہے۔"

شاکرہ خاتون نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن چہرے پر ابھرنے والے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ فرزین کی طرف سے دل میں بُری طرح بھری بیٹھی ہیں' بات ناہید سے متعلق نہ ہوتی تو شاید اُن کو اتنا ملال نہ ہوتا۔ اولاد کی محبت نے انہیں زبان کھولنے پر مجبور کر دیا تھا۔

الطاف حسین خاموش بیٹھے بیوی کے تاثرات محسوس کرتے رہے پھر ناہید' فراز اور شاکر کے ساتھ اندر داخل ہوئی تو وہ فراز کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئے۔ ناہید ماں کے قریب آ گئی اور اُن کا غصہ ختم کرنے کے لئے بڑے والہانہ انداز میں اُن کے گلے میں بانہیں ڈال کر لپٹ گئی۔

☆======☆======☆

بیگم سجاد کی ناگہانی موت نے جہاں فراز اور ناہید کو صدموں سے دوچار کیا تھا وہاں فرزین کو اس سے خاطر خواہ سکون محسوس ہوا تھا' وہ ساس کو اپنے راستے کا سب سے بڑا کانٹا سمجھتی تھی جو اب دور ہو چکا تھا۔ ساس کی موجودگی میں وہ اپنی من مانی کرنے سے ہچکچاتی تھی' فراز بھی ماں سے بے پناہ محبت کرتے تھے اس لئے وہ علیحدگی کا مطالبہ کرنے سے بھی گریز کرتی تھی اور ناہید کے سلسلے میں اس نے محض اس لئے زبان بند کر رکھی تھی کہ وہ نہ صرف یہ کہ بیگم سجاد کی چہیتی تھی بلکہ فراز بھی اس کا بے حد خیال رکھتے تھے لیکن ساس کی موت نے اب میدان صاف کر دیا تھا اور فرزین کے لئے بے شمار آسانیاں فراہم کر دی تھیں۔

فرزین نے طے کر لیا تھا کہ اب وہ اپنے حسین خوابوں کی تکمیل بہ آسانی کر سکے گی۔ سب سے پہلے فراز کو اپنی مٹھی میں کرے گی پھر ناہید کے کانٹے کو درمیان سے علیحدہ کر کے پوری حویلی پر بلاشرکت غیرے راج کرے گی۔ شادی کے بعد سے ساس کی بیماری کی وجہ سے نہ تو وہ آؤٹنگ کا کوئی پروگرام بنا سکی تھی نہ ہی فراز کے ساتھ ہنی مون کے لئے الہ آباد سے باہر جا سکی تھی۔

غرضیکہ قدرت نے فرزین کے لئے راستہ ہموار کر دیا تھا مگر زچگی نے دوسری جانب اُس کے پیروں میں بیڑیاں بھی ڈال دی تھیں' بچے کی ولادت سے پیشتر وہ باہر جانے کا کوئی پروگرام ترتیب نہیں دے سکتی تھی اس کے علاوہ ابھی اُسے فراز کا دل بھی جیتنا تھا جس کے بغیر وہ اپنے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر نہیں کر سکتی تھی۔ اولاد کی خواہش اُسے نہ پہلے تھی نہ اب تھی اور اب تو وہ بچے کو اپنی خوشیوں کے راستے میں ایک دیوار سمجھ رہی تھی جس نے اس کی خواہشات کو وقتی طور پر اس کے دل کے اندر ہی اندر گھٹتے رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

فراز نے ماں کی موت کے دس روز بعد دوبارہ اپنی کاروباری ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔ اُن کو ماں کی موت سے اپنی زندگی میں جو خلاء محسوس ہوا تھا اُس نے اُن کے

ہونٹوں سے وہ شریر مسکراہٹیں بھی چھین لی تھیں جو اُن کا خاصہ تھیں۔ ہر وقت چہرے پر سنجیدگی نظر آتی تھی' بجھے بجھے سے لگتے تھے اور خود کو مصروفیات میں الجھا کر دنیا کی ہر بات سے بے نیاز ہو جانا چاہتے تھے۔

فرزین کی طرف سے اُن کے دل میں جو غبار تھا وہ ماں کی موت کے بعد سے اور بڑھ گیا تھا' وہ جانتے تھے کہ ماں نے بہو کے اچانک چلے جانے سے دل پر گہرا اثر لیا تھا اور یہی پریشانی اُن کے لئے جان لیوا ثابت ہوئی تھی البتہ اگر اب انہیں کسی کا خیال تھا تو وہ صرف ناہید کا تھا جو ماں کی موت کے بعد سے بالکل ہی تنہا رہ گئی تھی اس لئے فراز جتنی دیر گھر پر رہتے زیادہ تر حصہ ناہید کی دلجوئی میں ہی صرف کرتے یا پھر کاروباری فائلوں کے مطالعہ میں الجھے رہتے۔

فرزین نہایت غور سے گھر کے حالات کا جائزہ لے رہی تھی' اُسے گھر میں شاکرہ خاتون کی موجودگی کا بھی احساس تھا جس نے اُسے کچھ کر گزرنے سے روک رکھا تھا۔ وہ موجودہ حالات میں کھل کر سامنے آنے سے گریزاں تھی' اس طرح فراز کو اچانک اس کی وفاداریوں پر شبہ بھی ہو سکتا ہے لیکن اُسے فراز اور ناہید کا مل بیٹھنا بھی پسند نہیں تھا' جس روز سے اُسے شہلا کی زبانی یہ بات معلوم ہوئی تھی کہ فراز اور ناہید کلاس فیلو رہ چکے ہیں اُس کے شبہات میں روز افزوں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ہرچند کہ اُس نے شادی کے بعد سے فراز اور ناہید کو کبھی کسی جرم کے ارتکاب میں ملوث نہیں پایا تھا لیکن اُس کے ذہن میں جو خدشات اور وسوسے جاگ اٹھے تھے وہی اُس کی تشویش میں اضافہ کے لئے بہت کافی تھے اور ان ہی خدشات کے پیش نظر اکثر اُسے ساس کی موت پر محض اس لئے ملال ہوتا تھا کہ اُن کی زندگی میں کم از کم یہ بات ناممکن تھی کہ فراز اور ناہید کے راستے کبھی ایک ہو سکیں گے لیکن اُن کی موت کے بعد اب سب کچھ ممکن تھا۔ فراز کو اب روکنے ٹوکنے والا کوئی نہ تھا' اگر وہ فرزین کو چھوڑ کر ناہید کو اپنانے کا ارادہ کر لیتے تو انہیں اُن کے ارادے سے کوئی باز نہیں رکھ سکتا تھا۔

ساس کی موت کے بعد سے فرزین کے دل میں ناہید کی نفرت بھی دوچند ہو گئی تھی اس لئے کہ بیگم سجاد نے مرتے وقت اُسے گھر کی تمام ذمہ داریاں سونپ دی تھیں' گویا ایک بزرگ کی حیثیت سے اُسے دوسروں کے ساتھ ساتھ فرزین کے اوپر بھی مسلط کر دیا گیا تھا جسے وہ کسی قیمت پر برداشت کرنے کو تیار نہیں تھی اور کسی ایسے وقت کی منتظر تھی جب وہ اس درخت کو جڑ ہی سے اکھاڑ پھینکے جس کے وجود نے اُس کے دن کا چین اور

راتوں کی نیند بھی حرام کر رکھی تھی۔

آج بھی اپنے کمرے میں بیٹھی ان ہی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھانے میں مصروف تھی کہ شہلا آ گئی۔ فرزین نے شہلا کو دیکھا تو ایک لمحے کو اُس کے چہرے پر امید کی کرن نمودار ہوئی لیکن دوسرے ہی لمحے اُس نے سنجیدگی کا لبادہ اوڑھ لیا۔ وہ شہلا سے خفا تھی اس لئے کہ بیگم سجاد کی موت کے بعد سے اُس نے بھی فرزین کے گھر آنا جانا کم کر دیا تھا۔ صرف ایک بار کھڑے کھڑے آئی تھی۔ عجیب عجلت اور بھونڈے انداز میں اُس نے فراز سے اُن کی ماں کی موت پر افسوس کا اظہار کیا تھا پھر الٹے قدموں واپس لوٹ گئی تھی۔ فرزین کے اصرار کے باوجود ذرا دیر بھی نہیں کی تھی اور دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے چلی گئی اور آج پورے دس بارہ روز بعد فرزین نے اس کی شکل دیکھی تھی۔

"کیا بات ہے مائی ڈیئر! تم اس قدر بجھی بجھی کیوں نظر آ رہی ہو۔" شہلا نے نہایت لاپرواہی سے اپنی سہیلی کے قریب آتے ہوئے پوچھا۔ ہمیشہ کی طرح آج بھی وہ تنگ پتلون اور ڈھیلی ڈھالی قمیض نما جیکٹ میں ملبوس نظر آ رہی تھی۔ چہرے پر میکس فیکٹر کی سرخی اور پوڈر نے اس کے حُسن کو اجاگر کر رکھا تھا۔ کھلے ہوئے بال شانوں پر لہرا رہے تھے۔

فرزین نے شہلا کو نظر بھر کر دیکھا پھر منہ دوسری جانب کر کے ہونٹ چبانے لگی۔

"آئی' سی ..... تم شاید مجھ سے خفا ہو۔" شہلا آگے بڑھ کر نرم گدیلوں پر فرزین کے پاس بیٹھ گئی۔ "مجھے معلوم تھا کہ تم خفا ہو گی لیکن اس کے باوجود میں یہاں نہیں آ سکتی تھی۔ آج بھی تمہاری محبت ہی تھی جو مجھے یہاں تک کھینچ لائی۔"

"میں نے تو نہیں بلایا تھا ..... چاہو تو واپس جا سکتی ہو۔" فرزین نے روکھے انداز میں جواب دیا۔

"بہت زیادہ ناراض ہو۔"

"ہاں ..... میں تجھ سے بات بھی نہیں کرنا چاہتی۔"

"How Sweet You Are" شہلا رومانٹک لہجے میں بولی۔ "کاش تُو خود بھی محسوس کر سکتی کہ غصے کی حالت میں کتنی قاتل اور حسین بن جاتی ہے۔"

"شروع کر دی بکواس۔"

"بکواس نہیں مائی ڈیئر! زندگی کہو' زندگی۔" شہلا نے بڑے جذباتی انداز میں فرزین کے شانوں کو آہستہ سے دباتے ہوئے کہا۔

"تم ..... تم You are really a charm حسن کا ایک جیتا جاگتا شاہکار ..... اے کاش میں مرد ہوتی اور تمہارے جسم کی یہ مہک اور روپ کا یہ نکھار صرف میرے لئے وقف ہوتا۔"

"باتیں بنانا تو کوئی تجھ سے سیکھے۔" فرزین مسکرا دی۔ "تیری یہی باتیں تو مجھے تڑپاتی رہتی ہیں۔"

"گویا جناب کا غصہ ختم ہو گیا۔" شہلا نے کہا۔ "خدا کا شکر ہے کہ مجھے زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی۔"

"غصے کی بچی ..... یہ بتا کہ اتنے دنوں سے غائب کہاں تھی؟"

"گھر پر پڑے پڑے بور ہو رہی تھی۔" شہلا نے کڑوا منہ بنا کر جواب دیا۔

"مجھ سے ملنے کیوں نہیں آئی؟"

"سوچا تو کئی بار تھا لیکن پھر ارادہ کینسل کر دیا۔" شہلا بولی۔ "نہ جانے کیوں مجھے موت سے بے حد ڈر لگتا ہے اور مرنے والے کی یاد میں دھاڑیں مارتے ہوئے لوگ تو مجھے زہر لگتے ہیں۔ It is all Artificial' میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ لوگ روتے دھوتے کیوں ہیں۔ جب موت برحق ہے تو ایک نہ ایک دن اس کا سامنا بھی ضروری ہے' پھر چیخ و پکار کس لئے؟"

"تنگ تو میں بھی آ گئی ہوں لیکن فرار کا کوئی راستہ بھی نظر نہیں آتا۔" فرزین نفرت سے بولی۔ "آئے دن دسواں اور بیسواں ہوتا رہتا ہے اور جہاں کسی نے مرنے والے کا ذکر چھیڑا پھر وہی رونا دھونا شروع ہو جاتا ہے۔ سخت بوریت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔"

"فراز کا کیا حال ہے' کیا وہ بھی رونے کے کورس میں حصہ لیتے ہیں؟"

"روتے دھوتے تو نہیں البتہ افسردہ ضرور ہو جاتے ہیں۔"

"گویا ابھی تجھے چالیسویں تک ان ہی حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"کیا کروں ..... مجبوری ہے۔" فرزین بولی۔ "دوسروں کی موجودگی میں مجھے رنج و غم کی اداکاری کرنی پڑتی ہے لیکن وہ لمحے بڑے ہی اذیتناک ہوتے ہیں' یہ بھی کوئی بات ہوئی کہ دل چاہے نہ چاہے لیکن بسورتی شکل بنائے رہو۔"

"ناہید کی والدہ کا کیا بنا ..... اپنے گھر چلی گئیں یا ابھی تک یہیں ٹکی ہوئی ہیں؟"

"ابھی تک اسی گھر میں ڈیرا جمائے ہوئے ہیں۔ ویسے سنا ہے کہ بڑی بی بیسواں کرنے کے بعد واپس چلی جائیں گی۔"

"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آج کل تم کو گھر کے اندر بھی گھومنے پھرنے کی آزادی نہیں ہو گی۔"

"اپنے کمرے میں قید ہو کر رہ گئی ہوں۔" فرزین حقارت سے بولی۔ "باہر نکل کر کروں بھی کیا' ہر طرف سوگواری اور روتے بسورتے چہرے نظر آتے ہیں تو مجھے ہول سی اٹھنے لگتی ہے۔"

"لیڈی ڈاکٹر سے تو ملنے گئی ہو گی۔ کیا بتایا اُس نے ڈلیوری کے سلسلے میں؟"

"اس مصیبت سے چھٹکارا ملنے میں ابھی تین مہینے لگیں گے۔" فرزین نے کہا۔ "اس کے بعد شاید مہینے ڈیڑھ مہینے تک اور گرفتار رہنا پڑے۔"

"اور اس کے بعد؟" شہلا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"تیرا سر۔" فرزین جھلا کر بولی۔ "ایک تو اتنے دنوں بعد صورت دکھائی ہے اور مستقل بوریت کی باتیں کئے جا رہی ہے۔"

"آج کل کلب میں خاصی گہما گہمی ہے۔" شہلا نے گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ "اگلے ماہ کی شروع تاریخوں میں بیڈمنٹن ٹورنامنٹ شروع ہو رہا ہے اس لئے ہر شخص زور و شور سے تیاریوں میں مصروف ہے اور خاص طور پر انور تو ہر وقت کورٹ میں نظر آتا ہے۔ تیسرا سال جو ہے' اگر اس نے اس بار بھی سنگل کا ٹائٹل جیت لیا تو رننگ ٹرافی لے جائے گا۔"

"مجھے تو یقین ہے کہ انور ہی جیتے گا۔" فرزین بولی۔ "اس کے Drop Shots حریف کی کمر توڑ دیں گے۔ تجھے یاد ہے کہ پچھلے سال کیا ہوا تھا؟ شکیل نے کس قدر جان توڑ کوشش کی تھی انور کو شکست دینے کی لیکن انور کے ڈراپ شاٹس نے اُسے بھی پسینہ پسینہ کر دیا تھا۔"

"پچھلے سال کی بات اور تھی۔" شہلا مسکرائی۔ "تیری موجودگی بھی انور کا حوصلہ بڑھا رہی تھی۔"

"میں کوشش کروں گی کہ اس بار بھی کم از کم فائنل تو دیکھ سکوں۔"

"کوئی فائدہ نہ ہو گا تیرے ہونے یا نہ ہونے سے۔" شہلا نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"تیری شادی کی اطلاع نے پہلے ہی بیچارے انور کی کمر توڑ دی ہے۔ اب اگر تُو

سامنے ہوئی تو اُس کے حوصلے بلند ہونے کے بجائے اور سرد پڑ جائیں گے۔"

"آئی سی۔" فرزین مسکراتے ہوئے بولی۔ "گویا انور کو میری شادی سے دکھ پہنچا ہے۔ یہ اطلاع میرے لئے حیرت انگیز ہے۔"

"کیوں' کیا تجھے پہلے اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ تیرے نام کی مالا جپتا رہتا تھا۔"

"اور میں ہمیشہ اُس کی حماقت پر ہنستی رہتی تھی۔"

"کچھ بھی ہو لیکن یہ بات ماننی پڑے گی کہ وہ تیرا سچا پرستار تھا۔" شہلا نے کہا۔ "شاید تیری ہی وجہ سے اس بار انور نے Mix Double کی انٹری داخل نہیں کی' حالانکہ نورین نے از خود اس کا پارٹنر بننے کی درخواست کی تھی۔"

"سنگل میں انور کا دوسرا حریف کون ہے۔" فرزین نے انور کے تذکرے کو ختم کرنا چاہا۔

"شکیل۔" شہلا نے بڑے رومانی انداز میں شکیل کا نام لیتے ہوئے کہا۔ "اور اس بار مجھے شکیل کے کامیاب ہونے کی زیادہ توقع ہے۔"

"کیا مطلب؟" فرزین نے شہلا کے چہرے پر ابھرنے والے تاثرات کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا پتھر کو بھی جونک لگ سکتی ہے۔"

"پتھر تو اپنی جگہ پتھر ہی ہے البتہ شکیل کو ضرور غلط فہمی کا مرض لاحق ہو گیا ہے۔" شہلا نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے انتہائی لاپرواہی سے کہا۔ "آج کل تو وہ ہر وقت مجھے دیکھ کر ٹھنڈی سانسیں بھرنی شروع کر دیتے ہیں۔"

"اور تیرے اوپر کیا گزرتی ہے؟" فرزین نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔

"میں اس کے انجام پر غور کر کے دل ہی دل میں قہقہے لگاتی رہتی ہوں "Poor Felloew

"پھر تو غالباً کشور کے بجائے تُو ہی مکس ڈبل میں شکیل کی پارٹنر ہو گی۔"

"ظاہر ہے ..... جب وہ میرے عشق میں مبتلا ہے تو بھلا کشور کو کیسے پارٹنر بنا سکتا ہے۔"

"میری ملاقات ہونے دے شکیل سے' میں اُسے ضرور باور کرانے کی کوشش کروں گی کہ تیرے تلوں میں تیل نام کی کوئی چیز نہیں ہے' اس لئے وہ تیرا خیال دل سے نکال دے۔"

"بے سود کوشش ہو گی۔" شہلا نے جواب دیا۔ "شکیل مرض کے جس اسٹیج میں

داخل ہو گیا ہے وہاں سے اُس کی واپسی تقریباً ناممکن نظر آتی ہے۔"

"پھر..... کیا بنے گا اس غریب کا؟"

"کسی دن دیوانوں کی طرح سڑکوں پر گھومتا نظر آئے گا یا پھر پاگل خانے میں بیٹھا اول فول بک رہا ہو گا۔"

"تجھے رحم نہیں آتا اُس پر۔" فرزین بولی۔ "اُسے بتا کیوں نہیں دیتی وہ تیرے پیچھے اپنا وقت ضائع کر رہا ہے۔"

"میں نے کب کہا تھا کہ وہ میرے پیچھے پڑے' جو اب مَیں اُسے باز رہنے کا مشورہ دوں۔" شہلا سپاٹ لہجے میں بولی۔ "جیسا کر رہا ہے ویسا ہی بھرے گا۔"

فرزین شہلا کے جواب میں ہنس دی پھر دونوں سہیلیوں کے درمیان یہ گفتگو اُس وقت تک جاری رہی جب بوا سروری نے کمرے میں داخل ہو کر نرجس اور عقیل کی آمد کی اطلاع دی تھی۔ شہلا نے واپسی کا ارادہ ظاہر کیا لیکن فرزین اُسے بھی اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں گھسیٹ لائی جہاں نرجس اور عقیل کے علاوہ ناہید اور شاکرہ خاتون بھی موجود تھیں۔

☆======☆======☆

سلیم کو لندن سے واپس لوٹے ایک ماہ سے زیادہ عرصہ بیت چکا تھا۔ وقت کی گردش نے اُس کی آنکھوں سے وہ پٹی کھول دی تھی جس نے اسے لاپرواہ اور گمراہ کر دیا تھا۔ باپ کی دولت پر اب تک اُس نے جو عیش کئے تھے اور بُری صحبت میں رہ کر جو وقت برباد کیا تھا اُسے اُس پر ندامت تھی اور اسی شرمندگی اور ندامت کے احساس نے اُسے بردباری اور ان ذمہ داریوں کی طرف راغب کر دیا تھا جس کی توقع شیخ حامد حسین اور نجمہ بیگم کو ایک طویل مدت تک بے چین کئے رہی تھی۔

نرجس کی رخصتی کے بعد سے سلیم نے باپ کے کاروبار میں بڑی سنجیدگی اور نیک نیتی سے دلچسپی لینی شروع کر دی تھی اور غلط قسم کے دوستوں سے بھی مطلق کنارہ کشی اختیار کر لی تھی' شہناز کے سلسلے میں بھی اُس نے اپنا دیرینہ برتاؤ تبدیل کر دیا تھا لیکن ابھی تک اُسے مراد خاں کی طرف سے خدشہ لاحق تھا اس لئے کہ مراد خاں کے پاس اُس کے کچھ ایسے راز موجود تھے جو کسی لمحے بھی اگر سامنے آ جاتے تو اُس کے سکون کو برباد کر سکتے تھے۔

شیخ حامد حسین اور نجمہ بیگم بھی سلیم کے بدلے ہوئے طور طریقوں سے بے حد

خوش تھے' سلیم اُن کی اکلوتی اولاد نرینہ تھی جس سے انہیں ہزاروں توقعات وابستہ تھیں اور اب جب کہ حالات نے سلیم کو راستی پر چلنے کا سلیقہ سکھلا دیا تھا وہ جتنا بھی خوش ہوتے کم تھا۔ نرجس کی شادی نے بھی نجمہ بیگم کے ذہن پر بڑا خوشگوار اثر ڈالا تھا۔ چنانچہ ان میں بھی نمایاں تبدیلی آ گئی تھی۔ بہو کے سلسلے میں بھی اُن کا رویہ پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ بہتر ہو چکا تھا۔

قدرت کی مہربانیاں قصر حامد کے مکینوں کو دونوں ہاتھوں سے نواز رہی تھیں۔ عقیل کی تعیناتی بھی الہ آباد ہی میں ہو گئی تھی اور اُس نے ڈپٹی کمشنر کے عہدے کا چارج سنبھال لیا تھا۔ نجمہ بیگم نے داماد کی تعیناتی کے سلسلے میں ایک شاندار پُر تکلف ضیافت کا اہتمام کرنا چاہا تھا لیکن حامد حسین نے منع کر دیا اس لئے کہ انہیں اپنی خوشیوں کے ساتھ ناہید کے سسرال کی غمی کا احساس بھی تھا اور وہ بیگم سجاد کے چالیسویں سے پہلے کوئی تقریب نہیں کرنا چاہتے تھے مبادا کہ بڑے بھائی کو ملال ہو تا۔

نجمہ بیگم نے شوہر کے مشورے کو قبول کرتے ہوئے دعوت کا ارادہ ترک کر دیا لیکن وہ یہ بھی نہیں چاہتی تھیں کہ داماد کی تقرری کی خوشیاں پھیکی چلی جائیں چنانچہ انہوں نے چائے پر ہی قریبی ملنے جلنے والوں کو مدعو کر لیا تھا اور اسی ضمن میں آج قصر حامد کے وسیع لان میں افراد کا ایک مختصر سا اجتماع نظر آ رہا تھا جس میں محسن علی اور شازیہ کو بھی بطور خاص مدعو کیا گیا تھا' اس خیال سے کہ بزرگوں کی موجودگی بے تکلف دوستوں کے لئے تکلف اور گھٹن کا باعث نہ ہو۔ کرسیوں کے دائرے دو حصوں میں بانٹ دیئے گئے تھے' ایک حصے میں نجمہ بیگم اور حامد حسین اپنے ہم عمر واقف کاروں کے ساتھ بیٹھے سنجیدہ گفتگو کی فضا قائم کئے ہوئے تھے اور دوسرے حصے میں محسن علی کی موجودگی اور شازیہ کی شوخ باتیں محفل کو زعفرانِ زار بنائے ہوئے تھیں۔

محسن علی البتہ آج کچھ تکلف سے کام لے رہے تھے اور اس کی وجہ محض یہ تھی کہ عقیل کے سامنے جو ڈپٹی کمشنر کے عہدے پر ہونے کی وجہ سے ایک طرح سے محسن علی کے بڑے افسر بن گئے تھے' وہ کھل کر بے تکلفی کا انداز اختیار کرنے سے گریز کر رہے تھے۔ نشست کا اہتمام کچھ اس طرح تھا کہ شادی شدہ جوڑے قریب قریب بیٹھے تھے۔ شازیہ محسن علی کے ساتھ براجمان تھیں' عقیل اور نرجس عین ان کے سامنے بیٹھے تھے' شہناز اور سلیم محسن علی کی نشست کے بائیں جانب نظر آ رہے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ اور پاس پڑوس کے نوجوان لڑکے لڑکیاں موجود تھیں۔

محفل پر بے تکلفی کا رنگ طاری تھا۔ عقیل بھی اپنے عہدے سے قطع نظر اپنی باغ و بہار طبیعت سے لوگوں کو بار بار ہنسنے پر اکسا رہے تھے۔ سبزہ زار کے ایک گوشے میں دو بڑی بڑی میزیں نظر آ رہی تھیں جن پر بیروں نے لوازمات سجانے شروع کر دیئے تھے۔ محسن علی کی نظریں بار بار ان ہی میزوں کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ نرجس کئی بار محسن علی کی نگاہوں کا تعاقب کر چکی تھی۔ شادی سے پہلے وہ محسن علی کا بے حد احترام کرتی تھی لیکن اس وقت اپنی زبان پر قابو نہ پا سکی اور مسکراتے ہوئے بولی۔

"محسن بھائی! آپ کو تو پولیس کے بجائے محکمہ خوراک میں ہونا چاہئے تھا۔"

"میں اب بھی اس شعبے میں خاصی دلچسپی لیتا ہوں۔" محسن علی نے نرجس کا عندیہ سمجھتے ہوئے برجستہ کہا۔

"نرجس نے مجھے آپ کے بارے میں خاصی تفصیل سے باتیں بتا رکھی ہیں۔" عقیل بولے۔

"پھر تو مجھے آئندہ کے لئے بہت محتاط رہنا ہو گا اور مہمانوں کی فہرست پہلے سے دیکھنی پڑے گی۔" محسن علی نے براہ راست عقیل سے کہا۔

"وہ کس لئے؟" شہناز نے پوچھا۔

"اس لئے کہ گھر کے بھیدی نے لنکا ڈھانے کی ٹھان رکھی ہے۔" محسن علی نے نرجس کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے شہناز کو جواب دیا۔ "اور کچھ معاملات ایسے ہیں جنہیں میں پوری سنجیدگی سے نپٹانے کا عادی ہوں اور ایسے معاملات میں اگر بندشیں حارج ہو جائیں تو کھل کر انصاف نہیں کیا جا سکتا۔"

"معاملات کی جگہ اگر آپ نے فرائض کا لفظ استعمال کیا ہوتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔" عقیل بے تکلفی سے بولے تو شازیہ بھی چپ نہ رہ سکی۔

"یہ بات غلط ہے عقیل بھائی! کم از کم آپ کو میری موجودگی کا خیال تو کرنا چاہئے۔"

"میں نے اگر کوئی غلط بات کہہ دی ہے تو اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔" عقیل نے محسن علی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ویسے نرجس نے اگر محسن بھائی کے لئے غلط بیانی سے کام لیا ہے تو یہ مجھ سے زیادہ موردِ الزام ٹھہرائی جا سکتی ہیں۔"

"نرجس سے تو خیر میں نپٹ لوں گی لیکن آپ سے فی الحال اتنی درخواست ضرور کروں گی کہ میری موجودگی میں میرے اکلوتے میاں کی صحت کو رشک کی نظروں سے نہ دیکھیں۔" شازیہ بولی۔ "لے دے کے ان کا صرف ایک ہی تو شوق رہ گیا ہے۔"

"کیوں محسن بھائی!" نرجس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں ..... کم از کم گھر میں تو میں نے اسی ایک شوق کا اظہار کیا ہے ورنہ باہر کی آزادی بھی ختم ہو جاتی۔" محسن علی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"سن رہی ہو شازیہ! یہ تمہارے میاں کیا کہہ رہے ہیں؟" شہناز نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "محسن بھائی نے بڑی دُور کی بات کہی ہے۔ میری مانو تو پٹہ ڈال کر رکھو ورنہ بعد میں سر پر ہاتھ رکھ کر روتی پھرو گی۔"

"شکریہ تمہارے مشورے کا۔" شازیہ نے پلٹ کر جواب دیا۔ "اوّل تو مجھے پورا پورا اطمینان ہے اپنے میاں کی طرف سے ..... اور اگر خدانخواستہ ایسی کوئی نوبت پیش آ ہی گئی تو پھر میں بھی گزر بسر کے لئے کوئی نہ کوئی ٹھکانہ تو تلاش کر ہی لوں گی۔"

"میں ایک واقف کار اور مخلص دوست کی حیثیت سے ابھی سے اپنی خدمات پیش کرنے کو تیار ہوں۔" عقیل نے برجستہ کہا تو شازیہ جھینپ کر رہ گئی' کوئی جواب نہ بن پڑا تو ایک شوخ سا تبسم ہونٹوں پر بکھیر لیا۔

"سچ کہا ہے بڑی بوڑھیوں نے ..... پوت کے پاؤں پالنے ہی میں نظر آ جاتے ہیں۔" شہناز نے نرجس پر جملہ کسا۔ "ابھی سے تمہارے صاحب بہادر نے جب گھر ہی گھر میں کل پرزے نکالنے شروع کر دیئے ہیں تو آئندہ کیا گل کھلاتے پھریں گے۔"

"کباب میں ہڈی والا محاورہ غالباً ایسے ہی موقعوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ کیوں شازیہ بہن!" عقیل نے لفظ بہن پر زور دیتے ہوئے شازیہ کو براہ راست مخاطب کیا تو شہناز نے محسن کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"خدا کا شکر ادا کیجئے محسن بھائی جو بلا سر پر آتے ہی ٹل گئی ورنہ آپ تو لحاظ و مروت میں مارے گئے تھے۔"

"اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔" محسن بڑی معصومیت سے بولے۔

"آپ اس قدر گم صم سے کیوں بیٹھے ہیں سلیم صاحب!" شازیہ نے رُوئے سخن سلیم کی جانب کرتے ہوئے کہا۔ "کیا تردد محسوس کر رہے ہیں؟"

"جی ..... یوں ہی۔" سلیم نے سٹپٹاتے ہوئے جواب دیا تو سب ہی اُن کی بوکھلاہٹ پر ہنس دیئے۔

"مجھے تو دال میں کچھ کالا نظر آ رہا ہے۔" نرجس کی ایک پڑوس کی سہیلی عذرا نے بھی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"آپ کی تعریف۔" عقیل نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"یہ آپ کی نرجس کی سہیلی اور پڑوسن مس عذرا ہیں۔ ابھی پچھلے سال گریجویشن کیا ہے۔" شازیہ نے تعارف کراتے ہوئے کہا۔ "بے حد زندہ دل اور ہنس مکھ طبیعت کی مالک واقع ہوئی ہیں لیکن آج کل اکثر دال میں کالا کا محاورہ تلاش کرتی پھرتی ہیں۔"

"اور جب سے میری اور سلیم کی شادی ہوئی ہے ان کا یہاں آنا جانا بھی بہت کم ہو گیا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ضرور آ جاتی تھیں۔" شہناز نے معنی خیز انداز میں گرہ لگائی۔

"کیسی باتیں کرتی ہیں شہناز باجی!" عذرا نے جلدی سے کہا۔ "میں تو اب بھی برابر آتی رہتی ہوں۔"

"اس موقع پر دال نہ گلنے والا محاورہ بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔" محسن دبی زبان میں بولے۔

"زمانے کا انداز ہی بدل کر رہ گیا ہے۔" شازیہ بولی۔ "بیری پر تو پتھر آتے سنتے تھے لیکن اب تو پتھروں پر بیریاں آنے لگی ہیں۔"

"اللہ سمجھے گا آپ سے شازیہ بہن! بات کا بتنگڑ بنانا تو کوئی آپ سے سیکھے۔" عذرا نے جھینپتے ہوئے کہا۔

"مجھ سے تو تم اور بھی بہت کچھ سیکھ سکتی ہو۔"

"مثلاً یہ کہ جو لوگ دوسروں کو نچاتے پھرتے ہیں' انہیں کیسے نچایا جاتا ہے۔" عقیل نے بات کی رعایت سے محسن علی پر پھبتی کسی تو محسن بھی چپ نہ رہ سکے نرجس کو مخاطب کر کے بولے۔

"میں آپ کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ شازیہ تو مجھے ایک سال میں بھی اتنا ٹرینڈ نہیں کر سکیں جتنا آپ نے ایک مہینے سے بھی کم وقت میں سدھا لیا ہے ..... اور وہ بھی بغیر ڈگڈگی کے۔"

"اب ہوئی نا بات۔" عذرا پھر بول پڑی۔ "برابر کی چوٹ تو اب رہے گی۔"

"اگر آپ زخمی ہونے والے کا ساتھ دینے کا وعدہ کریں تو میں خود اپنے ہاتھوں سے دو چار کھرونچے ڈال لوں۔" عقیل بولے۔

"آپ خود کیوں زحمت کرتے ہیں۔" عذرا نے برجستہ کہا۔ "آخر نرجس نے اپنی انگلیوں کے ناخن کس لئے بڑھا رکھے ہیں۔"

"خدا کی قسم بڑی لاجواب بات کہی ہے عذرا نے۔" شہناز بولی۔ "عقیل بھائی! اب تو آپ براہ کرم اپنی ہار تسلیم کرلیں۔"

"آپ صرف شکست کی بات کر رہی ہیں' عذرا کہیں تو میں اپنا سب کچھ ہارنے کو آمادہ ہو سکتا ہوں۔" عقیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیوں نرجس! تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔" شازیہ نے نرجس کو مخاطب کیا۔

"آپ کا کیا مشورہ ہے محسن بھائی!" نرجس نے بڑی خوبصورتی سے بساط کا رخ محسن کی جانب پھیر دیا۔

"کیا مطلب؟" محسن نے بڑی سادگی سے چونکتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ یہ کہنا چاہ رہی ہیں کہ پہلے تھانے کی کارروائی مکمل ہو جائے اس کے بعد فائل آگے بڑھائی جائے۔"

"جی ..... کیا فرمایا جناب نے۔" شازیہ نے شوہر کو تیز نظروں سے گھورا۔ "ذرا پھر سے تو کہئے۔"

"میں تو محض مذاق کر رہا تھا۔" محسن علی نے سہمے ہوئے انداز میں اتنی خوبصورت اداکاری کی کہ خود شازیہ بھی بے اختیار ہنس دی۔

"آج تو ہم بھی قائل ہو گئے آپ کے۔" عقیل نے مسکراتے ہوئے محسن سے کہا۔ "کبھی غریب خانے پر بھی تشریف لائیے' بیٹھک رہے گی۔"

"ضرور حاضر ہوں گا۔" محسن سنجیدگی سے بولے۔

بے تکلفی کا یہ خوبصورت ماحول پورے شباب پر تھا کہ نجمہ بیگم نے مہمانوں کو کھانے کی میز پر آنے کے لئے کہا لہٰذا سب لوگ اٹھ کر میزوں کے گرد اکٹھا ہو گئے۔ محسن علی نے اس وقت بھی اپنی روایت کو برقرار رکھا اور نہایت اہتمام سے ڈشوں پر ہلہ بولتے رہے۔ شازیہ اور شہناز کے علاوہ عذرا نے بھی دبے دبے لہجے میں محسن علی پر جملے کسے لیکن وہ یوں انجانے بنے رہے جیسے سرے سے کچھ سنا ہی نہ ہو۔

ناشتے کے بعد مہمان ایک ایک کر کے چلے گئے۔ محسن علی اور شازیہ بطور خاص نرجس اور عقیل کو رخصت کرنے کے لئے باہر تک آئے تھے۔ شہناز بھی ساتھ ساتھ تھی۔ عقیل نے ایک بار پھر محسن علی کو نہایت بے تکلفی سے گھر آنے کی دعوت دی پھر بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملا کر گاڑی میں بیٹھ گئے اور وش کرتے ہوئے رخصت ہو گئے تو شہناز اور شازیہ اندر زنان خانے میں چلی گئیں اور محسن علی دوبارہ لان پر آ گئے جہاں سلیم کو رکنے کی تاکید کر گئے تھے۔

محسن علی کو مراد خاں کے سلسلے میں سلیم سے کچھ اہم باتیں کرنی تھیں اسی لئے انہوں نے شازیہ کو اندر بھیج دیا تھا۔

☆======☆======☆

وقت کی اڑان کے ساتھ ساتھ حالات کی گردشیں بھی تیز سے تیز تر ہوتی جا رہی تھیں۔

فرزین نے ساس کے انتقال کے بعد خوش فہمی کے جو سنہری خواب دیکھے تھے ان کی تعبیر الٹ ثابت ہوئی تو وہ تلملا اٹھی۔ قدرت نے اُس کی گود ہری کرنے کے لئے جو اہتمام کیا تھا وہ اس نعمت سے بھی متنفر ہوتی گئی۔ فراز کی بے نیازی نے اس کی آتش انتقام کو جو ہوا دی تھی اس نے فرزین کو تڑپنے پر مجبور کر دیا تھا اور اسی تڑپ نے اُسے حد درجہ چڑچڑا بنا دیا تھا۔

فراز نے ماں کی موت کے بعد سے مکمل خاموشی اختیار کر لی تھی۔ بیوی کی طرف سے اُن کے دل میں جو غبار تھا وہ ایک بزرگ کے سائے کے اٹھ جانے کے بعد اندر ہی اندر اپنی جڑیں مضبوط کرتا جا رہا تھا لیکن انہوں نے ان طوفانوں کو دل کی گہرائیوں میں سمیٹ لیا تھا اور سمندر کی پُرسکون لہروں کی طرح اوپر سے سپاٹ بن گئے تھے۔

فرزین انہیں روزِ اوّل ہی سے ناپسند تھی' وہ اپنی زندگی کے لئے ایک حسین ہمسفر چاہتے تھے جو ان کے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے زندگی کی شاہراہوں پر ان کا برابر کا شریک ہو۔ ذہنی اور اخلاقی طور پر اُن سے مطابقت رکھتا ہو اور نگاہوں کا مفہوم سمجھنے کی استطاعت رکھتا ہو۔ اس تہذیب سے آشنا ہو۔ جو فراز کو پسند تھی اور ان ہی خصوصیات کی بنا پر انہوں نے ناہید کا انتخاب کیا تھا۔

ناہید ..... جو حُسن صورت کے ساتھ ساتھ حُسن سیرت میں بھی اپنی مثال آپ تھی۔

مشرقی تہذیب کا ایک انمول اور نایاب شاہکار تھی۔

اخلاق و کردار میں بے حد بلند تھی۔

ایک نگینہ تھی۔

جسے فراز اپنی انگشتریٔ حیات میں جڑنا چاہتے تھے لیکن قسمت نے اُن کی خواہش کو اُن کی اپنی ہی دہلیز تلے دفن کر دیا تھا۔ انہوں نے حالات کے تقاضوں سے مفاہمت کر لی' اپنی روش اور پرستش کا انداز بدل ڈالا لیکن جب بھائی کی موت کے زخم کو وقت نے

مندمل کیا تو ایک بار پھر ناہید کو اپنانے کی خواہش بیدار ہو گئی۔ انہوں نے دبی زبان میں ماں سے اپنی خواہش کا اظہار کیا لیکن بیگم سجاد پرستش کی ان گہرائیوں کی تہہ کو نہ پا سکیں جسے فراز نے اپنی زندگی بنا لیا تھا۔ وہ اس خواہش کو بیٹے کا ایثار سمجھ رہی تھیں اس لئے انہوں نے فراز کی خواہشات کو شرف قبولیت نہیں عطا کیا اور فرزین کو بہو بنا کر بیاہ لائیں۔

فراز حالات کے نئی بھنور میں پھنس کر بہت تڑپے بہت تلملائے پھر انہوں نے ماں کی خواہشات کے احترام میں فرزین کی جانب مائل ہونے کی حتی المقدور کوشش کی' قسمت نے ان کے دامن میں جو کانٹے بھر دیئے تھے وہ ان ہی کانٹوں سے پیار کرنے کی عادت ڈالنے پر آمادہ ہو گئے لیکن فرزین نے فراز کے جھکاؤ کا غلط مطلب اخذ کیا۔ وہ آزاد ماحول کی پروردہ تھی' خودسر تھی' ماں کے سایہ سے محروم ہونے کے بعد اس کی نگہداشت مناسب طور پر نہیں ہو سکی تھی' وہ اس کچی ڈالی کی مانند تھی جسے بہ آسانی ہواؤں کے رخ پر موڑا جا سکتا تھا لیکن وقت کی ستم ظریفیاں فراز اور فرزین کے درمیان حائل ہوتی گئیں۔

خلیج پٹنے کے بجائے اور بڑھتی گئی۔

اجنبیت کا ماحول احساسات پر حاوی ہوتا گیا۔

کدورتوں نے دلوں میں گھر بنا لیا۔

قربتیں فاصلوں کا انداز اختیار کرتی گئیں۔

اور وقت.....

وقت حالات کی دگرگوں رفتار پر مسکراتا رہا' تیزی سے گزرتا رہا۔

اور جب ماں کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا تو فراز کے زخم پھر سے ہرے ہو گئے۔ انہوں نے فرزین کو اس کے حال پر چھوڑ دیا خاموشی اختیار کر لی اور خود کو مصروفیات میں الجھا کر ہر بات سے بے نیاز ہو گئے اور ان کی یہی بے اعتنائی فرزین کے لئے لمحہ فکریہ بن گئی۔ اس کا خیال تھا کہ ساس کا کانٹا درمیان سے نکل جانے کے بعد وہ اپنی خوشیوں کی تکمیل بھرپور اور من مانے انداز میں کر سکے گی۔ اسے بخوبی علم تھا کہ فراز جو گردش فلک اور حالات کی ستم ظریفیوں کا نشانہ بنتے رہے تھک ہار کر اس کی گھنیری زلفوں کے سائے تلے سستانے آ جائیں گے' وہ فراز کو اپنے گداز بازوؤں کا سہارا دے کر ہر رشتے سے دور کر دے گی' اپنی خوابیدہ آنکھوں سے فراز کے دل کو تسخیر کر لے گی' جوانی کا سحر فراز کو پوری طرح اُس کے وجود میں مدغم کر دے گا لہٰذا اس نے ساس کی موت کے بعد

فراز سے اپنا طور طریقہ بدل دیا۔ وہ فراز کے قریب تر ہونے کی کوشش میں بے حد نرم ہو گئی' اس کی گفتگو میں پیار و محبت اور اپنائیت کا انداز آ گیا۔ اس نے ہر وہ طریقہ آزمایا جو فراز کو اس کی زلف گرہ گیر میں الجھا کر دوسروں سے بے نیاز کر دیتا۔ وہ فراز کو ہر قیمت پر اپنانا چاہتی تھی۔ پیار سے' محبت سے لیکن فراز کی مسلسل خاموشی نے اسے چڑچڑا بنا دیا۔ وہ بات بات پر الجھنے لگی' ہر پل رنگ بدلنے لگی۔ کبھی وہ فراز سے بہت قریب ہو جاتی' اتنا قریب کہ وہ اُن کے دل کی دھڑکنیں بھی سن سکتی تھی۔ کبھی وہ تلملا کر اُن سے دور ہو جاتی اور حالات کی اسی کشمکش نے فرزین کو غیر یقینی حالات کا نشانہ بنا دیا۔

وہ ایک عورت تھی.....

عورت ..... جو مہربان ہو تو زندگی گلزار بن جاتی ہے۔

ماحول کو اپنی مہکار سے سحر آلود کر دیتی ہے۔

زندگی کو رشک ارم بنا دیتی ہے ..... لیکن

اگر وہی عورت قہر بن جائے تو زندگی جہنم بن جاتی ہے۔

فرزین بھی ایک عورت ہی تھی۔

شوہر کے سلسلے میں اپنی شکست منظور نہیں تھی اس لئے وہ تڑپ کر مجسم انتقام بن گئی۔

شہلا کے غلط مشوروں نے اُسے سنبھلنے کا موقع نہیں دیا' وہ ہمہ وقت ان طریقوں کو اپنانے کے تصور میں ڈوبی رہتی جو فراز کے دل پر کچوکے لگا سکیں۔ اسے تڑپنے پر مجبور کر دیں' سسک اٹھنے پر بے چین کر دیں' جس آگ میں وہ خود جھلس رہی تھی اس کی تلاش اُسے فراز کے لئے بھی تھی۔ پہروں کبھی اپنی خوابگاہ میں اور کبھی پائیں باغ میں سبزے پر بیٹھی وہ اپنے حالات کا جائزہ لیتی رہتی۔ اکثر اُس کے اندر کی عورت بیدار ہو جاتی تو وہ ذہنی طور پر ابر آلود بادلوں کے نرم و لطیف تودوں کی مانند ہواؤں کے دوش پر منڈلانے لگتی۔ وہ سوچتی.....

فراز اس کی زندگی کے ہمسفر ہیں۔

مجازی خدا ہیں۔

وقت اور حالات کی گردشوں نے انہیں بے حال کر دیا ہے۔

صدموں نے ان کے وجود کو زخمی کر دیا ہے۔

ان زخموں کو مرہم کی ضرورت ہے ..... اس لئے

کیوں نہ وہ فراز کے زخموں کے لئے خود مرہم بن جائے۔
ان ٹیسوں کو اپنی بے پایاں محبتوں میں سمو کر شوہر کی زندگی کو بہاروں سے ہمکنار کر دے۔
وہ خوشیاں جو وقت کے قدموں تلے روندی گئی تھیں انہیں دوبارہ لوریاں دے کر بیدار کر دے۔
مسکراہٹیں جو روٹھ گئی تھیں انہیں پھر سے ایک نئے انداز سے سنوار کر فراز کے یاقوتی لبوں پر سجا دے۔
فضا کو اپنے وجود کی مہک سے معطر کر دے ..... اور
فراز کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ جائے' ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بڑے خلوص و محبت سے کہے — "فراز! ماضی میں جو کچھ ہوا اُسے بھول جاؤ' مجھ سے نادانستگی میں جو غلطیاں سرزد ہوئی ہیں جو بھول ہوئی ہے اُسے فراموش کر دو اور حال کو خوشگوار بنانے کے لئے' مستقبل کو سنوارنے کے لئے پھر سے عہد کرو۔ وقت اور ماحول کی رنگینیوں کو گواہ بنا کر وعدہ کرو کہ ہم کبھی ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوں گے' ہماری سوچیں مشترک ہوں گی' ہمارے انداز ہم آہنگ ہوں گے' ہماری سانسیں ایک ہوں گی اور ہم زندگی کی پُرپیچ راہوں پر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے' ہنستے مسکراتے اور قہقہے بکھیرتے سفر کریں گے' خزاں کو اپنے قدموں تلے کچلتے رہیں گے' غموں اور دکھوں کو ہنس ہنس کر برداشت کرنے کی عادت ڈال لیں گے۔ ہر خلیج کو پاٹتے رہیں گے' ہر حال میں خوش رہیں گے۔ لہروں کی مانند ایک دوسرے میں مدغم ہو کر ہر طوفان کی شدتوں کا مقابلہ کریں گے ..... آؤ فراز ..... میرے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر مستقبل کو تابناک بنانے کا عہد کرو۔ مجھے اپنے سینے کی وسعتوں میں چھپا کر کہو کہ ہم آج سے ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے۔ مجھے تمہارے سہارے کی ضرورت ہے فراز' مجھے اپنی کشادہ آغوش میں سمیٹ لو' تاکہ میں محسوس کر سکوں' سوچ سکوں کہ تم صرف میرے ہو ..... صرف میرے ..... اور جب مجھے تمہاری محبت کا یقین آ جائے گا تو میں دنیا کی تمام خوشیوں کو فراموش کر کے صرف تمہارے وجود کی گہرائیوں میں ڈوب جاؤں گی ..... آؤ فراز ..... وعدہ کرو ..... عہد کرو۔"

اور اس وقت بھی فرزین کے اندر کی مشرقی عورت پوری طرح بیدار تھی۔ وہ سبزے پر مہکتے پھولوں کے قریب کرسی پر بیٹھی اپنے خیالات میں گم تھی کہ ملازم نے آ کر

اس سے چائے کے لئے دریافت کیا۔ وہ چونکی۔ ایک نظر اس نے ملازم پر ڈالی جو سر جھکائے اور ہاتھ باندھے اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وقت کے گرد آلود حالات نے ایک ہی گھر کے مکینوں کو کس قدر اجنبی بنا دیا تھا۔ جانے کیوں اُسے ملازم پر ترس آ گیا' دھیرے سے بولی۔

"فراز کہاں ہیں؟"

"چھوٹے کمرے میں بیٹھے دفتر کی فائلیں دیکھ رہے ہیں۔" ملازم نے جواب دیا۔

"انہوں نے چائے پی؟"

"میں نے دریافت کیا تھا لیکن چھوٹے سرکار نے انکار کر دیا۔" ملازم کے لہجے میں درد تھا۔

"اور ..... ناہید کہاں ہے؟" فرزین نے تلخ لہجے میں دریافت کیا۔

"اپنے کمرے میں۔"

"ٹھیک ہے' تم جاؤ' مجھے چائے کی ضرورت محسوس ہوئی تو تمہیں آواز دے لوں گی۔"

ملازم سر جھکائے واپس چلا گیا تو فرزین نے ماحول پر ایک نظر ڈالی' پھولوں سے لدے پودے کیسے خوش نما لگ رہے تھے اور لچکدار شاخوں پر جھومتے ہوئے درخت کس قدر حسین لگ رہے تھے۔ سبزے کی نمی کیسی خوشگوار تھی' عطر بیز ہوائیں ذہن کو کتنا سکون بخش رہی تھیں۔ بڑی دیر تک وہ ماحول کے طلسم میں کھوئی رہی' ڈوبی رہی پھر کچھ سوچ کر آہستہ سے اٹھی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اندر آئی۔ بوا سروری راہداری میں بیٹھی چھالیہ کتر رہی تھیں۔ ایک لمحے کو فرزین کے بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

"بوا!" اس نے بوڑھی ملازمہ کو مخاطب کیا۔ "تم نے چائے پی۔"

"پی لی چھوٹی بیگم!" بوا سروری نے نظریں اٹھاتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا تو فرزین تڑپ اٹھی' کتنی اجنبیت اور کس قدر غیریت کا احساس جھلک رہا تھا بوا سروری کے لہجے میں۔ اس کا دل چاہا کہ وہ بوا کو سختی سے جھڑک دے' حقارت سے اسے باور کرا دے کہ اس کی اوقات کیا ہے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے کہ ابھی تک اس کے اندر کی مشرقی عورت بیدار تھی۔ وہ آہستہ سے بولی۔

"مجھ سے کچھ خفا ہو بوا سروری!" اس نے بڑی محبت سے سوال کیا۔

"میری بھلا کیا مجال جو آپ سے ناراض ہو سکوں۔" بوا سروری نے سہمے ہوئے

انداز میں جواب دیا۔

"فراز کہاں ہیں؟" اس نے بات ٹالنے کی خاطر یوں ہی پوچھ لیا۔

"چھوٹے کمرے میں۔"

فرزین نے بوا سروری پر آخری نظر ڈالی۔ شانوں پر بکھری زلفوں کو سمیٹ کر قدم اٹھاتی فراز کے کمرے میں آ گئی۔ فراز فائلوں میں کھوئے ہوئے تھے' وہ دروازے کے قریب رک کر انہیں دیکھنے لگی' کیسے گم صم اور اداس نظر آ رہے تھے۔ اسے فراز کو دیکھ کر دکھ ہوا' کس قدر سنجیدہ بن کر رہ گئے اور کتنے بجھے بجھے رہنے لگے تھے۔ چند لمحے وہ فراز کو بغور دیکھتی رہی پھر دبے قدموں ان کے قریب چلی گئی۔

"فراز!" اس نے دھڑکتے دل سے آواز دی۔

فراز نے پلٹ کر دیکھا' اُن کی آنکھیں سرخ سرخ ویران سی نظر آ رہی تھیں' بال الجھے الجھے تھے اور چہرے پر اداسیاں رقص کر رہی تھیں' ایک ثانئے تک فرزین کو خالی خالی نگاہوں سے تکتے رہے پھر دوبارہ فائلوں کے اوراق پلٹنے لگے۔

"چائے پی آپ نے؟" اس نے دوبارہ فراز کو مخاطب کیا۔

"نہیں۔" فراز نے مختصراً جواب دیا' لہجے میں اجنبیت تھی۔

"کیوں؟"

"خواہش نہیں ہو رہی۔"

"میں نے بھی نہیں پی۔" وہ دھیمے سے بولی۔ "آپ کہیں تو یہیں منگالوں۔"

"شکریہ۔" فراز نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا تو وہ تڑپ اٹھی۔

"کیا کام کی مصروفیت بہت زیادہ ہے؟" اس نے آہستہ سے بے رخی کا شکوہ کیا۔

"کچھ کہنا ہے آپ کو۔" فراز نے جھلا کر فائلیں بند کر دیں۔

"آپ اس قدر چپ چپ سے اور اداس کیوں رہتے ہیں؟" اس نے پوچھا۔ "کیا غم لاحق ہے آپ کو؟"

"غم....." فراز کے ہونٹوں پر ایک پھیکا سا تبسم ابھر آیا' فرزین کو گھورتے ہوئے بولے۔ "آپ کو میرے غموں کا خیال کیسے آ گیا۔"

"کیوں؟" وہ تلملا اٹھی۔ "کیا مجھے آپ کی خاموشی کا سبب پوچھنے کا بھی اختیار نہیں ہے؟"

"عبدل بتا رہا تھا کہ آج باہر کا موسم بڑا خوشگوار ہے۔" فراز نے اُس کی بات کو

نظرانداز کرتے ہوئے زہرخند سے جواب دیا۔

"اور اندر کے ماحول پر گھٹن طاری ہے۔ سانسوں سے بھی تپش کا گمان ہو رہا ہے۔" فرزین کا لہجہ بھی اچانک تلخ ہو گیا۔ وہ مشرقی عورت جو اس کے وجود سے جنم لے کر بیدار ہوئی تھی جھلاہٹوں کا شکار ہو کر پھر فوت ہو گئی۔

"عبدل سے کہیں' وہ آپ کے لئے لیمن اسکواش تیار کر دے۔" فراز نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ "تلخیاں ذہن کے غبار کو کاٹنے میں بڑی مؤثر ثابت ہوتی ہیں۔"

"مجھے آج لیڈی ڈاکٹر کے ہاں جانا ہے۔" وہ سپاٹ انداز میں بولی۔

"کیا ڈرائیور موجود نہیں ہے؟" فراز نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"میری واپسی شاید دیر میں ہو۔" فرزین نے تلملا کر کہا۔ "مجھے شاپنگ وغیرہ کرنی ہے۔"

"اوکے۔" فراز بے نیازی سے بولے پھر سگریٹ جلا کر دھواں اڑانے لگے۔

"آپ ناہید کے ساتھ کھانا کھا لیجئے گا..... میرا انتظار مت کیجئے گا۔"

فرزین نے بھرپور طنز کیا پھر تیزی سے گھومی اور لمبے لمبے قدم اٹھاتی کمرے سے باہر چلی گئی تو فراز بھی جھلا کر اٹھ کھڑے ہوئے چند لمحے کھلے دروازے کی جانب نفرت اور حقارت بھری نظروں سے گھورتے رہے پھر الجھے ہوئے انداز میں ٹہلنے لگے۔ چہرے پر کرب کے شدید تاثرات ابھر کر گہرے ہوتے چلے گئے اور سگریٹ کے کثیف دھوئیں کے مرغولے فضا میں ناچتے رہے۔

☆------☆------☆

مغرب کی نماز ادا کر کے ناہید اپنی خواب گاہ سے باہر آئی تو گھر بڑا سُونا لگ رہا تھا' فراز کا کمرہ بھی خالی تھا۔ راہداری سے گزر کر وہ ہال کی جانب آئی۔ بوا سروری ابھی تک جا نماز پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ سامنے سے عبدل آیا تو ناہید نے اس سے فراز کے بارے میں دریافت کیا۔

"چھوٹے سرکار باہر لان پر محسن میاں کے ساتھ بیٹھے باتیں کر رہے ہیں۔"

"فرزین کہاں ہے؟"

"وہ کہیں باہر گئی ہیں۔"

"فراز اور محسن بھائی نے چائے پی لی۔"

"جی نہیں۔" عبدل نے کہا۔ "فراز میاں نے کہا تھا کہ آپ آ جائیں تو چائے تیار

کی جائے۔"

"ٹھیک ہے' تم چائے تیار کر کے جلدی سے باہر لان پر لے آؤ۔"

وہ عبدل کو چائے کے لئے ہدایت دیتی ہوئی ساس کے کمرے میں آ گئی جہاں گھپ اندھیروں کا راج تھا۔ اُس نے سوئچ آن کر کے کمرہ روشن کر دیا۔ اندھیرے دور ہو گئے لیکن کمرے کی ویرانیاں بدستور قائم تھیں' ایک بیگم سجاد کے نہ ہونے سے وہ کمرہ کیسا اجاڑ اجاڑ سا لگ رہا تھا۔ یوں جیسے اپنے مکیں کے ساتھ ساتھ تمام اشیاء کی رونقیں بھی روٹھ گئی ہوں۔ اس نے الماری سے اگربتی نکال کر جلائی پھر قدم اٹھاتی لان کی طرف آ گئی۔

فراز اور محسن کے درمیان کسی مسئلے پر بڑی سنجیدگی سے گفتگو ہو رہی تھی' وہ قریب گئی تو فراز اور محسن دونوں احتراماً اٹھ کھڑے ہوئے۔

"شازیہ کیا ساتھ نہیں آئی؟" ناہید نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے محسن علی سے پوچھا۔

"آپ نے بھی تو ایک عرصے سے غریب خانے کو عزت نہیں بخشی۔" محسن نے شکوہ کیا تو وہ آہستہ سے مسکرا دی۔

"آؤں گی کسی دن۔" اس نے پُروقار لہجے میں جواب دیا۔

"اور وہ دن کب آئے گا؟" محسن نے برجستہ سوال کیا۔

"جب یہ اپنے وجود پر سے بزدلی کا خول اتار دیں گی۔" فراز نے دبی زبان میں کہا۔

"کیوں ناہید بہن!" محسن نے وضاحت چاہی۔ "کیا فراز سچ کہہ رہے ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ میرے آنے سے آپ دونوں کی گفتگو میں رخنہ اندازی ہوئی ہے۔" وہ فراز اور محسن کی باتوں کو بڑی خوبصورتی سے ٹال گئی۔

"یہ اندازہ کس طرح لگا لیا آپ نے؟" محسن جلدی سے بولے۔ "میں تو جانے کا ارادہ کر رہا تھا پھر سوچا کہ آپ کو شکایت کا موقع مل جائے گا چنانچہ رک گیا۔"

"چائے مل گئی ہوتی تو شاید تم اس اخلاق کا مظاہرہ کبھی نہ کرتے۔" فراز نے مسکرا کر کہا۔

"جواز چونکہ بھرپور ہے اس لئے میں اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کر سکتا۔" محسن سنجیدگی سے بولے۔

"آپ غالباً دفتر سے اٹھ کر سیدھے ادھر ہی آ رہے ہیں۔" ناہید نے پوچھا۔

"جی ہاں اور اسی لئے چائے وغیرہ کی طلب شدت اختیار کرتی جا رہی ہے۔"

"پولیس کی ملازمت نے تمہیں اور زیادہ ڈھیٹ بنا دیا ہے۔" فراز نے کہا تو ناہید بھی مسکرا دی۔

عبدل چائے بنا کر لے آیا تو ناہید نے لوازمات کی پلیٹیں اٹھا کر درمیانی گول میز پر رکھ دیں پھر ٹرالی اپنی جانب کھسکا کر چائے تیار کرنے لگی۔ محسن علی نے اپنے روایتی انداز میں پلیٹیں صاف کرنا شروع کر دیں البتہ فراز نے کچھ نہیں لیا تھا' خاموش بیٹھے محسن علی کو مسکراتی نظروں سے گھورے جا رہے تھے۔

"فراز!" اس نے فراز کو مخاطب کیا۔ "تم بھی کچھ چکھ لو۔"

"محسن سے کچھ بچے تب کی بات ہے۔" فراز بولے۔

"اس انتظار میں رہے تو ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔" محسن نے ایک کیک پیس اٹھاتے ہوئے لاپرواہی سے جواب دیا۔

ناہید نے چائے تیار کر کے میز پر رکھی تو فراز چائے پینے لگے پھر کچھ سوچتے ہوئے قدرے سنجیدگی سے محسن سے پوچھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے ..... کیا مراد خاں کو لمبی سزا ہو جائے گی؟"

"یقینی ہو گی۔" محسن بولے۔ "میں نے اُس کے خلاف جتنے ثبوت اور بیانات اکٹھا کئے ہیں وہ سارے کے سارے مراد خاں کے خلاف ہیں' اس کے علاوہ جو چیزیں مراد خاں کی گرفتاری کے وقت اس کے مکان سے برآمد ہوئی ہیں وہ بھی اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ وہ بڑے پیمانے پر نہ صرف یہ کہ ناجائز تجارت کے کاروبار میں ملوث تھا بلکہ مجرمانہ سرگرمیوں کے دوسرے شعبوں میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لینے کا عادی تھا۔"

"محسن بھائی!" ناہید نے سنجیدگی سے پوچھا۔ "کیا عقیل کو بھی اندرونی حالات کا علم ہو گیا ہے؟"

"اندرونی حالات سے آپ کی کیا مراد ہے؟"

محسن نے وضاحت چاہی تو ناہید ایک لمحے کو سہم سی گئی۔ اسے مراد خاں کے بارے میں ایسا سوال نہیں کرنا چاہئے تھا لیکن بے خیالی میں وہ جملہ اس کی زبان سے ادا ہو چکا تھا لہٰذا جلدی سے خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

"میرا مقصد صرف یہ دریافت کرنا تھا کہ کیا عقیل بھی مراد خاں کے معاملے میں دلچسپی لے رہے ہیں؟"

"انہیں مجبوراً دلچسپی لینا پڑے گی کیونکہ معاملہ کسی غیر کا نہیں سلیم کا ہے۔" محسن

نے چائے کا آخری گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ نرجس نے عقیل صاحب کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا ہو گا۔"

"یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد خاں خود کو بچانے کے لئے بھری عدالت میں سلیم کے کردار کو بھی مقدمے میں ملوث کرنے کی کوشش کرے۔" فراز نے کہا۔

"شاید ایسا نہ ہو سکے۔" محسن نے ٹھوس آواز میں جواب دیا۔ "میں نے کاغذات تیار کرتے وقت اس بات کا بطور خاص خیال رکھا تھا کہ سلیم کا نام کسی طور درمیان میں نہ آ سکے، عقیل صاحب کی یقیناً یہی کوشش ہو گی کہ اُن کے سالے صاحب دودھ کی مکھی کی طرح صاف درمیان سے نکل جائیں۔"

"تو کیا سلیم بھائی پر بھی کوئی جرم عائد ہوتا ہے؟" ناہید نے تیزی سے دریافت کیا۔

"براہ راست تو مجھے ایسی کوئی بات نظر نہیں آ رہی جس سے سلیم کے کردار پر کوئی آنچ آ سکے لیکن بہرحال سلیم کو اس بات کا علم ضرور تھا کہ مراد خاں کس قماش کا آدمی ہے اور ایسی صورت میں انہیں بہت پہلے اس سے کنارہ کشی اختیار کر لینی چاہئے تھی۔" محسن علی سنجیدگی سے بولے۔ "خیر..... اب بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ صبح کا بھولا اگر شام کو گھر واپس آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔"

"میرا خیال ہے کہ آج شازیہ بھی یہی سوچ رہی ہو گی۔" ناہید نے مراد خاں کے تذکرے کو ٹالنے کی خاطر بڑے لطیف انداز میں محسن علی پر فقرہ چست کیا تو محسن نے جملے کی برجستگی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کا بے حد ممنون ہوں ناہید بہن کہ آپ نے مجھے بروقت چونکا دیا لہٰذا اب میں اجازت چاہوں گا ورنہ ہو سکتا ہے کہ گھر پہنچتے ہی بازپرس کا سلسلہ شروع ہو جائے اور مجھے بلاقصور آپ کی سہیلی کے عتاب کا شکار ہونا پڑے۔"

محسن اٹھے تو فراز اور ناہید بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ تینوں ساتھ ساتھ قدم اٹھاتے پھاٹک تک آ گئے جہاں محسن علی کی گاڑی کھڑی تھی، چوکیدار اپنی جگہ مستعد ہو گیا تھا۔

"کل وقت ملے تو میری طرف دفتر میں آ جانا۔" فراز بولے۔ "مجھے تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔"

"وہ کس سلسلے میں؟" محسن نے دریافت کیا۔

"کچھ مسئلے الجھ گئے ہیں، ان ہی کے بارے میں تم سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں عین دوپہر کے کھانے کے وقت آ جاؤں گا اور لنچ تمہارے ساتھ

کھاؤں گا۔"

"گویا مشورہ دینے کا معاوضہ کھانے کی شکل میں وصول کرو گے ..... کیوں؟" فراز مسکرا دیئے۔

"پیٹ کی خاطر تو انسان اپنے آپ کو بھی فروخت کر دیتا ہے مائی ڈیئر!" محسن نے سنجیدگی سے کہا پھر ناہید کو خدا حافظ کہتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ کر رخصت ہو گئے تو ناہید فراز کے ساتھ دوبارہ لان پر آ گئی۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ فراز بجھے بجھے سے نظر آ رہے ہیں۔

"کیا تمہیں کوئی کاروباری مسئلہ درپیش ہے جو محسن بھائی کو دفتر بلایا ہے؟" اس نے خالی کرسی پر دراز ہوتے ہوئے فراز سے پوچھا۔

"ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے۔" فراز بولے لیکن ان کے لہجے میں درد کی کسک شامل تھی۔

"تم کچھ پریشان معلوم ہوتے ہو۔" اُس نے فراز کے لہجے کی کسک کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

"چند ایک کاروباری معاملات ہیں جو الجھ گئے ہیں۔" فراز نے خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے کی خاطر مسکراتے ہوئے کہا لیکن ہونٹوں پر ابھرنے والی مسکراہٹ میں کوئی تازگی، کوئی شگفتگی نہیں تھی۔

ناہید نے فراز کو غور سے دیکھا، کچھ دنوں سے وہ اُن کی طبیعت میں ایک اضطراب سا محسوس کر رہی تھی، جانے کیا دکھ تھا جو اُن کو گھن کی طرح اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا۔ وہ چپ چپ اور گم صم سے رہنے لگے تھے۔ دفتر کی فائلوں اور کاروباری مصروفیات کی آڑ لے کر خود کو الگ تھلگ رہنے کا عادی بنا لیا تھا لیکن کیوں؟ ..... انہیں کیا فکر لاحق تھی ..... کیوں وہ خود کو بدلنے کی کوششوں میں دوسروں کی توجہ کا مرکز بنتے جا رہے تھے ..... پہلے تو فراز ایسے نہیں تھے ..... انہیں حالات کا رخ موڑنے کا سلیقہ آتا تھا ..... وہ طوفانوں اور حادثوں سے کبھی خائف نہیں ہوئے تھے ..... ہر حال میں مسکراہٹیں بکھیرنے کے عادی تھے ..... پھر ..... اچانک ہی انہیں کیا ہو گیا تھا ..... تبدیلیاں کیوں رونما ہو رہی تھیں ..... آخر کیوں؟

وہ فراز کو تکتی رہی، ان کے خوبصورت چہرے کے خدوخال پر سنجیدگی، بُردباری اور تفکرات کے جو ملے جلے تاثرات نظر آ رہے تھے وہ اُن کی طبیعت کے منافی تھے۔ ان کی

باغ و بہار شخصیت کی نفی کرتے نظر آ رہے تھے اور تب اچانک ناہید کے ذہن میں فرزین کا تصور ابھرا جس نے بیگم سجاد کی موت کے بعد سے کل پرزے نکالنے شروع کر دیئے تھے۔ فراز کو بیوی کا وہ انداز پسند نہیں تھا شاید اسی لئے وہ کھوئے کھوئے رہنے لگے تھے۔

"فرزین کہیں گئی ہوئی ہے شاید۔" اس نے ڈرتے ڈرتے فراز سے پوچھ ہی لیا۔

"جی ہاں۔"

"کہاں؟"

"لیڈی ڈاکٹر کے ہاں۔" فراز نے آہستہ سے جواب دیا۔ "رات کو دیر سے آئے گی۔"

"دیر سے کیوں؟" اس نے دھڑکتے دل سے پوچھ ہی لیا۔

"کچھ شاپنگ وغیرہ کرنی ہے ..... ہو سکتا ہے کہ شہلا کی طرف بھی جانے کا ارادہ ہو۔" فراز کے لہجے میں تڑپ تھی۔ انہیں خود اپنی بے چینی کا احساس ہوا تو جلدی سے ناہید کی الجھنوں کو دور کرنے کی خاطر بولے۔ "غالباً اس نے شہلا کے ساتھ ڈنر کا پروگرام بنا لیا ہے اسی لئے یہ کہہ کر گئی ہے کہ کھانے پر اس کا انتظار نہ کیا جائے۔"

"ایسی صورت میں تو تمہیں بھی فرزین کے ساتھ جانا چاہئے تھا۔" وہ بڑی سنجیدگی سے بولی۔ "فرزین کا جی اچھا نہیں ہے۔ تمہیں خود بھی لیڈی ڈاکٹر سے مل کر فرزین کی کیفیت کے بارے میں دریافت کرنا چاہئے۔ عنقریب وہ ماں بننے والی ہے' ایسی صورت میں تمہیں اس کا زیادہ خیال رکھنا چاہئے۔"

"جی ہاں ..... آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" فراز نے خلا میں کچھ تلاش کرتے ہوئے بڑے مدھم لہجے میں کہا۔ "آئندہ خیال رکھوں گا۔"

"ایک بات کہوں فراز!"

"حکم دیجئے۔" فراز نے بڑی حسرت سے پلٹ کر کہا۔

"تمہیں فرزین کو پیار و محبت سے سمجھانا چاہئے کہ وہ شہلا سے ملنا جلنا کم کر دے ورنہ....." وہ کچھ کہتے کہتے سہم کر رک گئی۔

"ورنہ کیا؟" فراز نے تیزی سے پوچھا۔

"شہلا فرزین کی دوست نہیں' دشمن ہے۔" ناہید نے جواب دیا۔ "اس کی محبت فرزین کی زندگی میں زہر سے مہلک ثابت ہو سکتی ہے' مجھے یقین ہے کہ اگر تم فرزین کو پیار سے سمجھاؤ تو وہ مان جائے گی۔"

"لیکن ..... شہلا میں برائی کیا ہے؟" فراز نے سپاٹ آواز میں جرح کی' آنکھوں میں عود کر آنے والی سرخیاں اس بات کی غمازی کر رہی تھیں کہ وہ اندر ہی اندر جھلس رہے ہیں۔

"وہ آزاد خیال ہے ..... لاپرواہ ہے ..... اپنی تہذیب سے نابلد ہے ..... جو کرتی ہے اُس کے انجام سے واقف نہیں ہوتی ..... اور....."

"اور یہی تمام خوبیاں تو فرزین میں بھی موجود تھیں۔" فراز تڑپ کر بولے۔ "ان ہی باتوں کا واسطہ دے کر میں نے امی حضور سے بھی ہاتھ باندھ کر فریادیں کی تھیں لیکن نتیجہ کیا نکلا ..... قدرت نے قسمتوں میں جو رقم کر دیا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔"

"حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو فراز!" ناہید نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا۔ "تم مرد ہو ..... تم چاہو تو اب بھی وقت کے دھاروں کو اپنے حق میں موڑ سکتے ہو ..... یوں خاموش تماشائی بنے رہنے سے تو کچھ بھی حاصل نہ ہو گا۔"

"اب آپ کا کیا حکم ہے؟" فراز بڑی حسرت سے بولے۔ اس ایک مختصر سے جملے میں اتنی تڑپ' اتنی کسک اور اس قدر سوز تھا کہ ناہید ایک لمحے کو گنگ سی ہو گئی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ فراز کو کیا جواب دے۔ فراز نے ایک ہی جملے میں اپنا دل چیر کر رکھ دیا تھا۔ کیسا عجیب اور معصوم سا شکوہ کیا تھا' ماضی کی پوری داستان اور تمناؤں اور حسرتوں کا سارا خون اس ایک جملے میں سمو کر رہ گیا تھا۔

ناہید نے سر تسلیم خم کر لیا' خود اپنی نگاہوں میں چور بن کر رہ گئی۔ ماضی کی ایک ایک بات اس کے ذہن پر متحرک تصویروں کی مانند ابھر آئی۔ حالات کا ہر موڑ' ایک ایک کروٹ اور وقت کی ہر رفتار اس کے وجود کو کچوکے لگاتی رہی۔ دل کی دھڑکنوں کو جانے کیا ہو گیا تھا کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہی تھیں' ماضی نے حال پر پورا تسلط جما لیا تھا۔ مستقبل میں کیا کیا پیش آنے والا تھا' اس کی خبر کسے تھی؟ لمحات ساکت ہو گئے تھے' وقت تھم کر اپنے محور پر رک گیا تھا۔ صرف دل کی دھڑکنیں تھیں جس کی صدائے بازگشت پورے ماحول میں گونج رہی تھی۔ پھر فراز کی تھکی آواز اُس کے کانوں میں گونجی۔

"اگر میری بات سے آپ کو دکھ پہنچا ہے تو میں معافی کا خواستگار ہوں۔"

فراز کی آواز نے اُس کے خیالات کا شیرازہ منتشر کر دیا۔ بھیگی پلکیں اٹھا کر اس نے فراز کو دیکھا۔ وہ جانے کے لئے اٹھ کر کھڑے ہوئے تھے' نگاہوں کا تصادم ہوا تو کائنات میں ہلچل سی مچ گئی۔ فراز نے ناہید کی آنکھوں کو چھلکتے دیکھا تو اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ

لئے، بکھرے ہوئے انداز میں نظریں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا پھر نظریں جھکا کر بولے۔

"میں شرمندہ ہوں۔"

"فراز!" ناہید کی آواز بھرا گئی۔

فراز رکے نہیں، خاموشی سے اندر چلے گئے — میں شرمندہ ہوں — ان کی آواز ناہید کے کانوں میں دوبارہ گونجی تو سسک اٹھی۔ یوں جیسے اس جملے کا نشتر اُس کے وجود کی گہرائیوں میں کہیں پھنس کر ٹوٹ گیا تھا اور اس کی خلش اسے تڑپا رہی تھی۔

☆------☆------☆

لیڈی ڈاکٹر سے ملنے کے بعد فرزین نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو ابھی شام کے صرف چھ بجے تھے۔ فراز کو جلانے کی خاطر اس نے شاپنگ کرنے کا محض بہانہ تراشا تھا۔ گاڑی میں بیٹھ کر اس نے سوچا کیوں نہ وقت گزارنے کے لئے کچھ دیر کے لئے کلب چلی جائے۔ اسے کلب کے دوستوں اور ہم عمر سہیلیوں سے ملے بہت ڈھیر سارے دن گزر چکے تھے لیکن پھر اس نے اپنا ارادہ ملتوی کر دیا۔ وہ اپنی موجودہ حالت میں کلب نہیں جا سکتی تھیں کلب کے سارے ہی ممبران اس کے گرویدہ تھے، اس کے لباس، اس کی اسمارٹنس اور اس کی ایک ایک اداؤں پر زمین و آسمان کے قلابے ملاتے رہتے تھے۔ پھر وہ ایسی حالت میں کلب کے بے تکلف دوستوں کے درمیان بھلا کیسے جا سکتی تھی۔ لیڈی ڈاکٹر نے معائنہ کرنے کے بعد اسے مسکراتے ہوئے بتایا تھا کہ وہ ایک ماہ بعد ماں بننے والی ہے اور جواب میں وہ بھی اخلاقاً مسکرا دی تھی۔

اس نے ایک نظر خود اپنے سراپا پر ڈالی پھر جھلا کر گاڑی کا رخ اپنی رہائش گاہ کی طرف موڑ دیا اور اس آنے والی خوشیوں کے بارے میں سوچنے لگی جس کا اعلان ڈاکٹر نے کیا تھا۔

ایک ماہ بعد وہ ماں بننے والی تھی۔

اس کی گود ہری ہونے کا وقت قریب آ رہا تھا۔

اس کی زندگی میں ایک نئے اور معصوم باب کا اضافہ ہونے والا تھا۔

اس کے وجود سے ایک نیا وجود جنم لینے والا تھا۔

اور.....

اس وجود کا تعلق بھی فراز سے تھا۔

وہ اندر ہی اندر تلملا کر رہ گئی، کیسی عجیب اور مضحکہ خیز بات تھی کہ وہ جس فراز کو

ابھی تک اپنا ہم خیال نہیں بنا سکی تھی اسی کی امانت کو اپنے وجود سے منسلک کئے گھوم رہی تھی۔ وہ پودا جس کا بیج فراز نے بویا تھا، وہ اسے اپنے خون سے سیراب کر کے اس کی پرورش کر رہی تھی۔ پروان چڑھا رہی تھی۔ کیسے عجیب حالات تھے اور کیسی مجبوری تھی کہ ایک طرف وہ فراز سے اپنی انا کو تسکین پہنچانے کے لئے انتقام لینا چاہتی تھی اور دوسری طرف وہ اسی کی نشانی کو سینے سے لگائے ہوئے تھی۔

گھر پہنچ کر اس نے گاڑی پورٹیکو میں کھڑی کر دی، قدم مارتی اندر داخل ہوئی تو ڈرائنگ روم میں باپ سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس کرنل سرفراز حسب معمول ایک صوفے پر بیٹھے کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے۔ بیٹی کو خلاف توقع سامنے دیکھا تو جلدی سے کتاب رکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے، نہایت پیار سے بولے۔

"خیریت تو ہے فرزین! تم اچھی تو ہو؟"

"اِٹ اِز آل رائٹ ڈیڈی!" فرزین نے لاپرواہی سے کہا۔ "ڈاکٹر کی طرف گئی تھی، واپسی میں آپ کا خیال آیا تو ادھر آ گئی۔"

"فراز ساتھ نہیں آئے۔"

"جی نہیں۔" فراز کا نام سن کر وہ سنجیدہ ہو گئی۔ "انہیں آج کل کاروباری مصروفیات اتنی زیادہ ہیں کہ وقت نہیں ملتا۔"

"آئی سی ..... لیکن اس کے باوجود فراز کو تمہارے ساتھ کم از کم ڈاکٹر کے ہاں ضرور جانا چاہئے تھا۔"

"آپ سنایئے۔" اس نے فراز کے ذکر کو ختم کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟"

"پرفیکٹ۔" کرنل سرفراز نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "یہ اور بات ہے کہ میں میدان جنگ سے ریٹائر ہو چکا ہوں لیکن اس کے باوجود ابھی تک ان اصولوں پر کاربند ہوں جو بیس سال تک میرے رفیق رہے ہیں۔ زندگی سے جنگ کرنے کے لئے ہر وقت مستعد اور چاق و چوبند رہتا ہوں۔ انسان اصولوں کا پابند ہو تو کوئی فکر کوئی پریشانی اس کے قریب نہیں پھٹکتی۔"

"آپ کی صحت جبھی تو ابھی تک قابل رشک ہے۔"

"بیٹھو فرزین! تم کھڑی کیوں ہو؟" کرنل سرفراز نے پوچھا۔ "کیا جلدی واپسی کا ارادہ ہے۔"

"زیادہ دیر نہ رک سکوں گی۔" فرزین نے دوسرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "ڈنر ٹائم سے پہلے پہلے چلی جاؤں گی۔"

"ایز یُو وش۔" کرنل سرفراز نے لاپرواہی سے جواب دیا پھر بولے۔ "اور تو سب ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"جی ہاں۔" اس نے سرسری انداز میں جواب دیا۔

"تم نے ابھی فراز کی کاروباری مصروفیات کا ذکر کیا تھا۔ خدانخواستہ پریشانی کی تو کوئی بات نہیں۔ ویسے مجھے یقین ہے کہ فراز جیسا ذہین' ہونہار اور بردبار شخص کسی معاملے میں چوٹ نہیں کا سکتا۔"

"ہو سکتا ہے آپ کا اندازہ درست ہو۔" فرزین روانی میں کہہ گئی' اسے فراز کے ذکر سے الجھن ہو رہی تھی۔ باپ نے جو تعریفی کلمات کہے تھے وہ ان سے بھی متفق نہیں تھی لیکن وہ فی الحال انہیں اپنے نجی معاملات میں ملوث نہیں کرنا چاہتی تھی۔

"کیا مطلب؟" کرنل سرفراز بیٹی کا جواب سن کر چونکے۔ "کیا فراز کاروباری سلسلے میں نقصان اٹھا رہا ہے؟"

"جی نہیں۔" وہ سپاٹ آواز میں جلدی سے بولی۔ "وہ کسی کاروبار میں گھاٹا برداشت کرنے کے عادی نہیں ہیں اس لئے ہمیشہ فائدے میں رہتے ہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ ماں اور بھائی کی ناگہانی موت نے اسے الجھا دیا ہو۔" کرنل سرفراز پُرخیال انداز میں بولے۔ "میں سوچ رہا ہوں کہ کسی وقت فراز سے کھل کر اس کے کاروبار کے سلسلے میں گفتگو کروں۔"

"وہ کس لئے؟" فرزین نے باپ کی سنجیدگی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"بزرگوں کا سایہ سر سے اٹھ جائے تو انسان اندر سے ٹوٹ جاتا ہے۔ ایسے وقت اُسے کسی سہارے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔" کرنل سرفراز نے پائپ سلگاتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ اگر میں فراز کا ہاتھ بٹا دوں تو اس کی ذہنی پریشانیاں کچھ کم ہو سکتی ہیں۔ یوں بھی میں گھر پر بیکار پڑا رہتا ہوں' دو چار گھنٹے اگر جا کر اس کے دفتر میں بیٹھ جایا کروں تو اس میں بظاہر کوئی حرج بھی نہیں ہے۔"

"لیکن میں اسے پسند نہیں کروں گی کہ آپ فراز کے دفتر میں کام کریں۔" فرزین نے دبی زبان میں جواب دیا۔

"تمہارا اندازہ غلط ہے۔" کرنل سرفراز نے جواب دیا۔ "میں ملازم کی نہیں صرف

ایک بزرگ کی حیثیت سے فراز کا ہاتھ بٹانا چاہتا ہوں۔"

"اس کے باوجود یہ بات مجھے کچھ مناسب نہیں لگتی۔" فرزین تیزی سے بولی۔ "دفتر میں آپ کی موجودگی فراز کے لئے تکلیف دہ بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ زبان سے کھل کر اس کا اظہار نہ کریں لیکن کاروبار میں ہونے والے کسی امکانی نقصان کو آپ کی ذات سے منسوب بھی کیا جا سکتا ہے اس لئے میں نہیں چاہتی کہ آپ اس مسئلے پر فراز سے کوئی گفتگو کریں۔"

"او کے' اگر تمہارا مشورہ نہیں ہے تو میں فراز سے اس ضمن میں کوئی بات نہیں کروں گا۔" کرنل سرفراز نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

فرزین کچھ دیر باپ کے پاس بیٹھی باتیں کرتی رہی پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ فراز کے تذکرے نے اس کے ذہن کو مکدر کر دیا تھا۔ اسے باپ کی باتوں نے بھی الجھا دیا تھا' وہ نہیں چاہتی تھی کہ کرنل سرفراز کسی طور بھی فراز کی خوبیوں کو سراہیں۔ ایک بار اس کے جی میں آئی بھی تھی کہ کھل کر باپ کو اپنے نجی حالات سے آگاہ کر دے۔ انہیں بتا دے کہ فراز اوپر سے جتنے نیک اور سیدھے سادے نظر آتے ہیں اندر سے اتنے ہی چالاک اور عیار بھی ہیں لیکن وہ ضبط کر گئی تھی۔ شاید اس لئے کہ فراز نے براہ راست اس کی اپنی انا کو ٹھیس پہنچانے کی کوشش کی تھی اور وہ فراز سے براہ راست ہی انتقام لینے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ کسی دوسرے کو درمیان میں نہیں لانا چاہتی تھی۔

دیر تک وہ خود اپنے ہی ذہن کی خود ساختہ گتھیوں میں الجھی رہی پھر اس نے فون کر کے شہلا کو بلا لیا۔ تنہائیوں میں جو احساسات اسے ڈس رہے تھے وہ شہلا کی رفاقت میں انہیں ذہن سے نکال پھینکنا چاہتی تھی۔ اسی لئے اس نے شہلا کے آتے ہی بڑی گرم جوشی سے بڑھ کر اس کا استقبال کیا تھا۔

"خیریت؟" شہلا نے مسہری پر نیم دراز ہوتے ہوئے پوچھا۔ "یہ تم آج بغیر اطلاع کیسے آن ٹپکیں۔"

"کیوں ..... کیا تمہیں میرا آنا بُرا لگا؟" فرزین نے تیزی سے پوچھا۔

"یہ تمہارے ڈیڈ کا گھر ہے اس لئے میں بُرا ماننے والی کون' البتہ اتنا ضرور جانتی ہوں کہ پہلے تم نے یہاں آنے سے پیشتر ہمیشہ مجھے فون پر اطلاع ضرور دی تھی اور آج....."

"یہ جرح کرنے کی عادت تجھے کب سے پڑ گئی؟" فرزین نے اس کا جملہ قطع کرتے

ہوئے پوچھا۔

"اچھا چھوڑو اس بحث کو۔" شہلا نے مسکراتے ہوئے کہا پھر فرزین کو گھورتے ہوئے بولی۔ "یہ بتاؤ کہ تمہارے ان کا کیا حال ہے؟"

"پلیز شہلا ..... کوئی اور بات کرو۔" فرزین نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تمہاری فگر ..... آج کل بڑی رومانٹک ہو رہی ہے۔" شہلا نے فرزین کو اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔ "میری مانو تو اس حالت کی دو چار اچھی سی تصویریں اتروا کر البم میں محفوظ کر لو' بڑی یادگار ثابت ہوں گی۔"

"اسی لئے تو میں تم سے ملنے کلب نہیں آئی۔" فرزین بولی۔ "شرم سی محسوس ہو رہی تھی۔"

"بُرا کیا جو تم نے ارادہ ترک کر دیا۔" شہلا مسکرائی۔ "کلب آ جاتیں تو کچھ خوبصورت سے ٹائٹل مل جاتے اور شاید تمہیں اس حالت میں دیکھ کر انور کے سر سے تمہاری پسندیدگی کا بھوت بھی اتر جاتا۔"

"اچھا ..... گویا اب تُو بھی میرا مذاق اڑائے گی۔" فرزین نے اسے غصے سے گھورا۔

"سچ کہتی ہوں فرزین! ذرا آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر خود کو غور سے دیکھ۔ تجھے بھی اپنے آپ پر ہنسی آ جائے گی۔" شہلا بدستور گنگناتے لہجے میں بولی۔ "مجھے تو شتر بے مہار لگ رہی ہے۔"

"ڈیو رہی تیری یہ بات۔" فرزین بولی۔ "کبھی تیرا وقت آ گیا تو میں بھی تجھے ایسے ٹائٹل دوں گی کہ تجھے بھاگتے راستہ نہ ملے گا۔"

"تیری یہ آرزو شاید کبھی پوری نہ ہو سکے اس لئے کہ مجھے شادی بیاہ اور بچے کے تصور ہی سے نفرت ہے I Hate All This۔"

"پھر بے چارے شکیل کا کیا بنے گا؟" فرزین نے مسکراتے ہوئے سوال کیا۔

"وہ بھی تمام زندگی اپنی حماقتوں پر بیٹھا آنسو بہاتا رہے گا ..... میں شہلا ہوں ..... شہلا ..... بیڈمنٹن کی ٹرافی نہیں ہوں جسے وہ آسانی سے حاصل کر لے۔" شہلا بڑی بیباکی سے بولی پھر پوچھا۔ "یہ بتا کہ تُو اس مصیبت سے کب نجات حاصل کر رہی ہے؟"

"ابھی مجھے یہ سزا ایک مہینے اور بھگتنی پڑے گی۔" فرزین نے بُرا سا منہ بنا کر جواب

دیا۔

"گویا سویٹ فراز کو آج کل کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے۔"

"شہلا!" فرزین تلملا اٹھی۔ "خبردار' آئندہ تُو کبھی مذاق میں بھی فراز کو میرے سامنے سویٹ مت کہنا۔"

"اوہ ....." شہلا نے وضاحت طلب انداز اختیار کیا۔ "میں اسے رقابت سمجھوں یا نفرت۔"

"نفرت ..... شدید نفرت۔" فرزین بڑی حقارت سے بولی۔

"آئی سی۔" شہلا یکلخت سنجیدہ ہو گئی۔ "گویا بات بڑھ گئی ہے۔"

"ہاں ..... اور میں نے طے کر لیا ہے کہ کسی قیمت پر فراز سے شکست تسلیم نہیں کروں گی۔" فرزین کے چہرے پر خون کی تمازت ابھر آئی۔ "میں اس کی راتوں کی نیند حرام کر دوں گی۔ اس کے سکون کا ایک ایک لمحہ کربناک ہو گا۔ کسی پل اسے چین نہیں لینے دوں گی۔"

"اور فراز کو جلانے کی کوشش میں خود جل بھن کر راکھ کا ڈھیر بن جاؤں گی۔" شہلا نے جھلا کر کہا۔ "انتقام کا اچھا سلیقہ اپنایا ہے تُو نے۔"

"آئی مین اٹ شہلا۔" فرزین چیخ اٹھی۔

"ڈونٹ بی سلی۔" شہلا سنجیدگی سے بولی۔ "انتقام لینے کا یہ طریقہ نہیں ہوتا کہ انسان خود ہی اپنی آگ میں جلتا رہے اور دوسرے پر اُس کا کوئی اثر نہ ہو۔"

"پھر ..... میں کیا کروں؟" فرزین کے لہجے میں بڑی معصوم سی بے بسی شامل تھی۔

"کھاؤ پیو اور موج اڑاؤ۔" شہلا نے کہا۔ "فراز کو کوئی لفٹ مت دو' وہ ایک بار تم سے دور رہنے کی کوشش کرے تو تم دس بار اُس کے قرب سے کنارہ کشی کا انداز اختیار کرو۔ اسے ہیٹ کرو لیکن اس طرح کہ تمہارے ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹیں کھیلتی رہیں' اسے اس بات کا احساس بھی نہ ہونے دو کہ تم حالات سے پریشان ہو کر اندر ہی اندر جھلس رہی ہو۔ اپنا خون جلانے کے بجائے اسے اپنی بے نیازی' بے رخی اور لاپرواہی سے کانٹوں پر لوٹنے کے لئے مجبور کرو اور اسے اتنا موقع مت دو کہ تمہاری موجودگی میں دوسری عورتوں کے ساتھ رنگ رلیاں منا سکے۔ حالات پر کڑی نظر رکھو مگر خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے کی کوشش کرو..... اپنی مسکراہٹوں سے اسے تڑپنے پر مجبور کرو

..... اپنی بے نیازی سے اسے قریب آنے کے لئے بے چین کرو اور جب وہ قریب آئے تو اسے حقارت سے دھتکار دو Spit On Him۔"

"وہ انسان نہیں ..... پتھر ہے۔" فرزین ہاتھ ملتے ہوئے بولی' آنکھوں میں بے بسی کا احساس نمی بن کر ابھر آیا۔

"اور تم عورت ہو ..... عورت اگر چاہے تو مرد کو اپنے سامنے جھکنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ فراز اگر پتھر ہے تو تم چٹان بن کر اس سے ٹکرا جاؤ' وہ ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائے گا۔ خود اپنی موت مر جائے گا۔" شہلا بڑے ٹھوس لہجے میں بولی۔ "ستون عمارت کا بوجھ اٹھائے رہتے ہیں۔ بظاہر بے حد ٹھوس اور مضبوط نظر آتے ہیں' انسان اگر ان ستونوں کو توڑنے کے لئے سر ٹکرانا شروع کر دے تو خود پاش پاش ہو جائے گا۔ ان ٹھوس ستونوں کو توڑنے کے لئے ان کی بنیادوں کو دھیرے دھیرے اور آہستہ آہستہ کمزور کرنا پڑتا ہے' اندر سے کھوکھلا کرنا پڑتا ہے اور پھر انہیں نہایت آسانی سے ڈھایا جا سکتا ہے۔ مرد بھی ان ہی ستونوں کی مانند ہوتا ہے اس لئے تمہیں حماقتوں کے بجائے عقلمندی اور دوراندیشی سے کام لینا ہو گا۔ میری بات یاد رکھو فرزین! اگر سینٹی مینٹل بننے کی کوشش کرو گی تو خود ٹوٹ جاؤ گی' بکھر کر ہواؤں میں ریزوں کی طرح گم ہو جاؤ گی۔"

"میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی۔" فرزین سفاک آواز میں بولی۔ "فراز کو ایسی شکست دوں گی کہ اس کی زندگی موت سے زیادہ بدتر ہو جائے گی۔"

"اس کے لئے تمہیں سمندر کی ان لہروں سے سبق حاصل کرنا ہو گا جو اوپر سے بظاہر بڑی پُرسکون اور ساکت نظر آتی ہیں لیکن سینے کی گہرائیوں میں ہزاروں طوفان موجزن ہوتے ہیں۔"

"میں ایسا ہی کروں گی ..... اس پتھر دل کو خون کے آنسو رونے پر مجبور کر دوں گی اور اس کی ہر تڑپ میرے ہونٹوں پر ایک نئے تبسم کو جنم دے گی۔"

شہلا اور فرزین کے درمیان دیر تک یہی گفتگو ہوتی رہی پھر شہلا نے ناہید کے بارے میں پوچھا تو فرزین بولی۔

"فساد کی اصل جڑ وہی ہے' اوپر سے انتہائی سادہ اور معصوم لیکن اندر سے انتہائی خطرناک۔"

"کوشش کرو کہ اس کا کانٹا درمیان سے نکل جائے۔" شہلا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے اس کے درمیان سے ہٹ جانے کے بعد حالات از خود تمہارے حق میں

ہموار ہو جائیں۔"

"نہیں۔" فرزین ہونٹ کاٹتے ہوئے بولی۔ "میں ان دونوں کو تڑپاؤں گی' سسکنے اور بلکنے پر مجبور کر دوں گی۔"

"سوچ لو ..... کہیں ایسا نہ ہو کہ تم خود ہی آنے والے طوفانوں میں گم ہو کر رہ جاؤ۔"

"آگ ہمیشہ پہلے خود جلتی ہے پھر دوسروں کو جلاتی ہے۔"

"تم جانو۔" شہلا نے لاپرواہی سے جواب دیا پھر موضوع بدل کر دوسری باتوں میں مصروف ہو گئی۔

فرزین نو بجے شہلا سے رخصت ہو کر گھر پہنچی۔ فراز اپنے کمرے میں جا چکے تھے' ناہید بھی سامنے نظر نہیں آ رہی تھی' اس نے عبدل کو بلا کر اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"فراز نے کھانا کھا لیا؟"

"جی ہاں۔"

"اور ناہید نے؟"

"وہ بھی کھا چکی ہیں۔"

"میری غیر موجودگی میں کوئی آیا تو نہیں تھا؟"

"محسن میاں آئے تھے کافی دیر بیٹھے رہے۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ جانے کے لئے پلٹی تو عبدل نے دبی زبان میں پوچھا۔

"آپ کھانا کھائیں گی؟"

"نہیں۔" وہ حقارت سے بولی پھر قدم بڑھاتی اپنی خواب گاہ میں آ گئی۔

فراز ابھی تک سوئے نہیں تھے' باغ کی سمت کھلنے والی کھڑکی کے قریب کھڑے باہر تاریکیوں میں کچھ تلاش کر رہے تھے' چہرے پر گہری سنجیدگی طاری تھی۔ فرزین نے انہیں غور سے دیکھا لاپرواہی سے پرس صوفے کی طرف اچھالا اور لباس تبدیل کرنے ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔ لباس تبدیل کر کے واپس آئی تب بھی فراز کھڑکی سے قریب ہی موجود تھے۔ انہیں فرزین کے آنے کی اطلاع تھی لیکن ایک بار بھی تو انہوں نے پلٹ کر اس کی سمت نہیں دیکھا' اپنے ہی خیالات میں گم رہے' ذرہ برابر بھی تو حرکت نہیں کی۔

وہ اندر ہی اندر تلملا کر رہ گئی' حقارت سے نظریں پھیر لیں اور بستر پر آ کر دراز ہو گئی۔ فراز کی سرد مہری نے اس کی آتش انتقام کو اور بھڑکا دیا تھا ـــــ پتھر ..... نہ جانے

خود کو کیا سمجھتا ہے ـــ فرزین نے نفرت سے سوچا پھر کروٹ بدل لی اور آنکھیں موند کر مستقبل کے بارے میں فیصلے کرنے لگی۔

رات آہستہ آہستہ بیت رہی تھی۔

☆------☆------☆

صبح فرزین کی آنکھ دیر سے کھلی۔

فراز دفتر جا چکے تھے۔ مسہری پر پڑی شکنیں بتا رہی تھیں کہ وہ رات اس سے الگ نہیں سوئے تھے۔ فرزین کے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ تبسم ابھر آیا' اسی لمحے دروازے پر کسی نے آہستہ سے دستک دی تو اس کی پیشانی شکن آلود ہو گئی' حقارت سے دروازے کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"کون؟"

"میں عبدل ہوں چھوٹی سرکار!"

"اندر آ جاؤ۔" اُس نے سپاٹ آواز میں کہا۔

عبدل سر جھکائے اندر آ گیا' دبی زبان میں بولا۔

"ناشتہ تیار ہے' حکم ہو تو میز پر لگا دوں۔"

"نہیں ..... میں اپنے کمرے ہی میں ناشتہ کروں گی' دس منٹ بعد ناشتہ یہیں لے آنا۔"

"جی بہتر ہے۔"

عبدل چلا گیا تو اس نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا' لباس تبدیل کیا پھر سنگھار میز کے سامنے آ گئی۔ رات کی تھکن ابھی تک باقی تھی' ذہن بوجھل بوجھل سا ہو رہا تھا۔ اس نے کنگھا اٹھا کر بالوں کو سنوارا' عبدل ناشتہ لے آیا تھا اور اسے گول میز پر رکھ کر خود سر جھکائے کھڑا کسی حکم کا منتظر تھا۔ اس نے آئینے میں عبدل کو دیکھا تو جل اٹھی۔

"کیا بات ہے ..... یہ منہ لٹکائے کیوں کھڑے ہو؟"

"میرے لئے کوئی حکم۔" عبدل نے ڈرتے ڈرتے سہمے لہجے میں پوچھا۔

"گٹ آؤٹ۔" وہ جھلا کر بولی۔ "ضرورت ہوئی تو دوبارہ طلب کر لوں گی۔"

عبدل سر جھکائے واپس چلا گیا تو اس نے اٹھ کر نہایت آرام سے ناشتہ کیا پھر برتن واپس بھیج کر آرام کرسی پر نیم دراز ہو گئی۔ شہلا کی باتیں ایک ایک کر کے ذہن میں دوبارہ ابھرنے لگیں۔ فراز کی بے اعتنائی اور بے رخی نے اس کی آزادی اور شوخیوں کے

سارے ہی رنگ پھیکے کر دیئے تھے' زندگی میں کوئی لطف باقی نہیں رہ گیا تھا' لمحات کیسے پھیکے پھیکے ہو کر رہ گئے تھے' وقت اور حالات نے اس کے قدموں میں بیڑیاں ڈال دی تھیں' وہ ماں بننے والی تھی اس لئے آزادی سے گھومنے پھرنے سے بھی محروم ہو گئی تھی۔ گھر کی چہار دیواری کے اندر قید ہو کر رہ گئی تھی' اس کے بس میں ہوتا تو وہ ان بیڑیوں کو کاٹ ڈالتی' ان سے نجات حاصل کر لیتی لیکن اب ایسا ناممکن تھا۔ فراز کی نشانی کو مٹانا اب اس کے اختیار میں نہیں تھا۔ ایسا کرنے میں اس کے اپنے وجود کو بھی خطرہ پیش آ سکتا تھا۔ وہ موت سے ہمکنار ہو سکتی تھی اور موت کا بھیانک اور ہولناک تصور اسے کسی قیمت پر گوارا نہیں تھا۔

فرزین کے ذہن کے پردوں پر حالات کی پرچھائیاں ابھرتی مٹتی رہیں' ماضی حال سے اور حال مستقبل سے گڈمڈ ہوتا رہا' کبھی نفرت کی چنگاریاں بھڑک اٹھتیں تو اس کا چہرہ غصے کی شدت سے تمتما اٹھتا' خوفناک ارادے خون آشام درندوں کی طرح اس کے وجود کے اطراف میں منڈلانے لگتے۔ پھر وہ تصویر کے دوسرے رخ پر نظر ڈالتی تو سہم کر رہ جاتی۔ وسوسے جاگ اٹھتے' مستقبل کی ویرانیاں اس کے تصورات کو ڈسنے لگتیں' اسے یوں محسوس ہوتا جیسے وہ زندگی کے لق و دق صحرا میں بالکل تنہا' بے یار و مددگار بھٹکتی پھر رہی ہے جہاں ہر سمت ریت کے تپتے ذرات بگولوں کی مانند اڑتے پھر رہے تھے۔ اس کے وجود کو جھلسانے کی خاطر اس کی جانب لپکتے نظر آ رہے تھے۔ کیسی تپش تھی' کیسی ویرانیاں تھیں۔ کوئی بھی اس کا ہم نوا نہیں تھا اور خزاں کا رنگ کس قدر دبے قدموں ہر چیز کو اپنے احاطے میں سموتا جا رہا تھا' ہر شے پر محیط ہوتا جا رہا تھا۔ زندگی کے دوراہے پر کھڑی وہ حالات کا جائزہ لے رہی تھی۔

ایک راستہ اس کی خوشیوں کی منزل تھی۔

دوسرا راستہ ..... بے نام و نشان تھا جس پر دور دور تک کہیں کوئی سنگ میل نظر نہیں آ رہا تھا' کوئی سایہ نہیں تھا' کوئی تحفظ نہیں تھا' کوئی ہم سفر نہیں تھا۔

اگر وہ پہلے راستے کو اپناتی تو اس کی انا کو ٹھیس پہنچتی تھی۔

اس کے جذبات مجروح ہو جاتے۔

اسے حالات کے سامنے جھکنا پڑتا۔

سر نگوں کرنا پڑتا۔

اپنے آپ کو بدلنا پڑتا ..... خود کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑنا پڑتا۔

نئے سانچوں میں خود کو ڈھالنا پڑتا۔

اور دوسرا راستہ ..... دشت جنوں کا راستہ تھا۔

اس راستے پر طوفان ہی طوفان تھے۔

تپتی آندھیوں کے شدید جھکڑ چل رہے تھے۔

خزاں میں مرجھائے ہوئے خشک پتے آندھیوں کے بگولوں کے ساتھ ساتھ فضاؤں میں دور دور تک بکھرے نظر آ رہے تھے۔

ہر طرف ویرانیوں کا راج تھا۔

تاریکیوں کا دور دورہ تھا۔

پُر پیچ اور سنسان پگڈنڈیوں پر ہولناک سناٹے بھاڑ سا منہ کھولے بیٹھے تھے۔

فرزین اپنے خیالات میں گم تھی' بھٹکے ہوئے خیالات کے تیز و تند دھارے اسے تنکے کی طرح بہائے لئے جا رہے تھے کہ قدموں کی آہٹ ابھری اور خیالات کا سلسلہ ٹوٹ کر منتشر ہو گیا۔ بکھر گیا ..... اس نے نظریں گھما کر دیکھا' ناہید اس کی پشت پر کھڑی تھی' سفید لباس کی سادگی میں بھی اس کے معصوم حسن کی پُرکاریاں جلوے بکھیر رہی تھیں۔ بظاہر کتنی سنجیدہ سنجیدہ اور کھوئی کھوئی سی نظر آ رہی تھی' فرزین نے اُس کے سراپا پر نظر ڈالی پھر حقارت سے نگاہوں کے زاویے بدل لئے۔

"کیسی طبیعت ہے فرزین!" ناہید نے بڑی اپنائیت سے اسے مخاطب کیا' آہستہ سے فرزین کے سامنے آ کر مسہری پر بیٹھ گئی۔

"ٹھیک ہوں۔" فرزین نے بے رخی سے جواب دیا۔ کھل کر ناہید کی بلندیوں سے ٹکرانے کی ہمت نہ کر سکی تو دوپٹے کے پلو کو ہاتھوں میں دبا کر بل دینے لگی' مسلنے لگی۔

"کل تم ڈاکٹر کی طرف گئی تھیں ..... مجھے فراز نے بعد میں بتایا تھا۔" ناہید نے بڑے خلوص سے پوچھا۔ "کیا کہا ڈاکٹر نے؟"

"سب ٹھیک ہے۔"

"تم تنہا کیوں چلی گئیں ..... مجھ سے کہا ہوتا' میں تمہارے ہمراہ چلتی۔"

"پہلے میرا یہی خیال تھا' پھر میں نے اپنا ارادہ ترک کر دیا۔" فرزین نے خود کو سنبھالا' ہونٹوں پر طنز میں ڈوبا تبسم بکھیر ڈالا' بولی۔ "فراز گھر پر اکیلے رہ جاتے ..... اُن کا خیال کون کرتا' انہیں کھانا کون دیتا۔"

"اتنے ڈھیر سارے ملازم ہیں۔" ناہید نے آہستہ سے کہا۔ "فراز کو کوئی بھی کھانا

دے سکتا تھا۔"

"آئندہ آپ کے مشورے پر غور کرنے کی کوشش کروں گی۔" وہ تیکھے انداز میں بولی۔

"فرزین!" ناہید نے تھوڑے سے توقف کے بعد اسے مخاطب کیا۔ "ایک بات پوچھوں؟"

"پوچھئے۔"

"تم فراز سے کچھ خفا ہو؟"

"یہ میرا نجی معاملہ ہے۔" وہ بپھر گئی۔ "میں اپنے ذاتی معاملات میں کسی اور کا دخل پسند نہیں کرتی۔"

"مجھ سے بھی ناراض ہو کیا؟" ناہید نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"آپ غالباً کسی کام سے آئی تھیں۔" فرزین نے ترش آواز میں کہا۔

"ہاں ..... میں تم سے صرف اتنا کہنے آئی تھی کہ کبھی وقت ملے تو حالات پر سنجیدگی سے غور کرنا۔" ناہید دبی زبان میں بولی۔ "ہو سکتا ہے کہ جو کچھ میں سمجھ رہی ہوں اور محسوس کر رہی ہوں وہ میرا وہم ہو لیکن یہ سب کچھ اگر سچ ہے تو....."

"تو کیا؟" اس نے بے رخی سے ناہید کو گھورا۔

"گھر بنانا بہت مشکل ہے فرزین!" ناہید سنجیدہ ہو گئی۔ "پرندے بھی گھونسلہ بناتے ہیں تو دور دور سے تنکے چن کر لاتے ہیں۔ ایک آشیانے کی بنیاد ڈالنے کی خاطر شب و روز جدوجہد کرتے ہیں لیکن اکثر مخالف ہوا کا ایک معمولی سا جھونکا بھی آشیانے کے سکون کو درہم برہم کر کے رکھ دیتا ہے۔"

"میں سمجھی نہیں۔" فرزین نے نفرت سے پوچھا۔

"میرا تمہارا رشتہ بڑا نازک ہے اس لئے شاید میں کھل کر تمہیں نہ سمجھا سکوں لیکن اتنا مشورہ ضرور دوں گی کہ فراز کو قریب سے دیکھنے اور پرکھنے کی کوشش کرو..... اور ..... اور اپنے ذہن سے ان شکوک و شبہات کو نکال پھینکو جو کسی بھی بسے بسائے گھر اور ہنستے بولتے خاندان کی بربادی کا سبب بن جاتے ہیں۔"

"فراز کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟" فرزین نے چبھتے ہوئے لہجے میں بڑا نازک سا سوال کیا۔

"فراز بہت نازک احساسات اور حساس دل کے مالک ہیں۔" ناہید سنبھل کر بولی۔

"قدرت کی ستم ظریفیوں اور حالات کے تھپیڑوں نے ان کی زندگی کو بڑا پھیکا کر دیا ہے اور ایسے وقت میں تمہاری محبت فراز کو سنبھالنے میں بڑی معاون ثابت ہو سکتی ہے۔"

"ہر بات کی کوئی نہ کوئی جڑ اور بنیاد بھی ضرور ہوتی ہے۔" فرزین کے لہجے میں طنز کے نشتر پوشیدہ تھے۔ زہر کی حلاوتیں شامل تھیں۔

"وہم ذہن میں جگہ بنا لیتے ہیں تو اس کا کوئی حل ممکن نہیں۔"

"حقیقت سے انحراف کے انداز بھی نرالے ہوتے ہیں۔" فرزین زہرخند سے بولی۔ "ہر چمکنے والی شے پر سونے کا گمان تو نہیں کیا جا سکتا۔"

"آزمائش صداقت کی کسوٹی ہے۔" ناہید نے کہا۔ "وقت ہر پردے کو بے نقاب کر دیتا ہے۔"

"وقت کے انتظار میں اکثر انسان سنہری موقعوں کو ضائع کر دیتا ہے' بات اس کے اختیار سے باہر ہو جاتی ہے۔" فرزین بدستور مسکراتے ہوئے تیکھے تیور سے بولی۔ "مرض کی تشخیص اور اس کا علاج فوری طور پر نہ کیا جائے تو زخم ناسور بھی بن جاتے ہیں۔"

"دیکھنے والی نظریں اکثر سراب کے دھوکے میں بھی مبتلا ہو جاتی ہیں۔"

"اس کا انحصار بھی پیاس کی شدت پر ہوتا ہے۔"

"کچھ لوگ دوسروں کی خوشیوں کے درپے آزار بن جاتے ہیں۔" ناہید نے فرزین کی باتوں کے زہر کو ہنس کر پیتے ہوئے جواب دیا۔ "انسان کو اپنی سوجھ بوجھ سے کام لینا چاہئے' دوسروں کا ہاتھ تھام کر چلنے والے اکثر ڈگمگا جاتے ہیں۔ تم ذہین ہو' سمجھدار ہو' قدرت نے تمہاری جھولی میں دنیا جہان کی خوشیاں ڈال دی ہیں' تمہیں اس کا شکرگزار ہونا چاہئے۔ خود اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی عادت ڈالنی چاہئے۔"

"اپنے اور پرائے کا فرق سمجھنے میں بھی بہت سارے لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔" فرزین تنک کر بولی۔

"مجھے سمجھنے کی کوشش کرو فرزین!" ناہید تڑپ کر بولی۔ "خدا گواہ ہے کہ میں تمہاری دوست ہوں' دشمن نہیں ہوں۔"

"آپ نے یہ اندازہ کیسے لگا لیا کہ میں آپ کو دشمن سمجھ رہی ہوں۔" فرزین نے ایک اور کاری زخم لگایا۔ "یہ خیال اچانک آپ کے ذہن میں کس طرح بیدار ہو گیا ..... کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہو گی۔"

"حالات۔" ناہید نے بڑے خلوص سے جواب دیا۔ "میں بھی اسی گھر میں رہتی ہوں

پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہاں کے حالات سے بے خبر رہوں' تمہارے اور فراز کے درمیان جو خلیج پیدا ہو رہی ہے میں اُسے ختم کرنا چاہتی ہوں۔ فاصلے بڑھ گئے تو خلیج کو پاٹنا دشوار ہو گا۔ میں چاہتی ہوں کہ اس گھر میں پھر وہی پہلے جیسی رونق ہو' خوشیاں ہوں اور تمہارے اور فراز کے مشترکہ قہقہے گونجیں اور ان قہقہوں کی گونج حالات کے جمود کو توڑ کر ریزہ ریزہ کر دے۔"

"اس کے لئے آپ نے صرف مجھے مشورہ دینے کے لئے کیوں انتخاب کیا ہے؟" فرزین جھلا گئی۔ "فراز کو بھی ان کی غلطیوں کا احساس دلایا جا سکتا تھا۔ اس جمود کو ختم کرنے کی تلقین کی جا سکتی تھی جس نے اس گھر کو جہنم بنا دیا ہے۔ ایسا جہنم جہاں ہر وقت گھٹن کا احساس سانسوں کی رفتار پر بوجھ بنا رہتا ہے ..... ایک ایک لمحہ اذیتناک بن گیا ہے۔"

"فراز مرد ہیں ..... مرد کو قدرت نے عورت پر فوقیت دی ہے اور مرد جب خموشی اختیار کر لے' حالات اور ماحول سے بے نیازی کا انداز اختیار کر لے تو یہ فرض عورت کا ہوتا ہے کہ وہ اُسے خوش رکھنے کی کوشش کرے۔" ناہید نے سمجھاتے ہوئے بڑی بردباری سے کہا۔ "یقین مانو فرزین' قدرت نے عورت کو جن خوبیوں سے نوازا ہے وہ بے مثل ہیں۔ عورت اگر اپنے اندر ذرا سی لچک پیدا کر لے' ذرا ہمت اور دوراندیشی سے کام لے تو مرد کو بڑی آسانی سے رام کر سکتی ہے۔ رہا فراز کا مسئلہ تو ابھی ان کے ذہن پر بڑے بھائی کی جوان موت کا صدمہ طاری ہے' ماں کے جدا ہونے کا غم ابھی تازہ ہے۔ وقت نے جس انداز میں فراز کو حالات کی چکی میں پیسا تم اس کی گہرائیوں کو سمجھنے کی کوشش کرو تو ہر بات سہل ہو جائے گی۔ فراز زندگی کے جس موڑ پر کھڑے ہیں وہاں انہیں صرف تمہارا سہارا مل جائے تو وہ سنبھل جائیں گے ..... فراز کو صرف تمہارے پیار اور تمہاری مسکراہٹوں کی دل آویزیاں وقت کے بے رحم ہاتھوں سے نجات دلا سکتی ہیں اور اگر یہ وقت بھی بیت گیا تو حالات اور دگرگوں ہو جائیں گے ..... فاصلے گھٹنے کے بجائے اور بڑھ جائیں گے۔"

"گویا آپ یہ چاہتی ہیں کہ فراز کے آگے جھک جاؤں اور اپنی انا کو خود اپنے ہاتھوں سے مجروح کر لوں۔"

"بات انا کی نہیں فرزین! وقت کی ہے ..... وقت جو بے رحم بن گیا ہے۔" ناہید تڑپ کر بولی۔

"اور آپ اس بے رحمی پر مجھ سے رحم کی توقع کر رہی ہیں۔" فرزین تلملا اٹھی۔
"میں پتھر نہیں ہوں جسے ٹھوکر مار کر راستے سے دور کیا جائے اور اس پر اثر نہ ہو۔"
"فرزین!" ناہید چیخ اٹھی۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔"
"میرا جی اچھا نہیں ہے ..... مجھے آرام اور سکون کی ضرورت ہے۔"
فرزین بپھری ہوئی اٹھی اور غصے کی شدتوں سے بل کھاتی جا کر کھڑکی کے قریب کھڑی ہو گئی۔ ناہید کو فرزین سے اس رویے کی توقع نہیں تھی۔ حالات اس قدر بگڑ چکے ہیں' اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ شبہات دلوں میں اتنی گہرائیوں تک اپنی جڑیں مضبوط کر چکے ہیں' یہ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ آہستہ سے نظریں اٹھا کر اس نے فرزین کو دیکھا جو غصے میں کھڑی پیچ و تاب کھا رہی تھی' اس وقت فرزین سے مزید کوئی بات کرنی مناسب نہ سمجھی۔ لہٰذا وہ خاموشی سے نظریں جھکا کر اس کی خوابگاہ سے باہر چلی آئی۔

☆------☆------☆

فراز سرِ شام ہی فرزین کو لے کر ہسپتال گئے ہوئے تھے۔
ناہید آج بے انتہا خوش تھی' آج قدرت کی مہربانیاں قصرِ سجاد پر پھر اپنی رحمتیں نازل کرنے والی تھی۔ ایک نیا مہمان آنے والا تھا۔ فراز اور فرزین کے پیار کی ایک معصوم اور ننھی منی نشانی جنم لینے والی تھی اور اس دن کا اسے بڑی شدت سے انتظار تھا۔ اس ایک لمحے کے لئے اس نے اپنے معبود حقیقی سے جانے کتنی ڈھیر ساری دعائیں مانگی تھیں اور اس وقت بھی جب اس کی دھڑکنوں نے سر اٹھانا شروع کیا تو وہ وضو کر کے بارگاہِ خداوندی میں سجدہ ریز ہو گئی تھی۔ دعا مانگ رہی تھی۔
"میرے معبود! تُو اپنی رحمتوں کے در وا کر دے' فراز کو اولاد کی دولت سے مالا مال کر دے' قصرِ سجاد کی روٹھی ہوئی خوشیوں کو پھر سے بحال کر دے اور فراز اور فرزین کے درمیان پیدا ہونے والے فاصلوں کو دور کر دے کہ اس میں اس گھر کی خوشیاں پوشیدہ ہیں۔ فرزین کو صحت کلی عطا کر..... اس کے ذہن سے وہ شکوک و شبہات دور کر دے جو نفرتوں کی خلیج بن کر مسرتوں کی راہ میں حائل ہو گئے ہیں۔
میرے خدا! اپنے پیارے رسولؐ اور اُن کی محبوب امت کے صدقے میں اس گھر کو ہر بلا و آفات سے محفوظ رکھ۔ مجھ میں اتنی قوت اور ہمت پیدا کر دے کہ میں اپنے فرض کو نبھا سکوں۔ ان فرائض کو انجام دے سکوں جو میرے ناتواں شانوں پر بار کر دیئے گئے ہیں ..... میرے مالک! مجھے صبر کی دولت سے نواز دے۔ تیری ایک گناہگار بندی

تیرے حضور گڑگڑا کر اس گھر کی خوشیوں کی طلبگار ہے۔ اسے اپنی پناہ میں رکھ اور ایسے اسباب و حالات پیدا کر دے کہ خزاں کے وہ منحوس جھونکے جو اس گھر کی خوشیوں کو برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں اپنا رخ پھیر لیں۔
خداوند! غیب سے ایسے حالات رونما فرما کہ سب مشکلیں آسان ہو جائیں۔ تُو دلوں کے احوال سے واقف ہے ..... تُو جانتا ہے کہ میں بے قصور ہوں ..... مظلوم ہوں' میری عزت کا بھرم برقرار رکھ ..... اور اگر میری قسمت میں بربادیوں اور محرومیوں کے ساتھ ساتھ بدنامیاں بھی رقم کر دی گئی ہیں تو مجھے اس دنیا سے اٹھا لے میرے معبود! میں ہاتھ باندھ کر تیری رحمتوں سے اپنے لئے عزت اور شرافت کی پُرسکون زندگی کی بھیک مانگتی ہوں ..... مجھے اس کے سوا کچھ اور نہیں چاہئے۔"
بڑی دیر تک وہ سجدہ میں پڑی دعائیں مانگتی رہی پھر باہر سے گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی تو جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی' پلکوں پر لرزتے آنسوؤں کو خود اپنے ہی دامن کی تشنگی میں جذب کر لیا' بھیگے رخساروں کو صاف کیا اور دھڑکتے دل سے تیز تیز قدم اٹھاتی راہداری سے گزرتی باہر آ گئی۔ اس کا خیال تھا کہ فراز آئے ہوں گے' وہ اس خبر کو سب سے پہلے سننا چاہتی تھی جس کے لئے جانے کب سے مضطرب تھی لیکن آنے والے فراز نہیں تھے' شازیہ تھی۔ اس نے بڑی گرمجوشی سے شازیہ کا استقبال کیا اور باتیں کرتے ڈرائنگ روم میں ساتھ لے آئی۔ اس وقت وہ خود کو بے حد تنہا اور پریشان سا محسوس کر رہی تھی۔ شازیہ کے آ جانے سے اسے ایک انجانے سکون کا احساس ہوا تھا۔
"تم شاید ابھی رو رہی تھیں۔" شازیہ نے اس کی نم آلود پلکوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔
"ہاں شازیہ! تمہارے آنے سے پیشتر میری آنکھوں سے اشک رواں تھے لیکن یہ آنسو خوشی کے آنسو ہیں جو دل کی گہرائیوں سے نیک جذبوں کا سہارا لے کر ابھرے تھے اور امڈ امڈ کر آنکھوں سے ڈھلک رہے تھے۔" اس نے بڑے مسرت آمیز لہجے میں جواب دیا۔
"فراز بھائی اور فرزین کہاں ہیں؟" شازیہ نے ان کی کمی کو محسوس کرتے ہوئے سوال کیا۔
"فراز ..... وہ فرزین کو لے کر ہسپتال گئے ہیں ..... تین گھنٹے ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک نہ تو فراز پلٹے ہیں اور نہ ہی انہوں نے فون کیا ..... مجھے بڑی شدت سے کسی خوشخبری کا انتظار ہے۔"

"اوہ ..... تو یہ بات ہے۔" شازیہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "یوں کہو کہ فرزین ماں بننے والی ہیں۔"

"ہاں شازیہ!" وہ لہک کر بڑے معصوم انداز میں بولی۔ "آج اس گھر کی ویرانیوں میں ایک ننھا سا وجود بہاریں لے کر آنے والا ہے۔"

"خدا تمہاری دعائیں قبول کرے لیکن میرا خیال ہے کہ فرزین پر اس خوشگوار حادثے کا بھی کوئی اثر نہیں ہو گا۔" شازیہ بولی۔ "وہ اتنا آگے نکل چکی ہے کہ اب اس کی واپسی ناممکن ہے' کوئی معجزہ ہی اسے راستی پر لا سکتا ہے۔"

"مگر میرا دل گواہی دیتا ہے کہ اب حالات سنبھل جائیں گے۔" ناہید نے جلدی سے کہا۔ "فرزین اور فراز کے لئے ایک معصوم وجود نہایت خوش آئند ثابت ہو گا۔"

"خدا کرے ایسا ہی ہو۔" شازیہ بولی۔ "فراز بھائی کی سنجیدگی اور خاموشی تو اب مجھے بھی کھلنے لگی ہے ..... شادی سے پہلے کتنی باغ و بہار طبیعت کے مالک تھے' محفل کو زعفرانِ زار بنا دیتے تھے۔"

"اللہ نے چاہا تو پھر سے وہی دن واپس آ جائیں گے۔" ناہید بولی۔ "ممتا کا جذبہ تمام جذبوں سے مقدس اور بلند ہوتا ہے اور جب یہ جذبہ بیدار ہوتا ہے تو عورت تمام دکھ درد کو بھول کر اپنی دنیا میں گم ہو جاتی ہے۔ اس دنیا میں جہاں وہ ہوتی ہے' اس کا پیار کرنے والا شوہر ہوتا ہے اور ایک ننھا فرشتہ ہوتا ہے' زندگی کی تمام مصروفیات سمٹ کر اس دنیا میں گم ہو جاتی ہیں۔"

"بڑے تجربے کی باتیں کر رہی ہو۔" شازیہ مسکرا کر بولی۔ "کہاں سے سیکھ لی ہیں یہ باتیں۔"

"وقت اور حالات کی مہربانیوں کا کرشمہ ہے۔" ناہید مدھم آواز میں بولی۔ چہرے پر انجانی خواہشات کا عکس بے اختیار دمک اٹھا تھا۔

"جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا لیکن آج اگر فرزین کی جگہ مجھے تمہاری گود ہری ہونے کی اطلاع ملی ہوتی تو خدا کی قسم میں خوشی سے جھوم اٹھتی۔"

"شازیہ!" ناہید تڑپ اٹھی۔ "خواب ہمیشہ خواب ہی رہتے ہیں۔"

"جانتی ہوں لیکن انسان اگر چاہے تو ان پھیکے خوابوں کے خاکوں میں حقیقت کا رنگ بھی بھرا جا سکتا ہے۔"

"قدرت کی مرضی کے آگے انسان بے بس ہوتا ہے۔"

"اور اکثر کچھ لوگ آڑے آ جاتے ہیں۔"

"مجھے کسی سے کوئی گلہ شکوہ نہیں۔" ناہید نے تیزی سے کہا۔ "میں جس حال میں ہوں بہت خوش ہوں۔"

"ایک بات کہوں ناہید!"

"کہو۔"

"اس گھر کی چار دیواری میں خوشیاں تمہیں کبھی راس نہیں آئیں گی۔ میری مانو تو اب تم اپنے گھر چلی جاؤ۔"

"میرا گھر....." ناہید کے دل کی گہرائیوں میں کوئی شے ٹوٹ سی گئی' اداس لہجے میں بولی۔ "عورت کا اصل گھر اس کے شوہر کی دہلیز ہوتی ہے۔"

"لیکن اس گھر نے تمہیں بیوگی کے سوا اور کیا دیا ہے؟"

"یہ میری قسمت ..... میرا مقدر تھا۔"

"حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو ..... بیگم سجاد کی بزرگی کا سایہ بھی تمہارے سر سے اٹھ چکا ہے۔"

"یہ حالات کی ستم ظریفی ہے۔"

"اب یہاں تمہارے لئے کیا باقی رہ گیا ہے۔"

"اب بھی بہت کچھ ہے۔" وہ ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "اس دہلیز سے میری زندگی کی ہزاروں یادیں وابستہ ہیں ..... کبھی میں یہاں عروسی جوڑا پہن کر دلہن بن کر آئی تھی' اسی دہلیز پر جہاں قدرت نے مجھے بیوگی کا غم دیا وہاں ایک شفیق اور محبت کرنے والی ماں (بیگم سجاد) کا سایہ بھی عطا کر دیا ..... ساتھ ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے لیکن تعلق تو کبھی ختم نہیں ہوتا ..... یادیں تو ہمیشہ زندہ اور تر و تازہ رہتی ہیں ..... قفس میں قید پنچھی بھی اپنے ماحول سے اتنا مانوس ہو جاتا ہے کہ فرار ہونے کا ارادہ ترک کر دیتا ہے۔ میں تو پھر بھی اپنے گھر میں ہوں جہاں مجھے بے حد سکون ہے' اطمینان ہے اور یہاں کے ایک ایک ذرے سے میری زندگی کا بڑا گہرا تعلق ہے ..... میں ان یادوں سے کیسے منہ پھیر سکتی ہوں؟"

"اور ان ہی یادوں کے بوجھ تلے دب کر ایک دن تم بھی فنا ہو جاؤ گی۔" شازیہ سنجیدگی سے بولی۔

"تقدیر کا لکھا کون مٹا سکتا ہے۔"

"انسان چاہے تو سب کچھ ممکن ہو سکتا ہے ..... تم یہ کیوں بھول رہی ہو کہ اس گھر میں فراز بھی رہتے ہیں۔"

"کیا مطلب؟" ناہید چونک اٹھی' دل کی دھڑکنیں آپ ہی آپ تیز ہونے لگیں۔

"کیا تم یقین سے کہہ سکتی ہو کہ تم نے فراز سے وابستہ ماضی کی ہر یاد کو اپنے دل کی گہرائیوں سے کھرچ کر نکال دیا ہے؟"

"اب تو سب کچھ جل کر راکھ ہو چکا ہے۔"

"اور اس راکھ کے ڈھیر تلے دبی ہوئی ایک معمولی سی چنگاری کسی وقت بھی بھڑک کر شعلے کا روپ اختیار کر سکتی ہے۔" شازیہ ٹھوس آواز میں بولی۔ "ذرا سوچو ..... اگر ایسا ہوا تو کیا ہو گا۔"

"شازیہ!" ناہید نے اسے شکایت آمیز نگاہوں سے گھورا۔ "کیا تمہیں میری ذات پر اعتماد نہیں ہے؟"

"بات یک طرفہ ہوتی تو میں اتنی سطحی بات کبھی زبان تک نہ لاتی مگر تم خوب جانتی ہو کہ فراز تمہیں ابھی تک فراموش نہیں کر سکے۔" شازیہ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "فرزین اور فراز کے درمیان کشیدگی کی صورت شدت بھی اختیار کر سکتی ہے اور اگر کبھی خدانخواستہ حالات نے رخ بدلا اور فراز نے تمہارے وجود کے دامن میں پناہ لینے کے لئے اپنا دست سوال دا کیا تو کیا انکار کر سکو گی؟ بیگم سجاد زندہ ہوتیں تو اور بات تھی لیکن اب اور بات ہے ..... آگ اور پیٹرول کا ساتھ یوں بھی خطرناک ہوتا ہے ..... ویسے بھی اگر تم فراز اور فرزین کی زندگی خوشگوار دیکھنا چاہتی ہو تو ان کے درمیان سے علیحدہ ہو جاؤ۔ تمہاری موجودگی فرزین کو شبہات میں بھی مبتلا کر سکتی ہے اور اگر ایسا ہوا تو تم خود اپنی نگاہوں میں رسوا ہو جاؤ گی' ان تلخ حالات کا مقابلہ نہ کر سکو گی جو تمہاری زندگی میں زہر گھول دیں گے۔"

"پھر ..... میں کیا کروں؟"

"میرا تو یہی مشورہ ہے کہ تم اپنے والدین کے پاس واپس چلی جاؤ۔"

"امی حضور نے مرتے وقت مجھے کچھ ذمہ داریاں سونپی تھیں۔" ناہید ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

"میں جانتی ہوں ..... لیکن تم ان ذمہ داریوں کو دور رہ کر بھی پورا کر سکتی ہو۔"

"شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو شازیہ!" وہ اداس اور کھوئے کھوئے انداز میں بولی۔

"تمہاری باتیں دل کو لگتی ہیں۔"

"تم مجھے عزیز نہ ہوتیں تو شاید میں یہ باتیں کبھی نہ کہتی ..... لیکن میں تمہاری دشمن نہیں دوست ہوں۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔" اس نے نظریں جھکا کر دل شکستہ لہجے میں کہا۔ "میں تمہارے مشورے پر عمل کرنے کی کوشش کروں گی ..... فراز اور فرزین کی زندگی کو خوشگوار بنانے کے لئے اگر میری زندگی بھی کام آ جائے تو شاید میں اس سے بھی دریغ نہ کروں۔"

"ایک درخواست اور کروں گی۔" شازیہ بڑی اپنائیت سے بولی۔ "اگر میری کوئی بات تمہیں گراں گزری ہو تو مجھے معاف کر دینا۔"

"شازیہ!"

ناہید بے اختیار لپک کر شازیہ کے گلے لگ گئی' جذبات میں ابال آیا تو دل کا خون آنسوؤں کی شکل اختیار کر کے طوفانی انداز میں آنکھوں سے بہنے لگا' ضبط کے سارے بندھن ایک ذرا سی ٹھیس پا کر ٹوٹ گئے تھے' ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گئے تھے۔ اپنائیت کے ایک اظہار نے اسے کیسا نڈھال کر دیا تھا کہ وہ آنسوؤں کو بھی نہ روک سکی جو نہ جانے کب سے پلکوں کی اوٹ میں ٹھاٹیں مار رہے تھے' مچل رہے تھے' طغیانی کا روپ اختیار کر لینے کی خاطر مضطرب تھے۔

"ہوش میں آؤ ناہید!" شازیہ نے بڑے پیار سے اس کی آنکھیں خشک کرتے ہوئے کہا۔ "اس طرح تو تم خود کو ہلکان کر لو گی۔"

"اب زندہ رہنے کو جی نہیں چاہتا شازیہ!" وہ سسک اٹھی۔

"احمقوں کی سی باتیں مت کرو' لوگ مرنے والوں کے ساتھ تو نہیں مر جایا کرتے۔"

"لیکن جو جیتے جی مر جائے اس کے لئے تم کیا کہو گی۔" اس نے بھیگی پلکیں اٹھا کر شازیہ کو سوالیہ نظروں سے گھورا۔

"بزدل اور کم ہمت۔" شازیہ بولی۔ "مزہ تو جب ہے کہ انسان خود اپنی بربادیوں پر بھی مسکرانے کی عادت ڈال لے۔ ساری مشکلات اور دشواریاں خود ہی دور ہو جاتی ہیں۔"

"کبھی کبھی حوصلے ٹوٹنے لگتے ہیں۔"

"منزل پر پہنچ کر ہمت ہار دینا عقلمندی نہیں۔ تمہیں اپنی سابقہ روایات کو برقرار رکھنا چاہئے۔"

ناہید نے کوئی جواب نہیں دیا' خاموش بیٹھی شازیہ کی باتوں پر غور کرتی رہی۔ دو گھنٹے بعد محسن علی آئے تو شازیہ اسے صبر و ہمت کی تلقین کرتی ہوئی چلی گئی لیکن ناہید کے ذہن میں جو وسوسے جاگ اٹھے تھے وہ اسے بدستور بے چین کئے رہے' شازیہ نے غلط نہیں کہا تھا' آگ اور پیٹرول کا ساتھ کسی وقت بھی اس گھر کے سکون کو جلا کر خاکستر کر سکتا تھا۔ فرزین یوں بھی اس کے خلاف اپنے دل و دماغ میں شکوک اور شبہات کو جگہ دے چکی تھی۔ فراز کی باتوں نے بھی اسے احساس دلایا تھا کہ وہ ابھی تک اس کی یادوں کو دل کے نہاں خانوں میں سجائے ہوئے ہیں۔ فرزین کی تلخیوں نے فراز کے سوئے ہوئے جذبوں کو آہستہ آہستہ کریدنا شروع کر دیا تھا۔ پھر وہ بھلا آتش فشاں کے دہانوں پر بیٹھی کب تک محفوظ رہ سکتی تھی۔ کب تک اپنے دامن کو آگ کے شعلوں سے بچا سکتی تھی' آخر کب تک۔

اس کے ذہن میں خیالات کے لہریے ابھرتے رہے' اسے فراز کی خوشیاں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھیں اسے فرزین کے ہاں ہونے والی زچگی کا کس قدر شدت سے انتظار تھا۔ معصوم بچے کی کلکاریوں اور شرارتوں کو سننے اور دیکھنے کے لئے وہ کب سے اس دن کا انتظار کر رہی تھی۔ کیسے کیسے حسین اور معصوم خیالات اس کے ذہن میں کلبلاتے رہتے تھے۔ اس نے سوچا تھا کہ بچہ ہونے کے بعد فراز اور فرزین کے درمیان ہر اختلاف ختم ہو جائے گا۔ قصر سجاد کی ویرانیاں دور ہو جائیں گی اور خود اسے بھی ایک سہارا مل جائے گا۔ دل کو بہلانے کے لئے ایک کھلونا ہاتھ آ جائے گا۔ وہ فراز کے بچے کو سارا دن کھلائے گی' اسے چھیڑے گی' ستائے گی پھر جب تنگ آ کر وہ منہ بسورنے لگے گا تو بے اختیار سینے کی گہرائیوں میں چھپا لے گی۔ معصوم معصوم سی باتیں کرے گی' لوریاں سنا سنا کر سلائے گی' تنہائیوں کا احساس مٹ جائے گا اور وہ اسی معصوم سہارے کو اپنا کر سارا دکھ درد بھول جائے گی۔ بڑے سکون سے زندگی کے باقی دن گزر جائیں گے لیکن جب ان خوشیوں کا وقت قریب آیا تو تقدیر ایک بار پھر شازیہ کی صورت میں اس کے آڑے آ گئی' وہ سنجیدگی سے سوچنے لگی۔

کیا اسے خاموشی سے یہ دہلیز چھوڑ دینا چاہئے۔

کیا وہ اپنے گھر سے دور رہ کر خوش رہ سکے گی۔

ماضی کی یادیں کیا اس کا پیچھا اتنی آسانی سے چھوڑ دیں گی۔

حال کی سختیاں اسے سکون سے رہنے دیں گی۔

کہیں دم گھٹ کر نہ رہ جائے۔

روح اور جسم کا تعلق ختم ہو گیا تو دائمی سکوت طاری ہو جائے گا۔

سناٹے طاری ہو جائیں گے۔

اور.....

قدرت کی ستم ظریفیوں کو شاید قرار آ جائے۔

وہ اندر ہی اندر سلگتی رہی' سسکتی رہی پھر اس نے طے کر لیا کہ وہ فراز اور فرزین کی زندگی سے دور ہو جائے گی اپنے وجود کی تلخیوں کے منحوس سایوں کو سمیٹ کر خود اپنے دل کی ویرانیوں میں سمو لے گی۔ وہ فراز کو خوش رکھنا چاہتی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور مسکراہٹوں کو سجا دینا چاہتی تھی۔ زمانے بھر کی خوشیاں اور مسرتیں فراز کے قدموں پر نچھاور کر دینا چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ فراز کی زندگی تلخی دوراں کا شکار ہو لیکن

وہ ایسا کیوں چاہتی ہے؟

فراز پر اس کی یہ درپردہ نوازشیں کیا معنی رکھتی تھیں؟

جب ماضی کے سارے تعلق ختم ہو چکے تھے۔

پیار کے رشتے ٹوٹ چکے تھے ..... پھر

وہ فراز کے لئے کیوں بے چین تھی؟ ..... کیوں مضطرب تھی؟

ناہید سہم اٹھی' شازیہ کی باتوں نے شاید اسے راہ سے بھٹکا دیا تھا' اس کے قدم لڑکھڑانے لگے تھے۔ وہ گناہ کی مرتکب ہو رہی تھی۔ جرم کر رہی تھی' اس نے اپنے شتابی ہونٹ سختی سے دانتوں تلے بھینچے' خود اپنے خیالات پر تلملا اٹھی اور ابھی وہ اپنے آپ کو سرزنش کر رہی تھی کہ فراز کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"فرزین کے ہاں لڑکا ہوا ہے۔"

اس نے سہمے ہوئے انداز میں تیزی سے پلٹ کر دیکھا۔ فراز اس کی پشت پر موجود تھے' جانے کب سے کھڑے تھے' کب آئے تھے' وہ اپنے خیالات میں اتنی ڈوب گئی تھی کہ اسے ان کے آنے کی خبر تک نہ ہوئی۔ پھر جلدی سے اس نے اپنے ہونٹوں پر تبسم سجا لیا' دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

"تم کب آئے فراز!"

"زیادہ دیر نہیں ہوئی۔" وہ تھکے تھکے انداز میں بولے۔ "آپ کہیں کھوئی ہوئی تھیں' میں نے دخل انداز ہونا مناسب نہیں سمجھا۔"

"فرزین تو ٹھیک ٹھاک ہے۔" اس نے تیزی سے سوال کیا۔

"ہوں۔" فراز نے مدھم لہجے میں جواب دیا۔ لہجے میں درد کی کسک تھی۔

"کیا بات ہے فراز! تم ..... تم اس قدر سنجیدہ سے کیوں ہو ..... بچہ تو ٹھیک ہے؟" وہ گھبرا سی گئی۔ فراز کے چہرے کی اداسی اُسے خوفزدہ کر رہی تھی۔

"بچہ بھی خدا کے فضل سے صحت مند ہے۔"

"پھر..... پھر کیا بات ہے تم خوش کیوں نہیں ہو؟" وہ روانی میں پوچھ بیٹھی۔

"آپ نے کیسے اندازہ لگا لیا کہ میں خوش نہیں ہوں۔" فراز نے ایک پھیکی مسکراہٹ کا ناکام سہارا لیتے ہوئے جواب دیا۔ "شاید میرے چہرے پر تھکن کے اثرات زیادہ گہرے ہیں۔"

"خدا کے لئے فراز!" وہ تڑپ اٹھی۔ "مجھے سچ بتا دو کہ کیا بات ہے؟ حالات نے مجھے غم سہنے کا عادی بنا دیا ہے' میں ہر زخم برداشت کر سکتی ہوں۔"

"میں آپ کو یقین دلا رہا ہوں کہ فرزین اور بچہ دونوں ٹھیک ہیں۔"

"پھر تمہارے چہرے پر یہ اداسی کیوں ہے؟"

"خوشیوں کا تعلق دل کی گہرائیوں سے ہوتا ہے۔" فراز خلا میں گھورتے ہوئے بولے۔ "مسکراہٹوں کو زبردستی ہونٹوں پر سجا لیا جائے تو بڑی مصنوعی اور پھیکی پھیکی سی نظر آتی ہیں۔"

"تمہیں کس بات کا غم ہے؟" وہ مدھم آواز میں بولی۔

"کچھ ایسے غم جو میری زندگی کا حاصل ہیں اور اسی لئے وہ مجھے بے حد عزیز ہیں۔" فراز کے لہجے میں غموں کا سمندر موجزن تھا۔

"فراز!" ناہید سنبھل کر بولی۔ "مجھے تم سے ایک ضروری بات کہنی ہے۔"

"حکم دیجئے ..... میں نے پہلے بھی آپ کے کسی حکم سے سرتابی نہیں کی۔"

"میں نے اپنے گھر جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔" وہ سر جھکا کر آہستہ سے بولی۔

"کیوں؟" فراز نے تیزی سے پوچھا۔ "کیا آپ یہاں خوش نہیں ہیں۔"

"بات میری خوشیوں کی نہیں ..... مصلحت کی ہے۔" اس نے دل کی بے قابو

ہوتی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

"حالات سنورنے کے بجائے اور بگڑ جائیں گے۔" فراز نے دبی زبان میں کہا۔

"کیوں ..... ایک میرے نہ ہونے سے کیا فرق پڑے گا؟"

"میرا ضمیر مجھے ہر لمحہ ملامت کرتا رہے گا۔"

"تمہیں امی حضور کی خوشیوں کا احترام کرنا چاہئے۔"

"امی حضور کی خوشیاں تو ان کی زندگی ہی میں پوری ہو چکی تھیں جس کی سزا میں آج تک بھگت رہا ہوں۔" فراز تڑپ اٹھے۔

"حالات کو سمجھنے کی کوشش کرو فراز!" وہ الجھ کر بولی۔

"میں سمجھ رہا ہوں۔" فراز نے نظریں جھکا لیں تلملا کر بولے۔ "فرزین کو آپ کا ساتھ گوارا نہیں۔"

"وہ تمہاری شریک زندگی ہے' تمہاری ہم سفر ہے' تمہیں اس کی خوشیوں کا خیال رکھنا چاہئے۔"

"جہاں جذبوں میں خودسری آ جائے' تعلقات میں خلش پیدا ہو جائے اور رفاقتیں انتقام کا روپ دھار لیں وہاں ایثار اور قربانیوں کی کوئی حقیقت' کوئی اہمیت باقی نہیں رہ جاتی۔" فراز تلخ لہجے میں بولے۔ "فرزین مجھے صرف جھکانا چاہتی ہے ..... اور ..... جس دن میں جھک گیا' ٹوٹ جاؤں گا' برباد ہو جاؤں گا۔"

"خدا نہ کرے جو کبھی ایسا ہو۔" ناہید سہم کر بولی۔

"قسمت کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔" فراز نے تیزی سے جواب دیا۔ "جذبے سرد ہو جائیں تو انہیں محبت کی شدتوں سے دوبارہ بیدار کیا جا سکتا ہے لیکن اگر وہ مردہ ہو جائیں تو زندگی کی حرارتیں نہیں پیدا ہو سکتیں۔"

"تم جذباتی بن رہے ہو فراز! فرزین کو تمہاری بے رخی کی نہیں تمہارے پیار و محبت کی ضرورت ہے۔ تم چاہو تو اب بھی اپنی زندگی کو خوشگوار بنا سکتے ہو' حالات کا رخ پلٹ سکتے ہو۔"

"آپ نے فرزین کے سلسلے میں غلط اندازے قائم کر رکھے ہیں۔" فراز نے سپاٹ آواز میں کہا پھر نظریں اٹھا کر ناہید کو دیکھتے ہوئے بولے۔ "کیا آپ نے یہاں سے جانے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے؟"

"حالات کا تقاضہ یہی ہے۔" اس نے آہستہ سے جواب دیا۔ دل جانے کیوں ڈوبا جا

رہا تھا۔

"میں آپ کو روکنے کی جسارت نہیں کروں گا ..... لیکن ..... حالات کے یہی تقاضے کسی معصوم زندگی کی موت بھی بن سکتے ہیں۔" فراز کی آواز میں کرب کی شدتیں مچل رہی تھیں۔ اچانک ہی بڑے سوگوار سوگوار سے نظر آنے لگے تھے۔

"موت اور زندگی خدا کے اختیار میں ہے۔" وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر کہہ گئی' فراز کے جملے کا مفہوم ذہن کے انتشار میں گڈمڈ ہو کر رہ گیا تھا۔

"اگر آپ کو یہی منظور ہے تو پھر مجھے بھی اپنا دل پتھر کر لینا چاہئے۔" فراز نے بڑی حسرت سے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔ "جہاں بھائی کی موت اور ماں کی جدائی کا غم سہہ لیا وہاں اولاد کی لاش کو بھی ہاتھوں پر اٹھانے کی ہمت پیدا کر لوں گا۔"

"فراز!" وہ چیخ اٹھی' دیوانگی کے عالم میں بولی۔ "کیا تمہارا منا....."

"آج نہیں تو کل ضرور حالات کے تقاضوں کا شکار ہو جائے گا۔" فراز نے جنونی لہجے میں تڑپ کر جواب دیا۔ "اس لئے کہ فرزین نے اسے اپنا دودھ پلانے سے انکار کر دیا ہے ..... وہ صرف مجھ سے ہی نہیں میری اولاد سے بھی انتقام لینا چاہتی ہے۔"

"یہ ..... یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟" اسے اپنی قوت سماعت پر شبہ ہو رہا تھا' پریشان آواز میں بولی۔ "کیا فرزین ایسا کر سکتی ہے؟"

"عورت جب عورت نہ رہے ..... ناگن بن جائے ..... تو اپنے خون کو بھی ڈس لیتی ہے۔" فراز وحشت بھری آواز میں بولے۔ آنکھوں میں ویرانیاں اور حسرتیں تڑپ رہی تھیں۔ ایک اچٹتی ہوئی نظر ناہید پر ڈالی پھر کچھ کہے' کچھ سنے بغیر تیزی سے قدم اٹھاتے اپنے کمرے میں چلے گئے اور ناہید.....

ناہید کو جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔ منہ کھولے حیرت سے کھڑی فراز کے کہے ہوئے جملوں پر غور کر رہی تھی۔ یوں جیسے اس نے کوئی بھانک خواب دیکھا ہو اور سہم کر خوفزدہ ہو گئی ہو۔ دماغ پر فراز کے منہ سے نکلے ہوئے جملے ہتھوڑوں کی طرح ضرب لگا رہے تھے' پھر وہ ساری جان سے لرز اٹھی۔ اس نے سوچا' کیا قصر سجاد کی خوشیاں اس طرح دم توڑ دیں گی۔ پھولوں کی مہک فضاؤں کو اپنی خوشیوں سے کبھی معطر نہ کرے گی اور خزاں کے منحوس جھکڑ یونہی دندناتے پھریں گے۔ کلیاں کھلنے سے پہلے ہی مرجھا جائیں گی۔

نہیں.....

نہیں.....

"ایسا کبھی نہ ہو گا۔ میں حالات کے سامنے سینہ سپر ہو جاؤں گی۔" اس نے خود اپنے آپ سے کہا۔ "فراز کی اولاد زندہ رہے گی ..... اسے میں پالوں گی ..... میں پروان چڑھاؤں گی ..... اور ..... اور....."

ناہید کا معصوم ذہن چکرانے لگا' پلکوں کے نیچے اندھیرے سے کوندنے لگے۔ اگر اس نے صوفے کا سہارا لے کر خود کو سنبھالا نہ ہوتا تو شاید تیورا کر گر پڑی ہوتی۔

☆------☆------☆

دو ماہ یوں بیت گئے جیسے ابھی کل کی بات ہو۔

فرزین ہسپتال سے گھر واپس آئی تو اس میں بے انتہا تبدیلیاں رونما ہو چکی تھیں۔ پہلے کے مقابلے میں بڑی خودسر' آزاد اور بیباک ہو گئی تھی لیکن اس کے برعکس فراز اس کے وجود سے یکسر بے نیاز ہو گئے تھے۔ بچے کے لئے ایک کرسچین گورنس رکھ دی گئی تھی جو اس کا خیال رکھتی تھی مگر بچہ زیادہ تر ناہید کے پاس رہتا تھا اور اس سے بہت مانوس ہو گیا تھا شاید اس لئے کہ اس معصوم نے ناہید کی آغوش کو ممتا کی گود سمجھ لیا تھا۔

ناہید نے فرزین کے ہسپتال سے آنے کے بعد بھی اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن فرزین نے اس کی ہر بات کو یوں ہنسی میں اڑا دیا تھا جیسے اسے فراز اور اپنے بچے کے علاوہ اس گھر کی بھی مطلق کوئی پرواہ نہیں تھی جو اس کا اپنا گھر تھا' اپنی دنیا تھی' اپنی جنت تھی۔ کتنی بدل گئی تھی فرزین' اس میں کیسا انقلاب آ گیا تھا جس نے اسے اپنی کوکھ سے جنم لینے والی اولاد سے بھی بے نیاز کر دیا تھا۔

اس وقت شام کے تقریباً چھ بجے تھے۔ فرزین اپنی خواب گاہ میں سنگھار میز کے سامنے کھڑی بالوں کو برش سے سنوار رہی تھی' باہر لان پر فراز ایک کرسی پر نیم دراز آسمان کے دور پار خلاؤں میں کچھ تلاش کر رہے تھے' ناہید ان سے کچھ فاصلے پر دوسری کرسی پر بیٹھی اپنے خیالوں میں گم تھی اور قریب ہی گورنس فلورا شرجیل کو گود میں لئے بیٹھی تھی۔

معصوم شرجیل بالکل اپنے باپ پر گیا تھا۔ بالکل ویسا ہی ناک و نقشہ پایا تھا' ویسی ہی بڑی بڑی خوبصورت اور چمکدار آنکھیں' کشادہ پیشانی' مخروطی اور گداز ہونٹ اور چہرے پر کھیلنے والی معصوم معصوم شوخ سی مسکراہٹیں۔ ناہید کی نظریں شرجیل پر مرکوز تھیں اور ذہن فرزین کی سنگدلی اور فراز کی بے بسی میں الجھا ہوا تھا کہ فرزین خوشبوؤں میں بسی لہراتی' بل کھاتی لان پر آ گئی۔ گورنس فلورا اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی' فرزین نے ایک نظر فراز پر ڈالی' ناہید کو چبھتی نگاہوں سے دیکھا پھر فلورا سے بولی۔

"بچے کو اندر لے جاؤ' اس کی فیڈنگ کا وقت ہو گیا ہے۔"

"فیڈنگ میں ابھی ایک گھنٹہ باقی ہے میڈم! میں اسے روزانہ سات بجے دودھ پلاتی ہوں۔"

"آئی سی۔" فرزین نے کہا پھر بے رخی سے بولی۔ "اسے لے جا کر پالنے پر لٹا دو' ہر وقت گود میں رہے گا تو اس کی عادتیں بگڑ جائیں گی۔"

"یہاں تازہ ہوا ہے میڈم' اس لئے....."

"بحث مت کرو۔" وہ تیزی سے بولی۔ "شرجیل کو اندر لے جاؤ۔"

گورنس نے فرزین کی بات کا برا نہیں منایا' مسکراتی ہوئی شرجیل کو گود میں اٹھائے اندر چلی گئی۔ فراز ہمہ تن گوش تھے لیکن انہوں نے بیوی کے معاملات میں کوئی دخل اندازی مناسب نہیں سمجھی۔ ناہید کو فرزین کا اس طرح شرجیل کے سلسلے میں بے جا حکم چلانا سخت ناگوار گزرا تھا مگر وہ بھی مہر بلب رہی' اندر ہی اندر دل مسوس کر رہ گئی' بولتی تو شاید طوفان اٹھ کھڑا ہوتا۔ بہت دنوں سے وہ محسوس کر رہی تھی کہ فرزین کو شرجیل کا اس کے قریب رہنا بھی کھل رہا ہے' شاید وہ بچے کو اس سے دور رکھنا چاہتی تھی۔ ابھی تک کھل کر اس نے اظہار نہیں کیا تھا لیکن اس کے طور طریقے ناہید اور شرجیل کے درمیان بھی ایک خلیج پیدا کر دینے کے مترادف نظر آ رہے تھے۔ اس کے تیور ناہید کے سلسلے میں بھی بڑے زہریلے زہریلے سے تھے۔

فلورا شرجیل کو لے کر اندر چلی گئی تو فرزین نے گلاب کے کنج کے قریب جا کر ساڑھی کی مناسبت سے پیلے رنگ کا ایک پھول ٹہنی سے جدا کیا' کھلے بالوں میں بڑے سلیقے سے بال پن کی مدد سے لگایا پھر مسکراتی ہوئی قریب آ کر ناہید سے بولی۔

"میں نے تو سنا تھا کہ آپ کو گلاب کے مہکتے پھولوں سے عشق ہے۔" اس کے لہجے میں تیکھا پن تھا۔

"ہاں۔" ناہید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "مہکتے پھول مجھے بے حد پسند ہیں۔"

"پھر..... آپ ان حسین پھولوں کو کیوں ضائع کرتی ہیں؟"

ناہید نے کوئی جواب نہیں دیا' وضاحت طلب نظروں سے فرزین کو دیکھا تو وہ مسکرا دی۔

"کبھی ان پھولوں کو اپنے خوبصورت بالوں کی زینت بھی بنا لیا کریں۔ جوڑے میں لگے ہوئے پھولوں کی مہک انسان کو بے خود بنا دیتی ہے۔" فرزین نے معنی خیز انداز میں

کہا۔ "ٹہنی پر لگے لگے تو یہ یونہی مرجھا جائیں گے ..... کوئی تو انہیں توڑنے والا بھی ہو۔"

"پھول اپنی ٹہنی پر زیادہ بھلے لگتے ہیں۔" ناہید دبی زبان میں بولی۔ "ڈالی سے ٹوٹ جائیں تو اپنا حسن' اپنی جاذبیت اور اپنا نکھار کھو بیٹھتے ہیں' زیادہ دیر نہیں مہکتے۔"

"خوب۔" فرزین بے نیازی سے ہنس دی' بدستور مسکراتے ہوئے بولی۔ "پھولوں کے حسن اور نکھار کے بارے میں آپ خاصی تجربہ کار معلوم ہوتی ہیں۔"

"تجربات زندگی کا سرمایہ ہوتے ہیں فرزین! آؤ بیٹھو۔" ناہید نے بڑے خلوص سے کہا۔

"فرصت ہوتی تو ضرور بیٹھتی۔" فرزین نے فراز کو کنکھیوں سے گھورتے ہوئے جواب دیا پھر یوں ہی ساڑھی کا پلو درست کرنے لگی۔

"کہیں جا رہی ہو کیا؟"

"ہاں ..... آج کلب میں ایک انگریزی فلم دکھائی جا رہی ہے ..... باتھنگ بیوٹی۔" اس نے بڑی شوخی سے کہا۔ "انور اور شہلا بتا رہے تھے کہ اس فلم میں استھر ولیم نے بڑا ہی خوبصورت رول ادا کیا ہے' سوئمنگ کاسٹوم میں بالکل جل پری نظر آتی ہے ..... آپ بھی چلئے۔"

"نہیں۔" ناہید مدھم آواز میں بولی۔ "مجھے انگلش فلموں سے کبھی کوئی لگاؤ نہیں رہا۔"

"آپ کی مرضی۔" وہ شانے اچکا کر فراز کو جلانے کی خاطر بولی۔ "میں نے اگر انور سے وعدہ نہ کیا ہوتا تو یہ شام آپ ہی کے ساتھ گزارتی۔"

"یہ انور صاحب کون ہیں؟" ناہید نے پوچھ ہی لیا۔

"ہمارے کلب کا ممبر ہے ..... بیڈمنٹن چیمپئن۔" اس نے بڑا خواب آور انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ "بڑا ہینڈسم اور اسمارٹ لڑکا ہے' غضب کا کھیلتا ہے۔ اس کے والد بہت بڑے صنعت کار ہیں۔ شہلا بتا رہی تھی کہ انور کروڑ پتی باپ کا اکلوتا بیٹا ہے۔"

"واپسی کب تک ہو گی؟" ناہید نے بھرپور انداز میں پوچھا۔

"شاید دیر ہو جائے ..... میرا انتظار مت کیجئے گا۔" اس نے بیباکی سے کہا پھر ایک اچٹتی نگاہ فراز پر ڈالی اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی آگے بڑھ گئی' گاڑی کے قریب پہنچی تو شوفر نے دروازہ کھول دیا۔ اسٹیئرنگ پر بیٹھ کر اس نے پلٹ ناہید کو دیکھا پھر بڑی

تیزی سے سے گاڑی کو پھاٹک سے باہر نکال لے گئی۔

ناہید نے پلٹ کر فراز کی جانب دیکھا۔ وہ کرسی پر نیم دراز ہو گئے تھے' پشت سے سر ٹکائے آنکھیں کھولے ماحول پر طاری ہونے والے ملگجے اندھیروں کا جائزہ لے رہے تھے' چہرے پر ویرانیوں کا راج تھا' بڑے تھکے تھکے سے نظر آ رہے تھے۔ فرزین کی باتوں کا اثر ان کی آنکھوں کے پھیکے پن سے عیاں تھا لیکن زبان سے انہوں نے ایک لفظ بھی تو نہیں کہا تھا' بالکل خاموش تھے۔

"فراز!" اس نے آہستہ سے آواز دی تو فراز یوں چونکے جیسے کوئی خواب ٹوٹ کر بکھر گیا ہو۔ جلدی سے سنبھل کر بیٹھ گئے۔

"جی۔" ان کی آواز میں نقاہت تھی' تھکن کا احساس تھا۔

"تم نے سنا..... فرزین ابھی کیا کہہ رہی تھی؟"

"ہاں..... سنا تھا۔" وہ آہستہ سے بولے۔

"تمہیں اسے ٹوکنا چاہئے تھا۔"

"فائدہ؟" وہ اداس ہو گئے۔

"فرزین تمہاری بیوی ہے' تمہیں اسے روکنے کا حق ہے۔"

"وہ میری بات نہیں مانے گی۔"

"تم کہہ کر تو دیکھو۔"

"ایک حجاب جو باقی رہ گیا ہے..... وہ بھی ختم ہو جائے گا۔"

"تمہاری خاموشی اسے اور زیادہ بے باک اور گستاخ بنا دے گی۔"

"میرے بولنے سے حالات اور زیادہ خراب ہو جائیں گے۔"

"شرجیل ہمیشہ بچہ نہیں رہے گا' کبھی جوان بھی ہو گا۔" وہ الجھتے ہوئے بولی۔

"تمہیں کم از کم اپنی اولاد کے مستقبل کا خیال کرنا چاہئے۔"

"آپ کی موجودگی میں مجھے شرجیل کی طرف سے کوئی پریشانی نہیں ہے۔"

"لیکن فرزین یہ بھی پسند نہیں کرتی کہ میں شرجیل سے زیادہ قریب رہوں۔" ناہید کے لہجے میں درد تھا۔

"میں دیکھ رہا ہوں۔" وہ بے بسی سے بولے۔

"کب تک ایک خاموش تماشائی بنے رہو گے؟" ناہید سنجیدگی سے بولی۔

"میں کر بھی کیا سکتا ہوں؟" فراز تھکی تھکی آواز میں بولے۔ "وقت اور حالات کے

تقاضوں نے میرے ہونٹوں پر خاموشی کی مہر ثبت کر دی ہے۔"

"تمہیں سرفراز انکل سے بات کرنی چاہئے۔ انہیں بتانا چاہئے کہ فرزین غلط راستوں پر چل رہی ہے۔"

"وہ فرزین کے باپ ہیں۔"

"کوئی باپ اس بات کو کبھی گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کی اولاد غلط راہوں کا انتخاب کرے۔" ناہید نے کہا۔ "ابھی وقت ہے' تم ایک بار حالات ان کے علم میں لے آؤ۔ ہو سکتا ہے کہ باپ کا حکم فرزین کے ڈگمگاتے قدم تھام لے۔"

"آپ کہتی ہیں تو میں کرنل سرفراز سے بھی مل لوں گا لیکن..... مجھے حالات بہتر ہونے کی کوئی امید نہیں۔"

"مایوسی گناہ ہے' تم اگر مرد ہو کر ہمت ہار دو گے تو حالات اور زیادہ خراب ہو جائیں گے۔"

فراز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ناہید انہیں حسرت بھری نگاہوں سے تکتی رہی' کچھ لمحے بڑی خاموشی سے دبے پاؤں گزر گئے۔ فراز اور وہ دونوں اپنے اپنے خیالات میں گم تھے کہ ہارن کی آواز نے دونوں کے خیالات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

ناہید نے نظریں گھما کر پھاٹک کی جانب دیکھا' عقیل اور نرجس گاڑی سے اتر رہے تھے۔ وہ اٹھ کر مسکراتی ہوئی ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھی۔ فراز نے بھی جلدی سے اپنے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹیں سجالیں۔

☆------☆------☆

ماحول کی یکسانیت حالات کا شکار ہو کر کثیف بن جائے تو انسان اکتا جاتا ہے۔ اپنے محور کو چھوڑ کر آسودگی کی تلاش میں اپنے گرد و پیش سے فرار حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یوں بھی جب ذہن مفلوج اور پراگندہ ہو اور دل بغاوت پر آمادہ ہو جائے تو ہر ذی روح بھٹک جاتا ہے' مصلحتوں کو یکسر فراموش کر دیتا ہے۔

کچھ یہی کیفیت فرزین کی بھی تھی' اُس کے ذہن میں شکوک و شبہات اپنی جڑیں مضبوط کر چکے تھے' فراز جیسا صلح پسند شوہر بھی اپنے سے زیادہ غیر نظر آنے لگا تھا' بیگم سجاد کی موت نے لحاظ و مروت کے تکلفات بھی ختم کر دیئے تھے' ماحول کے شوخ رنگ اسے پھیکے پھیکے اور بدمزہ نظر آنے لگے تھے۔ ماحول کی یکسانیت اس کی آزاد زندگی پر اثر انداز ہوئی تو وہ گھٹن محسوس کرنے لگی اور اسی گھٹن کے احساس اور شہلا کی بے سروپا

باتوں نے اسے خود اپنے ماحول سے باغی کر دیا تھا۔ تجربوں کی ناپائیداری نے اسے خودسری پر آمادہ کر دیا تھا اور اس نے اپنی زندگی کے لئے کچھ ایسے نادیدہ راستوں کا انتخاب کر لیا تھا جس سے وہ خود بھی ناواقف تھی لیکن یہ راستے اس کے لئے پُرکشش تھے۔ ان راستوں پر اجالوں کی چکاچوند تھی' لاتعداد پگڈنڈیاں تھیں جو مختلف منزلوں کو سر کرنے کے لئے نمایاں تھیں۔ ان راستوں پر زندگی کے ہر زاویے مسکراتے نظر آتے تھے' قدم قدم پر قہقہوں کی بھرمار تھی' ہر پل ہر لمحہ رنگین نظر آتا تھا' کوئی فکر کوئی پریشانی نہیں تھی' نہ غمِ جہاں' نہ غمِ روزگار۔

کتنے سحر آلود تھے یہ راستے.....

روشن روشن اور دمکتے ہوئے.....

جہاں زندگی مسکراتی تھی ..... ہر شے مستی میں ڈوبی ڈوبی مدہوش نظر آتی تھی.....

جہاں خوشیاں اپنے اختیار میں تھیں.....

کوئی بندش کوئی پابندی نہیں تھی.....

کسی کا ڈر ..... کسی کا خوف نہیں تھا' فضا میں دھنک رنگ بکھرے نظر آتے تھے.....

اور.....

کتنی آزادی تھی ان راستوں پر.....

اور ماحول کتنا معطر معطر اور رنگین نظر آتا تھا۔

اور فرزین نے فراز کو نیچا دکھانے کی خاطر ان ہی راستوں کا انتخاب کیا تھا۔ اپنی انا کی تسکین کی خاطر اس نے اپنے گھر' اپنے شوہر اور اپنی دنیا کا سکون برباد کرنے میں بھی بڑی جلدبازی اور عجلت سے کام لیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ فراز اُس کی دوری سے تلملا اٹھیں گے' تڑپنے پر مجبور ہو جائیں گے' اس کے قرب کو حاصل کرنے کے لئے اس کا تعاقب کریں گے اور پھر جب وہ سرنگوں ہو کر اس کی بانہوں میں سمٹ جانے کے لئے بے قراری کا اظہار کریں گے اور اس کی دراز زلفوں کے سائے تلے پناہ لینے کے لئے مضطرب نظر آئیں گے تو وہ ان کی بے بسی پر مسکرائے گی' اس کا سر غرور سے تن جائے گا' اس کی انا کو تسکین مل جائے گی تو وہ فراز کو معاف کر دے گی۔ ماضی کی تلخیوں کو یکسر فراموش کر دے گی اور پھر اپنی دنیا میں واپس پلٹ آئے گی۔ جہاں صرف وہ ہو گی ..... فراز ہوں

گے ..... اور معصوم شرجیل کے معصوم قہقہے ہوں گے ..... شوخیاں ہوں گی' شرارتیں ہوں گی اور حالات کی باگ ڈور پوری طرح اس کی گرفت میں ہو گی۔ وہ جب اور جس انداز میں چاہے گی حالات کا رخ موڑ دے گی۔ وقت کی رفتار کو بدل دے گی' وہ ہر طرح آزاد ہو گی' پھر کوئی فکر و تردد نہ ہو گا' کوئی بندش' کوئی رکاوٹ نہ ہو گی اور اس وقت گورنس فلورا کی چھٹی کر دے گی' خود شرجیل کی پرورش کی ذمہ داریاں قبول کر لے گی۔ اسے پروان چڑھائے گی' ممتا کے جذبے بیدار ہوں گے تو وہ ایک لمحے کو بھی شرجیل کو خود سے جدا نہیں کرے گی' ہر وقت اپنے سینے کی اتھاہ گہرائیوں میں چھپائے رہے گی۔

اُس وقت ماحول کا رنگ نکھرا نکھرا ہو گا.....

فضا میں گھٹن کا احساس نہ ہو گا ..... زندگی کی تمام کثافتیں دم گھٹ کر مر چکی ہوں گی.....

ہر طرف سرمئی بادل چھائے ہوں گے.....

خنک ہواؤں کے معطر جھونکے زندگی کو ایک نیا حُسن عطا کریں گے۔

ماحول کو خوشگوار بنا دیں گے۔

اور اس وقت.....

وہ فراز کو ٹوٹ کر چاہے گی.....

دل کی گہرائیوں سے محبت کے لازوال نغمے پھوٹیں گے ..... اور فراز ..... وہ.....

ان کی کشادہ آغوش میں سمٹ کر زندگی کی تمام الجھنوں سے بے نیاز ہو جائے گی۔

اور اس وقت بھی وہ کلب کے کیفے ٹیریا میں شہلا' انور اور شکیل کے ساتھ بیٹھی اپنے خوابوں کے حسین تانے بانے بُن رہی تھی تو انور نے اس کی محویت کو توڑ دیا۔ خیالات کا حسین شیرازہ ٹوٹ کر بکھر گیا۔ اس نے چونک کر مسکراتے ہوئے انور کی طرف دیکھا' سفید نیکر اور سفید ٹی شرٹ میں انور کا بھرا بھرا جسم کس قدر حسین نظر آ رہا تھا اور اس کی پیشانی پر بالوں کی ایک آوارہ لٹ نے خم کھا کر اس کی شخصیت کو کس قدر اجاگر کر دیا تھا۔

"آپ کس دنیا کی سیر کر رہی ہیں؟" انور نے اپنی نیلی نیلی شوخ آنکھیں اس پر مرکوز کرتے ہوئے پوچھا۔

فرزین آہستہ سے مسکرا دی۔

"شاید فراز کی یادوں میں ڈوبی ہوئی تھی۔" شہلا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"فراز صاحب واقعی خوش قسمت ہیں۔" انور نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے محض ایک بار انہیں دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا' ان کی شخصیت بے حد پُرکشش ہے۔"

"اور فراز کو دیکھ کر تمہارے سینے پر سانپ لوٹ گئے ہوں گے۔" شہلا نے بڑی بیباکی سے انور پر فقرہ چست کیا۔

"جی....." انور جھینپ سا گیا۔ "ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔"

"کیوں نہیں ہے؟" شہلا تیزی سے بولی۔ "فرزین کی شادی کے بعد تمہارے دل پر کیا گزری تھی؟ ایمانداری سے کہنا۔ کتنے دنوں تک سرد آہوں اور ٹھنڈی سانسوں پر گزارا کیا تھا؟"

"اس بات کی گواہی میں بھی دوں گا۔" شکیل نے اورنج جوس کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔ "ان دنوں تو انور واقعی موڈرن مجنوں بن گئے تھے۔ ارمانوں پر گرنے والی اوس آنکھوں سے چھلکنے لگی تھی۔"

"اور مجھے خوب یاد ہے کہ انور ان دنوں کلب سے بھی تین دن تک مصروفیات کی آڑ لے کر غائب رہے تھے۔" شہلا مسکرا کر بولی۔

"کیوں انور!" فرزین نے انور کو معنی خیز نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔ "کیا یہ شہلا ٹھیک کہہ رہی ہے؟"

"مس شہلا کی بات کی گواہی اگر آپ میرے بجائے شکیل سے لیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔" انور نے بڑی خوبصورتی سے اپنا پہلو بچاتے ہوئے کہا۔

"پھر تو بُری طرح مارے جاؤ گے۔" شکیل نے جلدی سے کہا۔ "اس لئے کہ میں مس شہلا کی کہی ہوئی کسی بات کی نفی نہیں کر سکتا۔"

"گویا تم نے ابھی سے پرستش شروع کر دی ہے۔" فرزین نے بڑی شوخی سے شکیل سے پوچھا۔

"جی ہاں ..... انور کے انجام سے سبق حاصل کر چکا ہوں۔" شکیل نے مسمسی صورت بنا کر شہلا کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

"آپ کا کیا خیال ہے مس شہلا!" انور نے شہلا کی طرف دیکھ کر معنی خیز انداز میں سوال کیا۔

"کس سلسلے میں؟" شہلا نے انجان بنتے ہوئے بڑی معصومیت سے پوچھا تو فرزین

بے اختیار ہنس دی۔

"شکیل! مجھے تو تمہارا انجام بھی خطرناک نظر آ رہا ہے۔" اس نے براہ راست شکیل سے کہا۔

"اسی لئے تو جوس پی کر جان بنا رہا ہوں تاکہ صدموں کے حملوں سے نبرد آزما ہو سکوں۔" شکیل لاپرواہی سے بولا۔

"میری مانو تو کسی پتھر کے بت سے عشق کرو تاکہ ٹکراؤ تو مر بھی سکو۔" فرزین بے تکلفی سے بولی۔ "ان تلوں میں تیل نہیں ہے۔"

"کس ٹاپک پر باتیں ہو رہی ہیں؟" شہلا نے اپنا گلاس ختم کرتے ہوئے نہایت سادگی سے دریافت کیا۔ "کچھ مجھے بھی تو پتہ چلے۔"

"تم نہ جانو تو بہتر ہے' ورنہ بے چارے شکیل کے ارمانوں پر ابھی سے اوس پڑ جائے گی۔" فرزین مسکراتے ہوئے بولی۔

"اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی بجائے اورنج جوس کے قطرے ابلنے لگیں گے۔" انور نے کہا۔

"آئی سی۔" شہلا نے مسکراتے ہوئے کہا پھر شکیل کو گھورتے ہوئے بولی۔ "کیا تمہیں آج کل پھر دورے پڑنے شروع ہو گئے ہیں؟"

"معالج سامنے ہو تو مریض خود اپنے مرض کی تشخیص بھلا کیسے کر سکتا ہے۔" شکیل نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"برف کی ٹھنڈی تھیلی سر پر رکھی جائے تو دماغ کے جراثیم کلبلانا ختم کر دیتے ہیں۔" شہلا نے شوخی سے کہا۔

"بات دماغ کی نہیں ..... دل کی ہے جس کی دھڑکنیں کسی طرح نہیں تھمتیں۔" شکیل نے بے باکی سے جواب دیا۔

"نان سنس۔" شہلا کڑوا سا منہ بنا کر بولی۔ "تم جانتے ہو کہ مجھے شادی بیاہ کے نام سے نفرت ہے' خود اپنے ہاتھوں سے اپنی آزادی کا گلا گھونٹنا میرے نزدیک دنیا کی سب سے بڑی حماقت ہے۔"

"لیکن یہ حماقت اگر نہ کی جائے تو نسل آدم پر بڑا ظلم ہو گا۔" شکیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پلیز شکیل! فضول مثالیں مت دیا کرو ..... آئی ہیٹ اِٹ۔" شہلا نے بڑی

نفرت سے جواب دیا۔ "فرزین کی مثال بھی تمہارے سامنے ہے' کم از کم اسی سے کچھ نصیحت حاصل کرو۔"

"کیا مطلب؟" انور نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ "کیا خدانخواستہ فرزین صاحبہ اور فراز صاحب کے درمیان کچھ ناچاقی ہو گئی ہے؟"

"زندگی جہنم بن گئی ہے ..... تم صرف ناچاقی کی بات کر رہے ہو۔" شہلا حقارت سے بولی۔

"لیکن فراز صاحب تو اپنی باغ و بہار طبیعت کے لئے خاصے مشہور ہیں۔" شکیل نے کہا۔ "خوبصورت بھی ہیں' دولتمند بھی ہیں اور بیرسٹر سجاد علی مرحوم کا خاندان تو اپنی روایات کے سلسلے میں پورے الہ آباد میں خاصا مشہور ہے۔"

"اور اسی روایتی خاندان کے ایک لڑکے کے سلسلے میں تم نے اخبارات میں نازلی کے بیانات بھی ضرور پڑھے ہوں گے۔"

"میں انکار نہیں کروں گا لیکن پانچوں انگلیاں برابر تو نہیں ہوتیں۔" شکیل نے دبی زبان میں کہا۔ "رہا نازلی کا مسئلہ تو وہ بذات خود بھی سوسائٹی میں اچھی نظروں سے نہیں دیکھی جاتی تھی۔"

"تم مرد ہو شاید اسی لئے اپنے ایک ہم جنس کی حمایت کر رہے ہو۔" شہلا جھلا کر بولی۔ "منصور اور نازلی کے سلسلے میں تمہاری دلیل ہو سکتا ہے کہ درست ہو لیکن کیا تم فراز کی معصومیت کی بھی قسم کھا سکتے ہو؟ کیا تم جانتے ہو کہ فراز کیا گل کھلاتے پھر رہے ہیں؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" شکیل نے جلدی سے بات بناتے ہوئے کہا۔ "اندرونی حالات پر تو فرزین صاحبہ ہی بہتر طور پر روشنی ڈال سکتی ہیں۔"

"پلیز شہلا! اس خشک ٹاپک کو ختم کرو۔" فرزین اکتاتے ہوئے بولی۔ "میں یہاں اپنی بوریت میں اضافہ کرنے کے لئے نہیں آئی تھی۔"

"کیا خیال ہے پھر؟" انور نے تجویز پیش کی۔ "ہو جائے ایک سیٹ....."

"میں بھی یہی مشورہ دینے والا تھا لیکن اس شرط پر کہ شہلا میری پارٹنر بنیں گی۔" شکیل بولا۔

"صرف کھیل کی حد تک۔" شہلا مسکرا کر بولی۔

"تو پھر فرزین یقیناً میری پارٹنر بنیں گی۔" انور نے فرزین کی آنکھوں میں جھانکتے

ہوئے کہا۔ "کوئی اعتراض تو نہیں آپ کو۔"

"سوچ لو کہیں میری وجہ سے تمہیں شکست کا سامنا نہ کرنا پڑے۔" فرزین نے معنی خیز انداز میں جواب دیا۔

"میں اس شکست کو اپنی فتح تصور کروں گا۔" انور نے شوخی سے کہا۔

"فار گاڈ سیک۔" شہلا نے عاجز آتے ہوئے کہا۔ "کم از کم میری موجودگی میں یہ لیلیٰ مجنوں کے مکالموں سے پرہیز کیا کرو۔"

"یہ جملہ غالباً آپ نے شکیل کے لئے کہا ہے۔" انور نے خوبصورتی سے بات کا رخ موڑتے ہوئے کہا۔

"مائنڈ یور اون بزنس۔" شکیل نے مصنوعی غصے کا اظہار کیا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

شہلا اور فرزین بھی مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئیں تو انور نے بھی فرزین کو کنکھیوں سے دیکھتے ہوئے اپنی کرسی چھوڑ دی۔

☆------☆------☆

رات کے دس بجے تھے' قصر سجاد پر ہر طرف گہرا سکوت تھا لیکن فراز ابھی تک اپنے کمرے میں بڑی بے چینی کے عالم میں ٹہل رہے تھے۔ آج پہلا اتفاق تھا کہ فرزین اتنی رات گئے تک گھر سے باہر رہی تھی' اُس کی بڑھتی ہوئی خود سری اور آزادی نے فراز کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ ناہید نے بھی دبی زبان میں فراز کو ان باتوں کا احساس دلانے کی کوشش کی تھی جو آہستہ آہستہ اپنی جڑیں اندر ہی اندر مضبوط کر رہی تھیں۔ وہ خود بھی محسوس کر رہے تھے کہ پانی سر سے اونچا ہونے لگا ہے اور.....

آج جب فرزین نے انتہائی بے باکی سے ان کے سامنے انور کا نام لیا تھا تو ان کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ فرزین ان سے انتقام لینے کے لئے' انہیں جلانے اور تڑپانے کے لئے اوچھے ہتھیار استعمال کر رہی ہے۔ وہ چاہتے تو اسی وقت فرزین کو ٹوک سکتے تھے' تنبیہ کر سکتے تھے' اسے صاف الفاظ میں باور کرا سکتے تھے کہ جب تک فرزین ان کے ساتھ ازدواجی رشتے میں منسلک ہے اسے خاندان کی شہرت کے نام پر کیچڑ اچھالنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی لیکن.....

فراز اندر ہی اندر جھلس کر رہ گئے تھے' زبان سے ایک لفظ بھی نہ کہہ سکے' اپنی بے بسی پر تلملا کر خاموش ہو گئے تھے۔ ناہید کی موجودگی میں انہوں نے فرزین کو ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا تھا ورنہ ممکن تھا کہ بات بڑھ جاتی اس لئے کہ فرزین کے دل میں ناہید کی

طرف سے بے جا شک و شبہات موجود تھے۔ ممکن تھا وہ جواب میں کوئی ایسی بات کہہ جاتی جو ناہید کے تقدس اور اس کی بلندی کے لئے نازیبا ہوتا' اسی وجہ سے فراز نے زبان نہیں کھولی تھی' مہربلب رہ گئے تھے۔ سر اٹھانے والے طوفانوں کو دل کی گہرائیوں ہی میں کچل دیا تھا' انتشار کی کیفیتوں کو اپنے وجود کے احاطے سے باہر نہیں آنے دیا تھا۔ زہر کے ان تلخ تیر و نشتر کو سہہ گئے تھے جو فرزین نے ان پر چھوڑے تھے۔

مگر اس وقت بھی وہ سنجیدگی سے اپنی خواب گاہ میں بیٹھے حالات کا جائزہ لے رہے تھے۔ حالات نے تکون کی جو شکل اختیار کر لی تھی اس کے بارے میں غور کر رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ فرزین کو از خود ایک دن اپنی غلطیوں کا احساس ہو جائے گا' وہ اپنے ماحول سے مفاہمت کرنے کی کوشش کرے گی' ان راستوں کو اپنانے کی عادتیں ڈال لے گی جو فراز کو پسند تھے لیکن ان کی خاموشی نے فرزین کو سر اٹھانے کا موقع دے دیا تھا۔ وہ خود کو سنبھالنے اور سنوارنے کے بجائے اور بگڑتی جا رہی تھی۔ اپنی من مانی کرنے لگی تھی۔ اس نے شرجیل کو بھی حالات کا نشانہ بنا کر اپنی ممتا سے محروم کر دیا تھا اور شب و روز اپنی دنیا میں مگن رہنے لگی تھی۔ ہر بات سے بے نیاز ہو گئی تھی' ان راستوں پر چل نکلی تھی جو فراز کو سخت ناپسند تھے' ان ہی راستوں کے پیچ و خم نے تو فراز کے خاندانی وقار کو مجروح کیا تھا اور یہی صدمہ ماں کی موت کا سبب بن گیا تھا' گھر کی خوشیاں برباد ہو کر رہ گئی تھیں' ناہید کا سہاگ پامال ہوا تھا' سکون لٹ گیا تھا۔ وہ ستون لرز اٹھے تھے جن پر خاندانی وقار کی عظمتیں قائم تھیں۔ خوشیوں کا ایک ایک لمحہ سسکیوں اور آہوں میں بدل گیا تھا اور ..... اور آج ..... آج فرزین نے بھی ان ہی راستوں پر قدم اٹھا لیا تھا۔

فراز کے چہرے سے وحشت برس رہی تھی' آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں' ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں اور تصور میں ابھرنے والی مستقبل کی تباہیاں ان کے رہے سہے سکون کو برہم کر رہی تھیں۔ فرزین اس قدر جذباتی ہو گی یہ بات تو کبھی ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ وقت پھر ایک بار قصر سجاد کو یوں اپنی لپیٹ میں لے کر اس کی بنیادوں کو لرزہ براندام کرے گا' انہوں نے سوچا بھی نہ تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ ایک طوفان آیا اور گزر گیا لیکن دوسرا طوفان پھر سر ابھار رہا تھا' منہ کھولے باقی ماندہ اثاثوں کو بھی ہڑپ کر جانے کے لئے مضطرب تھا اور ایک طوفان فراز کے اپنے دل میں تھا جو رہ رہ کر شدتیں اختیار کر رہا تھا' پھر اٹھنے کے لئے سر مار رہا تھا۔ ان طوفانوں سے ٹکرا جانے کے لئے بے چین تھا جو بچی کھچی خوشیوں کو برباد کر کے حرف غلط کی طرح مٹا دینا چاہتے تھے۔

فراز نے ایک نظر گھڑی پر ڈالی پھر مضطرب انداز میں اٹھ کر ٹہلنے لگے' وقت کے ساتھ ساتھ ان کا اضطراب بھی بڑھتا جا رہا تھا' ذہن میں ایک کشمکش' ایک جنگ جاری تھی' فرزین کا تصور رہ رہ کر ان کی نگاہوں کے سامنے ابھر آتا۔ مسکراتا ہوا' قہقہے لگاتا ہوا' خودسر اور بیباک..... جس کی آنکھوں میں حقارتیں تھیں' چنگاریاں تھیں جو ہر لمحہ بھڑک کر شعلوں کا روپ اختیار کر لینے کو آمادہ نظر آ رہی تھیں۔ جس کے ہونٹوں کے گداز پر تلخیاں تھیں' جو ماحول کو زہر آلود کرنے کے لئے مچل رہی تھیں اور جس کا حسن اور حسن کی جاذبیتیں بے لگام ہو کر سرپٹ دوڑتی نظر آ رہی تھیں ـــــ جس کی نگاہوں کے زاویے تبدیل ہو گئے ـــــ جس کی زلفوں کی چھاؤں میں لطیف بادلوں کی ٹھنڈک کے بجائے آتش فشاں ابل رہا تھا' جس کے نرم بازوؤں کے حلقے ناگ بن کر ڈسنے کے لئے پھن کاڑھے جھومتے نظر آ رہے تھے اور جس کا سراپا روح کی پاکیزگیوں کے دامن پر ایک بدنما داغ بن کر بڑی سرعت سے اپنا قطر وسیع کر رہا تھا اور.....

فراز ابھی تصورات کے ان ہیولوں سے نبرد آزما تھے کہ گاڑی کے ہارن کی تیز آواز نے ان کے خیالات پر ایک کاری ضرب لگائی' وہ سر تا پا لرز اٹھے ـــــ دل کی دھڑکنیں دوچند ہو گئیں' وحشتوں میں طغیانی آ گئی' آنکھوں کی جلن وجود میں سرایت ہونے لگی پھر ..... پھر تصور حقیقت بن کر خوابگاہ کی دہلیز پر نمودار ہوا تو انہوں نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے' پھٹی پھٹی آنکھوں سے فرزین کو گھورنے لگے جو دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی' ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ بکھیرے انہیں مضطرب دیکھ رہی تھی۔

چند لمحے دبے قدموں بیت گئے پھر فرزین نے بڑے تلخ لہجے میں پوچھا۔

"تم ..... ابھی تک سوئے نہیں۔"

"مجھے ..... تمہارا انتظار تھا۔" فراز نے خود کو سنبھالتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"ہونہہ....." فرزین نے حقارت سے شانے اچکا دیئے اور لاپرواہی سے ہاتھوں میں دبا پرس صوفے پر اچھالا' منہ پھیر کر کپڑے تبدیل کرنے کے ارادے سے ڈریسنگ روم کی جانب بڑھی تو فراز راستے میں حائل ہو گئے۔

"مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔" ان کی آواز سرد اور ٹھوس تھی۔

"کہو۔" فرزین نے سر جھٹک کر بالوں کو پشت پر اچھالتے ہوئے نہایت لاپرواہی سے جواب دیا۔

"مجھے تمہاری بڑھتی ہوئی آزادی اور اتنی رات گئے تک گھر سے باہر رہنا ناپسند ہے۔"

"پھر؟"

"تمہیں اپنے انداز اور اطوار بدلنے ہوں گے۔"

"یہ تمہارا حکم ہے ..... یا ..... درخواست؟" فرزین نے تیکھے انداز میں پوچھا۔

"تم نے جن راستوں پر قدم آگے بڑھایا ہے ..... وہ ..... خطرناک ہیں۔" فراز نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

"یہ سوچنا میرا اپنا کام ہے۔"

"لیکن تم میری بیوی ہو ..... شریک سفر ہو' تمہیں میری باتوں کا خیال رکھنا چاہئے۔"

"بیوی ..... شریک سفر....." فرزین کے ہونٹوں پر زہر میں ڈوبا تبسم ابھر آیا۔ "آج اچانک تمہیں اس بات کا خیال کیسے آگیا کہ میں تمہاری بیوی ہوں؟"

"فرزین!" فراز کے تیور یکلخت بدل گئے۔ "تم چاہتی کیا ہو؟"

"یہی سوال تو میں بہت عرصے سے تم سے پوچھنا چاہ رہی تھی کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"تم ..... تم حد سے بڑھ رہی ہو۔" فراز تلملا کر بولے۔

"آئی سی۔" فرزین نے حقارت سے کہا۔ "تمہیں میری غیر موجودگی میں کسی نے بھرنے کی کوشش کی ہے۔"

"زبان قابو میں رکھنے کی کوشش کرو۔" فراز نے تیزی سے کہا۔

"میں بے زبان نہیں ہوں جو چپ ہو جاؤں گی۔" فرزین بپھر کر بولی۔ "میں فرزین ہوں ..... کرنل سرفراز کی بیٹی اور میرے باپ نے دشمنوں کو ہر محاذ پر شکست دی ہے' مجھے بھی وہ طریقے آتے ہیں جو دشمنوں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔"

"گویا تم مجھے نیچا دکھانا چاہتی ہو ..... کیوں؟" فراز نے سپاٹ آواز میں پوچھا۔

"اس وقت رات زیادہ بھیگ چکی ہے ..... میں تھکی ہوئی ہوں' فی الحال آرام کے موڈ میں ہوں اس لئے صبح تفصیل سے بات ہو گی۔" فرزین نے انتہائی لاپرواہی سے کہا پھر کترا کر قدم اٹھاتی ڈریسنگ روم میں چلی گئی اور فراز.....

فراز کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے تقدیر نے ان کے منہ پر بھرپور تھپڑ مارا ہے' تھپڑ

جس کی شدید ضرب نے اُن کی ساری بے ہوشی دور کر دی تھی' ہوش میں لانے کی کوشش کی تھی۔

☆------☆------☆

فراز ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے سر جھکائے ناشتے میں مصروف ہیں' رات کی باتوں کا اثر ابھی تک ان کے چہرے سے عیاں ہے' شاید اسی لئے انہوں نے ناہید پر بھی توجہ نہیں دی جو قریب ہی بیٹھی ان کے چہرے کی سنجیدگی کو بغور پڑھ رہی تھی۔

فراز نے چاہا تھا کہ فرزین سے کھل کر دوبدو ایک فیصلہ کر لیں' کوئی ایسا سمجھوتہ کر لیں جو حالات کی تیز رفتاری کو اعتدال پر لے آئے' ناہید کی موجودگی میں وہ فرزین سے گفتگو کرتے کتراتے تھے۔ انہیں یہی خدشہ لاحق رہتا تھا کہ کہیں فرزین پلٹ کر کوئی ایسی بات نہ کہہ دے جو ناہید کے لئے باعث تکلیف ہو اور اس کے زخم پھر سے ہرے ہو جائیں۔ اسی غرض سے انہوں نے رات کو فرزین سے بات کرنی چاہی تھی کہ اس نے ٹکا سا جواب دے کر فراز کو بہت کچھ سوچنے اور سمجھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اگر ناہید کا خیال درمیان نہ ہوتا تو شاید وہ رات ہی کوئی ایسا فیصلہ کر بیٹھتے جو ان کی نجی زندگی کی الجھنوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتا مگر ناہید کی مجبوری آڑے آگئی تھی۔ اس وقت بھی وہ روزمرہ کے معمول سے جلدی دفتر جانے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ ناہید کے روبرو وہ فرزین سے نہیں الجھنا چاہتے تھے' مبادہ کہ حالات کی ستم ظریفیاں ان کے حق میں دوچند ہو جائیں۔

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ دفتر جانے کے لئے اٹھے تو ناہید سے ان کی نگاہوں کا تصادم ہو گیا' ناہید کی نگاہوں میں تجسس تھا۔ فراز نے نظریں جھکا کر گزر جانا چاہا لیکن ناہید نے انہیں روک لیا۔

"فراز!"

"جی۔" فراز کے بڑھتے ہوئے قدم تھم گئے' پلٹ کر ناہید کو وضاحت طلب نظروں سے دیکھنے لگے۔

"آج تم معمول سے کچھ پہلے دفتر جا رہے ہو؟" ناہید کے لہجے میں کھوج تھا۔

"کچھ اہم کاروباری مسائل درپیش ہیں۔" فراز نے بہانہ تراشنے کی کوشش کی۔

"شاید واپسی بھی دیر سے ہو۔"

"رات فرزین کس وقت واپس آئی تھی؟"

"تقریباً دس سوا دس بجے۔"

"تم نے اس سے کوئی گفتگو کی تھی؟"

"میں اس وقت ذرا جلدی میں ہوں اس لئے....."

"نہیں۔" ناہید سنجیدگی سے بولی۔ "تمہیں میرے سوال کا جواب اسی وقت دینا ہو گا۔"

"فرزین نے میری باتوں کا جو جواب دیا ہے وہ آپ کے لئے باعثِ رنج ہو گا۔" فراز نے نظریں جھکاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"کیا؟"

"وہ حالات سے مفاہمت کرنے کو آمادہ نہیں ہے۔"

"کوئی ایسی صورت جو اس گھر کی خوشیوں کو بحال کرنے میں مؤثر ثابت ہو۔" ناہید نے بدستور سنجیدگی سے کہا۔

"وہ میرے ساتھ علیحدہ ہونا چاہتی ہے۔" فراز بولے۔ "تنہا رہنا چاہتی ہے۔"

"یہ کوئی جرم یا گناہ تو نہیں۔" ناہید نے کہا۔ "شادی کے بعد ہر عورت کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ علیحدہ رہے' کسی ایسی جگہ جہاں ان کے سوا کوئی اور نہ ہو۔"

"محض بیوی کی خاطر خون کے رشتوں کو چھوڑا بھی تو نہیں جا سکتا۔"

"اور خونی رشتوں کی خاطر انسان اگر اپنی دنیا اور اپنا بسا بسایا گھر برباد کرنے پر ضد کرے تو اسے بھی دانشمندی نہیں کہیں گے۔"

"شکوک ذہن میں گھر کر لیں تو حالات کبھی سازگار نہیں ہو سکتے۔"

"ایک کوشش کر لینے میں حرج بھی کیا ہے۔" ناہید نے بڑے خلوص سے کہا۔ "یوں بھی ابا جان کی حالت ٹھیک نہیں رہتی' میں ان کے قریب رہوں گی تو ان کا جی بہل جائے گا۔"

"میں آپ کو روکوں گا نہیں۔" فراز الجھے انداز میں بولے۔

"اور اپنی ضد سے باز بھی نہیں آؤں گا۔" ناہید مسکرا دی۔ "تم پہلے تو اتنے ضدی کبھی نہیں تھے۔"

"پہلے حالات نے زندگی کے نشیب و فراز سے دوچار ہونے کا موقع نہیں دیا تھا۔" فراز تیزی سے بولے۔ "تجربات زندگی کا رخ بدلنے میں اکثر بڑا ظالمانہ انداز اختیار کر لیتے ہیں۔"

"زندگی کے ہر مسئلہ کا کوئی نہ کوئی حل بھی ضرور ہوتا ہے۔" ناہید نے بڑی اپنائیت سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "قدم قدم پر الجھاوے ہوں تو ان سے فرار ناممکن ہے' انسان کو ایسے موقعوں پر بردباری اور ہمت سے حالات کا مقابلہ کرنا چاہئے۔"

"اور اگر ہمت جواب دے جائے۔"

"تو انسان کو اپنے نہیں بلکہ کسی دوسرے کے ذہن سے سوچنا چاہئے۔" ناہید بولی۔ "انسان ڈوبنے لگے تو ایک تنکے کا سہارا بھی زندگی کی امید بن جاتا ہے' زندگی کی ایک کرن زندگی کے اندھیروں میں اجالے بھی تو بکھیر سکتی ہے۔"

"میں بھی اسی امید پر زندہ ہوں ورنہ مر گیا ہوتا۔" فراز نے تڑپ کر جواب دیا۔ ان کے لہجے میں درد تھا' بے بسی تھی' پامال حسرتوں کی کربناک چیخیں تھیں اور ناہید ان چیخوں کی پکار سن کر سہم گئی۔

لمحوں پر ایک بوجھل سا سکوت طاری ہو گیا' دل کی دھڑکنیں زبان بننے لگیں تو ناہید کانپ اٹھی' جلدی سے خود کو سنبھالا' دھڑکنوں کو فرض کے آہنی قدموں تلے روندتے ہوئے بولی۔

"موت پر انسان کا نہیں ..... خدا کا اختیار ہوتا ہے۔"

"اسی لئے میں نے اپنی تقدیر کا فیصلہ بھی خدا پر چھوڑ دیا ہے۔" فراز ایک سرد آہ بھر کر بولے۔

"اتنی جلدی ہار تسلیم کر لی۔" ناہید نے مسکرا کر بات ٹالنے کی کوشش کی۔

"اس کے سوا کوئی اور چارہ بھی نظر نہیں آتا۔" فراز کی کپکپاتی آواز میں ناکام آرزوؤں کی تڑپ تھی۔

"تم مرد ہو۔"

"اس کے باوجود میں اپنی بزدلی اور کم ہمتی کا اعتراف کرتا ہوں۔" فراز جذباتی بن گئے۔ "اگر حوصلے پست نہ ہوتے تو شاید آج یوں خود اپنی بربادیوں پر کھڑا ماتم نہ کر رہا ہوتا۔"

"تمہاری یہی بے سر و پا باتیں فرزین کے ذہن میں شکوک و شبہات کو اجاگر کرتی ہیں۔" ناہید دبی زبان میں بولی۔

"مجھے اس کی مطلق کوئی پرواہ نہیں۔"

"جو فیصلے دل کے ہاتھوں طے پائیں وہ محض جذباتی کہلاتے ہیں۔"

"مصلحتوں کا انجام بھی کبھی کبھی بڑی بھیانک شکل اختیار کر لیتا ہے۔" فراز زہرخند سے بولے۔ "میری مثال آپ کے سامنے ہے۔"

"خوابوں اور حقیقتوں میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔" ناہید نے آہستہ سے جواب دیا۔

"زندگی میں اجالوں کی راہیں مسدود ہو جائیں تو اندھیروں کے سوا کچھ باقی نہیں بچتا۔"

"جذبے آلودہ نہ ہوں تو ان ہی اندھیروں میں روشنی کی ہزاروں کرنیں پھوٹ سکتی ہیں۔" ناہید الجھتے ہوئے بولی۔

"روح کو جسم سے علیحدہ کر دیا جائے تو جمود کی سرحدیں وسیع تر ہو جاتی ہیں ..... کائنات پر محیط ہو جاتی ہیں ..... فنا کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔"

"حالات سازگار ہوں تو سب ہی ہنستے مسکراتے ہیں ..... لطف تو جب ہے کہ انسان نامساعد حالات میں بھی زندہ رہنے کا ڈھنگ اختیار کر لے۔"

"مجھے دفتر کی دیر ہو رہی ہے۔" فراز نے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

"میں سمجھ رہی ہوں ..... تم شاید میری موجودگی میں فرزین کے سامنے آنے سے کترانا چاہتے ہو۔"

"ہو سکتا ہے آپ کا اندازہ درست ہو۔"

"ایک بات کہوں فراز!"

"آپ کو ہر بات کہنے کا اختیار ہے۔" فراز نے طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔

"تم اگر بُرا نہ مانو تو میں فرزین سے بات کروں۔" وہ فراز کے جملے کی تلخی کو نظرانداز کر گئی۔

"فائدہ؟"

"ممکن ہے کوئی بہتر صورت نکل آئے۔"

"وہ خودسری پر آمادہ ہے۔"

"پھر بھی ..... عورت' عورت کے دکھ درد کو زیادہ آسانی سے سمجھ لیتی ہے۔"

"آپ شاید بھول رہی ہیں کہ فرزین....."

"میں جانتی ہوں کہ وہ مجھ سے اور میرے وجود سے نالاں ہے۔" ناہید تیزی سے بولی۔ "لیکن میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ میں فرزین کی کسی بات کا بُرا نہیں مانوں گی

..... اس لئے ..... اس لئے کہ وہ مجھے بہت عزیز ہے۔"

"احترام اور پرستش میں بڑا فرق ہوتا ہے۔" فراز نے دبی زبان میں کہا۔ "اگر فرزین نے کوئی گستاخی کی تو شاید میں اسے برداشت نہ کر سکوں گا ..... بات ختم ہونے کے بجائے اور شدت اختیار کر لے گی۔"

"تب ہی نا جب میں ان باتوں سے تمہیں آگاہ کروں گی۔" ناہید مسکراتے ہوئے بڑی معصومیت سے بولی۔

"جذبے صادق ہوں تو دل کی دھڑکنیں بھی گواہی دینے لگتی ہیں۔"

"تمہیں کچھ کاروباری مسائل درپیش ہیں ..... اور ..... تجارت میں شاعری کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔" اس نے فراز کے جملے پر بڑی خوبصورتی سے تنقید کرتے ہوئے کہا۔

"دل چوٹ کھایا ہوا ہو تو حالات از خود انسان کو شاعری پر مجبور کر دیتے ہیں۔"

"تمہیں شاید دفتر کی دیر ہو رہی ہے۔"

"جی ہاں ..... خدا حافظ!" فراز نے ایک نظر بھر کر ناہید کو دیکھا پھر قدم اٹھاتے باہر چلے گئے۔

اور فراز کے جانے کے بعد ناہید ان کی باتوں سے الجھنے لگی۔ حالات کی رفتار کا اندازہ لگانے لگی۔ وہ جن فاصلوں کو برقرار رکھنا چاہتی تھی فراز اسے کم کرنے پر تُل گئے تھے۔ باتوں باتوں میں ان باتوں کو گھما پھرا کر لے آتے تھے جنہیں وہ خود اپنے وجود کی گہرائیوں میں دفن کر دینے کے لئے مضطرب تھی' بھول جانا چاہتی تھی' یکسر فراموش کر دینا چاہتی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ فراز اور فرزین کے تعلقات خوشگوار ہو جائیں لیکن فرزین نے جو طور طریقے اپنائے تھے وہ فراز کی اصلاح کے بجائے انہیں ماضی کی وادیوں میں گھسیٹے لئے جا رہے تھے۔

ماضی.....

جو بہت حسین تھا..... بے حد خوشگوار تھا۔

جہاں زندگی لہلہاتی تھی۔

خوابوں کی حسین اور پُرکیف وادیاں۔

جہاں آرزوؤں اور تمناؤں کے کنول کھلتے تھے۔

غنچے چٹکتے تھے۔

ماضی ..... جو گرد آلود ہو چکا تھا اور جس کے نقوش آہستہ آہستہ دھندلانے لگے تھے۔ فرزین کرید کرید کر ان نقوش کو دوبارہ اجاگر کرنا چاہتی تھی' ناتجربہ کار تھی' بھٹک گئی تھی' وقت کی تیز و تند آندھیوں نے اسے گمراہ کر دیا تھا لیکن ناہید اس کی خضر منزلت پر آمادہ تھی' اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ براہ راست فرزین سے گفتگو کرے گی' اسے سمجھانے کی کوشش کرے گی۔

بڑی دیر تک وہ ڈائننگ روم میں تنہا بیٹھی اپنے وسوسوں اور خیالات میں گم رہی پھر بوڑھا ملازم برتن سمیٹنے آیا تو وہ آہستہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی لاؤنج میں آ گئی جہاں فلورا ننھے شرجیل کو لئے بیٹھی تھی' اس نے رک کر شرجیل کو دیکھا۔ سفید رنگ کے نرم مخملی لباس میں کس قدر پیارا اور معصوم نظر آ رہا تھا' فرشتوں کی طرح بھولا بھالا سا لگ رہا تھا' کیسی معصوم حرکتیں کر رہا تھا۔ وہ آہستہ سے جھک کر اس کے قریب ہو گئی' بھرے بھرے گالوں کو چوم کر بولی۔

"منجی بیٹے ..... آغوں ..... پیارا پیارا منا بیٹا ..... ددو پئے گا۔"

وہ ننھے شرجیل کے ساتھ منی منی پیاری پیاری باتیں کرنے لگی۔ معصوم شرجیل نے مانوس آواز سن کر اس کی سمت دیکھا' گلاب کی پنکھڑیوں جیسے ہونٹوں پر ایک معصوم مسکراہٹ ابھری تو ناہید نے اسے چمکارنا شروع کیا' کچھ دیر تک کھیلتی رہی پھر فلورا سے پوچھا۔

"فرزین اٹھی یا نہیں۔"

"میرا خیال ہے میڈم ابھی تک سو رہی ہیں۔"

"شرجیل کو دودھ پلا دیا؟"

"ابھی دودھ کا ٹائم نہیں ہوا۔" فلورا نے کہا۔

"دودھ پی لے تو اسے میرے پاس لے آنا۔" وہ فلورا کو تاکید کرتی شرجیل کو محبت بھری نظروں سے دیکھتی اٹھ گئی۔ باورچی خانے کی طرف جا رہی تھی بوا سروری سے مڈبھیڑ ہو گئی۔ بوا نے اسے بتایا کہ فرزین لان پر بیٹھی اخبار کا مطالعہ کر رہی ہے تو وہ راہداری میں بائیں جانب گھوم کر لان کی طرف آ گئی۔

فرزین انگریزی اخبار کے مطالعے میں مصروف تھی' ناہید اسے دیکھ کر ٹھٹک سی گئی۔ فرزین ابھی تک ڈریسنگ گاؤن میں ملبوس تھی' آج اس نے خوابگاہ سے باہر آتے وقت لباس تبدیل کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی تھی۔ بالوں کو یونہی برش مار کر ذرا سا

سنوار لیا تھا۔ بغیر دوپٹے کے عجیب سی لگ رہی تھی۔ بیباک بیباک اور لاپرواہ' ایک کرسی پر بیٹھی دوسری کرسی پر پاؤں رکھے نہایت بے نیازی سے اخبار پڑھ رہی تھی۔ یہ بھی نہ سوچا کہ ملازم ادھر آ نکلا تو اس حالت میں دیکھ کر کیا سمجھے گا اور نہ جانے وہ کب سے لان میں بیٹھی تھی۔ فراز کو گئے ابھی زیادہ دیر بھی نہیں گزری تھی' کیا فراز نے بھی اسے جاتے ہوئے دیکھا ہو گا' کیا خیال کیا ہو گا دل میں؟

وہ سائبان کے نیچے کھڑی سوچتی رہی پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی قریب چلی گئی۔ فرزین نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا تو چہرے پر ناگواری ابھر آئی' اخبار سبزے پر ڈال کر وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

"کب اٹھیں تم؟" ناہید نے دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے نرم لہجے میں پوچھا۔

"کافی دیر ہو گئی۔" فرزین لاپرواہی سے بولی۔ "فراز ناشتے میں مصروف تھے اس لئے میں نے ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا' لان پر آ گئی۔"

"چائے پی۔"

"جی ہاں ..... پی چکی ہوں۔" فرزین نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"کچھ خفا ہو مجھ سے۔"

"یہ اندازہ کیسے لگا لیا آپ نے۔" فرزین مسکرا دی' انداز میں لاپرواہی تھی۔

"ایک بات پوچھوں فرزین!"

"پوچھئے۔"

"کیا تمہیں میرا یہاں رہنا پسند نہیں۔" ناہید نے نہایت سادگی سے پوچھا۔

"میں کون ہوتی ہوں آپ کو اجازت دینے والی اور پھر اس گھر پر تو پہلا حق آپ کا ہے۔"

"میں حق کی بات نہیں کر رہی ..... تمہارا خیال پوچھ رہی ہوں۔"

"میرا خیال۔" فرزین ہونٹوں پر ایک معنی خیز تبسم بکھیرتے ہوئے بولی۔ "میرا خیال ہے کہ اگر آپ چلی گئیں تو اس گھر کی اداسیاں اور بڑھ جائیں گی' مکان اور مکین دونوں حسرتوں کا شکار ہو جائیں گے۔"

"میں اتنی ناسمجھ نہیں ہوں کہ تمہارے اشاروں کنایوں کا مطلب نہ سمجھ سکوں۔" ناہید نے فرزین کی باتوں کا زہر پیتے ہوئے کہا۔ "تم جن شکوک میں مبتلا ہو وہ بے بنیاد ہیں' ان میں کوئی حقیقت نہیں۔"

"ہو سکتا ہے کہ آپ ہی ٹھیک کہہ رہی ہوں۔"

"میں چاہتی ہوں کہ تم اور فراز خوش رہو اور تمہاری خوشیوں کی خاطر میں ہر قربانی دینے کو تیار ہوں۔" ناہید بڑے خلوص سے بولی۔

"قربانی پیش کرنے کی کوئی وجہ۔" فرزین نے تیکھے لہجے میں دریافت کیا۔

"اس کی وجہ صرف اس گھر کی عزت ہے' وقار ہے' بلندی ہے۔ جو ہمیشہ سے برقرار ہے' میں اسے سربلند دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"دوسرے خاندانوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔" فرزین نے قدرے خشک آواز میں پوچھا۔

"میں کسی کو برا نہیں سمجھتی اس لئے کہ میں خود بھی ایک غریب باپ کی بیٹی ہوں۔ رہا اس گھر کا سوال تو یہاں سے ہماری تقدیریں وابستہ ہیں' اس لئے میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ اس گھرانے کو کبھی زوال نہ ہو۔"

"میں بھی آپ سے متفق ہوں لیکن جب سوال عورت کی انا کا آجائے تو وہ ہر چیز کو پس پشت ڈال دیتی ہے۔" فرزین سنجیدہ ہو گئی۔

"یہی تو میں جاننا چاہتی ہوں کہ تم کیا چاہتی ہو۔"

"یہ سوال اگر آپ کے بجائے فراز پوچھتے تو میں ضرور جواب دیتی۔"

"کیوں ..... کیا تم مجھے اس قابل نہیں سمجھتیں کہ اپنا ہم راز بنا سکو؟" ناہید نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

"رات فراز نے بھی مجھ سے اسی موضوع پر بات کرنا چاہی تھی لیکن اس وقت میں نے گفتگو سے انکار کر دیا تھا۔" فرزین بولی۔ "میں تھکی ہوئی تھی' آرام کرنا چاہتی تھی' کلب میں جو لمحے خوشگوار گزرے تھے' میں انہیں برقرار رکھنا چاہتی تھی۔"

"اور فراز نے تمہارے انکار کو ٹوٹ کر محسوس کیا ہے۔" ناہید نے دبی زبان میں کہا۔ "انہیں تمہارا کلب جانا بھی کچھ اچھا نہیں لگا۔"

"کیوں ..... کلب جانے میں آخر ایسی کون سی برائی ہے؟"

"نہ سہی ..... لیکن تم نے جو انداز اختیار کیا تھا وہ ضرور قابلِ اعتراض تھا۔"

"آئی سی۔" فرزین نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر کہا۔ "شاید فراز میری زبان سے انور کا تذکرہ سن کر جیلس ہو گئے ہوں گے ..... میں کسی روز فراز اور انور کی ملاقات بھی کراؤں گی۔"

"میں تمہیں اس کا مشورہ نہیں دوں گی اس لئے کہ تم اب شادی شدہ ہو' تمہیں اپنے شوہر کے احساسات کا خیال رکھنا چاہئے۔"

"ماضی کی اکثر خوبصورت اور حسین یادیں شادی کے بعد بھی دل پر اپنا نقش جمائے رکھتی ہیں۔" فرزین نے زہرخند سے جواب دیا۔ "یہ اور بات ہے کہ انسان کھل کر اقرار نہ کرے اور اپنے آپ پر شرافت اور پاکیزگی کا خول چڑھا لے' مگر کھرے اور کھوٹے کی پہچان بہرحال کسی طور ہو جاتی ہے۔"

"پرستش گناہ نہیں ہے فرزین! لیکن انسان کو پرستش کے آداب بھی معلوم ہونے چاہئیں۔"

"ابھی اتنا تجربہ نہیں ہے اس لئے گڑبڑا جاتی ہوں' کچھ عرصہ اور آپ کا ساتھ رہا تو پرستش کے آداب بھی سیکھ جاؤں گی۔" فرزین نے تلخ لہجے میں کہا پھر فوراً ہی مسکرا کر بولی۔ "آدابِ پرستش سیکھ جانے کے بعد میں بھی انور کی یادوں کو دل کے نہاں خانوں میں خاموشی سے سجالوں گی۔"

بُری بات ہے فرزین! تمہیں یوں بار بار انور کا نام زبان پر نہیں لانا چاہئے۔"

"یہ آپ اس لئے کہہ رہی ہیں کہ آپ نے انور کو کبھی دیکھا نہیں۔" فرزین نے اپنے لہجے کو خوابناک بناتے ہوئے کہا۔ "انور کتنا ہینڈسم اور سویٹ ہے اس کا اندازہ صرف وہی لوگ لگا سکتے ہیں جنہوں نے اسے قریب سے دیکھا ہو۔ بے شمار خوبیوں کا مالک ہے' بے حد چارمنگ اور پھر کروڑوں روپے کی جائیداد کا مالک بھی ہے۔ کلب کی تمام لڑکیاں اس پر جان چھڑکتی ہیں' اس کی ایک ادنیٰ سی مسکراہٹ کے لئے بے چین رہتی ہیں لیکن انور ..... وہ کسی اور کو دل میں بسائے بیٹھا ہے ..... بڑا معصوم اور احمق واقع ہوا ہے ..... اگر اس نے پہلے اپنے دل کا بھید ظاہر کر دیا ہوتا تو....."

"تو کیا ہوتا؟" ناہید نے سہمی آواز میں پوچھا' فرزین کی بیباک گفتگو نے اس کے دل کی دھڑکنوں کو تیز کر دیا تھا۔

"تو زندگی کے رنگ یوں بکھرے بکھرے نظر نہ آتے ..... سمٹ کر قوس و قزح کا روپ اختیار کر لیتے۔" فرزین نے سحر آلود لہجے میں کہا۔ "مجھے تو سچ مچ انور کی معصومیت پر کبھی کبھی بڑی شدت سے غصہ آنے لگتا ہے' اس کی ایک ذرا سی حماقت' ایک خموشی نے دو زندگیوں کو متاثر کر دیا۔ ایک وہ غریب خود ہے جو آج بھی اپنی پرستش میں محو ہے' آج بھی اسی محبوب کی یادوں کو سینے سے لگائے ہوئے ہے اور ..... اور دوسری طرف

وہ لڑکی بھی سکون سے نہیں ہے' دونوں ہی حالات کا شکار ہو گئے۔"

"وہ ..... وہ لڑکی کون ہے۔" ناہید نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے کہ کیا تم اس لڑکی سے واقف ہو۔"

"ہاں۔" فرزین ایک سرد آہ بھر کر بولی۔ "میں اس لڑکی کو جانتی ہوں جو شادی کی زنجیروں میں جکڑ کر بے بس ہو گئی ہے۔ کاش اسے پہلے معلوم ہوتا کہ انور اسے دل و جان سے چاہتا ہے تو وہ یوں اس کی زندگی برباد نہ ہونے دیتی ..... خود کو اس کی خوشیوں پر قربان کر دیتی۔"

"کون ہے وہ لڑکی؟"

"ہے ایک بے چاری بدنصیب ..... کبھی آزاد فضاؤں میں گھومتی پھرتی تھی لیکن اب مجبور ہو گئی ہے ..... اور ستم ظریفی تو دیکھئے' خود اس کی شادی بھی جس لڑکے سے ہوئی وہ بھی کسی اور کو چاہتا ہے ..... ایک ایسی لڑکی کو جو آج بھی پرستش کر رہی ہے ..... حالات نے اس کا سکھ چین بھی لوٹ لیا ہے' اس کے ہونٹوں کا تبسم بھی چھین لیا ہے۔ وہ بے بس ہو گئی ہے لیکن اس نے اپنے محبوب کی یادوں کو آج تک اپنے حسین اور ادھورے خوابوں میں بسا رکھا ہے ..... وہ ..... وہ ..... اسے اپنے خوابوں کا شہزادہ سمجھتی ہے۔"

اور ناہید کو یوں محسوس ہوا جیسے سربازار کسی نامحرم نے دوپٹہ اس کے جسم سے کھینچ لیا ہو' اسے بے عزت کرنے کی کوشش کی ہو' اس پر کیچڑ اچھال دی ہو' اس کی پاکیزگی کو گندگی سے آلودہ کر دیا گیا ہو۔

ایک لمحے کو وہ گنگ سی رہ گئی' سکتے کی کیفیتوں سے ہم آہنگ ہو گئی۔ فرزین اس کے ماضی کو یوں کرید سکتی ہے' یہ بات تو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ ماضی کا ایک چھوٹا سا مذاق یوں اس کے مستقبل کی خوشیوں پر اثرانداز ہو گا۔ اسے خون کے آنسو رونے پر مجبور کر دے گا' یہ بات تو کبھی اس کے فرشتوں کے وہم و گمان میں بھی نہ آئی تھی۔ وقت کیسی کیسی کروٹیں بدل رہا تھا' حالات اس کے حق میں کیسے کیسے نت نئے زخم تلاش کر رہے تھے اور وہ سب کچھ خاموشی سے سہنے اور برداشت کرنے پر مجبور تھی۔ قدرت کی ستم ظریفیوں نے اسے مہربلب کر دیا تھا' اس کی خوشیوں کو پامال کیا گیا' مسرتوں کو لوٹا گیا' سہاگ کا ایک آخری سہارا بھی چھین لیا گیا' ساس کی محبتوں اور عنایتوں سے محروم کیا گیا اور پھر مہربلب کر دیا۔

یہ کیسی بے بسی تھی.....

کیسی بے چارگی تھی.....

کیسی گھٹن تھی جو اسے نہ مرنے دیتی تھی نہ زندگی کی نوید دیتی تھی.....

کشمکش میں مبتلا کئے ہوئے تھی.....

کیسی مجبوریاں تھیں.....

کہ ..... وہ اگر چاہتی تو اپنی بدنصیبی پر چار آنسو بھی نہیں بہا سکتی تھی۔

"آپ کیا سوچنے لگیں ..... کہاں گم ہو گئیں؟"

فرزین کی زہر میں بجھی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی تو وہ چونک اٹھی' خیالات کا تسلسل ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا۔ بوجھل پلکوں کو اٹھا کر اُس نے فرزین کو دیکھا جس کی آنکھیں چمک رہی تھیں' دمک رہی تھیں اور ہونٹوں پر زہریلا تبسم کھیل رہا تھا۔

"تمہاری باتوں پر غور کر رہی تھی۔" وہ تھکے تھکے انداز میں بولی۔

"میں نے تو یونہی ایک بات کہہ دی تھی' آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں؟" فرزین نے دوسری چوٹ کی۔

"سوچ رہی ہوں کچھ مذاق کتنے بھیانک ثابت ہوتے ہیں۔"

"اور اگر حقیقت بن جائیں تو اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کی زندگیوں کو بھی تباہی سے دوچار کر دیتے ہیں۔"

"فرزین!" وہ چیخ اٹھی۔

"آپ بھی میرے ساتھ کلب چلا کریں ..... جو لمحے خوشگوار گزر جائیں' زندگی کا سرمایہ ہوتے ہیں۔"

"خوشیاں مجھے راس نہیں آتیں۔" وہ اداس آواز میں بولی۔

"بنیادوں میں شگاف پڑ جائے تو ان پر خوبصورت محلات کبھی تعمیر نہیں کئے جا سکتے ..... پھر بھی' نہ جانے کیوں لوگ ایسے سہانے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔"

"تم آج بہت گہری گہری باتیں کر رہی ہو۔" ناہید نے دبی زبان میں کہا۔ "کاش ..... میں تمہیں سمجھا سکتی۔"

"کل رات انور بھی بے حد اداس اداس اور غمگین باتیں کر رہا تھا ..... پھر ..... جب میں نے اس کا پارٹنر بننا قبول کر لیا تو وہ یک دم کھل اٹھا۔"

"کیا۔" وہ چونک اٹھی۔ "میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔"

"میرا اشارہ کھیل کی طرف تھا۔" فرزین فاتحانہ انداز میں تبسم لٹاتے ہوئے بولی۔

"وہ بضد تھا کہ میں اس کی پارٹنر بنوں' میں نے اس کا دل رکھنے کی خاطر اس کی بات مان لی تو وہ یوں خوش ہو گیا جیسے اس کی کوئی دیرینہ آرزو پوری ہو گئی ہو۔"

"جانتی ہو فرزین! تم کیا کہہ رہی ہو؟"

"میں سوچنے سمجھنے میں وقت برباد کرنے کی عادی نہیں ہوں۔" فرزین لاپرواہی سے بولی۔ "انسان بنیادی طور پر خوشیوں کو اپنانے کا خواہشمند ہوتا ہے' جان بوجھ کر غموں کی شدتوں کو گلے لگائے رکھنا میرے نزدیک حماقت کے سوا اور کچھ بھی نہیں' اگر گاڑی کا ایک پہیہ خراب ہو جائے اور اس کے بدل دینے سے توازن برقرار ہو جانے کے امکانات قوی ہوں تو اسے ضرور بدل دینا چاہئے۔"

"پھر..... تم نے کیا سوچا ہے؟" ناہید نے پوچھ لیا۔

"میں بھی نہایت سنجیدگی سے حالات پر غور کر رہی ہوں۔" فرزین معاً سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے بولی۔ "جس دن توازن زیادہ بگڑے گا میں اسے برقرار رکھنے کے لئے کوئی نہ کوئی عملی قدم ضرور اٹھاؤں گی۔"

"تم ..... تم ..... دیوانی ہو گئی ہو۔"

"انور چیز ہی کچھ ایسی ہے جسے دیکھ کر ہوش و حواس گم ہو جاتے ہیں۔" فرزین نے بیباکی سے کہا۔

"ہوش کے ناخن لو فرزین!" ناہید نے کہا۔ "فراز تمہاری اس بیباکی کو کسی قیمت پر پسند نہیں کریں گے۔"

"نہ کریں ..... مجھے کب پرواہ ہے۔" فرزین تیزی سے بولی۔

"تم ایک معصوم بچے کی ماں بھی ہو' تمہیں اپنے سے زیادہ شرجیل کے مستقبل کی فکر کرنی چاہئے۔"

"سانپ کا بچہ بھی سنپولیا کہلاتا ہے۔" فرزین نے حقارت سے جواب دیا۔

"فرزین!" ناہید ضبط نہ کر سکی' تڑپ کر بزرگانہ انداز اختیار کرتے ہوئے بولی۔ "تم گستاخ ہو رہی ہو۔"

"مس ناہید!" فرزین غصے میں بھری اٹھتے ہوئے بولی۔ "آئندہ مجھ سے گفتگو کرتے وقت آپ کو میری حیثیت اور مرتبے کا خیال رکھنا ہو گا' میں پردے کی بوبو نہیں ہوں جو سسرال کی بیہودگیاں اور سختیاں برداشت کرنے کی عادی ہوتی ہیں۔ میں فرزین ہوں

..... کرنل سرفراز کی بیٹی' جو اینٹ کا جواب پتھر سے بھی دینا جانتی ہے ..... دو ٹوک فیصلہ کرنے کی عادی ہے۔"

پھر فرزین غصے میں بھری' حقارت آمیز نظروں سے ناہید کو گھورتی پلٹی اور تیز تیز قدم اٹھاتی اندر چلی گئی اور ناہید ..... اسے پوری کائنات چکراتی محسوس ہو رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے زمین اس کے پیروں تلے سے سرک رہی ہو۔

☆------☆------☆

جب سے نجمہ بیگم کے گھریلو حالات سدھرے تھے وہ خدا کی وحدانیت کی قائل ہو گئی تھیں۔ نرجس کی عقیل سے شادی ان کے لئے قدرت کا بہترین عطیہ ثابت ہوئی تھی' سلیم کی طرف سے جو فکر لاحق تھی وہ بھی دور ہو گئی تھی۔ اس لئے کہ محسن علی کی انتھک کوششوں نے مراد خاں کو بھی کیفر کردار تک پہنچا دیا تھا اور آٹھ سال قید بامشقت کی سزا دی تھی اور یہی وہ واقعات تھے جنہوں نے نجمہ بیگم کی پیشانی کے سارے کس بل نکال دیئے تھے۔

شام کا وقت ہے' نجمہ بیگم عصر کی نماز سے فارغ ہو کر اپنے کمرے سے باہر نکلیں تو شہناز سامنے سے آ گئی' اس کے ہاتھ میں جھاڑن دیکھ کر نجمہ بیگم نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"کیا کرتی پھر رہی ہو شہناز بیٹی!"

"باورچی خانہ صاف کر رہی تھی امی جان! بہت گندہ ہو رہا تھا۔"

"تم کیوں اپنی جان ہلکان کرتی پھر رہی ہو' کیا ملازم مر گئے ہیں' ان سے کہہ دیا ہوتا۔"

"ملازم بھی میرا ہاتھ بٹا رہے تھے۔" شہناز بولی۔ "میں صرف نگرانی کر رہی تھی۔"

"تم اس گھر کی بہو ہو شہناز!" نجمہ بیگم نے نہایت اپنائیت سے کہا۔ "تمہارے ہی دم سے تو اس گھر کی عزت ہے' اپنا خیال رکھا کرو بیٹی۔"

"اپنے گھر کے کام کاج میں حصہ لینا کوئی برائی تو نہیں۔"

"نہ سہی ..... لیکن مجھے تمہارا اس طرح ملازموں کے ساتھ دن رات کام میں مصروف رہنا کچھ اچھا نہیں لگتا۔"

"جو آپ کا حکم۔"

"جاؤ منہ ہاتھ دھو کر لباس تبدیل کر ڈالو ..... سلیم کے آنے کا وقت بھی ہو گیا

ہے۔"

"بہتر۔"

شہناز چلی گئی تو نجمہ بیگم شوہر کے کمرے میں آ گئیں۔ شیخ حامد حسین نماز سے فارغ ہو کر دفتر کی کسی ضروری فائل کے مطالعے میں مصروف تھے۔ نجمہ بیگم اُن کے قریب جا کر بیٹھ گئیں تو حامد حسین نے فائل بند کر کے ایک طرف رکھ دی پھر بیوی کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"آج بدن نہ جانے کیوں ٹوٹ سا رہا ہے۔"

"دن رات کام کریں گے' تکان نہ ہو گی تو اور کیا ہو گا۔" نجمہ بیگم بولیں۔ "کتنی بار کہہ چکی ہوں کہ کچھ دن آرام کر لیجئے مگر آپ سنتے کب ہیں۔"

"خیال میرا بھی یہی ہے کہ دو چار روز کے لئے دفتر سے قطعی طور پر لاتعلق ہو جاؤں لیکن کچھ کام ایسے ہیں جو بطورِ خاص توجہ طلب ہیں۔"

"سلیم کو بتا دیجئے' وہ کر لے گا۔" نجمہ بیگم نے کہا۔ "اب تو خیر سے وہ بھی راہِ راست پر آ گیا ہے۔"

"یہ سب خدا کی عنایت ہے بیگم! ورنہ ہم کس قابل ہیں۔" حامد حسین بولے۔ "وہی حالات کو بگاڑنے اور سنوارنے والا ہے' ورنہ ہم نے تو سلیم کے سلسلے میں سارے جتن کر کے دیکھ لئے تھے۔"

"میں تو دن رات محسن میاں کو دعائیں دیتی ہوں' کہنے کو غیر ہیں لیکن جس طرح انہوں نے اس نامراد' مراد خاں کے سلسلے میں ہماری مدد کی ہے اس کی مثال مشکل سے ملے گی ..... ورنہ وقت پڑنے پر تو اپنے بھی منہ پھیر لیتے ہیں۔"

"یہ بھی خدا کی مصلحت ہے جو اس نے محسن کو ہمارے لئے فرشتۂ رحمت بنا دیا۔ ورنہ میں تو سلیم کی طرف سے مایوس ہو گیا تھا۔"

"کیوں ایسی بات زبان سے نکالتے ہیں جو ہونا تھا ہو چکا' اب تو خدا کے فضل و کرم سے وہ بالکل ٹھیک ہو گیا ہے۔"

کچھ دیر میاں بیوی میں اپنے گھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر حامد حسین بولے۔

"آج میں بھائی جان کی طرف کچھ دیر کو گیا تھا' بہت کمزور ہو گئے ہیں' بھابی صاحبہ کے سلسلے میں بھی یہی معلوم ہوا ہے کہ ان کا جی بھی اچھا نہیں رہتا۔"

"میں تو کہتی ہوں کہ اب بھائی صاحب کو پنشن لے لینی چاہئے۔" نجمہ بیگم نے کہا۔

"آخر کب تک ملازمت کرتے رہیں گے۔"

"پنشن لے لیں گے تو گھر کا کاروبار کیسے چلے گا۔"

"کیا مطلب؟" نجمہ بیگم بولیں۔ "کیا وہ آپ کے بڑے بھائی نہیں ہیں؟ نہ سمجھیں تو اور بات ہے ورنہ ان کا تو ہمارے اوپر پورا پورا حق ہے۔"

"آپ درست فرما رہی ہیں۔ میں نے بھائی جان کو دبی زبان میں یہی مشورہ دیا تھا مگر وہ بڑی خوبصورتی سے بات ٹال گئے۔"

"وہ کیوں؟"

"بھائی جان شروع سے بے حد خوددار واقع ہوئے ہیں' وہ کسی پر بوجھ بننا پسند نہیں کریں گے۔" حامد حسین نے سنجیدگی سے کہا۔ "شاکر ابھی تعلیم حاصل کر رہا ہے ورنہ میرا خیال تھا کہ اسے بھی اپنے ساتھ کاروبار میں لگا لیتا۔"

"اگر آپ اجازت دیں تو میں کسی وقت بھائی صاحب سے بات کروں' میرا خیال ہے کہ وہ میری بات نہیں ٹالیں گے۔"

"اگر آپ چاہتی ہیں تو ضرور بات کیجئے لیکن اس بات کا خیال رکھئے گا کہ کہیں منہ سے کوئی ایسی بات نہ نکل جائے جو بھائی جان کو بُری محسوس ہو۔"

"مطمئن رہئے' میں موقع دیکھ کر ہی کسی وقت زبان کھولوں گی۔" نجمہ بیگم نے کہا پھر بولیں۔ "ناہید غریب کا بھی کچھ حال احوال معلوم ہوا' خدا نے اس بے چاری کو جن حالات سے دوچار کیا ہے خدا دشمن کو بھی محفوظ رکھے۔"

"ناہید تو خیر ٹھیک ٹھاک ہے' البتہ سنا ہے کہ فراز اور فرزین کے تعلقات کچھ زیادہ خوشگوار نہیں ہیں۔"

"پوت کے پاؤں تو پالنے ہی میں نظر آ جاتے ہیں۔" نجمہ بیگم نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ "میں نے تو جب پہلی مرتبہ فرزین کو دیکھا تھا اسی وقت یہ خیال دل میں ابھرا تھا کہ وہ فراز کے لئے انتہائی نامناسب ہے لیکن ہم کون ہوتے تھے بیگم سجاد کو مشورہ دینے والے اور پھر یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ مرحوم سجاد علی نے فرزین کے سلسلے میں کرنل سرفراز کو زبان دے رکھی ہے اس لئے ہمارا بولنا اور بھی غیر مناسب ہوتا ورنہ سچی بات تو یہ ہے کہ فرزین کسی طور سے فراز میاں کے لئے مناسب نہیں تھی۔"

"کیوں ..... آپ نے بھلا ایک نظر میں اس میں کون سی ایسی خرابی دیکھ لی تھی؟"

"اس کا بناؤ سنگھار اور اِترا اِترا کر باتیں کرنا۔" نجمہ بیگم بولیں۔ "فراز کے لئے کوئی انتہائی نیک' شریف اور سادہ طبیعت لڑکی ہونی چاہئے تھی' جیسے وہ خود ہیں۔"

"بہرحال' جو قدرت کو منظور تھا وہ ہو چکا' اب پچھتانے سے کیا حاصل ہو سکتا ہے۔"

"کیا بھائی صاحب نے کچھ بتایا ہے؟" نجمہ بیگم نے پوچھا۔

"ہاں ..... ناہید کی وجہ سے انہیں خیال لگا رہتا ہے۔" حامد حسین بولے۔ "کچھ زیادہ تفصیل سے کھل کر تو گفتگو نہیں کی البتہ میرا اندازہ ہے کہ بھائی جان یہ چاہتے ہیں کہ ناہید اب سسرال میں نہ رہے تو بہتر ہے۔"

"اور ناہید کا کیا خیال ہے؟"

"ناہید کو اگر سسرال میں نہ رہنا ہوتا تو وہ اسی وقت میکے چلی آتی جب منصور میاں کا انتقال ہوا تھا۔" حامد حسین دبی زبان میں بولے۔ "میرا خیال ہے کہ بھائی جان کو جو فکر سب سے زیادہ لاحق ہے وہ ناہید ہی کی ہے۔"

"آپ تو پہیلیاں بجھوا رہے ہیں' صاف صاف کیوں نہیں بتاتے کہ آخر ماجرا کیا ہے؟" نجمہ بیگم نے الجھتے ہوئے کہا۔ "کیا خدانخواستہ ہماری ناہید کو کوئی تکلیف ہے سسرال میں یا کوئی اور بات ہے؟"

"بات صرف یہ ہے کہ فرزین ناہید کا ساتھ پسند نہیں کرتی۔"

"یہ کیا بات ہوئی ..... سسرال پر جتنا حق فرزین کا ہے اتنا ہی ناہید کا بھی ہے' بلکہ اگر دیکھا جائے تو ناہید زیادہ کی حقدار ہے۔ اس لئے کہ اس غریب نے بیوگی کے باوجود ابھی تک سسرال والوں کی عزت کو گلے کا ہار بنا رکھا ہے۔ اس کی جگہ کوئی اور لڑکی ہوتی تو اب تک کوئی دوسرا گھر بسا چکی ہوتی اور پھر بھلا فرزین بیگم کون ہوتی ہیں ناہید کے سلسلے میں زبان کھولنے والی' ہاں اگر فراز بھی نہ چاہیں تو اور بات ہے۔"

"بات کو سمجھنے کی کوشش کیجئے بیگم!" حامد حسین بولے۔ "فراز تو ناہید کو بے انتہا چاہتے ہیں' اس کے علاوہ بیگم سجاد بھی مرتے وقت ناہید کو گھر تمام تر ذمہ داریاں سونپ گئی ہیں لیکن دراصل فراز کھل کر ناہید کی حمایت بھی نہیں کر سکتے۔"

"کیوں ..... کیا فرزین بیگم نے اُن پر بھی ایسا جادو کر دیا ہے کہ اُن کی زبان پر تالے پڑ گئے ہیں؟"

"بات تالے کی نہیں' رشتے کی نوعیت کی ہے۔" حامد حسین نے دبی زبان میں بیوی

کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "فراز چاہنے کے باوجود ناہید کی طرفداری نہیں کر سکتے' اس لئے کہ فرزین اُن کی تائید کو غلط رنگ بھی دے سکتی ہے۔"

"اب سمجھی ..... تو یہ ہے وہ بات جس نے بھائی صاحب کو فکرمند کر رکھا ہے۔"

"میں سوچ رہا ہوں کہ کسی وقت بھی ناہید سے مل کر اسے سمجھانے کی کوشش کروں' موجودہ حالات میں یہی مناسب ہے کہ ناہید کو کچھ عرصے کے لئے اپنے گھر چلا جانا چاہئے ورنہ اگر خدانخواستہ بات بڑھ گئی تو بلاوجہ کی بدنامی ہو گی۔"

"اسی کو کہتے ہیں کہ جبرا مارے اور رونے نہ دے۔" نجمہ بیگم بولیں۔ "کیسی تقدیر خراب ہوئی ہے بے چاری کی' پہلے شوہر کی موت کا غم پھر ساس کی جدائی کا صدمہ اور اب وہ آذسرا بھی چھن رہا ہے جہاں وہ بے چاری سر چھپائے بیٹھی ہے۔"

"ہو سکتا ہے کہ اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہو۔"

"اس کی مصلحت وہی جانے۔" نجمہ بیگم نے افسردگی سے کہا پھر بولیں۔ "آپ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ کرنل سرفراز کو مل کر انہیں سمجھانے کی کوشش کریں' ہو سکتا ہے کہ ان کے کہنے سے فرزین کو کچھ عقل آ جائے۔"

"نہیں ..... یہ مناسب نہیں ہو گا۔" حامد حسین سوچتے ہوئے بولے۔ "میں ناہید ہی کو سمجھانے کی کوشش کروں گا۔"

"میں تو کہتی ہوں کہ اگر اب بھی ناہید دوسری شادی کے لئے رضامند ہو جائے تو اس کے لئے رشتوں کی کمی نہ ہو گی۔ خدا رکھے اب بھی لاکھوں میں نہ سہی ہزاروں میں ایک ہے۔"

"لیکن بیوگی کا داغ بھی اس کے دامن پر لگا ہوا ہے۔"

"تو کیا ہوا' کیا خدا اور رسولؐ نے بیوہ کو دوسری شادی کی اجازت نہیں دی؟"

"حالات بھی دیکھے جاتے ہیں۔" حامد حسین بولے۔ "نازلی کے بیانات نے مرحوم سجاد علی کے خاندان کی ساکھ کو جو دھچکہ پہنچایا ہے اس کے اثرات ابھی تک باقی ہیں۔"

"اور جو کسر باقی رہ گئی ہے وہ فرزین پوری کرنے کو تلی بیٹھی ہیں۔" نجمہ بیگم جلے کٹے لہجے میں بولیں پھر کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "اگر ناہید آمادہ ہو جائے تو اُسے کچھ عرصے کے لئے یہاں لے آئیے' شہناز بھی نرجس کے چلے جانے سے تنہا رہ گئی ہے' ایک سے دو ہوں گی تو ناہید کی طبیعت بھی بہل جائے گی۔"

"دیکھئے ..... جو خدا کو منظور ہو۔"

میاں بیوی میں ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ سلیم دفتر سے آ گئے اور حسب دستور سب سے پہلے سیدھے باپ کے کمرے میں آئے۔ نجمہ بیگم بیٹے کو دیکھ کر نہال ہو گئیں' ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھالیا' بڑے پیار سے شوہر کو مخاطب کر کے کہا۔

"دیکھا آپ نے ..... میرا بیٹا اب کس قدر لائق ہو گیا ہے۔"

"سلیم میاں!" حامد حسین نے بیوی کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ "تمہاری ماں کا خیال ہے کہ میں کچھ دنوں کے لئے کاروبار سے کنارہ کش ہو جاؤں اور صرف آرام کروں۔"

"نہایت مناسب خیال ہے۔" سلیم بڑے ادب سے بولے۔ "ڈاکٹر نے بھی آپ کو یہی مشورہ دیا ہے۔"

"سوچتا تو میں بھی یہی ہوں لیکن یہ خیال بھی ہے کہ کہیں تم اکیلے پریشان نہ ہو جاؤ۔"

"پریشانی کی اس میں کیا بات ہے؟" سلیم نے کہا۔ "اوّل تو خدا کے فضل سے میں کافی حد تک کاروبار کو سمجھ چکا ہوں اور اگر خدانخواستہ کوئی دشواری پیش آئی تو آپ سے گھر پر مشورہ کر لوں گا۔"

"دیکھ لیا۔" نجمہ بیگم نے بیٹے کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ "کیسی ذہانت کی بات کی ہے میرے بیٹے نے۔"

"اگر تمہارا بھی یہی مشورہ ہے تو پھر کل سے مجھے کم از کم ایک ہفتے کے لئے رخصت پر سمجھو۔"

"چائے پی تم نے؟" نجمہ بیگم نے بیٹے سے پوچھا۔

"جی نہیں۔" سلیم نے کہا۔ "اب جا کر منہ ہاتھ دھو کر اطمینان سے پیوں گا۔"

"اچھا' تو پھر چل کر لباس تبدیل کرو' میں تمہارے والد سے ایک ضروری بات کر کے آتی ہوں۔"

سلیم اٹھ کر چلے گئے تو نجمہ بیگم نے شوہر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"خدا کا شکر ہے کہ آپ نے آج بیٹے کا کہا تو مانا۔"

"بات چونکہ معقول تھی' اس لئے تسلیم کر لینے میں کوئی مضائقہ بھی نہیں تھا۔"

"بہرحال آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ سلیم اب راہِ راست پر آ گیا ہے۔"

"آپ کہتی ہیں تو میں یہ بھی مانے لیتا ہوں۔" حامد حسین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں ..... کیا آپ کا دل خود گواہی نہیں دیتا اولاد کے سلسلے میں؟"

"دل تو میرا آپ کے سلسلے میں بھی بہت کچھ کہتا ہے لیکن میں اسے زبان تک لاتے ڈرتا ہوں۔ بہرحال اب دیکھنا ہے کہ آپ ہفتے کے دوران کتنا وقت میرے قریب رہ کر گزارتی ہیں۔"

"ہٹئے بھی۔" نجمہ بیگم شرماتے ہوئے بولیں۔ "اتنی عمر ہو گئی لیکن ابھی تک آپ جوان ہی بنے ہوئے ہیں۔"

"میں نہ سہی لیکن دل تو ابھی تک جوان ہے۔" حامد حسین بیوی کو غور سے تکتے ہوئے بولے۔

"ہو گا ..... پھر میں کیا کروں۔"

نجمہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا پھر غرارہ سمیٹتی اٹھ کر کمرے سے چلی گئیں۔ حامد حسین بیوی کے جانے کے بعد دوبارہ فائل اٹھا کر اس کے مطالعے میں مصروف ہو گئے۔

☆======☆======☆

کہتے ہیں کہ انسان اگر چاہے تو طوفانوں کا رخ پھیر سکتا ہے' بپھری موجوں کے آگے سینہ سپر ہو سکتا ہے لیکن جب عورت اگر ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے تو مرد اس کے سامنے بے بس ہو کر رہ جاتا ہے۔ کچھ یہی کیفیت فراز کی بھی تھی۔ ماں کی موت کے بعد سے گھر کے حالات جس تیزی سے دگرگوں ہو رہے تھے اسے سنبھالنے کے لئے انہوں نے ہر ممکن کوشش کر لی تھی لیکن فرزین ایک ذرا ٹس سے مس نہ ہوئی۔ بلکہ اس کی خودسری اور آزادی میں کسی کمی کے بجائے اور اضافہ ہوتا گیا۔ فراز کو ناہید کا خیال لاحق تھا اس لئے انہوں نے موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

دوسری جانب فرزین کے سینے میں پرورش پانے والے رقابت کے جذبوں نے اور شدت اختیار کر لی تھی' جس روز سے ناہید نے اس سے زندگی کے نجی اور گھریلو معاملات پر کھل کر گفتگو کرنے اور سمجھانے کی کوشش کی تھی اس دن سے تو وہ ناہید سے اور متنفر ہو گئی تھی اور اس کے وجود کو ایک لمحے کے لئے بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں تھی۔ ذہن کو شہلا کی باتوں نے پراگندہ کر رکھا تھا اس لئے فرزین نے ناہید کی سیدھی سادی باتوں کا بھی غلط مطلب اخذ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ذہن کی آلودگیوں نے اجلے نکھرے رنگوں کو بھی پھیکا بنا دیا تھا اور اس نے ناہید کے خلوص کو بھی غلط زاویوں سے محسوس کر

لیا تھا۔ اس کے ذہن میں یہی بات آئی تھی کہ فراز اور ناہید ابھی تک ایک دوسرے کو چاہتے ہیں اور ناہید نے فراز کی ایما پر ہی اسے راہِ راست پر آنے کی دھمکی دی تھی۔ چنانچہ ناہید کی طرف سے اس کی نفرتوں میں مزید اضافہ ہو گیا تھا اور حقارت اور نفرتوں کی ان ہی شدتوں نے فرزین کو فراز کی طرف سے بھی مزید غلط فہمیوں کا شکار بنا دیا اور درمیانی فاصلے گھٹنے کے بجائے اور بڑھتے گئے۔

فراز کو ستانے کی خاطر فرزین نے زیادہ آزادی سے گھومنا پھرنا شروع کر دیا۔ رات کو دیر سے گھر آنے لگی' فراز کو سامنے دیکھتی تو نفرت سے منہ دوسری جانب پھیر لیتی' وہ راستے میں کھڑے ہوتے تو ان کے قریب سے کترا کر بے نیازانہ گزر جاتی' کبھی فراز اور ناہید قریب قریب بیٹھے ہوتے تو انہیں معنی خیز نظروں سے گھورنے لگتی' ہونٹوں پر ایک تبسم بکھیر کر دونوں کو جلانے کی خاطر یونہی لاپرواہی سے گنگناتی کچھ کہے سنے بنا آگے بڑھ جاتی' ناہید تنہا ہوتی تو وہ اس پر ایک دو فقرے چست کرنے سے بھی باز نہیں آتی تھی۔

فرزین کا خیال تھا کہ اس کی حرکتوں کا ردعمل دونوں پر شدید ہو گا۔ وہ کسی ایسے ہی موقع کی منتظر تھی' وہ چاہتی تھی کہ فراز یا ناہید پلٹ کر اس سے کچھ کہیں' احتجاج کریں اور وہ ان کے احتجاج میں کھل کر برس پڑے' ذہن کا وہ سارا غبار نکال پھینکے جس نے اسے پریشان کر رکھا تھا۔ ان تمام غلاظتوں کو ان دونوں پر اچھال دے جس نے اس کے اپنے ذہن کو پراگندہ کر رکھا تھا۔ کانٹوں پر لوٹنے کو مجبور کر دیا تھا۔ راتوں کی نیند حرام کر دی تھی۔ ایک عورت کا سکون تباہ کر دیا تھا۔

اس وقت وہ کلب سے لوٹی تو شہلا بھی اس کے ساتھ تھی' فراز لاؤنج میں دبیز قالین پر بیٹھے شرجیل سے منی منی باتیں کر رہے تھے' گورنس فلورا خاموش بیٹھی باپ بیٹے کی لازوال محبت کا تماشہ دیکھ رہی تھی اور ناہید قریب ایک صوفے پر بیٹھی نہ جانے کن خیالوں میں گم تھی۔

فرزین نے فراز کو ہنستے بولتے دیکھا تو جل کر رہ گئی۔ چند ثانیے کھڑی ہونٹ کاٹتی رہی پھر فلورا کو مخاطب کر کے بڑے خشک لہجے میں بولی۔

"فلورا! کیا شرجیل نے دودھ پی لیا ہے؟"

"یس میڈم!" فلورا نے جلدی سے جواب دیا۔

فراز اور ناہید نے پلٹ کر فرزین کو دیکھا جو غصے میں بھری کھڑی تھی' شہلا کے ہونٹوں پر ایک لاپرواہ تبسم کھیل رہا تھا۔ "میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا ہے کہ دودھ

پلانے کے بعد بچے کو ڈسٹرب نہ کیا جائے۔" فرزین نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔

"آئی ایم سوری میڈم! لیکن....."

"بحث مت کرو۔" فرزین نے گورنس کو بری طرح جھڑکتے ہوئے کہا۔ "آئندہ سے میرے حکم کی خلاف ورزی نہ ہو۔"

"رائٹ میڈم!" فلورا نے آہستہ سے جواب دیا پھر فراز کو کنکھیوں سے دیکھنے لگی جو بدستور خاموش بیٹھے تھے۔

"اور سنایئے مسٹر فراز! آپ تو خیریت سے ہیں۔" شہلا نے نہایت بے تکلفی سے فراز سے کہا۔ "کیا مجھے بیٹھنے کو بھی نہیں کہیں گے۔"

"بڑے شوق سے تشریف رکھئے۔" فراز مسکرا کر بولے۔ "آپ کو پورا پورا اختیار ہے۔"

"کس پر؟" شہلا نے قریب پڑے ہوئے صوفے پر خود کو گراتے ہوئے بڑی بے باکی سے پوچھا۔ "آپ پر..... یا..... اس گھر پر۔"

"اس کا فیصلہ بھی آپ ہی کی مرضی پر چھوڑتا ہوں۔" فراز نے بھی بے تکلفی کا انداز اختیار کر لیا۔ وہ فلورا کی موجودگی میں بات کو بڑھانا نہیں چاہتے تھے ورنہ فرزین کے جملے ان کے ذہن پر ہتھوڑے بن کر لگے تھے۔

"سوچ لیجئے..... کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہو۔"

"غلطیوں کا احساس عام طور پر بعد ہی میں ہوتا ہے۔" فراز معنی خیز لہجے میں بولے۔

"خیریت..... کیا آپ بھی کسی غلطی کا شکار ہو چکے ہیں۔"

"جی ہاں..... لیکن کچھ غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جن کا خمیازہ انسان کو عمر بھر بھگتنا پڑتا ہے۔"

"اوہ....." شہلا نے فراز کا مقصد سمجھ لیا تھا لیکن اس نے بڑی خوبصورتی سے جملے کو ایک پرانا رنگ دیتے ہوئے کہا۔ "کوئی پرانی چوٹ معلوم ہوتی ہے۔"

"آپ خاصی تجربہ کار معلوم ہوتی ہیں۔" فراز مسکرا دیئے۔

"تجربہ نہ ہو تو انسان دوسروں کی وجہ سے خود جلتا رہتا ہے۔" شہلا نے فرزین کی جانب گھورتے ہوئے پوچھا۔ "تمہارا کیا خیال ہے؟"

"تم کھڑی کیوں ہو فرزین! بیٹھو نا۔" ناہید جلدی سے بول پڑی۔

فرزین نے حقارت بھری نگاہوں سے ناہید کو دیکھا پھر آگے بڑھ کر شہلا کے قریب

بیٹھ گئی۔ فلورا شرجیل کو گود میں اٹھا کر اندر چلی گئی تو فراز نے شہلا سے پوچھا۔

"سنا ہے کہ آج کل آپ کے کلب پر بڑی بہار آئی ہوئی ہے۔"

"مخبروں کی اطلاع غلط نہیں ہے۔" شہلا نے کنکھیوں سے ناہید کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "کسی دن فرصت ملے تو آپ آ کر خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیجئے۔"

"مجھے وہاں کون پوچھے گا۔"

"سمجھی۔" شہلا نے بھرپور حملہ کرتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ غالباً اسی وجہ سے گھر سے باہر نہیں نکلتے۔"

اور شہلا کے جملے کی خلش اتنی شدید تھی کہ فراز تڑپ اٹھے مگر ضبط کر گئے۔ خون کا گھونٹ پیتے ہوئے بولے۔

"آپ کی خوبصورت باتیں مجھے آپ سے بھی زیادہ حسین معلوم دیتی ہیں۔"

"آپ بھی کچھ کم تو نہیں ہیں۔" شہلا زہرخند سے بولی پھر بڑی بے باکی سے کہا۔ "اگر فرزین کی بات طے ہونے سے پہلے کہیں میں نے آپ کو دیکھ لیا ہوتا تو شاید مجھے اپنی قسم توڑ دینی پڑتی۔"

"کلب کے آزاد ماحول نے آپ کے اندر جو بے باکی پیدا کر دی ہے وہ بھی بہت خوب ہے۔" فراز نے قدرے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

"ذرہ نوازی ہے آپ کی جو تعریف کے قابل سمجھا ورنہ میں کیا اور میری بساط کیا۔"

"کیا پینا پسند کریں گی آپ' چائے یا کولڈ ڈرنک؟" فراز سنجیدہ ہو گئے۔

"اس وقت خواہش نہیں ہو رہی۔" شہلا نے فراز کی سنجیدگی کو کچوکے لگانے کی خاطر کہا۔ "دراصل آج انور نے فرزین کے گیم جیتنے کے اعزاز میں ہم سب کی دعوت کر دی تھی ..... میں نے تو خوب پیٹ بھر کر کھا پی لیا۔"

"انور....." فراز نے یونہی لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ "یہ نام غالباً میں پہلے بھی سن چکا ہوں۔"

"ضرور سنا ہو گا۔" شہلا تڑ سے بولی۔ "بے حد اسمارٹ اور سویٹ شخصیت کا مالک ہے۔ غضب کا کھیل کھیلتا ہے ظالم ..... لیکن آج ..... آج نہ جانے کیوں فرزین سے ہار گیا۔"

ناہید گم صم سی بیٹھی شہلا اور فراز کی باتیں سن رہی تھی' سہمی سہمی سی' یوں جیسے کسی اٹھنے والے طوفان سے خوفزدہ ہو۔

"اپنی اپنی قسمت کی بات ہے مس شہلا!" فراز بے حد سنجیدہ ہو گئے۔ "کچھ لوگ جیتنے کے بعد بھی ہار جاتے ہیں اور کچھ ہار کر بھی اپنی جیت کا جشن مناتے ہیں۔"

"خیریت تو ہے مسٹر فراز!" شہلا نے بڑے زہریلے انداز میں کہا۔ "آپ یہ انور کا نام سن کر اس قدر سنجیدہ کیوں ہو گئے۔"

"اس کی خوش قسمتی پر رشک ہو رہا ہے۔" فراز نے کنکھیوں سے فرزین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بالکل درست اندازہ لگایا آپ نے۔" شہلا بولی۔ "انور واقعی بڑا خوش قسمت ہے ..... کلب کی ساری ہی لڑکیاں اس پر جان چھڑکتی ہیں' سب نے انور کو علیحدہ علیحدہ بڑے خوبصورت نام دے رکھے ہیں۔ کوئی اسے ہیرو کے نام سے یاد کرتی ہے' کوئی چارمنگ بوائے کہتی ہے' کچھ نے اسے سویٹ ڈریم کا خطاب دے رکھا ہے اور فرزین ..... شادی سے پہلے اس نے بھی انور کو بڑا خوبصورت نام دے رکھا تھا۔"

"وہ کیا؟" فراز پوچھ بیٹھے۔

ناہید کے دل کی دھڑکنیں جانے کیوں تیز ہونے لگیں۔

"یہ ..... اسے ..... خوابوں کا شہزادہ کہا کرتی تھی۔" شہلا چبھتے لہجے میں بولی۔

ناہید نے سہم کر جلدی سے نظریں جھکا لیں' دل کی دھڑکنیں کچھ اور سوا ہو گئیں' فراز نے فرزین کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی تو وہ ضبط نہ کر سکے' تلملا کر اٹھ کھڑے ہوئے' غصے کی شدتوں نے ان کے چہرے کو سرخ کر دیا تھا' شہلا نے ڈھکے چھپے انداز میں ناہید کی جو تضحیک کی تھی وہ ان کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ پانی سر سے اونچا ہونے لگا تھا اس لئے وہ چپ نہ رہ سکے۔ غصے سے ہونٹ کاٹتے ہوئے بولے۔

"مس شہلا! میں ان لوگوں کو بے حد بزدل اور کم ظرف سمجھتا ہوں جو اپنے عیب چھپانے کی خاطر دوسروں پر کیچڑ اچھالنے کی رکیک حرکت کرتے ہیں۔"

"لیکن اصلیت پھر بھی ایک نہ ایک دن بے نقاب ہو جاتی ہے۔" شہلا بھی بل کھاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آئینے میں انسان کو اگر اپنی مکروہ صورت نظر آ جائے تو وہ ہمیشہ جھلا کر آئینے پر ہی غصہ اتارنے کی کوشش کرتا ہے۔" فرزین حقارت سے بولی۔

"فرزین!" شہلا کو نظرانداز کر کے فراز نے بیوی کو گھورتے ہوئے کہا۔ "تم حد سے

تجاوز کرنے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"فراز!" فرزین اور تیز ہو گئی۔ "تمہیں میری سہیلی کے ساتھ گستاخی نہیں کرنی چاہئے تھی۔"

"بات کو آگے بڑھانے کی کوشش مت کرو فرزین!"

"کیوں ..... کیا بات بڑھنے سے کچھ پوشیدہ باتیں کھل کر سامنے آ جائیں گی۔"

"فرزین!" فراز چیخ اٹھے۔

"یہ مت بھولو فراز کہ میں فی الحال تمہاری بیوی ہوں اور اس گھر پر جتنا اختیار تمہیں ہے اتنا ہی حق میرا بھی بنتا ہے اور تم کسی دوسری عورت....."

"فرزین!" فراز پر جنون طاری ہو گیا۔ "زبان کو لگام دو ..... آگے ایک لفظ نہ کہنا۔"

"میں جانتی ہوں مسٹر فراز!" شہلا حقارت سے بولی۔ "حقیقت بہت تلخ ہوتی ہے اور اس کی کڑواہٹ....."

"بکواس مت کرو۔" فراز طیش سے بولے۔ "نکل جاؤ میرے گھر سے اور خبردار اگر تم نے اس دہلیز پر دوبارہ اپنے ناپاک قدم رکھنے کی کوشش کی' تمہارا وجود اس گھر کے لئے زہر سے بھی زیادہ تیز اور بدتر ہے۔"

"تمہارا اپنا گھر ہے اس لئے شیر بن رہے ہو۔" شہلا بپھر کر بولی۔ "کبھی یہی انداز باہر اختیار کر کے دیکھنا ..... میں تمہیں تمہاری حیثیت کا اندازہ کرا دوں گی اس لئے کہ میں فرزین نہیں ہوں ..... شہلا ہوں۔"

اور پھر شہلا کچھ کہے بغیر نفرت سے ناہید کو گھورتی ہوئی الٹے قدموں باہر چلی گئی' ناہید گنگ رہ گئی' فرزین شہلا کے اس طرح ناراض ہو کر چلے جانے سے اور چراغ پا ہو گئی' زہر میں بجھے لہجے میں بولی۔

"میرے لئے کیا حکم ہے تمہارا؟"

"تم ..... تم ..... آئندہ سے نہ شہلا سے ملو گی نہ کلب جاؤ گی۔" فراز نے سخت آواز میں کہا۔ "یہ میرا آخری حکم ہے۔"

"کچھ اسی قسم کی شرائط میں بھی لگا سکتی ہوں۔" فرزین تیز ہو گئی۔ "کیا تم بھی میرا حکم تسلیم کر لو گے؟"

"فرزین! میں اس گھر میں کسی بے ہودگی کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں'

اس لئے جو کچھ کہنا سوچ سمجھ کر کہنا۔" فراز نے غصے سے ہاتھ ملتے ہوئے جواب دیا۔

"بہت خوب۔" فرزین نے ناہید کو نفرت سے گھورتے ہوئے فراز سے کہا۔ "گویا اب تک اس گھر میں جو کچھ ہو رہا تھا وہ کارِ خیر تھا اور اللہ رسول ؐ کے نام پر ہو رہا تھا۔ آج بات کھل گئی تو اسے بے ہودگی کا نام دے دیا گیا۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔"

"میں کہتا ہوں اپنی زبان بند رکھو ورنہ....."

"ورنہ تم کیا کر لو گے میرا۔" فرزین آپے سے باہر ہو گئی۔ "کیا تم نے مجھے بھی کسی گرے پڑے خاندان کی لاوارث لڑکی سمجھ لیا ہے جو میں تمہاری سخت سُست برداشت کر لوں گی۔ یا اپنے کرتوتوں پر پردہ ڈالنے کی خاطر تمہارے در پر پڑی رہوں گی۔ اگر تمہیں اپنی بڑائی پر ناز ہے تو میں بھی تم سے کم نہیں ہوں۔ میں اسی وقت تمہارے گھر پر لعنت بھیج کر جا رہی ہوں' میری غیر موجودگی میں تمہیں ہر قسم کی آزادی ہو گی۔" اور پھر اس سے پہلے کہ فراز کوئی جواب دیتے وہ تیزی سے کسی ناگن کی طرح بل کھاتی گھومی اور لمبے لمبے قدم اٹھاتی اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

ناہید سکتے کی حالت میں دوچار تھی' بت بنی کھڑی سب کچھ سن رہی تھی' فرزین چلی گئی تو وہ یوں چونکی جیسے کوئی بھیانک خواب دیکھتے دیکھتے اچانک بیدار ہو گئی ہو۔ فراز کا چہرہ بدستور غصے سے تمتما رہا تھا اور وہ جنونی انداز میں اپنے ہونٹ کاٹ رہے تھے' وہ اپنا غم بھول گئی' قریب جا کر فراز سے بولی۔

"فراز! خدا کے لئے فرزین کو سمجھا بجھا کر روک لو' وہ چلی گئی تو اس گھر کی رہی سہی عزت بھی داغدار ہو جائے گی۔"

"وہ جاتی ہے تو جائے جہنم میں' مجھے اب کسی بات کی پرواہ نہیں ہے۔" فراز نے سختی سے جواب دیا۔

"حالات کی نزاکت کو محسوس کرنے کی کوشش کرو فراز!" وہ مجسم التجا بن گئی۔ "میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گی۔"

"ضمیر بے داغ ہو تو انسان کو کسی سے خوفزدہ نہیں ہونا چاہئے۔"

"لیکن تم....."

"مجھے مجبور نہ کیجئے۔" فراز تیزی سے بولے۔ "میں اب فرزین کو کسی قیمت پر نہیں روکوں گا' یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔"

پھر فراز بھی غصے میں بھرے چلے گئے تو وہ لاؤنج میں بالکل تنہا رہ گئی۔ ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں' قصر سجاد کے در و دیوار گھومتے نظر آ رہے تھے' ہر شے پر ایک بھیانک اور خوفناک سکوت طاری تھا۔ وہ آہستہ سے دوبارہ تھکے تھکے انداز میں اپنی جگہ بیٹھ گئی' آنکھوں کے گوشے آہستہ آہستہ بھیگنے لگے۔ دل تھا کہ کسی طور قابو میں نہیں آ رہا تھا' گھٹن کا احساس ہر لمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔ صرف ایک سوال تھا جو صدائے بازگشت بن کر اُس کے ذہن میں گونج رہا تھا۔

اب کیا ہو گا.....!

اب کیا ہو گا.....!!

☆------☆------☆

فرزین چلی گئی تو قصر سجاد کے ہنگامے بھی ختم ہو گئے' لق و دق حویلی میں صرف فراز' ناہید اور ننھا شرجیل باقی رہ گئے تھے' وقت کے بے رحم ہاتھوں نے فراز کے دل پر ایک اور چرکہ لگایا تو وہ بالکل مہر بہ لب ہو کر رہ گئے تھے۔ دور دور سب سے الگ تھلگ رہنے لگے تھے' شام کو دفتر سے واپس آتے تو اپنے کمرے میں بند ہو کر بیٹھ جاتے' کھانا بھی اپنے کمرے ہی میں کھاتے تھے' چہرے پر اداسیوں نے اپنا تسلط جما لیا تھا' ہونٹوں کی مسکراہٹیں اور چہرے کی بشاشت غموں میں دب کر کراہتی محسوس ہونے لگی تھی۔

اور ناہید.....

اس کی کیفیت بیچ منجدھار میں پھنسے ہوئے کسی ایسے بدنصیب سے مختلف نہیں تھی جو نہ خود کو موجوں کے رحم و کرم پر چھوڑ سکتا تھا نہ کنارے تک پہنچنے کی آرزو میں ہاتھ پاؤں مار سکتا تھا۔ فرزین کے چلے جانے کے بعد اس کا فراز کے ساتھ تنہا رہنا مصلحتوں کے خلاف تھا' اسے فراز سے دور ہو جانا چاہئے تھا اس لئے کہ حالات کے بدلتے دھاروں نے ایک بار پھر اسے شدید کیفیتوں سے دوچار کر دیا تھا۔ فرزین کے ذہن میں شکوک کی بنیادوں نے اپنی جڑیں مضبوط کر کے تناور درخت کی صورت اختیار کر لی تھی اور ان ہی شبہات کی بنا پر وہ اپنے گھر' اپنے شوہر اور اپنے معصوم بچے کو بھی چھوڑ کر روٹھ کر چلی گئی تھی۔

طوفانوں نے سر ابھار لیا تھا' ہواؤں کے رخ بدل گئے' گرد و غبار نے بگولوں کی شکل اختیار کر کے منزل کے نشان دھندلا دیئے تھے اور ان نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ناہید بالکل تنہا اور بے یار و مددگار رہ گئی تھی۔ ننھا شرجیل اس کے قدموں میں بیڑیاں

بن گیا تھا۔ اس معصوم کو ممتا کی ضرورت تھی پھر وہ اسے چھوڑ کر کیسے جا سکتی تھی' کیسے اس معصوم کو حالات کے حوالے کر دیتی جو ماں کی زندگی ہی میں اس کے پیار سے محروم ہو گیا تھا۔

شوہر کی موت کے غم کو اس نے قدرت کا عطیہ سمجھ کر قبول کر لیا تھا' آنسوؤں کی طغیانی نے اس کے زخموں کو مندمل کر دیا تھا۔ وہ ڈگمگا کر سنبھل گئی تھی پھر اس نے زندگی کے باقی ماندہ دن گزارنے کے لئے نئی راہوں کا انتخاب کر لیا۔ ساس کے پیار کو اپنا کر اپنا غم بھلا دیا تھا' دن رات ان کی تیمارداری میں لگی رہتی تھی ..... ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل گیا تھا لیکن جب یہ سہارا بھی ٹوٹ گیا تو اس کے قدم پھر لڑکھڑا گئے تھے ..... تاریکیوں نے اپنا دامن پھیلا کر اسے نگل جانے کی سعی کی تھی مگر اس نے خود کو سنبھال لیا' خود کو تاریکیوں کا عادی بنا لیا اور قدم جما جما کر حالات کا مقابلہ کرنے لگی۔

بیگم سجاد نے مرتے وقت اسے جو ذمہ داریاں سونپی تھیں وہ اس کے لئے مشعل راہ بن گئیں' زندہ رہنے کا ایک بہانہ ہاتھ آ گیا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ زندگی کی آخری سانسوں تک اپنے فرائض نبھاتی رہے گی۔ قسمت نے جس گھر کی دہلیز کو اس کا مقدر بنا دیا تھا وہ مرتے دم تک اسی کے سائے تلے پڑی رہے گی۔

لیکن.....

قدرت نے ایک بار پھر اس کی منزلیں دشوار کر دیں' حالات کے نشیب و فراز نے اسے ایک کڑی آزمائش سے دوچار کر دیا۔ فرزین کی نفرتوں نے ناگن بن کر اس کے وجود کو ڈس لیا' وہ تڑپ کر رہ گئی' زبان سے اف نہ کر سکی۔ کہنے کو تو بہت کچھ تھا لیکن وقت کی نزاکتوں نے اس کے ہونٹوں پر قفل ڈال دیئے تھے وہ اپنی صفائی میں کچھ نہ کہہ سکی۔ اندر ہی اندر گھٹ کر رہ گئی' سسک سسک کر خاموش رہی' اس لئے کہ قدرت نے اسے بیوگی کا روپ دے کر بے سہارا کر دیا تھا۔ قوت گویائی سلب کر لی تھی' مشق ستم بنا دیا تھا' اتنا خوفزدہ کر دیا تھا کہ وہ خود اپنے وجود کے سایوں سے بھی کترانے کی عادت بن گئی تھی۔

فرزین کو میکے گئے تین دن گزر چکے تھے۔ ناہید کا خیال تھا کہ کرنل سر فراز ایک بزرگ کی حیثیت سے حالات کو سنوارنے کی کوشش کریں گے اور فراز کی روٹھی ہوئی خوشیاں انہیں دوبارہ واپس مل جائیں گی اور ننھا شرجیل ماں کی ممتا حاصل کر لے گا لیکن جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کی امیدیں ٹوٹتی گئیں — اس نے کئی بار سوچا کہ فراز کو کریدے' ان سے پُرسش احوال کرے لیکن ہمت نہیں ہوئی۔ ماضی کا ایک مذاق اس کی

زندگی کے لئے بربادیوں کا عنوان بن گیا تھا—— وہ اس عنوان کو دوبارہ نہیں چھیڑنا چاہتی تھی۔ اس نے تو ماضی کی ایک ایک بات کو فراموش کر دیا' حرفِ غلط کی طرح مٹانے کی کوشش کی تھی لیکن فراز—— شاید فرزین کی نفرتوں نے انہیں ایک بار پھر ماضی کی طرف لوٹا دیا تھا۔ ایک خلش جو دل کے کسی ویران گوشے میں دبی رہ گئی تھی پھر سے ان کے شعور میں بیدار ہونے لگی تھی' حسرتیں جو دم توڑ کر نڈھال ہو چکی تھیں پھر سے زندگی کی آرزو میں تڑپ تڑپ کر حقیقت کا رنگ اختیار کرنے کے لئے بے چین ہو رہی تھیں۔

اور.....

ان باتوں کا ایک ہلکا سا تصور بھی ناہید کے لئے بڑا سوہانِ روح تھا' بے حد کربناک تھا۔ جس عزت اور ناموس کو وہ آج تک سمیٹے بیٹھی تھی' بدنامی کے خوف سے بچنے کے لئے اس نے خود کو صرف اپنے وجود کی جن حدود میں محدود کر رکھا تھا وہ بندشیں اب ٹوٹتی نظر آ رہی تھیں—— زندگی کا شیرازہ یوں اچانک بکھر جائے گا' حالات یوں اس کی دسترس سے نکل جائیں گے یہ بات تو اس کے گمان میں بھولے سے بھی نہیں آئی تھی—— وہ اکثر بیٹھے بیٹھے خیالات کی وادیوں میں بھٹکتے بھٹکتے بہت دور نکل جاتی جہاں وسوسے اور واہمے اس کا استقبال کرتے۔ وہ سوچتی' زندگی کا بھرم اگر یوں ٹوٹ گیا تو کیا ہو گا؟

کیا وہ بدنامی کے اس داغ کو اپنے دامن پر برداشت کر لے گی جو بے بنیاد تھا۔

ایک راستہ تھا جس نے سنجیدگی کا رخ اختیار کر کے اس کے قدموں تلے کانٹے بکھیر دیئے تھے۔

وہ کب تک ان خارزار راستوں پر ثابت قدم رہ سکے گی ..... اور

جب انگلیاں اس کی جانب اٹھیں گی تو وہ جواب میں کیا کہہ سکے گی؟

لوگ اس کے ساتھ فراز کا نام زبان تک لے آئیں گے تو کیا وہ دنیا والوں کو منہ دکھا سکے گی۔

کس کو اپنا دکھڑا سنائے گی۔

کس کس کو اپنی بے گناہی اور پاکدامنی کا یقین دلائے گی۔

کون آمادہ ہو گا اس کی باتیں سننے کو۔

قہقہے ابھریں گے ..... جملے اور فقرے چست کئے جائیں گے تو کیا اسے تاب ہو سکے گی۔

کیا وہ نگاہیں اونچی کر سکے گی۔

دم گھٹ کر نہ رہ جائے گا۔

شرجیل کو گود میں لئے لان کے قریب برآمدے میں بیٹھی وہ آج بھی ان ہی خیالوں میں گم تھی کہ پھاٹک پر کوئی گاڑی آ کر رکی پھر اس نے اپنے بوڑھے باپ اور ضعیف ماں کو آتے دیکھا تو دھک سے رہ گئی۔ دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتی جلدی سے اٹھی' شرجیل کو فلورا کے حوالے کر کے آگے بڑھی' بڑے ادب سے قریب جا کر ماں باپ کو سلام کیا پھر ان کو لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئی' چہرے سے اس نے اپنے غموں کا اظہار نہیں ہونے دیا تھا لیکن اپنے وجود کے اندر سہمی سہمی تھی۔

"فراز میاں کیا گھر پر نہیں ہیں؟" شیخ الطاف حسین نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی فراز کے آنے کا وقت نہیں ہوا۔" وہ سنبھل کر بولی۔ "کچھ دیر میں آ جائیں گے۔"

"تم تو خیریت سے ہو نا؟" شاکرہ خاتون نے بیٹی سے سوال کیا۔

"مجھے بھلا یہاں کیا تکلیف ہو سکتی ہے؟" وہ ایک پھیکی سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر بولی پھر جلدی سے بات بناتے ہوئے بولی۔ "کیا شاکر ساتھ نہیں آیا' بہت دنوں سے اُسے نہیں دیکھا۔"

"شاکر کو ساتھ لاتی تو گھر پر کون رہتا۔" شاکرہ خاتون بولیں' ان کی آنکھوں میں اداسی تیر رہی تھی۔

"آپ کی طبیعت اب کیسی ہے ابا جان! شازیہ بتا رہی تھی کہ پچھلے دنوں آپ خدانخواستہ کچھ بیمار تھے۔" اس نے ماں کی نگاہوں سے بچنے کے لئے باپ سے کہا۔ "مجھے خبر تک نہ کی۔"

"یوں ہی معمولی سا بخار ہو گیا تھا' میں نے تمہیں پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"شاکر کی پڑھائی کیسی ہو رہی ہے؟" اس نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"خدا کا شکر ہے۔" الطاف حسین بولے۔ "پڑھائی کے سلسلے میں وہ پہلے سے زیادہ سنجیدہ ہو گیا ہے۔"

"یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔"

"فرزین کیا گھر پر نہیں ہیں؟" شاکرہ خاتون نے کچھ توقف کے بعد دبی زبان میں پوچھا۔ "نظر نہیں آ رہی۔"

"وہ ..... وہ ..... اپنے میکے گئی ہوئی ہے۔" ناہید نے رک رک کر جواب دیا۔ اس کا اندازہ غلط نہیں تھا' وہ خبر جو ایک نہ ایک دن عام ہونی تھی اس کے والدین تک بھی پہنچ گئی تھی۔

"کیا شرجیل کو ساتھ نہیں لے گئی؟"

"جی نہیں۔" اس نے آہستہ سے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"کیا بات ہے ناہید بیٹی! تم کچھ پریشان سی نظر آ رہی ہو؟" شیخ الطاف حسین نے خود کو انجان رکھتے ہوئے بڑی شفقت سے پوچھا۔

"کچھ ایسی ہی بات ہے ابا جان!" وہ خود کو سنبھالتے ہوئے دبی زبان میں بولی۔ "فرزین دراصل فراز سے ناراض ہو کر میکے چلی گئی ہیں۔"

"کب؟"

"تین دن ہو گئے۔"

"بات کیا ہوئی تھی؟" شاکرہ خاتون نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"بات معمولی سی تھی ..... فراز نے فرزین کو کلب جانے سے منع کیا تھا۔ بس فرزین اتنی سی بات پر خفا ہو کر چلی گئیں۔" ناہید نے مختصراً کہا۔

"اگر فراز میاں نے اسے کلب جانے سے روکا تھا تو نہایت مناسب بات تھی۔ بھلا مردوں کے کلب میں عورتوں کا کیا کام۔" شاکرہ خاتون بولیں۔ "اور اگر مان بھی لیا جائے کہ غلطی فراز کی تھی تو بھلا معصوم بچے نے کیا قصور کیا تھا جو اسے چھوڑ گئیں۔"

"شرجیل کو تو شروع ہی سے گورنس کے حوالے کر دیا گیا۔" ناہید دبی زبان میں بولی۔

"خیر....." شیخ الطاف حسین نے کہا۔ "یہ فراز اور فرزین کا ذاتی معاملہ ہے' ہمیں درمیان میں دخل نہیں دینا چاہئے' فراز جانیں اور فرزین۔ البتہ میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں ناہید بیٹی کہ ایسے حالات میں کیا تمہارا یہاں رہنا مناسب ہو گا؟"

"اس میں نامناسب کیا بات ہے ابا جان!" وہ آہستہ سے بولی۔ "آخر میں بھی تو اس گھر کی عزت ہوں اور پھر اگر میں چلی گئی تو ننھے شرجیل کا کیا بنے گا ..... اس معصوم نے تو کسی کا کچھ نہیں بگاڑا۔"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو بیٹی! لیکن ہمیں اپنے ساتھ ساتھ زمانے کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔" شاکرہ خاتون بولیں۔

"میں سمجھی نہیں امی جان!" اس نے نظریں اٹھا کر ماں کو بڑے معصوم انداز میں

دیکھتے ہوئے کہا۔

"لوگ مارتے کا ہاتھ تو پکڑ سکتے ہیں بیٹی! لیکن کہنے والوں کی زبانوں پر قفل نہیں ڈالے جا سکتے۔" شاکرہ خاتون نے بیٹی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ "میری مانو تو تم کچھ دنوں کے لئے چلی چلو۔ چاہو تو شرجیل اور گورنس کو ساتھ لے لو۔ جب فرزین واپس آ جائے تو تم بھی بڑی خوشی سے واپس آ جانا۔"

ناہید نے کوئی جواب نہیں دیا' آہستہ سے نظریں جھکا لیں' دراز پلکوں کے گوشے نمناک ہونے لگے تھے اور دل کی دھڑکنوں نے پھر سر ابھارنا شروع کر دیا تھا۔

"تمہاری ماں جو کچھ کہہ رہی ہیں تمہارے بھلے ہی کو کہہ رہی ہیں۔" شیخ الطاف حسین سنجیدگی سے بولے۔ "اگر تمہاری ساس زندہ ہوتیں تو اور بات تھی۔"

وہ بدستور سر نگوں رہی' کوئی جواب نہ بن پڑا تو آنچل کے کونوں کو ہاتھوں میں دبا کر مسلنے لگی۔

"کیا سوچ رہی ہو ناہید!" شاکرہ خاتون نے کہا۔ "کیا تمہیں ہمارا فیصلہ منظور نہیں ہے؟"

"میں آپ کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتی لیکن....." وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی' الفاظ ساتھ نہیں دے رہے تھے' دل تھا کہ اندر ہی اندر بیٹھا جا رہا تھا۔

"لیکن کیا بیٹی!"

"میں بھی چلی گئی تو ..... فراز ..... کیا خیال کریں گے۔" اس نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

"میں فراز کو سمجھا دوں گا۔" الطاف حسین بولے۔ "مجھے یقین ہے کہ وہ سمجھداری سے کام لیں گے۔"

"میں ..... میں ..... خود اپنی نگاہوں میں گر جاؤں گی ابا جان!" ناہید نے بمشکل کہا پھر دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر سسکنے لگی' دل کو ایک ذرا سی ٹھیس لگی تو آنسوؤں نے طغیانی کی شکل اختیار کر لی۔

شاکرہ خاتون نے اٹھ کر بیٹی کو سینے سے لگا لیا اور خود بھی رونے لگیں' الطاف حسین کی آنکھیں بھی بھر آئیں۔ کچھ دیر خاموش بیٹھے اپنی سوچوں میں گم رہے پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"مجھے اپنے خون پر مکمل اعتماد ہے بیٹی! اگر تمہاری خوشی اسی میں ہے کہ یہاں رہو تو

ہم تمہیں مجبور نہیں کریں گے' آگے جو خدا کو منظور ہو۔"

"خود کو سنبھالو میری بچی!" شاکرہ خاتون نے بسورتے ہوئے کہا۔ "آخر کب تک اس طرح اپنی قسمت پر آنسو بہاتی رہو گی؟"

"امی جان!" ناہید آگے کچھ نہ کہہ سکی' ماں کی آغوش میں سمٹ کر اور بلکنے لگی۔

شیخ الطاف حسین خاموش بیٹھے اولاد کی حالت پر تاسف کرتے رہے۔ پھر باہر سے فراز کی گاڑی کے مانوس ہارن کی آواز ابھری تو اس نے جلدی سے پلکوں سے بہتے آنسوؤں کو خود اپنے ہی دامن میں سمو لیا' شاکرہ خاتون نے بھی دوپٹے کے پلو سے آنکھیں صاف کر لیں۔ فراز حسب دستور راہداری سے ہو کر اپنے کمرے کی طرف جا رہے تھے' شیخ الطاف حسین پر نظر پڑی تو ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

جانے کیوں اس وقت وہ فراز کے سامنے آنے سے گریزاں تھی۔ اس لئے نظریں جھکا کر چپ چاپ باورچی خانے کی طرف چھوٹے چھوٹے قدم اٹھانے لگی۔

☆------☆------☆

محسن علی نے دفتر میں قدم رکھا تو فراز کاروباری امور میں محو تھے' چہرے پر خلاف معمول کچھ زیادہ افسردگی طاری تھی' ایش ٹرے میں سگریٹ کے بے شمار ادھ جلے ٹکڑے نظر آ رہے تھے۔

"کیا میں حاضر ہو سکتا ہوں؟"

"محسن!" فراز نے محسن کو دیکھا تو زبردستی مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ "آؤ بیٹھو۔"

"میں مخل تو نہیں ہوا؟" محسن نے ایک خالی کرسی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"اب آ ہی گئے ہو تو مجبوراً بھگتنا پڑے گا۔" فراز فائل بند کرتے ہوئے بولے۔ "سناؤ' آج یہ عین دوپہر کے وقت ادھر کا راستہ کیسے بھول گئے؟"

"مروت ..... کھانا کھا کر آ رہا ہوں' ویسے اگر تم نے چائے کے لئے اصرار کیا تو انکار نہیں کروں گا۔"

فراز نے گھنٹی بجا کر چپڑاسی کو چائے لانے کی ہدایت کی پھر بولے۔

"اور سناؤ' شازیہ بہن کیسی ہیں؟"

"بھائی کے لئے ہر وقت فکرمند رہتی ہیں' آج کل اپنا حقہ پانی بھی بند کر رکھا ہے۔"

"کیا مطلب؟" فراز نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ "کیا شازیہ بہن کا کوئی بھائی بھی ہے۔"

"پہلے نہیں تھا لیکن اب تم نے یہ کمی پوری کر دی ہے۔"

"اوہ....." فراز معاً سنجیدہ ہو گئے۔

"تم سناؤ' بات کچھ بنی یا ابھی تک بھابی کے تیوری کے بل برقرار ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ فرزین اپنی ضد پر قائم رہے گی۔" فراز نے کھوئے کھوئے لہجے میں جواب دیا۔

"تم نے کرنل سر فراز سے بات کی۔"

"نہیں ..... میں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی۔"

"حماقت کا ثبوت دیا۔" محسن علی بولے۔ "کم از کم تمہیں کرنل سر فراز سے مل کر انہیں حالات سے آگاہ کر دینا چاہئے تھا۔"

"وہ بھی اگر چاہتے تو مجھ سے مل سکتے تھے لیکن آج سے پہلے انہوں نے بھی اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کی۔"

"آج سے پہلے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"آج انہوں نے ایک ماہ گزر جانے کے بعد پہلی بار مجھے فون کرنے کی زحمت گوارا کی تھی۔"

"کیا کہا؟"

"پوچھ رہے تھے کہ معاملہ کیا ہے۔" فراز زہرخند سے بولے پھر سگریٹ سلگا کر لمبے لمبے کش لینے لگے۔

"پھر..... تم نے کیا جواب دیا؟"

"میں نے کہہ دیا کہ فرزین زیادہ بہتر طور پر حالات سے واقف ہے' اسی سے دریافت کر لیں۔"

"میرا تو خیال ہے کہ بھابی نے پہلے ہی تمام حالات سے انہیں آگاہ کر دیا ہو گا۔"

"اور اسی لئے وہ مجھ سے کہہ رہے تھے کہ اگر میں جا کر فرزین صاحبہ کی خوشامد کروں تو شاید وہ میرے ساتھ واپس آنے پر آمادہ ہو جائے۔" فراز نے سنجیدگی سے کہا۔

"باپ جو ہیں ..... اگر اپنی بیٹی کی حمایت نہ کریں گے تو باپ کے رشتے پر حرف آ جائے گا۔"

چپڑاسی کمرے میں داخل ہوا تو گفتگو کا سلسلہ کچھ دیر کے لئے ٹوٹ گیا' چپڑاسی چائے تیار کر کے واپس جانے لگا تو فراز نے اسے تاکید کر دی کہ کسی کو اندر نہ آنے دیا جائے۔

"تم نے کیا فیصلہ کیا؟" چپڑاسی کے جانے کے بعد محسن علی نے چائے کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے پوچھا۔

"جب تک فرزین اپنی غلطی کی معافی نہیں طلب کرے گی میں اسے واپس نہیں لاؤں گا۔"

"تمہارا کیا اندازہ ہے' کیا فرزین صاحبہ معافی مانگنے پر آمادہ ہو جائیں گی؟"

"ناممکن ہے۔" فراز نے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔ "وہ کرنل سرفراز کی بیٹی ہیں ..... ایسے باپ کی بیٹی جس نے کسی محاذ پر شکست قبول کرنا یا دشمن کے آگے ہتھیار ڈالنا نہیں سیکھا۔"

"نتیجہ کیا نکلے گا؟" محسن علی نے سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"علیحدگی۔" فراز نے مختصراً جواب دیا۔

"یہ تو تمہارے اختیار کی بات ہے لیکن....."

"لیکن میں چاہنے کے باوجود خود سے اپنی خواہش کا اظہار کبھی نہیں کروں گا۔" فراز نے محسن علی کا جملہ کاٹتے ہوئے بڑی دردناک سنجیدگی سے کہا۔ "اگر میں نے ایسا کیا تو کسی کے کردار پر داغ آ جائے گا۔"

"میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں ..... مگر فرزین صاحبہ کا زیادہ دنوں تک میکے میں رہنا مناسب بھی نہیں ہے۔"

"میں جانتا ہوں۔" فراز نے سگریٹ کا ایک طویل کش لیا' پھر کثیف دھواں اڑاتے ہوئے بولے۔ "جو عورت اتنی بیباک اور خودغرض ہو جائے کہ اولاد کی طرف سے نگاہیں پھیر لے اسے بھلا اپنے شوہر کی کیا فکر ہو سکتی ہے۔"

"میں تو اس میں کرنل سرفراز کی زیادہ غلطی سمجھتا ہوں۔ اس وقت انہیں فرزین کا باپ بننے کے بجائے ایک بزرگ کی حیثیت سے حالات کو پرکھنا چاہئے تھا اور اسے سنوارنے کی کوشش کرنی چاہئے تھی۔"

"تم شاید بھول رہے ہو کہ گھٹنا ہمیشہ پیٹ ہی کی سمت جھکتا ہے اور خون اپنا رنگ ضرور دکھاتا ہے۔"

"ایک بات کہوں ..... برا تو نہیں مانو گے۔" محسن علی نے چائے کا آخری گھونٹ

لیتے ہوئے پوچھا۔

"اگر دوست سمجھتے ہو تو اس تکلف کی کیا ضرورت ہے؟" فراز بولے۔ "جو کہنا چاہتے ہو کھل کر کہو۔ یوں بھی آج کل میں نے کڑوی اور تلخ باتوں کو ہنس ہنس کر پی جانے کی عادت ڈالی لی ہے۔"

"میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ بھابی کا میکے میں رہنا مناسب نہیں ہے' اس طرح انہیں زیادہ آزادی حاصل رہے گی۔"

"تم شاید دوستی کا حق نبھا رہے ہو۔" فراز کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ ابھر آئی۔

"تم میری بات کا مقصد نہیں سمجھے۔"

"مجھے حالات کا بخوبی علم ہے۔" فراز بولے۔ "میں بھی اسی شہر میں رہتا ہوں' یہیں پلا بڑھا ہوں' پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جو بات تمہارے علم میں آ چکی ہو وہ میرے کانوں تک نہ پہنچی ہو۔"

"میں تمہیں یہی بتانا چاہ رہا تھا کہ آج کل فرزین صاحبہ اور انور زیادہ تر ایک دوسرے کے ساتھ دیکھے جا رہے ہیں اور دیکھنے والوں نے اس سلسلے میں طرح طرح کی باتیں بھی مشہور کر رکھی ہیں۔"

"مجھے ان خبروں پر کوئی افسوس نہیں ہوا۔" فراز سنجیدگی سے بولے۔ "اس لئے کہ یہ بات خود فرزین نے مجھے جلانے کی خاطر پہلے ہی بتا دی تھی کہ انور بڑی خوبیوں کا مالک ہے اور بہت بڑے باپ کا بیٹا ہے۔"

"لیکن ان باتوں میں تمہاری رسوائی کا پہلو بھی نکلتا ہے۔" محسن نے کہا۔

"لوگ یوں بھی باتیں بناتے رہتے ہیں ..... مجھے اس کی مطلق کوئی پرواہ نہیں۔"

"مجھے حیرت ہے کہ بھابی کو بھی اپنی رسوائی کا کوئی خیال نہیں۔"

"خیالات اور طبیعتوں میں ہم آہنگی نہ ہو تو دوری ٹوٹ جاتی ہے۔" فراز بڑے فلسفیانہ انداز میں بولے۔ "ہر انسان اپنے ڈھب سے زندگی گزارنے کا عادی ہوتا ہے۔ خوش رہنے کی آرزو کسے نہیں ہوتی' اپنی پسند کا اختیار بھی سب ہی کو ہوتا ہے۔ اگر فرزین کو انور پسند ہے اور وہ اس کے ساتھ پُرمسرت زندگی گزار سکتی ہے تو مجھے کوئی حق نہیں کہ میں بلاوجہ ان دونوں کے راستوں میں حائل ہوں۔"

"میں بھی اسی اصول کا قائل ہوں لیکن کیا کوئی شخص سرِ بازار اپنی عزت نیلام ہوتے دیکھ سکتا ہے؟"

"کچھ لوگ اپنی رسوائیوں کو بھی اپنی بڑائی سمجھ بیٹھتے ہیں۔" فراز بولے۔ "فرزین کی مثال تمہارے سامنے موجود ہے۔"

"لیکن فی الحال وہ تمہاری عزت ہے' تمہاری بیوی ہے۔"

"درست کہہ رہے ہو مگر وہ میرے گھر کی دہلیز عبور کر کے میرے اختیار سے باہر ہو چکی ہے۔"

"کیا تم نے فرزین کو آزاد کر دینے کا مکمل فیصلہ کر لیا ہے؟"

"اگر فرزین چاہے تو میں آج اور اسی وقت اسے ہمیشہ کے لئے آزاد کرنے کو تیار ہوں۔"

"کیا مطلب؟" محسن نے پوچھا۔ "کیا تم خود سے اسے نہیں چھوڑنا چاہتے؟"

"کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا جواب وقت کے سوا کوئی اور نہیں دے سکتا۔" فراز نے دبی زبان میں کہا۔

"شرجیل کے بارے میں بھی کچھ سوچا ہے؟"

"کیا مطلب؟" فراز یوں چونکے جیسے نادانستگی میں ان کا پیر دہکتے انگاروں پر پڑ گیا ہو۔

"ہو سکتا ہے کہ فرزین کسی وقت بھی شرجیل کا مطالبہ کر بیٹھیں' اس وقت کیا کرو گے؟"

"یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔" فراز بے حد جذباتی بن گئے۔ "شرجیل میرا خون ہے ..... میرا بیٹا ہے ..... دنیا کی کوئی طاقت اسے مجھ سے جدا نہیں کر سکتی۔"

"مگر قانون کی رو سے بالغ ہونے تک وہ ماں کے پاس رہ سکتا ہے۔"

"اگر اس کی نوبت آ ہی گئی تو میں قانون سے بھی ٹکرا جاؤں گا۔ میری زندگی میں شرجیل مجھ سے علیحدہ ہو یہ ناممکن ہے۔"

"میں تمہارا دوست ہوں فراز! تمہاری خاطر جان بھی دے سکتا ہوں۔" محسن بڑے خلوص سے بولے۔ "لیکن میں ایک بار پھر یہی کہوں گا کہ تمہیں اپنی بیوی کے سلسلے میں اس قدر لاپرواہ نہیں ہونا چاہئے۔ یا تو تم جا کر اسے سمجھا بجھا کر واپس لے آؤ یا پھر جو فیصلہ کرنا ہو اسے جلد کر ڈالو۔"

"یہ دونوں ہی باتیں میرے بس میں نہیں ہیں۔" فراز اداس لہجے میں بولے۔

"کیوں ..... ایسی بھی کیا بے بسی ہے' کچھ کھلو تو سہی۔"

"مجھے مہر بہ لب ہی رہنے دو محسن! اگر میری زبان کھل گئی تو شاید زندگی کے وہ سنہری خواب بھی میرے اپنے نہ رہیں گے جنہیں میں نے اپنے دل کے نہاں خانوں میں چھپا کر سجا رکھا ہے۔"

"اسی لئے تو یہ مشورہ دے رہا ہوں کہ جو کرنا ہے' جلد کر گزرو ..... ورنہ تمہارے ساتھ ساتھ دوسرے لوگ بھی اذیت کا شکار ہو رہے ہیں۔"

"میں دوسروں کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکتا اسی لئے وہ مہر بہ لب ہوں۔"

"تم مرد ہو حالات کا مقابلہ کر سکتے ہو لیکن ذرا ان لوگوں کی کیفیت کا بھی اندازہ لگاؤ جو زبان ہوتے ہوئے بھی بے زبان بن کر رہ گئے۔"

"محسن!" فراز سوگوار لہجے میں بولے۔ "آگے کچھ نہ کہنا ورنہ مجھے اپنی مجبوریوں کا احساس اور شدت سے ہو گا' میں اپنی خوشیوں کی خاطر کسی دوسرے کے سکون کو برباد کرنا نہیں چاہتا۔"

"گویا تم نے زندگی بھر صرف خواب دیکھنے کی قسم کھا رکھی ہے۔"

"خوابوں کو حقیقت کا رنگ دینے کا وقت گزر گیا ..... اب تو صرف ناکام حسرتیں باقی رہ گئی ہیں جو زندگی کا سہارا بنی ہوئی ہیں۔"

"محض شاعری غموں کا مداوا تو نہیں بن سکتی۔"

"نہ سہی ..... لیکن یہی یہ کیا کم ہے کہ ایک احساس تو ابھی زندہ ہے۔" فراز نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔ "جس دن یہ احساس ٹوٹ گیا' زندہ رہنے کی آرزو بھی ختم ہو جائے گی۔"

"تم اجازت دو تو میں کرنل سرفراز سے مل کر گفتگو کروں۔" محسن نے فراز کو اداس دیکھا تو گفتگو کا رخ بدلتے ہوئے بولے۔ "ہو سکتا ہے کہ کوئی بہتر صورت نکل آئے۔"

"تم چاہو تو اپنے طور پر مل سکتے ہو لیکن اس بات کا خیال رکھنا' میرا نام درمیان میں نہ آنے پائے۔"

"اور اگر خود کرنل سرفراز نے تمہارا ذکر چھیڑ دیا۔"

"اگر بات ٹل جائے تو زیادہ مناسب ہے ورنہ تم انہیں بتا دینا کہ فرزین کے سلسلے میں میرا کیا فیصلہ ہے۔" فراز سنجیدگی سے بولے۔ "فرزین کی واپسی کی پہلی اور آخری شرط

صرف یہی ہے کہ اسے ان لوگوں سے معافی مانگنی ہو گی جنہیں اس کی بے ہودہ باتوں سے دکھ پہنچا ہے۔"

"ٹھیک ہے ..... میں اب چلتا ہوں لیکن جاتے جاتے ایک بار پھر یہی مشورہ دوں گا کہ تم ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے اس مسئلے پر دوبارہ غور کرنا۔"

محسن علی رخصت ہو گئے تو فراز کچھ دیر تک کرسی کی پشت سے سر ٹکائے چھت کو گھورتے رہے۔ پھر دوبارہ فائلوں کے مطالعے میں مصروف ہو گئے۔

☆======☆======☆

بزرگوں کا یہ قول غلط نہیں کہ آگ اور پیٹرول کا ساتھ ہمیشہ خطرناک ہوتا ہے۔

یہی کیفیت فرزین اور انور کے بڑھتے ہوئے میل جول پر صادق آ رہی تھی۔ فرزین کو اس بات کا علم شادی کے بعد شہلا کی زبانی ہوا تھا کہ انور بھی اس کے طلبگاروں میں سے تھا۔ پہلے وہ یہ بات سن کر مسکرا دی تھی۔ اسے اپنے حسن کا احساس بھی ہوا تھا۔ پھر جب فراز سے اس کی ناچاقی ہوئی تو اس نے فراز کو جلانے کی خاطر اس کے سامنے بار بار انور کا نام لینا شروع کیا تھا اور کلب آنے کا سلسلہ شروع کر دیا تھا لیکن جب سے اس نے فراز کا گھر چھوڑا تھا اس کا اور انور کا میل جول بڑھتا جا رہا تھا۔

فرزین کو یقین تھا کہ فراز کو اس کے اور انور کے بارے میں اطلاعات ضرور پہنچ رہی ہوں گی اسی غرض سے وہ اپنا زیادہ تر وقت انور کے ساتھ گزارنے لگی تھی۔ وہ فراز سے انتقام کی خواہشمند تھی' اسے جلانا چاہتی تھی لیکن اس چنگاری کو محسوس نہ کر سکی تھی جو آہستہ آہستہ خود اس کے دامن کو جلا رہی تھی۔

انور کے طور طریق دبے قدموں اس کے ذہن کو متاثر کرنے لگے تھے۔ جب وہ انور کے ساتھ ہوتی ایک انجانا سا احساس اسے پُرسکون وادیوں کی سیر کراتا رہتا۔ اسے سسرال سے آئے پورے چار ماہ گزر گئے تھے لیکن انور کے قرب نے اسے کبھی تنہائی کا احساس نہیں ہونے دیا تھا' کتنی پُرکشش اور بھلی طبیعت کا مالک تھا' کس قدر خیال رکھتا تھا اس کا۔ وہ ذرا خاموش ہوتی تو انور کے خوبصورت چہرے پر فکر اور تردد کے اثرات ابھر آتے' وہ کسی بات کے لئے سوچتی تو انور وہی بات زبان تک لے آتا تھا۔ اس کی ذرا ذرا سی باتوں کا کس قدر خیال رکھتا تھا۔ یہ جاننے کے باوجود کہ وہ شادی شدہ ہے' ایک بچے کی ماں ہے۔ انور کا برتاؤ اس سے بالکل اپنوں جیسا تھا۔ ایک دو بار اس نے انور کے خلوص کو آزمانے کی خاطر تیوری پر بل ڈالے لئے تھے' کنارہ کشی کرنے کا انداز اختیار کیا تھا تو انور

کیسا اداس اداس سا نظر آ رہا تھا' یوں جیسے برسوں کا بیمار ہو۔ اس کی نگاہوں کی خوشیاں اور گفتگو کی طراریاں سب ہی تو متاثر ہو گئی تھیں' پھر اس نے کیسے کیسے جتن کر ڈالے تھے' فرزین کو منانے کی خاطر اور جب فرزین نے ہونٹوں پر ایک شوخ سی مسکراہٹ بکھیر کر اسے یہ بتا دیا کہ وہ اسے محض آزما رہی تھی تو انور کھِل اٹھا تھا۔ کیسی گنگا جمنی کیفیتوں کا حسین امتزاج ابھر آیا تھا اس کے چہرے کے بھرے بھرے خدوخال پر۔

اور رفتہ رفتہ یہی مذاق سنجیدگی کی صورت اختیار کرتا جا رہا تھا۔ انور کے قرب نے فراز کی دوری کے احساس کی شدتوں کو بڑی حد تک کم کر دیا تھا اور جب فرزین کبھی تنہائی میں بیٹھ کر اپنے ماضی اور حال کا تجزیہ کرتی تو اسے یوں محسوس ہوتا جیسے اس کا ماضی محض ایک خواب تھا' ایک فسوں تھا جو ٹوٹ کر کرچیوں میں بدل گیا اور حال ..... اس کے وجود کے خاکوں میں نئے اور نکھرے نکھرے رنگ بھر رہا ہے' وہ رنگ جو اسے پسند تھے۔ شوخ شوخ اور اجاگر اجاگر لیکن ان شوخ رنگوں میں ابھی تک ایک کمی محسوس ہوتی تھی' ایک تشنگی کا احساس چھلکتا نظر آتا تھا۔ ایسی تشنگی جسے ابھی تک وہ پوری طرح سمجھ نہیں سکی تھی۔ کوئی خوبصورت سا نام نہیں دے سکی تھی۔ ایک کھٹک سی تھی جو اسے نہ جانے کیوں ہنستے بولتے اچانک اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں محسوس ہوتی اور وہ یکلخت اداس ہو جاتی تھی۔ جانے وہ کون سا جذبہ تھا جو اسے بیٹھے بیٹھے پریشان کر دیتا تھا۔ وہ گھنٹوں اپنے ذہن کو کریدتی رہتی اس خیال سے کہ شاید الجھنوں کا سرا ہاتھ آ جائے لیکن ہر بار اسے مایوسیوں کا شکار ہونا پڑتا اور وہ ان ڈستی تنہائیوں سے فرار حاصل کرنے کے لئے ایسے وقتوں میں ہمیشہ انور کے قرب کا سہارا لیتی تھی ..... کبھی گاڑی میں اس کے برابر بیٹھی یوں ہی سول لائنز کے پُرسکون علاقے میں گھومتی رہتی' کبھی خسرو باغ کے کسی کنج تنہائی میں جا کر بیٹھ جاتی اور گھنٹوں انور سے باتیں کرتی رہتی۔

اکثر ایسا ہوتا کہ وہ انور کے ساتھ باتیں کرتے کرتے یکلخت چپ ہو جاتی اور بڑی سنجیدگی سے سوچتی کہ آخر وہ کیوں اس کے اس قدر قریب ہوتی جا رہی ہے' کیا رشتہ ہے اس کے اور انور کے درمیان' ایسا کون سا تعلق ہے جو اسے بار بار انور کے پاس کھینچ لاتا ہے' کیا سبب ہے کہ اسے کہیں اور ..... کسی دوسرے کے ساتھ سکون نہیں ملتا ..... اور جب اس کے ذہن کی الجھنیں شدت اختیار کرنے لگتیں تو وہ ان سے چھٹکارا پانے کے لئے ہر احساس کو جھٹک کر دوبارہ انور سے ہنسنے بولنے میں مصروف ہو جاتی۔

آج بھی وہ شام کو سو کر اٹھی تو اس کا موڈ بڑا خوشگوار تھا' کھڑکی سے پردہ سرکا کر باہر

دیکھا تو آسمان پر اودے اودے بادلوں کے تودے کسی مست شرابی کی طرح منڈلاتے پھر رہے تھے' ہوا کے ایک خنک جھونکے نے اس کا موڈ اور خوشگوار کر دیا۔ انگڑائی لیتی ہوئی وہ باتھ روم میں چلی گئی۔ غسل سے فارغ ہو کر لباس تبدیل کیا پھر آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر بالوں کو برش کرنے لگی' سفید پتلون اور اسپورٹنگ شرٹ میں اس کا وجود بڑا غضب ڈھا رہا تھا۔ بالوں کو برش کر کے اس نے اپنے سراپا کا تنقیدی جائزہ لیا ایونگ اِن پیرس کا اسپرے اٹھا کر لباس کو معطر کیا پھر بیڈ منٹن کا ریکٹ اٹھا کر گنگناتی ہوئی کلب جانے کے ارادے سے باہر آئی تو کرنل سرفراز سے مڈبھیڑ ہو گئی' باپ کے چہرے پر پھیلی سنجیدگی دیکھ کر وہ اُن کے قریب جا کر رک گئی۔

"ہیلو ڈیڈی!" اس نے مسکراتے ہوئے باپ کو اپنی موجودگی سے باخبر کیا۔

"ہیلو فرزین!" کرنل سرفراز نے جواب میں بیٹی کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کہاں جا رہی ہو؟"

"کلب کے سوا اور کہاں جاؤں گی۔"

"ٹھیک ہے ..... ضرور جاؤ۔"

"ڈیڈ!" اس نے باپ کے لہجے میں چھپی کسی الجھن کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں۔"

"ایسی کوئی خاص بات نہیں ہے بیٹی!"

"پھر بھی۔" اس نے اصرار کیا۔ "کچھ تو ہے۔"

"فراز کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔" کرنل سرفراز نے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ ..... آئی سی۔" فرزین کے چہرے پر تلخی ابھر آئی۔

"آج محسن علی دوبارہ میرے پاس آئے تھے۔" کرنل سرفراز نے تھوڑے توقف کے بعد کہا۔ "ان کی یہی خواہش ہے کہ تم اپنے گھر واپس چلی جاؤ۔"

"اس خواہش کا اظہار خود فراز بھی آپ سے براہ راست کر سکتے تھے۔" فرزین تلخ لہجے میں بولی۔

"وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا۔" کرنل سرفراز غصے میں بھرے اٹھ کھڑے ہوئے۔ "سجاد مرحوم سے اگر میرے دوستانہ تعلقات نہ ہوتے تو میں فراز کو ناکوں چنے چبوا دیتا۔ نامعقول' خود کو نہ جانے کیا سمجھ رہا ہے۔"

"کیا کوئی خاص بات معلوم ہوئی ہے؟"

"ہاں ..... صاحبزادے اپنی ناک اونچی رکھنا چاہے ہیں' کم از کم محسن علی کی باتوں سے میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں۔"

"محسن علی نے کیا کہا ہے؟" فرزین نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

"اس کا کہنا ہے کہ اگر تم خود سے واپس چلی جاؤ تو مصالحت کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔"

"آپ نے کیا جواب دیا؟" فرزین نے وضاحت طلب نگاہوں سے باپ کو گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میں نے صاف انکار کر دیا۔"

"آپ نے بہت اچھا کیا ڈیڈی!" فرزین نے کہا۔ "جب تک فراز خود یہاں آ کر مجھ سے اپنی غلطیوں کی معافی نہیں مانگیں گے میں کسی قیمت پر سسرال کی دہلیز پر قدم نہیں رکھوں گی۔"

"میرا خیال ہے کہ میں خود کسی وقت فراز سے مل کر معلوم کروں کہ آخر وہ چاہتا کیا ہے؟"

"اگر آپ جھک گئے تو وہ اور مغرور ہو جائیں گے۔" فرزین حقارت سے بولی۔ "میں اسے پسند نہیں کروں گی ڈیڈی!"

"پھر ..... آخر ان باتوں کا انجام کیا ہو گا؟"

"مجھے انجام سے زیادہ اپنی اور آپ کی عزت پیاری ہے۔" فرزین نے تلملا کر جواب دیا۔ "اگر فراز خود کو بڑے باپ کا بیٹا سمجھتے ہیں تو ہم بھی اتنے گرے پڑے تو نہیں کہ ان کے سامنے گھٹنے ٹیک کر مجسم التجا بن جائیں۔"

"مجھے ان باتوں سے تمہارے مستقبل کی فکر پریشان کرتی رہتی ہے۔" کرنل سرفراز نے سنجیدگی سے کہا۔

"آپ میری طرف سے فکرمند نہ ہوں ڈیڈی! میرا مستقبل محفوظ رہے گا۔" فرزین نہایت یقین سے بولی۔

"کیا تمہیں امید ہے کہ فراز یہاں آئے گا؟"

"یہی تو میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ وہ کب تک میری خاموشی اور میرے صبر کا امتحان لیتے ہیں۔"

"اگر بیگم سجاد زندہ ہوتیں تو فراز یوں اپنی خودسری کا مظاہرہ کرنے کی جرأت کبھی نہ کر سکتا۔" کرنل سرفراز نے جھلاتے ہوئے کہا۔ "میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ فراز اتنی جلدی اس قدر تبدیل ہو جائے گا۔"

"وقت کے ساتھ ساتھ ہر شے اپنا رنگ تبدیل کرتی رہتی ہے۔" فرزین نے کہا۔ "آپ اپنے ذہن پر بوجھ نہ ڈالیں ڈیڈی! یہ میرا اور فراز کا ذاتی اور نجی معاملہ ہے' میں خود اسے طے کرلوں گی۔"

"ڈور زیادہ الجھ جائے تو اسے سلجھانا مشکل ہو جاتا ہے۔" کرنل سرفراز نے خود پر قابو پاتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "جنگ کے میدان میں اگر دوسرے فریق کو زیادہ ڈھیل دی جائے تو اس کے حوصلے اور بلند ہو جاتے ہیں۔"

"کبھی کبھی مصلحتاً بھی غنیم کو دھوکہ دینے کی خاطر پیچھے ہٹنے کی ضرورت پیش آ جاتی ہے۔"

"تم اپنے حالات کو زیادہ بہتر سمجھتی ہو لیکن وقت جوں جوں گزرتا جا رہا ہے میری پریشانیاں بھی بڑھتی جا رہی ہیں۔"

"ڈیڈی!" فرزین نے بساط کا رخ پلٹتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ اس بات کو پسند کریں گے کہ میں خود فراز کے سامنے جا کر ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہو جاؤں اور آئندہ تمام زندگی ان کی جا و بے جا سختیاں اور زیادتیاں برداشت کرتی رہوں؟"

"یہ میں نے کب کہا۔"

"پھر آپ سب کچھ مجھ پر چھوڑ دیں۔" فرزین کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔

"محسن علی دوبارہ آنے کو کہہ گئے ہیں۔"

"اب کی دفعہ وہ آئیں تو آپ انہیں سختی سے دھتکار دیں۔"

"لیکن....."

"محبت اور جنگ میں ہر بات جائز ہوتی ہے۔" فرزین نے بات سنے بغیر جھلاتے ہوئے کہا۔ "یہ آپ ہی کا قول ہے ڈیڈی اور مجھے یاد ہے۔"

اور پھر پیشتر اس کے کہ کرنل سرفراز کچھ کہتے فرزین ناگن کی طرح کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆======☆======☆

عمر کے ساتھ ساتھ شرجیل کے چہرے کے خدوخال بھی اجاگر ہوتے جا رہے تھے'

اب اس نے معصوم معصوم سی شرارتیں بھی سیکھ لی تھیں مانوس چہروں کی شناخت بھی کرنے لگا تھا اور سب سے زیادہ ناہید سے ہل گیا تھا۔

ناہید نے اُس کی تمام تر ذمہ داریاں اپنے سر لے لی تھیں' گورنس کا وجود محض برائے نام رہ گیا تھا۔ شرجیل کا ننھا اور معصوم وجود ہی تو تھا جو اس کے لئے زندگی کا ایک حسین سہارا بن گیا تھا۔ وہ شرجیل کے قریب ہوتی تو کوئی غم' کوئی دکھ' کوئی پریشانی اس کے قریب نہیں پھٹکتی تھی۔ صرف وہ ہوتی' شرجیل ہوتا اور معصوم باتیں ہوتیں۔ وہ شرجیل سے باتیں کرتے کرتے اچانک اس کے سامنے سے ہٹ جاتی تو ننھے شرجیل کے بھولے بھالے چہرے پر یکلخت سنجیدگی طاری ہو جاتی' نظریں گھما گھما کر چاروں طرف وہ اسے تلاش کرنے لگتا۔ پھر وہ اچانک سامنے آ جاتی تو شرجیل ایک لمحے تک اسے یوں گھورتا رہتا جیسے اس کے روپوش ہو جانے اور نگاہوں سے اوجھل ہو جانے پر اپنی معصوم خفگی کا اظہار کر رہا ہو۔ پھر اس کا چہرہ گلاب کے شگفتہ پھول کی مانند کھِل اٹھتا۔ پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر ملکوتی مسکراہٹ ابھر آتی اور وہ ناہید کو دوبارہ پا لینے کی خوشی میں ہمک ہمک کر ہاتھ پیر چلانے لگتا اور ناہید کو یوں محسوس ہوتا جیسے زندگی اسی ایک معصوم پیکر کے محور پر آ کر تھم گئی ہو لیکن.....

جب رات کو وہ اپنے بستر پر لیٹتی تو اکثر ایک خیال اچانک اس کے ذہن پر ابھر کر اس کے سکون کو برباد کر دیتا۔ وہ سوچنے لگتی — آخر کب تک وہ ایک ننھے وجود کے سہارے زندگی کی محرومیوں کو تھپکیاں دے دے کر سلاتی رہے گی' کب تک وہ ماحول کے گرد منڈلاتے خطروں کو نظرانداز کر سکے گی' کب تک ان افواہوں کی تلخیوں کو برداشت کرتی رہے گی جو زہرِ قاتل کی طرح آہستہ آہستہ اس کے وجود میں سرایت کرتی جا رہی تھیں' کب تک اپنے آپ کو دلاسوں اور دھوکوں سے فریب دیتی رہے گی۔

کبھی تو طلسم ٹوٹے گا۔

کبھی نہ کبھی تو فریب کا پردہ چاک ہو گا۔

حقیقت کی تلخیاں بے نقاب ہوں گی۔

وقت کروٹ بدلے گا..... تو کیا ہو گا؟

اور.....

آخر وہ کب تک ایک معصوم سہارے پر تکیہ کئے رہے گی؟

سہارا..... جو اس کا اپنا بھی نہیں تھا۔

صرف ایک سویا ہوا جذبہ ہی تو تھا جو اس سہارے کو پا کر بھڑک اٹھا تھا' بیدار ہو گیا تھا۔

ٹوٹے بکھرے خواب ہی تو تھے جو معصوم شرجیل کے روپ میں سمٹ کر حقیقت کا رنگ اختیار کر بیٹھے تھے مگر

یہ رنگ دائمی تو نہ تھے ..... پھر

وہ ان رنگوں کے سہارے کب تک اپنی سادہ اور بے کیف زندگی کو منور کر سکتی تھی؟

عارضی خوشیاں کب تک اس کا ساتھ نبھا سکتی تھیں۔

زخم رستے رستے ناسور بن گئے تھے ..... ان ناسوروں کی اذیت ناک ٹیسوں پر وقت نے ننھے شرجیل کا پھایا رکھ دیا تھا' خلش کی شدتیں تھم گئی تھیں' محرومیوں کا احساس بہل گیا تھا۔

سراب کی چمک دمک نے ایک ذرا پیاس کی شدتوں کو دلاسہ دے دیا تھا .....

لیکن

جب خوابوں کا بھرم ٹوٹ کر کرچیوں میں بدل جائے گا ..... تب کیا ہو گا؟

اور جب ویران راتوں میں حقائق کی تلخیاں اپنا دامن پھیلانے لگتیں تو ناہید تڑپ کر رہ جاتی' ساری ساری رات پلکوں تلے گزار دیتی۔ خود اپنی تنگ دامنی پر آنسو بہاتی رہتی' کروٹیں بدلتی رہتی' سسکتی رہتی اور پھر جب آنسوؤں کے سوتے خشک ہو جاتے تو نڈھال ہو کر نیند کی آغوش میں گم ہو جاتی۔

فرزین کے چلے جانے سے وہ بہت محتاط ہو گئی تھی' وقت نے اسے پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کا عادی بنا دیا تھا' اس کے اختیار میں ہوتا تو وہ فرزین کو واپس لے آتی۔ فراز کے ہونٹوں کی مسکراہٹیں پھر سے بیدار کر دیتی لیکن فلک کج رفتار کی نیرنگیوں نے تو خود اسے بے بس کر دیا تھا' اس کے وجود کو قصر سجاد کے لئے ایک مسئلہ بنا دیا تھا' تختۂ مشق کی حیثیت بخش دی تھی مگر ان نامساعد حالات کے باوجود وہ زندہ تھی' اپنی جگہ ثابت قدم تھی۔ حالات اس قدر مخدوش تھے کہ اک ذرا لڑکھڑاتی تو پستیوں میں غرق ہو جاتی۔

شرجیل کو گود میں لئے اس وقت بھی ان ہی خیالات میں کھوئی تھی کہ فراز آ گئے۔ گاڑی سے اتر کر بریف کیس اٹھائے سر جھکائے اپنی خواب گاہ کی سمت جا رہے تھے کہ جانے کیوں ناہید نے انہیں آواز دے لی' فراز رک گئے' پلٹ کر ایک نظر ناہید پر ڈالی پھر

شرجیل کو دیکھتے ہوئے قریب آ گئے بریف کیس فرش پر رکھ کر شرجیل کو گود میں لے کر چومنے لگے۔

"بیٹھو فراز!"

ناہید نے کہا تو وہ آہستہ سے ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔

"شرجیل ماشاء اللہ اب بڑا ہوتا جا رہا ہے۔"

"آپ نے کھلا پلا کر اسے اچھا خاصا گول مٹول کر دیا ہے۔" فراز بیٹے کو ہاتھوں میں کھلاتے ہوئے بولے۔

"بُری بات ہے' ایسے نہیں کہتے۔" وہ بولی۔ "بچوں کو ٹوک لگ جاتی ہے۔"

"یہ میرا بیٹا ہے' اسے کسی کی نظرِ بد نہیں لگ سکتی۔" فراز نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"اب تو یہ بڑا شوخ اور شریر بھی ہو گیا ہے۔" ناہید نے کہا پھر دبی زبان میں بولی۔ "شکلیں بھی پہچاننے لگا ہے۔"

"اچھا ....." فراز نے کہا پھر شرجیل کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔ "کیوں بیٹے! ابھی سے اپنے اور پرایوں کی پہچان شروع کر دی۔"

فراز شرجیل سے پیاری پیاری باتیں کرنے لگے' جب گاڑی سے اترے تھے تو بجھے بجھے اور اداس نظر آ رہے تھے' شرجیل کو گود میں لے کر ہشاش بشاش سے ہو گئے تھے۔ ناہید خاموش بیٹھی دونوں کے پیار کو تکتی رہی۔ شرجیل اپنے ننھے منے ہاتھوں سے فراز کے بال پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا' فراز اس کی گردن پر ہونٹ رکھ کر زور سے پیار کرتے تو ہنس کر ہاتھ پیر چلانے لگتا۔

"محسن بھائی اور شازیہ کئی دنوں سے نہیں آئے۔" ناہید نے کچھ توقف کے بعد فراز کو مخاطب کیا۔

"ہو سکتا ہے محسن بھائی کام کاج میں مصروف ہوں۔" فراز نے بدستور لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔

"میں نے سنا تھا کہ محسن بھائی فرزین کے والد سے ملنے گئے تھے۔" ناہید نے فراز کے چہرے کو پڑھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں۔" فراز یکلخت سنجیدہ سے ہو گئے۔

"کیا بات ہوئی؟"

"کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔"

"پھر بھی۔" ناہید نے اصرار کیا۔

"کرنل سرفراز نے سختی سے محسن کو دوبارہ اپنے گھر پر قدم رکھنے سے منع کر دیا ہے۔"

"وہ کیوں؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔

"اس لئے کہ وہ فرزین بیگم کے ذاتی اور نجی معاملات میں مداخلت نہیں کرنا چاہتے۔" فراز نے کہا۔ "انہوں نے محسن سے یہی کہا تھا کہ فرزین بالغ ہے' شادی شدہ ہے' اپنے اچھے اور بُرے کی تمیز کر سکتی ہے اس لئے اسے اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کا بھی پورا پورا اختیار ہے۔"

"لیکن بزرگوں کی موجودگی میں فرزین خود اپنا فیصلہ کیسے کر سکتی ہے؟" ناہید نے حیرت سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ کرنل سرفراز نے بڑی دانشمندی کا ثبوت دیا ہے جو خود کو بیٹی کے راستے سے ہٹا لیا۔"

"وہ کس طرح؟"

"اس طرح کہ جو فیصلے بزرگ کرتے ہیں وہ اکثر اولاد کی خوشیاں اور اس کے مستقبل کو تاریک کر دیتے ہیں۔" فراز نے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔

"لیکن اگر انسان حالات سے مفاہمت کر لے اور وقت کے تقاضوں کو پرکھنے کی عادت ڈال لے تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔" ناہید نے سنجیدگی سے جواب دیا' فراز کی بات سن کر وہ کچھ اور محتاط ہو گئی۔

"درست فرمایا آپ نے۔" فراز آہستہ سے بولے۔ "فرزین بیگم بھی آج کل غالباً حالات اور وقت کے تقاضوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہیں۔"

"میں تمہاری بات کر رہی تھی۔" ناہید نے کہا۔ "تم مرد ہو' اگر اپنی طبیعت میں ذرا لچک پیدا کر لو تو بگڑے حالات پھر سے سنور سکتے ہیں۔"

"محسن بتا رہے تھے کہ آج کل فرزین کی شامیں بڑی خوشگوار گزر رہی ہیں ..... وہ پہلے کے مقابلے میں زیادہ خوش ہے۔" فراز نے اپنے چہرے کے تاثرات چھپانے کی خاطر شرجیل کو چومنا شروع کر دیا۔

"کیا تم کو یہ باتیں پسند ہیں؟" ناہید نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

"کون سی باتیں ..... میں سمجھا نہیں؟"

"فرزین کی خوشی۔"

"آپ کیا چاہتی ہیں؟" فراز نے پہلی بار غور سے ناہید کو گھورتے ہوئے کہا۔ "کیا میں اس کی خوشیوں کے راستے میں حائل ہو جاؤں۔"

"اس میں تمہاری عزت کا مسئلہ بھی درپیش ہے۔" ناہید تیزی سے بولی۔

"مجھے اپنی عزت سے زیادہ ہمیشہ دوسروں کی عزت اور وقار کا خیال رہا ہے۔" فراز ہاتھ ملتے ہوئے بولے۔ "اپنی خوشیوں اور مسرتوں سے زیادہ میں نے ہمیشہ دوسروں کی خوشیوں کو مقدم سمجھا ہے۔ پھر..... آج میں خودغرضی کا انداز کیسے اپنا لوں۔"

"بات کو غلط رنگ دینے کی کوشش مت کرو۔" جانے وہ کیوں فراز کا جواب سن کر تلملا اٹھی پھر اسے اپنے لہجے کی تلخی کا احساس ہوا تو آواز میں نرمی پیدا کرتے ہوئے بولی۔ "فرزین جو کچھ کر رہی ہے کیا تم اسے مناسب سمجھتے ہو؟"

"ہو سکتا ہے کہ جو کچھ وہ کر رہی ہے اس میں اس کی آئندہ زندگی کی خوشیاں اور مسرتیں مضمر ہوں۔" فراز سپاٹ آواز میں بولے۔

"بات کل کی نہیں ..... آج کی ہے۔"

"میں ..... کل بھی مجبور تھا اور آج بھی بے بس ہوں۔" فراز نے نظریں جھکا کر اداس لہجے میں جواب دیا تو ناہید سہم کر رہ گئی۔ فراز نے ایک مختصر سے جملے میں اپنی پوری زندگی سمونے کی کوشش کی تھی۔ کتنا درد تھا ان کی آواز میں' کتنی خوبصورتی سے انہوں نے اپنی بے بسی اور ناکام حسرتوں کی ترجمانی کی تھی۔ زندگی کی طویل داستان کو محض ایک سانس میں کہہ گئے تھے۔

"تمہیں شرجیل کا بھی خیال کرنا چاہئے۔" وہ جلدی سے گفتگو کو ایک نئے زاویے سے جاری رکھتے ہوئے بولی۔ "اس معصوم کو تو ممتا کی ضرورت ہے' کل یہ بڑا ہو کر اپنی ماں کے بارے میں پوچھے گا تو کیا جواب دو گے؟"

"اس وقت بھی اپنے سینے پر پتھر رکھ کر خاموش رہنے کی کوشش کروں گا۔" فراز نے بے اختیار شرجیل کو سینے سے لگاتے ہوئے بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔ "وقت اور حالات شاید میری ترجمانی مجھ سے بہتر طور پر کر سکیں گے۔"

"تمہاری خاموشی شرجیل کو بھی زندگی کے راستوں پر بھٹکا دے گی۔" وہ بڑی سنجیدگی سے بولی۔ "ابھی وقت تمہارے اختیار میں ہے' تم چاہو تو اپنے لئے نہ سہی'

شرجیل کے لئے حالات سازگار بنا سکتے ہو۔"

"فرزین اپنی خوشیوں کی تلاش میں بہت آگے نکل گئی ہے۔" فراز ہونٹ کاٹتے ہوئے بولے۔

"تم اب بھی اس کی خضر منزلت کر سکتے ہو۔"

"وہ میری بات نہیں مانے گی' اپنی ضد پر قائم رہے گی۔" فراز نے سپاٹ آواز میں کہا۔

"انسان ہمت ہار دے تو چھوٹی چھوٹی باتیں بھی دشوار اور ناممکن ہو جاتی ہیں۔" اس نے فراز کو اکسانے کی کوشش کی۔

"میں نے اس گھر کے دروازے فرزین پر بند تو نہیں کئے' وہ چاہے تو واپس آ سکتی ہے۔"

"جذبات کی رَو میں بہک کر انسان اکثر غلط فیصلے بھی کر بیٹھتا ہے۔" اس نے بزرگوں کا سا انداز اختیار کر لیا۔ "فرزین بھی جذباتی بن گئی لیکن اس میں اس کا اپنا کوئی قصور نہیں' اس کی تربیت اور ذہن کی ناپختگی کا زیادہ دخل ہے۔ ممکن ہے تمہارے احساس دلانے پر اسے اپنی غلطیوں پر ندامت محسوس ہو اور ماں کی ممتا کا جذبہ اسے تمہارے ساتھ آنے پر مجبور کر دے۔"

"اگر وہ یہاں سے جانے کے بعد صرف اپنے گھر تک محدود رہتی تو شاید میں آپ کی بات مان لیتا لیکن جو عورت اس طرح اپنی ہٹ دھرمی کی خاطر اپنے گھر کی دہلیز پھلانگ جائے ..... اپنی اولاد کی محبت کو فراموش کر کے محض اپنی انا کو تسکین پہنچانے کی خاطر غیر مردوں کے ساتھ خوش گپیوں میں مگن ہو جائے ..... وہ عورت کہلانے کی مستحق نہیں رہتی۔" فراز بڑے سرد اور غمناک لہجے میں بولے۔ "میں آپ کا بے حد احترام کرتا ہوں' میں نے آج تک آپ کی ہر خوشی' ہر حکم کو مقدم سمجھا ہے لیکن ..... مجھے افسوس ہے کہ میں فرزین کے سلسلے میں اپنے فیصلوں میں کوئی لچک پیدا نہیں کر سکتا۔"

"تم نے کیا فیصلہ کیا ہے؟" ناہید نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"فرزین کو اپنی غلطیوں کی معافی مانگنی ہو گی' اپنے انداز اور اپنے تیور بدلنے ہوں گے اور ..... اگر ایسا نہ ہوا تو پھر میرا اور اس کا کوئی تعلق' کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا ..... یہ میرا آخری اور اٹل فیصلہ ہے۔" فراز نے کہا پھر شرجیل کو لئے تیزی سے اٹھے اور اپنی خواب گاہ کی طرف چلے گئے اور.....

ناہید گم صم سی بیٹھی فراز کو جاتے تکتی رہی جیسے سکتے کی حالت سے دوچار ہو گئی ہو۔

☆======☆======☆

کلب میں آج سالانہ تقریب کا جشن منایا جا رہا تھا اس لئے سرِ شام ہی سے وہاں اچھی خاصی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ ممبران کے علاوہ کچھ دیرینہ افراد جو کبھی کلب سے منسلک رہ چکے تھے' بطورِ خاص مدعو کئے گئے تھے۔

فرزین مغرب کے بعد کلب پہنچی لیکن انور باہر گیٹ پر ہی اس کا منتظر تھا۔ فرزین نے اس تقریب میں شرکت کے لئے بطورِ خاص سفید رنگ کی بنارسی کام کی ساڑھی خریدی تھی جو اس وقت اس کے جسم پر بے حد سج رہی تھی۔ انور نے اسے گاڑی سے اترتے دیکھا تو استقبال کے لئے لمبے لمبے قدم اٹھاتا قریب آ گیا' فرزین گاڑی سے مسکراتی ہوئی اتری تو اس کی سج دھج دیکھ کر وہ ایک لمحے کو مبہوت سا رہ گیا پھر مسکراتے ہوئے بولا۔

"زہے قسمت جو آپ تشریف لے آئیں ورنہ میں تو سمجھا تھا کہ شاید ساری رات آپ کی راہ تکتا رہ جاؤں گا۔"

"باتیں بنانا تو کوئی تم سے سیکھے۔" فرزین مسکرا دی۔

"اب اگر میں آپ کی تعریف کروں گا تو آپ مجھ پر شاعری کا الزام تراش دیں گی۔ بہرحال میں پھر بھی یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ خدا نظرِ بد سے بچائے' آج کہیں بجلی ضرور گرے گی۔"

"تم کو شاید اپنے نشیمن کی فکر لاحق ہو گئی۔" فرزین نے بیباکی سے جواب دیا۔

"میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھوں گا۔" انور نے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے جواب دیا تو وہ بے اختیار ہنس دی۔

کلب کی عمارت کو برقی قمقموں سے سجا کر بقعہ نور بنا دیا گیا تھا' روش پر دبیز قالین بچھا کر اس کے دونوں طرف پھولوں والے گملے سجا دیئے گئے تھے' عمارت کے باہر اور اندر لاتعداد گاڑیاں قطار اندر قطار کھڑی تھیں' کلب سے ملحق پارک کو بھی مدھم روشنیوں والے قمقموں سے یوں سجایا گیا تھا کہ درختوں پر چھوٹے چھوٹے جگنو سے چمکتے نظر آ رہے تھے۔

"آج تو کلب بھی جگمگ کرتا نظر آ رہا ہے۔" فرزین نے روش پر قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔

"پہلے میں بھی یہی سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا۔"

"اور اب؟" فرزین نے انور کا مفہوم بھانپتے ہوئے دبی زبان میں پوچھا۔

"اب اس کا حُسن آپ کے آجانے سے ماند پڑ گیا ہے۔"

"مطمئن رہو ..... میں تم پر شاعر ہونے کی تہمت نہیں دھروں گی۔" فرزین نے اسے تیکھی نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ بھی آپ کی عنایت ہو گی۔" انور نے مسکرا کر جواب دیا۔ ہلکے گرے کلر سوٹ میں آج وہ بھی قیامت لگ رہا تھا۔

دونوں ہنستے بولتے عمارت کے صدر ہال میں داخل ہوئے تو شہلا سے مڈبھیڑ ہو گئی' انور اور فرزین کو ساتھ دیکھ کر اُس کے ہونٹوں پر بڑی معنی خیز مسکراہٹ ابھر آئی' فرزین کو گھورتے ہوئے بڑی شوخی سے بولی۔

"اگر یہی سلسلہ کچھ دنوں اور جاری رہا تو میرا خیال ہے کہ کلب ایک ہونہار کھلاڑی سے محروم ہو جائے گا۔"

"کچھ لوگوں نے ابھی سے جلنا شروع کر دیا ہے۔" انور نے ایک ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا تو فرزین نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

"یہ اچانک آپ نے ٹھنڈی آہیں کیوں بھرنی شروع کر دیں؟ کچھ دیر پہلے تو اچھے خاصے تھے۔"

"دیوانگی کا پہلا سٹیج ٹھنڈی آہوں سے ہی شروع ہوتا ہے۔" شہلا نے گرہ لگائی۔

"خدا کے لئے شہلا صاحبہ! کہیں آپ مجھے صحت یاب ہونے کی دعا نہ دے بیٹھیں۔" انور نے تیزی سے کہا۔

"گویا بات خاصی بڑھ چکی ہے ..... کیوں فرزین!" شہلا نے فرزین کو گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"انور ہی بہتر بتا سکتے ہیں۔" فرزین نے بڑے دلیرانہ انداز میں جواب دیا۔

شہلا کی کچھ بے تکلف سہیلیاں آ گئی تھیں اس لئے وہ اُن کے ساتھ چلی گئی۔ انور اور فرزین نشستوں کی طرف بڑھ رہے تھے کہ معاً فرزین کی نظر شازیہ اور محسن علی پر پڑ گئی جو قریب ہی کھڑے کلب کے ایک پرانے ممبر سے گفتگو کر رہے تھے۔ محسن علی کو دیکھ کر فرزین کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔ اسی لمحے شازیہ کی نظر فرزین پر پڑی تو اس نے بڑی بے تکلفی سے انور کا ہاتھ تھام لیا۔ قدرے اونچی آواز میں شازیہ کو سنانے کے لئے

بولی۔

"انور! اس ہنگامے سے بچنے کے لئے کیا یہ مناسب نہ ہو گا کہ ہم چل کر پارک میں کہیں بیٹھ کر باتیں کریں؟"

"آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔"

"تمہاری یہی باتیں تو مجھے دیوانہ بنا دیتی ہیں۔" اس نے شازیہ کو نفرت سے گھورتے ہوئے کہا پھر انور کا ہاتھ تھامے باہر آ گئی۔

شازیہ اور محسن علی کی موجودگی نے اس کا موڈ چوپٹ کر دیا تھا۔ وہ چاہتی تو سب کے سامنے بھی ان دونوں کی مداخلت پر انہیں کھری کھری سنا سکتی تھی لیکن اس بھرے مجمعے میں وہ خود کو تماشا نہیں بنوانا چاہتی تھی۔ پارک کے ایک پُرسکون گوشے میں پہنچ کر وہ بنچ پر بیٹھ گئی تو انور نے دبی زبان میں پوچھا۔

"یہ اچانک آپ کو پارک میں بیٹھنے کا خیال کیسے آ گیا؟"

"کیوں ..... کیا تمہیں میری تجویز پسند نہیں آئی؟" اس نے انور کو سوالیہ نگاہوں سے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ ہنگامے کی وجہ سے نہیں کسی اور وجہ سے وہاں رکنا پسند نہیں کر رہی تھیں۔"

"اور کیا وجہ ہو سکتی ہے؟"

"محسن علی اور اُن کی بیگم۔" انور نے دبی زبان میں کہا۔

"تم ٹھیک سمجھے۔" فرزین تلخ لہجے میں بولی۔ "میں ان کمینوں کے منہ نہیں لگنا چاہتی تھی۔"

"وہ دونوں یہاں بھی آ سکتے ہیں۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔ "پھر آپ کہاں جائیں گی؟"

"تم کیا مجھے بزدل سمجھ رہے ہو؟" فرزین سرخ ہو گئی۔

"بزدل نہ سہی لیکن آپ اپنے حالات سے خائف ضرور ہیں۔" انور نے فرزین کے سامنے سبزے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"خوف سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"بُرا مت مانئے گا فرزین! مگر کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں جو انسان کو اندر ہی اندر گھن کی طرح کھوکھلا کرتی رہتی ہیں۔" انور نے سنجیدگی سے کہا۔ "مجھے کوئی حق تو نہیں پہنچتا

کہ آپ کے نجی معاملات میں دخل دوں لیکن ایک دیرینہ دوست کی حیثیت سے یہ مشورہ ضرور دوں گا کہ آپ کو جتنی جلدی ممکن ہو اپنے مسائل کا کوئی مناسب حل ضرور تلاش کر لینا چاہئے۔"

"مسائل سے تمہاری کیا مراد ہے؟" فرزین الجھتے ہوئے بولی۔

"میرا اشارہ مسٹر فراز کی طرف تھا۔"

"فراز ..... فراز ..... فراز۔" وہ تلملا اٹھی۔ "تم لوگ آخر فراز کو اتنی اہمیت کیوں دیتے ہو؟"

"اس لئے کہ ابھی آپ کا اس نام سے ایک تعلق باقی ہے۔"

"اس تعلق میں اسی روز دراڑ پڑ گئی تھی جب مجھے فراز اور کسی اور کے تعلقات کا علم ہوا تھا۔" فرزین سرد لہجے میں بولی۔ "کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اُسے معاف کر دوں گی ..... اس کے آگے جھک جاؤں گی؟"

"پھر آپ کا کیا فیصلہ ہے؟"

"تم ایک دوست کی حیثیت سے مجھے کیا مشورہ دو گے؟" فرزین نے پلٹ کر تیزی سے پوچھا۔ غصے کی شدت نے اسے گلنار کر دیا تھا۔

"میں ..... میں بھلا کیا مشورہ دے سکتا ہوں؟" انور گڑبڑا گیا۔

"کیوں؟" فرزین زہرخند سے بولی۔ "کیا تم مجھے کوئی جائز مشورہ دیتے ہوئے اس لئے ڈرتے ہو کہ دنیا تمہارے مشورے کو خودغرضی کا نام دے گی؟"

"شاید آپ نے درست سوچا ہے۔" انور نے نظریں جھکائے ہوئے جواب دیا۔

"خوب....." فرزین کے یاقوتی ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ ابھر آئی۔ "جب تم مرد ہو کر کھل کر حالات کا مقابلہ کرنے سے ڈرتے ہو تو پھر مجھے خوفزدہ ہونے کا طعنہ کیوں دے رہے تھے۔"

"میں اپنی غلطی پر شرمندہ ہوں۔" انور نے آہستہ سے کہا۔

"دنیا کا ہر مرد جب کچھ اور نہیں کر پاتا تو اپنی شرمندگی کا اظہار کر کے خود کو بڑا معصوم ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔" فرزین تلملا کر بولی۔

"آپ غلط سمجھ رہی ہیں فرزین!" انور نے کہا۔ "حالات کی منجدھار نے مجھے بے بس کر رکھا ہے' میری زبان پر تالے ڈال دیئے ہیں۔ کاش میرے بس میں ہوتا اور میں اپنا دل چیر کر آپ کو دکھا سکتا۔"

"کیا ہے تمہارے دل میں؟" فرزین نے ہونٹ چباتے ہوئے پوچھا۔

"ان حسین اور ادھورے خوابوں کی کرچیں جو کبھی میرے اپنے تھے۔" انور کا لہجہ غمگین ہو گیا۔

"کب تک ان کرچوں کی چبھن برداشت کر سکو گے؟"

"زندگی کی آخری سانسوں تک ..... اس وقت تک جب تک دل کی دھڑکنیں قائم ہیں۔" انور کے لہجے میں حسرتیں مچل رہی تھیں۔

"اور اگر کبھی تمہارے خواب پورے نہ ہوئے تو؟"

"میں کسی سے اپنی محرومی قسمت کا شکوہ نہیں کروں گا..... چپ چاپ اپنی آگ میں جل جل کر ختم ہو جاؤں گا۔"

"جذباتی فیصلے کبھی کبھی زندگی کے لئے پچھتاوے بن جاتے ہیں ..... کبھی یہ بھی سوچا ہے تم نے؟"

"ڈوبتے کے لئے ایک حقیر تنکے کا سہارا بھی زندگی کی نوید بن جاتا ہے۔" انور نے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"پھول ٹہنی سے ٹوٹ جائے تو اپنی تازگی کھو بیٹھتا ہے۔"

"حاجتیں پوری نہ ہوں اور مرادیں بر آنے کا یقین ہو تو ضرورت مند مزار کے سوکھے اور خشک پھولوں کو بھی زندگی کا حاصل سمجھ کر چوم لیتا ہے۔"

"راستے کے پیچ و خم اکثر مسافروں کو اکتا دیتے ہیں۔"

"میرے بارے میں کیا مثال دیں گی آپ؟" انور نے فرزین کو گھورتے ہوئے پوچھا۔ "میں تو وہ مسافر ہوں جس نے منزل کا نشان گم ہو جانے کے باوجود ہمت نہیں ہاری ..... آج تک ان ہی راستوں کے پیچ و خم پر بھٹکتا پھر رہا ہوں۔"

"جو شئے دسترس سے دور ہو' بھلی لگتی ہے۔" فرزین نے انور کو بھرپور انداز میں تکتے ہوئے بڑے خوابناک لہجے میں کہا۔

"شاید اسی لئے آپ نے ابھی تک میرے مقدر کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا؟"

"بتوں کی پرستش کرنے والوں کو انجام پر غور نہیں کرنا چاہئے۔" فرزین ہونٹوں پر ایک جاندار مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بولی۔ "ویسے شہلا نے ٹھیک ہی کہا تھا اگر یہی کیفیت رہی تو بہت جلد جنون کی حدوں تک پہنچ جاؤ گے۔"

"اسی بات کا تو دکھ ہے کہ اتنے دن کیوں لگ گئے؟" انور قدرے جذباتی ہو گیا۔
"کم از کم احساس کی وادیوں سے تو نجات مل گئی ہوتی۔"
"انور ..... ایک بات پوچھوں؟" فرزین نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "کیا تم شروع ہی سے اس مرض میں مبتلا تھے؟ شہلا یہی کہہ رہی تھی۔"
"شہلا نے غلط نہیں کہا۔"
"لیکن ..... تم نے کبھی کسی کو کچھ بتایا نہیں۔"
"کسی نے محسوس ہی نہیں کیا تو میں کیا بتاتا۔"
"کوئی اب بھی محسوس نہ کرتا تو کیا کرتے؟"
"انتظار۔" انور نے آہستہ سے کہا۔ "انسان جب خود کو فریب دینے کی عادت ڈال لے تو ہر غم سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔"

فرزین نے کوئی جواب نہیں دیا' انور کی باتیں اسے عجیب خوابناک سی لگ رہی تھیں' محسن علی اور شازیہ کی وجہ سے اسے جس قدر ذہنی کوفت سے دوچار ہونا پڑا تھا اس سے کہیں زیادہ سکون اسے انور کی باتوں مل رہا تھا۔ کیسی گہری گہری مگر حسین باتیں کر رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے جملے کس قدر مہذب مگر معنی خیز تھے اور کیسے خوبصورت اور معصوم پیرائے میں وہ آہستہ آہستہ اپنی کیفیتوں کا اظہار کرتا چلا جا رہا تھا' بڑی احتیاط کے ساتھ۔ شاید اس لئے بھی کہ اسے فرزین کے تقدس کا خیال بھی تھا اور وہ خود کو بھی ایک سطح سے نیچے نہیں لانا چاہتا تھا۔ کتنا مکمل اور بھرپور انداز تھا اس کی باتوں کا۔ بہت دیر تک وہ چپ چاپ بیٹھی یوں ہی انور کے چہرے کے تاثرات کو تکتی رہی پھر کچھ سوچ کر مسکراتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور بڑی اپنائیت سے بولی۔

"چلو ..... یہاں زیادہ دیر بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔"
"سوچ لیجئے۔" انور نے آہستہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ "ممکن ہے اندر ابھی تک کچھ ایسے چہرے موجود ہوں جنہیں دیکھ کر....."
"میں کلب چلنے کو کب کہہ رہی ہوں۔" اس نے انور کی بات کو درمیان سے رد کرتے ہوئے کہا۔
"پھر؟"
"جمنا کے کنارے چل کر کچھ دیر ساحل پر ننگے پیر چہل قدمی کریں گے۔" وہ بڑے رومانی انداز میں بولی۔ "سچ انور! مجھے ساحل پر ننگے پیر دوڑنا بھاگنا بہت اچھا لگتا ہے۔"

"اور مجھے ہر وہ بات بہت اچھی لگتی ہے جو آپ کو بھلی لگتی ہو۔"
فرزین نے مسکرا کر شوخ نظروں سے انور کو گھورا پھر گاڑیوں کے ہجوم کے درمیان سے کتراتی بل کھاتی اپنی گاڑی تک آ گئی۔ انور آ کر اس کے برابر اگلی نشست پر بیٹھا تو وہ گاڑی کو متحرک کر کے آہستہ آہستہ کلب کے احاطے سے باہر لے آئی۔ انور اس کے برابر بیٹھا خاموشی سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ گاڑی کھلی سڑک پر فراٹے بھرتی رہی۔ کچھ لمحے خاموشی سے گزر گئے پھر فرزین نے انور کی دزدیدہ نگاہی کو محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔
"اس قدر غور سے میرے چہرے پر کیا تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہو؟"
"آپ کے چہرے سے دل کے احوال پڑھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" انور نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
"پھر..... کیا نظر آیا؟"
"آپ ابھی تک الجھاووں میں گرفتار ہیں۔"
"ہاں ..... تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" فرزین بولی۔ "منزل کا سراغ دھندلانے لگے تو انسان الجھ جاتا ہے۔"
"ایک بات پوچھوں؟"
"پوچھو۔"
"کیا آپ کے دل میں فراز کے لئے کوئی گنجائش باقی ہے؟"
"میں سمجھی نہیں۔" فرزین نے نہایت سنجیدہ انداز میں کہا۔
"میرا مقصد یہ ہے کہ اگر آپ کے دل میں فراز کے لئے ذرا بھی محبت باقی ہے تو آپ اپنے گھر واپس چلی جائیں۔" انور کے لہجے میں اداسی تھی۔
"اور اگر ایسا نہ ہو تو؟"
"تو ان الجھنوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیجئے۔"
"فراز کو اپنا مذاق اڑانے کا موقع دے دوں؟" فرزین بولی۔ "یہ کبھی نہیں ہو سکتا ..... تم نہیں جانتے کہ اس نے میرے اور تمہارے بارے میں کس قسم کی باتیں مشہور کر رکھی ہیں۔"
"کیا آپ ان باتوں سے خوفزدہ ہیں؟"
"نہیں ..... لیکن....." فرزین کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی لیکن انور اس کی

نگاہوں میں ابھرنے والا سوال پڑھ چکا تھا۔

"لیکن کیا؟" اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"افواہوں کا بھرم بھی اگر ٹوٹ گیا تو میں خود ..... اپنی نظروں میں بھی گر جاؤں گی۔"

"اجازت ہو تو آج کھل کر کچھ کہہ ڈالوں؟ بشرطیکہ آپ بُرا نہ مانیں۔"

"کیا اب بھی تمہیں اجازت کی ضرورت ہے؟" فرزین کا لہجہ معنی خیز تھا۔

"سوچ لو ..... میں آج بھی آپ کو اپنا کر خود کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھوں گا۔" انور نے دبی زبان میں کہا تو ایک لمحہ کو وہ خوشی سے کِھل اٹھی۔

"سوچ لو۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔ "کہیں بعد میں تمہیں اپنے فیصلوں پر پچھتاوا نہ ہو۔"

"اس کا جواب آپ اپنے دل سے بھی دریافت کر سکتی ہیں۔"

فرزین نے نظریں گھما کر انور کو بغور دیکھا' وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا اور اس کی سنجیدگی کو محسوس کر کے فرزین کو جیسے اپنی کھوئی ہوئی منزل کا سراغ مل گیا ہو۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہونٹوں پر ایک فاتحانہ تبسم بکھیر کر گاڑی کی رفتار اور تیز کر دی۔

☆------☆------☆

ناہید باورچی خانے سے نکلی تو ملازم نے اسے بتایا کہ شازیہ آئی ہوئی ہے' وہ چہرے پر پسینے کے قطروں کو خشک کرتی لان پر آ گئی' شازیہ آرام کرسی پر بیٹھی کسی گہری سوچ میں غرق تھی' وہ قدم اٹھاتی اس کے قریب آ گئی' چہرے پر نظریں جماتے ہوئے ذرا شوخی سے کہا۔

"خیریت تو ہے ..... یہ آج تمہارے چہرے پر سنجیدگی کیسے نظر آ رہی ہے؟"

"کہاں غائب تھیں؟" شازیہ نے بدستور سنجیدگی سے پوچھا۔

"باورچی کو کھانے کے لئے ہدایت کر رہی تھی۔" وہ دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"فراز کس وقت دفتر سے واپس آتے ہیں؟"

"آج کل تو ان کی واپسی دیر ہی سے ہوتی ہے۔" ناہید نے کہا۔ "کیا فراز سے کوئی کام تھا؟"

"نہیں ..... آج مجھے تم سے کھل کر باتیں کرنی ہیں۔"

"اوہ۔" ناہید نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا۔ میں تو تیری سنجیدگی سے کچھ اور ہی سمجھی تھی۔"

"تمہاری ناسمجھی ہی نے تو مجھے سنجیدگی پر آمادہ کر دیا ہے۔"

"خدا خیر کرے ..... آج جنابہ کے تیور کچھ اچھے نظر نہیں آ رہے ہیں۔" ناہید نے کہا۔ "آخر پتہ تو چلے بات کیا ہے؟"

"بات بہت آگے بڑھ چکی ہے۔" شازیہ بولی۔ "اور اسی لئے میں آج تم سے دو ٹوک فیصلہ کرنے آئی ہوں۔"

"کیا خدانخواستہ محسن بھائی سے کچھ اَن بن ہو گئی ہے؟" ناہید نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"پھر ..... یہ تیرے چہرے پر اتنی گھمبیر سنجیدگی کیوں طاری ہے؟"

"تمہاری وجہ سے۔"

"میری وجہ سے ....." ناہید نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ "سچ سچ بتا' آخر بات کیا ہے؟"

"میں نے سنا ہے کہ فرزین بیگم نے فراز سے چھٹکارا حاصل کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

"تمہیں کہاں سے خبر ملی؟" ناہید نے دھڑکتے دل سے پوچھا' شازیہ کے جواب نے اسے سنجیدہ ہو جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"محسن کے ذریعے۔" شازیہ نے کہا۔ "وہ بتا رہے تھے کہ آج کل فرزین بیگم اسی ضمن میں اپنے وکیل سے مشورہ کر رہی ہیں۔"

"کیا فراز کو بھی ان حالات کا علم ہے؟"

"یقیناً ہو گا۔" شازیہ بولی۔ "محسن نے ان کو بھی ضرور بتا دیا ہو گا۔"

"اگر ایسا ہوا تو بہت بُرا ہو گا شازیہ!" ناہید نہایت سنجیدگی سے بولی۔ "محسن بھائی سے کہو کہ وہ کسی طرح حالات کو سنوارنے کی کوشش کریں ورنہ فراز کے خاندان کی رہی سہی عزت بھی خاک میں مل جائے گی۔"

"اب بھی فرزین بیگم نے سسرال کی عزت کو بٹہ لگانے میں کون سی کسر اٹھا رکھی ہے؟" شازیہ حقارت سے بولی۔ "کھلے بندوں انور کے ساتھ گھومتی پھر رہی ہے بلکہ محسن

بتا رہے تھے کہ وہ وکیل سے مشورہ کرنے جاتی ہے تو بھی انور اس کے ساتھ ہوتا ہے۔"

"فراز نے مجھے بھی تاکید کر رکھی ہے ورنہ میں فرزین کو سمجھاتی۔" ناہید نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔ "قدرت کو جو منظور ہے اسے تو کوئی بھی نہیں ٹال سکتا لیکن انسان کو اپنی سی کوشش تو ضرور کرنی چاہئے۔"

"تمہارا کیا خیال ہے' کیا فرزین تمہارے سمجھانے سے واپس آ جانے کو تیار ہو جاتی؟"

"شاید ایسا ممکن ہو جاتا۔"

"وہم ہے تمہارا۔" شازیہ بولی۔ "وہ انور کے ساتھ اس قدر آگے جا چکی ہے کہ اب اُس کی واپسی ناممکن ہے۔"

ناہید نے کوئی جواب نہیں دیا' خیالات کا ہجوم اس کے وجود کو گھیرے ہوئے تھا کہ سامنے سے فلورا ننھے شرجیل کو لئے آ گئی۔ ناہید نے شرجیل کو دیکھا تو نہ جانے کیوں اس کے دل پر ایک دھچکہ سا لگا۔ تیزی سے اٹھ کر اس نے شرجیل کو فلورا کی گود سے لے کر اپنی مضبوط بانہوں میں سمیٹ لیا' دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں' آنکھوں کے گوشے نمناک ہونے لگے اور ذہن میں وسوسوں کی یلغار ہونے لگی' اس نے سوچا۔

کیا شرجیل سے اس کی رفاقت بھی محض عارضی ثابت ہو گی؟

کیا شرجیل کا معصوم سہارا بھی اس سے چھن جائے گا؟ اور

کیا وہ شرجیل کی جدائی کو برداشت کر لے گی؟

شرجیل کو گود میں سمیٹے وہ اپنی کرسی پر واپس آ گئی' شازیہ نہایت غور سے اس کے چہرے کے تاثرات کو دیکھ رہی تھی' فلورا واپس اندر چلی گئی تو اس نے دبی زبان میں ناہید سے کہا۔

"میں محسوس کر رہی ہوں کہ اس وقت تمہارے دل پر کیا گزر رہی ہے۔"

"شازیہ!" اس نے ڈبڈبائی نظروں سے شازیہ کو گھورتے ہوئے بڑی معصومیت سے پوچھا۔ "کیا فرزین ..... شرجیل ..... شرجیل کو بھی لے جائے گی؟"

"تمہارا کیا خیال ہے؟"

"وہ ماں ہے۔" ناہید کی آواز بھرا گئی۔ "اپنے جگر گوشے کو بھلا کیوں کر چھوڑ سکتی ہے؟"

"ماں ....." شازیہ نفرت سے بولی۔ "اگر وہ ماں ہوتی ..... اگر اسے شرجیل کا

خیال ہوتا تو اتنے دنوں اس سے کیوں دور رہتی؟"

"مجھے بھی شرجیل پر کوئی حق نہیں ہے لیکن ..... جانے کیوں میں اس معصوم سے جدائی کا تصور بھی برداشت نہیں کر سکتی اور اگر کبھی شرجیل مجھ سے الگ ہوا تو ..... تو شاید میں اس کی جدائی کے صدمے کو برداشت نہ کر سکوں گی۔" ناہید نے بے اختیار شرجیل کو چومتے ہوئے کہا اور پھر ضبط کرنے کے باوجود اس کی پلکوں کی اوٹ سے آنسوؤں کے شبنمی قطرے ڈھلک ڈھلک کر اس کے اپنے ہی دامن کی تشنگی کو اور بھڑکانے لگے۔

"فرزین نے اپنے لئے جو وکیل کیا ہے وہ اتفاق سے محسن کے واقف کاروں میں سے ہے۔" شازیہ جلدی سے بولی۔ "ہو سکتا ہے آگے چل کر فرزین اپنا ارادہ تبدیل کر دے لیکن فی الحال وہ شرجیل کو واپس لینے کے حق میں نہیں ہے بلکہ وہ تو فراز سے چھٹکارا حاصل کرنے کی خاطر مہر کی رقم سے بھی دستبردار ہونے کو تیار ہے۔"

"شازیہ!" ناہید نے حیرت سے کہا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ فرزین بیگم شاید اپنی آئندہ زندگی کی مسرتوں میں شرجیل کی مداخلت بھی برداشت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" ناہید بولی۔ "شرجیل تو فرزین کے وجود کا ایک حصہ ہے ..... خون کا ایسا رشتہ جسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ..... پھر فرزین ایسا کیوں کرے گی؟"

"تم دنیا کو صرف اپنی نظروں سے دیکھ رہی ہو اس لئے ایسا سوچتی ہو۔" شازیہ نے سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن اس دنیا میں ایسے لوگ بھی بستے ہیں جو اپنی خوشیوں کی خاطر اپنی اولاد تو کیا اپنے والدین کو بھی یکسر فراموش کر دیتے ہیں۔ رہا فرزین کا سوال تو اگر اسے شرجیل سے ذرا بھی محبت ہوتی تو وہ اسے یوں چھوڑ کر کبھی نہ جاتی۔"

"اور اگر فرزین نے شرجیل کی واپسی کا مطالبہ کر دیا تو؟" ناہید نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"ایسا ہو سکتا ہے لیکن میرا یقین ہے کہ فراز بھائی شرجیل کو اتنی آسانی سے فرزین کے حوالے نہیں کریں گے۔ محسن کا خیال ہے کہ فرزین کا وکیل دو ایک روز میں طلاق کے کاغذات مکمل کر کے فراز بھائی سے ملنے والا ہے۔"

"اور فراز نے کیا سوچا ہے؟"

"فراز بھائی نے طے کر لیا ہے کہ وہ فرزین کی آزادی میں مخل نہیں ہوں گے لیکن صرف اسی صورت میں کہ فرزین شرجیل کے حق سے منہ موڑ لے۔"

ناہید نے کوئی جواب نہیں دیا' خالی خالی اداس نظروں سے خلا میں گھورتی رہی پھر اس نے کچھ سوچ کر شرجیل کو دوبارہ اٹھا کر اپنی آغوش میں چھپا لیا۔ ذہن میں جانے کیا تھا کہ بار بار اس کی آنکھیں برسنے لگتی تھیں۔

"ایک بات پوچھوں ناہید!" شازیہ نے کچھ توقف کے بعد دبی زبان میں اسے مخاطب کیا۔

"کیا؟"

"کیا تمہیں اس بات پر خوشی نہیں کہ فراز کی اداسیاں اب ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں گی؟"

"دلوں کے بھید کون جان سکتا ہے۔" وہ اداس لہجے میں بولی۔ "ہو سکتا ہے فراز مجبوراً فرزین کو آزاد کر رہے ہوں۔"

"فراز بھائی نہ چاہیں تو فرزین بیگم تمام زندگی ان سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتیں۔"

"شاید فراز اپنے خاندان کی بدنامی کی خاطر مجبور ہو گئے ہوں۔" ناہید نے بڑی معصومیت سے کہا۔ "دل پر جو زخم آتے ہیں وہ اتنی جلدی تو مندمل نہیں ہوتے ..... مہینوں کی رفاقتیں لمحوں میں تو نہیں بھلائی جا سکتیں ..... کچھ وقت ضرور لگتا ہے۔"

"میں نے تمہارا خیال دریافت کیا تھا۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"

"محسوس تو کر سکتی ہو۔"

"شازیہ!" ناہید نے شازیہ کے جملے کا مفہوم سمجھا تو دھک سے رہ گئی' شکایت بھرے لہجے میں بولی۔ "کیا تم بھی مجھے الزام دو گی؟"

"سچ پوچھو تو فساد کی جڑ تم ہی ہو۔" شازیہ نے پہلی بار شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر تم درمیان میں نہ ہوتیں تو شاید فرزین بیگم اس قدر چراغ پا کبھی نہ ہوتیں۔"

"میری ذات کو موردِ الزام ٹھہرانے کے بجائے اگر تم نے میری بدنصیبیوں کا حوالہ دیا ہوتا تو مجھے تم سے کوئی شکایت نہ ہوتی۔" ناہید غمزدہ لہجے میں بولی۔

"دیوانی ہو رہی ہو۔" شازیہ نے جلدی سے کہا۔ "میں نے تو یونہی تمہیں چھیڑنے

کو ایک بات کہہ دی تھی۔"

"تم نے کچھ غلط بھی نہیں کہا۔" ناہید نے جذباتی انداز میں جواب دیا۔ "قدرت کو شاید اسی انداز میں میری ہنسی اڑانی مقصود تھی ..... حالات کی بے بسی مقدر بن جائے تو انسان مشقِ ستم بننے پر مجبور ہو جاتا ہے۔"

"قدرت امتحان لیتی ہے تو ویسے ہی حالات بھی پیدا کر دیتی ہے کہ غموں کا مداوا ہو جائے۔" شازیہ نے کہا۔ "موسم کی طرح تقدیر بھی بدل جاتی ہے۔ تم اس قدر مایوسی کی باتیں کیوں کرتی ہو؟"

"اس لئے کہ قدرت نے میرے لئے زندگی کی راہیں اس قدر مسدود کر دی ہیں کہ میں قفس میں قید پنچھی کی طرح پھڑپھڑا تو سکتی ہوں لیکن اس کی تیلیوں کو توڑ کر آزادی نہیں حاصل کر سکتی۔" ناہید زخمی لہجے میں بولی۔ "یوں بھی کاغذ کے پھولوں کو صرف سجایا تو جا سکتا ہے' ان سے مہک کی آرزو کون کرتا ہے؟"

"ہیرے کی قدر صرف جوہری ہی کر سکتا ہے اور فراز بھائی کسی جوہری سے کم تو نہیں۔"

"خدا کے لئے شازیہ! ایسی باتیں زبان سے مت نکالو۔" ناہید سہم کر بولی۔ "ایک ہی مذاق نے میری زندگی میں جو زہر گھول دیئے ہیں وہی میرے لئے بہت ہیں ..... اس سے زیادہ کی تاب اب نہیں۔"

"اچھا' بس اب زیادہ حماقت کی باتیں مت کرو۔" شازیہ بڑی اپنائیت سے بولی۔ "قدرت کو جو منظور ہو گا اسے تم یا میں ٹال نہیں سکتیں' ویسے مجھے یقین ہے کہ فراز بھائی کو تمہارے علاوہ کوئی اور نہیں سنبھالا دے سکتا۔ فرزین کی بے وفائی نے ان کے ہونٹوں کی مسکراہٹیں بھی چھین لی ہیں۔"

"اپنی اپنی قسمت اور تقدیر کی بات ہے۔" ناہید نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔

"ویسے ایک بات بتاؤ' تمہیں میری قسم جو جھوٹ بولو۔" شازیہ بولی۔ "اگر فرزین کے بعد فراز پھر سوالی بن کر تمہارے سامنے کھڑے ہو گئے تو کیا کرو گی؟"

"شازیہ! میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔" ناہید نے بھرائی آواز میں کہا۔ "اس سے تو بہتر تھا کہ تم خدا سے میرے لئے موت کی دعا مانگتیں۔"

"کیا تم اس بات کو پسند کرو گی کہ تمہاری طرح فراز بھائی بھی تمام زندگی اپنی محرومیوں پر آنسو بہاتے رہیں؟"

"خدا نہ کرے کہ فراز محرومیوں کا شکار ہوں۔" ناہید بولی۔ "ابھی انہوں نے زندگی میں کوئی ایک خوشی بھی تو نہیں دیکھی۔"

"اور تم تو غالباً دادی اماں بن گئی ہو ..... دنیا کی ہزاروں بہاریں اور خوشیاں دیکھ چکی ہو۔" شازیہ چڑ کر بولی۔

"میری بات اور ہے شازیہ!"

"خیر ..... میں پھر کسی وقت تم سے اس مسئلے پر گفتگو کروں گی۔" شازیہ نے بات ختم کرنے کی خاطر کہا پھر شرجیل کو اٹھا کر اس سے کھیلنے لگی اور ناہید گم صم سی چپ چاپ اپنی جگہ بیٹھی شازیہ کو دیکھتی رہی' سوچتی رہی۔

کیا وقت کے بے رحم ہاتھ اسے کبھی سکون سے نہ بیٹھنے دیں گے؟

یونہی تھم تھم کر بے چین کرتے رہیں گے؟

کچوکے لگاتے رہیں گے؟

بھرتے زخموں کی کھرنڈ اگر یوں بار بار ٹھیس پا پا کر اکھڑتی رہی تو کیا اس کا وجود ناسور نہ بن جائے گا؟

کب تک ..... آخر کب تک.....

وہ حالات کی ستم ظریفیوں کا نشانہ بنتی رہے گی؟

حادثات کے مدوجزر میں کب تک ایک حقیر تنکے کی مانند ڈوبتی ابھرتی رہے گی؟

برداشت کی حدیں ختم ہو جائیں گی تو کیا ہو گا؟

کیا وہ کسی آتش فشاں کی مانند پھٹ جائے گی ..... یا

اپنے دامن میں ہزاروں طوفانوں کی شدتیں سمیٹے سمندر کی طرح پُرسکون رہ سکے گی؟

کیا ہو گا.....!

کیا ہونے والا ہے.....!!

اپنے خیالوں میں گم نہ جانے وہ کب تک اپنے ماحول سے بے خبر رہی پھر شازیہ کی آواز کانوں سے ٹکرائی تو یوں چونک اٹھی جیسے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھتے دیکھتے معاً بیدار ہو گئی ہو۔

"کہاں کھو گئی تھیں؟" شازیہ نے اس کے اداس چہرے پر غم کی لرزتی پرچھائیوں کو محسوس کرتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

"فرزین کی حماقت پر غور کر رہی تھی۔" اس نے بات بنائی۔ "بھلا کوئی یوں بھی اپنے بسے بسائے گھر کو خود اپنے ہاتھوں سے برباد کرتا ہے؟"

"خیال ہے تمہارا۔" شازیہ نفرت سے بولی۔ "اپنا گھر بگاڑنے کے بجائے ازسرنو بنا رہی ہے۔ اس نے یہی سوچا ہو گا کہ انور کے ساتھ اس کی زندگی زیادہ پُرسکون گزر سکے گی۔"

"لیکن....."

"ضروری تو نہیں کہ دنیا کی ہر لڑکی تمہاری طرح اپنے وجود پر صرف محرومیوں کا خول چڑھا کر خود کو زمانے سے الگ تھلگ کر لے۔" شازیہ نے اس کی بات رد کرتے ہوئے کہا۔ "خوشی کی ایک کرن کی تلاش میں تو لوگ زندگی گزار دیتے ہیں اور ایک تم ہو کہ محض دوسروں کی خاطر اپنی خوشیوں کو آج تک قربان کرتی رہی ہو ..... قدموں تلے روندتی رہی ہو۔"

"اور ..... اور میں کر بھی کیا سکتی ہوں شازیہ!" وہ تڑپ کر بولی۔

"اپنے ساتھ ساتھ کسی اور کی زندگی بھی برباد کر سکتی ہو ..... اپنے فیصلوں سے ایک بار پھر کسی کے ہونٹوں کی خوشیاں چھین سکتی ہو۔" شازیہ نے تیزی سے کہا۔ "قدرت نے وقت کی باگ ڈور ایک بار پھر تمہارے ہاتھوں میں دینے کا فیصلہ کر لیا ہے' تم جو چاہو کر سکتی ہو۔ صاحب اختیار ہو۔ پھر بار بار اپنی محرومیوں کا رونا کیوں روتی ہو؟"

"شازیہ!" وہ چیخ اٹھی۔

"میں پھر کسی وقت آؤں گی۔" شازیہ نے اٹھتے ہوئے کہا پھر شرجیل کو ناہید کی گود میں دیتے ہوئے بولی۔ "میں تمہیں مجبور نہیں کر سکتی لیکن اتنا ضرور کہوں گی کہ اس بار جو فیصلہ کرنا بہت سوچ سمجھ کر کرنا۔ شاید یہ تمہاری زندگی کا آخری موڑ ہو اور یہ بھی ذہن میں رکھنا کہ اس بار تم جو فیصلہ کرو گی اگر وہ غلط ہوا تو صرف تم ہی نہیں ..... کوئی اور بھی زندگی کی طویل راہوں پر آوارہ بگولوں کی طرح تازیست بھٹکتا رہے گا۔ خدا حافظ!"

ناہید نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شازیہ کے چلے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک اپنی جگہ یوں ساکت و جامد کھڑی رہی جیسے کسی ماہر سنگتراش نے پتھر کا سینہ چیر کر ایک حسین روپ تراش کر سبزے پر ایستادہ کر دیا ہو۔

☆======☆======☆

فراز حالات سے بے خبر نہیں تھے' جمال الدین ایڈووکیٹ چونکہ محسن علی کے واقف

کاروں میں سے تھے اس لئے انہیں فرزین کے سلسلے میں ایک ایک خبر مل رہی تھی۔ اس وقت بھی جب چپڑاسی نے آفس میں داخل ہو کر جمال الدین کا وزیٹنگ کارڈ ان کے سامنے رکھا تو فراز کو کسی حیرت کا سامنا نہیں کرنا پڑا' ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ ابھر آئی' نظر اٹھا کر چپڑاسی کو دیکھا جو ہاتھ باندھے کھڑا ان کے جواب کا منتظر تھا۔

"کیا یہ صاحب تنہا ہیں یا کوئی اور بھی ساتھ ہے؟" انہوں نے بڑی سنجیدگی سے دریافت کیا۔

"صاحب اکیلے ہیں۔"

"دو منٹ بعد اندر بھیج دینا اور ہاں' جب تک میں ان سے گفتگو میں مصروف رہوں کسی اور کو اندر نہ آنے دینا' کہہ دینا کہ ایک اہم کام میں مصروف ہوں۔" فراز نے اپنے سامنے کھلی ہوئی فائل کو بند کرتے ہوئے کہا تو چپڑاسی الٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔

دو منٹ بعد جمال الدین ایڈووکیٹ اپنا بریف کیس اٹھائے کمرے میں داخل ہوئے تو فراز نے نہایت خندہ پیشانی سے اٹھ کر انہیں خوش آمدید کہا' بڑے خلوص سے بیٹھنے کا اشارہ کیا پھر خود بھی اپنی کرسی پر آہستہ سے بیٹھ گئے۔ پھر سنجیدگی اور متانت سے بولے۔

"فرمایئے ..... میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"میں اس وقت آپ سے ایک ضروری بات کرنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔"

"آپ کی آمد میرے لئے غیر متوقع نہیں ہے۔" فراز بولے۔ "محسن علی نے آپ کا غائبانہ تعارف کرا دیا تھا۔"

"مجھے افسوس ہے مسٹر فراز کہ میں ایک تکلیف دہ فرض کی ادائیگی کی غرض سے اس وقت حاضر ہوا ہوں لیکن مجھے امید ہے کہ آپ اس معاملے پر نہایت سنجیدگی اور ٹھنڈے دل سے غور کریں گے۔"

"مجھے احساس ہے مسٹر جمال کہ آپ اپنے پیشے سے مجبور ہیں اس لئے میں کوئی گلہ یا شکوہ نہیں کروں گا۔"

"میرا خیال ہے کہ مسٹر محسن نے آپ کو حالات سے بھی باخبر کر دیا ہو گا۔" فرزین کے وکیل نے آہستہ سے کہا پھر بریف کیس کھول کر ایک فائل نکال کر بولا۔ "دراصل آپ کی بیگم....."

"مجھے حالات کا بخوبی علم ہے مسٹر جمال!" فراز نے وکیل کا جملہ کاٹتے ہوئے تیزی سے جواب دیا پھر بڑی سنجیدگی سے بولے۔ "آپ نے غالباً دستاویز مکمل کر لی ہے جو فرزین

بیگم چاہتی ہیں۔"

"جی ہاں ..... میں چاہتا ہوں کہ اگر آپ بھی اسے ایک نظر دیکھ لیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔"

"آپ نے بلاوجہ اتنی زحمت گوارا کی۔" فراز نے زہرخند سے کہا۔ "اگر چاہتے تو مجھے عدالت میں بھی طلب کر سکتے تھے۔"

"آپ کا خیال درست ہے مسٹر فراز لیکن میں نے جان بوجھ کر ایسا نہیں کرنا چاہا۔" وکیل نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اس لئے کہ میں آپ کے مرحوم والد کے مداحوں میں سے ہوں ..... اور محسن علی کا دوست بھی۔"

"فرزین بیگم مجھ سے کیا چاہتی ہیں اس کا علم مجھے بخوبی ہے لیکن بہتر ہو گا کہ آپ بھی اپنی مؤکلہ کی ترجمانی کر دیں۔" فراز نے ایک سگریٹ سلگاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا لیکن اس سنجیدگی میں درد کی ایک لہر بھی شامل تھی۔

"فرزین بیگم کو میں نے ذاتی طور پر بھی سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن....."

"میں نے آپ سے صرف یہ دریافت کیا تھا کہ وہ کیا چاہتی ہیں؟" فراز نے تیزی سے کہا۔

"وہ ..... آپ سے ..... طلاق کی خواہشمند ہیں۔" وکیل نے جواب دیا۔

"شرائط کیا ہوں گی؟" فراز نے سپاٹ لہجے میں پوچھا' چہرے پر ابھرنے والے تھکن کے تاثرات ان کی بے چینی کی غمازی کر رہے تھے۔

"طلاق چونکہ فرزین بیگم مانگ رہی ہیں اس لئے وہ اپنا مہر چھوڑنے پر تیار ہیں۔"

"اور....." فراز نے بے چینی سے کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے دریافت کیا۔

"شرجیل کے بارے میں آپ کی مؤکلہ نے کیا سوچا ہے؟"

"وہ اولاد کے حق سے بھی دستبردار ہونے کو تیار ہیں۔"

"مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی۔" فراز نے سکون کا سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"گویا آپ فرزین بیگم کو طلاق دینے پر آمادہ ہیں؟" وکیل نے سوال کیا تو فراز ایک لمحے کو چپ رہے پھر بولے۔

"اگر ان کی یہی خواہش ہے تو میں انہیں مایوس نہیں کروں گا۔"

"میں نے کاغذات تیار کر لئے ہیں' آپ انہیں ایک نظر دیکھ لیں۔" وکیل نے فائل فراز کے سامنے رکھ دی۔

"اس کی چنداں ضرورت نہیں۔" فراز نے فائل اٹھا کر لوٹاتے ہوئے جواب دیا۔
"اگر آپ میرے والد کے مداحوں میں سے ہیں تو یقیناً آپ نے طلاق کی دستاویز تیار کرتے وقت بھی اس کا خیال ضرور رکھا ہو گا۔"
"پھر بھی ..... ممکن ہے کہ آپ اس میں کوئی رد و بدل کرنا پسند کریں۔"
"اگر آپ کی مؤکلہ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں بھی ایک درخواست کرنا چاہوں گا۔"
"وہ کیا؟"
"میں ان کو مہر کی رقم دینے کو بھی تیار ہوں۔" فراز ہونٹ چباتے ہوئے بولے۔ "شاید یہ رقم ان کی آئندہ زندگی سنوارنے کے کام آ سکے۔"
"میرا خیال ہے کہ فرزین بیگم اس بات کو پسند نہیں کریں گی۔"
"ان کی مرضی پر منحصر ہے، میں مجبور نہیں کروں گا۔"
"فرزین بیگم نے جو شرائط رکھی ہیں ان میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ تمام چیزیں جو شادی کے وقت آپ کو سسرال سے ملی ہیں، واپس کرنی ہوں گی۔" وکیل نے کہا۔ "اس کے عوض وہ آپ کی طرف کی تمام چیزیں لوٹانے کو آمادہ ہیں۔"
"مجھے اس شرط کے دوسرے حصے پر اعتراض ہے۔" فراز سگریٹ کا ایک طویل کش لیتے ہوئے حقارت سے بولے۔ "جو زیورات چڑھاوے اور جوڑے میری طرف سے دیئے گئے ہیں میں ان کو واپس نہیں لوں گا۔ اس لئے کہ میں فرزین بیگم سے قطع تعلق ہونے کے بعد ان کی نشانیوں کے کسی وجود کو بھی اپنے قریب نہیں دیکھنا چاہتا۔ اگر فرزین بیگم میری اس خواہش کے باوجود اپنی ضد پر اڑی رہیں تو آپ کو اختیار ہو گا کہ آپ ان چیزوں کو کسی بھی خیراتی ادارے یا ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیں۔"
"اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو میں فرزین کو مطلع کر دوں گا۔" وکیل نے سنجیدگی سے کہا پھر پوچھا۔ "کیا آپ کو ایک ہفتے بعد کچھ فرصت ہو گی؟"
"میں سمجھا نہیں۔" فراز نے وضاحت چاہی۔
"عدالت سے مجھے طلاق نامے کے سلسلے میں تاریخ لینی ہو گی، اس لئے میں چاہتا ہوں کہ کوئی تاریخ اگر آپ دے سکیں تو زیادہ مناسب ہو گا، میں بھی بھاگ دوڑ سے بچ جاؤں گا اور معاملہ بھی نپٹ جائے گا۔"
"نیک کاموں میں دیر نہیں کرنی چاہئے مسٹر جمال!" فراز بڑے تلخ لہجے میں بولے۔

"آپ جو تاریخ چاہیں طے کر لیں، میں حاضر ہو جاؤں گا۔"
"شکریہ مسٹر فراز!" وکیل نے فائل بریف کیس میں بند کر کے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں اجازت چاہوں گا۔"
"کیا میں امید رکھوں کہ آپ مجھے پہلی فرصت میں کسی قریبی تاریخ سے مطلع کرنے کی زحمت گوارا کریں گے؟"
"میں پوری کوشش کروں گا کہ جلد ہی اس معاملے کو ختم کر دوں۔"
وکیل کے جانے کے بعد فراز کچھ دیر تک کھڑے اپنے خیالوں میں گم رہے پھر تھکے تھکے انداز میں کرسی پر بیٹھ کر چھت کو گھورنے لگے۔ زندگی کی بھاگ دوڑ میں آج پہلی بار وہ خود کو بڑا نڈھال سا محسوس کر رہے تھے۔ ہر چند کہ فرزین کے ساتھ شادی کر کے وہ خوش نہیں تھے۔ زندگی کا سکھ چین اور گھر کی فضا تک مکدر ہو کر رہ گئی تھی پھر بھی وہ اپنی مرحوم ماں کی خواہشات کے آگے ہمیشہ سرنگوں رہے۔ وہ اس تعلق کی تلخیوں سے بھی کبھی ہراساں نہیں ہوئے لیکن بات جب ناہید کے وجود تک جا پہنچی اور انہوں نے کسی کے تقدس کو پامال ہوتے دیکھا تو صبر نہ کر سکے اور ضبط کی تمام بندشیں ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گئیں۔

آج فراز کو وہ دن بڑی شدت سے یاد آیا تھا جب ماں کی خواہش پر وہ فرزین کو بیاہ کر لائے تھے۔ ماضی کی یادیں ایک ایک کر کے ان کے ذہن میں ابھرتی رہیں — سرخ جوڑوں میں مہکتی ہوئی دلہن کی تصویر ..... ماں کے مقدس چہرے پر ہمکنے والی زندگی کی بھرپور مسرتیں جو لازوال تھیں ..... ڈھولک کی تھاپ پر ابھرنے والے گیت جو دلوں میں ہلچل پیدا کر رہے تھے ..... اور ناہید ..... جو ان کی شادی پر خوشی سے پھولی نہیں سما رہی تھی، کتنی امیدوں اور کتنی آرزوؤں سے اس نے فراز کو حجلۂ عروسی کے دروازے پر زندگی کی نوید دی تھی — لیکن کون جانتا تھا کہ زندگی کی یہی نوید ایک دن قصہ پارینہ بن کر رہ جائے گی۔

خوشیوں کے شادیانے زندگی میں زہر کی تلخیاں گھول دیں گے۔
ہونٹوں پر سجی بنی مسکراہٹیں آنسوؤں میں بدل جائیں گی۔
ماں کی حسرتیں دم گھٹ کر موت کی ہچکیوں میں تبدیل ہو جائیں گی۔

اور.....

فرزین ..... جو شریکِ حیات تھی، شریکِ غم تھی، یوں ناگن کا روپ دھار کر

خوشیوں کو ڈس جائے گی۔

اور.....

ناہید ..... جس نے اپنی مسکراہٹوں کو روند کر دوسروں کی مانگ میں افشاں بھرنے کا خواب دیکھا تھا یوں بے بسی کا شکار ہو گی۔

ماضی کی حسین یادیں آج پھر تازہ ہو رہی تھیں۔ فراز کرسی کی پشت سے سر ٹکائے بیٹھے چھت کو تکتے رہے اور پھر ان کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں' آنسوؤں کے قطرے ڈھلک ڈھلک کر گرنے لگے' جانے یہ آنسو کس غم کی ترجمانی کر رہے تھے۔

ماں کی ناکام حسرتوں کی۔

فرزین کی جدائی کی ..... یا

خود اپنی بربادی کی.....!!

☆======☆======☆

شازیہ کی باتوں نے ناہید کو خود اپنے ماحول کے لئے ایک بار پھر سے اجنبی بنا دیا تھا۔ وہ فراز سے دور دور رہنے لگی۔ اسے خدشہ تھا کہ اگر حالات نے رخ پلٹا تو فراز پھر سے سوالی بن جائیں گے اور اپنے دامن کو وہ جن چنگاریوں سے اب تک بچاتی رہی تھی' وہ شعلہ بن جائیں گی۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ خود کو پتھر بنا لے گی' ہر بات سے بے نیاز ہو جائے گی لیکن فراز کی بڑھتی اداسیاں اسے کسی کروٹ سکون نہیں لینے دیتی تھیں۔ ادھر کچھ دنوں سے وہ بہت زیادہ تھکے تھکے اور پریشان نظر آ رہے تھے۔ دفتر سے دیر سے واپس آنے لگے تھے' اپنے خیالوں میں کھوئے کھوئے سے نظر آتے تھے' اگر کبھی ناہید سے نگاہیں چار ہو جاتیں تو وہ فوراً ہی نظریں جھکا کر کترا کر گزر جاتے تھے۔ دو روز سے تو انہوں نے معصوم شرجیل کو بھی یکسر نظرانداز کر دیا تھا' ایک بار بھی تو اسے گود میں لے کر پیار سے نہیں چوما تھا اور.....

فراز کی ماحول سے یہ بے نیازی ناہید کو اندر ہی اندر سلگا رہی تھیں' کئی بار اس نے سوچا کہ فراز سے فرزین کے بارے میں پوچھے ان سے معلوم کرے کہ وہ اس قدر پریشان کیوں رہتے ہیں۔ فرزین کے معاملے کا کیا بنا' جب سے شازیہ نے اسے فرزین کی جانب سے علیحدگی کے مطالبے والی بات بتائی تھی وہ سہم سی گئی تھی۔ ہر وقت آنے والے کل کے بارے میں سوچتی رہتی اور خود ہی اپنے واہموں سے ہراساں ہو کر اپنے وجود میں سمٹ جاتی۔ زندگی گزارنے کے لئے اس نے قصر سجاد کی دہلیز کی خاطر جو قربانیاں دی تھیں وہ

رائیگاں ہوتی نظر آ رہی تھیں' پُرسکون زندگی کے جو خواب دیکھتے تھے وہ ایک ایک کر کے سراب کی شکل اختیار کرتے جا رہے تھے۔

کبھی وہ اپنے دل کے ویرانوں میں ارمانوں کی سرد راکھ کو کریدنے لگتی تو جانے کیوں دل کی دھڑکنیں تیز ہونے لگتیں وہ سوچتی اگر شازیہ کا کہا درست نکلا اور فراز نے فرزین سے جدائی کے بعد ایک بار پھر اس کے آگے دامن پھیلا دیا تو وہ کیا کرے گی۔ کیا وہ انکار کر سکے گی؟ کیا اپنی طرح وہ فراز کو بھی محرومیوں کا شکار ہونے پر مجبور کر دے؟ اگر اس نے اقرار کیا تو دنیا والے کیا کہیں گے؟ یہی کہ وہ خودغرض تھی' اس کی بدولت ایک بسے بسائے گھر کی خوشیاں پامال ہوئی ہیں اور اس وقت کیا وہ دنیا والوں کی چبھتی نگاہوں کی تاب لا سکے گی؟ کس کس کی زبان پکڑے گی' کس کس کو اپنی بے گناہی اور پاکدامنی کا ثبوت دیتی پھرے گی۔ کون اس کے دل کی گہرائیوں میں جھانک کر عظمت کے ان بلند میناروں کو دیکھے گا جو اس نے اپنی آرزوؤں اور ارمانوں کے لاشے پر تیار کیا تھا' اپنے خونِ جگر سے جسے رنگ بخشا تھا اور عظمت کے یہ مینار اگر ٹوٹ کر ڈھیے گئے تو کیا وہ خود اپنے وجود کی بلندیوں کو برقرار رکھ سکے گی۔

ذہن میں وسوسوں کی آندھیاں چلتیں تو خیالات حقیر تنکوں کی طرح دور دور تک بکھر جاتے' وقت کی رفتار نے اسے کس قدر کمزور کر دیا تھا۔ وہ جتنا خود کو سمیٹنے کی کوشش کرتی اتنا ہی بکھر جاتی اور جب احساسات تھک کر نڈھال ہو جاتے اور ذہن پک کر ناسور کی طرح دکھنے لگتا تو وہ بے اختیار سسک اٹھتی' آنسو بہانے لگتی۔ یہی آنسو تو تھے جو اب تک اس کا ساتھ دے رہے تھے' ان آنسوؤں کے ذریعے وہ ہمیشہ خود کو بہلا لیا کرتی تھی۔

آنسو.....

جو اس کے اپنے تھے.....

اس کے اپنے دل کی گہرائیوں سے تڑپ تڑپ کر ابلتے تھے ..... اور

عارضی سکون کا ذریعہ بن جاتے تھے۔

تنہائی میں اس کے رفیق تھے۔

اب تک وہ ان آنسوؤں ہی سے تو اپنے غموں کا سدباب کرتی رہی تھی۔

اور اس وقت بھی اس کی آنکھوں کے گوشے بھیگ رہے تھے جب وہ ننھے شرجیل کو سلانے کے بعد اس کے قریب بیٹھی اسے بڑی حسرت بھری نگاہوں سے تک رہی تھی۔ اپنے آپ میں گم تھی جب نلورا کی آواز نے اسے چونکا دیا' وہ شرجیل کو لے جانے کے

لئے آئی تھی۔

"ابھی اس کی نیند کچی ہے۔" اس نے فلورا سے کہا۔ "کچھ دیر بعد لے جانا۔"

"آپ ..... شاید رو رہی تھیں؟" فلورا نے اس کی بھیگی پلکوں اور ڈبڈبائی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے بڑی اپنائیت سے پوچھا۔

"نہیں تو۔" اس نے دوپٹے کے پلو سے آنکھیں خشک کرتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "یوں ہی ..... ذرا آنکھوں میں جلن سی محسوس ہو رہی ہے۔"

"آپ کو شاید آرام کی ضرورت ہے۔"

"ہاں ..... شاید۔" اس نے زبردستی اپنے ہونٹوں پر مسکراہٹ کا فسوں بکھیرتے ہوئے جواب دیا پھر باتوں کا رخ بدلنے کی خاطر بولی۔ "فراز تو نہیں آئے۔"

"وہ تو بہت دیر سے باہر ڈرائنگ روم میں بیٹھے کسی سے باتیں کر رہے ہیں۔"

"اچھا....." اُس نے حیرت سے کہا۔ "کب آئے؟ مجھے خبر تک نہ ہوئی۔"

فلورا چلی گئی تو وہ شرجیل پر ہلکی اوڑھنی ڈال کر اپنے کمرے سے باہر آگئی' وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ فراز کے ساتھ کون ہے' اس کا خیال تھا کہ شاید محسن علی ہوں گے۔ فرزین کے میکے چلے جانے کے بعد سے فراز نے گھر کی چاردیواری کے اندر کسی سے ملنا جلنا بالکل ہی ترک کر رکھا تھا' کوئی آتا تو وہ ملازم سے یہی کہلوا دیتے کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔

دبے دبے قدموں چلتی وہ ڈرائنگ روم کے دروازے کے قریب آگئی۔ وہ سننا چاہتی تھی کہ فراز اور محسن کے درمیان کیا باتیں ہو رہی ہیں لیکن اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ فراز ڈرائنگ روم میں اپنے بزنس مینجر اور دیرینہ ملازم خواجہ رشیدالدین کے ساتھ مصروف گفتگو تھے' بے حد سنجیدہ سنجیدہ نظر آ رہے تھے' وہ دیوار سے لگی کھڑی اندر کی باتیں سننے لگی۔

"خواجہ صاحب!" فراز اپنے مینجر سے کہہ رہے تھے۔ "آپ کی حیثیت میرے لئے ایک ملازم کی سی نہیں بلکہ ایک بزرگ جیسی ہے۔ امی حضور بھی آپ پر بے انتہا اعتماد کرتی تھیں۔ آپ والد صاحب کے زمانے سے ہمارے ساتھ ہیں اس لئے مجھے آپ کی ذات پر بھروسہ ہے اور قوی امید ہے کہ میرے مقابلے میں آپ کاروبار کو زیادہ بہتر طور پر دیکھ سکتے ہیں۔"

"میں آپ کے خاندان کا پرانا نمک خوار ہوں فراز میاں! آپ کی عنایت ہے جو مجھ پر اتنی بڑی ذمہ داری ڈال رہے ہیں لیکن....."

"لیکن کیا خواجہ صاحب!" فراز نے پوچھا۔ "آپ کچھ کہتے کہتے رک کیوں گئے؟"

"مجھے صرف اس بات پر حیرت ہے فراز میاں کہ آپ نے اچانک دوبارہ باہر جانے کا فیصلہ کیسے کر لیا۔"

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" فراز بولے۔ "یہاں سے دل اکتا سا گیا ہے اس لئے دو ایک سال کے لئے تبدیلئ آب و ہوا کی غرض سے جا رہا ہوں' دل بہل گیا تو ہو سکتا ہے کہ جلدی واپس آ جاؤں۔"

"میں آپ کو منع تو نہیں کر سکتا۔ البتہ اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر بیگم صاحبہ حیات ہوتیں تو شاید یہ سب کچھ نہ ہوتا جو اب ہو گیا۔"

"آپ مجھے شرمندہ کر رہے ہیں خواجہ صاحب! آپ نے مجھے گودوں میں کھلایا ہے اس لئے آپ کو میری ذات پر پورا پورا اختیار ہے۔" فراز نے سگریٹ کا ایک طویل کش لیتے ہوئے سنجیدگی سے کہا پھر اداس لہجے میں بولے۔ "رہا ان حالات کا ذکر جو آپ کر رہے ہیں تو میرا خیال ہے کہ میں نے جو کچھ کیا ہے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ اگر میں فرزین کو طلاق نہ دیتا تو میرے خاندان کی رہی سہی آبرو بھی خاک میں مل جاتی ..... اور شاید میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہ رہتا۔"

"خدا کی شاید یہی مرضی تھی۔" خواجہ صاحب نے کہا۔ "حالات کے پیش نظر آپ کا اقدام دانشمندانہ تھا لیکن ابھی الہ آباد میں آپ کی موجودگی ضروری تھی۔"

"وہ کس لئے؟"

"اس لئے کہ یہاں آپ کا کاروبار پھیلا ہوا ہے' آپ کے عزیز و اقارب موجود ہیں۔" خواجہ صاحب بولے۔ "آپ کا اپنا گھر ہے۔ آپ چلے گئے تو گھر کی دیکھ بھال کون کرے گا اور ..... آپ کے چلے جانے سے دشمنوں کو باتیں کرنے کا موقع مل جائے گا۔"

"میں آپ کا مقصد سمجھ رہا ہوں خواجہ صاحب! لیکن مجھے ان باتوں کی مطلق کوئی پرواہ نہیں۔" فراز نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"جیسی آپ کی مرضی۔"

"میں ایک درخواست اور کرنا چاہتا ہوں۔" فراز کچھ توقف کے بعد بولے۔ "میرے جانے کے بعد کاروبار کے ساتھ ساتھ آپ کو گھر کا خیال بھی رکھنا ہو گا۔"

"آپ کا کب تک جانے کا ارادہ ہے؟"

"بہت جلد ..... ہو سکتا ہے کہ ایک ہفتہ کے اندر ہی چلا جاؤں۔"

"آپ مطمئن رہیں' میں ہرچند کہ بوڑھا ہو گیا ہوں لیکن آپ کی غیر موجودگی میں ہربات کا پورا پورا خیال رکھوں گا۔"

"ایک اہم بات اور باقی رہ گئی ہے۔" فراز بڑی سنجیدگی سے بولے۔ "آپ کل کسی وقت ہمارے قانونی مشیر کو بلا لیں تو مناسب ہو گا۔ میں اپنی روانگی سے قبل جائیداد اور کاروبار سے متعلق وصیت نامہ تیار کرانا چاہتا ہوں۔"

"اس کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟" خواجہ صاحب نے فراز کو تعجب سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"موت اور زندگی پر انسان کا بس نہیں چلتا خواجہ صاحب! کون کہہ سکتا ہے کل کیا ہو' اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اگر وصیت نامہ میری روانگی سے قبل تیار ہو جائے تو زیادہ مناسب ہے۔"

"اگر آپ کی یہی خواہش ہے تو میں کل ہی قانونی مشیر کو بلائے لیتا ہوں۔" خواجہ صاحب نے پوچھا۔ "اور کوئی حکم؟"

"جی نہیں۔" فراز نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کو اس وقت زحمت دینے کے لئے معذرت خواہ ہوں لیکن یہ باتیں دفتر میں نہیں ہو سکتی تھیں۔"

"میں اب اجازت چاہوں گا۔" خواجہ صاحب نے رخصت ہونے کی اجازت چاہی۔

"ایک چھوٹی سی درخواست اور ہے۔ آپ فی الحال میرے ملک سے باہر جانے کا تذکرہ کسی اور سے نہ کریں تو مناسب ہو گا۔"

"بہتر ہے۔" خواجہ صاحب نے آہستہ سے جواب دیا۔

فراز خواجہ صاحب کو رخصت کرنے کے لئے باہر گئے تو ناہید دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتی تیز تیز قدم اٹھاتی دوبارہ اپنے کمرے میں آ گئی' دروازے کو اندر سے بند کر کے وہ بے سدھ ہو کر شرجیل کے قریب بستر پر ڈھیر ہو گئی' فراز کی باتوں نے اس کے اندر ایک ہلچل سی پیدا کر دی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ حالات کی ستم ظریفیوں پر دل کھول کر ماتم کرے اور چیخ چیخ کر خود اپنے وجود کی دھجیاں اڑاتی پھرے اور پکار پکار کر زمانے کو بتائے کہ

دیکھو.....

میں وہ وجود ہوں جسے دنیا کی ایک خوشی بھی راس نہ آئی۔

ہر آرزو خاک میں مل گئی ..... ہر تمنا خون ہو کر رہ گئی ..... ہر خواہش دم گھٹ کر فنا ہو گئی۔

میں نے جو خواب دیکھے وہ ٹوٹ کر بکھر گئے۔

اور.....

میرا وجود اس دھرتی کے لئے ایک بوجھ ہے۔

میں ایسی نحوست ہوں جس کا سایہ بھی کسی کو راس نہیں آ سکتا۔

میں دلہن بنی تو میرا سہاگ مجھ سے روٹھ گیا۔

میں نے زندگی کے دن پورے کرنے کی خاطر ساس کے دامن میں پناہ تلاش کرنی چاہی تو اجل کے بے رحم ہاتھوں نے وہ مقدس پناہ بھی مجھ سے چھین لی۔

میں نے فراز کی زندگی میں خوشیوں کے دیپ جلانے چاہے تو وہ بھی طوفان کی زد میں آ گئے۔

فرزین اس سے روٹھ کر چلی گئی۔

فراز کی خوشیاں برباد ہو گئیں ..... اور

اب ..... وہ بھی اپنی بربادیوں کو دامن میں سمیٹے اس کے منحوس سائے سے دور جا رہے ہیں۔

بہت دیر تک ناہید بستر پر پڑی سسکتی رہی' آنسو بہاتی رہی پھر اس کے کپکپاتے ہونٹوں سے ایک فریاد بلند ہوئی۔

میرے معبود!

مجھے اب اس دنیا سے اٹھا لے.....

فنا کر دے.....!!

اور پھر دل میں امڈتے طوفانوں نے شدتوں سے سر ابھارا تو وہ تڑپ اٹھی' کوئی اور پناہ نہ ملی تو شرجیل کو بے اختیار لپٹا لیا اور اس کے سینے میں سر چھپا کر بلکنے لگی۔

☆------☆------☆

گزرتی ساعتوں کا ایک ایک لمحہ ناہید کے لئے بڑا کربناک اور جاں گسل تھا۔ فلک کج رفتار کی نیرنگیوں اور حالات کی گردشوں نے اسے مہر بہ لب کر دیا تھا۔ فراز اپنی جگہ چپ چپ تھے اور اس کے سامنے آنے سے کترانے لگے تھے اور وہ اپنی جگہ محتاط تھی اور وقت کی اس احتیاط نے اسے ذہنی طور پر کچھ اور الجھا دیا تھا' سہما دیا تھا۔ وہ اکثر سوچتی کہ

اگر فراز یوں خاموشی سے کچھ کہے بغیر ملک سے باہر چلے گئے تو وہ لوگوں کو ان کے اس طرح روپوش ہو جانے کا کیا سبب بتائے گی' ان کی چبھتی نظروں کو کیوں کر برداشت کر سکے گی۔ اپنے گھر والوں اور ملنے جلنے والوں کو کیا جواب دے گی۔ کیسے بتائے گی ان لمحوں جو جن کا تصور بھی اس کے لئے بے حد اذیتناک بن گیا تھا۔

تین روز تک وہ اپنے پریشان خیالوں سے الجھتی رہی' فراز سے اس کا سامنا برائے نام ہوتا تھا' کبھی اچانک وہ سامنے آ جاتے تو نہ جانے کیوں ان کے چہرے کی اداسیاں یک دم ہی دوچند ہو جاتیں پھر وہ جلدی سے نظریں جھکا کر کترا کر اپنی راہ تبدیل کر لیتے تھے۔ جانے کیوں وہ کھل کر اس کے سامنے سے گریز کرتے تھے۔ شاید دل کی بات زبان تک لانے سے گھبراتے تھے یا فرزین سے عمر بھر کی جدائی نے ان کو اپنوں سے بھی دور دور اور الگ تھلگ رہنے پر اکسا دیا تھا۔ زندگی کا ایک خواب ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا تھا اس لئے شاید وہ بھولے بسرے ادھورے خوابوں کو کوئی گزند نہیں پہنچانا چاہتے تھے۔ جبھی تو مہر بہ لب ہو کر رہ گئے تھے۔ اداس اداس اور پریشان نظر آتے تھے اور فراز کی ان ہی اداسیوں نے اسے بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

وہ فراز کے جانے سے پیشتر ایک بار ..... ایک آخری بار کھل کر ان سے باتیں کرنا چاہتی تھی' پوچھنا چاہتی تھی کہ انہوں نے اچانک حالات سے یوں فرار کا ارادہ کیوں کر لیا ہے۔ اگر فرزین انہیں پسند تھی تو اسے طلاق کیوں دی؟ اگر ناپسند تھی تو پھر یہ پچھتاوے کیا معنی رکھتے تھے اور پھر انہیں اس بات کا احساس کیوں نہیں کہ اگر وہ کسی کو کچھ بتائے بغیر خاموشی سے چلے گئے تو ان کے بعد وہ دنیا والوں کی نگاہوں میں مجرم بن جائے گی اور وہ جاننا چاہتی تھی کہ فراز نے زندگی کے اس ناہموار موڑ پر کھڑے ہو کر کسی وصیت نامے کو کس لئے مرتب کیا ہے۔ کیا ہے اس وصیت نامے میں جو اس قدر رازداری سے تیار کیا گیا تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو سکی تھی۔

بیگم سجاد نے مرتے وقت ان کی بلندیوں کو برقرار رکھنے کی خاطر حویلی کی تمام تر ذمہ داریاں اسے سونپ دی تھیں۔ اسے مختارِ کل بنا دیا تھا اور اب ..... اب شاید فراز ماں کی خواہشات کو قانونی شکل دینے کی ٹھان چکے تھے۔ مگر وہ اس دولت کا کیا کرے گی۔ جب قدرت نے اسے زندہ درگور کر دیا تھا' اس کے ہونٹوں کی تمام مسکراہٹیں چھین لی تھیں تو آخر فراز اسے دولت کے انبار تلے کیوں دفن کرنا چاہتے تھے۔ دولت اور جائیداد تو اس کے غموں کا علاج نہیں تھے۔ اس کی قربانیوں کا بدل نہیں بن سکتے تھے۔ پھر فراز نے ایسا کیوں کرنا چاہا تھا؟ وہ کیا چاہتے تھے اور اگر ان کی یہی خواہش تھی تو پھر اس میں اس قدر رازداری کیوں تھی؟ اور فراز نے شرجیل کے لئے کیا سوچا تھا۔ وہ ان کا خون تھا' جگر گوشہ تھا' پھر وہ شرجیل کو' اپنے خون کو کیوں چھوڑ رہے تھے' کس کے حوالے کئے جا رہے تھے؟ کیا تھا ان کے دل میں جسے وہ زبان تک لانے سے خوفزدہ تھے؟

اور خیالات کے یہی الجھاوے ناہید کو پل پل بے چین کر رہے تھے۔ اس وقت بھی وہ لان پر بیٹھی ڈوبتے سورج کی آخری کرنوں کو بڑی حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی' سرو کے تناور درختوں کے سائے لانبے ہو کر اس کے وجود کو میلا کر رہے تھے' فلورا ابھی ابھی ننھے شرجیل کو دودھ پلانے کی غرض سے اندر لے گئی تھی۔ وہ اپنے وسوسوں میں گم تھی کہ فراز کی گاڑی بڑے پھاٹک سے اندر آ کر رکی' دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز نے اسے چونکا دیا' اس نے نظریں گھما کر دیکھا' فراز گاڑی سے اتر چکے تھے' چہرے پر غموں کے سائے لرز رہے تھے' نگاہوں کا تصادم ہوا تو فراز گڑبڑا سے گئے' جانے کیا سوچ کر جلدی سے نگاہیں جھکالیں' اپنی اداسیوں کو سمیٹے اندر جانے کے لئے بڑھے تو وہ چپ نہ رہ سکی' آواز دے بیٹھی۔

فراز کے بڑھتے قدم تھم گئے' چند لمحے اپنی جگہ ساکت و جامد کھڑے کچھ سوچتے رہے پھر آہستہ سے گھومے اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے نظریں جھکائے اس کے قریب آ کر رک گئے۔

"بیٹھو۔" ناہید نے اپنے دل کی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے آہستہ سے کہا تو وہ بریف کیس لان پر رکھ کر خاموشی سے بیٹھ گئے۔

درختوں کے سائے کچھ اور لانبے ہو گئے تھے' وہ چند لمحے تک فراز کے چہرے پر اداسیوں کی پرچھائیاں دیکھتی رہی پھر بولی۔

"سنا ہے تم نے فرزین کو ہمیشہ کے لئے آزاد کر دیا۔"

"جی۔" فراز نے چونکتے ہوئے اس کی جانب دیکھا پھر دبی زبان میں کہا۔ "آپ کی اطلاع غلط نہیں ہے۔"

"کیا تمہیں اپنے فیصلے پر خوشی ہے؟"

"بات میری خوشی سے زیادہ فرزین کی پسند کی تھی۔" فراز سپاٹ لہجے میں بولے۔

"میں نے اسے آزاد کر دیا۔"

"تم نے مجھ سے تذکرہ بھی نہیں کیا۔" وہ شکوہ کرتے ہوئے بولی۔

"میں نے آپ کو پریشان کرنا مناسب نہیں سمجھا۔"

"بہت دوراندیش ہوتے جارہے ہو۔" ناہید نے آہستہ سے کہا۔

"جی ہاں۔" فراز نے ہونٹ کاٹتے ہوئے جواب دیا۔ "قسمت اور حالات کی مہربانیاں ہیں۔"

"شرجیل کا کیا ہو گا؟"

"فرزین بیگم اسے اپنے مستقبل کی خوشیوں کی راہ میں حائل نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے میرے حوالے کر دیا۔" فراز بڑے کرب سے بولے۔ "شرجیل میرا بیٹا ہے' میرے ساتھ رہے گا۔"

"کیا تم شرجیل کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ گے۔" ناہید نے چونکتے ہوئے سوال کیا۔ شرجیل سے دوری کے تصور نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

"کہاں؟" فراز نے نظریں اٹھا کر حیرت سے دریافت کیا۔

"جہاں تم نے نہایت رازداری سے جانے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"آپ کو..... کیسے معلوم ہوا؟"

"میں بھی اسی گھر میں رہتی ہوں پھر تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ مجھے حالات کا علم نہ ہو گا؟" ناہید نے شکایت کرنے والا انداز اختیار کر لیا۔

فراز نے کوئی جواب نہیں دیا' نظریں نیچی کر کے اپنی سوچوں میں گم ہو گئے۔ بڑے اداس نظر آرہے تھے۔

"تمہاری واپسی کب تک ہو گی؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتا۔" فراز نے ہاتھ ملتے ہوئے آہستہ سے جواب دیا' لہجے میں درد بھی شامل تھا۔

"سنا ہے تم نے کوئی وصیت بھی تیار کی ہے۔" ناہید نے پوچھا۔ "شرجیل کے حصے میں کیا آیا ہے؟"

"آپ....." فراز بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ "میں نے امی حضور کی خواہشات کے عین مطابق کل جائیداد کا تین چوتھائی حصہ آپ کے نام کر دیا ہے۔"

"مجھ سے پوچھے بغیر؟"

"امی حضور کی وصیت میرے لئے زیادہ مقدم تھی۔"

"کیا امی حضور نے یہ بھی کہا تھا کہ تم اپنی من مانی کرتے پھرو؟"

"میں سمجھا نہیں۔" فراز نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"شرجیل ابھی بچہ ہے' اسے باپ کی نگہداشت اور تربیت کی ضرورت ہے اور تم ..... باہر جارہے ہو۔"

"حالات کا یہی تقاضہ ہے۔" فراز نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔ "میرے یہاں رہنے سے حالات اور خراب ہو جائیں گے۔"

"گویا تم حالات سے فرار اختیار کر رہے ہو۔" ناہید نے تیزی سے کہا۔ "اتنے بزدل تو تم پہلے کبھی نہیں تھے۔"

"حالات نے مجھ سے سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب کر لی ہیں۔" فراز جذباتی بن گئے۔ "میں بھی عام لوگوں کی طرح گوشت پوست کا بنا ہوا ہوں ..... پتھر نہیں ..... جو احساسات سے عاری ہوتا ہے اور ..... اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے دوسروں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے ..... دوسرے میری وجہ سے بدنامی کا طوق اپنے گلے میں ڈالنے پر مجبور ہوں ..... اس لئے مناسب یہی ہے کہ میں باہر چلا جاؤں۔"

"کتنے دنوں کے لئے؟" ناہید بولی۔ "آخر کب تک تم حالات سے دامن بچاتے رہو گے؟"

"اس کا اندازہ وقت ہی لگا سکتا ہے۔" فراز نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

"تم ..... تم چاہتے کیا ہو؟" ناہید نے الجھتے ہوئے پوچھا۔ "انسان دوسروں سے اپنا دکھ درد کہہ ڈالے تو دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے' ذہن کا غبار چھٹ جاتا ہے' اندر ہی اندر گھٹنے سے مرض کم نہیں ہوتا ..... ناسور کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔"

"اور ناسور جب ناقابل علاج بن جائے تو پھر انسان صرف موت کی آرزو کرتا ہے۔ موت ..... جو انسان کو تمام پریشانیوں سے نجات دلانے کا واحد اور آخری ذریعہ ہوتی ہے۔"

"فراز!" ناہید تڑپ اٹھی۔ "تمہیں ایسی باتیں نہیں کرنی چاہئیں' موت کی خواہش بزدل کرتے ہیں۔"

"میری ہمت بھی ٹوٹ چکی ہے ..... میں تھک کر نڈھال ہو گیا ہوں۔"

"زندگی ان ہی نشیب و فراز کا نام ہے۔" ناہید نے دبی زبان میں کہا۔ "میری مثال تمہارے سامنے ہے لیکن میں نے موت کی تمنا نہیں کی۔"

"جسے آپ زندگی سمجھ رہی ہیں وہ موت سے بھی بدتر ہے۔"

"اس کے باوجود میں زندہ ہوں اور ہنس ہنس کر حالات کا مقابلہ کر رہی ہوں۔"

"میں آپ کو آپ کی بلند ہمتی کی داد دیتا ہوں لیکن ضروری تو نہیں کہ دنیا کا ہر فرد آپ جیسا ہو۔"

"بہرحال ..... تم باہر نہیں جاؤ گے۔" ناہید نے تلملا کر تحکمانہ انداز اختیار کر لیا۔

"مجھے مجبور نہ کیجئے ..... میں نے آج تک آپ کی بات نہیں ٹالی' آپ کے ہر حکم کو مانا ہے لیکن اس کا انجام آپ کے سامنے ہے۔ اس لئے....."

"تم مجھے موردِ الزام ٹھہرا رہے ہو۔" ناہید نے تڑپ کر پوچھا۔

"نہیں ..... لیکن صرف یہ احساس دلانا چاہتا ہوں کہ اگر آپ نے مجھے فرزین کے ساتھ شادی کرنے پر مجبور نہ کیا ہوتا تو شاید آج ..... آج میں خود کو اتنا مجبور اور بے بس نہ پاتا ..... اس طرح اپنی خوشیوں سے محروم نہ ہوتا ..... یوں اپنی اولاد کو چھوڑ کر باہر جانے پر تیار نہ ہوتا۔"

"پھر کیا کرتے؟" ناہید نے دبی زبان میں پوچھا۔

"اپنے ادھورے خوابوں کو سینے سے لگائے زندگی گزار دیتا۔" فراز روانی میں کہہ گئے پھر جلدی سے نظریں جھکاتے ہوئے بولے۔ "اگر میری صاف گوئی سے آپ کو دکھ پہنچا ہو تو میں معافی کا خواستگار ہوں۔"

"فراز!" وہ سہم کر بولی۔ "تم ابھی تک خوابوں کی دنیا میں بھٹک رہے ہو۔"

"حقیقت کی تلخیوں نے مجھے بھولے بسرے خوابوں کی دنیا میں دھکیل دیا ہے۔" فراز آہستہ سے بولے۔ "اسی لئے میں یہاں سے بہت دور چلا جانا چاہتا ہوں ..... یہاں رہا تو گھٹن کا احساس مجھے کبھی سکون کا ایک سانس نہ لینے دے گا۔"

"خاک کے ڈھیر پر امیدوں کے محل تعمیر کرنا حماقت ہے۔" وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

"اپنی بلندیوں کو برقرار رکھنے کی خاطر دوسروں کو پستیوں میں دھکیل دینا بھی انصاف نہیں۔" فراز نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔ پھر تلملا کر جذباتی انداز میں بولے۔ "شاید محرومیاں میرا مقدر بن چکی ہیں اس لئے مجھے کسی سے کوئی شکوہ' کوئی گلہ نہیں۔"

ناہید نے فراز کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا تو خود بھی تڑپ اٹھی' کتنے اداس اداس نظر آ رہے تھے' کپکپاتے ہونٹوں کی ہر جنبش اپنے اندر ایک داستان لئے تھی اور

بھیگی بھیگی گلابی آنکھوں میں جیسے دنیا جہان کے سارے غم ٹوٹ کر سمو گئے تھے' وہ ان نگاہوں کی تاب نہ لا سکی تو خود اپنے دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کو گننے لگی۔

ڈھیر سارے لمحات بڑی خاموشی اور سوگواری سے گزر گئے پھر اس نے دوبارہ نظریں اٹھا کر فراز کو دیکھا' ان کی آنکھوں میں ناکام حسرتوں کا خون اور گہرا ہو کر چھلکنے لگا تھا' وہ دبی زبان میں بولی۔

"تمہیں آرام اور سکون کی ضرورت ہے۔"

"ہاں ..... شاید۔" فراز نے بڑی حسرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا پھر خلا میں گھورنے لگے' چہرے پر غموں کے اندوہناک سائے لرز رہے تھے۔

"کیا سوچ رہے ہو؟" اس نے فراز کو ٹٹولنے کی کوشش کی۔

"قدرت کی مہربانیوں کا شمار کر رہا ہوں۔" فراز بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ "سوچ رہا ہوں کہ اگر بھائی جان کی جگہ میں حادثے کا شکار ہو گیا ہوتا تو قدرت کے کارخانے میں کیا کمی آ جاتی۔"

"فراز!" وہ چیخ اٹھی' ماضی کے مندمل ہوتے زخموں میں ٹھیس لگی تو تڑپ کر بولی۔ "ماضی کو حسرتوں کی راکھ تلے دبا رہنے دو' انہیں کریدنے سے اب کچھ حاصل نہ ہو گا۔"

"مجھے معلوم ہے ..... اسی لئے تو موت کی تمنا کو سینے سے لگائے آپ کی دنیا سے دور چلا جانا چاہتا ہوں۔" فراز نے پلٹ کر جھلاتے ہوئے کہا پھر تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے' ایک نظر ناہید کو دیکھا پھر نگاہیں جھکا کر تیز تیز قدم اٹھاتے اندر چلے گئے۔

اور ناہید کو جیسے سکتہ ہو گیا' پھٹی پھٹی نظروں سے وہ فراز کو دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ پھر اس کے دل کی گہرائیوں میں ہلچل سی بیدار ہونے لگی' اس کا ضمیر اسے ملامت کرنے لگا' انگ انگ سے صدائے بازگشت اٹھنے لگی۔

ناہید ..... تُو مجرم ہے۔

تُو نے فراز کی زندگی کو برباد کر دیا۔

اگر تُو فراز کو شادی کے لئے مجبور نہ کرتی تو آج فراز زندگی سے یوں بیزار نظر نہ آتے۔

فراز کے ارمانوں کا خون تیری گردن پر ہے۔

تُو نے محض اپنی زندگی کو پُرسکون رکھنے کی خاطر فراز کی زندگی کو داؤ پر لگا دیا۔

اُس کے ہونٹوں سے مسکراہٹیں چھین کر رونے اور تڑپنے پر مجبور کر دیا۔

اور اب.....
اب بھی اگر تُو نے فراز کو سہارا نہ دیا تو وہ ٹوٹ کر بکھر جائے گا۔
موت کی وادیوں میں گم ہو جائے گا۔
پھر کیا باقی بچے گا۔
صرف تُو ..... اور تیری تنہائیاں ..... اور وقت کی مدھم مدھم رفتار جو ناگن بن کر تیرے وجود کو ڈستی رہے گی۔
تُو خونی ہے ..... مجرم ہے ..... قاتل ہے۔
اور پھر ناہید نے بے اختیار اپنے چہرے کو ہاتھوں میں چھپا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆------☆------☆

فراز آج جا رہے تھے۔
ایئرپورٹ پر انہیں رخصت کرنے کے لئے شیخ الطاف حسین بھی محسن علی اور شازیہ کے ساتھ موجود تھے' وہ بھی شرجیل کو گود میں لئے ایک طرف سمٹی سمٹائی کھڑی فراز کو دیکھ رہی تھی۔ فراز نے اپنی اچانک روانگی کا سبب کاروباری دورہ بتایا تھا اور کہا تھا کہ ایک دو ہفتے میں واپس لوٹ آئیں گے لیکن ناہید جانتی تھی کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ان کے چہرے پر ابھرنے والا سکون اور ہونٹوں پر تڑپنے والی مسکراہٹیں بھی مصنوعی تھیں' انہوں نے اپنے زخموں کو دل کی گہرائیوں میں چھپا لیا تھا' دفن کر لیا تھا۔
"فراز میاں!" شیخ الطاف حسین فراز سے مخاطب تھے۔ "جو کچھ تمہارے اوپر گزر گئی اس کا ہم کو افسوس ہے لیکن قدرت کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں' مجھے یقین ہے کہ تم ہمت سے کام لو گے۔"
"اس کے سوا اور کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔" فراز نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔
"خداوند کی رحمتوں سے مایوسی گناہ ہے' وہ جو کچھ کرتا ہے اس میں کوئی نہ کوئی مصلحت ضرور پوشیدہ ہوتی ہے۔" الطاف حسین نے کہا۔
"جی ہاں۔" فراز ملول ہو گئے۔
"فراز بھائی! آپ نے عین وقت پر روانگی کی اطلاع دی۔" شازیہ بولی۔ "پہلے سے کہا ہوتا تو شاید ہم بھی اسی بہانے آپ کے ساتھ چلے چلتے۔"
"سنا ہے بیرونی ملکوں میں کھانے پینے کی چیزیں بے حد مہنگی ہوتی ہیں۔" محسن علی

نے دبی زبان میں کہا تو شیخ الطاف حسین بھی مسکرا دیئے۔
"توبہ ہے۔" شازیہ نے شوہر کو گھورتے ہوئے کہا۔ "آپ کو تو ہر وقت اپنے کھانے پینے کی فکر پڑی رہتی ہے۔"
فراز کھڑے محسن علی اور شازیہ سے باتیں کرتے رہے پھر جہاز کی روانگی کا اعلان ہوا تو پلٹ کر بوجھل انداز میں چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ناہید کے قریب آ گئے' نظر بھر کر ناہید کو دیکھا' آنکھوں میں جانے کتنی حسرتیں تھیں جو تڑپ رہی تھیں لیکن زبان سے کچھ نہیں بولے' ہاتھ بڑھا کر شرجیل کو گود میں لیا' اسے سینے کی گہرائیوں میں چھپا کر پیار کرنے لگے پھر ناہید کو واپس کر کے اداس اور تھکے تھکے انداز میں جانے کے لئے پلٹے تو ناہید نے آہستہ سے آواز دے کر روک لیا۔
"فراز! تمہاری واپس کب ہو گی؟"
"جب کسی کو میری ضرورت محسوس ہو گی۔" فراز اداس لہجے میں بولے۔
"تمہیں جلدی واپس آنا ہو گا۔" وہ اپنے دل کی دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے محتاط انداز میں بولی پھر بڑے پیار سے فراز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "یہ میرا حکم نہیں ہے ..... درخواست ہے۔"
"میں سمجھا نہیں۔" فراز نے حیرت سے پوچھا' چہرے کے تاثرات یوں بدلے تھے جیسے بدلیاں چھٹنے سے دھوپ نکل آئی۔
"شرجیل کو بھی تمہاری واپس کا بڑی بے چینی سے انتظار رہے گا۔" وہ آہستہ سے بولی پھر دراز پلکیں آنکھوں پر چلمن ہو گئیں۔
"میں کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔" فراز کے لہجے میں ادھورے خوابوں کی حسین تعبیر مچل رہی تھی۔
ناہید نے جواب دینا چاہا لیکن محسن اور شازیہ کے قریب آ جانے سے چپ ہو گئی' محسن فراز کو لے کر طیارے کی طرف چلے گئے' وہ فراز کو دیکھتی رہی اور اپنے دل کی دھڑکنوں کو سمیٹتی رہی۔ طیارے کی سیڑھیوں کے درمیان پہنچ کر فراز آہستہ سے پلٹے' ہاتھ فضا میں لہرا کر آنے والوں کو خدا حافظ کہا تو جواب میں اُس نے شرجیل کا ہاتھ تھام کر بلند کر دیا۔ شیخ الطاف حسین اور شازیہ کے ہاتھ بھی فراز کو الوداع کہنے کے لئے اٹھ گئے۔ پھر جب فراز طیارے میں داخل ہو گئے تو اُس نے شرجیل کو بے اختیار چومتے ہوئے کہا۔
"میرے خوابوں کا شہزادہ۔"

"ہائیں....." شازیہ نے چونکتے ہوئے ناہید سے پوچھا۔ "یہ میں کیا سن رہی ہوں؟"

اور ناہید کو شازیہ کی موجودگی کا احساس ہوا تو وہ شرم سے لجا کر رہ گئی اور چھوئی موئی کے معصوم پودے کی طرح خود اپنے وجود میں سمٹنے کی کوشش کرنے لگی۔ جانے کیوں وہ ۔، خود سی ہو گئی تھی اور.....

فراز کا طیارہ آہستہ آہستہ بلندیوں کی طرف اٹھا رہا تھا.....!!

☆------ ختم شد ------☆